اُصولِ تفسیر

ازافادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

سرپرست: مرکز اہل السنۃ والجماعۃ، 87 جنوبی، لاہور روڈ، سرگودھا

بانی وامیر: عالمی اتحاد اہل السنت والجماعت

چیف ایگزیکٹو: احناف میڈیا سروسز

چیئرمین: احناف ٹرسٹ

www.ahnafmedia.com

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

اصولِ تفسیر کو ہم ایک مقدمہ اور دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

حصہ اول: متعلقاتِ قرآن

حصہ ثانی: متعلقاتِ تفسیرِ قرآن

مقدمہ:

تین فوائد پر مشتمل ہے:

1: فضائل قرآن

2: آدابِ تلاوت قرآن

3: فہم قرآن و تفہیم قرآن

حصہ اول:

پہلی بحث: قرآن؛ تعریف و وجہ تسمیہ

دوسری بحث: وحی، اقسامِ وحی اور نزول وحی کے طریقے

تیسری بحث: تاریخ نزولِ قرآن

چوتھی بحث: شان نزول

پانچویں بحث: سبعہ احرف

چھٹی بحث: ناسخ و منسوخ

حصہ ثانی:

پہلی بحث: تفسیر کا معنی، تفسیر و تاویل میں فرق

دوسری بحث: تفسیر قرآن کے قابلِ اعتبار ماخذ

تیسری بحث: تفسیر قرآن کے ناقابلِ اعتبار ماخذ

چوتھی بحث: تفسیر قرآن کے لیے ضروری علوم

پانچویں بحث: بعض مفسرین کا تعارف

چھٹی بحث: بعض تفاسیر کا تعارف

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مقدمہ

فائدہ نمبر1: فضائل قرآن

حدیث نمبر1:

عَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ.

(صحیح البخاری: ج2ص752باب خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے سب سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن مجید سیکھے اور سکھائے۔

حدیث نمبر2:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ - صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :« الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِی یَقْرَأُ الْقُرْآنَ یَتَتَعْتَعُ فِیهِ وَهُوَ عَلَیْهِ شَاقٌّ فَلَهُ أَجْرَانِ. (صحیح مسلم ج:1 ص:269 باب فضلۃ حافظ القرآن)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن کا ماہر ان ملائکہ کے ساتھ ہوگا جو فرشتوں کے سردار ہیں اور جو شخص قرآن مجید کو اٹکتا ہوا پڑھتا ہے اور اس میں دقت اٹھاتا ہے اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔

حدیث نمبر3:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ - صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - « یُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِی الدُّنْیَا فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آیَةٍ تَقْرَؤُهَا ». (سنن ابی داؤد ج1 ص206 باب کیف یستحب الترتیل فی القراءۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (قیامت کے دن) صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور جنت کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسے دنیا میں تو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا بس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے گا۔

حدیث نمبر4:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْد یَقُوْلُ : قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ - صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - ((مَنْ قَرَأَ حَرْفاً مِنْ كِتَابِ اللّٰہِ فَلَهُ حَسَنَةٌ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لاَ أَقُولُ : أَلم حَرْفٌ، وَلَكِنْ : أَلِفٌ حَرْفٌ، وَلاَمٌ حَرْفٌ، وَمِیمٌ حَرْفٌ)).

(جامع الترمذی ج:2ص:119 باب ماجاء فیمن قرأ حرفا من القرآن مالہ من الأجر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے بھی کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اسے ایک نیکی جو کہ دس نیکیوں کے برابر ہے ملے گی، میں یہ نہیں کہتا کہ "الم" ایک ہی حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف۔

حدیث نمبر5:

عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ الْجُهَنِیِّ عَنْ أَبِیهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ - صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - قَالَ « مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِیهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ ضَوْؤُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِی بُیُوتِ الدُّنْیَا لَوْ كَانَتْ فِیكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِی عَمِلَ بِهَذَا.

(سنن ابی داؤد: ج1 ص205 باب فی ثواب قراءۃ القرآن)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: حضرت سہل بن معاذ الجہنی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے قرآن پاک پڑھا اور اس پر عمل بھی کیا اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا کہ اگر وہ (اس دنیا میں) تمہارے پاس ہوتا تو اس کی روشنی اس دنیا میں لوگوں کے گھروں میں چمکنے والے سورج کی روشنی سے زیادہ حسین ہوتی۔ تو اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس نے خود اس پر عمل کیا ہو؟

فائدہ نمبر 2: آدابِ تلاوت قرآن

1: تلاوت کرنے کے لئے وضو کا ہونا مستحب اور چھونے کے لئے وضو کا ہونا ضروری ہے۔

2: قرآن مجید کی تعظیم کے خیال سے مسواک کرنا۔

3: پاک اور صاف جگہ پر بیٹھ کر تلاوت کرنا۔

4: تعوذ پڑھنا۔

5: تسمیہ پڑھنا۔

مسئلہ: سورت براءت (سورۃ توبہ) کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم یہ ہے کہ اگر اوپر سے پڑھتا آرہا ہو تب تو بسم اللہ پڑھے بغیر ہی سورت توبہ شروع کر دے اور اگر اس سورت سے تلاوت شروع کی ہے تو عام معمول کے مطابق اعوذ باللہ، بسم اللہ پڑھ کر شروع کرے، اسی طرح اگر اس سورت کے درمیان تلاوت روک دی تھی، تو آگے جب تلاوت شروع کرے تب بھی اعوذ باللہ کے بعد بسم اللہ پڑھ کر شروع کرے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج4 ص455)

6: ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھنا۔

7: خوش آوازی اور لب ولہجہ کی درستگی کے ساتھ پڑھنا۔

8: قرآن مجید رو کر پڑھنا، اگر رونا نہ آئے تو رونے کی کیفیت بنالینا۔

9: تلاوت کرتے ہوئے معانی پر غور کرنا۔

10: یہ تصور کرنا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے مخاطب ہیں۔

فائدہ نمبر 3: فہم قرآن اور تفہیم قرآن

فہمِ قرآن کے لیے تین شرائط:

1: عربی زبان محاوراتِ عرب کے ساتھ آتی ہو جو کہ عربی ادب کے ساتھ آئے گی۔

مثال:

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ قَالَ لَهُ عَدِيٌّ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أَجْعَلُ تَحْتَ وِسَادَتِي عِقَالَيْنِ عِقَالًا أَبْيَضَ وَعِقَالًا أَسْوَدَ أَعْرِفُ اللَّيْلَ مِنَ النَّهَارِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ وِسَادَتَكَ لَعَرِيضٌ إِنَّمَا هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ.

(صحیح مسلم: ج1 ص349 باب بیان ان الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر الخ)

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن کی یہ آیت اتری: {حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ} (کہ رمضان میں کھایا پیا کرو جب تک کہ سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے نمودار ہو) تو میں نے اونٹ کی رسی سیاہ اور دوسری سفید اپنے تکیے کے نیچے رکھی۔ پھر آخر رات میں ان کو دیکھا۔ مجھ کو وہ کچھ صاف نظر نہ آئیں۔ صبح کو میں نے رسول اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے عرض کیا۔ آپ نے ہنس کر

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

فرمایا: تیرا تکیہ بہت لمبا چوڑا ہے۔(یعنی تو نے سمجھا نہیں، قرآن کا مطلب سیاہ اور سفید ڈورے سے رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔

2: قرآنی آیات کا پسِ منظر، شانِ نزول، Background معلوم ہو جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آئے گا۔

مثال:

عَنْ أَسْلَمَ أَبِي عِمْرَانَ قَالَ: غَزَوْنَا مِنَ الْمَدِينَةِ نُرِيدُ الْقُسْطَنْطِينِيَّةَ وَعَلَى الْجَمَاعَةِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ وَالرُّومُ مُلْصِقُو ظُهُورِهِمْ بِحَائِطِ الْمَدِينَةِ فَحَمَلَ رَجُلٌ عَلَى الْعَدُوِّ فَقَالَ النَّاسُ: مَهْ مَهْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ يُلْقِي بِيَدَيْهِ إِلَى التَّهْلُكَةِ. فَقَالَ أَبُو أَيُّوبَ: إِنَّمَا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ فِينَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ لَمَّا نَصَرَ اللَّهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَظْهَرَ الإِسْلاَمَ قُلْنَا: هَلُمَّ نُقِيمُ فِي أَمْوَالِنَا وَنُصْلِحُهَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى (وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلاَ تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ) فَالإِلْقَاءُ بِالأَيْدِي إِلَى التَّهْلُكَةِ أَنْ نُقِيمَ فِي أَمْوَالِنَا وَنُصْلِحَهَا وَنَدَعَ الْجِهَادَ.

(سنن ابی داود: ج1 ص340 باب فی قولہ تعالیٰ ولا تلقوا بأیدیکم الی التھلکۃ)

ترجمہ: حضرت اسلم ابی عمران فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ منورہ سے قسطنطنیہ پر حملے کے لئے روانہ ہوئے۔ ہمارے امیر لشکر حضرت عبدالرحمن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ (لڑائی کے وقت) رومی لشکر اپنے شہر کی دیوار سے چپکا ہوا تھا۔ مسلمانوں میں سے ایک مجاہد نے دشمنوں پر (تنہا) حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر لوگ شور کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ شخص اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے (حالانکہ قرآن مجید میں تو آیا ہے کہ لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کہ اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت تو ہم انصار کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی مدد فرمائی اور اسلام کو غالب فرما دیا تو ہم نے کہا کہ ہم کچھ عرصہ اپنے مال اور کاروبار کی اصلاح کے لئے گھروں میں رک جاتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں بتا دیا گیا کہ ہاتھوں سے خود کو ہلاک کرنا یہ ہے کہ ہم جہاد چھوڑ کر اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں اور اپنے اموال کی اصلاح کرتے رہیں۔

3: مرادِ خداوندی معلوم ہو جو کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے آئے گی۔

مثال:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ {الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ} قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ قَالَ لَيْسَ كَمَا تَقُولُونَ {لَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ} بِشِرْكٍ أَوَلَمْ تَسْمَعُوا إِلَى قَوْلِ لُقْمَانَ لِابْنِهِ {يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ}

(صحیح البخاری: ج1 ص474 باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آیت کریمہ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہیں کیا) نازل ہوئی تو ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں ایسا کون ہے جس نے اپنے اوپر (گناہ کر کے) ظلم نہیں کیا؟ فرمایا یہ بات تمہارے خیال کے مطابق نہیں ہے بلکہ (لَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ) میں ظلم سے مراد شرک ہے کیا تم نے لقمان کی بات جو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہی تھی نہیں سنی کہ (اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے)۔

تفہیم قرآن کے لیے پندرہ علوم کی ضرورت:

[1]: لغت جس سے کلام پاک کے مفرد الفاظ کے معنی معلوم ہو جائیں۔ نیز چند لغات کا معلوم ہو جانا ہی کافی نہیں اس لئے کہ بسا اوقات لفظ چند معانی میں مشترک ہوتا ہے اور وہ ان میں سے ایک دو معنی جانتا ہے اور فی الواقع اس جگہ کوئی اور معنی مراد ہوتے ہیں۔

[2]: علم نحو جس کے ذریعے اعراب درست رہیں اور معانی میں تغیر و تبدل نہ ہو۔ مثال: ﴿أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ﴾

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

[3]:علمِ صرف جس سے الفاظ کی پہچان رہتی ہے۔

[4]:علم اشتقاق: جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ جب دومادوں سے مشتق ہو تو اس کے معنی مختلف ہوں گے، جیسے "مسیح" کا لفظ ہے، اس کا اشتقاق "مسح" سے بھی ہے جس کا معنی چھونے اور تر ہاتھ کسی چیز پر پھیرنے کے ہیں اور "مساحت" سے بھی ہے جس کے معنی پیمائش کے ہیں۔

[5]:علمِ معانی جس سے کلام کی ترکیب معنی کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہے۔

[6]:علمِ بیان جس سے کلام کا ظہور و خفا، تشبیہ و کنایہ معلوم ہوتا ہے۔

[7]:علمِ بدیع جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔

یہ تینوں فن "علم بلاغت" کہلاتے ہیں۔ تفسیر کے اہم علوم میں سے ہیں، اس لیے کہ کلام پاک جو سراسر اعجاز ہے اس سے اس کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔

[8]:علمِ قراءت جس سے مختلف قراءتوں کی وجہ سے مختلف معنی معلوم ہوتے ہیں اور بعض معنی کی دوسرے معنی پر ترجیح معلوم ہو جاتی ہے۔

[9]:علمِ عقائد جس سے کلام پاک میں خصوصاً آیات تشبیہ میں غلطی سے حفاظت رہتی ہے۔

[10]:اصولِ فقہ اس سے وجوہِ استدلال واستنباط معلوم ہوتے ہیں۔

[11]:اسبابِ نزول جس سے آیات کے معنی زیادہ واضح ہوں گے کیونکہ بسااوقات اصل معنی کا معلوم ہونا بھی شان نزول پر موقوف ہوتا ہے۔

[12]:ناسخ و منسوخ جس سے منسوخ شدہ احکام معمول بہا احکام سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔

[13]:علمِ فقہ جس کی بنا پر جزئیات اور جزئیات کے احاطہ سے کلیات پہچانے جاتے ہیں۔

[14]:احادیث جن کے ذریعے قران پاک کی مجمل آیات کی تفسیر اور توضیح معلوم ہوتی ہے۔

[15]:علمِ لدنی یہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ شریعت پر عمل کرنے کی وجہ سے اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتے ہیں جیسا کہ حدیث مبارک میں ہے: من عمل بما علم ورثه الله علم مالم يعلم. اس علم کو "علم لدنی" بھی کہا جاتا ہے اور "علمِ وہبی" بھی۔

حصہ اول: متعلقاتِ قرآن

پہلی بحث: قرآن؛ تعریف و وجہ تسمیہ

قرآن کریم کے کل نام پانچ ہیں جو ان آیات میں مذکور ہیں:

1:الکتاب: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ (البقرة:2)

2:القرآن: إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا۔ (الاسراء:9)

3:الذکر: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ (الحجر:9)

4:الفرقان: تَبٰرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان:1)

5:التنزیل: تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (یٰسین:5)

بعض حضرات نے قرآن کریم کے نام کثرت سے ذکر فرمائے ہیں، مثلاً علامہ ابو المعالی عزیزی بن عبد الملک المعروف "شیذلہ" [م494ھ] نے اپنی کتاب "البرہان" میں قرآن کریم کے پچپن نام ذکر کئے ہیں۔

(الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی: ج1 ص50 النوع السابع عشر)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اور علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی[م817ھ] نے سونام ذکر فرمائے ہیں:

(بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز:ص61)

دراصل ان حضرات نے "اسماء القرآن" اور "صفات القرآن" کو جمع کر دیا ہے، یعنی قرآن کریم کی صفات مثلاً مجید، کریم، حکیم وغیرہ کو نام ذکر کر کے تعداد اس حد تک پہنچائی ہے ورنہ در حقیقت قرآن کریم کے کل نام پانچ ہیں جو اوپر ذکر کر دیے گئے ہیں۔

تعریف القرآن:

شیخ احمد المعروف ملا جیون رحمہ اللہ[م1130ھ] فرماتے ہیں:

"القرآن، المنزل علی الرسول علیه السلام المکتوب فی المصاحف المنقول عنه نقلاً متواتراً بلا شبهة."

(نور الانوار:ص 9،10)

ترجمہ: قرآن (خدا کا وہ کلام ہے) جو رسول علیہ السلام پر نازل ہوا، مصاحف میں لکھا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل متواتر سے منقول ہوا۔

وجہ تسمیہ قرآن:

1: قرآن "قراءۃ" کی طرح مصدر ہے جیسے "إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ" (سورۃ القیامہ:17) پھر مصدر کبھی اسم مفعول کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن کو بھی قرآن اسی معنی میں کہا جاتا ہے یعنی "پڑھی ہوئی چیز"۔ (مباحث فی علوم القرآن:ص20)

2: قرآن کا معنی چونکہ "جمع کرنا" ہے اور قرآن سابقہ کتب کے ثمرات بلکہ تمام علوم کا جامع ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ.(الانعام:38)

مزید ارشاد ہے: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ.(النحل:89)

اس لیے اس کو قران کہتے ہیں۔ (مباحث فی علوم القرآن:ص20)

دوسری بحث: وحی، اقسامِ وحی اور نزول کے طریقے

معنیٰ وحی:

لغوی معنیٰ:

شیخ مناع خلیل القطان لکھتے ہیں:

الإشارة السريعة، وذلك يكون بالكلام على سبيل الرمز والتعريض، وقد يكون بصوت مجرد، وبإشارة ببعض الجوارح.

(مباحث فی علوم القرآن:ص32)

ترجمہ: "وحی" کا معنیٰ ہے؛ جلدی سے کوئی اشارہ کرنا۔ پھر عام ہے کہ یہ اشارہ رمز و کنایہ استعمال کر کے کیا جائے، یا کوئی بے معنیٰ آواز نکال کر، یا کسی عضو کو حرکت دے کر کیا جائے۔

لغوی اعتبار سے لفظ "وحی" کئی معانی کو شامل ہے، مثلاً

1: شیطان کا وسوسہ ڈالنا، مثلاً

﴿وَإِنَّ الشَّيٰطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيٰئِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ﴾ (الانعام:121)

2: فرشتوں کو خطاب، جیسے

﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلٰئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ (الانفال:12)

3: حیوان کی طرف ایسا الہام جو اس کی فطرت بن جائے، مثلاً

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ﴾ (النحل:68)

4: جلدی سے اشارہ کرنا، مثلاً

﴿فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾ (مریم:11)

5: غیر نبی کے دل میں بات ڈالنا، مثلاً:

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ﴾ (القصص:7)

وحی کا اصطلاحی معنی:

شیخ مناع خلیل القطان لکھتے ہیں:

كلام الله تعالى المُنَزَّلُ على نبي من أنبيائه. (مباحث فی علوم القرآن: ص32)

ترجمہ: وحی اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اس کے نبیوں میں سے کسی نبی پر نازل ہو۔

اقسام وحی:

وحی کی دو قسمیں ہیں:

(1) متلو (2) غیر متلو

وحی متلو:

جس کی بطورِ قراءت تلاوت کی جائے۔

وحی غیر متلو:

جس کی بطورِ قراءت تلاوت نہ کی جائے۔

وحی متلو کی اقسام:

وحی متلو کی تین قسمیں ہیں:

(1) کلامِ الٰہی:

اللہ تعالیٰ بغیر واسطہ ملائکہ کے براہِ راست نبی سے ہم کلام ہو۔ یہ سب سے اعلیٰ قسم کی وحی ہے۔

مثال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ (النساء:163)

(2) وحی قلب:

اللہ تعالیٰ نبی کے دل میں کوئی بات بلا واسطہ براہِ راست ڈال دیں خواہ حالت بیداری میں ہو یا حالتِ خواب میں ہو۔

مثال: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب جس میں بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم تھا۔

(3) وحی ملکی:

اللہ تعالیٰ بواسطہ فرشتہ نبی کو پیغام دیتے ہیں۔ پھر کبھی فرشتہ کی آواز سنائی دیتی ہے اور کبھی فرشتہ نظر بھی آتا ہے۔ پھر فرشتہ کبھی اپنی اصلی شکل اور کبھی انسانی شکل میں آتا ہے۔

مثال: ☆ آواز کا آنا۔ حضرت عمرو بن شرحبیل رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے ورقہ بن نوفل سے فرمایا:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

إذا خلوت وحدی سمعت نداء خلفی : یا محمد، یا محمد، فأنطلق هاربا فی الأرض » فقال : لا تفعل، إذا أتاك فاثبت حتی تسمع ما یقول، ثم ائتنی فأخبرنی، فلما خلا ناداه یا محمد قل : بسم الله الرحمن الرحیم . الحمد لله رب العالمین حتی بلغ ولا الضالین.

(دلائل النبوۃ للبیہقی:ج1ص412)

ترجمہ: جب میں اکیلا ہوتا ہوں تو اپنے پیچھے آواز سنتا ہوں: "یا محمد! یا محمد!" تو میں دوڑ پڑتا ہوں۔ ورقہ بن نوفل نے کہا: اب ایسا نہ کیجیے گا، اب جب بھی وہ (ہاتفِ غیبی) آپ کے پاس آئے تو رک جایئے اور اور سنیے کہ وہ کیا کہتا ہے، پھر میرے پاس آیئے۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار تنہا کہیں تشریف فرما ہوئے تو اس (ہاتفِ غیبی) سے آواز دی: "اے محمد کہیے! بسم الله الرحمن الرحیم . الحمد لله رب العالمین" حتیٰ کہ ولا الضالین تک پڑھ دیا۔

☆ فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا۔

ولم یر جبریل علی صورته التی خلق علیها إلا مرتین کما ثبت فی الصحیحین. (فتح الباری:ج9ص9 کتاب فضائل القرآن)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے جیسا کہ صحیحین میں مذکور ہے۔

وہ دو صورتیں یہ ہیں:

مرة منهبطا من السماء ومرة عند سدرة المنتهى.

(عمدۃ القاري للعینی: باب إذا قال أحدکم آمین والملائکۃ في السماء)

ترجمہ: ایک مرتبہ جب وہ آسمان سے اتر رہے تھے اور دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ پر۔

☆ فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا۔ جیسے حدیث جبرئیل میں مذکور ہے

قرآن کریم نے وحی کی ان تینوں قسموں کی طرف آیتِ ذیل میں اشارہ فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ.(الشوریٰ:51)

ترجمہ: کسی بشر کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے (روبرو ہو کر) بات کرے مگر دل میں بات ڈال کر یا پردے کے پیچھے یا کسی پیامبر (فرشتے) کو بھیج کر جو اللہ کی اجازت سے جو چاہے وحی نازل کرے۔

اس آیت میں ﴿وَحْيًا﴾ (دل میں بات ڈالنے) سے مراد "وحی قلب" ہے، اور پردے کے پیچھے سے مراد "کلامِ الٰہی"، اور پیامبر بھیجنے سے مراد "وحی ملکی" ہے۔

نزول وحی کے طریقے:

1: رویائے صادقہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ خواب میں دیکھتے بیداری میں ویسے ہی ہو جاتا تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ.(صحیح البخاری:ج1ص2)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترنی شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے، جو بحالت نیند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھتے تھے، چنانچہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا۔

2: صلصلۃ الجرس: نزول وحی کے وقت گھنٹی کی آواز کی طرح آواز سنائی دیتی تھی۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَحْيُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْيَانًا يَأْتِينِي مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ فَيُفْصَمُ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ.

(صحیح البخاری: ج1 ص2)

ترجمہ: حارث بن ہشام نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ تو رسول اللہ نے فرمایا کہ کبھی میرے پاس گھنٹے کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے اور جب میں اسے یاد کرلیتا ہوں جو اس نے کہا تو وہ حالت مجھ سے دور ہو جاتی ہے۔

3: تمثل ملک: فرشتہ کا انسانی شکل میں آکر پیغامِ الٰہی پہنچا جانا۔

وَأَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِي الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِي فَأَعِي مَا يَقُولُ. (صحیح البخاری: ج1 ص2)

ترجمہ: اور کبھی فرشتہ آدمی کی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے اسے میں یاد کرلیتا ہوں۔

4: نفس فی الروع:

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا کسی بھی شکل میں آئے بغیر آپ علیہ السلام کے دل میں کسی بات کا القاء فرما دینا۔ ایک روایت میں ہے:

إن جبريل عليه السلام ألقى في روعي أن أحدا منكم لن يخرج من الدنيا حتى يستكمل رزقه.

(المستدرک علی الصحیحین: ج2 ص293 باب ان اللہ لا ینال فضلہ بمعصیۃ رقم الحدیث 2181 عن ابن مسعود)

ترجمہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کوئی انسان دنیا سے اس وقت تک رخصت نہیں ہوتا جب تک اپنا رزق مکمل نہ کرلے۔

5: فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا:

کبھی کبھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی انسانی شکل کو اختیار کئے بغیر اپنی اصلی صورت میں آتے تھے، بقول علامہ ابن حجر رحمہ اللہ ایسا صرف دوبار ہوا۔ فرماتے ہیں:

ولم یر جبریل علی صورته التی خلق علیها إلا مرتین کما ثبت فی الصحیحین. (فتح الباری: ج9 ص9 کتاب فضائل القرآن)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے جیسا کہ صحیحین میں مذکور ہے۔

وہ دو صورتیں یہ ہیں:

مرة منهبطا من السماء ومرة عند سدرة المنتهى.

(عمدۃ القاری للعینی: باب إذا قال أحدکم آمین والملائکۃ فی السماء)

ترجمہ: ایک مرتبہ جب وہ آسمان سے اتر رہے تھے اور دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ پر۔

6: بلاواسطہ مکالمہ:

ایسا معراج کے موقع پر ہوا۔

تیسری بحث: تاریخ نزولِ قرآن

تاریخ نزول قرآن سمجھنے کے لئے تمہیداً چند باتوں کو سمجھنا ضروری ہے۔

1: ارہاص کی تعریف:

"رہص" سنگ بنیاد کو کہتے ہیں۔ ابنیاء علیہم السلام کی دنیا میں تشریف آوری یا ان کے دعویٰ نبوت سے پہلے حق تعالیٰ کچھ ایسی نشانیاں

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ظاہر فرماتے ہیں جو خرق عادت ہونے میں معجزات کی طرح ہوتی ہیں اور ایسی نشانیاں چونکہ نبوت کے اثبات کا مقدمہ اور اس کی تمہید ہوتی ہیں، اس لئے ان کو "ارھاص" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اصحابِ فیل کی ہلاکت کا واقعہ، بتوں کا منہ کے بل گر پڑنا، فارس کے مجوسیوں کی ایک ہزار سال سے جلائی ہوئی آگ کا ایک لمحہ میں بجھ جانا، کسریٰ کے محل کا زلزلہ اور اس کے چودہ کنگروں کا منہدم ہو جانا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے بدن سے ایک ایسے نور کا نکلنا جس سے "بصریٰ" تک کے محل روشن ہوگئے۔ یہ سب واقعات اسی ارہاص کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں جو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے ہی "مبشرات" بن کر آپ کی نبوت کے اثبات کا مقدمہ بنے۔

2: اقسام نزول:

قرآن کریم نے اپنے نزول کے لیے دو قسم کے الفاظ بیان کیے ہیں:

1: انزال 2: تنزیل

"انزال" کا معنی یکبارگی اتارنا"۔ قرآن کریم میں جہاں انزال کا لفظ ذکر ہوا ہے اس سے مراد قرآن کا لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف نزول ہے۔ ارشادِ باری ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِي لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ. (سورۃ القدر:1)

ترجمہ: ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں اتارا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

في قوله: {إنا أنزلناه في ليلة القدر} قال: أنزل القرآن جملة واحدة حتى وضع في بيت العزة في السماء الدنيا ونزله جبريل عليه السلام على محمد صلى الله عليه وسلم بجواب كلام العباد وأعمالهم. (المعجم الکبیر: ج6 ص32 رقم الحدیث 12213)

اور لفظِ "تنزیل" تدریجی نزول کے لیے استعمال ہوا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

وَقُرْءَانًا فَرَقْنَٰهُ لِتَقْرَأَهُۥ عَلَى ٱلنَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَٰهُ تَنزِيلًا. (الاسراء:106)

سب سے پہلی وحی:

بعض مفسرین نے سورۃ الفاتحہ کو پہلی وحی قرار دیا ہے اور بعض نے سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات کو سب سے پہلی وحی قرار دیا ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سب سے پہلی وحی سورۃ علق کی ابتدائی آیات ہیں جو کہ غار حراء میں نازل ہوئیں۔ (الاتقان فی علوم القرآن: ج1 ص23 ملخصاً)

سب سے آخری وحی:

قرآن مجید کی آخری نازل ہونے والی آیت یہ ہے:

﴿وَٱتَّقُوا۟ يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى ٱللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ (البقرۃ:281)

(المعجم الکبیر للطبرانی: ج6 ص27 رقم الحدیث 12188، الاتقان: ج1 ص27)

اور نبی علیہ السلام اس آیت کے نازل ہونے کے بعد 9 راتوں تک زندہ رہے۔ (الاتقان: ج1 ص27)

اشکال:

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا.﴾ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دین پورا اور مکمل ہو گیا ہے، تو پھر اس کے بعد کچھ آیات کیسے نازل ہوئیں؟

جواب:

عقائد اور احکامِ حلال وحرام کے اعتبار سے کامل فرما دیا، اس کے بعد نازل ہونے والی آیات وعد و وعید پر مشتمل ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

چوتھی بحث: شان نزول

شانِ نزول:

قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں:

1: جن کے نزول کا سبب کوئی خاص واقعہ یا کسی کا سوال نہیں بنا۔

2: جن کے نزول کا سبب کوئی خاص واقعہ یا کسی کا سوال بنا ہو۔

یہی خاص واقعہ یا کسی کے سوال مفسرین کی اصطلاح میں "سبب نزول" یا "شان نزول" کہلاتا ہے۔

شانِ نزول جاننے کے فوائد:

1: اس سے احکام کی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں اور یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم کیوں اور کن حالات میں نازل فرمایا ہے۔

مثال: سورہ نساء میں ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى﴾ (سورۃ النساء:43)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم نماز کے قریب بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو۔

اگر شان نزول کی روایات سامنے نہ ہوں تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب شراب ازروئے قرآن بالکل حرام ہے تو یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ "نشے کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ"؟ اس سوال کا جواب صرف شانِ نزول ہی سے مل سکتا ہے، چنانچہ اس کے سبب نزول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے ایک مرتبہ حضرت عبد الرحمن بن عوف نے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھانے پر مدعو کیا، وہاں کھانے کے بعد شراب پی گئی، اسی حالت میں نماز کا وقت آگیا، تو ایک آدمی نے امامت کی، اور اس میں نشے کی وجہ سے قرآنی آیات کی تلاوت میں غلطی کر گئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر ابن کثیر: ج1ص654)

2: بسا اوقات سببِ نزول کے جانے بغیر آیت کا صحیح مفہوم ہی سمجھ میں نہیں آتا اور اگر سببِ نزول معلوم نہ ہو تو آدمی اس آیت کا بالکل غلط مطلب بھی سمجھ سکتا ہے۔

مثال: سورہ بقرہ میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ (سورۃ البقرۃ:115)

ترجمہ: اور مشرق و مغرب اللہ ہی کی ہیں، لہٰذا جدھر بھی تم رخ کرلو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے۔

اگر اس آیت کا شان نزول پیش نظر نہ ہو تو اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کسی خاص جہت کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں، مشرق و مغرب سب اللہ کی ملکیت میں ہیں اور وہ ہر سمت میں موجود ہے، اس لیے جس طرف بھی رخ کرلیا جائے نماز ہو جائے گی، حالانکہ یہ مفہوم بدیہی طور پر غلط ہے، خود قرآن کریم ہی نے دوسرے مقام پر کعبہ کی طرف رخ کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ یہ عُقدہ صرف شان نزول کو دیکھ کر ہی حل ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیل ہوا تو یہودیوں نے اعتراض کیا کہ اس تبدیلی کی کیا وجہ ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(الاتقان: ج1ص32)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر سمت اللہ کی بنائی ہوئی ہے، اور اللہ ہر طرف موجود ہے، لہٰذا وہ جس طرف بھی رخ کرنے کا حکم دیدے، ادھر رخ کرنا واجب ہے، اس میں قیاسات کو دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

3: قرآن کریم بسا اوقات ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے کہ جن کا شانِ نزول کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اور اگر ان کا صحیح پسِ منظر معلوم نہ ہو تو بسا اوقات – معاذ اللہ – بے فائدہ اور بے جوڑ معلوم ہونے لگتے ہیں کہ جن سے قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت پر حرف آتا ہے۔

مثال: سورہ طلاق میں ارشاد ہے:

﴿وَاللَّآئِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّآئِي لَمْ يَحِضْنَ﴾ (سورۃ الطلاق:4)

ترجمہ: تمہاری وہ عورتیں جو حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہیں اگر تم کو (ان کے بارے میں) شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور جن لڑکیوں کو ابھی حیض نہیں آیا ان کو بھی۔

اس آیت میں یہ الفاظ کہ "اگر تم کو شک ہو" ان کا بظاہر کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا، یہاں تک کہ بعض حضرات نے ان الفاظ کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ اگر سن رسیدہ عورت کو جس کا حیض بند ہو چکا ہو حمل کے بارے میں کوئی شک نہ ہو تو اس پر کوئی عدت واجب نہیں ہے لیکن سبب نزول ان الفاظ کی وجہ بتاتا ہے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سورۃ النساء میں عورتوں کی عدت بیان کی گئی تو انصار کے لوگوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ عورتیں ایسی ہیں جن کی عدت قرآن کریم میں بیان نہیں ہوئی، ایک تو چھوٹی بچیاں جنہیں حیض نہیں آتا، دوسرے وہ سن رسیدہ عورتیں جن کا حیض بند ہو گیا، اور تیسرے حاملہ عورتیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اس میں تینوں قسموں کا حکم بیان کر دیا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر: ج4ص488)

4: قرآن کریم میں ایسے مقامات بھی تھوڑے نہیں ہیں کہ جن میں کسی واقعہ کی طرف مختصر اشارہ کیا گیا ہے اور جب تک وہ واقعہ معلوم نہ ہو ان آیات کا مطلب سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔

مثال: سورۃ الانفال میں ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾ (سورۃ الانفال:17)

ترجمہ: اور جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خاک کی مٹھی) پھینکی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پھینکی، بلکہ اللہ نے پھینکی۔

دراصل اس آیت میں غزوہ بدر کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے نرغے کے وقت خاک کی ایک مٹھی ان کی طرف پھینکی تھی، اور اس کے بعد نرغہ ٹوٹ گیا تھا۔

(اسباب النزول للواحدی: ص237 تحت ھذہ الآیۃ)

اب اگر یہ سبب نزول ذہن میں نہ ہو تو آیت کا مطلب نہیں سمجھا جا سکتا۔

اسباب نزول میں متعلق چند فوائد:

فائدہ نمبر1:

بسا اوقات مفسرین بعض ایسے واقعات آیات کے تحت ذکر فرماتے ہیں جن کا شانِ نزول سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ مقصد کچھ اور ہوتا ہے۔ مثلاً

1: بعض مرتبہ کسی علمی مباحثہ میں کسی صحابی نے وہ آیت بطور دلیل کے پیش کر دی، مفسرین یہ واقعہ اس آیت کے تحت ادنیٰ مناسبت سے ذکر کر دیتے ہیں۔

2: بعض مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی موقعہ پر اس آیت سے استشہاد فرمایا، مفسرین ایسے بھی آیت کے تحت نقل کر دیتے ہیں۔

3: جو بات کسی آیت میں بیان کی گئی ہے بعض مرتبہ وہی بات آپ علیہ السلام نے کسی حدیث میں بھی ارشاد فرمائی، تفسیر کی کتابوں میں وہ حدیث

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بھی اس آیت کے تحت روایت کر دی جاتی ہے۔

4: بعض مرتبہ مفسرین کوئی روایت محض یہ بتانے کے لئے نقل کرتے ہیں کہ آیت کس مقام پر نازل ہوئی۔ یہ روایت بھی تفسیر کے ذیل میں درج ہو جاتی ہے۔

5: بعض دفعہ قرآن کریم کچھ لوگوں کا ذکر مبہم طور پر فرماتا ہے اور ان کا نام نہیں ذکر کرتا، مفسرین روایتوں کے ذریعے ان لوگوں کے نام متعین کر دیتے ہیں۔

6: بعض مرتبہ کسی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے فلاں لفظ کا صحیح تلفظ کیا ہے؟ تفسیر کی کتابوں میں ایسی روایات بھی درج ہوتی ہیں۔

7: بعض احادیث اور آیات میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں یا آیتوں کے فضائل بیان ہوئے ہیں، مفسرین ان روایات کو بھی متعلقہ مقامات پر نقل کر دیتے ہیں۔

8: بعض مقامات پر ایسی احادیث بھی تفسیر کے ذیل میں منقول ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے اس حکم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح عمل فرمایا؟

(الفوز الکبیر از شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ: ص38، 39، علوم القرآن: ص79 تا 81 مع توضیح)

فائدہ نمبر 2:

سببِ نزول اور اختلافِ روایات:

اسباب نزول کے سلسلہ میں تفسیر کے دوران ایک بڑی مشکل آتی ہے کہ ایک ہی آیت کے سبب نزول میں کئی کئی مختلف روایتیں ملتی ہیں اور جو شخص تفسیر کے اصول سے واقف نہ ہو وہ الجھن اور طرح طرح کے شبہات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے یہاں اس اختلافِ روایت کی حقیقت سمجھ لینی ضروری ہے۔ یہ کل چھ اصول ہیں۔

اصل نمبر 1:

اگر کسی آیت کی تفسیر میں دو مختلف روایتیں ہوں اور ان دونوں میں یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہوں کہ "نزلت الآیۃ فی کذا" (یہ آیت فلاں مسئلہ یا معاملہ کے بارے میں نازل ہوئی) لیکن دونوں میں الگ الگ معاملات ذکر کئے گئے تو درحقیقت دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہوتا، کیوں کہ ان میں سے کسی کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ یہ معاملہ آیت کا شان نزول ہے بلکہ منشاء یہ ہے کہ فلاں مسئلہ یا معاملہ بھی آیت کے حکم کے تحت داخل ہے۔

مثال:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (سورۃ سجدۃ: 16)

ترجمہ: ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں۔

اس کی تفسیر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی جو مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھتے رہتے تھے. ایک اور روایت میں انہی سے مروی ہے کہ یہ آیت ان حضرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو نماز عشاء کے انتظار میں جاگتے رہتے تھے اور بعض دوسرے صحابہ اسے تہجد گزار حضرات کے بارے میں قرار دیتے ہیں۔ اب بظاہر یہ اختلاف شانِ نزول کا اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن یہ درحقیقت یہ آیت کے مختلف مصداق ہیں اور یہ تمام نیک اعمال آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اصل نمبر 2:

ایک مفسر کہے "نزلت الآیة فی کذا" دوسرا مفسر صراحۃً شان نزول بیان کر دے تو یہاں معتبر وہ روایت ہے جس میں شان نزول کی تصریح ہے۔

مثال:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ

(سورۃ البقرۃ:223)

ترجمہ: تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، پس اپنی کھیتی میں آؤ جہاں سے چاہو۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت عورتوں کے ساتھ پشت میں صحبت کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(صحیح البخاری: ج2 ص649 باب نساء کم حرث لکم الآیۃ)

اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں اس آیت کا شان نزول صراحۃً مروی ہے کہ یہود کہتے تھے جو شخص اپنی بیوی کی پشت کی جانب سے اگلے حصہ میں صحبت کرے تو اس کا بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

(صحیح مسلم: ج1 ص463)

ان دونوں روایتوں میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت مفصل اور شان نزول میں صریح ہے اس لیے اس کو ترجیح ہو گی اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو ان کا استنباط قرار دیا جائے گا۔ (الاتقان فی علوم القرآن: ج1 ص32)

فائدہ:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول:

عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ لَمْ يَتَكَلَّمْ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ فَأَخَذْتُ عَلَيْهِ يَوْمًا فَقَرَأَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ حَتَّى انْتَهَى إِلَى مَكَانٍ قَالَ تَدْرِي فِيمَ أُنْزِلَتْ قُلْتُ لَا قَالَ أُنْزِلَتْ فِي كَذَا وَكَذَا ثُمَّ مَضَى وَعَنْ عَبْدِ الصَّمَدِ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ حَدَّثَنِي أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ {فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ} قَالَ يَأْتِيهَا فِي.

(صحیح البخاری: ج2 ص649 باب نساء کم حرث لکم)

کا علماء امت نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ اس آیت میں عورتوں کے ساتھ لواطت کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ محمد عبد العظیم الزرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأما رواية ابن عمر فتحمل على أنها بيان لحكم إتيان النساء في أدبارهن وهو التحريم. استنباطا منه.

(مناہل العرفان: ص115)

اور یہی مطلب قرین قیاس ہے اس لیے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں صراحتاً مروی ہے کہ وہ اس فعل کو انتہائی برا جانتے تھے اور اس پر شدید نکیر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ابو الحباب سعید بن یسار سے روایت ہے:

أنه سأل ابن عمر فقال له: يا أبا عبد الرحمن، إنا نشتري الجواري فنُحمِّض لهن؟ فقال: وما التحميض؟ قال: الدُّبُر. فقال ابن عمر: أُفٍّ! أُفٍّ! يفعل ذلك مؤمن! -أو قال: مسلم!

(تفسیر ابن جریر الطبری: ج2 ص485 تحت الآیۃ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ، ارشاد الشیعہ از امام اہل السنۃ: ص185)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اصل نمبر 3:

ہر مفسر صراحۃً سبب نزول بیان کرے جو دوسرے سے مختلف ہو تو یہاں صحیح روایت پر اعتماد کیا جائیگا نہ کہ ضعیف پر۔

مثال: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالضُّحٰی○وَاللَّیۡلِ إِذَا سَجٰی ○مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی○

(سورۃ الضحیٰ:1 - 3)

ترجمہ: قسم ہے وقت چاشت کی اور رات کی جب وہ چھا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ خفا ہوا ہے۔

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ کسی تکلیف کی وجہ سے دو تین راتیں آپ علیہ السلام تہجد نہ پڑھ سکے تو اس پر وحی بند ہوگئی۔ تو ایک کافرہ عورت نے کہا: لگتا ہے تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

(صحیح البخاری: ج1 ص151 باب ترک القیام للمریض، صحیح مسلم: ج2 ص109 باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین والمنافقین)

المعجم الکبیر للطبرانی کی روایت میں ہے کہ ایک کتے کا پلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی کے نیچے گھس گیا اور وہیں پر مر گیا تو چند دن تک وحی منقطع ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا کہ میرے گھر میں کیا ہوا ہے؟ (کہ وحی آنا بند ہوگئی ہے)۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ گھر کی صفائی کرنی چاہیے۔ جب صفائی کی تو مرا ہوا کتا نکلا تب یہ آیات نازل ہوئیں۔

(المعجم الکبیر للطبرانی: ج10 ص282 رقم الحدیث 20103 احادیث خولۃ بنت عاصم - تتمہ مسانید النساء)

یہاں پر دوسری روایت سنداً صحیح نہیں۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ اس کی سند میں بعض راوی مجہول ہیں۔ (الاتقان: ج1 ص32)

لہٰذا قابل اعتماد شان نزول صحیح بخاری والا ہے۔

اصل نمبر 4:

بعض مرتبہ شانِ نزول میں دو روایات ہوتی ہیں، وہ دونوں سند کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں لیکن ایک روایت کے حق میں کوئی وجہ ترجیح پائی جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ ایک سند دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط ہوتی ہے یا یہ کہ ایک کا راوی ایسا ہوتا ہے کہ جو واقعہ کے وقت موجود تھا اور دوسری روایت کا راوی واقعہ کے وقت موجود نہیں تھا تو ایسی صورت میں اس روایت کو اختیار کو اختیار کیا جائیگا کہ جس کے حق میں وجہ ترجیح موجود ہو۔

مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَسۡأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنۡ أَمۡرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمۡ مِنَ الۡعِلۡمِ إِلَّا قَلِيلًا۔

(سورۃ الاسراء:85)

ترجمہ: اور آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے اور تمہیں نہیں دیا گیا مگر علم کا تھوڑا حصہ۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نبی علیہ السلام کے ساتھ مدینہ کی گلیوں میں

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

چل رہا تھا۔ اتنے میں آپ کا گزر یہودیوں کے پاس سے ہوا۔ انہوں نے آپ علیہ السلام سے کہا: ہمیں روح کے بارے میں بتلائیں۔ اس پر آپ علیہ السلام تھوڑی دیر رک گئے اور کچھ دیر کے بعد آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، حتیٰ کہ وحی ختم ہو گئی پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

(صحیح البخاری: ج2 ص686 باب قول اللہ تعالیٰ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا)

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ قریش نے یہود سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی بات بتلاؤ جو ہم ان صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھ سکیں اس پر یہود نے کہا کہ ان سے روح کے بارے میں پوچھو۔ تو اس پر آیت نازل ہوئی۔ امام ترمذی نے اس روایت کو "حسن صحیح" بھی کہا ہے۔

(جامع الترمذی: ج2 ص146 کتاب التفسیر تحت سورۃ بنی اسرائیل)

محاکمہ:

یہاں پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی اور دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں نازل ہوئی۔ سند کے اعتبار سے دونوں روایتیں صحیح ہیں لیکن پہلی روایت کے حق میں یہ وجہ ترجیح موجود ہے کہ اس کے راوی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ واقعہ کے وقت موجود تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ وہ واقعہ کے وقت موجود تھے۔ لہذا ابن مسعود کی روایت کو ترجیح ہے۔ (الاتقان: ج1 ص33)

اصل نمبر 5:

بعض مرتبہ ایک آیت کے اسباب نزول ایک سے زائد ہوتے ہیں یعنی ایک جیسے کئی واقعات یکے بعد دیگرے پیش آتے ہیں اور ان سب کے بعد آیت نازل ہوتی ہے۔ اب ایک راوی اس آیت کے شان نزول کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے اور دوسرا کوئی اور واقعہ بیان کرتا ہے۔ بظاہر ان میں تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن در حقیقت تعارض نہیں ہے، کیوں کہ دونوں ہی واقعات سبب نزول ہوتے ہیں۔

مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ

(سورۃ النور: 6)

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار خدا کی قسم کھائے کہ بیشک وہ سچا ہے۔

سورت نور کی ان آیات لعان کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ہلال بن امیہ نے آپ علیہ السلام کے سامنے اپنی بیوی پر تہمت لگائی، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ﴾

(صحیح البخاری: ج2 ص695 کتاب التفسیر باب ویدرء عنہ العذاب ان تشہد الآیۃ)

دوسری طرف امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے ایک اور روایت حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرایا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی سے ملوث دیکھے اور اس شخص کو قتل کر دے تو کیا اس سے قصاص لیا جائے گا؟ ایسے شخص کو کیا کرنا چاہیے؟ اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں اور پھر یہی آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائیں۔ (صحیح البخاری: ج2 ص994، 995 باب قولہ عز وجل: والذین یرمون ازواجہم الخ)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مسند البزار میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس قسم کا سوال وجواب حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوا تھا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (الاتقان للسیوطی: ج1 ص33)

واقعہ درحقیقت یہی ہے کہ یہ تینوں واقعات ان آیات کے نزول سے قبل پیش آچکے تھے، اس لیے ان میں سے ہر ایک کو سببِ نزول قرار دینا درست ہے۔

اصل نمبر 6:

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی آیت ایک سے زائد بار نازل ہوئی اور ہر مرتبہ اس کا نزول کسی نئے واقعہ کے پس منظر میں ہوتا ہے۔ اب کسی راوی نے ایک نزول کا واقعہ ذکر کر دیا اور دوسرے نے دوسرے نزول کا۔ اس سے ظاہری طور پر تضاد معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں تضاد اس لئے نہیں ہوتا کہ یہ آیت دونوں واقعات میں دونوں مرتبہ نازل ہوئی ہوتی ہے۔

مثال:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ•

(سورۃ التوبۃ:113)

ترجمہ: پیغمبر اور مسلمانوں کو یہ بات مناسب نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لئے بخشش مانگیں گو وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔

صحیح بخاری میں حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب ابو طالب کا انتقال ہونے لگا آپ علیہ السلام اس کے پاس تشریف لے گئے، ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بھی وہاں بیٹھے تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے چچا! آپ لا الہ الا اللہ کا کلمہ کہہ دیجئے میں اللہ کی بارگاہ میں آپ کے لئے سفارش کروں گا، تو یہ کہنے لگے: تو عبد المطلب کے دین سے پھرتا ہے؟ پھر دونوں برابر بولتے رہے حتیٰ کہ ابو طالب نے کہہ دیا کہ وہ عبد المطلب کے دین پر ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں آپ کے لئے مغفرت طلب کرتا رہوں گا یہاں تک کہ مجھے اس بات سے روک دیا جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(صحیح البخاری: ج1 ص181 باب اذا قال المشرک عند الموت لا الہ الا اللہ الخ)

امام ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں میں نے ایک آدمی کو دیکھا وہ اپنے مشرک ماں باپ لے لئے بخشش مانگ رہا تھا۔ میں نے کہا: تو اپنے والدین کے لئے بخشش مانگتا ہے حالانکہ وہ مشرک تھے؟! تو اس نے جواب دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے والد کے لئے استغفار کیا تھا اور ان کا والد مشرک تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ بات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع الترمذی: ج2 ص141 کتاب التفسیر تحت تفسیر سورۃ التوبۃ)

فائدہ نمبر 3:

مکی اور مدنی آیات:

بعض حضرات کے ہاں مکی آیات سے مراد وہ آیات ہیں جو شہر مکہ میں نازل ہوئیں اور مدنی سے مراد وہ جو شہر مدینہ میں نازل ہوئیں لیکن اکثر مفسرین کی اصطلاح کے مطابق مکی آیات کا مطلب وہ آیات ہیں جو آپ علیہ السلام کے بغرض ہجرت مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے نازل ہوئیں اور مدنی سے مراد وہ آیات ہیں جو آپ علیہ السلام کے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مکی و مدنی سورتوں کی تعیین:

علماءِ تفسیر نے مکی و مدنی سورتوں کا استقراء کر کے ان کی بعض ایسی خصوصیات بیان فرمائی ہے جن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی؟ اس سلسلے میں بعض قواعد کلی ہے اور بعض اکثری۔

قواعد کلیہ:

1: جن سورتوں میں لفظ "کَلَّا" آیا ہے وہ مکی ہیں، اور یہ لفظ پندرہ سورتوں میں آیا ہے جو قرآن کریم کے آخری نصف میں ہیں۔

علامہ دیرینی رحمہ اللہ کا ایک شعر ہے:

وما نزلت کلا بیثرب فاعلمن ···· ولم تات فی القرآن فی نصفه الاعلیٰ

2: ہر وہ سورت جس میں کوئی سجدہ ہے وہ مکی ہے۔

فائدہ: یہ قاعدہ اتقان وغیرہ سے ماخوذ ہے اور اس قول کے مطابق تو درست ہے جس کی رو سے سورہ الحج مکی ہے لیکن اگر اسے مدنی قرار دیا جائے جیسا کہ بعض صحابہ و تابعین سے مروی ہے تو سورۃ الحج اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہوگی۔ (علوم القرآن: ص62 حاشیہ)

3: وہ سورت جس میں آدم علیہ السلام اور ابلیس کا ذکر ہے وہ مکی ہے، سوائے سورۃ البقرۃ کے کہ یہ مدنی ہے۔

4: وہ سورتیں جن میں جہاد یا اس کے احکامات کا تذکرہ ہے، وہ مدنی ہیں۔

5: وہ سورتیں جن میں منافقین کا ذکر ہے وہ مدنی ہیں۔ بعض علماء نے اس قاعدہ سے سورۃ العنکبوت کو مستثنیٰ کیا ہے، لیکن تحقیق یہ ہے کہ سورۃ العنکبوت بحیثیت مجموعی مکی ہے، مگر جن آیات میں منافقین کا ذکر ہے وہ آیات مدنی ہیں۔

قواعد اکثریہ:

1: مکی سورتوں میں عموماً خطاب "یاایھا الناس" سے ہوتا ہے اور مدنی میں "یاایھا الذین آمنوا" سے۔

2: مکی آیات اور سورتیں عموماً چھوٹی اور مدنی طویل اور مفصل ہوتی ہیں۔

3: مکی سورتوں میں زیادہ تر توحید، رسالت، آخرت کے اثبات، حشر و نشر، آپ علیہ السلام کو تسلی اور اقوام سابقہ کے حالات کا ذکر ہوتا ہے اور مدنی سورتوں میں خاندانی و تمدنی قوانین، جہاد و قتال کے احکام اور حدود و فرائض کا بیان ہوتا ہے۔

4: مکی سورتوں میں عموماً خطاب بت پرستوں سے ہوتا ہے اور مدنی میں اہلِ کتاب اور منافقین سے۔

5: مکی سورتوں کا انداز پر شکوہ، بیان میں استعارات، تشبیہات، تماثیل اور ذخیرہ الفاظ کثرت سے ہوتا ہے برخلاف مدنی سورتوں کے کہ انداز بیان سادہ ہوتا ہے۔

پانچویں بحث: سبعہ احرف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ.

(صحیح البخاری: ج2 ص747 باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف)

ترجمہ: یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، پس جو ان میں سے تمہارے لیے آسان ہو، اس طریقے پر پڑھا کرو۔

<u>یہ حدیث متواتر ہے</u>

یہ حدیث معنی کے اعتبار سے متواتر ہے۔ چنانچہ حدیث و قراءات کے معروف امام علامہ محمد بن محمد الجزری رحمہ اللہ [م 833ھ] فرماتے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ہیں:

”مشہور محدث امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ نے اس کے متواتر ہونے کی تصریح کی ہے اور فرماتے ہیں: میں نے ایک مستقل جزء میں اس حدیث کے تمام طرق جمع کئے ہیں، ان کے مطابق یہ حدیث 19 صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین سے مروی ہے۔“

(النشر فی القراءات العشر لابن الجزری: ص24)

امام ابو یعلی الموصلی رحمہ اللہ نے اپنی مسند کبیر میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے منبر پر اعلان فرمایا: وہ تمام حضرات کھڑے ہو جائیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہو: إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ [کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، جن میں ہر ایک شافی اور کافی ہے] چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اتنی بڑی جماعت کھڑی ہو گئی جسے شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بھی ان کے ساتھ گواہی دیتا ہوں۔

(النشر فی القراءات العشر لابن الجزری: ص24)

سبعہ احرف کے بارے میں اقوال

قرآن کریم کے سبعہ احرف پر نازل ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس میں محققین کا شدید اختلاف ہے جن میں سے مشہور اقوال یہ ہیں۔

قول نمبر 1:

حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حدیث مذکور میں سات حروف سے مراد قبائل عرب کی سات لغات ہیں۔ چونکہ اہلِ عرب مختلف قبائل رکھتے تھے اور ہر قبیلہ کی زبان عربی ہونے کے باوجود دوسرے قبیلہ سے تھوڑی تھوڑی مختلف تھی۔ یہ اختلاف ایسا تھا جیسے ایک بڑی زبان میں علاقائی طور پر تھوڑے تھوڑے اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان قبائل کی آسانی کے لئے قرآن کریم سات لغات پر نازل فرمایا کہ ہر قبیلہ اپنی لغت کے مطابق پڑھ سکے۔

(تفسیر ابن جریر ج:1 ص39 مقدمہ)

امام ابو حاتم سجستانی نے ان قبائل کے نام متعین کر دیئے ہیں اور فرمایا کہ ان قبائل کی لغات پر قرآن نازل ہوا تھا۔

1: قریش　2: ھذیل　3: تیم الربّاب　4: ازد

5: ربیعہ　6: ھوازن　7: سعد بن بکر

(فتح الباری: ج9 ص35 باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف)

علامہ ابن عبد البر نے بعض حضرات سے نقل کر کے ان قبائل کے نام یہ بتلائے ہیں:

1: ھذیل　2: کنعانہ　3: قیس　4: ضبّہ

5: تیم الرباب　6: اسد بن خذیمہ　7: قریش

(روح المعانی: ج ص تحت الآیۃ)

نقد: بہت سے محققین مثلاً حافظ ابن عبد البر، علامہ سیوطی، علامہ ابن الجزری نے اس قول کی تردید کی ہے۔

اولاً۔۔۔ اس لئے کہ عرب کے بہت سے قبائل تھے، ان میں سے سات کے انتخاب کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟!!

ثانیاً۔۔۔ حضرت عمر اور حضرت ھشام بن حکیم کے درمیان قرآن کریم کی تلاوت میں اختلاف ہوا جس کا مفصل واقعہ صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے، حالانکہ دونوں قریشی تھے۔ آپ علیہ السلام نے دونوں کی تصدیق فرمائی اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ لہٰذا اگر سات حروف سے مراد سات مختلف قبائل کی لغات ہوتیں تو ان دو حضرات کے درمیان اختلاف کی کوئی وجہ نہیں ہونی چاہیے تھی

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

کیونکہ دونوں قریشی تھے۔

[حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کا واقعہ یوں ہے:

عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَاءَتِهِ فَإِذَا هُوَ يَقْرَأُ عَلَى حُرُوفٍ كَثِيرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ فَتَصَبَّرْتُ حَتَّى سَلَّمَ فَلَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ فَقُلْتُ مَنْ أَقْرَأَكَ هَذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ قَالَ أَقْرَأَنِيهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ كَذَبْتَ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَقْرَأَنِيهَا عَلَى غَيْرِ مَا قَرَأْتَ فَانْطَلَقْتُ بِهِ أَقُودُهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنِّي سَمِعْتُ هَذَا يَقْرَأُ بِسُورَةِ الْفُرْقَانِ عَلَى حُرُوفٍ لَمْ تُقْرِئْنِيهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسِلْهُ اقْرَأْ يَا هِشَامُ فَقَرَأَ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَلِكَ أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ اقْرَأْ يَا عُمَرُ فَقَرَأْتُ الْقِرَاءَةَ الَّتِي أَقْرَأَنِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَلِكَ أُنْزِلَتْ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ

(صحیح البخاری: ج2 ص745 باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف)]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہشام بن حکیم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں سورہ فرقان پڑھتے ہوئے سنا میں نے جب ان کی قرأت سنی تو دیکھا کہ وہ کسی دوسرے طریقہ سے پڑھ رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھایا تھا، قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر حملہ کر دوں، لیکن صبر کیا یہاں تک کہ انہوں نے سلام پھیرا، میں نے ان کی چادر ان کی گردن میں ڈال لی اور پوچھا کس نے تمہیں یہ سورت پڑھائی ہے جو میں نے تم کو پڑھتے ہوئے سنا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھائی ہے، میں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو، اس لئے کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے طریقے پر سکھائی ہے، تو میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے چلا، اور میں نے عرض کیا کہ (یارسول اللہ) میں نے اس کو سورہ فرقان کو ان طریقوں پر پڑھتے ہوئے سنا ہے جو آپ نے مجھ کو نہیں بتایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو، پھر فرمایا اے ہشام! پڑھو، چنانچہ ہشام نے اسی طریقہ پر پڑھا جس طرح میں نے انہیں پڑھتے ہوئے سنا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح نازل ہوا ہے، پھر فرمایا کہ اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم پڑھو! چنانچہ وہ قرأت میں نے پڑھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے پڑھائی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح نازل ہوا ہے، بے شک یہ قرآن سات طریقوں پر نازل ہوا ہے اس لئے جو آسان معلوم ہو اسی طریقہ پر پڑھو۔

ثالثاً۔۔۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ سات حروف سے مراد سات قبائل کی لغات ہیں تو یہ اس آیت کے خلاف ہوگا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (سورۃ ابراہیم آیت 4 پارہ 13) [اور جب بھی ہم نے کوئی رسول بھیجا خود اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ ان کے سامنے حق کو اچھی طرح واضح کو سکے، پھر اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور وہی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے اور حکمت بھی کامل]

کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم قریش تھی۔ اس لئے ظاہر یہی ہے کہ قرآن صرف لغت قریش میں نازل ہو۔

(مشکل الآثار للطحاوی امام ابو جعفر طحاوی: ج8 ص117)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

قول نمبر 2:

قرآن کریم نازل تو قریش کی لغت پر ہوا، لیکن اہل عرب مختلف علاقوں اور قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ہر ایک کے لئے اس ایک لغت پر قرآن کی تلاوت بہت دشوار تھی۔ اس لئے ابتداءِ اسلام میں یہ اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنی علاقائی زبان کے مطابق مرادف الفاظ کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرلیا کریں۔ اس مقصد کے لئے خود آپ علیہ السلام نے ایسے مرادفات متعین فرمادیئے جن سے وہ تلاوت کرسکیں۔ یہ مرادفات قریش اور غیر قریش دونوں کی لغات سے منتخب کئے گئے تھے، یہ بالکل ایسے تھے جیسے ”تَعَالِ“ کی جگہ ”هَلُمَّ“، ”اَقْبِلْ“ کی جگہ ”اُدْنُ“ پڑھ دیا جائے، معنی سب کے ایک ہی رہتے ہیں۔ لیکن یہ اجازت صرف اسلام کے ابتدائی دور میں تھی جبکہ تمام اہل عرب قرآنی زبان کے پوری طرح عادی نہ ہوئے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ اس قرآنی زبان کا دائرہ اثر بڑھتا گیا، اہل عرب اس کے عادی ہوئے اور ان کے لئے اس اصل لغت پر قرآن کریم کی تلاوت آسان ہوگئی تو آپ علیہ السلام نے وفات سے پہلے رمضان المبارک میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سے قرآن کریم کا جو آخری دور کیا، اس موقع پر یہ مرادفات پڑھنے کی اجازت ختم کردی گئی۔ صرف اور وہی طریقہ باقی رہ گیا جس پر قرآن باقی رہ گیا۔ (مشکل الآثار للطحاوی ج4)

اس قول کے مطابق [1] ”سات حروف والی حدیث “کا مطلب یہ نہیں تھا کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، بلکہ مطلب یہ تھا کہ اس وسعت کے ساتھ نازل ہوا ہے کہ اسے ایک مخصوص زمانہ تک سات حروف پر پڑھا جاسکے گا، اور [2] سات حروف سے بھی مراد یہ نہیں کہ قرآن کریم کے ہر کلمہ میں سات مرادفات کی اجازت ہے، بلکہ مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ جتنے مرادفات استعمال کئے گئے ہیں ان کی تعداد سات ہے، [3] اور اس اجازت کا مفہوم بھی یہ نہ تھا کہ ہر شخص اپنی مرضی سے جو الفاظ چاہے استعمال کرے، بلکہ متبادل الفاظ کی تعین بھی خود آپ علیہ السلام نے فرمادی تھی۔ لہٰذا صرف ان مرادفات کی اجازت دی گئی تھی جو آپ علیہ السلام سے ثابت تھے۔

(فتح الباری لابن حجر، کتاب فضائل القرآن، باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف، ج:9ص:30)

اس قول کو امام طحاوی، سفیان ابن عیینہ، ابن وھب اور حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہم نے اختیار کیا ہے۔ بلکہ ابن عبد البر نے اس قول کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔ (الزرقانی شرح موطا امام مالک)

دلیل: اس قول کے قائلین اپنی دلیل میں مسند احمد کی یہ روایت پیش کرتے ہیں:

عَن أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَام قَالَ يَا مُحَمَّدُ اقْرَأْ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ قَالَ مِيكَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام اسْتَزِدْهُ فَاسْتَزَادَهُ قَالَ اقْرَأْهُ عَلَى حَرْفَيْنِ قَالَ مِيكَائِيلُ اسْتَزِدْهُ فَاسْتَزَادَهُ حَتَّى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرُفٍ قَالَ كُلٌّ شَافٍ كَافٍ مَا لَمْ تَخْتِمْ آيَةَ عَذَابٍ بِرَحْمَةٍ أَوْ آيَةَ رَحْمَةٍ بِعَذَابٍ نَحْوَ قَوْلِكَ تَعَالَ وَأَقْبِلْ وَهَلُمَّ وَاذْهَبْ وَأَسْرِعْ وَاعْجَلْ.

(مسند احمد ج15 ص236، 237رقم الحدیث 20393)

ترجمہ:

نقد: اس قول پر اشکال یہ ہے کہ قرآن کریم جو مختلف قرآءتیں آج تک متواتر چلی آتی ہیں ان کی حیثیت واضح نہیں ہوتی۔ اگر ان قراءتوں کو سات حروف سے الگ کوئی چیز قرار دیا جائے تو اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور احادیث میں احرف کے اختلاف کے علاوہ قرآن کریم کے کسی اور لفظی اختلاف کا ذکر نہیں ملتا، پھر یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں احرف سبعۃ کے علاوہ ایک اور قسم کا اختلاف بھی تھا۔

قول نمبر 3:

حدیث میں ”حروف کے اختلاف“ سے مراد ”قراءتوں کا اختلاف“ ہے اور سات حروف سے مراد ”اختلاف قراءات“ کی سات نوعیتیں ہیں، چنانچہ قراءتیں تو اگرچہ سات سے زائد ہیں لیکن ان قراءتوں میں جو اختلاف پائے جاتے ہیں وہ سات اقسام میں منحصر ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

یہ قول امام مالک، امام ابو الفضل رازی، قاضی ابو بکر بن الطیب باقلانی اور ابن جزری کا ہے۔

(فتح الباری لابن حجر: ج1 ص36،38، تفسیر القرطبی ج1 ص28،29، النشر فی القراءات العشر: ج1 ص28)

حتیٰ کہ محقق ابن جزری جو فنِ قراۃ کے مشہور امام ہیں، اس قول کو بیان کرنے سے قبل فرماتے ہیں :

وَلَا زِلْتُ أَسْتَشْكِلُ هَذَا الْحَدِيثَ وَأُفَكِّرُ فِيهِ وَأُمْعِنُ النَّظَرَ مِنْ نَيِّفٍ وَثَلَاثِينَ سَنَةً حَتَّى فَتَحَ اللَّهُ عَلَيَّ بِمَا يُمْكِنُ أَنْ يَكُونَ صَوَابًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ۔

(النشر فی القراءات العشر: ج1 ص28)

کہ میں اس حدیث کے بارے میں اشکالات میں مبتلا رہا اور اس پر تیس سال سے زیادہ غور و فکر کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کی ایسی تشریح کھول دی جو ان شاءاللہ صحیح ہو گی۔

یہ سب حضرات اس بات پر تو متفق ہیں کہ حدیث میں "سات حروف" سے مراد اختلاف قراءت کی سات نوعیتیں ہیں لیکن پھر ان نوعیتوں کی تعیین میں ان حضرات کے اقوال میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک نے قراءات میں اختلاف کی نوعیتوں کا استقرء اپنے طور پر الگ الگ کیا ہے مگر سب سے زیادہ منضبط، مستحکم اور جامع مانع قول امام ابو الفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ قراءات کا اختلاف سات اقسام میں منحصر ہے۔

1: اسماء کا اختلاف جس میں افراد، تثنیہ، جمع، اور تذکیر و تانیث دونوں کا اختلاف داخل ہے۔ اس کی مثال وہی ﴿تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ﴾ ہے جو ایک قراۃ میں ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔

2: افعال کا اختلاف کہ کسی قراۃ میں صیغہ ماضی ہو، کسی میں مضارع اور کسی میں امر۔ اس کی مثال ﴿رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا﴾، کہ ایک قراۃ میں اس کی جگہ ﴿رَبُّنَا بَعَّدَ بَيْنَ أَسْفَارِنَا﴾ بھی آیا ہے۔

3: وجوہ اعراب کا اختلاف کہ جس میں اعراب یا حرکات مختلف قراتوں میں مختلف ہوں اسکی مثال ﴿وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ﴾ اور ﴿وَلَا يُضَارُّ كَاتِبٌ﴾ اور ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾ اور ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدِ﴾

4: الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف، کہ ایک قراۃ میں کوئی لفظ کم اور دوسری میں زیادہ ہو مثلا ایک قراۃ میں ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى﴾ ہے اور دوسری میں ﴿وَالذَّكَرَ وَالْأُنْثَى﴾ ہے اور اس میں ﴿وَمَا خَلَقَ﴾ کا لفظ نہیں ہے، اس طرح ایک قراۃ میں ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ اور دوسری میں ﴿تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ﴾

5: تقدیم تاخیر کا اختلاف، کہ ایک قراءۃ میں کوئی لفظ مقدم اور کوئی موخر ہو، مثلاً ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾ اور ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ﴾

6: بدلیت کا اختلاف، کہ ایک قراءۃ میں ایک لفظ ہے اور دوسری قراۃ میں اس کی جگہ دوسرا لفظ۔ مثلاً ﴿نُنْشِزُهَا﴾ اور ﴿نَنْشُرُهَا﴾، نیز ﴿فَتَبَيَّنُوا﴾ اور ﴿فَتَثَبَّتُوا﴾، اور ﴿طَلْحٍ﴾ اور ﴿طَلْعٍ﴾

7: لہجوں کا اختلاف جس میں تفخیم، ترقیق، امالہ، قصر، مد، اظہار اور ادغام وغیرہ کے اختلافات شامل ہیں۔ مثلا مُوْسیٰ ایک قراءۃ میں اِمالہ کے ساتھ ہے اور اسے مُوْسٰی کی طرح پڑھا جاتا ہے اور دوسری میں بغیر امالہ کے ہے۔

اس قول کی وجوہ ترجیح:

1: اس قول کے مطابق "حروف" اور "قراءات" کو دو الگ الگ چیزیں قرار دینا نہیں پڑتا، علامہ ابن جریر رحمہ اللہ اور امام طحاوی رحمہ اللہ کے اقوال میں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں دو قسم کے اختلافات تھے، ایک حروف کا اختلاف اور دوسرے قراءات کا

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اختلاف، حروف کا اختلاف اب ختم ہو گیا اور قراءات کا اختلاف باقی ہے حالانکہ کوئی ایک ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جس سے ثابت ہو کہ "حروف" اور "قراءات" دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

2: علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کے قول پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ سات حروف میں سے چھ حروف منسوخ یا متروک ہو گئے اور صرف ایک حرف قریش باقی رہ گیا جبکہ چھ کے نسخ اور ایک کے بقاء پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

3: اس قول کے مطابق "سات حروف" کے معنی بلا تکلف صحیح ہو جاتے ہیں جب کہ دوسرے اقوال میں یا "حروف" کے معنی میں تاویل کرنی پڑتی ہے، یا "سات" کے عدد میں۔

4: "سبعۃ احرف" کے باب میں جتنے علماء کے اقوال ہیں ان میں سب سے زیادہ جلیل القدر اور عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہستی امام مالک رحمہ اللہ کی ہے اور وہ علامہ نیشاپوری رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق اسی قول کے قائل ہیں۔

5: علامہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ اور محقق ابن الجزری رحمہ اللہ دونوں علم قراءات کے مسلم الثبوت امام ہیں اور دونوں اسی قول کے قائل ہیں اور مؤخر الذکر کا یہ قول پہلے گذر چکا ہے کہ انہوں نے تیس سال سے زائد اس حدیث پر غور کرنے کے بعد اس قول کو اختیار کیا ہے۔

چھٹی بحث: ناسخ و منسوخ

نسخ کا معنی:

لغوی معنی:

النسخ لغۃ ھو الازالۃ۔

(غرائب القرآن لنظام الدین الحسن بن محمد النیسابوری: ج1 ص355)

کہ نسخ کے لغوی معنی ہیں: مٹانا، ازالہ کرنا۔

اصطلاحی معنی:

رَفْعُ الْحُكْمِ الشَّرْعِيِّ بِدَلِيْلٍ شَرْعِيٍّ۔

(مناہل العرفان لمحمد عبد العظیم الزرقانی: ج2 ص368 البحث: ماھو النسخ)

ترجمہ: کسی حکم شرعی کو کسی شرعی دلیل سے ختم کر دینا۔

مطلب یہ ہے کہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ ایک شرعی حکم نافذ فرماتے ہیں پھر کسی دوسرے وقت میں اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر اس حکم کو ختم کر کے اس جگہ کوئی نیا حکم عطا فرما دیتے ہیں اس عمل کو "نسخ" کہا جاتا ہے۔ پرانے حکم کو "منسوخ" اور نئے کو "ناسخ" کہتے ہیں۔

اور جو شخص بھی سلامتِ فکر کے ساتھ غور کرے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ تبدیلی حکمت الٰہیہ کے عین مطابق ہے کیونکہ حکیم وہ نہیں جو ہر قسم کے حالات میں ایک ہی نسخہ پلاتا رہے بلکہ حکیم وہ ہے جو مریض اور مرض کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق نسخہ میں تبدیلیاں کرتا رہے۔

نسخ کا ثبوت امم سابقہ میں:

بائبل میں ہے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز تھا اور خود سیدنا یعقوب علیہ السلام کی بیویاں لیاہ اور راحیل آپس میں بہنیں تھیں، لیکن موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اسے ناجائز قرار دے دیا گیا۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی شریعت میں ہر چلتا پھرتا جاندار حلال تھا، لیکن موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سارے جانور حرام کر دیئے گئے۔ غرض عہد نامہ جدید و قدیم میں ایسی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں جن میں کسی پرانے حکم کو نئے حکم سے منسوخ کر دیا گیا۔"

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نسخ کی اقسام:

نسخ کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

قسم اول: منسوخ التلاوة والحکم

یعنی جس کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ ان آیات کی تلاوت جائز ہے اور نہ ہی ان پر عمل کرنا درست ہے۔ مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے:

كان فيما أنزل من القرآن عشر رضعات معلومات يحرمن ثم نسخن بخمس معلومات فتوفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وهن فيما يقرأ من القرآن۔

(صحیح مسلم: ج1 ص469 باب بیان ان خمس رضعات یحرمن)

ترجمہ: جو قرآن نازل ہوا تھا اس میں آیت "عشر رضعات معلومات يحرمن" تھی جو بعد میں پانچ معلوم معلوم (ومعروف طریقہ) سے دودھ پلانے والی آیت کی وجہ سے منسوخ ہو گئی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ان کی تلاوت کی جاتی رہی۔

قسم دوم: منسوخ التلاوة دون الحکم

جس کی تلاوت منسوخ ہو اور حکم باقی ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کی آیت پر اس وقت عمل کیا جائے گا جب اس پر سلف وخلف کا اجماع ہو جیسا کہ سورہ نور کی آیت ہے: "الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة نكالا من الله والله عزيز حكيم" اس کی تلاوت منسوخ ہے لیکن محصن زانی کے رجم کا حکم آج بھی باقی ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لولا أن يقول الناس زاد عمر في كتاب الله لكتبت آية الرجم بيدي

(صحیح البخاری: ج2 ص1063 باب الشہادة تکون عند الحاکم فی ولایتہ القضاء)

ترجمہ: اگر لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا ہے تو میں اس آیت کو (قرآن میں) اپنے ہاتھ سے لکھ دیتا۔

قسم سوم: منسوخ الحکم دون التلاوة

جس کا حکم منسوخ اور تلاوت باقی ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ان آیات کی تلاوت کی جاتی رہے البتہ عمل ناسخ پر کیا جائے گا جیسا کہ آیت:

"كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ"

(البقرة: 180)

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے اگر وہ مال چھوڑ رہا ہو تو اس پر دستور کے مطابق وصیت کرنا فرض ہے، والدین اور اقرباء کے لیے، یہ حکم متقیوں پر لازم ہے۔

کے حکم کو آیت میراث:

"يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ الخ" (النساء: 11)

ترجمہ: اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔

سے منسوخ کر دیا گیا۔ اسی طرح آیت:

"وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ"۔ (البقرة: 240)

ترجمہ: اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جایا کریں کہ ایک سال تک وہ (ترکے سے نفقہ کے وصول کرنے کا) فائدہ اٹھائیں گی اور ان کو (شوہر کے گھر سے) نکالا نہیں جائے گا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

کے حکم کو آیت:

"وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔" (البقرۃ:234)

ترجمہ: اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ اور دس دن انتظار میں رکھیں گی۔

سے منسوخ کر دیا گیا۔

قرآن کے لیے ناسخ:

قرآن کی آیات کا ناسخ خود قرآن بھی ہو سکتا ہے اور حدیث متواتر بھی، البتہ خبرِ آحاد اور احادیث مشہورہ سے قرآن کا نسخ نہیں ہو سکتا۔

نسخ القرآن بالقرآن:

مثالیں:

1: إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا الخ۔ (الأنفال:65)

ترجمہ: اگر تم میں سے بیس آدمی استقامت رکھنے والے ہوں گے تو وہ دو سو افراد پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے۔

اپنے بعد والی آیت:

"اَلْآنَ خَفَّفَ اللهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللهِ۔ (الأنفال:66)

ترجمہ: اب اللہ نے تمہارے لیے آسانی پیدا کر دی ہے اور اللہ اس بات کو جانتے ہیں کہ اب تم میں کچھ کمزوری ہے، لہذا اب اگر تم میں سے ایک ہزار افراد استقامت رکھنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب ہوں گے۔

سے منسوخ ہے۔

2: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِن بَعْدُ وَلَا أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ (الاحزاب:52)

ترجمہ: [اے نبی!] آپ کے لیے اس کے بعد عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ یہ حلال ہے کہ ان (موجودہ بیویوں) کو بدل کر دوسری عورتوں سے نکاح کریں خواہ ان کا حسن آپ کو پسند آئے۔

ارشادِ خداوندی: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ۔ (الاحزاب:50)

ترجمہ: [اے نبی!] ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جنھیں آپ نے ان کا مہر دے دیا ہو۔

سے منسوخ ہے۔

3: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ۔ (المجادلہ:12)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم تنہائی میں رسول سے کوئی بات کرنا چاہو تو اپنی اس تنہائی کی بات سے پہلے کچھ صدقہ کر دیا کرو، یہ تمہارے لیے باعث خیر و پاکیزگی ہے۔

اپنے بعد کی آیت:

"أَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ وَأَطِيعُوا اللهَ وَرَسُولَهُ۔" (المجادلہ:13)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ اپنی تنہائی کی بات سے پہلے صدقہ دیا کرو، اب جبکہ تم ایسا نہیں کر سکتے اور اللہ نے تمہیں معاف کر دیا ہے تو اب نماز قائم رکھو اور زکوۃ ادا کرتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

سے منسوخ ہے۔

نسخ القرآن بالحدیث المتواتر:

قرآن مجید سے وضوء میں پاؤں کا دھونا فرض ہے لیکن احادیث متواترہ کے پیش نظر پاؤں پر موزے پہننے کی صورت میں ان پر مسح بھی جائز ہے۔ چنانچہ امام ابویوسف رحمہ اللہ (م 182ھ) فرماتے ہیں:

انما یجوز نسخ القرآن بالسنة اذا وردت کورود المسح علی الخفین فی الاستفاضة۔

(احکام القرآن للجصاص: ج2 ص491 سورۃ المائدۃ- ذکر الخلاف فی المسح علی الخفین)

ترجمہ: سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے قرآن مجید کے کسی حکم کو نسخ کرنا اس وقت جائز ہے جب وہ اس تواتر سے مروی ہو جیسے مسح علی الخفین کی روایات مروی ہیں۔

اور اس کے تواتر کی تصریح حافظ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ) کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد صرح جمع من الحفاظ بأن المسح علی الخفین متواتر وجمع بعضهم رواته فجاوز واالثمانين ومنهم العشرة

(فتح الباری: ج1 ص399 باب المسح علی الخفین)

ترجمہ: حفاظ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے تصریح کی ہے کہ مسح علی الخفین کا حکم متواتر ہے۔ بعض حضرات نے اس کے روایت کرنے والوں کی تعداد کو جمع کیا تو ان کی تعداد 80 سے بھی متجاوز ہو گئی جن میں عشری مبشرہ بھی شامل ہیں۔

منسوخ آیات قرآنی کی تعداد:

علامہ بدرالدین زرکشی کے نزدیک تریسٹھ آیات منسوخ ہیں۔ (البرہان فی علوم القرآن)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے ہاں پورے قرآن میں کل انیس آیتیں منسوخ ہیں۔ (الاتقان از علامہ سیوطی ج2 ص23)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک پانچ آیات منسوخ ہیں۔ (الفوز الکبیر: ص60)

فائدہ:

یہ نزاع لفظی ہے نہ کہ حقیقی، کیونکہ متقدمین کی اصطلاح میں نسخ کا مفہوم بہت وسیع ہے، اس میں بیت سی وہ صورتیں داخل ہیں جو متاخرین کے ہاں "نسخ" میں نہیں آتیں مثلا متقدمین کے نزدیک عام کی تخصیص، مطلق کی تقیید وغیرہ نسخ کے مفہوم میں داخل ہیں اس کے برخلاف متاخرین صرف اس صورت کو نسخ قرار دیتے ہیں جس میں سابقہ حکم کو بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہو محض عام کی تخصیص یا مطلق کی تقیید کو متاخرین نسخ شمار نہیں کرتے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حصہ ثانی

پہلی بحث: تفسیر اور تاویل کا معنی اور ان کے درمیان فرق

تفسیر کا معنی:

لغوی معنی:

التفسیر فی اللغۃ: تفعیل من الفَسْر بمعنی الإبانۃ والکشف وإظھار المعنی المعقول.

ترجمہ: لغت میں تفسیر "فسر" سے ہے جس کا معنی ہے: ظاہر کرنا، کھولنا اور معنی معقول بیان کرنا۔

(مباحث فی علوم القرآن للشیخ مناع القطان: ص323)

اصطلاحی معنی:

1: هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهٖ فَهْمُ كِتَابِ اللهِ الْمُنَزَّلِ عَلٰى نَبِيِّهٖ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيَانُ مَعَانِيْهِ وَاسْتِخْرَاجُ أَحْكَامِهٖ وَحِكَمِهٖ

(البرهان فی علوم القرآن لبدر الدین الزرکشی:29)

ترجمہ: علم تفسیر وہ علم ہے جس سے اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب "قرآن کریم" کی سمجھ حاصل کی جاسکے، اس کے معانی کی وضاحت اور اس کے احکام اور حکمتوں کو نکالا جاسکے۔

2: عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيْهِ عَنْ كَيْفِيَّةِ النُّطْقِ بِأَلْفَاظِ الْقُرْآنِ، وَمَدْلُوْلَاتِهَا، وَأَحْكَامِهَا الْإِفْرَادِيَّةِ وَالتَّرْكِيْبِيَّةِ، وَمَعَانِيْهَا الَّتِيْ تُحْمَلُ عَلَيْهَا حَالَةَ التَّرْكِيْبِ، وَتَتِمَّاتُ لِذٰلِكَ كَمَعْرِفَةِ النَّسْخِ وَسَبَبِ النُّزُوْلِ وَقِصَّةٍ تُوَضِّحُ مَا أُبْهِمَ فِي الْقُرْآنِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ.

(روح المعانی: ج1 ص4)

ترجمہ: علم تفسیر وہ علم ہے کہ جس میں قرآن کریم کے الفاظ کی ادائیگی کے طریقے اور ان کے مفہوم اور ان کے افرادی اور ترکیبی احکام اور اُن معانی سے بحث کی جاتی ہو جو کہ ان الفاظ سے جوڑنے کی حالت میں مراد لیے جاتے ہیں اور ان معانی کا تکملہ جو ناسخ و منسوخ اور شان نزول اور غیر واضح مضمون کی وضاحت میں بیان کیا جائے۔

مندرجہ بالا تعریف کی روشنی میں علم تفسیر کے درج ذیل اجزاء ہیں:

1: الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے

2: الفاظ قرآن کے مفہوم

3: الفاظ کے انفرادی احکام

4: الفاظ کے ترکیبی احکام

5: ترکیبی حالت میں الفاظ کے مجموعی معنی

6: معانی کے تکملے یعنی آیات قرآنی کا پس منظر اور مجمل کی تفصیل

تاویل کا معنی:

والتأویل فی اللغۃ: مأخوذ من الأَوْل، وهو الرجوع إلى الأصل.

(مباحث فی علوم القرآن للشیخ مناع القطان: ص326)

ترجمہ: لغت میں "تاویل" اَوْل سے مشتق ہے جس کا معنی "اصل کی جانب لوٹنا" ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تفسیر و تاویل میں نسبت / فرق:

1: هما بمعنى.[بعض کے ہاں یہ دونوں ہم معنی ہیں]

2: التفسير أعم وأكثر إستعماله في الألفاظ ومفرداتها في الكتب الألهية وغيرها والتأويل في المعاني والجمل في الكتب الألهية خاصة. [تفسیر کا عام اور اکثر استعمال کتبِ الٰہیہ اور اس کے علاوہ دیگر کتب کے الفاظ اور مفردات میں ہوتا ہے جبکہ تاویل کا استعمال صرف کتب الٰہیہ کے معانی اور جملوں میں ہوتا ہے]

3: التفسير القطع بأن مراد الله تعالى كذا والتأويل ترجيح أحد المحتملات بدون قطع. [تفسیر مراد الٰہی کو قطعی طور پر بیان کرنے کا نام ہے، جبکہ تاویل چند احتمالات میں سے ایک کو راجح کرنے کا نام ہے]

4: التفسير ما يتعلق بالرواية والتأويل ما يتعلق بالدراية . [تفسیر وہ ہے جو روایت سے متعلق ہو اور تاویل وہ ہے جو درایت سے متعلق ہو]

(روح المعانی للعلامۃ آلوسی: ج1ص4)

دوسری بحث: تفسیر قرآن کے قابلِ اعتبار ماخذ

وہ قابل اعتبار ذرائع جن سے قرآن کریم کی تفسیر معلوم ہو سکتی ہے، علماء امت نے ان کی تعداد چھ بتائی ہے:

(۱) تفسیر القرآن بالقرآن

(۲) تفسیر القرآن بالاحادیث النبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) تفسیر القرآن باقوال الصحابۃ رضی اللہ عنہم اجمعین

(۴) تفسیر القرآن باقوال التابعین رحمہم اللہ

(۵) تفسیر القرآن بلغۃ العرب۔

(۶) تفسیر القرآن بعقل سلیم۔

ہر ماخذ کی مختصر تفصیل ضروری مثالوں کے ساتھ ذکر کی جاتی ہے:

(۱) تفسیر القرآن بالقرآن

مثلاً ایک جگہ ابہام پایا جا رہا ہو، یا کوئی بات مجمل دکھائی دے رہی ہو تو دوسری آیت اس ابہام کو دور کرتی اور اجمال کی توضیح کر دیتی ہے۔

پہلی مثال: اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ. صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ". (الفاتحۃ:۷،۶)

ترجمہ: [اے اللہ!] ہمیں سیدھے راستے پر چلا، ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا ہے۔

منعم علیہم کی تفسیر کی درج ذیل آیت میں کی گئی ہے:

"وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ" (النساء:96)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

دوسری مثال: "فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ" (البقرۃ:37)

ترجمہ: پھر آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے (توبہ کے) کچھ الفاظ سیکھ لیے (جن کے ذریعہ انہوں نے توبہ مانگی) چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ قبول

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

کرلی، بے شک وہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

کلماتِ توبہ کی تفسیر درج ذیل آیت میں موجود ہے:

"قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ" (الاعراف:23)

ترجمہ: ان دونوں[حضرت آدم اور حضرت حواء] نے کہا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نقصان پانے والے لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔

تفسیر القرآن بالقرآن کے موضوع پر مدینہ منورہ کے ایک عالم دین شیخ محمد امین بن محمد مختار کی کتاب "اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن" کے نام سے چھپ چکی ہے۔ جس کا مطالعہ اس عنوان پر مفید ثابت ہو گا۔

(۲) تفسیر القرآن بالاحادیث النبویہ علی صاحبہا السلام

قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں بھیجنے کا ایک مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقوال اور افعال کے ذریعے قرآنی آیات کی تفسیر و توضیح فرمائیں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔

(النحل:44)

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے وہ باتیں وضاحت سے بیان فرمادیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہیں۔

اس لیے قرآن کی تفسیر میں آپ کی احادیث کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے لیے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

پہلی مثال:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔(البقرۃ:187)

ترجمہ: اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح[صادق] کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہو کر تم پر واضح نہ ہو جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیط ابیض اور خیط اسود کی مراد کو اپنے ارشاد سے واضح فرمایا: هو سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ۔

(صحیح البخاری: ج2ص647 باب قَوْلِ اللهِ تَعَالَى، وَكُلُوا وَاشْرَبُوا)

کہ خیط ابیض سے مراد صبح صادق اور خیط اسود سے مراد صبح کاذب ہے۔

دوسری مثال:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ (النور:2)

ترجمہ: زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ۔

اس آیت سے زانیہ اور زانی کی سزا میں سو کوڑے مارنے کا ذکر ہے، بظاہر اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ لیکن اس کی جو تفسیر احادیثِ مبارکہ میں ہے اس میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ غیر شادی شدہ کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی ۔ صحیح البخاری میں ہے:

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَمَرَ فِيمَنْ زَنَى وَلَمْ يُحْصِنْ بِجَلْدِ مِائَةٍ وَتَغْرِيبِ عَامٍ۔

(صحیح البخاری: ج1ص361 باب شَهَادَةِ الْقَاذِفِ وَالسَّارِقِ وَالزَّانِي)

ترجمہ: زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شادی شدہ زنا کرنے والوں کو سو کوڑے مارنے کا اور ایک سال کے لیے وطن سے نکالنے کا حکم دیا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اور شادی شدہ مرد وعورت کو سنگسار کیا جائے گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے:

الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا أَلْبَتَّةَ. رَجَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ.

(سنن ابن ماجہ: ص186 باب الرجم)

ترجمہ: شادی شدہ مرد وعورت جب زنا کے مرتکب ہوں تو ان کو سنگسار کردو۔ راوی کہتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ایسی سزا دی ہے اور بعد میں ہم نے بھی ایسی سزا دی ہے۔

نوٹ: غیر شادی شدہ زانی کے لیے ایک سال کی جلاوطنی کی سزا قاضی کی صوابدید پر موجود ہے، زنا کی سزا کا جزوِ لازم نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے فقہ کی کتب ملاحظہ فرمائیں۔

اس نقطۂ نظر سے کئی تفاسیر معرضِ وجود میں آئی ہیں، مثلاً قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی انوار التنزیل والتاویل، علامہ خازن کی لباب التاویل فی معانی التنزیل، علامہ ابن کثیر کی تفسیر القرآن العظیم۔ اسی سلسلہ کی کڑی اردو زبان میں تفسیر حقانی از مولانا عبد الحق حقانی دہلوی بھی ایک اچھی کاوش ہے۔

(۳) تفسیر القرآن باقوال الصحابۃ رضی اللہ عنہم اجمعین

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن کریم کی تعلیم وتربیت حاصل کی، ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی پوری زندگی اس کام کے لیے وقف کر دی؛ چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبقاً سبقاً قرآن کریم کو پڑھا، مشہور تابعی ابو عبد الرحمن سلمی فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا الَّذِيْنَ كَانُوْا يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ كَعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَغَيْرِهِمَا أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا تَعَلَّمُوْا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ عَشَرَ آيَاتٍ لَمْ يَتَجَاوَزُوْهَا حَتّٰى يَعْلَمُوْا مَا فِيْهَا مِنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ.

(الاتقان فی علوم لقرآن: ج2 ص176 النوع الثامن والسبعون)

ترجمہ: ہمیں ایسی ہستیوں نے تعلیم دی جو قرآن کی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا کرتے تھے مثلاً حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ انہوں نے ہمیں یہ بتایا کہ وہ لوگ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں سیکھتے تو ان آیتوں سے آگے نہ بڑھتے جب تک ان آیتوں کی تمام علمی و عملی باتوں کو نہ جان لیتے۔

اسی وجہ سے مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر منقول ہے:

كَانَ الرَّجُلُ إِذَا قَرَأَ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ جَدَّ فِيْنَا.

(مسند احمد، مسند انس بن مالک، حدیث نمبر: ۱۱۷۶۹)

ترجمہ: جب کوئی شخص سورۃ بقرہ وآل عمران کو پڑھ لیتا تو وہ ہماری نظروں میں بہت ہی عزت والا سمجھا جاتا۔

پہلی مثال: ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس آیت:

﴿أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا﴾

[الانبیاء: ۳۰]

ترجمہ: کیا کفار نے دیکھا نہیں کہ آسمان وزمین بند تھے، پھر ہم نے ان کو کھول دیا۔

کی تفسیر دریافت کی:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: تم ابن عباس کے پاس جاؤ اور ان سے اس کی تفسیر معلوم کرو اور وہ جو تفسیر بتائیں مجھے بھی بتاتے جانا۔ وہ شخص ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور اس آیت کی تفسیر پوچھی۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آسمان

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

خشک تھے، ان سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین بانجھ تھی اس سے کچھ اُگتا نہیں تھا، بارش کے طفیل زمین پہ پودے اگانے لگی؛ گویا آسمان کا فتق (پھٹنا) بارش کے ساتھ ہے اور زمین کا پھل پودے اگانے سے۔ اس شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ تفسیر بتائی تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو خصوصی علم عطا ہوا ہے، واقعی انہوں نے سچ فرمایا ہے۔ (روح المعانی: ج17 ص35)

دوسری مثال: وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ ۚۖۛ وَاَحۡسِنُوۡا ۚۛ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔ (البقرۃ: 195)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو، بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت کی تشریح میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ اور ارشاد نقل کیا ہے:

عن أسلم أبي عمران قال: حمل رجل من المهاجرين بالقسطنطينية على صف العدو حتى خرّقه، ومعنا أبو أيوب الأنصاري، فقال ناس: ألقى بيده إلى التهلكة. فقال أبو أيوب: نحن أعلم بهذه الآية إنما نزلت فينا، صحبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وشهدنا معه المشاهد ونصرناه، فلما فشا الإسلام وظهر، اجتمعنا معشر الأنصار نجيًا، فقلنا: قد أكرمنا الله بصحبة نبيه صلى الله عليه وسلم ونَصْرِه، حتى فشا الإسلام و كثر أهلُه، و كنا قد آثرناه على الأهلين والأموال والأولاد، وقد وضعت الحرب أوزارها، فنرجع إلى أهلينا وأولادنا فنقيم فيهما. فنزل فينا: { وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ } فكانت التهلكة [في] الإقامة في الأهل والمال وترك الجهاد. (تفسیر ابن کثیر: ج1 ص300 تحت قولہ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ)

کہ اس آیت میں "التھلکۃ" سے مراد گھر اور مال کی مصروفیات میں لگا رہنا اور جہاد کو چھوڑ بیٹھنا ہے۔

تفسیر القرآن باقوال الصحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں چند باتیں قابلِ توجہ ہیں:

1: اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اصولِ حدیث کے مطابق قبول کیا جائے گا۔

2: قولِ صحابی اگر معارض مرفوع حدیث ہو تو حدیث مرفوع کو ترجیح ہوگی۔

3: اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف کی صورت میں تطبیق دی جائے ورنہ مجتہد جس قول کو ترجیح دے گا وہ قابلِ قبول ہوگا۔

(۴) تفسیر القرآن باقوال التابعین رحمہم اللہ

اس بارے میں چند باتیں قابلِ توجہ ہیں:

1: یہاں "تابعین" سے مراد وہ حضرات ہیں جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علمی استفادہ کیا ہو۔

2: تابعی اگر قولِ صحابی نقل کرے تو اس کا حکم قول صحابی والا ہوگا۔

3: قولِ تابعی حجت ہوگا اگر اس کے مقابل قولِ تابعی نہ ہو ورنہ دوسرے دلائل سے ترجیح دی جائے گی۔

(۵) تفسیر القرآن بلغۃ العرب

جہاں قرآن و سنت اور آثار صحابہ و تابعین میں کوئی صراحت نہ ملے تو آیت کی تفسیر لغت عرب کے عام محاورات کے مطابق کی جائے گی۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

مثال: ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آیت:

اَوۡ یَاۡخُذَہُمۡ عَلٰی تَخَوُّفٍ۔ (النحل:۴۷)

ترجمہ: یا [اللہ تعالیٰ] انہیں دھیرے دھیرے گھٹاتے ہوئے پکڑ لے۔

کے معنی دریافت کیے۔ یہ سن کر قبیلہ بنو ھذیل کا ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ ہماری زبان میں "تخوف" کمی اور نقصان کو کہتے ہیں، حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا عربی اشعار میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں، ہمارے شاعر ابو کبیر الھذلی نے اپنی اونٹنی کی

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تعریف ان اشعار میں کی ہے:

تَخَوَّفَ الرَّحْلُ منها تامِكاً قَرِداً * كما تَخَوَّفَ عُودَ النبعةِ السَّفَنُ

ترجمہ: کجاوہ کی رسی اونٹنی کے کوہان کے بال کو کم کرتی رہتی ہے، جیسا کہ لوہا کشتی کی لکڑی کو کم کرتا رہتا ہے۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: اپنے دیوان کو تھامے رکھو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: دیوان سے کیا مراد ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: زمانہ جاہلیت کے اشعار، اس میں قرآن کی تفسیر اور تمہاری زبان کے معانی موجود ہیں۔

(روح المعانی ۱۰/۱۷۹)

(۲) تفسیر القرآن بعقل سلیم

عقل سلیم کی دنیا کے ہر کام میں اہمیت ہوتی ہے اور پچھلے مآخذ سے فائدہ اٹھانا بھی بغیر عقل سلیم کے معتبر نہیں۔ اہل علم نے اس معاملہ میں یہ اصول بتایا ہے کہ عقل سلیم کے ذریعہ مستنبط ہونے والے وہی مسائل اور معارف معتبر ہوں گے جو سابق مآخذ سے متصادم نہ ہوں۔ اس عنوان پر تفسیریں بھی لکھی گئی ہیں، علامہ ابو السعود کی "ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم" اور "تفسیر التُستری" اسی سلسلہ کی اہم کڑی ہیں۔

تیسری بحث: تفسیر قرآن کے ناقابلِ اعتبار ماخذ

ماقبل میں ان مآخذِ تفسیر کا ذکر کیا گیا جو تفسیر کے لیے مستند و معتبر حیثیت کے حامل ہیں۔ اب غیر مستند و غیر معتبر مآخذ پیش کیے جاتے ہیں۔

[۱] اسرائیلی روایات　　[۲] تفسیر بالرائے

[۱]: اسرائیلی روایات:

(۱) تعریف:

"الاسرائیلیات: الاخبار المنقولة عن بنی اسرائیل من الیهود وهو الاکثر او من النصاری"۔ (قسم التفسیر واصولہ: ۱/۴۷)

ترجمہ: اسرائیلیات وہ روایات ہیں جو بنی اسرائیل یعنی یہودیوں سے بکثرت منقول ہیں، یا نصاریٰ سے منقول ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"اسرائیلیات یا اسرائیلی روایات ان روایات کو کہتے ہیں جو یہودیوں یا عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے بعض براہِ راست بائبل یا تالمود سے لی گئی ہیں بعض منشاء اور ان کی شروح سے اور بعض وہ زبانی روایات ہیں جو اہل کتاب میں سینہ بسینہ نقل ہوتی چلی آئی ہیں اور عرب کے یہود و نصاریٰ میں معروف و مشہور تھیں"۔ (علوم القرآن از شیخ الاسلام: ۳۴۵)

(2) اسرائیلیات کا حکم:

اسرائیلیات کے بارے میں علمائے امت کا نظریہ تقریبا ایک ہی ہے، اگرچہ الفاظ و تعبیرات مختلف ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولكن هذه الأحاديث الإسرائيلية تذكر للاستشهاد، لا للاعتضاد، فإنها على ثلاثة أقسام:

أحدها: ما علمنا صحته مما بأيدينا مما يشهد له بالصدق، فذاك صحيح. [جن کی تصدیق دوسرے خارجی دلائل سے ہو چکی ہے مثلا: فرعون کا غرق ہونا]

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

والثاني: ما علمنا كذبه بما عندنا مما يخالفه. [جن کا جھوٹ ہونا خارجی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے، مثلا: یہ کہانی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخر عمر میں (معاذ اللہ) بت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے]

والثالث: ما هو مسكوت عنه لا من هذا القبيل ولا من هذا القبيل، فلا نؤمن به ولا نكذبه، وتجوز حكايته لما تقدم، وغالب ذلك مما لا فائدة فيه تعود إلى أمر ديني. [جن کے بارے میں خارجی دلائل سے نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ سچی ہیں اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جھوٹ ہیں، مثلا تورات کے احکام وغیرہ]

(تفسیر ابن کثیر: ج1 ص9، 10 مقدمہ)

[۲]: تفسیر بالرائے:

تفسیر بالرائے کے متعلق اہل علم کے پانچ اقوال ملتے ہیں:

اول: یہ کہ تفسیر قرآن کیلئے جن علوم کی ضرورت ہے' کوئی شخص ان کو حاصل کئے بغیر تفسیر کرنے بیٹھ جائے۔

دوم: کوئی شخص ان متشابہات کی تفسیر کرنے لگے جن کی مراد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

سوم: غلط مذہب کو ثابت کرنے کے لئے تفسیر کرنا۔ جس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مذہب فاسد کو تو اصل بنائے اور تفسیر کو اس کے تابع کرے اور جس طرح بھی ممکن ہو کھینچ تان کر قرآن کریم کو اپنے مذہب پر چسپاں کرنے کی کوشش کرے۔

چہارم: بغیر دلیل کے کسی آیت کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قطعی مراد یہ ہے۔

پنجم: محض اپنی خواہش وپسند کے مطابق تفسیر کرنا۔

(الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی: ج2 ص183)

(2) تفسیر بالرائے کا حکم:

تفسیر بالرائے حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں:

من قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار. (جامع الترمذی: ج2 ص123 باب ماجاء في الذي يفسر القرآن برایہ)

ترجمہ: جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔

اسی طرح حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادِ فرمایا:

من قال في القرآن برايه فاصاب فقد اخطأ.

(جامع الترمذی: ج2 ص123 باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برایہ، سنن ابی داوٗد: ج2 ص158 باب الکلام فی کتاب اللہ بغیر علم)

ترجمہ: جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی' اس نے اگر ٹھیک کیا تب بھی غلط کیا۔

چوتھی بحث: تفسیر القرآن کے لیے ضروری علوم

یہ بحث مفصلاً ہم نے "فہمِ قرآن اور تفہیم قرآن" کے عنوان سے مقدمہ میں کر دی ہے۔ وہیں ملاحظہ فرمالی جائے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

پانچویں اور چھٹی بحث

بعض مفسرین اور ان کی تفاسیر کا تعارف

قرآن مجید کی تفاسیر بہت زیادہ لکھی گئی ہیں۔ علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قد بلغت تفاسیر القرآن المؤلفةُ الیٰ مِأتی الفٍ.

(مقدمہ مشکلات القرآن للبنوری: ص12)

کہ قرآن مجید کی لکھی گئی تفاسیر کی تعداد دو لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔

چند مشہور تفاسیر اور ان کے مفسرین کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

عربی تفاسیر

1: تاویلات اہل السنۃ

مفسر: ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی السمرقندی الحنفی (م 333ھ)

آپ ماوراء النہر سمرقند کے ایک گاؤں "ماترید" میں پیدا ہوئے۔ معتزلہ کا شدت کے ساتھ رد کرنے کی وجہ سے ابو الحسن اشعری کے بعض ان افکار کا جن کا دفاع کرنا ادلہ شرعیہ کی روشنی میں مشکل تھا، اصلاح فرمائی اور معتزلہ کی تردید اور اہل السنۃ والجماعۃ کے افکار کی تائید میں راہِ اعتدال اختیار فرمائی۔ فروع میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے۔ "تاویلات اہل السنۃ" کے نام سے قرآن پاک کی ایک تفسیر بھی تحریر فرمائی۔ اس کے علاوہ بھی متعدد کتب تصنیف فرمائیں جن میں کتاب التوحید، کتاب رد اوائل الادلۃ للکعبی، کتاب بیان وھم المعتزلۃ، کتاب المقالات، کتاب الجدل وغیرہ شامل ہیں۔ آپ محدث کبیر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔

تفسیر کا تعارف:

اس تفسیر میں ان باتوں کا خیال رکھا گیا ہے:

1: آیات میں ممکنہ احتمالات ذکر کرنے کے بعد ہر احتمال پر علمی مناقشہ فرماتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور ثقہ مفسرین کے اقوال لا کر راجح قول کا تذکرہ "والاصل عندنا" یا "وعندنا" کے الفاظ سے کرتے ہیں۔

2: اگر آیت کی تفسیر کسی غیر اہل السنت نے کی ہو تو اس کا نام صراحت سے لیتے ہیں مثلاً ابو بکر الاصم یا جعفر بن حرب یا اس فرقہ کا نام لیتے ہیں جو اس قول کا قائل ہوتا ہے مثلاً معتزلہ، کرامیہ، خوارج وغیرہ۔ پھر اس شخص یا اس فرقہ کا نظریہ دلائل عقلیہ ونقلیہ سے رد کرتے ہیں۔

3: جب کوئی آیت کسی فقہی مسئلہ سے متعلق ہو تو اس کی تفسیر اپنے امام امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق کرتے ہیں۔

4: آیاتِ قرآنی کی تاویلات کرتے ہوئے مختلف قراءتوں کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں حتیٰ کہ قراءات شاذہ کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔

5: آیات کی تفسیر کے دوران جب لغوی معنی کی احتیاج ہو تو اپنی رائے ضرور بیان کرتے ہیں۔

6: ان کے دور میں اگر کسی نے ان پر رد کرتے ہوئے حدود سے تجاوز کیا ہو تو اس کی غلطی پر تنبیہ ضرور کرتے ہیں۔

مجموعی طور پر اس تفسیر میں عقائد و نظریات کے بیان کے ساتھ ساتھ فقہی مسائل کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

2: احکام القرآن للجصّاص

مفسر: امام ابو بکر احمد بن علی الرازی الحنفی المعروف بالجصاص (م370ھ)

تفسیر کا تعارف:

آپ فقہاء حنفیہ میں ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں اس لیے آپ کی تفسیر کا موضوع قرآن کریم سے فقہی احکام و مسائل کا استنباط ہے۔ آپ نے صرف اُن آیتوں کی تفسیر بیان فرمائی ہیں جو فقہی احکام پر مشتمل ہیں۔

3: تفسیر کبیر

مفسر: امام ابوعبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازي الشافعي فخر الدین رازی رحمہ اللہ (م606ھ)

مشہور مفسر، محدث، فقیہ اور فلسفی ہیں۔ "رے" (ایران) میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد ضیاء الدین عمر خطیب تھے، اس لیے آپ "ابن الخطیب" بھی کہلاتے ہیں۔ آپ امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد تھے۔ خوارزم میں معتزلہ عقائد کے خلاف تبلیغ کے لیے گئے لیکن وہاں سے بخارا اور سمر قند جانے پر مجبور ہوئے۔ 1190ء میں غزنی اور پنجاب کا دورہ کیا۔ پھر ہرات میں مستقل سکونت اختیار کی اور ایک مدرسے میں شیخ الاسلام کی حیثیت سے تدریس میں مصروف ہو گئے۔ سلطان علاؤالدین محمد خوارزم شاہ آپ کا سرپرست تھا۔ حاسدوں نے آپ کو زہر دے دیا جس سے جانبر نہ ہو سکے۔ آپ نے علوم دین کو فلسفیانہ پیرائے میں پیش کیے۔ علم الکلام میں مشہور تصنیف "اساس التقدیس" ہے۔

تفسیر کا تعارف:

اس تفسیر کا اصلی نام "مفاتیح الغیب" ہے، لیکن "تفسیر کبیر" کے نام سے مشہور ہے، چونکہ آپ متکلمین اسلام کے امام ہیں، اس لیے تفسیر میں عقلی اور کلامی مباحث اور باطل فرقوں کی تردید پر بہت زور دیا گیا ہے، مسائل کو دلائل کے ساتھ لکھا گیا ہے، آیت پر ہونے والے امکانی سوال قائم کرکے جواب تحریر کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حلِ قرآن کے لحاظ سے بھی یہ تفسیر اپنی نظیر آپ ہے، اور اس میں جس دلنشین انداز میں قرآن کریم کے معانیکی توضیح اور آیاتِ قرآنی کے باہمی ربط کی تشریح کی گئی ہے، وہ بڑا قابلِ قدر ہے۔ صاحبِ کشف الظنون حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ امام رازیؒ نے سورہ فتح تک کی تفسیر خود لکھی ہے، اس کے بعد وہ اسے پورا نہ کر سکے، چنانچہ سورہ فتح سے آخر تک کا حصّہ قاضی شہاب الدین بن خلیل الخولی الدمشقیؒ (م639ھ) یا شیخ نجم الدین احمد بن محمد القمولیؒ (م777ھ) نے مکمل فرمایا۔

4: تفسیر ابن کثیر

مفسر: حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م774ھ)

آپ 700ھ میں شام کے شہر "بصرہ" کے مضافات میں "مجدل" نامی بستی میں پیدا ہوئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، تاریخ، علم الرجال اور نحو میں مہارت حاصل کی۔ عرصہ تک علامہ مزی اور پھر علامہ ابن تیمیہ کی صحبت میں رہے۔ آپ علامہ ابن تیمیہ کے ہم نوا تھے اس لیے کافی آزمائشوں اور آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ نے 774ھ میں دمشق میں وفات پائی اور مقبرہ صوفیہ میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے پہلو میں تدفین ہوئی۔ آپ کی مشہور تصانیف: تفسیر القرآن الکریم جو تفسیر ابن کثیر کے نام سے معروف ہے اور اس کے اردو زبان میں کئی تراجم بھی ہیں، البدایہ والنہایہ، رسالۃ فی فضائل القرآن، السیرۃ النبویہ، الاجتہاد فی طلب الجہاد، الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول آپ کی معروف تصانیف میں شامل ہیں۔

تفسیر کا تعارف:

تفسیر ابن کثیر دراصل "تفسیر ابن جریر" سے مستفاد ہے۔ تاہم ابن جریر رحمہ اللہ کے برخلاف صحت روایت کا کافی التزام کرتے ہیں۔ آیات کی تفسیر روایات وآثار اور متقدمین کے اقوال کی روشنی میں کرتے ہیں۔ اس تفسیر کے بارے میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا: لَمْ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

يُؤلَّف على نَمَطِهٖ مثلُهٗ (اس طرز پر دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی) شیخ الاسلام محمد زاہد بن حسن الکوثری فرماتے ہیں: هُوَ مِنْ أَفْيَدِ كُتُبِ التَّفْسِيْرِ بِالرِّوَايَةِ (یعنی تفسیر ابن کثیر، تفسیر بالروایہ میں سب سے زیادہ مفید کتاب ہے) محقق العصر حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مصنف اس کتاب میں پہلے "تفسیر القرآن بالقرآن" کا اہتمام کرتے ہیں، پھر تفسیر القرآن بالاحادیث النبویہ کا اہتمام کرتے ہوئے اسانید پر بحث کرتے ہیں، پھر تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین کا اہتمام کرتے ہیں۔

اس تفسیر کا طرز مختصراً یہ ہے:

1: آپ دوران بحث جرح وتعدیل کے اصولوں کے مطابق صحیح روایات کو ضعیف روایات سے نکھار کر پیش کرتے ہیں۔

2: آیات کا شان نزول بھی بیان کرتے ہیں۔ احکام پر مشتمل آیات کی تفسیر میں فقہی مسائل پر بھی بحث کرتے ہیں اور فقہاء کے اختلافی اقوال ودلائل بیان کرتے ہیں۔

3: مختلف مقامات پر لغت عرب سے استدلال کرتے ہیں اور اقوال عرب کو نظائر وشواہد کے طور پر پیش کرتے ہوئے آیت کی تشریح بیان کرتے ہیں۔

4: قرآنی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے حسب موقع اختلاف قرأت واعراب، صرفی ونحوی ترکیب اور الفاظ کی لغوی تحقیق کے علاوہ ان کے مصادر، تثنیہ، جمع اور اصطلاحی مفہوم بھی بیان کرتے ہیں۔

5: ناسخ ومنسوخ آیات کی وضاحت، ان کے بارے میں مفسرین اور فقہاء کی اختلافی آراء اور جمہور کی تائید میں اپنے نقطہ نظر کا اظہار کرتے ہیں۔

6: اسرائیلی روایات کے بارے میں جمہور کا موقف بیان کرتے ہیں۔

5: روح المعانی

مفسر: علّامہ ابوالثناء محمود آلوسی آفندی بغدادی الحنفی (م1270ھ)

آپ "آلوس" نامی گاؤں میں پیدا ہوئے جو بغداد اور ملک شام کے درمیان واقع تھا۔ آپ اپنے زمانے میں تفسیر، حدیث، فقہ و اصول فقہ، علم ہیئت، صرف ونحو اور منقولات ومعقولات کے امام تھے۔

علامہ آلوسیؒ نے حصول تعلیم کے بعد تیرہ برس کی عمر سے تعلیم وتدریس کا باقاعدہ سلسلہ شروع کیا۔ آپ خود لکھتے ہیں:

"میں نے 1252ھ میں تفسیر شروع کی اور پندرہ سال میں 4 ربیع الاول 1267ھ کو مکمل فرمائی۔"

تفسیر کا کام مکمل ہونے پر آپ اس عظیم الشان کاوش کا نام رکھنے کے بارے میں پریشان تھے، مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"وزیر اعظم رضا پاشا کے سامنے میں نے اپنی اس مشکل کو پیش کیا تو انہوں نے فی الفور اس کا نام "روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثانی" تجویز کردیا"۔

تفسیر کا تعارف:

اس کا پورا نام "روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی" ہے۔ یہ تیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ مفسر نے اپنی اس تفسیر کو بڑی حد تک جامع بنانے کی کوشش کی ہے۔ لغت، نحو، ادب اور بلاغت کے علاوہ فقہ، عقائد، کلام، فلسفہ، ہیئت، تصوّف اور متعلقہ رویات پر بھی مبسوط بحثیں کی ہیں اور کوشش یہ کی ہے کہ آیت سے متعلق کوئی علمی گوشہ تشنہ نہ رہے۔ روایات حدیث کے معاملے میں بھی اس کے مصنف دوسرے مفسرین کے مقابلے میں محتاط رہے ہیں، اس لحاظ سے یہ بڑی جامع تفسیر ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

6: مدارک التنزیل

مفسر: علامہ امام حافظ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی (م 710ھ)

آپ بہترین متکلم، زاہد، متقی و پرہیز گار تھے۔

تفسیر کا تعارف:

یہ تفسیر نہایت عمدہ، جامع اور مختصر ہے۔ اس میں گمراہ فرقوں کے عقائد باطلہ کی بھی بھرپور تردید کی گئی ہے۔ اسرائیلیات سے پاک ہے، اہل علم نے ہمیشہ اسے پذیرائی بخشی ہے۔ اس میں فقہی مسائل و دلائل حنفی نقطہ نظر سے بیان ہوئے ہیں۔

7: جلالین

مفسر: علامہ جلال الدین محمد بن احمد بن محمد محلی (864ھ) اور علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی (م 911ھ)

دونوں کا لقب چوں کہ جلال الدین ہے، اس لیے تفسیر "تفسیر الجلالین" سے موسوم ہوئی، علامہ سیوطی کو دو لاکھ احادیث یاد تھیں اور متعدد دینی علوم و فنون میں مہارت رکھتے تھے۔ "الاتقان في علوم القرآن، لباب النقول في أسباب النزول" وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں، آپ علامہ محلی کے شاگرد ہیں۔ علامہ محلیؒ نے "سورۃ الکھف" سے اخیر قرآن تک کی تفسیر لکھی اور شروع سے "سورۃ الفاتحہ" کی تفسیر لکھی تھی کہ وفات پا گئے۔ پھر علامہ سیوطی نے اپنے استاذِ محترم کے نہج کو باقی رکھتے ہوئے تفسیر پایۂ تکمیل تک پہنچائی۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ کوئی عالم محض مطالعہ کی بنیاد پر دونوں کے درمیان خطِ امتیاز نہیں کھینچ سکتا، دونوں شخصیتوں کے سامنے خصوصیت کے ساتھ شیخ موفق الدین کی دو تفسیریں رہی ہیں، ایک کا نام "تفسیر کبیر" ہے، جسے اہلِ علم "التبصرۃ" کے نام سے جانتے ہیں اور دوسری کا نام "تفسیر صغیر" ہے، جسے "تلخیص" کے نام سے جانا جاتا ہے، ان کے علاوہ تفسیر وجیز، بیضاوی اور ابن کثیر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

تفسیر کا تعارف:

فن تفسیر کی ایک مختصر مگر جامع تفسیر ہے، اگر اسے قرآن مجید کا عربی ترجمہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا، قرآنی اور تفسیری الفاظ سورۃ مدثر تک تقریباً برابر ہیں اس کے بعد تفسیری کلمات کی تعداد قرآنی کلمات سے زیادہ ہے۔ اس کی خصوصیات مختصراً یہ ہیں۔

1۔ قرآن مجید کی انتہائی مختصر تفسیر ہے

2۔ الفاظ کا لغوی معنیٰ اور مرادی معنی بیان کیا گیا ہے

3۔ تفسیر کے لیے لمبی عبارت کی بجائے اشارات سے کام لیا گیا ہے

4۔ یہ تفسیر چونکہ دو بزرگوں کی ہے اور ان دونوں ہی کا لقب جلال الدین ہے اس لیے اس کتاب کا نام جلالین رکھا گیا۔

8: تفسیر مظہری

مفسر: علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م 1225ھ)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کو "بیہقی وقت" کہتے تھے۔

تفسیر کا تعارف:

آپ نے اپنے شیخ طریقت مرزا مظہر جانِ جاناں دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر اس کا نام "تفسیر مظہری" رکھا ہے۔ آپ کی یہ تفسیر بہت سادہ اور واضح ہے اور اختصار کے ساتھ آیات قرآنی کی تشریح معلوم کرنے کے لیے نہایت مفید ہے۔ الفاظ قرآنی کی تشریح کے ساتھ متعلقہ روایات کو بھی ذکر کیا گیا ہے اور دوسری تفسیروں کے مقابلے میں زیادہ چھان پھٹک کر کے روایات لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں حنفی نقطہ نظر کو انتہائی عمدہ پیرائے میں بیان کرتے ہوئے اس کی عمدہ ترجمانی کی گئی ہے۔ انتہائی عمدہ تفسیر ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

خاتم المحدثین علامہ محمد انور شاہ کشمیری فرماتے تھے کہ "شاید ایسی تفسیر بسیطِ ارض میں نہ ہو"(بروایت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری)

اردو تفاسیر

1:موضح البیان

یہ حضرت شاہ عبد القادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اردو ترجمہ ہے جو اپنی غیر معمولی خصوصیات کی وجہ سے برصغیر کے مسلمانوں میں "الہامی ترجمہ" کے نام سے مشہور رہا ہے۔ حقیقت میں یہ قرآن کریم کا واحد ترجمہ ہے جو اردو میں پہلا بامحاورہ ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ قرآنی الفاظ کی ترتیب اور اس کے معانی و مفہوم سے حیرت انگیز طور پر قریب ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمہ کی تکمیل میں تقریباً چالیس سال مشقت اٹھائی ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمہ میں متعدد خوبیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے:

"حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ کا ترجمہ جیسے استعمال محاورات میں بے نظیر سمجھا جاتا ہے ویسے ہی باوجود پابندی محاورہ، قلت تغیر اور خفت تبدل میں بھی بے مثل ہے۔"(مقدمہ ترجمہ شیخ الہند)

2:تفسیر عثمانی

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نے حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی کے ترجمہ کو جدید اسلوب میں بیان کیا تھا اور سورۃ النساء تک اس کی مختصر سی تفسیر بھی تحریر فرمائی تھی لیکن ان کی تکمیل کو موقع میسر نہ آسکا' بقیہ فوائد حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے تحریر فرمائے۔ اردو کی مختصر پر اثر تفسیر ہے۔

3:بیان القرآن

از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

انتہائی عمدہ پیرائے میں منشاء قرآن کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ مضامین، سلاست، روانی، تعبیرات، حل اشکالات، بیان نکات غرض ہر لحاظ سے انتہائی عمدہ تفسیر ہے۔ اس کی قدر و منزلت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان دیگر تفاسیر کو ملاحظہ کرنے کے بعد اس کا مطالعہ کرے۔

بیان القرآن کی اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جسے حضرت مولانا محمد انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی سوانح میں ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

"بیان القرآن یعنی قرآن حکیم کی تفسیر جسے مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے علم ریز قلم نے تیار کیا جب اس کا مطبوعہ نسخہ دیوبند پہنچا اور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بالاستیعاب اس کا مطالعہ کیا تو طلباء سے درس بخاری میں ارشاد فرمایا کہ "میں نے اپنے ذوق علمی کو محفوظ رکھنے کے لیے اردو سے مطالعہ میں ہمیشہ پرہیز کیا تا آنکہ اپنی نجی مراسلت کی زبان بھی عربی اور فارسی ہی رکھی اور ہمیشہ یہ سمجھتا رہا کہ اردو کا دامن علم و تحقیق سے خالی ہے لیکن مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے اپنی رائے میں ترمیم کرنا پڑی اور اب میں سمجھتا ہوں کہ اردو بھی بلند پایہ علمی تحقیقات سے بہرہ ور ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ "بیان القرآن" جیسی چست تفسیر دیکھنے میں نہیں آئی"۔

درس کی یہ روایت کسی نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ تک پہنچا دی۔ اسے سننے کے بعد ممدوح کا یہ تاثر تھا کہ "حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ایسے بڑے عالم کی تعریف و توثیق کے بعد میں "بیان القرآن" کے لیے کسی اور توصیف کا منتظر نہیں ہوں۔"

(حیات محدث کشمیری:ص288)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

4: معارف القرآن (از مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ)

اردو زبان میں نہایت معروف وچست تفسیر ہے۔ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا اور خلاصہ تفسیر حضرت حکیم الامت تھانوی کی تفسیر بیان القرآن سے لیا گیا ہے۔ "معارف ومسائل" کے عنوان کے تحت مفتی صاحب نے ضروری نکات اور مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔اس تفسیر کا طرزِبیان فقہی چاشنی سے لبریز ہے۔اس کی چند خصوصیات یہ ہیں:

1: اس تفسیر میں ترجمہ حضرت شیخ الہند کا لیا گیا ہے۔

2: تفسیر بیان القرآن از حضرت تھانوی کو اس انداز میں لکھا گیا ہے کہ متنِ قرآن کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ ہی اس کی تفسیر وتوضیح قوسین کے درمیان کی گئی ہے، ترجمہ کو اس کے اوپر خط دے کر اور تفسیر کو بین القوسین لکھ کر ممتاز کر دیا گیا ہے۔

3: "معارف ومسائل" کے نام سے اپنی تحقیق وتشریح پیش کی ہے۔

4: مستند ومعتبر تفاسیر سے ایسے مضامین کو اہمیت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے جو انسان کے دل میں قرآن کی عظمت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی عظمت ومحبت کو بڑھائیں، اور قرآن پر عمل اور اپنے اعمال کی اصلاح کی طرف مائل کریں۔

5: معارف القرآن (از حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی)

اس تفسیر کا طرز محد ثانہ' ترجمہ شاہ عبد القادر محدث دہلوی کا ہے اور تفسیر میں بیان القرآن کی پیروی کی گئی ہے۔حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اس تفسیر کی تکمیل نہیں فرما سکے تھے کہ اس دنیا سے رخصت ہوئے' ان کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی نے اس کی تکمیل فرمائی ہے اور باحسن انداز اسے پورا کیا ہے۔تفسیر لکھنے کے کیا محرکات تھے انھیں مصنف موصوف نے کتاب کے مقدمہ ہی میں واضح فرمادیا ہے؛ چنانچہ لکھتے ہیں:

"میرے دل میں خیال آیا کہ ایک ایسی تفسیر لکھی جائے جو مطالب قرآنیہ کی توضیح وتشریح اور ربط آیات کے علاوہ قدرے احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہؓ وتابعینؒ پر اور بقدر ضرورت لطائف ومعارف اور نکات اور مسائل مشکلہ کی تحقیقات اور ملاحدہ اور زنادقہ کی تردید اور ان کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہو پھر یہ کہ وہ ترجمہ اور تفسیر سلف صالحینؒ کے مسلک سے ذرہ برابر بھی ہٹا ہوا نہ ہو اور کسی جگہ بھی اپنی رائے اور خیال اور نظریہ کو قرآن کے بہانے سے پیش کرکے مسلمانوں کو دھوکہ اور فریب نہ دیا جائے، جیسا کے آج کل آزاد منشوں کا طریقہ ہے کہ قرآن کی تفسیریں لکھ کر اس لیے شائع کررہے ہیں کہ تاویل اور تحریف کے ذریعے قرآنی تعلیمات کو مغربی تہذیب وتمدن کے مطابق کردیں اور اپنے حسب منشاء قرآن کے معنی گڑھ کر خیالات باطلہ کے نام سے مسلمانوں میں پھیلا یاجائے۔"

6: ذخیرۃ الجنان

یہ امام اہل السنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے وہ دروس ہیں جو انہوں نے گکھڑ منڈی کی جامع مسجد بوہڑ والی میں پنجابی زبان میں دیے۔اب اس کا اردو ترجمہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مولانا محمد نواز بلوچ مدظلہ نے کیا ہے جبکہ حضرت کے ایک عقیدت مند میر محمد لقمان صاحب اس کی اشاعت کا اہتمام کررہے ہیں۔

اس میں ترجمہ وتفسیر کے ساتھ ساتھ فرقِ باطلہ کے رد کا بھی بھرپور التزام کیا گیا ہے۔درسِ قرآن کے حوالے سے نہایت عمدہ ہے۔ آپ کا طرزِ استدلال خالص علمی اور اندازِ بیان خالص عوامی ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

7:معالم العرفان

مفسر: حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی نور اللہ مرقدہ

تعارف تفسیر:

تفسیر معالم العرفان دروس القرآن کے نام سے یہ آپ کے وہ عوامی دروس قرآن کریم ہیں جو جامع مسجد نور مدرسہ نصرۃ العلوم میں آپ فجر کی نماز کے بعد ارشاد فرماتے تھے، آپ کا معمول ہفتہ میں چار دن ہفتہ، اتوار، سوموار اور منگل کے دن قرآن کریم کے درس کا تھا جبکہ دو دن بدھ اور جمعرات کو حدیث کا درس اور جمعہ کے دن درس کی چھٹی، لیکن اس دن جمعہ کا خطبہ ارشاد فرماتے تھے، ان دروس قرآن وحدیث اور خطبات کو الحاج لعل دین ایم اے نے کیسٹوں سے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا، جن پر صوفی صاحبؒ نے نظر ثانی فرمائی، بعض مقامات میں حذف وترمیم، اضافہ جات اور حواشی لکھ کر انہیں شائع کرایا، بلامبالغہ یہ اس وقت اردو زبان میں دنیا کی سب سے بڑی تفسیر ہے جو پونے پانچ سو کیسٹوں میں محفوظ ہے اور تقریباً تیرہ ہزار سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، جو بیس ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر منصۂ شہود پر آچکی ہے اور عوام وخواص کی ضروریات پوری کر رہی ہے، 1981ء میں اس کی طباعت کا آغاز ہوا تھا اور 1995ء میں اس طباعت مکمل ہوئی، گذشتہ سال احباب نے اسے سی ڈی پر بھی منتقل کر دیا ہے اور اب اسے انٹرنیٹ پر جاری کرنے کی کوشش ہو رہی ہے، اس تفسیر کا تعارف پاکستان کے تمام قومی اخبارات میں شائع ہوا تھا جن میں نوائے وقت، پاکستان اور جنگ وغیرہ بھی شامل ہیں، ان سب نے "اردو زبان میں دنیا کی سب سے بڑی تفسیر قرآن" کی عنوان سے مضامین شائع کیے تھے، آج درس وتدریس، امامت وخطابت اور دینی شعبہ جات میں کام کرنے والے اکثر وبیشتر حضرات اس سے استفادہ کر رہے ہیں، جو اس کی عند اللہ وعند الناس مقبولیت کے واضح نشانی ہے، بڑے بڑے علماء نے اس کی افادیت کا اظہار کیا ہے اور عوام الناس کے ہر طبقہ میں بھی اسے سراہا گیا ہے بلکہ بلا امتیاز مسلک ومشرب ہر طبقہ کے لوگوں نے اس سے استفادہ کیا ہے، اور انشاء اللہ العزیز کرتے رہیں گے، اس تفسیر کو مکتبہ دروس القرآن نے شائع کیا ہے اور اس کے اب تک کئی ایڈیشن شائع ہو چکی ہے، گذشتہ سال شجاع آباد کے ایک خاتون نے اس تفسیر پر ایم فل کا مقالہ بھی لکھا ہے جو منظور ہو گیا ہے اور اسے بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان نے شائع کیا ہے۔

8:انوار البیان فی کشفِ اسرار القرآن

محقق العصر حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ہے۔ اندازِ بیان سلیس اور عام فہم ہے۔ مفسر نے اس میں تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ فقہی رنگ غالب نظر آتا ہے۔ احکام ومسائل کے بیان کے ساتھ ساتھ مواعظ ونصائح بھی بیان کیے ہیں۔ اسبابِ نزول، تفسیر وحدیث اور کتبِ فقہ کے حوالہ جات کے ساتھ بھرپور ہے۔

9:آسان ترجمہ

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کا ہے جس میں قرآن مجید کا ترجمہ انتہائی سلیس اور عام فہم کیا گیا ہے جو یقیناً "آسان ترجمہ" کہلانے کا مستحق ہے۔ ترجمہ کے ساتھ ساتھ مختصر مختصر تفسیر وتوضیح بھی اس کی اہمیت کو چار چاند لگا دیتی ہے۔

نوٹ:

اردو میں اگر درس قرآن دینا ہو تو ان تفاسیر کو بالترتیب ملاحظہ فرماتے رہیں:

موضح البیان از حضرت شاہ عبد القادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، تفسیر عثمانی، بیان القرآن از حضرت تھانوی، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع عثمانی اور معالم العرفان از حضرت مولانا صوفی عبد الحمید۔ ان شاء اللہ آپ کے لیے آسانی ہو گی۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حفاظت قرآن

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

قرآن کریم آسمانی کتابوں میں سب سے بلند اور ممتاز اس سبب سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کسی تحریف اور تبدیلی سے محفوظ رکھنے کا خود ذمہ لیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا ہوتا تو اس میں بھی تحریف اور تبدیلی کا وہی حال ہوتا جو سابقہ آسمانی کتابوں کا ہوا، کیونکہ سابقہ آسمانی کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے انہی لوگوں کو سونپی تھی جن کی طرف اللہ نے وہ کتابیں اتاری تھیں۔

قرآن کریم کو اس عظیم خوبی کے ذریعے دوسری آسمانی کتابوں سے بلند اور ممتاز کرنے کی حکمت یہ ہے کہ یہ آسمانی کتابوں میں سے آخری کتاب ہے اور آسمانی کتابوں کے سلسلے کو ختم کرنے والی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے لیے ایسے اسباب تیار اور مہیا فرمائے جو اس کے علاوہ کسی بھی اور کتاب کے لیے میسر نہیں تھے۔

ان اسباب میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قرآن کو لکھا ہوا جمع کرنا تھا۔ ان اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی رضامندی سے قرآن کو ایک کتاب کی صورت میں ثابت شدہ قراءتوں کے مطابق جمع فرمایا، پھر اس کے نسخے لکھوا کر تمام ملکوں میں روانہ فرمائے۔ ان اسباب میں سے سب سے بڑا اور معجزاتی سبب قرآن مجید کو زبانی یاد کرنا ہے۔

حفاظت کے چند دلائل:

آیت 1:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ. (سورۃ الحجر:9)

تفاسیر:

☆ أنه هو الذي أنزل الذكر، وهو القرآن، وهو الحافظ له من التغيير والتبديل. (تفسیر ابن کثیر تحت ھذہ الآیۃ)

☆ ﴿وإنا له لحافظون﴾ من التبديل والتحريف والزيادة والنقص. (تفسیر جلالین)

☆ وإنا له لحافظون (الضمير في له يرجع إلى الذكر يعني, وإنا للذكر الذي أنزلناه على محمد لحافظون يعني من الزيادة فيه, والنقص منه والتغيير والتبديل والتحريف, فالقرآن العظيم محفوظ من هذه الأشياء كلها لايقدر أحد من جميع الخلق من الجن والإنس أن يزيد فيه, أو ينقص منه حرفاً واحداً أو كلمة واحدة, وهذا مختص بالقرآن العظيم بخلاف سائر الكتب المنزلة فإنه قد دخل على بعضها التحريف, والتبديل والزيادة والنقصان. (تفسیر خازن)

آیت 2:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ. لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ. (سورۃ فصلت:41، 42)

"من بين يديه" سے مراد عالم بالا سے حضور علیہ السلام تک جن واسطوں سے قرآن پہنچا وہ معتبر ہیں، شیطانی وساوس سے محفوظ ہیں اور "ومن خلفه" سے مراد آپ علیہ السلام سے امت تک جن واسطوں سے دین پہنچا وہ واسطے بھی معتبر ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

یا "من بین یدیه " وقت نزول اور "ومن خلفه "بعد رحلت رسول۔

"لایاتیه الباطل "... "باطل "خلافِ حق چیز کو کہتے ہیں، تحریف بھی چونکہ خلافِ حق ہے اس لئے یہ قرآن میں نہیں ہو سکتی۔

آیت 3:

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ. إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ.(سورۃ القیامۃ:16،17)

☆ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں :

حفظ قرآن کہ موعود حق است باایں صورت ظاہر شد کہ جمع آں در مصاحف کنند.

(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء: مقصد اول فصل سوم ج1 ص193)

ترجمہ: قرآن کی حفاظت جس کا وعدہ خداوند نے ("اناله لحافظون "میں) کیا، وہ اس شکل میں پورا ہوا کہ مصاحف میں لوگ اس کو جمع کریں۔

☆ مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں :

اس آیت سے بھی قرآن مجید کا ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہونا ثابت ہوتا ہے اور تحریف کی رسائی قرآن تک محال وناممکن ثابت ہوتی ہے کیونکہ جب قرآن کا مصحف میں جمع کرانا اور اس کے درس کا دنیا میں قائم رکھنا خدا نے اپنے ذمہ لیا اور ظاہر ہے کہ یہ سب ذمہ داریاں اصلی قرآن کے لئے ہیں۔ لہٰذا ناممکن ہے کہ وہ محرف صورت میں جمع ہو محرف درس قائم رہے ورنہ خلف وعید لازم آئے گا۔ (تحفہ اہل سنت ص337)

فائدہ: ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وأنزلت عليك كتابا لا يغسله الماء.

(صحیح مسلم باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النار)

ترجمہ: اے میرے پیغمبر! میں نے آپ پر ایک ایسی کتاب نازل کی جس کو پانی دھو نہیں سکتا۔

اس کی شرح کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ایں کنایہ است ازانکہ اگر مساعی بنی آدم صرف شوند در محو قرآن قادر نشوند بر آں.

(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مقصد اول فصل سوم ج1 ص193)

ترجمہ: اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمام انسان مل کر بھی قرآن کو مٹانے کی کوشش کریں تب بھی نہیں مٹا سکتے۔ (کیونکہ حفاظت کا ذمہ خود خالق نے لیا)

روافض؛ قائلین تحریف قرآن

چند ابتدائی باتیں:

[1]: روافض کے مذہب کی بنیادوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ راویانِ دین اور ناقلینِ قرآن کی پہلی جماعت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جھوٹے تھے۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد چند اشخاص کے علاوہ سب مرتد ہو گئے تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک

[2]: اس بات پر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ تقریباً روافض کا بھی اتفاق ہے کہ موجودہ قرآن جو ہمیشہ سے پڑھا جارہا ہے یہ حضرات خلفاء ثلاثہ کی محنت اور ان کے اہتمام سے جمع ہوا اور ان حضرات نے اس مصحف کو پوری دنیا میں پھیلایا ہے۔ روافض خلفاء ثلاثہ کو بے دین اور دشمنِ دین سمجھتے ہیں تو ان کے دور میں جمع کیا ہوا قرآن کیسے درست ہو سکتا ہے؟!

[3]: روافض کی معتبر کتب میں تقریباً دو ہزار روایات ایسی ہیں جو اس موجودہ قرآن کو محرف بتاتی ہیں اور ان روایات کو رافضی مصنفین نے اپنے زعم کے مطابق ائمہ معصومین سے نقل کیا ہے۔ بلکہ باقر مجلسی کی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کی روایات عقیدہ امامت کی طرح

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

متواتر ہیں۔ چنانچہ ایک روایت نقل کر کے لکھتے ہیں:

فالخبر صحیح ولا یخفیٰ ان هٰذا الخبر و کثیر من الاخبار الصحیحة صریحة فی نقص القرآن وتغییره، وعندی ان الاخبار فی هٰذا الباب متواترة معنیً وطرح جمیعها یوجب رفع الاعتماد عن الاخبار راساً بل ظنی ان الاخبار فی هٰذا الباب لایقصر عن اخبار الامامة. (مرآۃ العقول: ج4ص857)

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے۔ نیز یہ روایت اور دیگر کئی ایک صحیح روایات تحریف قرآن پر صراحتاً دال ہیں۔ میرے نزدیک مسئلہ تحریف کی روایات متواتر معنوی ہیں، ان تمام روایات کو ترک کرنے سے پورے فن حدیث سے اعتماد ختم ہو جائے گا۔ میرے علم کے مطابق مسئلہ تحریف کی روایات مسئلہ امامت سے کم نہیں۔

اسی طرح نعمت اللہ جزائری نے لکھا:

ان تسلیم تواترها عن الوحی الالٰهی و کون الکل قد نزل به الروح الامین یفضی الیٰ طرح الاخبار المستفیضة بل المتواترة الدالة بصریحها علیٰ وقوع التحریف فی القرآن کلاماً ومادةً واعراباً مع ان اصحابنا رضوان الله علیهم قد اطبقوا علیٰ صحتها والتصدیق بها. (انوار نعمانیہ ج2ص311)

ترجمہ: اگر اس موجودہ قرآن کو اصلی مان لیا جائے تو ان تمام متواتر روایات کو چھوڑنا پڑے گا جو اس بات کی دلیل ہیں کہ قرآن کریم کی عبارت، الفاظ اور اعراب میں تحریف کی گئی ہے۔ نیز ہمارے شیعہ ان روایات کی صحت پر متفق ہیں اور ان کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔

[4]: یہ روایات روافض کے محدثین نے ائمہ معصومین کی طرف منسوب کی ہیں۔ اس کے بر خلاف قرآن کے کامل اور غیر محرف ہونے کی کوئی روایت امام معصوم سے نہیں ملتی۔

[5]: اہلِ تشیع کے چند گنتی کے علماء کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ تحریف قرآن کے قائل نہیں تھے لیکن ان کا قول چند وجوہ سے معتبر نہیں:

ا: ائمہ معصومین کے مقابلہ میں ان کے قول کی کوئی حیثیت نہیں۔

۲: ان کا یہ قول تقیہ کی وجہ سے ہے کیونکہ انہوں اپنی تائید میں ائمہ معصومین کی کوئی روایت پیش نہیں کی۔

۳: جن روایات سے تحریف ثابت ہے ان کا جواب نہیں دیا اور نہ ہی قائلین پر کوئی حکم لگایا۔

۴: روایات کو ضعیف تو کہا ہے مگر وجہ ضعف بیان نہیں کی۔

ثبوت قول تحریف از کتب شیعہ:

[1]: انهم اثبتوا فی الکتاب مالم یقله الله لیلبسوا علی الخلیقة. (الاحتجاج طبرسی ص295)

ترجمہ: انہوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے قرآن میں وہ باتیں بڑھا دیں جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی تھیں تاکہ مخلوقِ خدا کو فریب دیں۔

[2]: دفعهم الاضطرار بورود المسائل علیهم عما لا یعلمون تاویله الی جمعه وتالیفه وتضمینه من تلقاءهم ما یقیمون به دعائم کفرهم. (الاحتجاج ص305)

ترجمہ: لوگوں نے جب صحابہ سے وہ مسائل پوچھے جن کو وہ نہیں جانتے تھے تو مجبوراً انہیں قرآن جمع کرنا پڑا۔ پھر انہوں نے قرآن میں وہ باتیں بڑھائیں جن سے ان کے کفر کے ستونوں کو تقویت ملی۔

[3]: ولو شرحت لك کلما اسقط وحرف وبدل مما یجری هٰذا المجریٰ لطال وظهر ما تحظر التقیة اظهاره.

(الاحتجاج ص301،300)

ترجمہ: قرآن کی جو آیتیں ختم کی گئی اور جن آیات میں ردوبدل کی گئی اگر وہ سب میں بیان کر دوں تو بات لمبی ہو جائے گی اور جس چیز سے تقیہ مانع

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ہے وہ ظاہر ہو جائے گی۔

[4]: قال ابو جعفر علیه السلام لولا انه زید فی کتاب الله ونقص منه ما خفی حقنا علی ذی حجا. (فصل الخطاب ص85)

ترجمہ: امام محمد باقر فرماتے ہیں: اگر قرآن میں کمی بیشی [تحریف] نہ کی گئی ہوتی تو کسی عقلمند انسان پہ ہمارا حق مخفی نہ ہوتا۔

[5]: وعن ابی ذر الغفاری رضی الله عنه انه لما توفی رسول الله صلی الله علیه واله جمع علی القرآن وجاءبه الی المهاجرین و الانصار وعرضه علیهم کما قد اوصاه بذالك رسول الله صلی الله علیه واله فلما فتحه ابوبکر خرج فی اول صفحة فتحها فضائح القوم فوثب عمر وقال یا علی اردده فلا حاجه لنا فیه فاخذه علی علیه السلام وانصرف ثم احضروا زید بن ثابت وکان قاریاً للقرآن فقال له عمر ان علیا جاءنا بالقرآن وفیه فضائح المهاجرین و الانصار وقد اینا ان نولف القرآن ونسقط منه ما کان فیه فضیحة وهتك للمهاجرین والانصار فاجابه زید الی ذالك ۔ اقول والاخبار فی آیات خاصة من التحریف اکثر من ان احصیها. (فصل الخطاب ص86)

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری فرماتے ہیں: حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ نے اصلی قرآن ایک جگہ جمع کیا اور اس کو مہاجرین وانصار کے سامنے پیش کیا۔ حضرت ابو بکر نے جب اس کا پہلا صفحہ کھولا تو دیکھا اس میں قوم (صحابہ) کی برائیوں کا تذکرہ تھا جنہیں دیکھ کر حضرت عمر نے فوراً کہا: علی! آپ یہ قرآن لے جائیں، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ حضرت علی وہ قرآن لے کر چلے گئے۔ بعد میں ابو بکر وعمر نے قرآن کریم کے قاری حضرت زید بن ثابت کو بلا کر کہا کہ علی ہمارے پاس قرآن لے کر آیا تھا جس میں مہاجرین وانصار کی برائیوں کا تذکرہ تھا، ہمارا خیال ہے کہ ہم لوگ ایک ایسا قرآن جمع کریں جس سے صحابہ کی برائیوں کو ختم کر دیا جائے۔ حضرت زید ان حضرات کے حکم پر قرآن میں تحریف کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ میں (یعنی کرمانی) کہتا ہوں: قرآن کریم میں تحریف کی روایات بے شمار ہیں۔

[6]: شیعہ عالم محمد محسن فیض کاشانی نے لکھا:

آنچه از مجموع اخباری که گذشت واحادیث دیگری که از طریق اهل بیت علیهم السلام نقل شده است استفاده می شود، اینست که "این قرآنی که هم اکنون در اختیار ما است تمام و کمال آنگونه نیست که بر محمد صلی الله علیه واله وسلم نازل شده است، بلکه در قرآن کنونی زیادتی هست که خلاف ما انزل الله می باشد واز شق دوّم بخشی تحریف شده برخی مغیر معنی وبخش کثیری هم محذوف می باشد.(ترجمہ تفسیر شریف صافی ج1 ص67)

ترجمہ: مذکورہ اخبار اور ان کے علاوہ اور بھی بہت ساری احادیث جو اہل بیت کے طریق سے مروی ہیں، سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ قرآن مجید جو ہمارے پاس ہے یہ وہی قرآن نہیں ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا بلکہ اس میں ایسی زیادتی کر دی گئی ہے جو اصل قرآن کے خلاف ہے۔ دوسرا یہ بھی کہ یہ موجود قرآن محرف ہے، بعض جگہ تحریف معنوی کی گئی ہے اور بہت سارے مقامات حذف کر دیے گئے ہیں۔

[7]: مقبول حسین دہلوی نے "ذالك بانهم کرهوا ما انزل الله" کی تفسیر میں لکھا ہے:

تفسیر قمی میں جناب امام محمد باقر سے منقول ہے کہ جبرائیل امین نے جناب رسول خدا کو یہ آیت پہنچائی "ذالك بانهم کرهوا ما انزل الله فی علی" مگر مرتدین نے نام اڑا دیا۔ پس اس کا نتیجہ بھگتیں گے جو آگے بیان فرمایا ہے "فاحبط اعمالهم". (ترجمہ مقبول ص809)

[8]: "وَتَجۡعَلُونَ رِزۡقَكُمۡ أَنَّكُمۡ تُكَذِّبُونَ" کی تفسیر میں لکھا ہے:

تفسیر قمی میں ہے کہ جناب امیر المؤمنین نے سورہ واقعہ تلاوت فرمائی تو اس آیت کو یوں تلاوت فرمایا "وتجعلون شکرکم انکم تکذبون" جب ختم کر چکے تو ارشاد فرمایا: میں جانتا تھا کہ کوئی کہنے والا ضرور کہے گا کہ یہ آیت یوں کیوں پڑھی؟ میں نے اس کو اس طرح اس لیے پڑھا کہ جناب رسولِ خدا کو اسی طرح تلاوت فرماتے سنا اور لوگوں کی یہ حالت تھی کہ جب بارش ہوتی تو وہ یہ کہتے کہ فلاں اور فلاں ستارے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

کے سبب ہم پہ بارش ہوئی، اس پر خدائے تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "وتجعلون شکرکم انکم تکذبون"۔ نیز جناب امام جعفر صادق سے بھی منقول ہے کہ ان حضرات کے سامنے "وتجعلون رزقکم " پڑھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اصل تو"تجعلون شکرکم " ہے۔

(ترجمہ مقبول:ص 857)

[9]: شیعوں کے نزدیک آیات قرآنیہ کی تعداد: کلینی نے حضرت امام جعفر صادق کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے:

ان القرآن الذی جآء بہ جبرئیل علیہ السلام الیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الف آیۃ. (اصول کافی ج2ص605)

فریقِ مخالف کے شبہات اور ان کا ازالہ

شبہات اور ان کے جوابات سے پہلے چند باتیں ذہین نشین ہونی چاہیے:

[1]: جس طرح کتب شیعہ میں ائمہ معصومین کے اقوال موجود ہیں کہ موجودہ قرآن محرّف اور تبدیل شدہ ہے، اصلی نہیں ہے اسی طرح اہل سنت پر الزام تب ثابت ہو گا جب نبی علیہ السلام سے کوئی روایت پیش کی جائے کہ یہ قرآن اصلی نہیں بلکہ تحریف شدہ ہے کیونکہ اہل سنت نبی کے علاوہ کسی کو بھی معصوم نہیں مانتے۔

[2]: کتب شیعہ میں تحریف کی روایات بقولِ شیعہ مصنفین؛ متواتر ہیں۔ لہٰذا ان کا حق بنتا ہے کہ کتبِ اہل السنت سے متواتر روایات پیش کریں، اخبار احاد اور ضعیف روایات کو پیش نہ کریں۔

[3]: جو روایت یا عبارت پیش کریں اس میں یہ الفاظ ہوں کہ موجودہ قرآن اصلی نہیں بلکہ محرف ہے، اختلاف قراءت یا منسوخ کی بات نہ ہو۔

شبہہ نمبر1:

قرآن مجید کا ایک حصہ ایسا تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھا، جس کو بکری کھا گئی تھی۔ ابن ماجہ میں روایت ہے:

عن عائشۃ: قالت لقد نزلت آیۃ الرجم ورضاعۃ الکبیر عشرا . ولقد کان فی صحیفۃ تحت سریری . فلما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم وتشاغلنا بموتہ دخل داجن فأکلھا. (سنن ابن ماجۃ: باب رضاع الکبیر)

جواب نمبر1:

اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جن آیات کا تذکرہ فرمایا ہے، یہ باجماع امت وہ آیتیں ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔ جیسا کہ محققین نے تصریح کی ہے:

چنانچہ امام علامہ آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

أن جمیع ذلك منسوخ. (روح المعانی ج4ص254 تحت الآیۃ)

ترجمہ: یہ منسوخ ہے۔

خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس کے منسوخ ہونے کی قائل ہیں۔ لہذا اگر انھوں نے یہ آیات کسی کاغذ پر لکھ کر رکھی ہوئی تھیں تو اس کا منشاء سوائے ایک یادگار کے تحفظ کے اور کچھ نہ تھا، ورنہ اگر یہ آیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک قرآن کریم کا جزء ہوتیں تو وہ کم از کم ان کو تو یاد تھیں، وہ ان کو قرآن کریم کے نسخوں میں درج کراتیں۔ لیکن انھوں نے ساری عمر ایسی کوشش نہیں کی، اس سے صاف واضح ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک یہ آیات محض ایک علمی یادگار کی حیثیت رکھتی تھیں اور قرآن کریم کی دوسری آیات کی طرح اس کو مصحف میں درج کرانے کا کوئی اہتمام ان کے پیش نظر بھی نہیں تھا۔ لہذا اس واقعہ سے قرآن کریم کی حفاظت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر2:

ابن ماجہ کی اس روایت میں چند راوی ضعیف ہیں۔

ایک راوی "**عبدالاعلیٰ**" ہے۔ائمہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

☆ امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لم یکن بالقوی. (میزان الاعتدال للذہبی ج2ص90)

☆ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قدریالم یکن بالقوی (تہذیب التہذیب لابن حجر ج3ص96)

☆ امام ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولم یکن بالقوی فی الحدیث . (طبقات ابن سعد ج7)

دوسرا راوی "محمد بن اسحاق" ہے۔اس کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل نے یہ رائے دی ہے:

متھم بالقدر، یتشیع، یحدث عن المجھولین الاحادیث الباطلة، کان یدلس، کذاب،معتزلی،دجال،لیس بحجة.

(تہذیب التہذیب لابن حجر ج ص39، میزان العتدال للذہبی ج3ص21،22، تاریخ بغداد ج1ص230)

ترجمہ: اس پر قدری ہونے کا الزام ہے، شیعہ بھی تھا، مجہول لوگوں سے باطل احادیث روایت کرتا تھا، تدلیس بھی کرتا تھا، جھوٹا، معتزلی، دجال تھا اور احادیث میں حجت بھی نہیں تھا۔

جواب نمبر3:

محققین نے اس روایت کو باطل قرار دیا ہے،لہذا یہ روایت حجت نہیں۔

1: مشہور فقیہ اور اصولی امام ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی المتوفی سنہ 490ھ نسخ کے متعلق علمی بحث کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا روایت کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لا أصل هذا الحديث. (اصول السرخسی ج2ص80)

کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں، یعنی یہ حدیث ثابت ہی نہیں۔

2: امام ابو البرکات النسفی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فمن تأليفات الملاحدة والروافض. (تفسیر المدارک للنسفی ج3ص234)

ترجمہ: یہ روایت روافض کی کارستانی ہے۔

3: شیخ محمد الطاہر بن عاشور اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

فمن تأليفات الملاحدة والروافض اه (التحریر والتنویر ج21ص247)

ترجمہ: یہ روایت روافض کی کارستانی ہے۔

4: امام فخر الاسلام بزدوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأما حديث عائشة... أنه لا أصل لهذا الحديث.(کشف الاسرار ج3ص909)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث [جس میں بکری کے صحیفہ کھانے کا ذکر ہے] کی کوئی اصل نہیں۔

5: امام ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فأما رضاع الكبير عشر افنراه غلطا .(تاویل مختلف الحدیث ص310)

ترجمہ: رضاع کبیر والی حدیث کو ہم غلط [غیر ثابت] سمجھتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت باطل ہے، اس کو لے کر قرآن کے بارے میں یہ نظریہ رکھنا کہ اس کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا غلط ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

شبہہ نمبر2:

اہل السنت والجماعت کی کتب میں بھی موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن نہیں سمجھتے تھے۔

جواب:

[1]: اس قول کی نسبت ابن مسعود کی طرف صحیح نہیں۔

☆قال فخر الدین الرازی: والأغلب علی الظن أن نقل هذا المذهب عن ابن مسعود نقل كاذب باطل.

(تفسیر کبیر ج1 ص131 سورۃ الفاتحۃ)

☆قال النووی : أجمع المسلمون علی أن المعوذتين والفاتحة وسائر السور المكتوبة فی المصحف قرآن وأن من جحد شيئا منه كفر وما نقل عن ابن مسعود فی الفاتحة والمعوذتين باطل ليس بصحيح عنه

(المجموع شرح المہذب ج3 ص396 فصلفي مسائل مهمة تتعلق بقراءة الفاتحة وغيرها في الصلاة)

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اس قول کی نسبت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا درست نہیں۔

[2] اگر بالفرض والمحال اس قول کی نسبت آپ کی طرف مان بھی لی جائے تو اہلِ علم کے بقول اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ یہ سورتیں جھاڑ پھونک کے لیے اتری ہیں، لہٰذا ان کو مصحف میں نہ لکھا جائے۔ آپ ان کے مطلق کلام الٰہی ہونے کے ہرگز منکر نہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال القاضی أبو بكر لم يصح عنه أنها ليست من القرآن ولا حفظ عنه إنما حكها وأسقطها من مصحفه إنكارا لكتابتها لا جحدا لكونها قرآنا لأنه كانت السنة عنده ألا يكتب فی المصحف إلا ما أمر النبی بإثباته فيه ولم يجده كتب ذلك ولا سمعه أمر به. (الاتقان فی علوم القرآن ج1 ص212)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے آج تک بتواتر ثابت ہے، صرف ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان دو سورتوں کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے۔ لیکن واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا، وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور لاریب آسمان سے اترا ہے مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ اور علاج تھا، معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے اتاری گئی یا نہیں، اس لئے ان کو مصحف میں درج کرنا اور اس قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب ہے خلاف احتیاط ہے۔

(تفسیر عثمانی ج2 ص944، 945)

[3]: بقول علامہ آلوسی رحمہ اللہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول (کہ ان کو مصحف میں نہ لکھا جائے) سے رجوع کر لیا تھا۔

ولعل ابن مسعود رجع عن ذالك. (روح المعانی ج30 ص279)

اس پر قرینہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی جو متواتر آیتیں ہیں ان میں متعدد سندیں حضرت ابن مسعود کے واسطہ سے حضور علیہ السلام تک پہنچی ہیں خصوصاً کوفہ کے تین قاری؛ عاصم، حمزہ اور کسائی، ان کی سندیں جن واسطوں سے آپ علیہ السلام تک پہنچتی ہیں ان میں ایک نام حضرت ابن مسعود کا بھی ہے اور ان تینوں کی قراءت میں معوذتین قرآن کا حصہ ہیں۔ تو اگر استاد کی قرات میں یہ قرآن کا حصہ نہ تھے تو شاگردوں کی قراءت میں کیسے آگیا؟ اسی بات کو علامہ ابن حزم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

هذا كذب على ابن مسعود موضوع وإنما صح عنه قراءة عاصم عن زر عن ابن مسعود وفيها الفاتحة والمعوذتان.

(المجموع شرح المہذب ج3 ص396)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

وأما قولهم أن مصحف عبد الله ابن مسعود خلاف مصحفنا فباطل و كذب وإفك مصحف عبد الله بن مسعود إنما فيه قراءته بلا شك وقراءته هي قراءة عاصم المشهورة عند جميع أهل الإسلام في شرق الدنيا وغربها نقرأ بها كما ذكرنا

(الفصل فی الملل والاھواء والنحل لابن حزم ج2ص65)

شبہ نمبر3:

سنی عالم علامہ محمد انور شاہ کشمیری نے اپنی کتاب "فیض الباری" میں لکھا ہے:

واعلم ان في التحريف ثلاثة مذاهب، ذهب جماعة الى ان التحريف في الكتب السماوية قد وقع بكل نحو في اللفظ والمعنى جميعاً، وهو الذي مال اليه ابن حزم وذهب جماعة الى انكار التحريف اللفظي راساً فالتحريف عندهم كله معنوي، قلت: يلزم على هذا المذهب ان يكون القرآن ايضاً محرفاً، فان التحريف المعنوي غير قليل فيه ايضاً، والذي تحقق عندي ان التحريف فيه لفظي ايضاً، اما انه عن عمد منهم او لمغلطة. (فیض الباری: ج3ص3945)

جواب:

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے یہ عبارت حضرت ابن عباس سے منقول اس روایت کی تشریح میں ذکر فرمائی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ وَ كِتَابُكُمْ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْدَثُ الْأَخْبَارِ بِاللَّهِ تَقْرَءُونَهُ لَمْ يُشَبْ وَقَدْ حَدَّثَكُمْ اللَّهُ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ بَدَّلُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ وَغَيَّرُوا بِأَيْدِيهِمْ الْكِتَابَ فَقَالُوا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ {لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا} أَفَلَا يَنْهَاكُمْ مَا جَاءَكُمْ مِنْ الْعِلْمِ عَنْ مُسَاءَلَتِهِمْ وَلَا وَاللَّهِ مَا رَأَيْنَا مِنْهُمْ رَجُلًا قَطُّ يَسْأَلُكُمْ عَنْ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ.

(صحیح البخاری: ج1ص329-باب لا یسال اہل الشرک عن الشہادۃ وغیرہا)

اس روایت میں اہلِ کتاب کی تحریف کا ذکر ہے اور حضرت کشمیری رحمہ اللہ نے بھی اپنی مذکورہ عبارت میں پچھلی کتب سماویہ میں اہل کتاب کی تحریف کا ذکر فرمایا ہے جیسا کہ اس عبارت میں "ان التحريف في الكتب السماوية" کے الفاظ سے واضح ہے، اس کے بعد آخر میں "ان التحريف فيه لفظي" میں "فيه" کی ضمیر حدیث ابن عباس میں "ما کتب الله" کی طرف راجع ہے، قرآن کی طرف نہیں کیونکہ حضرت شاہ صاحب پچھلی کتب سماویہ میں ہی اختلاف مذاہب بیان کر رہے ہیں، اور پھر "والذي تحقق عندي" سے پچھلی کتب کی تحریف میں اختلافی مذاہب میں قول محقق ذکر فرما رہے ہیں، نیز اس سے اگلی عبارت "اما انه عن عمد منهم" میں "منهم" کی ضمیر غائب کا مرجع بھی حدیث ابن عباس میں "اهل الكتاب" ہونا واضح ہے۔

ایک عمومی شبہ:

اگر شیعہ حضرات تحریفِ قرآن کے قائل ہیں تو وہ اس موجودہ قرآن کی تلاوت کیوں کرتے ہیں، اپنے گھروں میں کیوں رکھتے ہیں؟

جواب:

اس کا جواب خود کتب شیعہ میں موجود ہے۔ اصول کافی میں ہے کہ امام جعفر صادق نے ایک آدمی سے قرآن پاک کے اصلی الفاظ سنے تو فرمایا:

كف عن هذه القراءة اقرا كما يقرا الناس حتى يقوم القائم فاذا قام القائم قرا كتاب الله على حده.

(اصول کافی: ج4ص444)

کہ ابھی اس طرح مت پڑھو! بلکہ جس طرح لوگ تلاوت کرتے ہیں آپ بھی اسی طرح تلاوت کرو، ہاں! جب امام مہدی آئے گا تو

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

قرآن کو اصلی طریقہ پر پڑھے گا۔

اس طرح ترجمہ مقبول میں مقبول حسین دہلوی نے نقل کیا کہ ایک آدمی نے حضرت علی المرتضیٰ کے سامنے ایک آیت پڑھی، آپ نے منع فرمایا کہ آیت ہے اس طرح جس طرح تم نے پڑھی ہے مگر ابھی اس طرح نہ پڑھو، کسی نے عرض کیا: پھر حضور! اسے بدل کیوں نہیں دیتے۔ فرمایا کہ آج اس کا موقع نہیں ہے کہ قرآن مجید کی اصلاح کر کے عوام الناس کو ہیجان میں لایا جائے، ائمہ علیہم السلام میں یہ حق مخصوص جناب صاحب الامر علیہ السلام کا ہے کہ قرآن مجید کو اسی حد پر پڑھوائیں گے جس حد پر وہ زمانہ جناب رسول خدا میں پڑھا جاتا تھا۔

(ترجمہ مقبول ص854 سورۃ واقعہ آیت وطلح منضود)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ خلافت و امامت

ازافادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

اہل السنت کے ہاں امامت کا تصور:

اللہ رب العزت نے انسانیت کی رشد وہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا جس کی پہلی کڑی حضرت آدم علیہ السلام اور آخری کڑی جناب خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد شریعت کے اجتماعی نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ عامۃ المسلمین اپنے میں سے کسی اہل اور باصلاحیت فرد کو اپنا رئیس مقرر کریں جو اجتماعی طور پر احکام شریعت کو نافذ کرے۔ اس فرد منتخب کو "امیر المومنین" کہا جاتا ہے، یہی "امام" بھی کہلاتا ہے اور اس کے اس منصب اقتدار کو "امامت کبریٰ" اور "خلافت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امیر المومنین، خلیفہ وقت اور امامت کبریٰ پر فائز یہ شخص شریعت خداوندی کو عوام پر نافذ کرتا ہے، سب کے سامنے ظاہر اور صاحب اقتدار ہوتا ہے۔ اہل السنت والجماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امامت کا منصب اسی تصور کے ساتھ مانتے ہیں جو "خلافت" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اہل تشیع کے ہاں امامت کا مفہوم:

اہل تشیع کے عقیدہ امامت کا خلاصہ یہ ہے کہ امت کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ امام کو متعین کریں۔ تو اللہ نے قیامت تک کے لیے بارہ امام متعین کر دیے ہیں جن میں سے گیارہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ سب سے پہلے امام حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور آخری (بارہویں) امام "امام غائب" ہیں جن کو "امامِ منتظر" بھی کہا جاتا ہے جو ان کے عقیدہ کے مطابق "سُرَّ مَنْ رَّاٰہُ" شہر کے کسی غار میں موجود ہے، مرتبہ امامت؛ نبوت ورسالت کے برابر ہے بلکہ بعض مرتبہ بڑھ کر ہوتا ہے اور امام کو حلت و حرمت، ملک وقدرت اور دیگر وہ اختیارات بھی حاصل ہوتے ہیں جو خاصہ خداوندی ہیں۔

فریقین کے اختلاف کا خلاصہ:

عقیدہ امامت کا جو مفہوم فریقین کے ہاں ہے اس کے لحاظ سے مندرجہ ذیل فرق بطور نتیجہ ظاہر ہوتے ہیں:

فرق نمبر 1:

اہل السنت کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امت میں سلسلہ خلافت چلا ہے جس میں خلیفہ کا تقرر عامۃ المسلمین پر واجب ہے جب کہ اہلِ تشیع کے ہاں سلسلہ امامت چلا ہے جس کا تعین اللہ پر واجب ہے۔ سید عبد اللہ شبر شیعی نے امام کے منصوص من اللہ ہونے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

والذی علیہ الفرقۃ المحقۃ والطائفۃ الحقۃ انہ یجب علی اللہ نصب الامام فی کل زمان. (حق الیقین ص 183)

وقال ایضاً: فکما لایجوز للخلق تعیین نبی فکذا لایجوز لھم تعیین امام. (حق الیقین: ص 185)

فرق نمبر 2:

اہل السنت کے ہاں امامت کبریٰ پر فائز خلفاء کی تعداد متعین نہیں جب کہ اہل تشیع کے ہاں 12 امام متعین ہیں جو یہ ہیں:

(1) حضرت علی رضی اللہ عنہ (2) حضرت حسن رضی اللہ عنہ (3) حضرت حسین رضی اللہ عنہ (4) حضرت زین العابدین رحمہ اللہ (5) حضرت

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

محمد باقر(6)حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ(7)حضرت موسیٰ کاظم(8)حضرت علی رضا(9)حضرت محمد تقی(10)حضرت علی نقی(11)حضرت حسن عسکری(12)حضرت محمد مہدی

فرق نمبر3:

اہل السنت کے ہاں امام ایسا امتی ہوتا ہے جو باصلاحیت اور خلافت کا اہل تو ہوتا ہے لیکن معصوم نہیں ہوتا جب کہ اہل تشیع کے ہاں امام معصوم ہوتا ہے۔

سید عبد اللہ شبر نے امام کی شرائط میں سے پہلی شرط "عصمت" کی لگائی ہے:

الاول العصمة كما تقدم لانه حافظ للشرع قائم به فحاله كحال النبي صلى الله عليه وسلم. (حق الیقین ص187)

باقر مجلسی لکھتا ہے:

بداں کہ اجماع علماء امامیہ منعقد است بر آنکہ امام معصوم است از جمیع گناہان صغیرہ و کبیرہ از اول عمر تا آخر عمر خواہ عمدا و خواہ سہوا. (حیوٰۃ القلوب ج5 ص49)

فرق نمبر4:

اہل السنت کے ہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل ہیں جب کہ اہل تشیع کے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل ہیں۔

فرق نمبر5:

خلیفہ کا وہ فیصلہ جو اجتہادی ہو، اجماعی نہ ہو اس سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے جبکہ امام کے کسی بھی فیصلہ سے اختلاف کی گنجائش نہیں۔

اس کے علاوہ کئی اور فرق پیش کیے جاسکتے ہیں۔

عقیدہ امامت کی تاریخ:

عقیدہ امامت کو امت میں متعارف کرانے والا پہلا شخص عبد اللہ بن سبا یہودی تھا۔ علامہ محمد بن عبد الکریم شہرستانی لکھتے ہیں:

عبد الله بن سبأ... أنه كان يهوديا فأسلم... وهو أول من أظهر القول بالنص بإمامة علي رضي الله عنه.

(الملل والنحل: ج1 ص172)

خود روافض کی کتب میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ حضرت علی کے وصی اور امام مفروض ہونے کا پہلا مدعی ابن سبا تھا۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی نے عبد اللہ بن سبا کے بارے میں لکھا:

و كان اول من اشهر بالقول بفرض امامة على عليه السلام. (بحار الانوار ج25 ص153، 152، رجال کشی ص85)

روافض کے ہاں امامت کی اہمیت:

شیعوں کے پانچ اصولِ دین یہ ہیں:

توحید، نبوت، معاد، امامت اور عدل۔ (اسلام کے بنیادی عقائد مصنف سید مجتبیٰ موسوی، اردو ترجمہ شیخ روشن علی نجفی)

مسئلہ امامت ان کے ہاں اصولِ دین میں سے ہے جس کا منکر کافر ہے۔ چنانچہ ان کی کتب میں تصریح موجود ہے:

1: عن ابی عبد الله، نحن الذين فرض الله طاعتنا لا يسع الناس الا معرفتنا... من انكرنا كان كافرا.

(اصول کافی ج1 ص243 کتاب الحجہ باب فرض طاعۃ الائمہ)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

2: ہر کہ شک کند و توقف نماید در امامت امام کافر است۔ (حیوٰۃ القلوب ج5 ص81 فصل چہارم در بیان وجوب معرفت امام است)

اہل تشیع کے ہاں امام کے اوصاف:

کتبِ روافض میں عقیدہ امامت کو بڑی بسط و تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور ان لوگوں نے اس عقیدہ میں غلو کرتے ہوئے ائمہ کے لیے ایسے اوصاف بیان کیے ہیں جن کے ذریعے امام کا مقام حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی بلند اور خدا کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ ان کی کتابوں میں عموماً ائمہ کے اوصاف تین طرح کے بیان کیے گئے ہیں:

1: امام میں عام امتی سے امتیازی اوصاف کا وجود

2: امام میں اوصافِ نبوت کا وجود

3: امام میں خدائی اوصاف کا وجود

1: امام اور عام امتی میں فرق

[ا]: ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب "حق الیقین" میں امام کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

پاکیزہ وناف بریدہ وختنہ کردہ متولد میشود چوں از شکم مادر بزیر می آید دستہارابر زمین میگزارد وصدابشہادتین بلند میکند۔

(حق الیقین ص42)

اس عبارت سے امام کے یہ اوصاف ثابت ہوتے ہیں:

1: امام پاک صاف پیدا ہوتا ہے 2: ناف بریدہ ہوتا ہے 3: مختون پیدا ہوتا ہے 4: پیدا ہوتے ہی زمین پر ہاتھ رکھ کر کلمہ پڑھتا ہے۔

ایک جگہ لکھا: وسایہ ندارد۔ (حق الیقین ص42)

کہ امام کا سایہ نہیں ہوتا۔

[۲]: عبد اللہ شبر نے اپنی تصنیف "حق الیقین فی معرفۃ اصول الدین" میں امام کے شرائط و اوصاف کو ذکر کرتے ہوئے لکھا:

الثانی ان یکون افضل من جمیع امته من کل جهة. .. الثالث: کونه اشجع الامة... السادس: ان یکون ازهد الناس واطوعهم لله واقربهم منه. (حق الیقین ج1 ص187، 188)

2: امام میں اوصاف نبوت

[1]: امام منصوص من اللہ ہوتا ہے

سید عبد اللہ شبر نے امام کے منصوص من اللہ ہونے کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

والذی علیه الفرقة المحقة والطائفة الحقة انه یجب علی الله نصب الامام فی کل زمان. (حق الیقین ص183)

[2]: امام معصوم ہوتا ہے

سید عبد اللہ شبر نے امام کی شرائط میں سے پہلی شرط عصمت کی لگائی ہے:

الاول العصمة کما تقدم لانه حافظ للشرع قائم به فحاله کحال النبی صلی الله علیه وسلم. (حق الیقین ص187)

باقر مجلسی نے لکھا:

بداں کہ اجماع علماء امامیہ منعقد است بر آنکہ امام معصوم است از جمیع گناہان صغیرہ و کبیرہ از اول عمر تا آخر عمر خواہ عمدا و خواہ سہوا۔ (حیوٰۃ القلوب ج5 ص49)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

[3]:امام مفترض الطاعۃ ہوتا ہے

کلینی نے اس کے متعلق مستقل باب قائم کیا ہے: باب فرض طاعۃ الائمۃ. (اصول کافی ج1 ص241)

[4]:امام صاحبِ وحی ہوتا ہے

کلینی نے ایک باب قائم کیا ہے: "باب الفرق بین الرسول والنبی المحدث" اس کے تحت روایت نقل کی کہ رسول وہ ہوتا ہے جس کے پاس وحی لے کر جبرائیل امین تشریف لاتے ہیں، رسول جبرائیل کو دیکھتا بھی ہے اور اس کی بات کو سنتا بھی ہے اور نبی وہ ہوتا ہے جو کبھی جبرائیل کو دیکھتا ہے کبھی صرف وحی سنتا ہے، والامام ھو الذی یسمع الکلام ولا یری الشخص. (اصول کافی ج1 ص231)

[5]:امام کے پاس معجزات ہوتے ہیں

ملا باقر مجلسی نے امامت کی شرائط میں یہ شرط بھی بیان کی ہے:

آنکہ معجزہ ھا از او ظاھر شود کہ دیگران از او عاجز باشند. (حق الیقین ص42)

[6]:امام کو احتلام نہیں ہوتا (حق الیقین ص42)

[7]:امام کی آنکھ سوتی ہے دل جاگتا ہے (حق الیقین ص42)

[8]:امام کے پاخانہ سے مشک کی خوشبو آتی ہے نیز اس کو زمین چھپا لیتی ہے (حق الیقین ص42)

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ اگرچہ علی الاعلان امام کو نبی نہیں کہتے لیکن درپردہ امام میں یہ اوصاف مان کر اس کو نبی کے برابر کھڑا کر دیتے ہیں بلکہ ان کی بعض کتب سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ امام کو نبی کے برابر بلکہ اس سے بڑھ کر مانتے ہیں، مثلاً:

1: وحق ایں است کہ در کمالات و شرائط و صفات فرق میان پیغمبر و امام نیست. (حیاۃ القلوب ج5 ص18)

2: ان مرتبۃ الامامۃ کالنبوۃ ... فکما لا یجوز للخلق تعیین نبی فکذا لا یجوز لھم تعیین امام. (حق الیقین لعبد اللہ شبر: ص185)

3: مرتبہ امامت بالاتر از مرتبہ پیغمبر ایست. (حیوٰۃ القلوب ج5 ص17)

3:امام میں خدا کے اوصاف

:1 باب ان الائمۃ علیھم السلام یعلمون علم ما کان وما یکون وانہ لا یخفیٰ علیھم الشئی صلوات اللہ علیھم.

(اصول کافی ج1 ص319)

:2 باب ان الائمۃ علیھم السلام اذا شآءوا ان یعلموا علموا. (اصول کافی ج1 ص316)

:3 باب ان الائمۃ علیھم السلام یعلمون متیٰ یموتون وانھم لا یموتون الا باختیار منھم. (اصول کافی ج1 ص317)

:4 باب ان الارض کلھا للامام علیہ السلام. (اصول کافی ج1 ص470)

:5 کلینی نے حضرت امام جعفر صادق کی طرف نسبت کر کے لکھا:

اما علمت ان الدنیا والآخرۃ للامام یضعھا حیث یشاء ویدفعھا الیٰ من یشاء. (اصول کافی ج1 ص472)

بارہویں امام کے خواص:

[ا]: امام غائب کا نام لینا جائز نہیں

کلینی نے اصول کافی میں باب قائم کیا: باب فی النھی عن الاسم اور اس کے تحت امام ابو الحسن علی العسکری کا قول نقل کیا کہ انہوں نے بارہویں امام کے متعلق حکم دیا:

لا یحل لکم ذکرہ باسمہ فقلت [ای داؤد بن قاسم الجعفری] فیکف نذکرہ؟ فقال قولوا الحجۃ من آل محمد صلوات اللہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

علیہ وسلامہ.(اصول کافی ج1ص393کتاب الحجہ)

اس کے بعد کلینی نے امام جعفر صادق کا یہ قول نقل کیا: صاحب ھذا الامر لا یسمیہ باسمہ الا کافر (اصول کافی ج1ص394)

[۲]: جب امام غائب آئے گا تو سب سے پہلے اس کی پیروی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے۔

محمد بن ابراہیم بن جعفر نعمانی نے لکھا:

عن ابی حمزۃ الثمانی قال سمعت ابا جعفر محمد بن علی علیہ السلام یقول لو قد خرج قائم آل محمد علیہم السلام... اول من یتبعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم و علی علیہ السلام الثانی.

(غیبت نعمانی المعروف کتاب الغیبۃ ص376 الباب الثالث عشر ماروی فی صفتہ وسیرتہ)

ملا باقر مجلسی نے اس بات کو یوں لکھا: اول کسے کہ بیعت اور کند محمد باشد وبعد ازاں علی. (حق الیقین ص347)

[۳]: امام غائب جب ظاہر ہو گا تو بغیر گواہوں کے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرے گا

کلینی نے اس پر مستقل باب قائم کر کے حضرت امام محمد باقر کی طرف منسوب کر کے یہ روایت لکھی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

اذا قام قائم آل محمد علیہ السلام حکم بحکم داود وسلیمان لا یسئال بینۃ (اصول کافی ج1ص461)

[۴]: باقر مجلسی نے اپنے مہدی کی ایک عجیب علامت یہ بھی بیان کی ہے:

بدن برهنه ای درپیش قرص آفتاب ظاهر خواهد شد.(حق الیقین ص347)

یعنی مہدی جب آئے گا تو جسم برہنہ ہو گا۔

دلائل اہل السنت علی ثبوت الخلافۃ

دلیل نمبر 1:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔

(سورۃ النور:55)

تفسیر:

:1 علامہ محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

واستدل کثیر بهذه الآية على صحة خلافة الخلفاء الأربعة رضى الله تعالى عنهم لأن الله تعالى وعد فيها من فى حضرة الرسالة من المؤمنين بالإستخلاف وتمكين الدين والأمن العظيم من الأعداء ولا بد من وقوع ما وعد به ضرورة امتناع الخلف فى وعده تعالى ولم يقع المجموع إلا فى عهدهم فكان كل منهم خليفة حقا باستخلاف الله تعالى إياه حسبما وعد جل وعلا لا يلزم عموم الإستخلاف لجميع الحاضرين المخاطبين بل وقوعه فيهم كبنو فلان قتلوا فلانا فلا ينافى ذلك عموم الخطاب الجميع و كون من بيانية و كذا لا ينافيه ما وقع فى خلافة عثمان وعلى رضى الله تعالى عنهما من الفتن لأن المراد من الأمن الأمن من أعداء الدين وهم الكفار كما تقدم- (روح المعانی:ج18ص208)

:2 امام تفسیر امام نظام الدین حسن بن محمد بن حسین النیسابوری فرماتے ہیں:

قال أهل السنة : فى الآية دلالة على إمامة الخلفاء الراشدين لأن قوله {منكم} للتبعيض وذلك البعض يجب أن يكون

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

من الحاضرين في وقت الخطاب ، ومعلوم أن الأئمة الأربعة كانوا من أهل الإيمان والعمل الصالح ، وكانوا حاضرين وقتئذ وقد حصل لهم الاستخلاف والفتوح، فوجب أن يكونوا مرادين من الآية . (تفسیر النیشاپوری: ج6 ص24)

3: امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی فرماتے ہیں کہ:

"اس آیت میں استخلاف کا ربط سابقہ آیات سے یہ ہے کہ اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ نے کافروں اور منافقوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اپنے دلائل قدرت، وحدانیت بیان فرما کر ان کو ایمان لانے کی ترغیب دی ہے۔ یہ آیت استخلاف اس ترغیب کا تکملہ اور تتمّہ ہے کہ دیکھو! ایمان والوں کے لیے اس دنیا میں اِن اِن انعامات کا ہم نے وعدہ کیا ہے۔ اگر تم ایمان لاؤ تو ان انعامات سے تم بھی فیض یاب ہو گے۔ آیت استخلاف کے بعد خدا نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے... اور "الّذین اٰمنوا وعملوا" دونوں صیغہ ماضی کے ہیں، پھر اس کے بعد لفظ "منکم" ہے جو ضمیر حاضر پر شامل ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جو نزولِ آیت کے وقت موجود تھے اور نزول سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام مہدی یا خلفائے بنی اُمیّہ و بنی عبّاس وغیرہ "موعود لھم" نہیں ہو سکتے۔ "موعود لھم" وہی صحابہ کرام مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم ہیں جو نزولِ آیت کے پہلے سے ان دونوں صفتوں کے ساتھ موصوف تھے، خلفائے اربعہ بھی ان ہی میں ہیں۔ (تحفہ خلافت صفحہ 109، 110۔ مطبوعہ تحریک خدّام اہل سنت جہلم)

دلیل نمبر 2:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي. (صحیح البخاری: رقم الحدیث 7137)

دلیل نمبر 3:

عَنْ أَنَسٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنْ اسْتُعْمِلَ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ.

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 693)

دلیل نمبر 4:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- : «مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الإِسْلاَمِ مِنْ عُنُقِهِ».

(سنن ابی داؤد: باب فی قتل الخوارج)

دلیل نمبر 5:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً

(صحیح مسلم: حدیث نمبر 1848)

دلیل نمبر 6:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمْ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ. (صحیح البخاری: ج 3455، صحیح مسلم: ج 1842)

دلیل نمبر 7:

قَالَ الْعِرْبَاضُ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ قَائِلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا فَقَالَ « أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلاَفًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ ».

(سنن ابی داؤد: کتاب السنۃ- باب فی لزوم السنۃ)

دلیل نمبر 8:

عن حذيفة بن اليمان قلت: يا رسول الله إنا كنا بشر فجاء الله بخير فنحن فيه فهل من وراء هذا الخير شر قال نعم قلت هل وراء ذلك الشر خير قال نعم قلت فهل وراء ذلك الخير شر قال نعم قلت كيف قال يكون بعدى أئمة لا يهتدون بهداى ولا يستنون بسنتي وسيقوم فيهم رجال قلوبهم قلوب الشياطين في جثمان إنس قال قلت كيف أصنع يا رسول الله إن أدركت ذلك قال تسمع وتطيع للأمير وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك فاسمع وأطع. (صحیح مسلم: ح1847)

اہل تشیع کے دلائل / شبہات کے جوابات

قبل اس سے کہ اہلِ تشیع کے مزعومہ دلائل کو ذکر کر کے ان کا علمی تجزیہ کیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس توجیہ کا جائزہ لیا جائے جو انہوں نے عقیدہ امامت کے صراحتاً قرآن میں نہ ہونے کے متعلق کی ہے۔ اہلِ تشیع کے نزدیک امامت عقائد دینیہ کا بنیادی جزء ہے جس پر ایمان لائے بغیر ایمان نامکمل ہے لیکن پورے قرآن مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں امامت پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہو، یا امامت پر ایمان نہ رکھنے کو کفر و شرک قرار دیا گیا ہو، دور قریب کے معروف شیعی عالم خمینی صاحب نے اپنی کتاب "کشف الاسرار" میں امامت پر گفتگو کی ہے اور اس پر دلائل دینے کی کوشش کی ہے۔ قبل اس سے کہ اس کے دلائل کا جائزہ لیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خمینی صاحب کی اس توجیہ کا بھی جائزہ لیا جائے جو انہوں نے ایک سوال کے جواب میں پیش کی ہے۔ اسی کتاب کے ص 105 پر ایک سوال اٹھایا کہ:

چرا خدا چنیں اصل مہم را یک بارہم در قرآن صریح نہ گفت کہ ایں ہمہ نزاع و خونریزی برسر ایں کار پیدا نشود.

ترجمہ: کیوں اللہ تعالیٰ نے اس اہم اصل (بنیاد) کو قرآن میں صراحتاً ایک بار بھی بیان نہ فرمایا تاکہ اس سلسلہ میں جو اختلاف اور خونریزی ہوئی وہ پیدا ہی نہ ہوتی؟

اس سوال کے کئی جوابات جو خمینی صاحب نے دیے، ان میں سے ایک یہ ہے:

در صورتیکہ امام را در قرآن ثبت میکردند آنہائیکہ جز برائے دنیا و ریاست با اسلام و قرآن سرو کار نداشتد و قرآن را وسیلہ اجراء نیات فاسدہ خود کردہ بودند آں آیات را از قرآن بردارند و کتاب آسمانی را تحریف کنند.

(کشف الاسرار ص114)

ترجمہ: اس صورت میں کہ امام کا قرآن میں ذکر کر دیا جاتا تو وہی لوگ جو دنیا طلبی کے سوا اسلام اور قرآن سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے اور قرآن کو اپنی فاسد نیتوں کا ذریعہ بنا رکھا تھا، ان آیات کو جن میں امام کا ذکر ہوتا قرآن سے نکال دیتے اور آسمانی کتاب میں تحریف کر دیتے۔

تبصرہ:

ایک طرف اہلِ تشیع کا دعویٰ ہے کہ امامت کی تعیین اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، دوسری طرف بزعم شیعہ حضرات اللہ تعالیٰ مخلوق کی مخالفت کے ڈر سے اس عقیدہ کا صراحتاً ذکر نہیں کر رہے۔ اس سے تو خدا پر یہ الزام آرہا ہے (معاذ اللہ) کہ اللہ تعالیٰ اپنے واجب کی ادائیگی سے قاصر ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر 1:

خمینی صاحب نے امامت کے اثبات کے لیے اس آیت سے استدلال کیا ہے، لکھتے ہیں:

اینک بذکر بعضی از آیات کہ در موضوع امامت وارد شدہ می پردازیم واز خرد کہ فرستادہ نزدیک خدا است داوری میخواہیم.

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ.

(کشف الاسرار ص137)

کہ ہم وہ آیات ذکر کرتے ہیں جو امامت کے موضوع پر نازل ہوئی ہیں اور عقل سے جو خدا کا قریب ترین فرستادہ ہے، انصاف چاہتے ہیں۔

خمینی صاحب کا کہنا ہے کہ "اولی الامر" سے بارہ ائمہ معصومین مراد ہیں۔

جواب:

:1 محض عقلی قیاسات سے مذہب کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا جب کہ قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہ ہو۔ اس سے ہر شخص آیت پڑھ کر اپنا مزعومہ نظریہ قرآن سے ثابت کرنے کی جرأت کرے گا۔

:2 پوری آیت کو ملاحظہ فرمائیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تنازع اور اختلاف کے وقت اللہ اور رسول کا فیصلہ حرفِ آخر سمجھا جائے گا نہ کہ اولی الامر کا، اگر اولی الامر سے ائمہ معصومین مراد ہوتے تو ان کی رائے کو چھوڑ کر قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنے کا کیا معنیٰ؟

دلیل نمبر 2:

خمینی صاحب نے عقیدہ امامت کے اثبات پر اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ.

(کشف الاسرار مترجم عربی ص149)

خمینی صاحب کا کہنا ہے کہ آیت میں جس چیز کے پہچانے کا ذکر ہے وہ عقیدہ امامت ہے۔

جواب:

اس آیت سے استدلال باطل ہے اس لیے کہ:

:1 آیت میں تبلیغ کا حکم مطلق ہے جس سے مراد شریعت ہے، اسے ایک جز کے ساتھ بغیر دلیل کے مقید کرنا باطل ہے، کیونکہ قاعدہ ہے:

"العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب"

:2 آیت میں "مَا أُنْزِلَ" کی تبلیغ کرنے کا حکم ہے، اور "تبلیغ" تصریح اور بیان کو کہا جاتا ہے۔ خمینی صاحب نے پہلے کہا کہ امامت کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا تا کہ فاسد نیتوں والے کہیں اسے قرآن سے حذف نہ کر دیں، سوال یہ ہے کہ اگر "ما انزل" سے مراد امامت ہے تو اسے اللہ نے خود مخفی رکھا ہے تو اس کی تبلیغ اور تصریح اور بیان کا حکم دینا سوائے تضاد کے اور کیا ہے؟ جب کہ قرآن تضادات سے پاک ہے۔

دلیل نمبر 3:

خمینی صاحب لکھتے ہیں کہ ہم قرآنی آیات ذکر کر رہے ہیں جن کی تفسیر میں اہل السنت کے حوالہ جات سے ثابت کریں گے کہ یہ آیات

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

امامت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں:

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا.

(کشف الاسرار ص156 عربی مترجم)

اس آیت کے تحت خمینی صاحب لکھتے ہیں کہ "غایۃ المرام" میں باب سادس کے تحت چھ احادیث کتب اہل سنت سے ملتی ہیں جن میں یہ مضمون ہے کہ یہ آیت غدیر خم والے واقعہ کے دن نازل ہوئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے چن لیا اور ان احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

الله اکبر علی اکمال الدين وتمام النعمة ورضا الرب برسالتي والولاية لعلي.

(کشف الاسرار ص156 عربی مترجم)

جواب:

اولاً...... خمینی صاحب نے استدلال میں کتب اہل السنت کے حوالے کے ضمن میں "غایۃ المرام" کا حوالہ دیا جس سے موصوف کے استدلال کی ساری قلعی کھل جاتی ہے اس لیے کہ غایۃ المرام سنی عالم کی نہیں بلکہ شیعی عالم کی کتاب ہے جن کا کام علماء اہل السنت پر کذب و افتراء کے علاوہ کچھ نہیں۔

(حاشیہ کشف الاسرار ص156)

ثانیاً...... غایۃ المرام جو ہاشم بن سلیمان البحرانی الشیعی کی کتاب ہے، اس میں جن چھ روایات کا ذکر ہے جو بزعم خمینی صاحب کتب اہل السنت سے لی گئی ہیں، ان تمام کا ماخذ جوینی کی کتاب "فرائد السمطین فی فضائل المرتضیٰ والبتول والسبطین" ہے۔(دیکھیے غایۃ المرام ص560، 572)

"جوینی" نام کے کئی محدث و مؤلف ہیں:

1: الجويني: الإمام الكبير شيخ الإسلام أبو عمران موسى بن العباس الخراسانى الجوينى الحافظ مؤلف " المسند الصحيح " الذى خرجه كهيئة " صحيح " مسلم . توفى أبو عمران بجوين سنة ثلاث وعشرين وثلاث مئة

[سیر أعلام النبلاء للذهبي الجزء15 صفحة235]

2: الجويني: شيخ الشافعية أبو محمد عبد الله بن يوسف بن عبد الله بن يوسف بن محمد بن حيويه الطائى السنبسى كذا نسبه الملك المؤيد الجوينى والد إمام الحرمين.... توفى فى ذى القعدة سنة ثمان وثلاثين وأربع مئة

[سیر أعلام النبلاء للذهبي الجزء17 صفحة617]

3: الجويني: الإمام الكبير شيخ الشافعية إمام الحرمين أبو المعالى عبد الملك بن الإمام أبي محمد عبد الله بن يوسف بن عبد الله بن يوسف بن محمد بن حيويه الجوينى ثم النيسابورى ضياء الدين الشافعي صاحب التصانيف . ولد فى أول سنة تسع عشرة وأربع مئة.... توفى فى الخامس والعشرين من ربيع الآخر سنة ثمان وسبعين وأربع مئة ودفن فى داره ثم نقل بعد سنين إلى مقبرة الحسين فدفن بجنب والده.

[سیر أعلام النبلاء للذهبي الجزء18 صفحة468]

یہ تین محدث ہیں جو اہل السنت کے جید ائمہ ہیں۔ ایک چوتھا آدمی بھی "جوینی" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے حالات یہ ہیں:

الجوينى (644 - 722 ھ = 1246 - 1322 م) إبراهيم بن محمد بن المؤيد أبي بكر بن حمويه الجويني صدر الدين أبو المجامع... من أهل (جوين بها رحل فى طلب الحديث فسمع بالعراق والشام والحجاز وتبريز وآمل طبرستان والقدس و كربلاء وقزوين وغيرها وتوفى بالعراق ... جعله الأمين العاملي من أعيان الشيعة ولقبه بالحموئى (نسبة إلى جده حمويه) وقال : له (فرائد السمطين فى فضائل المرتضى والبتول والسبطين) فى طهران فى 160 ورقة وقال الذهبى : شيخ خراسان كان حاطب ليل - يعنى

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

فی روایة الحدیث - جمع أحادیث ثنائیات وثلاثیات ورباعیات من الأباطیل المکذوبة.

[الأعلام لخیر الدین الزرکلي الجزء1صفحة63]

اس سے معلوم ہوا کہ "فرائد السمطین" کا مصنف شیعہ ہے، شیعہ حضرات کا اسے "شیخ الاسلام" کے لقب سے ذکر کرنا کذب صریح ہے اس لیے کہ "شیخ الاسلام" تو موسی بن العباس الجوینی کا لقب ہے نہ کہ ابراہیم بن محمد۔ مزید یہ کہ اس کتاب کے مطالعہ اور دیگر حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص اثنی عشری شیعہ تھا، ثبوت پیش خدمت ہے:

1: یہ عصمت غیر انبیاء کا قائل تھا۔ (فرائد السمطین ج2ص133)

2: مختلف دلائل دے کر بارہ اماموں کا اثبات کرتا ہے۔ (فرائد السمطین ج2ص140 الباب الثاني والثلاثون)

3: یہ اس بات کا قائل تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ائمہ کی وصیت کی تھی۔ (فرائد السمطین ج2ص136 الباب الثاني والثلاثون)

4: یہ عليّ بن موسی المعروف امام رضا کی عصمت کا قائل تھا اور انہیں آٹھواں امام کہتا تھا۔ (فرائد السمطین ج2ص187 الباب التاسع والثلاثون)

5: اس کے کئی شیخ اور استاذ رافضی تھے۔ (دیکھیے: فرائد السمطین ج2ص73 الباب السادس عشر، الذریعة لآقا بزرگ الطهراني الجزء2صفحة442،)

6: کتب شیعہ کو بطور حجت پیش کرتا ہے۔ مثلاً

نقل من کتاب کمال الدین [فرائد السمطین ج2صفحات 140و142و147]

نقل من کتاب عیون أخبار الرضا [فرائد السمطین ج2صفحات174و179و188و191و192و200الخ]

7: شیعوں کا اعتراف ہے کہ یہ انہی میں سے تھا۔ (دیکھیے: ذیل کشف الظنون لآقا بزرگ الطهراني ص70، الذریعة لآقا بزرگ الطهراني الجزء8صفحة126، موسوعة مؤلفي الإمامیة- مجمع الفکر الإسلامي الجزء1صفحة379 وغیرہ)

یہ تمام امور اس کے شیعہ ہونے پر دال ہیں۔ لہٰذا اس کو سنی کہنا اور اس کی روایت کو سنیوں پر بطور حجت پیش کرنا انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

خمینی صاحب نے سنیوں کے حوالے سے ثابت کرنا تھا کہ آیت کا شان نزول امامت علی کے بارے میں ہوا لیکن افسوس کہ یہ لوگ تو شیعہ نکلے۔

ثالثاً...... شیعی مفسرین کا یہ دعویٰ کہ یہ آیت حجۃ الوداع سے واپسی کے موقعہ پر غدیر خم پر 18 ذی الحجہ کو خطبہ کے بعد نازل ہوئی، غلط ہے اس لیے کہ جمہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں نازل ہوئی یعنی 9 ذی الحجہ بروز جمعہ شام کے وقت۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ آیت عرفہ کی شام (یعنی 9 ذی الحجہ) کو نازل ہوئی۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

عن علی قال: نزلت هذه الآیة علی رسول الله صلی الله علیه وسلم، وهو قائم عَشِیَّةَ عرفة {الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ}

(تفسیر ابن کثیر: ج3ص27)

امام بخاری حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مختلف نے روایات نقل کی ہیں کہ یہ آیت یوم عرفہ کو نازل ہوئی مثلاً:

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَتِ الْيَهُودُ لِعُمَرَ إِنَّكُمْ تَقْرَءُونَ آيَةً لَوْ نَزَلَتْ فِينَا لاَتَّخَذْنَاهَا عِيدًا فَقَالَ عُمَرُ إِنِّي لأَعْلَمُ حَيْثُ أُنْزِلَتْ وَأَيْنَ أُنْزِلَتْ وَأَيْنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أُنْزِلَتْ يَوْمَ عَرَفَةَ وَإِنَّا وَاللَّهِ بِعَرَفَةَ.

(صحیح البخاری: حدیث نمبر 4606 تفسیر سورة المائدة)

رابعاً...... سنی مفسرین نے اس روایت کا صراحتاً رد کیا ہے۔ لہٰذا اسے سنیوں کے سر تھوپنا غلط ہے:

قال الآلوسی البغدادی: وأخرج الشیعة عن أبی سعید الخدری أن هذه الآیة نزلت بعد أن قال النبی صلی الله علیه و سلم لعلی کرم الله وجهه فی غدیر خم: من کنت مولاه فعلی مولاه فلما نزلت قال علیه الصلاة و السلام: الله أکبر علی إکمال

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

الدین وإتمام النعمة ورضاء الرب برسالتي وولاية علي كرم الله وجهه بعدي ولا يخفى أن هذا من مفترياتهم وركاكة الخبر شاهدة على ذلك في مبتدأ الأمر. (روح المعانی:ج6ص61)

کہ شیعوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ مذکورہ آیت (الیوم اکملت لکم دینکم) غدیر خم پر اس وقت نازل ہوئی جب نبی علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا: " من کنت مولاہ فعلی مولاہ" پھر جب یہ آیت نازل ہو گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ اکبر علی اکمال الدین واتمام النعمة ورضا الرب برسالتی وولایة علی کرم اللہ وجهه بعدی" یہ روایت شیعہ افتراءات کا ایک نمونہ ہے اور سند کے علاوہ اس روایت کے رکیک الفاظ بھی خود اس کے من گھڑت ہونے پر گواہ ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے دو شیعہ روایتیں نقل کر کے فرمایا:

ولا يصح هذا ولا هذا، بل الصواب الذي لا شك فيه ولا مرية: أنها أنزلت يوم عرفة، وكان يوم جمعة، كما روى ذلك أمير المؤمنين عمر بن الخطاب، وعلي بن أبي طالب، وأول ملوك الإسلام معاوية بن أبي سفيان، وترجمان القرآن عبد الله بن عباس، وسَمُرَة بن جندب، رضي الله عنهم، وأرسله [عامر] الشعبي، وقتادة بن دعامة، وشَهْر بن حَوْشَب، وغير واحد من الأئمة والعلماء.

(تفسیر ابن کثیر: ج3ص26 تحت ھذہ الآیۃ)

ترجمہ: نہ یہ روایت صحیح ہے نہ وہ بلکہ حق بات جس میں ادنیٰ شک وشبہ کی گنجائش نہیں وہ یہ ہے کہ یہ آیت عرفہ 9 ذی الحجہ کو جمعہ کے دن نازل ہوئی جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نیز امام شعبی، امام قتادہ، امام شہر بن حوشب اور دیگر ائمہ اور علماء کا یہی قول ہے۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس آیت سے شیعہ کے استدلال پر بہترین رد فرمایا، لکھتے ہیں:

المسألة الثالثة: قال أصحابنا: هذه الآية دالة على بطلان قول الرافضة، وذلك لأنه تعالى بيّن أن الذين كفروا يئسوا من تبديل الدين، وأكد ذلك بقوله {فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ} فلو كانت إمامة علي بن أبي طالب رضي الله عنه منصوصاً عليها من قبل الله تعالى وقبل رسوله صلى الله عليه وسلّم نصاً واجب الطاعة لكان من أراد إخفاءه وتغييره آيساً من ذلك بمقتضى هذه الآية، فكان يلزم أن لا يقدر أحد من الصحابة على إنكار ذلك النص وعلى تغييره وإخفائه، ولما لم يكن الأمر كذلك، بل لم يجر لهذا النص ذكر، ولا ظهر منه خبر ولا أثر، علمنا أن ادعاء هذا النص كذب، وأن علي بن أبي طالب رضي الله عنه ما كان منصوصاً عليه بالإمامة. (التفسیر الکبیر للرازی: تحت ہذہ الآیۃ)

ترجمہ: ہمارے علماء نے فرمایا کہ یہ آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" روافض کے قول کے بطلان پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ اللہ نے اس آیت کی ابتداء میں فرمایا ہے "اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ" (آج کے دن کافر ناامید ہو گئے تمہارے دین سے، سو ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو) جس نے واضح کر دیا کہ کافر دین میں تبدیلی سے مایوس ہو گئے ہیں اور یہ بھی فرما دیا کہ اب ان سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اگر حضرت علی بن ابی طالب کی امامت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے منصوص ہوتی یعنی نص واجب الطاعۃ ہوتی تو اسے چھپانے اور اسے تبدیل کرنے والے کو اس آیت کے مطابق ناامید ہو جانا چاہیے تھا یعنی صحابہ میں سے کوئی بھی اس نص کے انکار، اس کی تبدیلی یا اس کے چھپانے پر قادر نہ ہوتا، اور جب ان میں سے کوئی بات پیش نہ آئی بلکہ اس نص امامت کا ذکر ہوا نہ اس کی خبر ظاہر ہوئی اور نہ اس کی کوئی روایت آئی تو ہمیں علم ہو گیا کہ اس نص کا دعویٰ محض کذب ہے اور یہ کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یقیناً

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

منصوص بالامامت نہیں تھے۔

دلیل نمبر 4:

شیعہ حضرات نے اپنے دعوی پر ایک حدیث یہ بھی پیش کرتے ہیں:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ.

کہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی مولا ہے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر نص ہے اور عقیدہ امامت کی بنیاد ہے۔ (اسی روایت کی وجہ سے یہ لوگ قرآنی آیات میں تاویلات بلکہ تحریفات کر گزرتے ہیں)

جواب:

اس حدیث کے متعلق چند بنیادی باتیں بیان کی جاتی ہیں تاکہ اصل مفہوم واضح ہو اور شیعہ استدلال کی قلعی کھل سکے۔

پہلی بات:

روایت کی اسنادی حیثیت

یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، بعض صحیح اور بعض حسن درجہ کے ہیں۔

1: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واما حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ فقد اخرجہ الترمذی والنسائی وھو کثیر الطرق جدا وقد استوعبھا ابن عقدۃ فی کتاب مفرد و کثیر من اسانیدھا صحاح و حسان.

(فتح الباری: ج7 ص74)

2: حافظ ابن حجر مکی الہیثمی لکھتے ہیں:

وبیانہ انہ حدیث صحیح لا مریۃ فیہ وقد اخرجہ جماعۃ کالترمذی والنسائی و احمد وطرقہ کثیرۃ جدا.

(الصواعق المحرقہ ص42)

دوسری بات:

خطبہ غدیر کا وقت اور موقع محل

فتحِ مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے (کما قال تعالیٰ: ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً) دین اسلام کی تکمیل ہو رہی تھی یہاں تک کہ حجۃ الوداع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری اور اہم سفر تھا، میں 9 ذی الحجہ کو آیت "الیوم اکملت لکم دینکم الخ" نازل ہوئی، اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دینِ اسلام کے بنیادی اصولوں، امت کو پیش آنے والی گمراہیوں سے بچانے والی نصیحتوں اور ارشادات سے نوازا تاکہ امت باہمی اختلافات سے محفوظ رہ کر صراط مستقیم پر گامزن رہے۔

حجۃ الوداع سے واپسی پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان "حجفہ" کے قریب ایک تالاب کے کنارے درختوں کے سائے میں آپ صلی علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالا، یہ جگہ "وادی خم" اور "غدیر خم" کے نام سے معروف ہے، نماز کا اعلان کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر پڑھائی اور اس کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہی خطبہ "حدیث غدیر" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اتوار کا دن تھا اور ذی الحجہ کی 18 تاریخ تھی۔

(السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ج4 ص414)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تیسری بات:

خطبہ دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقعہ پر 4 ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں تشریف لائے، حرم مکہ پہنچ کر عمرہ کے ارکان ادا فرمائے، اور پھر چار دن تک مکہ میں قیام فرمایا، انہی چار دنوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ (جو رمضان 10ھ سے یمن تشریف لے گئے ہوئے تھے) واپس مکہ مکرمہ پہنچے اور وہ خمس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جسے لانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن روانہ کیا تھا، اس سفر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض ساتھیوں کو آپ رضی اللہ عنہ سے چند شکایتیں ہوگئی تھیں جن کا تذکرہ ان ساتھیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شکایات کے ازالہ کے لیے یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔

ان روایات کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے "باب بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم على بن ابى طالب و خالد بن وليد رضى الله عنهما الى اليمن" قبل حجۃ الوداع کے تحت جمع کیا ہے۔ چند روایات یہ ہیں:

1: عن ابی بریدۃ قال: أبغضت علیا بغضا لم أبغضه أحدا قط. قال: وأحببت رجلا من قريش لم أحبه إلا على بغضه عليا قال فبعث ذلك الرجل على خيل فصحبته ما أصحبه إلا على بغضه عليا قال فأصبنا سبيا قال فكتب (ای حاکم الیمن خالد بن الولید) إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أبعث إلينا من يخمسه قال فبعث إلينا عليا وفى السبى وصيفة من أفضل السبى. قال: فخمس وقسم فخرج ورأسه يقطر فقلنا: يا أبا الحسن ما هذا ؟ فقال ألم تروا إلى الوصيفة التى كانت فى السبى، فإنى قسمت، وخمست فصارت فى الخمس، ثم صارت فى أهل بيت النبى صلى الله عليه وسلم ثم صارت فى آل على ووقعت بها، قال، فكتب الرجل إلى نبى الله صلى الله عليه وسلم فقلت أبعثنى فبعثنى مصدقا فجعلت أقرأ الكتاب وأقوله صدق قال: فأمسك يدى والكتاب فقال: " أتبغض عليا " قال: قلت نعم ؟ قال " فلا تبغضه وإن كنت تحبه فازدد له حبا فوالذى نفس محمد بيده لنصيب آل على فى الخمس أفضل من وصيفة " قال: فما كان من الناس أحد بعد قول النبى صلى الله عليه وسلم أحب إلى من على.

(البدایۃ والنہایۃ: ج5 ص121)

2: عن خاله عمرو بن شاس الاسلمى وكان من أصحاب الحديبية. قال: كنت مع على بن أبى طالب فى خيله التى بعثه رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى اليمن فجفانى على بعض الجفاء. فوجدت فى نفسى عليه فلما قدمت المدينة، اشتكيته فى مجالس المدينة وعند من لقيته، فأقبلت يوما ورسوله الله جالس فى المسجد، فلما رآنى أنظر إلى عينيه نظر إلى حتى جلست إليه فلما جلست إليه قال: " إنه والله يا عمرو بن شاس لقد آذيتنى " فقلت: إنا لله وإنا إليه راجعون، أعوذ بالله والاسلام أن أوذى رسول الله. فقال: " من آذى عليا فقد آذانى "

(البدایۃ والنہایۃ: ج5 ص121)

3: عن أبى سعيد الخدرى. أنه قال: بعث رسول الله على بن أبى طالب إلى اليمن. قال أبو سعيد، فكنت فيمن خرج معه، فلما أخذ من إبل الصدقة، سألناه أن نركب منها ونريح إبلنا - وكنا قد رأينا فى إبلنا خللا - فأبى علينا، وقال: إنما لكم فيها سهم كما للمسلمين. قال، فلما فرغ على وانطفق من اليمن راجعا، أمر علينا إنسانا وأسرع هو وأدرك الحج، فلما قضى حجته، قال له النبى صلى الله عليه وسلم. " ارجع إلى أصحابك حتى تقدم عليهم " قال أبو سعيد: وقد كنا سألنا الذى استخلفه ما كان على منعنا إياه ففعل، فلما عرف فى إبل الصدقة أنها قد ركبت، ورأى أثر الركب، قدم الذى أمره ولامه. فقلت: أما أن الله على لئن قدمت المدينة لاذكرن لرسول الله، ولاخبرنه ما لقينا من الغلظة والتضييق. قال: فلما قدمنا المدينة غدوت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أريد أن أفعل ما كنت حلفت عليه، فلقيت أبا بكر خارجا من عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما رآنى وقف

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

معی، ورحب بی وسأ لنی وسأ لته. وقال متی قدمت ؟ فقلت: قدمت البارحة. فرجع معی إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فدخل، وقال هذا سعد بن مالك بن الشهید. فقال: ائذن له فدخلت، فحییت رسول الله وحیانی، وأقبل علی وسألنی عن نفسی وأهلی وأحفی المسألة. فقلت: یا رسول الله ما لقینا من علی من الغلظة وسوء الصحبة والتضییق، فاتئد رسول الله وجعلت أنا أعدد ما لقینا منه، حتی إذا کنت فی وسط کلامی، ضرب رسول الله علی فخذی، و کنت منه قریبا وقال: " یا سعد بن مالك ابن الشهید: مه. بعض قولك لاخیك علی، فوالله لقد علمت أنه أحسن فی سبیل الله ".

قال: فقلت فی نفسی ثکلتك أمك سعد بن مالك - ألا أرانی کنت فیما یکره منذ الیوم، ولا أدری لا جرم والله لا أذکره بسوء أبدا سرا ولا علانیة. (البدایۃ والنہایۃ: ج5 ص122)

4: عن یزید بن طلحة بن یزید بن رکانة قال إنما وجد جیش علی بن [أبی] طالب الذین کانوا معه بالیمن، لانهم حین أقبلوا خلف علیهم رجلا، وتعجل إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: فعمد الرجل فکسی کل رجل حلة، فلما دنوا خرج علیهم علی یستلقیهم فإذا علیهم الحلل. قال علی: ما هذا ؟ قالوا: کسانا فلان: قال: فما دعاك إلی هذا قبل أن تقدم علی رسول الله فیصنع ما شاء فنزع الحلل منهم. فلما قدموا علی رسول الله اشتکوه لذلك، وکانوا قد صالحوا رسول الله، وإنما بعث علیا إلی جزیة موضوعة. (البدایۃ والنہایۃ: ج5 ص123)

5: عن عمران بن حصین قال: بعث رسول الله صلی الله علیه و سلم جیشا واستعمل علیهم علی بن أبی طالب فمضی فی السریة فأصاب جاریة فأنکروا علیه وتعاقد أربعة من أصحاب رسول الله صلی الله علیه و سلم فقالوا إذا لقینا رسول الله صلی الله علیه و سلم أخبرناه بما صنع علی وکان المسلمون إذا رجعوا من السفر بدءوا برسول الله صلی الله علیه و سلم فسلموا علیه ثم انصرفوا إلی رحالهم فلما قدمت السریة سلموا علی النبی صلی الله علیه و سلم فقام أحد الأربعة فقال یا رسول الله ألم تر إلی علی بن أبی طالب صنع کذا و کذا فأعرض عنه رسول الله صلی الله علیه و سلم ثم قام الثانی فقال مثل مقالته فأعرض عنه ثم قام الثالث فقال مثل مقالته فأعرض عنه ثم قام الرابع فقال مثل ما قالوا فأقبل رسول الله صلی الله علیه و سلم والغضب یعرف فی وجهه فقال ما تریدون من علی ؟ ما تریدون من علی إن علیا منی وأنا منه وهو ولی کل مؤمن بعدی.

(جامع الترمذی: باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله عنه)

ان مجموعہ روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مختلف حضرات خصوصاً جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر یمن میں شریک تھے، ان کو حضرت علی کی طرف کچھ بد گمانی یا کدورت پیدا ہو گئی تھی، چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار کبار صحابہ اور السابقون الاولون میں ہے اور مزید یہ کہ آئندہ چل کر اپنے وقت میں امت کی قیادت وامامت کے فرائض بھی آپ نے سر انجام دینے ہیں اس لیے ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کی براءت ظاہر کریں بلکہ امت کو یہ حکم بھی دیں کہ وہ حضرت علی کے ساتھ محبت وعقیدت کا تعلق رکھیں۔

چوتھی بات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ غدیر خم میں کیا ارشاد فرمایا؟ مختلف روایات اس بارے میں ملتی ہیں۔ ان میں مسند احمد بن حنبل کی روایت تقریباً تمام روایات کی جامع ہے، ملاحظہ ہو:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَنَزَلْنَا بِغَدِيرِ خُمٍّ فَنُودِيَ فِينَا الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ وَكُسِحَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ شَجَرَتَيْنِ فَصَلَّى الظُّهْرَ وَأَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَقَالَ أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنِّي أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ قَالُوا بَلَى قَالَ أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنِّي أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ قَالُوا بَلَى قَالَ فَأَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ فَقَالَ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اللَّهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ قَالَ فَلَقِيَهُ عُمَرُ بَعْدَ ذَلِكَ فَقَالَ هَنِيئًا يَا ابْنَ أَبِي طَالِبٍ أَصْبَحْتَ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

وَأَمْسَيْتَ مَوْلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ. (مسند احمد: رقم الحدیث 18479)

خلاصہ کلام: اہل تشیع کا اس روایت سے امامت اور خلافت علی بلافصل پر استدلال باطل ہے اس لیے کہ:

[1]: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت اور موالاۃ کا اظہار محض اس لیے تھا کہ لوگوں کے دلوں میں ان کے بارے میں کوئی رنجش باقی نہ رہے، خلافت بلافصل اور امامت کا اس میں دور دور کا تذکرہ نہیں۔

[2]: کتب اہل السنت میں جہاں حدیث غدیر خم موجود ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح اشارات بھی ہیں جن میں خلافت صدیق اکبر کا ذکر ہے یا خلفاء راشدین کی ترتیب کا ذکر ہے (گو اشارۃً ہی سہی) جس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ حدیثِ غدیر خم ایک وقتی ضرورت کے پیش نظر وارد ہوئی نہ کہ مستقلاً اصول امامت یا خلافت کے لیے۔

[3]: اگر یہ حدیث مسئلہ امامت یا حضرت علی کے خلیفہ بلافصل کے متعلق ہوتی تو اس کا محل اور مقام حجۃ الوداع کا اجتماع تھا جہاں قرب و بعد تمام جگہوں کے مسلمان جمع تھے جو ایک عالمی اجتماع تھا، جس کا مقصد ایک عالمی نظریہ امت کو دینا تھا لیکن یہ حدیث خم کے تالاب کے پاس بیان ہوئی ہے جو اس بات کی یقینی دلیل ہے کہ اس سے مقصود آفاقی اور اجتماعی فیصلہ کا بیان کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ ایک وقتی ضرورت کا بیان کرنا تھا۔

دلیل نمبر 5:

بعض شیعہ ویب سائٹس پر کتب اہل السنت سے امامت کا ثبوت کے عنوانات سے صحیحین کی روایات کو متدل بنایا گیا ہے، جو ان الفاظ میں ہے۔

"ہم صحیحین سے اس بارے میں نقل شدہ روایات پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

عن عبد الملك، سمعت جابر بن سمرة، قال: سمعت النبی (ص) يقول: يكون اثنى عشر اميرا، فقال كلمة. لم اسمعها، فقال ابی: انه قال: كلهم من قريش.

[صحیح بخاری ج۹، کتاب الاحکام، باب (۵۲) "استخلاف" حدیث ۶۷۹۶۔ صحیح مسلم ج۶، کتاب الامارۃ، باب (۱۱) "الناس تبع القریش والخلافۃ فی قریش" حدیث ۱۸۲۱]

مسلم نے بھی اس حدیث کو آٹھ سندوں کے ساتھ اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اور ان میں سے ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے:

جابر بن سمرة، قال: انطلقتُ الى رسول (ص) الله ومعى ابى، فسمعته، يقول: لايَزَالُ هذَا الدين عَزِيزاً مَنِيعاً اِلىٰ اِثْنَى عَشَرَ خليفة، قال كلمة، صَمَّنِيهَا الناس، فقلتُ لابی ما قال؟ قال: كلهم من قريش.

[صحیح مسلم ج۶، کتاب الامارہ، باب احدیث ۱۸۲۱۔ (کتاب الامارۃ کی حدیث نمبر ۹)]

اس حدیث کو مختلف مضامین کے ساتھ اہل سنت کی اہم کتابوں میں کثرت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور یہ حدیث مسلمانوں کے دیگر فرقوں کے بطلان اور مذہب شیعہ کے حق ہونے پر ایک محکم و مضبوط دلیل ہے، اس لئے کہ اس حدیث کا مضمون مذہب شیعہ کے علاوہ کسی اور فرقۂ اسلامی کے رہنماؤں سے منطبق نہیں ہوتا، کیونکہ اہل سنت خلفائے راشدین (جو چار ہیں) کے قائل ہیں، یا پھر امام حسن مجتبیٰ (ع) کی خلافت کو ملا دیں تو پانچ ہوتے ہیں، لیکن حدیث میں رسول (ص) نے بارہ فرمائے ہیں، لہٰذا ان کے مذہب سے یہ حدیث منطبق نہیں ہوتی ۔۔۔ لہٰذا صرف شیعہ اثنا عشریہ کے خلفاء کی تعداد سے منطبق ہوتی ہے، ان میں سر فہرست مولائے متقیان حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور آخر حضرت مھدی حجۃ ابن الحسن العسکری ارواحنا لہ الفداء ہیں۔"

جواب:

یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ کتب اہل السنت میں آئی ہے، جن میں سے چند کتب کے الفاظ پیش ہیں تا کہ اس روایت کا مطلب واضح ہو:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

صحیح مسلم (حدیث نمبر 1821) میں یہ الفاظ ہیں:

لا یزال أمر الناس ماضیا ما ولیهم اثنا عشر رجلا۔

کہ جب تک بارہ خلفاء ہوں گے لوگوں کا معاملہ چلتا رہے گا۔

سنن ابی داؤد (حدیث نمبر 4282) میں ہے:

لا یزال هذا الدین عزیزا إلی اثنی عشر خلیفة۔

کہ یہ دین بارہ خلیفہ کے آنے تک غالب رہے گا۔

صحیح بخاری (حدیث نمبر 7222) میں یہ الفاظ ہیں:

يَكُونُ اثْنَا عَشَرَ أَمِيرًا... كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ۔ (کہ بارہ امیر ہوں گے، سب کے سب قریشی ہوں گے۔)

اس حدیث کا معنی و مطلب:

شیعہ حضرات کا اس حدیث سے اپنے مزعومہ ائمہ مراد لینا کسی طرح درست نہیں اس لیے کہ ائمہ اہل السنت نے اس حدیث کے جو مطلب بیان کیے ہیں وہ شیعہ موقف کی واضح تردید کرتے ہیں اور اصول اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جو روایت کتب اہل السنت میں ہے س کا معنی بھی اہل السنت کا بیان کردہ ہی معتبر ہوگا نہ کہ شیعہ فرقہ کا، اس لیے اس حدیث کے چند مطلب پیش خدمت ہیں:

مطلب نمبر 1:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م 852ھ) نے اس حدیث پر طویل گفتگو فرمائی ہے اور جس تشریح کو راجح قرار دیا ہے وہ علامہ ابن الجوزی اور قاضی عیاض مالکی کی تشریح ہے، جو کہ پیش خدمت ہے:

وینتظم من مجموع ما ذکراه (یعنی ابن الجوزی و القاضی عیاض) أوجه: أرجحها الثالث من أوجه القاضی (و هو ان المراد ان یکون الاثنا عشر فی مدة عزة الخلافة وقوة الإسلام واستقامة أموره والاجتماع علی من یقوم بالخلافة) لتأییده بقوله فی بعض طرق الحدیث الصحیحة کلهم یجتمع علیه الناس۔ وإیضاح ذلك ان المراد بالاجتماع انقیادهم لبیعته والذی وقع ان الناس اجتمعوا علی أبی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی إلی ان وقع أمر الحکمین فی صفین فسمی معاویة یومئذ بالخلافة ثم اجتمع الناس علی معاویة عند صلح الحسن ثم اجتمعوا علی ولده یزید ولم ینتظم للحسین أمر بل قتل قبل ذلك ثم لما مات یزید وقع الاختلاف إلی ان اجتمعوا علی عبد الملك بن مروان بعد قتل بن الزبیر ثم اجتمعوا علی أولاده الأربعة الولید ثم سلیمان ثم یزید ثم هشام ...... فهؤلاء سبعة بعد الخلفاء الراشدین والثانی عشر هو الولید بن یزید بن عبد الملك اجتمع الناس علیه لما مات عمه هشام...... وانتشرت الفتن وتغیرت الأحوال من یومئذ ولم یتفق ان یجتمع الناس علی خلیفة بعد ذلك لأن یزید بن الولید الذی قام علی بن عمه الولید بن یزید لم تطل مدته بل ثار علیه قبل ان یموت بن عم أبیه مروان بن محمد بن مروان ولما مات یزید ولی أخوه إبراهیم فغلبه مروان ثم ثار علی مروان بنو العباس إلی ان قتل ثم کان أول خلفاء بنی العباس أبو العباس السفاح ولم تطل مدته مع کثرة من ثار علیه...... وانفرط الأمر فی جمیع أقطار الأرض إلی ان لم یبق من الخلافة الا الاسم فی بعض البلاد...... ومن نظر فی أخبارهم عرف صحة ذلك۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج13 ص263)

ترجمہ: ابن الجوزی اور قاضی عیاض نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کی چند توجیہات کی ہیں جن میں سے تیسری توجیح راجح ہے کہ "بارہ سے مراد وہ اربابِ خلافت ہیں جو اس دور میں ہوں گے جس میں خلافت کی شان و شوکت، اسلام کی قوت، اسلام کے امور کی طاقت عروج پر ہوگی اور لوگ ان خلفاء پر متفق اور مجتمع ہوں گے" اس مطلب کی تائید بعض طرق سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

وسلم نے فرمایا: "کلھم یجتمع علیہ الناس" [کہ ان خلفاء پر لوگ متفق اور مجتمع بھی ہوں گے] لوگوں کے متفق اور مجتمع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سارے لوگ ان بارہ کی بیعت کے لیے متفق ہوں گے۔ جو کچھ اتفاق اس بارے میں پیش آیا وہ یہ ہے کہ لوگ پہلے پہل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہوئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہوئے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہوئے، پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہوئے یہاں تک کہ واقعہ صفین میں حکم مقرر کرنے کا معاملہ پیش آیا جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا نام دیا۔ پھر لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہوئے جب حضرت حسن بن علی کی نے دستبرداری کر کے صلح کرادی تھی۔ پھر لوگ حضرت معاویہ کے بیٹے یزید کی خلافت پر متفق ہوئے۔ [بقول ابن الجوزی حدیث کی یہ پیشگوئی استقامت سلطنت سے متعلق تھی باعتبار مدح خلیفہ کے نہیں تھی۔ بحوالہ کشف المشکل من حدیث الصحیحین لابن الجوزی: ج1 ص289، لہذا اس سے یزید کی مدح و تعریف لازم نہیں آتی۔ از ناقل] حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ پر اتفاق ہو نہیں پایا تھا کہ آپ شہید ہو گئے۔ جب یزید کی وفات ہوئی تو خلافت کے معاملے میں اختلاف پڑ گیا یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد عبد الملک بن مروان کی خلافت پر لوگ متفق ہو گئے۔ عبد الملک بن مروان کی وفات کے بعد ان کے چار بیٹوں ولید، سلیمان، یزید اور ہشام کی خلافت پر اتفاق پایا گیا، تو خلفاء راشدین کی بعد یہ سات حضرات ہیں۔ بارہواں خلیفہ ولید بن یزید بن عبد الملک ہے اس پر لوگوں کا اتفاق اس وقت ہوا تھا جب اس کا چچا ہشام بن عبد الملک فوت ہوا تھا (تو لوگوں نے متفقہ طور پر ولید بن یزید بن عبد الملک کو خلیفہ نامزد کر دیا) اس کی وفات کے بعد سے اب تک فتنوں کا دور دورہ رہا اور حالات ابتر رہے۔ اس کے بعد خلیفہ کی نامزدگی پر کبھی (مجموعی) اتفاق نہیں پایا گیا۔ اس لیے کہ یزید بن ولید جو اپنے چچا ولید بن یزید پر قابض ہوا، کی مدت حکومت زیادہ دیر نہ رہی بلکہ اس کے مرنے سے قبل اس کے باپ کا چچازاد بھائی مروان بن محمد بن مروان اس پر مسلط ہوا۔ جب یزید فوت ہوا تو اس کا بھائی ابراہیم تخت نشین ہوا۔ جس پر مروان (مروان الحمار) غالب ہوا پھر مروان الحمار پر بنو العباس حملہ آور ہوتے رہے یہاں کہ وہ قتل ہو گیا۔ بنو عباس کے پہلا خلیفہ ابو العباس السفاح تھا، وہ بھی زیادہ مدت نہ ٹھہر سکا کیونکہ اس پر بھی فتنوں کا سیلاب امڈ پڑا اور معاملات ایسے چلتے رہے کہ صرف چند شہروں میں خلافت برائے نام رہ گئی (اس کی حکومت کا استحکام اور اتفاقِ عوام ویسا نہ رہا جیسا کہ بنی عبد الملک بن مروان کے ادوار میں رہا) تو جو شخص ان ادوار کے حالات میں غور کرے تو اس پر بخوبی واضح ہو گا کہ یہ بارہ خلفاء کے تعین کے بارے میں یہ قول صحیح ہے۔

اس راجح تشریح سے واضح ہوا کہ بارہ خلفاء سے مراد وہ نہیں ہیں جن کے شیعہ قائل ہیں، لہذا شیعہ حضرات کا اس حدیث کو اپنے موقف پر دلیل سمجھنا سوائے بے خبری کے اور کچھ نہیں۔

مطلب نمبر2:

مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

ان عدد الاثنی عشر مبنی علی الاقل و لا ینافی ان یکون الخلفاء اکثر منه۔ (تکملہ فتح الملہم للعلامۃ تقی العثمانی: ج3 ص285)

ترجمہ: خلفاء کی تعداد "بارہ" ہو یہ کم از کم عدد ہے بارہ سے زیادہ خلفاء ہونے کے منافی نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "بارہ خلیفہ" کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی زینت اور طاقت ان خلفاء کے وجود تک رہے گی چاہے وہ 12 ہوں یا زیادہ کیونکہ 12 کہنے سے زائد کی نفی نہیں ہوتی۔ یہی بات علامہ عینی نے ان الفاظ میں لکھی ہے:

أنه لم یقل لا یلی إلا اثنا عشر وإنما قال یکون اثنا عشر فلا یمنع الزیادۃ علیه۔ (عمدۃ القاری ج35 ص328)

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ "صرف بارہ خلیفہ ہوں گے" بلکہ فرمایا: "بارہ ہوں گے" (یعنی بارہ کے عدد پر منحصر نہیں کیا) اس سے پتا چلا کہ بارہ سے زائد بھی خلفاء ہو سکتے ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

خلاصہ کلام: 1: اس حدیث میں جن خلفاء کا ذکر ہے ان سے مراد وہ حضرات ہرگز مراد نہیں جن کے شیعہ قائل ہیں، اس لیے کہ اہل السنت والجماعت (جن کی کتب میں یہ حدیث درج ہے) خود اس کی تشریح جن خلفاء سے کرتے ہیں وہی معتبر ہو گی نہ کہ شیعہ حضرات کی من چاہی تشریح، مزید یہ کہ دوسری توجیہہ کے مطابق تو یہ عدد حصر کے لیے ہے ہی نہیں تو ان سے حتمی طور پر بارہ مراد لینا کیسے درست ہو گا؟ البتہ اس دوسری توجیہہ کے مطابق اہل السنت والجماعت کے ہاں چونکہ ان بارہ مذکورہ حضرات کے علاوہ بھی خلفاء گزرے ہیں اس لیے ان کے ہاں "بارہ" کا عدد تکثیر کے لیے بھی ہو تب بھی ان کے خلفاء پر منطبق آتا ہے۔ لہذا شیعہ حضرات کا یہ کہنا "ان (اہل السنۃ) کے مذہب سے یہ حدیث منطبق نہیں ہوتی" باطل ومردود ہے۔

2: علماء اہل السنت والجماعت نے ان کا مصداق جن خلفاء کو قرار دیا ہے ان کے نام ماقبل میں پیش کر دیے گئے ہیں۔

3: یہ حدیث ان خلفاء پر منطبق ہوتی ہے جن کے ہم اہل السنت والجماعت قائل ہیں۔ تفصیل عرض کر دی گئی ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم

از افادات: متکلمِ اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

تمہیدی گفتگو:

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ ومن تبعہ الی یوم الدین اما بعد!

اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی مقدس ومحترم جماعت کا نام ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پوری امت کے درمیان اللہ رب العزت کا مقرر کیا ہوا واسطہ ہیں۔ اس کے بغیر نہ قرآن کریم ہاتھ میں آسکتا ہے اور نہ ہی قرآن کا بیان جسے ہم سنت وحدیث سے تعبیر کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے انہیں خیر امت اور امت وسط کے لقب سے نوازا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو یہ ڈیوٹی اور ذمہ داری سونپ دی۔ فرمایا:

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً. (صحیح البخاری: رقم الحدیث 3461 عن عبد اللہ بن عمرو)

ترجمہ: میری طرف سے (امت کو) پہنچاؤ اگرچہ وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

بلکہ حجۃ الوداع کے عظیم اجتماع میں اس جماعت کو مخاطب ہو کر فرمایا:

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ. (صحیح البخاری: رقم الحدیث 1741 عن ابی بکرۃ)

کہ حاضرین میری باتیں غائبین تک پہنچا دیں۔

اس کا نتیجہ تھا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی تمام تر تعلیمات کو پوری دنیا میں پھیلایا جو ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ذمہ لگائی تھی اس کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔

ادھر دشمنان دین نے بھی سب سے پہلے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان کے مقدس کردار کو داغدار کرنے کے لیے ہر قسم کے حربے اختیار کیے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان کا یہ واسطہ کمزور پڑ جائے اور یوں بغیر کسی محنت کے اسلام کا یہ دینی سرمایا خود بخود زمین بوس ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعناد کے اظہار اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے بھی ان دشمنان دین نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہدف تنقید بنایا۔

مدینہ طیبہ کے گورنر عبد اللہ بن مصعب فرماتے ہیں کہ خلیفہ مہدی نے مجھ سے پوچھا کہ جو لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تنقیص کرتے ہیں ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا: وہ زندیق ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کرنے کی تو ان میں ہمت نہ تھی انہوں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص بیان کرنا شروع کر دی۔ گویا وہ یوں کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم برے لوگوں کے ساتھ رہتے تھے۔ (تعجیل المنفعۃ: ص 271)

خطیب بغدادی (م 463ھ) نے یہی واقعہ کچھ تفصیل سے تاریخ بغداد (ج 8 ص 220) میں بیان کیا ہے۔

اس تفصیل سے بعض صحابہ کرام اور ان کے بارے میں لب کشائی کا پس منظر واضح ہو جاتا ہے مگر دشمنان اسلام اپنی تمام تدبیروں کے باوجود اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور اللہ کے مقرر کردہ اس طبقہ کی عدالت وصداقت کو داغدار نہ کر سکے اور محدثین عظام اور فقہاء کرام نے بیک زبان "الصحابۃ کلھم عدول" کی ایسی صدا بلند کی کہ اس کے مقابلے میں تمام کوششیں ہیچ ثابت ہوئیں۔

اوائل میں اسلام دشمنی کے اس محاذ پر ابن سبا کی ذریت تھی، رفتہ رفتہ اس میں بعض فرقوں نے بھی حصہ لیا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

آخری دور میں مستشرقین اور ان کی معنوی اولاد نے بھی اس میں بھرپور کردار ادا کیا مگر علمائے حق نے ہر دور میں اس فتنہ کا تعاقب کیا اور دفاع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حق ادا کیا۔

سبِّ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ممانعت احادیث و آثار کے آئینے میں

چند روایات پیش کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنا اور انہیں تنقید کا نشانہ بنانا جائز نہیں۔

[۱]: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذو ھم غرضاً بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن آذاھم فقد آذانی. (مشکوۃ المصابیح: ج2ص554)

ترجمہ: میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو! ان کو میرے بعد تنقید کا نشانہ نہ بنانا کیونکہ جس نے بھی ان سے محبت کی تو یہ میری محبت کی بناء پر کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بدظنی کی بناء پر ان سے بغض رکھا۔ جس نے ان کو ایذاء دی تو گویا اس نے مجھے ایذاء دی۔

[۲]: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دعو لی اصحابی لا تسبو اصحابی. (مسند البزار: ج2ص342)

میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے درگزر کرو، میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برا نہ کہو۔

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے سب راوی صحیح بخاری و مسلم کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج10 ص21)

[۳]: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تسبوا اصحابی لعن اللہ من سب اصحابی. (المعجم الاوسط للطبرانی: ج5ص94)

میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برا مت کہو، اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو جو میرے صحابہ کو برا کہتا ہے۔

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: علی بن سہل کے علاوہ اس روایت کے سب راوی صحیح بخاری کے ہیں اور علی بن سہل بھی ثقہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج10 ص21)

[۴]: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من سب اصحابی فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین. (المعجم الکبیر للطبرانی: ج12ص142)

جو میرے صحابہ کو برا کہتا ہے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی طرف سے لعنت ہو۔

[۵]: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احفظونی فی اصحابی. (سنن ابن ماجہ: ص172)

لوگو! میری وجہ سے میرے صحابہ کا خیال رکھو۔

بعض روایات میں "احسنوا الی اصحابی" کے الفاظ ہیں۔ (سنن النسائی: رقم الحدیث 9175)

کہ میرے صحابہ کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آؤ۔

[۶]: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا ذکر اصحابی فامسکو واذا ذکرت النجوم فامسکو واذا ذکر القدر فامسکوا. (المعجم الکبیر للطبرانی: ج2ص96)

کہ جب میرے صحابہ کا ذکر ہو تو خاموش رہو، جب ستاروں کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو اور جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حضرت ابن عباس سے یہی روایت موقوفاً ان الفاظ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا:

یاغلام ایاك وسب اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فان سبہم مفقرۃ الخ (کتاب الثقات لابن حبان ج8 ص3)

کہ اے برخوردار: صحابہ کرام کو برا کہنے سے اجتناب کرو کیونکہ ان کو برا کہنا فقر و مسکینی کا باعث ہے۔

[۷]: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

امروا ان یستغفروا لاصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسبوھم. (صحیح مسلم: ج2 ص421)

لوگوں کو حکم تو دیا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں استغفار کرو مگر لوگوں نے انہیں برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔

[۸]: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لا تسبوا اصحاب محمد فان اللہ عز وجل امرنا بالاستغفار لھم وھو یعلم انھم سیقتلون.

(الصارم المسلول فصل نمبر 5 المسئلہ الثانیہ فی استتابۃ الذمی بیروت)

کہ صحابہ کرام کو برا مت کہو، بے شک اللہ نے یہ جانتے ہوئے کہ وہ عنقریب قتل و قتال میں مبتلا ہوں گے ہمیں ان کے بارے میں استغفار کا حکم فرمایا ہے۔

[۹]: حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ عراق سے ان کے ہاں ایک وفد آیا جنہوں نے حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازیبا باتیں کہیں تو آپ نے فرمایا: کیا تم مہاجرین میں سے ہو؟ انہوں نے کہا: جی نہیں، پھر آپ نے پوچھا: کیا تم انصار میں سے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: جی نہیں۔ اس پر حضرت زین العابدین فرمانے لگے: جب تم ان دونوں میں سے نہیں ہو تو میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی ہرگز نہیں ہو جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا.

ان تمام احادیث و آثار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بری اور ناگوار بات کرنا، ان کی مذمت یا ان کو سب شتم کرنا منع ہے اور اس کے مرتکبین کو لعنت کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ائمہ حضرات کی آراء

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ (م150ھ) کا موقف:

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی من جملہ تصانیف میں ایک کتاب "الفقہ الاکبر" بھی ہے۔ اس کتاب میں آپ فرماتے ہیں:

تولاھم جمیعا.

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ایک نسخہ میں آخری الفاظ یوں ہیں:

ولا نذکر احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا بخیر.

کہ ہم سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں اور کسی بھی صحابی کا ذکر بھلائی کے بغیر نہیں کرتے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس کے شرح میں رقم طراز ہیں:

یعنی وان صدر علی بعضھم بعض ما ھو فی الصورۃ شر فانہ اما کان عن اجتھاد ولم یکن علی وجہ فساد من اصرار وعناد بل کان رجوعھم عنہ الی خیر میعاد بناء علی حسن ظن بھم. (شرح الفقہ الاکبر ص153 اردو مکتبہ رحمانیہ لاہور)

یعنی گو بعض صحابہ کرام سے صورۃً شر صادر ہوا ہے مگر وہ کسی فساد یا عناد کے نتیجہ میں نہ تھا بلکہ اجتہاد کی بناء پر ایسا ہوا اور ان کا شر سے رجوع بہتر انجام کی طرف تھا ان سے حسن ظن کا بھی یہی تقاضا ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

الفقہ الاکبر کے ایک اور شارح علامہ ابو المنتہی احمد بن محمد المگنیساوی لکھتے ہیں:

اعتقاد اهل السنة والجماعة تزكية جميع الصحابة والثناء عليهم كما اثنى الله ورسوله عليهم وما جرى بين على و معاوية كان مبنيا على الاجتهاد. (شرح الفقہ الاکبر مطبوعہ مجموعۃ الرسائل السبعہ حیدر آباد دکن 1948)

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کی تعظیم و تکریم کی جائے اور ان کی اسی طرح تعریف کی جائے جیسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور جو حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان لڑائی ہوئی وہ اجتہاد کی بناء پر تھی۔

امام عبد اللہ بن مبارک (م 181ھ) کا فرمان:

مشہور محدث، فقیہ، مجاہد اور زاہد امام عبد اللہ بن مبارک اس سلسلے میں کس قدر محتاط تھے، اس کا اندازہ ان کے حسب ذیل قول سے لگایا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں:

السيف الذى وقع بين الصحابة فتنة ولا اقول لاحد منهم مفتون. (السیر ج8 ص405)

کہ صحابہ کے مابین چلنے والی تلوار فتنہ تھی مگر میں ان میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ وہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے تھے۔

امام عبد اللہ بن مبارک سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز میں سے کون افضل ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

والله ان الغبار الذى دخل فى انف فرس معاوية مع رسول الله صلى الله عليه وسلم افضل من عمر بألف مرة صلّٰى معاوية خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم سمع الله لمن حمده فقال معاويه رضى الله عنه ربنا لك الحمد فما بعد هذا الشرف الاعظم. (مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر 58 ص32 ج1)

اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت معاویہ کے گھوڑے کی ناک کی غبار عمر بن عبد العزیز سے ہزار بار افضل ہے، حضرت معاویہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھیں آپ نے "سمع الله لمن حمده" فرمایا تو حضرت معاویہ نے "ربنا لك الحمد" کہا اس کے بعد اور بڑا افضل و شرف کیا ہوگا؟!

امام ابو جعفر طحاوی (م 321ھ) کی وضاحت:

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے عقیدہ و عمل کے ترجمان ہیں، موصوف اپنی مشہور کتاب "العقيدة الطحاوية" میں لکھتے ہیں:

نحب اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا نفرط فى حب احد منهم ولا نتبرا من احد منهم و نبغض من يبغضهم وبغير الخير يذكرهم ولا نذكرهم الا بخير وحبهم دين وايمان واحسان وبغضهم كفر ونفاق وطغيان.

(شرح العقیدہ الطحاویہ ص704 ج2 بیروت)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور ان میں سے نہ کسی ایک کی محبت میں افراط کرتے ہیں اور نہ ہی کسی سے براءت کا اظہار کرتے ہیں اور جو ان سے بغض رکھتا ہے اور بغیر خیر کے ان کا ذکر کرتا ہے ہم اس سے بغض رکھتے ہیں اور ہم ان کا ذکر صرف بھلائی سے کرتے ہیں، ان سے محبت دین و ایمان اور احسان ہے اور ان سے بغض کفر و نفاق ہے اور سرکشی ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ مزید اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

ومن احسن القول فى اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وازواجه الطاهرات من كل دنس وذرياته المقدسين من كل رجس فقد برىء من النفاق. (شرح العقیدہ الطحاویہ ص490)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں اچھی بات کرتا ہے، ازواج مطہرات کو ہر قسم کے عیب سے پاک سمجھتا ہے اور آپ کی مقدس آل واولاد کو ہر قسم کی آلودگی سے مبرا سمجھتا ہے وہ نفاق سے بری ہے۔

یعنی اہل السنت والجماعت ناصبیوں اور رافضیوں کے افراط و تفریط سے بچ کر سب سے محبت کرتے ہیں اور ان کے بارے میں ہمیشہ اچھی بات کہتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں صحابہ کرام شامل نہ تھے:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امام برحق تھے اور مظلوم شہید ہوئے۔ اللہ نے صحابہ کرام کو بالفعل ان کے قتل کرنے سے محفوظ رکھا، ان کو شہید کرنے والا متعنت شیطان تھا، کسی صحابی نے آپ کے قتل پر رضا مندی کا اظہار ثابت نہیں بلکہ سب صحابہ کرام سے اس بارے میں انکار ثابت ہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مسئلہ اجتہادی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ قصاص ضرور لیں گے لیکن تاخیر سے لیں گے اسی میں مصلحت ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے یہ تھی کہ قصاص جلدی لینے میں مصلحت ہے۔ ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور ان شاء اللہ ان میں سے ہر ایک اجر کا مستحق ہوگا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد امام برحق حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء تاویل کرتے تھے اور ان میں وہ صحابہ کرام بھی شامل تھے جو معاملہ مشتبہ ہونے کی وجہ سے فریقین سے علیحدہ رہے اور کسی ایک فریق کے ساتھ ملنے سے رک گئے۔ ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ وہ تمام حضرات عادل تھے اور دین کو نقل کرنے والے تھے۔ نیز وہ دین پر عمل کرے والے تھے۔ انہی کی تلوار سے دین غالب ہوا اور انہی کی زبانوں سے دین پھیلا۔ اگر ہم ان آیات کی تلاوت کریں اور ان احادیث کو بیان کریں جو ان کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں تو بات لمبی ہو جائے گی۔ یہ چند کلمات ایسے ہیں کہ جو ان کے خلاف عقیدہ رکھے گا وہ گمراہی اور بدعت میں مبتلا ہوگا دیندار آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے دل و دماغ میں اس بات کو پختہ کرے، جو واقعات (مشاجرات) صحابہ کرام کے درمیان رونما ہوئے ہیں ان سے اپنی زبان کو روکے رکھے، یہ وہ خون ہے کہ اس سے اللہ جل شانہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک وصاف رکھا ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو اس سے آلودہ نہ کریں۔ (تحریر الاصول مع شرح تقدیر الاصول ج2 ص2260)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے جس عقیدے کی نشاندہی علامہ سبکی رحمہ اللہ نے کی ہے اس کی وضاحت پہلے بھی ائمہ کرام کے حوالے سے گزر چکی ہے البتہ علامہ نووی رحمہ اللہ کی طرح جو انہوں نے فرمایا کہ ان معاملات میں ایک تیسرا فریق بھی تھا جو معاملہ مشتبہ ہونے کی وجہ سے علیحدہ رہا محل نظر ہے۔ یہی فریق اکثریت میں تھا اور ان کی علیحدگی فتنہ سے بچنے کے لیے تھی جیسا کہ باحوالہ گزر چکا ہے۔

امام ابوزکریا یحیٰی بن شرف نووی (م676ھ) کا فرمان:

امام محی الدین ابوزکریا یحیی بن شرف النووی المتوفیٰ676ھ شرح مسلم میں رقم طراز ہیں:

ومذهب أهل السنة والحق إحسان الظن بهم والامساك عما شجر بينهم وتأويل قتالهم وأنهم مجتهدون متأولون لم يقصدوا معصية ولا محض الدنيا بل اعتقد كل فريق أنه المحق ومخالفة باغ فوجب عليه قتاله ليرجع إلى أمر الله وكان بعضهم مصيبا وبعضهم مخطئا معذورا فى الخطأ لأنه لاجتهاد والمجتهد إذا أخطأ لا إثم عليه وكان على رضى الله عنه هو المحق المصيب فى تلك الحروب هذا مذهب أهل السنة. (شرح صحیح مسلم ص390 ج2 کتاب الفتن باب اذا التقی المسلمان بسیفهما)

اہل سنت اور اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ سب صحابہ کرام کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے، ان کے آپس کے اختلافات میں خاموشی اور ان کی لڑائیوں کی تاویل کی جائے، وہ بلاشبہ مجتہد اور صاحب رائے تھے، معصیت اور نافرمانی ان کا مقصد نہ تھا اور نہ ہی محض دنیا طلبی پیش نظر تھی بلکہ ہر فریق یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ وہی حق پر ہے اور دوسرا باغی ہے اور باغی کے ساتھ قتال ضروری ہے تاکہ وہ امر الٰہی کی طرف لوٹ آئے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اس اجتہاد میں بعض راہ صواب پر تھے اور بعض خطاء پر تھے اور خطاء کے باوجود وہ معذور تھے کیونکہ اس کا سبب اجتہاد تھا اور مجتہد خطاء پر بھی گنہگار نہیں ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق پر تھے اہل سنت کا یہی موقف ہے۔

علامہ نووی نے جو کچھ بیان فرمایا ہے تھوڑی سی تفصیل سے اہل سنت کا یہی موقف انہوں نے کتاب فضائل الصحابہ کے اوائل میں بیان کیا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

حضرت علی کی خلافت بالاجماع صحیح ہے، اپنے وقت میں وہ خلیفہ تھے ان کے علاوہ کسی کی خلافت نہیں تھی۔ حضرت معاویہ عادل فضلاء اور نجباء صحابہ میں سے تھے۔ ان کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں اس کی وجہ یہ شبہ تھا کہ ان میں سے ہر ایک گروہ اپنی حقانیت کا اعتقاد رکھتا تھا۔ یہ سبھی عادل ہیں، جنگوں اور دیگر اس قسم کے معاملات میں متاول ہیں ان میں سے کوئی چیز ان میں سے کسی کو عدالت سے خارج نہیں کرتی اس لیے کہ وہ سب مجتہد تھے۔ (شرح مسلم ص272ج2)

اکثر صحابہ قتال سے علیحدہ کیوں رہے؟

اکثر صحابہ کرام قتال سے علیحدہ اس لیے رہے کہ ان حروب میں حصہ نہ لینے کا سبب فتنہ سے بچاؤ کرنا تھا کیونکہ بہت سی نصوص میں باہمی خانہ جنگی کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اکثر صحابہ کرام اسی بناء پر اس سے کنارہ کش رہے۔ امام محمد بن سیرین سے بسند صحیح منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: فتنہ رونما ہوا تو صحابہ کرام دس ہزار کی تعداد میں تھے، ان میں سے ایک سو بلکہ تیس کے قریب شریک ہوئے۔

ان کا یہی قول امام ابن تیمیہ نے بھی ذکر کیا ہے جس کی سند کے بارے میں وہ فرماتے ہیں:

هذا الاسناد اصح اسناد علی وجه الارض.(منہاج السنہ ص147 جز6 قطر بہ الشاملہ)

کہ یہ سند روئے زمین پر سب سے زیادہ صحیح ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (م852ھ) کا فرمان:

حافظ ابو الفضل امام احمد بن علی بن محمد ابن حجر العسقلانی المتوفی 852ھ فرماتے ہیں:

والظن بالصحابة فی تلك الحروب انهم كانوا فيها متاولين وللمجتهد المخطی اجر واذا ثبت هذا فی حق احادی الناس فثبوته للصحابة بالطريق الاولیٰ. (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ: ج7 ص312 الشاملہ)

ان لڑائیوں میں صحابہ کرام کے بارے میں گمان یہی ہے کہ وہ ان میں تاویل کرنے والے تھے۔ مجتہد اگر اجتہاد میں خطاء کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ جب یہ حکم کسی ایک مجتہد کے لیے ثابت ہے تو صحابہ کرام کے حق میں یہ حکم بطریق اولیٰ ثابت ہوا۔ اس لیے اگر کسی صحابی سے اجتہادی خطاء ہوئی تو وہ پھر بھی مستحق اجر ہے نہ کہ مستوجب مواخذہ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اسی بحث کے ضمن میں ایک مقام پر رقم طراز ہیں:

واتفق أهل السنة علی وجوب منع الطعن علی أحد من الصحابة بسبب ما وقع لهم من ذلك ولو عرف المحق منهم لأنهم لم يقاتلوا فی تلك الحروب الا عن اجتهاد وقد عفا الله تعالی عن المخطئ فی الاجتهاد بل ثبت أنه يؤجر أجرا واحدا وان المصيب يؤجر أجرين. (فتح الباری ج13 ص43 کتاب الفتن باب اذا التقیٰ المسلمان)

اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ صحابہ کے مابین واقع ہونے والے حوادث کی بناء پر ان میں کسی ایک صحابی پر طعن و تشنیع سے اجتناب واجب ہے اگرچہ یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں صحابی کا موقف موقف حق تھا کیونکہ انہوں نے ان لڑائیوں میں صرف اپنے اجتہاد کی بناء پر حصہ لیا اور اللہ نے مجتہد مخطی کو معاف فرمادیا ہے بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ مجتہد کے اجتہاد میں خطا ہو جائے تب بھی اسے ایک گنا اجر ملے گا اور جس کا اجتہاد درست ہو گا اسے دوگنا اجر ملے گا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

علامہ کمال الدین ابن الہمام (م 861ھ) کا فرمان:

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن الہمام المتوفیٰ 861 شرح مسامرہ میں فرماتے ہیں:

واعتقاد اهل السنة تزكية جميع الصحابة رضى الله عنهم وجوبا باثبات الله انه لكل منهم والكف عن الطعن فيهم والثناء عليهم كما اثنى الله سبحانه وتعالىٰ واثنى عليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم وما جرى بين معاوية وعلى من الحروب كان مبنيا على الاجتهاد لا منازعة فى الامامة. (المسامرہ بشرح المسایرہ ص259 باب الرکن الرابع الاصل الثامن)

اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ تمام صحابہ کرام کو لازمی طور پر پاک صاف مانتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا تزکیہ فرمایا ہے اور اہل سنت ان کے بارے میں طعن و تشنیع نہیں کرتے اور ان سب کی مدح و ثناء بیان کرتے ہیں جیسا کہ اللہ نے ان کی تعریف کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تعریف کی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں وہ اجتہاد پر مبنی تھیں، یہ جنگیں امامت و خلافت کے جھگڑا کی بناء نہ تھیں۔

امام الہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (م 1176ھ) کا فیصلہ:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے اپنے انداز میں لکھتے ہیں:

واما آن که حضرت عائشه و طلحه وزبیر رضی الله عنهم مجتهد مخطی معذور بودند از ان قبیل که من اجتهد فقد اخطأ فله اجر واحد پس از ان جهت که متمسك بودند بشبه هر چند دلیل دیگر ارجح ازوی بعد و موجب آن شبه دو چیز است الخ

(ازالۃ الخفاء مترجم ج4 ص521)

رہا یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم خطا کرنے والے معذور تھے اس اصول پر کہ جس نے اجتہاد کیا اور خطا کھائی تو وہ ایک اجر کا مستحق ہے تو وہ اس اعتبار سے معذور ہیں کہ انہوں نے شبہ سے استدلال کیا اگرچہ اس سے زیادہ راجح دوسری دلیل بھی موجود تھی، اس شبہ کا موجب دو چیزیں تھیں۔

اس کے بعد انہوں نے ان دو شبہات کو بیان کیا ہے اور دونوں کے قرائن و دلائل بھی بیان کیے ہیں۔ اس تفصیل کے بعد شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں: انہی شبہات کی بناء پر ہی حضرت معاویہ اور حضرت علی کے مابین جنگ صفین ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں:

واما آنکه معاویه مجتهد مخطی معذور بود پس از ان جهت که متمسك بود بشبه هر چند دلیل دیگر در میزان شرح راجح تر از ان بر آمد مانند آنچه در قصر اهل جمل تقریر گردم باز یادات اشکال.

اور رہا یہ کہ حضرت معاویہ مجتہد مخطی اور معذور تھے تو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ شبہ کے ساتھ دلیل پکڑے ہوئے تھے اگرچہ دوسری دلیل بھی موجود تھی جو میزان شریعت میں اس سے زیادہ وزن رکھتی تھی، اسی طرح جس کی تقریر ہم اہل جمل کے قصہ میں بیان کر چکے ہیں بعض اشکال کے اضافہ کے ساتھ۔

گویا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اہل جمل سے بھی زیادہ اشکالات تھے جن کی بناء پر وہ حضرت علی کی بیعت نہ کر سکے اور بالآخر اس کا نتیجہ جنگ صفین کی شکل میں سامنے آیا۔ ان اشکالات کی وجہ سے حضرت معاویہ بھی معذور تھے گو حضرت علی کا موقف ان سے راجح اور دلائل کے اعتبار سے زیادہ صحیح تھا۔ وہ مزید اشکالات کیا تھے اس کی تفصیل شائقین حضرات ازالۃ الخفاء میں ملاحظہ فرمائیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جنگ جمل

جنگ جمل کا واقعہ نصف جمادی الاولیٰ یا عند البعض جمادی الثانی 36ھ میں پیش آیا تھا۔

شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا اور بیعت کی گئی تو اس میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، دیگر اکابر صحابہ اور اہل مدینہ نے بھی بیعت کی۔ جب بیعت ہو چکی تو اس وقت حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دیگر اکابر صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مطالبہ پیش کیا کہ آپ مسند خلافت پر تشریف فرما چکے ہیں اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے متعلق انتظام فرمادیں کیونکہ اگر ہم شہید مظلوم کا انتقام نہ لیں اور فسادیوں کا قلع قمع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ کے عتاب وغضب کے مستحق ٹھہریں گے تو اس مطالبہ کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ عذر پیش کیا کہ:

ان ھولاء لھم مددواعوان انه لا یمکنه ذلك یومه ھذا. (البدایہ لابن کثیر ج7 ص229 تحت ذکر بیعت خلافت علوی)

ان لوگوں کو مددگار اور حمایتی میسر ہیں اس لیے یہ کام اس وقت نہیں ہو سکتا حالات کے ساز گار ہونے کے بعد یہ ہو سکے گا۔

بہر حال اس جواب پر ان حضرات کو تشفی نہ ہوئی کیونکہ قاتلان حضرت عثمان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے پناہ لی تھی جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے:

وقاتلان بجز آنکه پناہی بحضرت مرتضیٰ بردند با او بیعت کنند علاے نیافشند و کیف ما کان عقد بیعت واقع شد. (قرۃ العینین ص143 طبع مجتبائی دہلی)

یعنی قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ملا کہ حضرت علی کی بیعت کریں اور اس کی پناہ میں آئیں جیسا کہ یہ معاملہ ہوا بھی، بہر کیف یہ بیعت منعقد ہوئی۔

تو ان دو حضرات؛ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے عمرہ کی غرض سے مکہ کا سفر شروع کیا، جب مکہ پہنچے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور امہات المومنین بھی عمرہ کی غرض سے مکہ پہنچ چکی تھیں۔ بعد میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات مکہ تشریف لے گئے۔ یوں مکہ میں صحابہ کرام، امہات المومنین اور دیگر حضرات کا اجتماع ہوا، ان تمام کا مقصد ایک ہی تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون ناحق اور ظلماً گرادیا گیا ہے اس لیے ان کے قصاص کا مسئلہ سب سے پہلے طے ہونا چاہیے اور مجرموں کو جلد سے جلد سزا ملنی چاہیے۔ اس سلسلے میں مختلف آراء سامنے آئیں۔ بالآخر طے ہوا کہ اس سلسلے میں بصرہ پہنچنا چاہیے۔ منشاء یہ تھا کہ مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت اگر مطالبہ پر جمع ہو جائے تو امید ہے کہ فریق ثانی بھی اس کی طرف توجہ کرے گا اور باہمی موافقت کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ اس سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی شامل رہنے کی درخواست کی گئی تا کہ اصلاح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

فسارت معھم بقصد الاصلاح وانتظام الامور. (تفسیر روح المعانی ج22 ص10 تحت آیت وقرن فی بیوتکن)

اس کے بعد بہت سارے حضرات ان اکابر (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ) کے ساتھ شریک ہو گئے اور بصرہ کی طرف سفر شروع کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع ملی تو انہوں نے بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بصرہ کی طرف سفر شروع کیا۔ بصرہ کے قریب جب دونوں جماعتیں اپنے اپنے مقام پر پہنچیں تو بعض معتمد حضرات کے ذریعے مصالحت کی گفتگو جاری ہوئی۔ اسی موقعہ پر حضرت قعقاع بن عمرا لتمیمی حضرت عائشہ اور ان کی جماعت کے پاس آئے اور عرض کیا:

ای اُمّہ ما اشخصك وما اقدمك ھذه البلدة قالت: ای بنی! اصلاح بین الناس. (روح المعانی ج22 ص9، 10 وقرن فی بیوتکن)

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اے ام المومنین! اس شہر میں آپ کا تشریف لے آنا کسی مقصد کے لیے ہے؟ تو ام المومنین نے فرمایا اے بیٹے! لوگوں کے درمیان اصلاح کی صورت پیدا کرنے کے لیے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اس پر حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کریں تا کہ مسلمانوں میں انتشار کی یہ فضا ختم ہو جائے اور اتفاق پیدا ہو جائے تاکہ حضرت عثمان کا بدلہ لینا آسان ہو جائے۔

افہام و تفہیم کے اس بیان کے بعد حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے ارشاد فرمایا:

اصبت واحسنت فارجع الخ

یعنی آپ کی بات درست ہے ہم اس پر آمادہ ہیں۔ آپ جائیں (اور فریق ثانی کو اطلاع دیں)

فرجع الی علی فاخبره فاعجبه ذالك واشرف القوم علی الصلح كره ذالك من كرهه ورضيه من رضيه وارسلت عائشة الی علی تعلمه انها انما جاءت للصلح ففرح هولاء وهولاء. (البدایہ لابن کثیر ج7 ص239 روح المعانی ج22 ص9،10)

مختصر یہ کہ جب یہ اطلاع حضرت علی کو ملی تو بہت خوش ہوئے اور باقی لوگ بھی صلح پر متوجہ ہوئے۔ البتہ بعض لوگوں کو یہ چیز ناگوار گزری اور بعض کو پسند آئی۔ بہر حال فریقین نے صلح و مصالحت پر اتفاق ظاہر کیا۔

اس موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک تاریخی خطبہ دیا اور اس میں یہ بھی اعلان فرمایا کہ:

الا وانی راحل غدا فارتحلوا الا ولا یرتحلن غدا احد اعان علی عثمان بشئی فی شئی من امور الناس.

(الفتنۃ وقعۃ الجمل لسیف بن عمر الضبی ص147 البدایہ لابن کثیر ج7 ص237)

ہم کل یہاں سے روانہ ہوں گے (اور دوسرے فریق کے پاس جائیں گے) اور خبر دار جس نے بھی حضرت عثمان کے قتل پر اعانت کی ہے وہ ہم سے الگ ہو جائے، ہمارے ساتھ نہ رہے۔

جب یہ اعلان ہوا تو فتنہ انگیز پارٹی کے سربراہ شریح بن اوفیٰ، علباء بن الہیثم، سالم بن ثعلبہ العبسی، عبد اللہ بن سبا المعروف بابن السوداء وغیرہ سخت پریشان ہوئے اور انہیں اپنا انجام تاریک نظر آنے لگا۔ قابل غور بات یہ تھی کہ اس پارٹی میں ایک بھی صحابی نہ تھا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وليس فيهم صحابي ولله الحمد. (البدایہ لابن کثیر ج7 ص238)

اس پارٹی نے ایک خفیہ مشورہ کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن باہم اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے یہ منصوبہ ناکام رہا۔ چنانچہ شیخ عبد الوہاب شعرانی لکھتے ہیں:

فان بعضهم كان عزم علی الخروج علی الامام علی رضی الله عنه وعلی قتله لما نادیٰ یوم الجمل بان یخرج عن قتلة عثمان الخ. (کتاب الیواقیت والجواہر ج2 ص77)

بہر حال یہ دشمن تو اپنے اس مذموم عمل میں ناکام رہے، ادھر دونوں جماعتیں دو مقام پر جمع ہوئیں۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ "زابوقہ" کے مقام پر پہنچے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی جماعت کے ساتھ "ذا قار" کے مقام پر تشریف لائے۔ قعقاع کے میدان میں فریقین کی صلح ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلین کو شرعی سزا دینے پر راضی ہو گئے اور دوسری جماعت (حضرت طلحہ وغیرہ) بیعت پر راضی ہو گئے اور اس صلح پر کوئی شک نہ رہا۔

وهم لا يشكون فی الصلح. (الفتنۃ وقعۃ الجمل ص155 روح المعانی ج22 ص9،10)

ان حالات میں تمام حضرات نے خیر اور سلامتی سے رات گذاری لیکن مفسدین اور قاتلین عثمان پوری رات فتنہ کھڑا کرنے کی تدابیر میں مصروف رہے آخر کار تاریکی میں دفعتہ لڑائی کرا دینے پر ان کا اتفاق ہو گیا۔

اس واقعہ جمل کو علامہ قرطبی نے اپنی مشہور تفسیر احکام القرآن میں سورۃ الحجرات کی آیات کے تحت اس طرح بیان فرمایا ہے:

قلت : فهذا قول في سبب الحرب الواقع بينهم. وقال جلة من أهل العلم : إن الوقعة بالبصرة بينهم كانت على غير

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

عزيمة منهم على الحرب بل فجأة، وعلى سبيل دفع كل واحد من الفريقين عن أنفسهم لظنه أن الفريق الآخر قد غدر به، لأن الأمر كان قد انتظم بينهم، وتم الصلح والتفرق على الرضا. فخاف قتلة عثمان رضي الله عنه من التمكين منهم والإحاطة بهم، فاجتمعوا وتشاوروا واختلفوا، ثم أتفقت آراؤهم على أن يفترقوا فريقين، ويبدأوا بالحرب سحرة في العسكرين، وتختلف السهام بينهم، ويصيح الفريق الذي في عسكر علي: غدر طلحة والزبير. والفريق الذي في عسكر طلحة والزبير: غدر علي. فتم لهم ذلك على ما دبروه، ونشبت الحرب، فكان كل فريق دافعا لمكرته عند نفسه، ومانعا من الإشاطة بدمه. وهذا صواب من الفريقين وطاعة لله تعالى، إذ وقع القتال والامتناع منهما على هذه السبيل. وهذا هو الصحيح المشهور. والله أعلم.

(تفسیر قرطبی ج16 ص318،319)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ بصرہ میں جنگ جمل کا جو واقعہ پیش آیا تھا وہ قتال کے ارادہ سے وقوع پذیر نہیں ہوا تھا بلکہ یہ صورتحال اچانک قائم کردی گئی تھی، ایک فریق یہ گمان کرتے ہوئے کہ دوسرے فریق نے بد عہدی کی ہے اپنے دفاع کے لیے قتال کر رہا تھا کیونکہ ان کے درمیان صلح کی بات تو ہو چکی تھی وہ اپنی اپنی جگہ باہمی اعتماد اور رضامندی سے ٹھہرے ہوئے تھے لیکن قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو خوف لاحق ہوا کہ یہ صلح ہو گئی تو ہماری خیر نہیں لہذا وہ جمع ہوئے اور مشورہ کرنے لگے، پہلے ان کا کچھ آپس میں اختلاف ہوا لیکن بعد میں اس امر پر متفق ہو گئے کہ ہم دو جماعتوں میں تقسیم ہو جائیں کچھ حضرت علی کی جماعت میں شامل ہو جائیں اور کچھ دوسرے فریق میں گھس جائیں اور علی الصباح دونوں لشکروں میں لڑائی کی ابتداء کریں، ایک فریق کی جانب سے دوسرے فریق پر تیر اندازی کریں اور جو فریق حضرت علی کے لشکر میں پہنچے وہ فریاد کرے کہ حضرت طلحہ والوں نے عہد شکنی کی ہے اور جو حضرت طلحہ والوں کے لشکر میں ہوں وہ فریاد کریں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ والوں نے عہد شکنی کی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ یہ قتال اور دفاع دونوں فریق کی طرف سے مذکورہ نوعیت میں واقع ہوا تھا۔ یہی بات درست اور صحیح ہے۔

اس کو جنگ "جمل" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آخر کار اس لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت غالب آگئی اور دوسرے فریق کے اکابر حضرت زبیر اور حضرت طلحہ وغیرہم شہید ہو گئے اور یہ فریق مغلوب ہو گیا۔ اس کے بعد امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے ام المؤمنین کو حفاظتی انتظام کے ساتھ لایا گیا۔ حضرت علی نے سلام عرض کیے اور خیریت دریافت کی، حضرت صدیقہ نے فرمایا: میں بخیریت ہوں، اس کے بعد چند ایام بصرہ میں گذارنے کے بعد جب حجاز کی طرف سفر کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ضروریات سفر مہیا کر کے بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ روانہ فرمایا۔ چونکہ یہ واقعہ دشمنوں کی ناپاک حرکتوں کی وجہ سے سرزد ہوا اس لیے اس واقعہ پر دونوں فریقین کی طرف سے اظہارِ افسوس روایات بھی منقول ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اظہار افسوس:

عن قيس بن عبادة قال قال علي يوم الجمل يا حسن ليت اباك مات منذ عشرين سنة فقال له يا ابه قد كنت انهاك عن هذا قال يا بني اني لم ار ان الامر يبلغ هذا. (البدایہ لابن کثیر ج2 ص240)

حضرت امی عائشہ رضی اللہ عنہا کا اظہار افسوس:

فقالت انما اريد ان يحجز بين الناس مكاني قالت ولم احسب ان يكون بين الناس قتال ولو علمت ذالك لم اقف ذالك الموقف ابدا. (مصنف عبد الرزاق ج5 ص475 غزوات ذات السلاسل وخبر علی ومعاویہ)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا خیال تھا کہ میں اپنے مقام و مرتبہ کی بنا پر لوگوں کے درمیان جنگ و قتال سے مانع ہوں گی اور مجھے یہ گمان ہی نہ تھا کہ لوگوں کے درمیان لڑائی واقع ہو گی۔ اگر یہ بات مجھے پہلے معلوم ہوتی تو میں اس مقام پر ہرگز نہ پہنچتی۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

امی عائشہ رضی اللہ عنہا پر اعتراضات کا جائزہ:

جنگ جمل میں شرکت کی وجہ سے حضرت سیدہ ام المومنین عائشہ پر جو سطحی قسم کے اعتراضات کیے گئے ہیں ذیل میں ان میں سے کچھ اعتراضات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

اعتراض 1:

قرآن پاک میں ازواج مطہرات کو اپنے گھر میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا گیا ہے حضرت عائشہ نے جنگ جمل میں شرکت کر کے قرآن مجید کے احکام کی صریح خلاف ورزی کی ہے۔

جواب:

مشہور مثال ہے "المعترض کالاعمیٰ" یہی حال مذکورہ اعتراض کرنے والوں کا بھی ہے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت کریمہ "**و قرن فی بیوتکن ولا تبرجن**" میں استقرار فی البیوت کا جو حکم دیا گیا ہے وہ عام نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ایک خاص نوعیت اور کیفیت کے ساتھ ہے اور وہ جاہلیت کی رسم کے مطابق زیب و زینت کے ساتھ بغیر پردے کے گھر سے باہر نکلنا ہے۔ اعتراض کرنے والوں کے قول کے مطابق اگر امہات المومنین کو گھروں سے نکلنا منع ہوتا تو وہ درج ذیل احکام شرع پر کیسے عمل کرتیں حالانکہ بالاتفاق مندرجہ ذیل احکام ان کے حق میں بھی وارد ہوئے ہیں اور انہوں نے یہ امور سرانجام بھی دیے ہیں:

☆ حج و عمرہ کے لیے جانا

☆ غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانا

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے وقت اپنے حجروں سے نکل کر عیادت کے لیے حضرت عائشہ کے حجرہ مقدسہ میں جانا

☆ فوت شدگان کی تعزیت کے لیے جانا

☆ والدین اور اقارب کی ملاقات کے لیے تشریف لے جانا

☆ عیادت مریض کے لیے تشریف لے جانا

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب امہات المومنین سفر حج کے لیے جانے لگیں تو ان کے ساتھ محافظ کے طور پر سیدنا عثمان غنی اور سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف کو امیر المومنین سیدنا عمر فاروق نے روانہ کیا۔ (روح المعانی ج22 ص12 تحت الایہ قرن فی بیوتکن)

اس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کا اپنے گھروں سے نکلنا مطلقا منع نہ تھا، اس لیے امہات المومنین مذکورہ بالا امور شرعیہ کو پوری زندگی سرانجام دیتی رہیں اور دینی معاملات کو پورا کرنے کے لیے تستر اور حجاب کے ساتھ گھروں سے نکلتی رہیں اور آج گئے گزرے دور میں بھی پردہ نشین عورتیں ستر و حجاب کی پابندیوں کے ساتھ سفر کے لیے نکلتی ہیں خاص طور پر وہ سفر جو دینی، ملی یا دنیاوی مصالح پر مبنی ہو جیسے حج و عمرہ اور جہاد وغیرہ

جنگ جمل کے موقع پر ام المومنین سیدہ عائشہ نے بھی ایک دینی مصلحت یعنی اصلاح بین الناس اور مطالبہ قصاص از خلیفہ عادل کے لیے سفر اختیار فرمایا تھا جو کہ بالکل صحیح تھا اور اس کا جواز حج و عمرہ کی طرح ہے۔ چنانچہ امام المحدثین حضرت مولانا شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ سفر بھی اس نوعیت کا تھا کہ مسلمانوں میں باہم رخنہ پڑ گیا تھا اس کی اصلاح ہو اور امام عادل کے قتل کے قصاص کے مطالبہ میں سب مسلمان متفق اور شریک ہوں... آپ کا یہ سفر حج و عمرہ کے سفر کی مانند تھا۔

تحفہ اثنا عشریہ ص630 عالمی مجلس تحفظ اسلام کراچی

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اعتراض2:

حضرت عائشہ کا یہ سفر بغیر محرم کے تھالہذا، عند الشرع صحیح نہ تھا۔

جواب:

یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس لیے کہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سفر ایک نیک مقصد کے لیے تھااور شرعی محارم کے ہمراہ تھا، علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اماں جی کے ساتھ آپ کی بہنوں؛ حضرت اسماء اور ام کلثوم کے صاحبزادے اس سفر میں موجود تھے۔ امام المحدثین حضرت مولاناشاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دریں سفر عبداللہ بن زبیر همشیرہ زادہ حقیقی وے همراہ وے بود وطلحہ بن عبیداللہ شوهر خواهرش ام کلثوم بنے ابی بکر وزبیر بن العوام شوهر خواهر دیگرش بود اسماء بنت ابی بکر واولاد ایں هر دو نیز همراہ بود

تحفہ اثناء عشریہ ص330 طبع لاہور در تحت جواب طعن اول

نیز عظیم مفسر سید محمود آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وکان معها ابن اختها عبداللہ بن الزبیر وغیرہ من ابناء اخواتها ام کلثوم زوج طلحہ واسماء زوج الزبیر بل کل من معها بمنزلة الابناء فی المحرمیة وکانت فی هودج من حدید

روح المعانی ج22 ص10 تحت الایۃ وقرن فی بیوتکن

خلاصہ یہ ہے کہ اماں جی رضی اللہ عنہا کا یہ سفر محارم کے ساتھ ہوا تھا۔ اس لیے یہ اعتراض ساقط الاعتبار ہے۔

اعتراض3:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے یہ قتال حضرت علی سے عناد اور عداوت کی وجہ سے کیا تھااور اس میں ناکامی کی وجہ سے بعد میں شرمندگی کا اظہار کرتی تھیں اور رویا کرتی تھیں۔

نیز یہ اعتراض حضرت طلحہ اور حضرت زبیر پر بھی عائد ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں حضرات کو بھی حضرت علی کی خلافت سے شدید عداوت تھی، حضرت عثمان کے قصاص کا مطالبہ ایک بہانہ تھا۔

جواب:

اس اعتراض کے متعلق چند باتیں پیش خدمت ہیں:

[۱]: یہ اعتراض بھی جہلاء نے اہلِ بیتِ رسول سے بغض وعداوت کی وجہ سے وضع کیا ہے حالانکہ اہل بیت رسول کے ساتھ امیر المومنین سیدنا علی اور دیگر اصحاب رسول کا بہت ہی اچھا برتاؤ تھااور اہل بیت بھی حضرت علی المرتضی اور اصحاب رسول سے محبت ومودت کا تعلق رکھتے تھے۔

[۲]: واقعہ جمل پر صرف حضرت عائشہ نے ندامت اور افسوس کا اظہار نہیں کیا بلکہ امیر المومنین محبوب المسلمین سیدنا علی سے بھی اس واقعہ پر اظہار افسوس اور متاسفانہ کلام منقول ہے ذیل میں دو حوالے درج کیے جاتے ہیں:

1: سید محمود آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فقد صح انہ رضی اللہ عنہ لما وقع الانہزام علی من مع ام المومنین وقتل من قتل من الجمعین طاف فی مقتل القتلیٰ کان یضرب فخذیہ ویقول: یالیتنی مت من قبل هذا وکنت نسیا منسیا. (روح المعانی ج22ص11)

2 :امام المحدثین حضرت مولاناشاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت امیر قتلی را ملاحظہ فرمود. را نہائے خود را کوفتن گرفت و مے فرمود یالیتنی مت قبل هذا وکنت نسیا

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

منسیا. (تحفہ اثناء عشریہ ص335)

مذکورہ دونوں حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ امیر المومنین سیدنا علی نے جب جمل کے مقتولین پر نظر ڈالی تو اس وقت بے ساختہ طور پر اپنی رانوں پر ہاتھ مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ کاش میں اس سے قبل فوت ہو گیا ہوتا اور بھلا دیا گیا ہوتا۔

کیا معترضین اب حضرت علی کے بارے میں بھی وہی کہیں گے جو انہوں نے اماں جی کے بارے میں کہا ہے بلکہ اس مقام پر حضرت علی المرتضی کے کلام سے جو مراد لیا گیا ہے حضرت عائشہ کے فرمان میں بھی اسی قسم کا کلام پایا گیا ہے اور اس کا مقصد و محمل بھی وہی ہے۔

[۳]: حضرت اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کرام کا واقعہ جمل کے بعد اس پر تاسف کرنا اور پریشان ہونا خشیت الٰہی اور تقوی کی بناء پر تھا اور مسلمانوں کے باہم قتال اور افتراق بین المسلمین پر تھا۔ اس سے جانبین کی باہمی عداوت اور عناد کا تصور قائم کرنا اصل کلام کے محمل سے بعید تر ہے اور مقصد کلام کے خلاف ہے اور توجیہ القول بما لا یرضی بہ القائل کے قبیل سے ہے۔

اعتراض 4:

حضرت عائشہ نے جنگ جمل کے سفر میں نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی بلکہ اس پر جمی بھی رہیں وہ اس طرح کہ اہل تشیع کی عام روایات اور اہل السنۃ کی بعض روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ کا لشکر مکہ سے بصرہ کی طرح جب عازم سفر ہوا تو راستہ میں ایک ایسے مقام سے گزرا جہاں پانی تھا تو وہاں کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کہ یہ کونسا مقام ہے؟ تو محمد بن طلحہ نے جواب دیا کہ اس جگہ کو "حوآب" کہتے ہیں۔ یہ سن کر آپ فرمانے لگیں کہ "ردونی" مجھے واپس لے چلو کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنی ازواج مطہرات سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ تم میں سے اس کا کیا حال ہوگا جس پر حوآب کے کتے بھونکیں گے۔ اس پر حضرت طلحہ وزبیر اور لشکر کے دیگر نے تحقیق کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ مقام ماء الحوآب نہیں ہے۔ لوگوں کی شہادت کے بعد حضرت عائشہ نے پھر آگے سفر شروع کر دیا۔

اس روایت کی بناء پر مخالفین صحابہ سیدہ پر سخت معترض ہوئے کہ انہوں نے اس فرمان نبوی کی علانیہ مخالفت کی اور بصرہ کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔

جواب:

اس اعتراض کا جواب دو طرح سے دیا جا سکتا ہے:

1: روایت کے اعتبار سے 2: درایت کے اعتبار سے۔

روایت کے اعتبار سے:

[۱]: مستند کتب احادیث میں یہ روایت نہیں ہے۔

[۲]: واقعہ کی اکثر سندوں کا آخری راوی قیس بن ابی حازم ہے جس کے بارے میں علماء رجال نے تصریح کی ہے کہ یہ شخص منکر الحدیث ہے اور اس سے کئی منکر روایات مروی ہیں جن میں سے ایک روایت "کلاب الحوآب" بھی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن الحجر العسقلانی تحریر کرتے ہیں:

قال ابن المدینی قال لی یحیی بن سعید: قیس بن ابی حازم منکر الحدیث ثم ذکر لہ یحیی احادیث مناکیر منہا حدیث کلاب الحوآب. (تہذیب التہذیب ج8 ص388 تحت قیس بن ابی حازم)

[۳]: اس واقعہ کی بعض روایات میں عبد الرحمان بن صالح ازدی پایا جاتا ہے جس کے بارے میں علماء رجال نے تصریح کی ہے کہ یہ جلنے والا شیعہ ہے اور صحابہ کرام کے حق میں مثالب و مصائب کی بری روایات بیان کرتا ہے اور کوفہ کے مشہور غالی جلنے والے شیعوں میں سے ہے۔

(الکامل لابن عدی ج4 ص1627 تحت عبد الرحمان بن صالح، العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیۃ لامام ابن الجوزی ج2 ص366)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

[۴]: عظیم محقق مولانا محمد نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس واقعہ کی عام روایات عموماً عند المحدثین سقیم پائی جاتی ہیں اور بیشتر علماء کے نزدیک اس واقعہ کی روایت منکر و مجروح ہیں۔

(سیرت سید علی المرتضی ص 241)

[۵]: واقعہ حوآب مورخین کے نزدیک کوئی متفق علیہ امر نہیں ہے کہ جس کا انکار کرنا مشکل ہو کیونکہ قدیمی مورخین میں سے اکثر نے اس واقعہ کو اس مقام میں ذکر ہی نہیں کیا شہادت کے طور پر ہم فریقین کے ایک ایک مؤرخ کا فقط نام ذکر کرتے ہیں:

1: خلیفہ بن خیاط م 240ھ

2: صاحب اخبار الطوال احمد بن داود دینوری شیعی م 282ھ

بعض مورخین نے اس واقعہ کو ذکر کیا ہے لیکن اس کی سند انتہائی کمزور اور مجروح ہے مثلاً مورخ الطبری نے اپنی تاریخ میں اپنی سند کے ساتھ اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور اس کی سند علماء فن کے نزدیک مجروح ہے۔ مثلاً:

1: طبری کا استاد اسماعیل بن موسی فزاری ہے جو غالی شیعہ ہے

2: پھر اس کا استاد علی بن عابس الرزاق بالکل غیر معتبر ہے۔

3: اس کے بعد دو راوی ابو الخطاب الہجری اور صفوان بن قبیصہ الاحمسی دونوں مجہول ہیں

4: پھر ان سے اوپر والے راوی صاحب الجمل العرنی اور اس کے بعد العرش کو ایک سوار ملتا ہے العرنی اور سوار دونوں مجہول ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ طبری کی یہ روایت مذکورہ بالا کوائف کی وجہ سے بالکل بے حکم ہے، ہرگز قابل اعتماد نہیں ہے، بعد والے لوگوں نے طبری سے ہی نقل کی ہے۔

درایت کے اعتبار سے:

اگر بالفرض "روایت حوآب" کو درست تسلیم کر لیا جائے اور علماء کی تنقیدات سے صرف نظر کر لیا جائے تب بھی درایت کے اعتبار سے جواب یہ ہے کہ پیش کردہ روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عامر کے پانیوں سے گزرنے سے منع نہیں فرمایا اور نہ ہی اس کی طرف کوئی اشارہ پایا جاتا ہے بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ازواج مطہرات کو بطور پیش گوئی یہ ارشاد فرمایا تھا کہ تم میں ایک کو یہ مصیبت پیش آئے گی جو بعد میں صحیح ثابت ہوئی۔ اس حدیث سے نہی سمجھنا اور مخالفت رسول پر اصرار اور ضد کی نسبت سیدہ صدیقہ کی طرف کرنا بالکل غلط ہے اور سیدہ اس اعتراض سے بری ہیں۔

﴿جنگِ صفین﴾

بلادِ شام کی مشرق جانب میں ایک مقام ہے جس کا نام "صفین" ہے۔ وہاں فریقین کی جماعتوں کا اجتماع ہوا۔ یہ محرم 37ھ کا واقعہ ہے۔

فریقین کا موقف:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس مسئلہ میں موقف یہ تھا کہ فریق مقابل کے مطالبہ قصاصِ دمِ عثمان کی صورت یہ ہونی چاہیے کہ پہلے بیعت کریں، اس کے بعد اپنا قصاص عثمانی کا مطالبہ مجلس خلیفہ میں پیش کریں۔ بعد ازاں حکم شریعت کے مطابق اس مطالبہ کا شرعی فیصلہ کیا جائے گا۔ (البدایہ لابن کثیر ج 8 ص 127 تحت ترجمہ معاویہ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت میں متعدد صحابہ کرام تھے جو ملک شام میں رہتے تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً شہید کے گئے ہیں اور ان کے قاتلین علوی جیش میں موجود ہیں، لہٰذا ان سے قصاص لیا جائے اور ہمارا مطالبہ صرف

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے خلافت کے بارے میں ہمارا نزاع نہیں ہے۔

واما الخلافة فلسنا مطلبها. (الفتنۃ وقعۃ الصفین لنصرین تراجم المنقری الشیعی ص70)

حجة معاوية ومن معه ماوقع معه من قتل عثمان رضی الله عنه مظلوماً ووجود قتلته باعيا نهم فی العسكر العراقی

(فتح الباری ج3 ص246 کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

وليس المراد بما شجر بين علی رضی الله عنه ومعاوية رضی الله عنه المنازعة فی الامارة كما تو همه بعضهم وانما المنان عنه كانت بسبب تسليم قتلة عثمان رضی الله تعالىٰ عنه الىٰ عشيرته ليقتصوا منهم.

(کتاب الیواقیت والجواہر ج2 ص27 المسامرۃ للکمال بن ابی شریف ص159،158)

مندرجہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں فریقین کے موقف سامنے آ گئے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطالبہ پر حضرت رضی اللہ عنہ طرف سے جو رائے تھی وہ درج ذیل ہے:

لان عليا كان راى ان تاخير تسليمهم اصوب اذ العبادة بالقبض عليهم مع كثرة عشائرهم واختلاطهم بالعسكر يودی الىٰ اضطراب امر الامارة. (کتاب الیواقیت والجواہر ج2 ص77 الصواعق المحرقۃ مع تطہیر الجنان ص216)

لہذا تعجیل کی بجائے تاخیر کرنی چاہیے۔

فریقین کے موقف یہی تھے۔ اور دونوں اپنے اپنے نظریات پر شدت کے ساتھ قائم رہے تا آنکہ یہ واقعہ پیش آیا۔

ایک اشکال مع جواب:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عام اشکال یہ ہوتا ہے کہ مطالبہ کا حق وارث کو ہوتا ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مطالبہ کیوں کیا؟

اس کا جواب خود شیعہ کتب میں موجود ہے:

ان معاوية يطلب بدم عثمان ومعه ابان بن عثمان وولد عثمان رضی الله عنه.

(کتاب سلیم بن قیس الکوفی الہلالی العامری الشیعی ص153 مطبوعہ نجف)

یعنی دمِ عثمان کے قصاص کے مطالبہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابان بن عثمان اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دیگر فرزند شامل تھے۔

اختلاف کو ختم کرنے کی کوششیں:

فریقین کے درمیان اس دور کے بعض اکابر حضرات کے ذریعے اس اختلاف کو ختم کرنے کی کوششیں کی گئیں اور یہ کوشش کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قیام گاہ سے حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ کی وساطت سے شروع ہوئی اور دیگر حضرات کے ذریعے نخلیہ اور صفین کے مقامات پر قیام کے دوران بھی یہ کوشش جاری رہی۔ (البدایہ ج7 ص258، 253 سیر اعلام النبلاء للذہبی ج3 ص93)

لیکن فریقین اپنے موقف سے دستبردار نہ ہوئے آخر قتال کی صورت پیش آئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فتراسلوا فلم يتم لهم امر فوقع القتال الىٰ ان قتل من الفريقين (فتح الباری ج13 ص73)

جانبین میں مراسلت ہوئی لیکن کسی بات پر معاملہ طے نہ ہو سکا تو قتال واقع ہوا اور فریقین سے لوگ مقتول ہوئے۔

ان کی صحیح تعداد اللہ کو معلوم ہے۔ جیسے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فقتل فی هذا الموطن خلق كثير من الفريقين لا يعلمهم الا الله. (البدایہ ج7 ص271)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

البتہ جن اکابر کی اس قتال میں شہادت ہوئی ہے ان میں حضرت عمار بن یاسر، حضرت خزیمہ بن ثابت، رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں تھے اور حضرت عبید اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما، حضرت ذوالکفل اور حوشب رضی اللہ عنہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے شہید ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

بعض مورخین کے قول کے مطابق بدھ، جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کی رات ماہ صفر 37ھ کے اوقات اس جنگ میں مشکل ترین تھے اور ان ایام میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ (البدایہ ج7ص 261)

آخر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے صلح کی دعوت ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول کیا اور طے ہوا کہ ہر فریق کی طرف سے ایک ایک حکم اس مسئلے کے فیصلے کے لیے منتخب کیا جائے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص فیصل تسلیم کیے گئے اور طے ہوا کہ ہر دو فریق کے یہ دونوں فیصل دومۃ الجندل کے مقام پر جمع ہو کر فیصلہ کریں گے۔

(تاریخ خلیفہ ابن خیاطِ ج1ص174،173 العبر للذھبی ج1ص43)

اعتراض:

مخالفین کی طرف سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت پر سب وشتم اور لعن طعن کیا جاتا تھا۔

جواب:

اس اعتراض کے کئی جوابات ہیں، ان میں سے دو تین درج کیے جاتے ہیں:

1: جن روایات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فریق مقابل کو سب وشتم کرنے کا ذکر ہے وہ سب روایات قواعد فن کی رو سے درست نہیں۔ ان کے راوی اور ناقلین مجروح اور مردود الروایۃ ہیں۔ مثال کے طور پر اس قسم کی روایات کے راوی ابو مخنف لوط، یحیی، ابو جناب یحیی بن ابی حی کلبی اور ہشام بن سائب کلبی ہیں اور یہ لوگ علماء رجال کے نزدیک کذاب، دجال، جھوٹے، مفتری، شیعہ امامیہ اور رافضی ہیں اور یہ لوگ روایات میں اپنی طرف سے ملاوٹ کرنے والے اور دروغ گوئی کرنے والے ہیں۔ اس لیے ان کی روایات ناقابل اعتبار اور متروک ہیں۔

2: بعض اوقات کلام میں الفاظ تو سختی اور تلخ قسم کے پائے جاتے ہیں لیکن ان سے مراد گالی گلوچ نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات باہمی درشت کلامی، سخت گوئی اور تلخ نوائی کو راوی سب وشتم سے تعبیر کر دیتے ہیں ایسے مواقع پر صرف فریق مخالف کے عیوب کی نشان دہی کرنا اور دوسرے کی رائے کو غلط اور اپنی رائے کو درست ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے، لعن طعن اور گالی مقصود نہیں ہوتی۔

3: اگر بالفرض کسی جگہ روایات میں سب وشتم اور لعن طعن پایا بھی جائے تو اس کے مقابل ان روایات پر بھی نظر ڈالنے کی اشد ضرورت ہے جن روایات میں سب وشتم اور لعن طعن سے منع کیا گیا ہے۔ پھر ان متقابل روایات میں قاعدہ "والمحرم مقدم علی المبیح" کے مطابق تطبیق دی جائے گی اور سب وشتم اور لعن وطعن سے منع کرنے والی روایات کو اباحت والی روایات پر ترجیح دی جائے گی۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عصمت انبیاء علیہم السلام

از افادات: متکلمِ اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

چند تمہیدی باتیں:

خدا کی مخلوق میں خدا کے بعد سب سے بڑا مرتبہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔ یہ ہستیاں دنیا کے لیے خدا کے خلیفہ ہیں اور ”تخلقوا باخلاق اللہ“ کے سب سے بڑے نمونے ہیں، اللہ کی اطاعت وعبودیت کے سب سے اونچے پیکر، مجسم العلوم ومعرفت الٰہیہ کے سب سے زیادہ عالم وعارف، خدا کی ذات وصفات کے ہمہ وقتی مشاہدہ واستحضار سے مستفید ومستنیر..... غرض جتنی خوبیاں اور جتنے اوصافِ کمال خدا کی ذات کے بعد کسی مخلوق میں جمع ہوسکتے ہیں وہ سب انبیاء ومرسلین علیہم السلام میں جمع ہوئے ہیں، اسی لیے کسی ایک نبی کے مرتبہ کمال علمی وعملی کو بڑے سے بڑا ملک مقرب بھی نہیں پہنچ سکتا اور اپنے اپنے دور کے ہر نبی کو ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“ کا مصداق کہا جاسکتا ہے، اسی لیے امت ان کے معصوم ہونے کا اعتقاد رکھتی ہے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام کے اعتقاد رکھنے کے بعد ان انبیاء ومرسلین میں بھی فرق مراتب ہو ابدلیل: ”تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ“ اور خدا تعالیٰ کی لانہایہ بارگاہ کے مراتب قرب بھی بے نہایت ہیں۔

خصائص نبوت:

مسئلہ عصمت انبیاء علیم السلام میں غور وخوض کرنے کے لیے سب سے اہم نکتہ چونکہ انبیاء علیہم السلام کی صفات وملکات اور ان کے خصائص سے بحث ہے، اس لیے ضروری ہے کہ یہاں پہلے چند سطور میں ان کے جوہر فطرت، صفات وملکات اور ان کے خصائص سے بحث کی جائے۔

سلاطین عالم کسی شخص کو مسند وزارت کے لیے منتخب کرتے وقت چند چیزوں کا لحاظ رکھتے ہیں:

☼ ایسے شخص کو منتخب کرتے ہیں جو ان کا نہایت ہی مطیع اور مخلص ہو، حکومت کا پورا وفادار اور خیر خواہ ہو۔

☼ اخلاق حسنہ، اوصاف جمیلہ اور محامد ومکارم سے آراستہ ہو، زمائم اور محضرات الامور سے بالکلیہ مبرا ومنزہ ہو۔

☼ حسب ونسب میں سب سے زیادہ فائق وبرتر ہو۔

☼ فہم وفراست اور عقل وفطانت میں سب سے اعلیٰ وارفع ہو، نیز سفاہت وغباوت وقصور عقل کے دھبہ سے بالکل پاک ہو۔

☼ صدق وامانت اس کا طرہ امتیاز ہو، کذب وخیانت کے توہم سے بھی بمراحل بعید ہو۔

☼ دربار شاہی کے آداب کی پوری پوری رعایت رکھتا ہو، اس کی کسی حرکت اور سکون سے بادشاہ کی ہمسری کا ادعاء متوہم نہ ہوتا ہو، دیگر وزراء کے ساتھ اس کا معاملہ ان کے منصب وزارت اور شان تقرب کے مناسب ہو۔

بالکل اسی طرح ملیک مقتدر اور احکم الحاکمین کے وزراء کو کہ جن کو انبیاء ورسل سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ:

☆ ان کے قلوب میں اس ملیک مقتدر کی محبت واطاعت اس درجہ راسخ ہو کہ ارادہ معصیت کی بھی گنجائش نہ رہی ہو اور اسی فطری اجتناب عن المعاصی کا نام ”عصمت“ ہے۔ نیز ایمان واسلام سے ان کا قلب اس درجہ لبریز ہو کہ کفر وشرک کے لیے جزءلایتجزی کی مقدار کی بھی اس میں جگہ نہ ہو۔

☆ ان کی فطرت اخلاق حسنہ، اوصاف جمیلہ، محامد وفضائل اور مکارم وشمائل سے مزین ومجلّٰی ہو، قابل نفرت امور سے بالطبع متنفر ہوں اور ان کے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نفوس قدسیہ تمام رزائم سے منزہ ہوں۔ (اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لہسن وپیاز کا استعمال نہ فرماتے تھے، وجہ یہ فرماتے تھے کہ میں جس سے کلام ومناجات کرتا ہوں تم اس سے کلام ومناجات نہیں کرتے)

☆ یہ کہ ان کا حسب ونسب نہایت پاک ومطہر ہو، اسی وجہ سے ابوسفیان کو ہرقل کے سامنے یہ اعتراف کرنا پڑا کہ "**ھو فینا ذو نسب**" کہ وہ ہم میں بڑے نسب والے ہیں۔

☆ یہ کہ وہ فہم وفراست کے اعتبار سے سب سے ارفع واکمل ہوں، قصور فہم سے کوسوں دور ہوں۔

☆ صدق وامانت کے ساتھ متصف اور غدر وخیانت سے بالکلیہ پاک ہوں۔

☆ ان کا کلام ذات وحدہ لاشریک لہ کی ہمسری کے رائحہ سے بھی پاک ہو، نیز یہ کہ ان کا ایک دوسرے کی تحقیر کرنا محال ہو۔

الحاصل: اس ملیک مقتدر اور احکم الحاکمین نے اپنی خلافت ووزارت کے لیے انبیاء علیہم السلام کو منتخب فرمایا ہے مگر چونکہ وہ علیم وخبیر بما فی الصدور اور یعلم السر واخفیٰ بھی ہے، اس لیے وہ اپنی نیابت ووزارت کے لیے ایسے ہی اشخاص کو منتخب فرماتا ہے جو ظاہراً اور باطناً ہر طرح سے خدا کے مطیع وفرمانبردار ہوں، پورے مخلص اور جانثار ہوں، یہ ناممکن وقطعاً محال ہے کہ وہ علیم وخبیر غلطی سے کسی ایسے شخص کو اپنی خلافت کے لیے منتخب کرے جو بظاہر تو اس کا مطیع وفرمانبردار ہو لیکن باطناً اس کا نافرمان ہو اور فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہیاں تک کر جانے والا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور کبھی بھی مرتبہ نبوت اور منصب رسالت سے علیحدہ نہیں کیے جاتے بخلاف سلاطین عالم کے کہ ان کے انتخاب میں بسا اوقات غلطی ہو جاتی ہے اور وہ غیر مطیع کو مطیع سمجھ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مرتبہ سلاطین کو اس کی ضرورت پیش آتی ہے کہ وزراء کو منصب وزارت سے علیحدہ کیا جائے۔

(از عقائد اسلام)

مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام پر بحث کرنے سے پہلے "عصمت انبیاء" کا معنی معلوم کر لینا ضروری ہے۔

عصمت انبیاء کا معنی:

"عصمت" کا معنی بعض حضرات نے اگرچہ "عدم قدرت علی المعصیہ" سے کیا ہے لیکن یہ رائے مرجوح ہے کیونکہ اس میں انبیاء علیہم السلام کا کمال ظاہر نہیں ہوتا۔ اس لیے جمہور علماء اہل السنۃ کے نزدیک عصمت کے مختار معنی یہ ہیں کہ عصمت ایک ایسا خلق ہے جو معصوم کو باوجود قدرت علی المعصیۃ کے معصیت سے روکتا ہے اور معصوم ترک معصیۃ میں مجبور نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت مولانا دوست محمد کابلی رحمہ اللہ اپنی کتاب "تحفۃ الاخلاء فی عصمۃ الانبیاء" میں تحریر فرماتے ہیں:

واختلف فی معنی العصمۃ قال بعضھم انھا عبارۃ عن عدم قدرۃ المعصیۃ والمختار عند الجمھور انھا عبارۃ عن خلق مانع من ارتکاب المعصیۃ غیر ملجٍ حتی لا یکون المعصوم مضطرا فی ترک المعصیۃ وفعل الواجب. (ص15)

ترجمہ: عصمت کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ عصمت عدم قدرت علی المعصیۃ کو کہتے ہیں اور جمہور کے نزدیک مختار معنی یہ ہے کہ عصمت ایک ایسی خصلت کا نام ہے جو معصوم کو ارتکاب معصیۃ سے بلا کسی جبر واکراہ کے منع کرتی ہے حتی کہ معصوم ترک معصیۃ اور فعل واجب میں مجبور نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ عصمت کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

"عصمت" کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اقوال ہوں یا افعال، عبادات ہوں یا عادات، معاملات ومقامات ہوں یا اخلاق واحوال، ان سب کو اللہ اپنی قدرت کاملہ سے نفس وشیطان کی دخل اندازی سے محفوظ فرماتا ہے خواہ وہ خطاء ونسیان کی صورت سے ہی کیوں نہ ہو اور حفاظت ونگرانی کرنے والے اپنے فرشتے ان کے ساتھ رکھتا ہے تاکہ غبار بشریت بھی ان کے دامن پاک پر ذرا سا دھبہ نہ لگا سکے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مطلب یہ ہوا کہ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ہمہ وقتی حفاظت و نگرانی کا نام ''عصمت'' ہے۔

فائدہ جلیلہ:

''عصمت'' اور ''حفاظت'' کے درمیان فرق

اس مقام پر اس فرق کو ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اور اس سے ہمارا مقصد صحابہ کرام علیہم الرضوان سے متعلق ان حضرات کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا ازالہ ہے جو عصمت اور حفاظت کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے اور حفاظت کے معنی میں غور نہ کرنے کی وجہ سے صحابہ کرام کی محفوظیت میں ایک حد تک قصداً پیچیدگیاں پیدا کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ عصمت و حفاظت میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انبیاء معصوم اور اولیاء محفوظ ہیں۔ معصوم وہ ہے کہ اس سے باوجود استعدادِ گناہ کے گناہ سرزد ہونا محال ہو اور محفوظ وہ ہے کہ گناہ تو اس سے ممکن ہو گرچہ واقع نہ ہو۔ پہلی صورت مستلزم محال ہے دوسری ممکن غیر واقع۔

(منقول از ہفت روزہ خدام الدین لاہور بابت 22 ذوالحجہ 1392ھ 26 جنوری 1973ء)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے شیخ اکبر رحمہ اللہ کے حوالہ سے ''عصمت و حفاظت کا فرق'' خوب واضح کر کے بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

حضرات انبیاء کرام ہر وقت بارگاہِ خداوندی میں مقیم رہتے ہیں، کسی وقت حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور جلال ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت انبیاء معاصی سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ بارگاہ خداوندی میں آتے جاتے رہتے ہیں مگر مقیم نہیں، اس لیے اولیاء معاصی سے محفوظ تو ہوتے ہیں مگر معصوم نہیں ہوتے اور ''عصمت'' اور ''حفاظت'' میں یہ فرق ہے کہ اولیاء بسا اوقات مباحات اور جائز امور کو محض حظ نفس اور طبعی میلان اور خواہش کے لیے کر گزرتے ہیں مگر حضرات انبیاء کسی وقت بھی طبعی میلان اور حظ نفس کے لیے مباح اور جائز امر کا ارتکاب نہیں فرماتے۔ ہاں جب کسی شئے کی عند اللہ اباحت اور اس کا خدا کے نزدیک جائز ہونا بتلانا مقصود ہوتا ہے تب اس مباح کو استعمال فرماتے ہیں تاکہ امت کو نبی کے کرنے سے اس فعل سے اس کا مباح اور جائز ہونا معلوم ہو جائے۔ (تفسیر معارف القران ج1 ص146)

عبارت واضح ہے مزید تشریح کی ضرورت نہیں اس سے بھی زیادہ آسان اور عام فہم تعبیر اس کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ معصوم وہ ہے جس سے برائی کو دور رکھا جاتا ہے اور محفوظ وہ ہے جس کو برائی سے دور رکھا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات سے اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً معصوم کے سلسلہ فرمایا: ''لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوٓءَ وَالْفَحْشَآءَ'' اور محفوظین کے بارے میں فرمایا: ''وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا''۔

حاصل ان تمام تعبیرات کا یہی ہے کہ معصوم و محفوظ جس طرح عدم صدور گناہ میں دونوں برابر ہیں اس طرح عصمت و حفاظت دونوں کے وہبی ہونے میں بھی کوئی فرق نہیں البتہ دلیل اور طریق حصول میں دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں یعنی یہ کہ عصمت پر دلیل عقلی ہوتی ہے اور حفاظت پر دلیل عقلی نہیں ہوتی۔ نیز یہ کہ عصمت جس طرح بذات خود وہبی ہے بالکل اسی طرح اس کا حصول بھی بالکلیہ وہبی ہے، کسی قسم کے کسب پر موقوف نہیں بخلاف حفاظت کے کہ یہ بذاتِ خود تو اگرچہ وہبی ہے لیکن اس کا حصول عبادت و ریاضت ریاضتِ روحانی محنت و مشقت اور کسی کامل کی مکمل روحانی تربیت پر موقوف ہے۔

اور ظاہر بات ہے کہ تربیت چونکہ سالک کی ریاضت و مشقت ہے اس لیے اونچ نیچ بھی ممکن ہے لیکن مقام محفوظیت پر سرفراز ہو چکنے کے بعد دوران تربیت کی ان خامیوں کو کسی محفوظ کی سیرت و کردار، عدالت و ثقاہت، دیانت و امانت اور صداقت و تزکیہ نفس پر بحث کا دارو مدار قطعاً نہیں بنایا جا سکتا، اس کو نہ عقل باور کرتی ہے اور نہ ہی اس پر کوئی معتبر نقل پیش کی جا سکتی ہے بلکہ اس کا تمام تر انحصار تو اس سند پر ہوا کرتا ہے جو

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تکمیل تربیت کے بعد ممتحن نے امتحان لے کر اس کو عطاء کیا ہے۔ اس سے یہ بات خود بخود ثابت ہو گئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو معصوم تو اگرچہ نہیں لیکن محفوظ یقیناً ہیں، کی عدالت وصداقت اور دیانت وامانت کو ان کی تربیت کے دوران ہونے والی اونچ پیچ کی روشنی میں نہیں بلکہ احکم الحاکمین جیسے ممتحن کی طرف سے 23 سالہ سخت ترین امتحان نہیں بلکہ امتحانات کے بعد اعلیٰ ترین کامیابیوں کی ایک نہیں بلکہ "أُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ"، "أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا"، "أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ" جیسی متعدد اسناد کی روشنی میں جانچنا پرکھنا ہو گا۔ لہٰذا صحابہ کرام پر زبان طعن دراز کرنے والوں کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام کوئی معصوم ہیں؟ بالکل لغو اور بیہودہ سوال ہے۔ مانا کہ معصوم نہیں لیکن محفوظ تو ہیں اور پھر ان کے بارے میں معصوم کی صرف ایک شہادت نہیں بلکہ متعدد شہادات موجود ہیں، پھر ان نفوس قدسیہ پر زبان طعن دراز کرنے کی کیا گنجائش رہی؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انبیاء ورسل معصوم ہیں اور عصمت ان کی ایسی مخصوص صفت ہے کہ کوئی فرد بشر ان کی اس صفت میں ان کے ساتھ شریک نہیں۔

عصمت انبیاء علیہم السلام پر دلائل

از قرآن مجید:

دلیل نمبر 1

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ [المائدہ:92]

ترجمہ: اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور (نافرمانی سے) بچتے رہو اور اگر تم (اس حکم سے) منہ موڑو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول پر صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صاف صاف طریقے سے (اللہ کے حکم کی) تبلیغ کرے۔

دلیل نمبر 2

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ الآیۃ [النور:54]

ترجمہ: (ان سے) فرما دیجئے کہ اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کے فرمانبردار بنو۔

دلیل نمبر 3

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ [النساء:59]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو۔

ف:

ان آیات میں اللہ رب العزت نے اپنی اطاعت کے ساتھ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔ اگر رسولِ خدا علیہ السلام معصوم نہ ہوتے تو اللہ ان کی اطاعت کا کبھی حکم نہ دیتا۔

دلیل نمبر 4

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا [النساء:80]

ترجمہ: جو شخص رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو (اطاعت سے) منہ پھیرے تو (اے پیغمبر!) ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا (کہ آپ کو ان کے عمل کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے)۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر5

وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذۡنِ اللَّهِ [النساء:64]

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول اس کے سوا کسی اور مقصد کے لیے نہیں بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

دلیل نمبر6

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيمًا [الاحزاب:71]

ترجمہ: جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے وہ کامیابی حاصل کرلی جو زبردست کامیابی ہے۔

دلیل نمبر7

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ [الانفال:1]

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم واقعی مؤمن ہو۔

دلیل نمبر8

وَإِن تُطِيعُوهُ تَهۡتَدُوا [النور:54]

ترجمہ: اگر تم ان کی فرمانبرداری کروگے تو ہدایت پاجاؤ گے۔

ف: ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا علامتِ ایمان اور فلاح وکامیابی کا سبب ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب مطاع معصوم ہو ورنہ ایمان کامل ملے گا نہ فلاح وکامیابی۔

دلیل نمبر9

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الۡهَوَىٰ. إِنۡ هُوَ إِلَّا وَحۡيٌ يُوحَىٰ [النجم4،3]

ترجمہ: اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

دلیل نمبر10

إِنۡ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ [الاحقاف:9]

ترجمہ: میں کسی اور چیز کی نہیں صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے بھیجی جاتی ہے۔

دلیل نمبر11

وَمَآ آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمۡ عَنۡهُ فَانتَهُوا [الحشر:7]

ترجمہ: رسول تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔

دلیل نمبر12

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ [الاحزاب:21]

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

دلیل نمبر13

قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ اللَّهُ [آل عمران:31]

ترجمہ: (اے پیغمبر لوگوں سے) فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ف: ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے حکم اور منع کرنے کو وحی کا پابند بتلایا گیا ہے۔ تو ایسا شخص جو اپنے بولنے میں وحی کا پابند ہے وہ اللہ کا نافرمان نہیں ہو سکتا۔

دلیل نمبر 14

وَجِئۡنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيۡدًا [النساء:41]

ترجمہ: اور ہم آپ کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں کیونکہ فاسق کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔

دلیل نمبر 15

أَتَأۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ أَنۡفُسَكُمۡ [البقرة:44]

ترجمہ: کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟

ف: حضرات انبیاء علیہم السلام کا کام قوم کو نیکی کا درس دینا ہے۔ تو اگر خود نافرمان ہو جائیں معاذ اللہ تو پھر مقصدِ رسالت کو مفقود کر کے "لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ" کا مصداق بن جائیں گے اور یہ محال ہے۔ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔

احادیث مبارکہ

1: عن عبد الله بن عمرو قال كنت أكتب كل شىء أسمعه من رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أريد حفظه فنهتنى قريش وقالوا أتكتب كل شىء تسمعه ورسول الله -صلى الله عليه وسلم- بشر يتكلم فى الغضب والرضا فأمسكت عن الكتاب فذكرت ذلك لرسول الله -صلى الله عليه وسلم- فأومأ بأصبعه إلى فيه فقال «اكتب فوالذى نفسى بيده ما يخرج منه إلا حق».

[سنن ابی داود ج2 ص514، مسند احمد ج2 ص162 رقم الحدیث 6510]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات سنتا تھا اس کو لکھ لیا کرتا تھا تاکہ اسے محفوظ کروں۔ قریش نے مجھے اس بات سے روکا اور کہنے لگے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہر بات لکھ لیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو انسان ہیں، خوشی اور غمی میں کلام کرتے ہیں۔ تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپ علیہ السلام نے اپنی انگلی کا اشارہ اپنے منہ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: تم لکھا کرو! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس منہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

ف: سب سے زیادہ گناہ عموماً زبان سے صادر ہوتے ہیں۔ تو جس ذات کی زبان ہی قبضہ خدا میں ہے تو اس شخصیت سے گناہ کا خیال کیونکر کیا جا سکتا ہے؟!

2: عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ --- مَنۡ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلۡيَتَبَوَّأۡ مَقۡعَدَهُ مِنَ النَّارِ

[صحیح البخاری: ج1 ص21]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔

ف: جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جھوٹ کی نسبت کو گناہ قرار دے رہے ہیں تو خود اس گناہ کے مرتکب کیسے ہو سکتے ہیں؟

3: أخبرنا عبد الرزاق عن معمر عن الزهرى أو قتادة - أو كلاهما - أن يهوديا جاء يتقاضى رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال له النبى صلى الله عليه و سلم قد قضيتك فقال اليهودى بينتك قال فجاء خزيمة بن ثابت الأنصارى فقال أنا أشهد أنه قد

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

قضاك فقال النبی صلی الله علیه و سلم و ما یدریك قال إنی أصدقك بأعظم من ذلك أصدقك بخبر السماء فأجاز رسول الله صلی الله علیه و سلم شهادته بشهادة رجلین [مصنف عبد الرزاق: ج11 ص236]

ف: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم نہ ہوتے تو اتنے بڑے دعویٰ کی حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کبھی بھی تصدیق نہ کرتے۔

4: عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ.

[مصنف ابن ابی شیبۃ: ج11 ص546]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس میں اللہ کی نافرمانی ہو۔

5۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ [صحیح البخاری: ج2 ص1057، صحیح مسلم ج2 ص125]

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان آدمی پر (اپنے امام یا بادشاہِ اسلام کی) اطاعت لازم ہے خوشی یا ناخوشی ہر حال میں جب تک اسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے، پھر جب (امام یا بادشاہِ اسلام کی طرف سے) اسے گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سنے نہ اطاعت کرے۔

6۔ عن أبی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من أطاعنی فقد أطاع الله ومن یعصنی فقد عصی الله

[صحیح مسلم ج2 ص124]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

ف: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مطلقہ ہر مسلمان پر واجب ہے، اسی لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اطاعت ونافرمانی کو اللہ کی اطاعت ونافرمانی بتلایا اور مخلوق کی ایسی اطاعت سے روکا جس سے خالق کی نافرمانی ہوتی ہو۔ یہ آپ علیہ السلام کے معصوم ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اجماعِ اُمّت اور اقوال ائمہ کی روشنی میں:

1: امام اعظم امام ابو حنیفہ (م150ھ) فرماتے ہیں:

الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام کلهم منزهون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح.

[الفقہ الاکبر ص2، العقیدۃ الحنفیہ ص203]

ترجمہ: سارے انبیاء علیہم السلام صغیرہ، کبیرہ گناہوں اور کفر اور بے ہودہ کاموں سے پاک ہیں۔

2: قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (م544ھ) فرماتے ہیں:

اَلْاِجْمَاعُ عَلَى الْعِصْمَةِ عَنِ الْكَبَائِرِ بِلاَ قَيْدٍ عَمْدًا وَسَهْوًا.

النبراس شرح شرح العقائد: ص283)

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، نہ عمداً کرتے ہیں نہ سہواً اسی پر اجماع ہے۔

3: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (م671ھ) لکھتے ہیں:

الانبیاء معصومون عن الخطاء والغلط فی اجتهادهم.

[قرطبی ج2 ص2058]

ترجمہ: انبیاء اپنے اجتہاد میں خطاء اور غلطی سے معصوم ہوتے ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

4: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م1014ھ) بعض محققین سے نقل فرماتے ہیں:

اِجْمَاعُ الصَّحَابَۃِ رضی اللہ عنہم عَلَی التَّاَسِّیْ بِہٖ صلی اللہ علیہ و سلم فِیْ اَقْوَالِہٖ وَاَفْعَالِہٖ وَسَائِرِ اَحْوَالِہٖ حَتّٰی فِیْ کُلِّ حَالَاتِہٖ مِنْ غَیْرِ بَحْثٍ وَلَا تَفَکُّرٍ بَلْ بِمُجَرَّدِ عِلْمِہِمْ اَوْظَنِّہِمْ بِصُدُوْرِ ذٰلِكَ عَنْہُ دَلِیْلٌ قَاطِعٌ عَلٰی اِجْمَاعِہِمْ عَلٰی عِصْمَتِہٖ وَتَنَزُّھِہٖ عَنْ اَنْ یَّجْرِیَ عَلٰی ظَاھِرِہٖ اَوْبَاطِنِہٖ شَیْءٌ لَایُتَاَسّٰی بِہٖ فِیْہِ مِمَّا لَمْ یَقُمْ دَلِیْلٌ عَلَی اخْتِصَاصِہٖ.

(المرقات شرح المشکوۃ:ج1ص220)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تمام احوال میں بغیر کسی بحث و تفکر کے محض یہ جانتے ہوئے کہ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے آپ کی اتباع پر متفق ہو جانا واضح دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ کی عصمت پر اجماع ہے اور اس پر بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہراً و باطناً ایسی کوئی چیز صادر نہیں ہو سکتی جس کی اتباع نہ کی جاسکتی ہو جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر دلیل قائم نہ ہو جائے۔

5: مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (م1396ھ) اپنی تفسیر "معارف القرآن" میں فرماتے ہیں:

"تحقیق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت تمام گناہوں سے عقلاً اور نقلاً ثابت ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں اور بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ صغیرہ گناہ ان سے بھی سرزد ہو سکتے ہیں' جمہور امت کے نزدیک صحیح نہیں۔"

(معارف القرآن:ج1ص195)

6: علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ قاضی عیاض مالکی اور محقق فقہاء و متکلمین سے نقل کرتے ہیں:

قال القاضی عیاض ذهب طائفة من محقق الفقهاء والمتکلمین الی العصمة عن الصغائر کالعصمة فی الکبائر.

[النبراس:ص283]

ترجمہ: قاضی عیاض مالکی اور محقق فقہاء و متکلمین کا موقف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہیں۔

عصمت انبیاء علیہم السلام پر عقلی دلائل

[1]: انبیاء علیہم السلام دنیا میں اللہ کے پیغام رساں ہیں، اگر خود ہی اللہ کی نافرمانی کریں تو پھر ان کی بات پر کیا اعتماد کیا جائے گا؟

[المسائل والدلائل:ص40]

[2]: حضرات انبیاء علیہم السلام با جماع امت فرشتوں سے افضل ہیں جب فرشتے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے تو افضل کیونکر نافرمان ہو سکتا ہے؟

[التفسیر الکبیر:ج3ص9]

[3]: حضرات انبیاء علیہم السلام اطاعت خدا کروانے میں انسانوں کے لئے مقتدا ہیں تو اگر خود خدا کے نافرمان ہوں تو لوگوں کو طاعت کا کیا درس دیں گے؟

[4]: انسان جسم اور روح سے بنا ہے، جسم مٹی سے بنا ہے تو اس کی غذا اور دوا بھی مٹی سے ہی ہے اور روح آسمان سے آتی ہے تو اس کی غذا بھی آسمان سے آتی ہے۔ جسم بیمار ہو تو اس کو طبیب چاہئے اور جسم کے طبیب کو ڈاکٹر کہتے ہیں، روح بیمار ہو جاتے ہیں تو اس کو بھی طبیب چاہئے اور اسکے طبیب کو نبی رسول کہتے ہیں اور یہ ضابطہ عقلی ہے کہ طبیب جس مرض کا معالج ہو خود اس کا اس مرض میں مبتلا ہونا یہ اس طبیب کا عیب ہے۔ روح کی بیماری گناہ ہے تو خود روح کے طبیب کا گناہ میں مبتلا ہونا اس کا عیب ہے۔ اس لیے طبیب روحانی کا اس عیب سے پاک ہونا ضروری ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے متعلق مودودی صاحب کے نظریات

مودودی صاحب کا عمومی موقف:

1: عصمت دراصل انبیاء کے لوازمات ذات سے نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایاہے ورنہ اگر اللہ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لیے بھی ان سے منفک ہو جائے جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوتی ہے اسی طرح انبیاء سے بھی ہو سکتی ہے، اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہو جانے دی ہیں، تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں، خدا نہیں ہیں۔

(تفہیمات ج2ص56،57اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور اشاعت اکتوبر 1967ء)

2: اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آ گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی ہے کہ "وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"(سورۃ ص)،ہوائے نفس کی پیروی نہ کرنا ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گا۔ (تفہیمات ج1ص193اشاعت ستمبر 2013ء اسلامک پبلیکیشنز لاہور)

3: انبیاء رائے اور فیصلے کی غلطی بھی کرتے تھے، بیمار بھی ہوتے تھے، آزمائش میں بھی ڈالے جاتے تھے حتیٰ کہ قصور بھی ان سے ہو جاتے تھے اور انہیں سزا تک دی جاتی تھی۔ [ترجمان القرآن ص158 مئی 1955ء]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں

1: حضور علیہ السلام نے دجال کے بارے میں جو خبر دی اس کی بابت مودودی صاحب لکھتے ہیں:

یہ کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں، جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

[ترجمان القرآن ص186 رمضان وشوال 1365ھ، رسائل ومسائل ص53 حصہ اول طبع دوم]

2: حضور علیہ السلام کو اپنے زمانہ میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال حضور علیہ السلام کے زمانہ ہی میں ظاہر ہو جائے یا کسی قریب زمانہ میں ظاہر ہو جائے لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا۔ [ترجمان القرآن ص31 ربیع الاوّل 1365ھ]

نوٹ: حضور وحی الٰہی سے بولتے تھے تو یہ اندیشہ غلط کیسے ہوا؟ مزید یہ بات بھی واضح ہے کہ دجال کے متعلق پیشگوئی والی احادیث متواتر ومشہور ہیں، فقط بخاری مسلم میں 25 بار یہ حدیث آئی ہے۔

3: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فوق البشر ہیں نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہیں۔ [ترجمان القرآن اپریل 1976ء، خطبات: ص8]

4: لیکن وعظ وتلقین میں ناکامی کے بعد داعی اسلام نے ہاتھ میں تلوار لی۔ [الجہاد فی الاسلام: ص174]

حالانکہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو عیوب سے مبرا بنایا گیا ہے بشری کمزوریاں اور خامیاں کیسے گوارا کی جائیں؟ مزید جب خدا بھی کہتا ہے کہ میرا رسول غالب ہو گا تو اسے ناکام کہنا کہاں تک درست ہو گا؟

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں

1: حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہش نفسی کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرماں روا کو زیب نہ دیتا تھا۔ [تعلیم القرآن ص327ج4طبع اوّل]

2: اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفسی شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی۔ [تفہیمات ج1ص193اشاعت ستمبر 2013ء اسلامک پبلیکیشنز لاہور]

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

قرآن تو انہیں کہتا کہ "نفس و ہویٰ کی پیروی نہ کرو" مگر بقول مودودی صاحب وہ کرتے تھے تو سوال یہ ہے کہ پھر وہ راہ راست پر کیسے رہے؟

3: حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہو کر "اوریا" سے طلاق کی درخواست کی۔

[تفہیمات ص42 حصّہ دوم طبع دوم]

اسرائیلی روایت کا سہارا لے کر ایک نبی معصوم کی ذات پر الزام اہل حق کی سوچ نہیں۔ نیز نبی اصلاحِ معاشرہ کے لئے مبعوث ہوتا ہے نہ کہ خود اپنی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہونے کے لیے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں

بس ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبطِ نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔ [تفہیم القرآن ص133 ج3]

یہ سب مودودی صاحب کی خوش فہمی ہے کیونکہ قرآن پاک نے "بھول" کہہ کر مودودی صاحب کی ساری بات کو رد کر دیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں

بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ واشرف انسان بھی تھوڑی دیر کیلئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے... لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اسکو محض اس لیے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے۔ تو وہ اپنے دل سے بے پرواہ ہو کر اس طرزِ فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضا ہے۔

[تفہیم القرآن ج2 ص344 طبع سوم]

مودودی صاحب نے یہ غلط کہا کیونکہ ان کا بیٹے کی خاطر دعا کرنا خدا کے فرمان کی وجہ سے تھا جو ان سے کہا گیا تھا کہ تمہارے اہل کو بچائیں گے اس لیے دعا کو جاہلیت کا جذبہ کہنا بدترین جرم ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں

حضرت یوسف علیہ السلام کے ارشاد مبارک "اِجْعَلْنِي عَلٰى خَزَائِنِ الْأَرْضِ" کے بارے مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ محض وزیر مالیات کے منصب کا مطالبہ نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ ڈکٹیٹر شپ کا مطالبہ تھا اور اس کے نتیجے میں سیدنا یوسف علیہ السلام کو جو پوزیشن حاصل ہوئی وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھی جو اس وقت اٹلی میں مسولینی کو حاصل ہے۔[تفہیمات ص122 حصّہ دوم طبع پنجم 1970ء]

سیدنا یوسف علیہ السلام نے دیانت و علم کی بنیاد پر یہ بات کی کہ مجھے علم و دیانت میں سب سے فوقیت ہے اس لیے نظام کو بہتر کرنے کے لیے مجھے وزیر خزانہ بنا دیا جائے۔ مودودی صاحب کا ایک غیر مسلم کے ساتھ نبی معصوم کا موازنہ کرنا ظلم و جبر کی نسبت معصوم نبی کی طرف کرنے کے مترادف ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں

حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئیں تھیں غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔ [تفہیم القرآن ج2 ص313،312. طبع سوم ۱۹۶۴ء]

ایک نبی کو بے صبرا کہنا کیونکر روا ہو گا؟ رہا آپ کا تشریف لے جانا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو خدا کی ذات پر یہ امید تھی کہ خدا مجھے اس پر دارو گیر نہیں کرے گا۔ لہذا حضرت یونس علیہ السلام کے اس عمل کو بے صبری اور کوتاہی کہنا کسی طرح درست نہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں

1: موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس جلد باز فاتح کی سی ہے جو اپنے اقتدار کا استحکام کیے بغیر مارچ کرتا ہوا چلا جائے اور پیچھے جنگل کی آگ کی طرح مفتوحہ علاقہ میں بغاوت پھیل جائے۔ [ترجمان القرآن ص5 ستمبر 1946ء]

کاش مودودی صاحب اسلافِ امت کو دیکھ لیتے کہ انہوں نے کیا تعبیر اختیار فرمائی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام محبوب کی ملاقات کے لیے جلدی چلے تھے، وہ بات نہ تھی جو مودودی صاحب نے سوچی۔

2: پھر اس اسرائیلی چرواہے کو بھی دیکھیئے جس سے وادی مقدس طوٰی میں بلا کر باتیں کی گئیں وہ بھی عام چرواہوں کی طرح نہ تھا۔

[رسائل ومسائل ص31 حصّہ اول طبع دوم]

عامیانہ انداز جو مودودی صاحب نے اختیار کیا انتہائی غلط ہے۔ کیا اللہ کے نبی کی تعظیم وتکریم کے لیے الفاظ بولنا جرم ہے؟ کیا ان کے پاس کوئی اور الفاظ کا ذخیرہ نہ تھا؟

3: نبی ہونے سے پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا، انہوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا۔

[ایضاً ص31 حصّہ اول]

نوٹ: یہ قتل عمداً نہ تھا بلکہ بلا ارادہ تھا۔ پھر وہ حربی کافر تھا جس کا قتل جائز تھا۔

مودودیت اکابر علماء کی نظر میں

1 : حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا۔" (روزنامہ احسان لاہور، 11 ستمبر 1948)

2: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اب تک ہم نے مودودی صاحب اور ان کی جماعت؛ نام نہاد جماعت اسلامی کی اصولی غلطیوں کا ذکر کیا ہے جو انتہائی درجہ میں گمراہی ہے ۔ اب ہم ان کی قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کی کھلی ہوئی مخالفتوں کا ذکر کریں گے جن سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ مودودی صاحب کا کتاب وسنت کا بار بار ذکر فرمانا محض ڈھونگ ہے، وہ نہ کتاب کو مانتے ہیں اور نہ سنت کو مانتے ہیں بلکہ وہ خلاف سلف صالحین ایک نیا مذہب بنا رہے ہیں اور اسی پر لوگوں کو چلا کر دوزخ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔

3 : شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ:

(مودودی صاحب نے 1948ء میں جہاد کشمیر کے متعلق جب یہ کہا کہ پاکستانی مسلمانوں کے لئے رضاکارانہ طور پر بھی اس میں حصہ لینا جائز نہیں ہے) تو علامہ عثمانی نے ان کو تحریر فرمایا:

بعض احباب نے مجھے ترجمان القرآن کا وہ پرچہ دکھایا جس میں آپ نے کسی شخص کے خط کا جواب دیتے ہوئے جنگ کشمیر کے متعلق اپنے خیالات، شرعی حیثیت سے ظاہر فرمائے ہیں۔ جنگ کشمیر کے اس نازک مرحلے پر آپ کے قلم سے یہ تحریر دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور شدید قلق بھی ہوا کیونکہ میرے نزدیک اس معاملہ میں آپ کی جانب سے ایسی مہلک لغزش ہوئی ہے جس سے مسلمانوں کو عظیم نقصان کا احتمال ہے۔ (اشرف السوانح: ج4 ص24)

4 : شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ:

قطب زمان حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے ایک کتاب "حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب" تحریر فرمائی تھی۔ اس میں ارشاد فرمایا: برادران اسلام! مودودی صاحب کی تحریک کو بہ نظر غور دیکھا جائے تو ان کی کتابوں سے جو چیز ثابت ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مودودی صاحب ایک نیا اسلام مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اور نعوذ باللہ من ذالک نیا اسلام لوگ تب ہی قبول کریں گے جب پرانے اسلام کی در و دیوار منہدم کر کے دکھا دیئے جائیں اور مسلمانوں کو اس امر کا یقین دلا دیا جائے کہ ساڑھے تیرہ سو سال کا اسلام جو تم لئے پھرتے ہو وہ ناقابل روایت اور ناقابل عمل ہو گیا ہے۔ اس لئے اس نئے اسلام کو مانو اسی پر عمل کرو جو جو مودودی صاحب پیش فرما رہے ہیں۔

اے اللہ ! میرے دل کی دعائیں قبول فرما! مودودی صاحب کو ہدایت فرما اور ان کے متبعین کو بھی اس جدید اسلام سے توبہ کی توفیق عطاء فرما۔ آمین یا الہ العالمین۔ (حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب ص:4)

خدا جانے مودودی صاحب کو کیا ہو گیا ہے ؟! اللہ تعالیٰ کے ہر بندے کی توہین اپنی عادت بنالی ہے۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں اور میرے دل میں اس بات کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ مودودی صاحب سے ناراض ہے، اسی لئے تو [مودودی صاحب] اللہ کے ہر مقبول بندے کی توہین بڑی دلیری سے کرتے ہیں۔ (حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب ص:43)

5: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

آپ رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیار حق ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اندریں صورت مودودی صاحب کا دستور جماعت کی بنیادی دفعہ میں عموم و اطلاق کے ساتھ یہ دعویٰ کرنا کہ رسول خدا کے سوا کوئی معیار حق اور تنقید سے بالاتر نہیں ہے جس میں صحابہ سب کے سب شامل ہوتے ہیں اور پھر ان پر جرح و تنقید کا عملی پروہ بھی ڈال دینا حدیث رسول کا محض معارضہ ہی نہیں بلکہ ایک حد تک خود اپنے معیار ہونے کا ادعاء ہے جس پر صحابہ تک کو پرکھنے کی جرات کر لی گئی۔ گویا جس اصول کو شد و مد سے تحریک کی بنیاد قرار دیا گیا تھا اپنے ہی بارے میں اسے ہی سب سے پہلے توڑ دیا گیا اور سلف و خلف کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا خود معیار حق بن بیٹھنے کی کوشش کی جانے لگی" (مودودی ستور اور عقائد کی حقیقت:ص18)

6 : مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ خلیفہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ و مہتمم خیر المدارس ملتان:

مودودی صاحب اور اس کے متبعین کے بعض مسائل خلاف اہل سنت والجماعت کے ہیں، سلف صالحین کی اتباع کے منکر ہیں، لہذا بندہ ان کو ملحد سمجھتا ہے۔

7 : حضرت مولانا شمس الحق افغانی (سابق وزیر معارف قلات)

"مودودی صاحب کی تحریرات پر نگاہ ڈالی، موصوف کے متعلق احقر کا تاثر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام سے مطمئن نہیں اس لئے اس کو اپنے ڈھب پر لانا چاہتے ہیں جس کے لئے اصلی اسلام میں ترمیم ناگزیر ہے، لیکن اس کا چھپانا بھی ضروری ہے، اس لئے وہ اپنی اسی ترمیم کے تخریبی عمل کو انشاء پردازی، اقامت دین کے نعروں، یورپی طرز کے پروپیگنڈا کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی تخریبی عمل کے محرکات دو ہیں۔ نفسیاتی تعلی اور فقدان خشیت اللہ، اور عوام میں بھی اس دونوں بیماریوں میں مبتلا افراد کی کمی نہیں ہے، یہی باطنی ہم رنگی اس تحریک کی توسع کی اصلی سامان ہے۔"

8 : اسوۃ الصلحاء شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب (غورغشتوی خلیفہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

"مودودی صاحب ضال اور مضل "یعنی خود گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔"

9 : استاد العلماء حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، ضلع پشاور)

"مودودی صاحب کے عقائد اہل السنت والجماعت کے خلاف اور گمراہ کن ہیں، مسلمان اس فتنے سے بچنے کی کوشش کریں۔"

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنت وبدعت

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

سنت وبدعت پر گفتگو کے لیے چند رہنما اصول:

اصول نمبر 1:

مجدد الف ثانی فرماتے ہیں: دنیا بدعات کے سمندر میں غوطہ لگا چکی ہے اور محدثات کی تاریکیوں میں مطمئن ہے رفع بدعت اور تکلم باحیا سنت کا دعوی کون کر سکتا ہے اس زمانہ کے اکثر علماء تو بدعات کے حامی اور سنت کے مٹانے والے ہیں بدعات کے شیوع اور کثرت کو تعامل قرار دیتے ہیں اور اس کے جواز بلکہ استحسان کا فتوی صادر کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بدعت پھیل جائے اور گمراہی عام ہو جائے تو تعامل بن جاتا ہے یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ کسی چیز کا ایسا تعامل اس کے حسن ہونے کی دلیل نہیں جز ایں نیست کہ وہ تعامل بہتر ہے جو صدر اول سے معمول بہا ہو یا اس پر تمام لوگوں کا اجماع ثابت ہو۔ (فتاویٰ رضویہ: ج28 ص235)

اب معلوم ہو گیا کہ بریلوی حضرات جو مختلف بدعات کے ثبوت میں اپنے علماء کا عمل پیش کر دیتے ہیں وہ بقول فاضل بریلوی حجت نہیں۔

اصول نمبر 2:

اول جمعہ یا عیدین کا خطبہ پڑھ کر اردو میں ترجمہ کرنا اقول وباللہ التوفیق میں اللہ تعالی کی توفیق سے کہتا ہوں قضیہ نظریہ ہے کہ یہ امر عیدین میں بہ نیت خطبہ ہو تو ناپسند ہے اور اس کا ترک احسن اور بعد ختم خطبہ نہ بنیت خطبہ بلکہ قصد پند ونصیحت جداگانہ تو جائز وحسن اور جمعہ میں مطلقا مکروہ ونامستحسن دلیل حکم ووجہ فرق یہ کہ زمان برکت نشان رسالت عہد صحابہ کرام وتابعین عظام وائمہ اعلام تک تمام قرون وطبقات میں جمعہ وعیدین کے خطبے ہمیشہ خالص زبان عربی میں مذکور وماثور اور باآنکہ زمانہ صحابہ میں بحمد اللہ تعالی اسلام صدہا بلاد عجم میں شائع ہوا۔ جوامع بنیں، منابر نصب ہوئے، باوصف تحقیق حاجت کبھی کسی عجمی زبان میں خطبہ فرمانا یا دونوں زبانیں ملانا مروی نہ ہوا تو خطبے میں دوسری زبان کا خلط سنت متوارثہ کا مخالف ومغیر ہے اور وہ مکروہ۔ (فتاویٰ رضویہ: ج8 ص322)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام وتابعین وائمہ کے مبارک دور میں نہ ہونا یہ دلیل ہے عدم مشروعیت کی۔

اصول نمبر 3:

مستحب کی تعریف در مختار میں یوں ہے:

وھو مافعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ وترکہ اخری وما احبہ السلف. (در مختار: کتاب الطہارۃ ارکان الوضوء اربعۃ)

اس تعریف کی رو سے جن بدعات کو بریلویوں نے مستحب بنایا ہوا وہ ثابت کر کے دکھائیں مثلا اذان کے بعد یا قبل درود شریف کو جو یہ پڑھتے ہیں وہ مستحب کہتے ہیں کیا اس طرح اذان سے پہلے یا بعد موذن سے پڑھوانا مستحب کی تعریف اس پر فٹ آئے گی علی ھذا القیاس۔

اصول نمبر 4:

مولوی غلام مہر علی صاحب لکھتے ہیں:

جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا مگر بغیر کسی عذر کے کبھی اسے ترک بھی فرمایا وہ سنت اور جس کام پر مواظبت نہ فرمائی بلکہ اس کام کو خود کبھی نہ کیا صرف اس کی ترغیب فرمادی تو یہ مستحب ہے امام ابن ہمام نے تحریر میں مستحب کی یہی تعریف کی ہے اور یہی اولی ہے۔

(تحقیقات غلام مہر علی ص16)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اصول نمبر5:

المستحب مارغب فیه الشارع ولم یوجبه۔ (طریق الفلاح ص288از پیر نصیر الدین گولڑوی)

اب ان مستحب کی مختلف تعاریف سے بریلوی انگوٹھے چومنے قبر پر اذان اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام وغیرہا پڑھنے کو ذرا مستحب ثابت کریں پتہ چل جائے گا۔

اصول نمبر6:

مولانا کرم الدین دبیر صاحب مرحوم (ان کو بریلوی حضرات نے اپنے اکابر میں شمار کیا ہے تفصیل کے لیے دیکھیے تذکرہ اکابر اہل السنت مصنفہ عبدالحکیم شرف قادری) لکھتے ہیں:

ہم شیعہ بھائیوں سے پوچھتے ہیں کہ تعزیہ مرثیہ خوانی کا شروع کس پیغمبر یا امام سے ہوا اگر کسی نبی یا امام یا صحابی سے اس کی ابتداء ثابت نہیں تو ماننا پڑے گا کہ یہ سب کچھ بدعات محرمہ سے ہے۔ (آفتاب صداقت ص309،310۔بحث ماتم کا بیان ورد)

ہم بھی جملہ بدعات کے متعلق ہی کہتے ہیں کہ ائمہ اربعہ تک کسی صحابہ پیغمبر سے اپنی بدعات ثابت کرو ورنہ بدعات محرمہ مانو۔

اصول نمبر7:

دلیل عام سے خاص مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔

☼ علامہ دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اما احدثته الروافض من عید ثالث سموه عیدالغدیر و کذالك الاجتماع اقامة اشعاره فی وقت مخصوص علی شئی لم یثبت شرعا وقریب من ذالك ان تکون العبادة من جهة الشرع مرتبة علی وجه مخصوص فیرید بعض الناس ان یتحدث فیها امرا اخر لم یرد به الشرع زاعما انه یدرجه تحت عموم فهذا لا یستقیم لان الغالب علی العبادات التعبد و ماخذها التوقیف (احکام الاحکام باب فضل الجماعۃ ووجوبہا)

شیعوں نے جو تیسری عید جسے عید غدیر کہتے ہیں ایجاد کی ہے اس کے لیے اجتماع کرنا اور اس کے لیے شعار بنانا وقت مخصوص میں ہیت مخصوص کے ساتھ شرعا ثابت نہیں۔ اور اسی کے قریب قریب یہ بات بھی ہے کہ کوئی عبادت بھی کسی خاص طریقے سے شرعا ثابت ہو اور بعض لوگ اس میں کچھ تبدیلی کر دیں اور یہ کہیں کہ یہ بھی عموم کے نیچے داخل ہے تو ان کا یہ گمان غلط ہے کیونکہ عبادات میں اکثر امر تعبدی اور اس کا ماخذ توقیف ہے۔

☼ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

لان ذکر الله تعالی او قصد به التخصیص بوقت دون وقت او بشیئ دون بشیئ لم یکن مشروعا حیث لم یرد به الشرع لانه خلاف الشرع۔ (البحر الرائق: ج2ص159)

☼ امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

منها التزام الکیفیات والهیئات المعینة کالذکر بهیئة الاجتماع علی صوت واحد... منها التزام العبادات المعینة فی اوقات معینة لم یوجد لها ذلك التعین فی الشرعیة۔(الاعتصام ج1ص34)

☼ علامہ ابو شامہ فرماتے ہیں:

لا ینبغی تخصیص العبادات باوقات لم یخص بها الشرع۔ (الباعث علی انکار الحوادث ص148)

معلوم ہو گیا کہ اپنی طرف سے اذان کو قبر پر درود کو اذان کے ساتھ ایصال ثواب کو ہر چاند کی 11 کو وغیرہا من البدعات جائز نہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اصول نمبر 8:

جو عمل سنت وبدعت میں متردد ہو جائے اس کا ترک کیا جائے گا۔

دیکھیے: شامی ج 1 ص 600، عالمگیری، المبسوط سرخسی ج 2 ص 146، فتح القدیر ج 1 ص 521

اور یہی بات فتاوی رضویہ میں بھی ہے۔

اذا تردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترك السنۃ راجحا علی فعل البدعۃ۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم ج 3 ص 230 برکاتی پبلشرز)

معلوم ہو گیا جملہ بدعات کو اگر سنت بھی سمجھا جائے تو بھی اختلاف اور تردد بین السنۃ والبدعۃ کی وجہ سے متروک ہو گا۔

اصول نمبر 9:

بعض اعمال عوام الناس کو بچانے کے لیے بھی ممنوع ہو جاتے ہیں:

جیسے لوگ نمازوں کے بعد سجدہ شکر ادا کرتے ہیں یہ مکروہ ہے کیونکہ عوام الناس اسے سنت واجب سمجھنے لگ جاتے ہیں اور ہر وہ مباح کام جو سنت وواجب سمجھا جانے لگے وہ ممنوع ہے۔

(غنیہ شرح منیہ ص 617، عالمگیری ج 1 ص 196، دارالفکر بیروت، مرقات ج 3 ص 26 رشیدیہ کوئٹہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر بعض باتوں کو فقہاء نے کہیں مستحب لکھ دیا ہو مگر عوام یا کسی طبقہ کے سنت یا واجب سمجھنے سے ممنوع ہو جائے گا۔

اصول نمبر 10:

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

فالذین اخطئوا فیھما مثل الطوائف من اھل البدع اعتقدوا مذاھب باطلۃ وعمدوا الی القران فتاولوہ علی رایھم ولیس لھم سلف من الصحابۃ والتابعین لا فی رایھم ولا فی تفسیرھم.... من عدل عن مذاھب الصحابہ والتابعین و تفسیرھم الی ما یخالف ذلك کان مخطئا فی ذلك بل مبتدعا لانھم کانوا اعلم بتفسیرہ و معانیہ کما انھم اعلم بالحق الذی بعث اللہ بہ و رسولہ۔ (الاتقان فی علوم القران ج 2 ص 178 سہیل اکیڈمی اردو ج 2 ص 402)

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سلف صالحین اہل السنت والجماعت نے قران و حدیث سے جو مطالب و معانی سمجھے ہیں ان کے بر خلاف معنی و مفہوم اپنے پیٹ سے یان کرنا درجہ اعتبار سے ساقط ہے اس لیے کہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے غلط عقیدہ کے لیے قران و سنت کو بنیاد و اصل سمجھتا ہے اور اپنے کوتاہ و ناقص فہم کی بنیاد پر قران و حدیث کے خلاف واقعہ معانی و مطالب اخذ کرتا ہے۔

(مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر 286 بحوالہ الجراحات علی الزکرفات ص 88 از پیر محمد چشتی چترالی پشاوری)

بریلویوں کی مصدقہ کتاب میں ہے کہ:

غیر مقلدین مل کر بتائیں کہ زیر بحث آیت وان لیس للانسان الا ما سعیٰ سے کس معتبر محدث مفسر نے فاتحہ خلف الامام کی فرضیت پر استدلال کیا ہے اگر نہیں کیا تو پھر اپنے مذہب کی خاطر تفسیر بالرائے سے باز رہو اللہ سے ڈرو۔ (نصرۃ الحق ج 1 ص 231)

معلوم ہوا کہ بدعات و رسومات کو ثابت کرنے کے لیے بریلوی آئے دن جو مختلف آیات و احادیث پڑھتے ہیں اہل السنۃ والجماعت کے معتمد و مسلم اکابرین وصحابہ کرام نے تو یہ استدلال نہیں کیے تو یہ بھی بدعتی ہونے کی دلیل ہے۔

اصول نمبر 11:

اہل بدعت اپنی بدعات کو قرآن و سنت سے ثابت کرنیکی بجائے فقہ حنفی کے مفتی بہ مسائل سے ثابت کریں۔ کیونکہ:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

1: مفتی احمد یار نعیمی گجراتی لکھتے ہیں:

ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول وفعل اپنے لیے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔ (جاء الحق:20 قادری پبلشرز لاہور)

2: ابوالبرکات قادری لکھتے ہیں:

مقلد کو یہ جائز نہیں کہ اپنے امام کی رائے کے خلاف قرآن عظیم وحدیث شریف سے احکام شرعیہ خود نکال کر ان پر عمل کرنے لگے مقلدوں کیلئے یہی ضروری ہے کہ جس امام کی تقلید کر رہے ہیں اسی کے مذہب کا مفتی بہ قول معلوم کر کے اسی پر عمل کریں۔

(رسائل ومناظرے ابوالبرکات ص634،635)

3: مولوی احمد رضا خان لکھتے ہیں:

ہم مقلدوں کو جائز نہیں کہ حدیثوں پر عمل کر کے اشارے کی جرأت کریں۔(فتاوی رضویہ ج27ص85)

4: مولوی عبدالغفور شرقپوری لکھتے ہیں:

فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ مسئلہ واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ ذکر بالجہر جس کے باعث کسی نمازی یا سوتے یا مریض کی ایذا و تشویش ہو یا ریا آنے کا اندیشہ ہو ناجائز ہے۔ تو ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس کے خلاف یا مخالفت میں قرآن کریم کی آیات واحادیث مبارکہ سے استدلال واستنباط کریں نہ ہمارا یہ مذہب نہ ہم اس کے اہل فقہ کی کتابوں کو چھوڑ کر براہ راست قرآن وحدیث سے استدلال غیر مقلدانہ روش ہے۔

(نمازی کے پاس بآواز ذکر جائز ہے یا نہیں ص38)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

انہوں نے قرآن کریم کی آیات مبارکہ اور احادیث مبارکہ پیش کی نہیں اس کے جواب میں تو اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ یہ حضرات مجتہد وغیر مقلد نہیں کہ قرآن وحدیث سے براہ راست استدلال کر سکیں بلکہ مقلد ہیں حنفی ہیں انہیں چاہیے کہ فقہ حنفی کی کتب سے حوالہ پیش کریں۔ (نمازی کے پاس بآواز ذکر جائز ہے یا نہیں ص40)

فائدہ: یہ کتاب مندرجہ ذیل بریلوی اکابر کی مصدقہ ہے:

(۱)اشرف آصف جلالی،(۲) سعید احمد اسعد،(۳)مفتی احمد علی بریلوی،(۴)ابوالخیر حیدرآبادی،(۵)گل احمد عتیقی،(۶)مفتی محمد خان،(۷)غلام سرور قادری،(۸) اشرف نقشبندی ناظم اعلی جامعہ صدیقہ رضویہ داروغے والا لاہور،(۹)عبداللطیف مجددی شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ لاہور۔

5: مفتی احمد یار لکھتے ہیں:

ہمارے دلائل یہ روایتیں نہیں ہماری اصل دلیل تو امام اعظمؒ کا فرمان ہے۔ (جاء الحق ج2ص91)

اصول نمبر12:

اکثر کا قول لیا جائے گا

1: فالعبرۃ بما قالہ الاکثر۔(فتاوی رضویہ قدیم ج9ص245)

ایک جگہ لکھتے ہیں:

”خلاف مذہب بعض مشائخ مذہب کے قول پر عمل نہیں ہم نے العطایا النبویہ میں اسکی بہت سی نقول ذکر کیں۔ حلبی علی الدر باب صلوۃ الخوف میں ہے: لا یعمل بہ لانہ قول البعض، اس پر عمل نہ کیا جائے کہ یہ بعض کا قول ہے۔ (فتاوی رضویہ ج9ص365)

معلوم ہوا بعض مشائخ فقہ حنفی کے اقوال پر اکثر اور جمہور کو ترجیح ہو گی۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مشائخ میں سے کوئی بدعت کی تائید بھی کر دے تو حجت نہ ہو گی اور وہ مشائخ میں سے خارج بھی نہ ہو گا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اصول نمبر 13:

جس امر سے مصطفے ﷺ بے عذر مانع بالقصد احتراز فرمائیں وہ ضرور امر شرعی ومشروع نہیں ہو سکتا۔ (فتاوی رضویہ ج9 ص346)

اصول نمبر 14:

فاضل بریلوی لکھتے ہیں۔ جو حضور ﷺ کے عہد میں ہوتا ہے وہی حق وباطل کے درمیان امتیاز ہے۔ (شمائم العنبر ص149)

اصول نمبر 15:

فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

ان الخرقة التی یمسح بها الوضوء بدعة محدثة یجب ان تکرہ لانها لم تکن فی عهد رسول الله ﷺ ولا احد من الصحابة والتابعین قبل ذلك۔ (فتاوی رضویہ ج1 ص333)

اصول نمبر 16:

جو کوئی امر مستحب پر جیسے نماز کے بعد داہنی طرف پھر کر بیٹھنا مستحب ہے اصرار کرے اور اس کو واجب سمجھے وہ بے شک شیطان سے گمراہی کا حصہ لینے والا ہے۔ (رسائل میلاد محبوب ص81، دین مصطفے ص372، رد سیف یمانی ص164)

محمود رضوی شیخ الحدیث دار العلوم حزب الاحناف لکھتے ہیں:

جو شخص کسی امر مستحب کو ضروری سمجھے اور رخصت پر عمل نہ کرے تو شیطان کا داؤ اس پر چل گیا۔ کہ شیطان نے اسے گمراہ کر دیا۔

آگے لکھتے ہیں:

جب کسی مستحب کو ضروری سمجھنے کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگاؤ کسی بدعت یا مکروہ کو ضروری سمجھنے والے کا کیا حال ہو گا۔

(دین مصطفٰے: ص372)

اصول نمبر 17:

- جائز بات فتنے کی وجہ سے ناجائز ہو جاتی ہے۔ (فتاوی رضویہ ج11 ص237)
- اگر فتنے کا خوف ہو تو مستحب کام کو ترک کرنا ہو گا۔ (ذکر والی نعت خوانی از الیاس قادری ص19)
- مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: غیر ضروری بات عبادات کو فسادات کی وجہ دے چھوڑ دینا چاہیئے۔ (نور العرفان - سورۃ انعام: 109)

اصول نمبر 18:

عام دلیل سے خاص عبادت ثابت نہ ہو گی جیسے کوئی نماز کا حکم لیکر چھٹی نماز کا اضافہ کرنا چاہیئے یا درود شریف پڑھنے والی آیت لیکر اذان کے اندر درود شریف پڑھانا چاہیے یا اذان واقامت کے فضائل لیکر جنازے کی نماز کیلئے اذان واقامت شروع کر دے یا عیدین کے موقع پر اذان واقامت شروع کر دے یا ذکر کے فضائل لیکر اس سے اذان سے پہلے یا اقامت سے پہلے افضل الذکر لا الہ الا اللہ شروع کر دے۔ اسی طرح اذان کے فضائل سے قبر پر اذان اور درود شریف کے فضائل سے اذان کے ساتھ درود اور ذکر کے فضائل سے نماز کے بعد ذکر اجتماعی صورت میں ثابت نہ ہو گا۔ اور نہ ہی مصافحہ کے فضائل سے نمازوں کے بعد مصافحہ ثابت ہو گا۔

اس اصول سے پہلے والے اصولوں سے معلوم ہو گیا کہ بریلوی حضرات اپنی بدعات کو واجب سمجھنے اور ان کے ساتھ واجب جیسا معاملہ کرنیکی وجہ سے شیطانی گمراہی سے حصہ پا چکے ہیں۔ اگر بریلوی انہیں ضروری نہ سمجھتے تو نہ کرنے والوں سے مناظرے نہ کرتے اور نہ ہی انہیں برا بھلا کہتے سیجیئ بیانہ۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اور اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ اصل اشیاء میں اباحت کی بات جب بریلوی پیش کرے اور اس سے کسی بدعت کو ثابت کرنا چاہے تو یہ بات بھی اس سے منوالی جائے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت اور فقہ حنفی وصحابہ کرام سے تو یہ ثابت نہیں جب بدعت پر اتفاق ہو گیا تو آگے جانیکی ضرورت ہی کیا ہے؟

اور دوسری بات یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے کا مطلب اشیاء ہے نہ کہ احکام اور تیسری بات یہ ہے اس سے ثابت کرکے آپ نے اسے مباح کیا اور مباح کا مطلب بہار شریف میں تو یوں ہے کہ جس کا کرنا نہ کرنا یکساں ہو یعنی کرنے پر ثواب نہ ہو اور نہ کرنے پر گناہ نہ ہو۔ تو اس جیسے فعل پر جھگڑا کیوں؟

یار لوگ جب ہر طرف سے جب مبہوت ہو جاتے ہیں تو پھر بدعت حسنہ کا سہارا لیتے ہیں تو ہم انکی خدمت میں یوں عرض کر دیتے ہیں کہ سیدنا ابن عمرؓ نے ارشاد فرمایا:

كل بدعة ضلالة وان رآها الناس حسنة۔ (کتاب الباعث للمحدث ابو شامہ شافعی ص75)

کہ ہر بدعت گمراہی ہوتی ہے چاہے لوگ اسے بدعت حسنہ کہیں۔

تو یار لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ جب سیدنا عمرؓ ان والد گرامی فرماتے ہیں:

نعمت البدعة هذه ۔ (بخاری) یعنی تراویح کی ایک جماعت کا قائم ہونا بدعت ہے اچھی۔

تو ہم یوں عرض کر دیتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين۔ (سنن ابن ماجہ)

کہ میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامو۔

تو معلوم ہو گیا کہ جیسے سرکار طیبہ ﷺ کے عمل مبارک کو جس پر امت چلتی ہے سنت کہتے ہیں اسی طرح خلفاء راشدین کے اعمال مبارکہ کو بھی سنت کہیں گے۔

مولوی فیض احمد اویسی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنت کہا گیا اس کو پکڑنے کی تاکید فرمائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ ان کے کام بدعت نہیں۔ (بدعت حسنہ کا ثبوت ص21)

آگے لکھتے ہیں: خلفائے راشدین کی سنت حقیقۃً سنت نبوی ہے۔ (بدعت حسنہ کا ثبوت ص23)

آگے لکھتے ہیں: ایجادات صحابہ کرام کو سنت کہتے ہیں۔ (بدعت حسنہ کا ثبوت ص25)

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: عرف عام میں ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں بدعت نہیں بولتے۔ (جاء الحق ص216)

تو معلوم ہو گیا کہ تراویح ایک جماعت سے قائم کروانا سنت تھا بدعت نہ تھا پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے کہا کیوں تو جواباً عرض ہے کہ ان کی پوری بات علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے ا اور دیگر کئی حضرات نے نقل کی ہے کہ

هذه بدعة فنعمت البدعة ان كانت۔ (جامع العلوم والحکم بحوالہ کتاب البدعۃ از طاہر القادری بریلوی: ص429)

یعنی اگر یہ بدعت ہوتی تو اچھی ہوتی۔

کنز العمال میں بھی صلاۃ التراویح میں یہ روایت شرط کے ساتھ "لئن كانت هذه البدعة فنعمت البدعة" ہے۔

جب بدعت ہے ہی نہیں تو اچھی ہونے کا سوال ہی نہیں، جیسے نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

لو كان بعدي نبي لكان عمر یا فرمایا لو عاش ابراهيم لكان نبيا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا اور اگر ابراھیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔

نہ آپ علیہ السلام کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا تھا اور نہ ہی سیدنا عمر نبی بنے اور نہ ہی ابراھیم علیہ السلام زندہ رہے اور نہ ہی نبی بنے ایسے ہی سمجھیے کہ نہ ہی سیدنا عمر کی جماعت واحد کی پابندی بدعت تھی اور نہ ہی حسنۃ ٹھہری بلکہ سنت ہی ہے۔ شاید کوئی یوں کہہ دے نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

من سن فی الاسلام حسنۃ فلہ اجرھا واجرھا من عمل بہا الخ

یعنی جس نے اسلام میں اچھا طریقہ جاری کیا اسکو اس جاری کرنے کا بھی اجر ملے گا اور اس پر جو عمل کرے گا اس کا بھی اجر ملے گا۔ تو ہم جواباً یہ کہیں گے ابن ماجہ شریف ص 19 پر یہ روایت یوں ہے کہ:

من احیاسنۃ من سنتی قد امیتت بعدی۔

یعنی جس نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا تو میرے بعد مردہ ہو چکی تھی الخ

تو معلوم ہوا کہ اس کا مطلب بدعت کا ایجاد کرنا نہیں بلکہ سنت طیبہ کا زندہ کرنا مراد ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس فرمان ذیشان کا سبب صدقہ کی ترغیب دینا ہے کہ جو صدقہ میں پہل کرے گا اپنا بھی اجر لے گا اور بعد والوں کے اجر کے برابر بھی اجر پائے گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ مجتہدین کے لیے اس میں خوشخبری ہے۔

رضاخانی وسوسہ:

اسی طرح یار لوگ یوں بھی کہہ دیتے ہیں کہ حدیث ہے کہ جس کو مسلمان پسند کریں وہ خدا کے نزدیک بھی پسند ہے۔ لہذا بدعات کا ایجاد کرنا برا نہیں۔

جواب:

تو ہم جواباً عرض کرتے ہیں ہم مسلمان ان بدعات سے بچنا پسند کرتے ہیں، لہذا ان سے بچنا ہی خدا کے ہاں بھی پسندیدہ ہے۔

ہم ان رضاخانی حضرات سے پوچھتے ہیں تمہارے ہی کچھ علماء کئی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں مثلاً لاؤڈ سپیکر پر جماعت کروانا، مساجد میں ٹیلی ویژن رکھ کر مدنی چینل دکھانا، سیاہ خضاب لگوانا وغیرہ بیسوں کام ہیں جن پر آپ کے مسلک کے اکابر نے غلط ہونے کے فتوے لگائے ہیں۔ اگر یہ اصول عام تھا تو تمہارا فتویٰ غلط اور اگر فتویٰ درست ہے تو پھر ہمارا فتویٰ بھی درست ہے۔

نیز یہاں "مسلمانوں" سے عام مسلمان مراد نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ جس کام کو صحابہ کرام اچھا سمجھیں وہ خدا کے ہاں بھی اچھا ہے اور جس کو صحابہ کرام برا سمجھیں وہ خدا کے ہاں بھی برا ہے، وگرنہ ہر فرقہ جو دین اختیار کیے ہوئے ہے وہ اس کو اچھا ہی تو سمجھتا ہے، تو کیا سب جنتی ہیں؟

اور اگر پوری روایت دیکھی جائے تو ہماری بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کیونکہ روایت کے شروع میں تو سیدنا مسعودؓ نے رحمت دو عالم ﷺ کا ذکر خیر کیا اور پھر صحابہ کرام کی تعریف کی اور تعریف میں یہ جملہ بھی فرمایا کہ:

فمارآہ المسلمون حسناً فھو عنداللہ حسن۔

جس کا معنی یقیناً یہی بنتا ہے کہ یہ صحابہ کی جماعت جس کو اچھا سمجھے وہ عند اللہ اچھا ہی ہے۔

صاحب مجالس الابرار اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس بات کو صحابہؓ یا اہل اجتہاد عمدہ جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی عمدہ ہے اور جسکو صحابہ یا اہل اجتہاد قبیح سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

قبیح ہے۔

اور آگے لکھتے ہیں:

اور ممکن ہے کہ الف لام استغراق حقیقی کیلئے ہو اس صورتیں یہ معنی ہونگے کہ جس بات کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس کو تمام مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے اور جس بات میں ان میں اختلاف پڑے تو اب اس میں قرون ثلاثہ کا اعتبار ہو گا۔ (مجالس الابرار ص 131 مصدقہ شاہ عبد العزیز محدث دھلوی)

علامہ حلبیؒ نے بھی لکھا ہے: جس کو صحابہ اور ہر زمانے کے اہل اجماع اچھا سمجھیں وہ اچھا ہے۔(الرھص والوقص ص 65)

ظاہر ہے بریلوی اہل اجماع تو نہیں بقول فاضل بریلوی یہ تو بھولی بھیڑیں ہیں۔ (وصایا شریف)

رضاخانی وسوسہ:

بریلوی حضرات کا ایک وسوسہ اور ہے کہ جس سے قرآن وسنت منع کرے وہ ممنوع نہیں بلکہ وہ اختیار کر لینا کوئی حرج نہیں۔

جواب:

توجواباً چند ایک باتیں آپ کے سامنے رکھتے ہیں بھلا یہ بتائیں کہ کیا اس سے منع کیا ہے قرآن وسنت میں؟

مثلاً آپ کہتے ہو کہ:

1} کھڑے ہو کر جنازہ کے بعد دعا کو ہم بھی منع کرتے ہیں۔ (جاء الحق ص 281)

اسکی ممانعت قرآن وسنت میں کہاں ہے؟

2} عیدین میں اور جنازہ میں اذان واقامت کی ممانعت کہاں ہے؟

3} ظہر کی نماز میں "الصلوۃ خیر من النوم" کی ممانعت کہاں ہے؟

4} اذان میں "حی علی خیر العمل" ملانے کی ممانعت کہاں ہے؟

5} اذان میں اللہ اکبر کے بعد "جل جلالہ وعز شانہ" بڑھانے کی ممانعت کہاں ہے؟

6} اذان میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کے بعد وحدہ لا شریك لہ بڑھانے کی ممانعت کہاں قرآن وسنت میں ہے؟

7} اشھد ان محمد رسول اللہ کے بعد اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارك وسلم بڑھانے کی ممانعت قرآن وسنت میں کہاں ہے؟

8} اذان میں اشھد ان امیر المؤمنین وامام المتقین ابا بکر الصدیق خلیفۃ بلا فصل کی ممانعت دکھائیں؟

9}۔اسی طرح غائبانہ نماز جنازہ کی ممانعت دکھائیں!

10}۔ نماز مغرب میں اضافہ کی یا عصر کی نماز میں کمی کی یا فجر کی رکعات کے بڑھانے کی یا کلمہ طیبہ میں خاتم النبیین لا نبی بعدی کا اضافہ کرنے کی یا اذان کے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ بڑھانے کی اجازت بریلوی زعماء دیں گے اگر نہیں تو کیوں یا تو قرآن وسنت سے منع دکھائیں؟

بریلوی زعماء سے چند سوال

1} اگر اذان کے ساتھ صلوۃ وسلام پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا تو اذان کے اندر بھی تو منع نہیں کیا گیا پھر آپ وہاں کیوں نہیں پڑھتے؟

2} قبر پر اذان دینے سے اگر منع نہیں کیا گیا تو عیدین کے موقع پر بھی تو اذان سے منع نہیں کیا گیا پھر آپ وہاں کیوں نہیں دیتے؟

3} اگر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے سے فرض نماز کے بعد منع نہیں تو اذان کے ساتھ آخر میں کلمہ مکمل کرنے سے بھی تو منع نہیں پھر

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

آپ وہاں کیوں نہیں کرتے ؟

القصہ قارئین کرام! ہمیں تو انہیں اعمال پر اعتماد ویقین ہے جو سرکار طیبہ ﷺ کی شریعت مطہرہ سے ثابت ہیں اور ہمیں وہی کافی ہیں۔

رضاخانی وسوسہ:

یار آپ ہمیں تو یہ کہتے ہیں کہ جو عمل و فعل قرون ثلاثہ مشہودلہا بالخیر میں نہ ہو وہ بدعت ہے تو یہ جو تم تبلیغی اعمال یا صوفیانہ طور طریقے ہیں یہ بدعت نہیں۔

جواب:

ہم جواب سے پہلے تمہید عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

ایک ہوتا ہے علاج اور ایک ہوتا ثواب۔ ثواب کے کام کیلئے تو حکم ہے کہ پہلے دیکھو کہ ان حضرات نے کیا ہے یا نہیں۔ جیسا کہ "الجنۃ لاہل السنہ" میں سیدنا علیؓ کا ارشاد گرامی ہے:

وانی لا علم ان اللہ لا یثیب علی فعل حتی یفعلہ رسول اللہ ﷺ او یحث علیہ

یعنی میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اللہ رب العزت اس وقت تک ثواب نہیں دیتا۔ جب تک وہ کام نبی پاک علیہ السلام نے نہ کیا ہو یا ترغیب نہ دی ہو معلوم ہوا کہ ثواب کیلئے اس دور میں دیکھنا چاہیئے کہ یہ کام ہوا ہے یا نہیں۔

اور صحابہ کرامؓ کی پیروی کی بھی احادیث میں تاکید ہے تو خلاصہ یہ نکلا کہ ثواب کیلئے اگر کوئی کام کیا جائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ یہ قرون ثلاثہ مشہود لھا بالخیر میں ہوا ہے یا نہیں؟

اور اگر علاج ہو تو یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ علاج کیلئے اجازت ہے کہ آدمی وہ چیز اختیار کر سکتا ہے جو قرون ثلاثہ مشہود لھا بالخیر میں نہ ہوں مثلاً کوئی بیمار آدمی ہے وہ ڈاکٹر کے پاس گیا اس نے اسے انجکشن لگا دیا۔ مریض نے لگوا لیا اور یہ نہیں کہا کہ چونکہ یہ ان زمانوں میں جنکی نسبت خیر کا ارشاد آپ علیہ السلام کا ہے اس میں نہیں تھا اس لیے میں نہیں لگواتا۔

مثلاً سیدنا عمرؓ نے ابو بکر صدیقؓ سے آکر کہا کہ قرآن کو جمع کر کے اکھٹا لکھوا دیں۔ تو سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے کہا اے عمرؓ وہ کام کیوں کرنا چاہتے ہو جو نبی پاک ﷺ نے نہیں کیا مگر جناب عمرؓ کی دلیل یہ تھی کہ اگر اسی طرح صحابہ کرام شہید ہوتے رہے جیسے جنگ یمامہ میں کئی سو قراء شہید ہو گئے ہیں تو بہت سا قرآن کا حصہ جو ان کے پاس لکھا ہوا ہو گا وہ ہمیں لکھا ہوا شاید کہیں اور سے نہ مل سکے تو بہت بڑا نقصان ہو جائے گا بالآخر سیدنا ابو بکر صدیقؓ تیار ہو گئے۔

یہ ہم نے واقعہ کا خلاصہ نقل کیا اصل روایات صحاح ستہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ معلوم ہو گیا اگر نقصان کا اندیشہ ہو یا بطور علاج ہو تو ایسے کام کو کرنے میں کوئی حرج نہیں جو اوپر سے ثابت نہ ہو۔

اب آیئے اصل بات کی طرف

ثواب اور ہے علاج اور ہے بریلوی اپنی بدعات کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور ہم جو کام کرتے ہیں بطور علاج کرتے ہیں۔ مثلاً تبلیغی اعمال یا تصوفانہ طرز کے اشغال گو اصولی طور پر تو پہلے دوروں میں نظر آتے ہیں مگر موجودہ ترتیب سے یہ کام ہونا بطور علاج ہیں اور امت کو نقصان کو بچانے کیلئے ہیں اور تجربہ شاہد ہے کہ ان کاموں سے امت کا بہت بڑا طبقہ نقصان سے بچ کر صحیح راہ راست پر آچکا ہے۔

جب کہ بدعات ورسومات سے سوائے جھگڑے کے کچھ نہیں ملتا جیسے کہ میلاد شریف کے عنوان پر جھگڑوں کا ہونا مشہور و معروف ہے اور اخبارات بھری پڑی ہیں۔ تقریباً تمام بدعات پر ہی جھگڑے، فسادات، ہوتے ہیں اور پیچھے ہم یہ اصول بریلوی حضرات کے گھر سے نقل کر آئے ہیں جو غیر ضروری عبادات فسادات کا سبب بنے اسے ترک کیا جائیگا تو ہم بریلوی حضرات سے التماس کرینگے کہ ان بدعات کو ترک کر کے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

امت کو لڑائی جھگڑے اور فساد سے بچائیں۔

اصل وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا گیا اور فاضل بریلوی جیسے آدمی کی تعلیمات کو دین کا درجہ دے دیا گیا۔
اگر سیدنا حذیفہؓ کے اس فرمان عالیشان پر عمل رہتا کہ

كل عبادة لم يتعبدها اصحاب رسول الله ﷺ فلا تعبدوها۔ (اعتصام ص307، کتاب الباعث ص70)

کہ جو عبادت اصحاب رسول اللہ ﷺ نے نہ کی ہو تو تم بھی وہ عبادت نہ کرنا

اب بریلوی حضرات سے پوچھا جائے ختم کیا ہے وہ کہتے ہیں عبادت، گیارھویں شریف کیا ہے؟عبادت ہے۔ قل خوانی کیا ہے؟عبادت ہے۔اذان کے ساتھ صلوۃ وسلام، نماز کے بعد مروجہ ذکر بالجہر، اذان علی القبر، جنازے کے بعد دعاء مروج۔سب عبادات ہیں تو سمجھ کر کی جاتی ہیں تو پھر ہم یہی عرض کریں گے کہ چونکہ کہ تمہاری خود ساختہ بدعات صحابہ کرام نے نہیں کی لہذا انہیں ترک کردو۔

اور یار لوگ یہ بھی لوگوں کو بتلاتے ہیں کہ یہ سب بدعات تو ہیں مگر حسنۃ لہذا انکو کرنے سے ثواب ہوتا ہے تو ہم اس کا وافی شافی جواب دے چکے ہیں۔سیدنا ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ بدعت گمراہی ہی ہوتی ہے چاہے لوگ اسے بدعت حسنہ کہتے پھریں۔

لہذا خدارا انسانیت کو اپنی بدعات سے بچائیں اور انکو سنت طیبہ پر عمل کردیں۔

بدعت؛ اکابرین امت کی نظر میں

:1 سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كل بدعة ضلالة وان رآها الناس حسنة۔ (کتاب الباعث ص75)

:2 سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

تبيض وجوه اهل السنة وتسود وجوه اهل البدعة۔ (اعتصام ص35)

:3 سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اياكم ومحدثات الامور فان شر الامور محدثاتها ان كل محدثه بدعة وفي لفظ غير انكم ستحدثون ويحدث لكم فكل محدثة ضلالة وكل ضلالة في النار كان ابن مسعود ﷺ يخطب بهذا كل خميس۔ (اعتصام ص43)

وعنه ايضاً: القصد في السنة خير من الاجتهاد في البدعة۔ (اعتصام ص51)

:4 سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اخوف ما اخاف على الناس اثنان ان يو ثروا ما يرون على مايعملون وان يضلووهم لا يشعرون قال سفيان وهو صاحب البدعة۔ (اعتصام ص49)

وعنه ايضاً: انه اخذ حجرين فوضع احدهما على الآخر ثم قال لاصحابه هل ترون مابين هذين الحجرين من النور قالوا يا ابا عبدالله ماترى بينهما من النور الا قليلا والذى نفسى بيده لنظهرن البدع حتى لا يرى من الحق الا قدر ما بين هذين الحجرين من النور والله لتفشون البدع حتى اذا ترك منها شيء قالوا ترك السنة۔ (اعتصام ص50)

:5 حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صاحب البدعة لا يزاد اجتهادا ،صياما وصلوة الا ازداد من الله بعدا۔ (اعتصام ص52)

وعنه ايضاً: لا تجالس صاحب هوى فيقذف في قلبك ما تتبعه فتهلك۔ (اعتصام ص53)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

6: ابو ادریس خولانی فرماتے ہیں:

لان اری فی المسجد نارا لا استطیع اطفاءها احب الی من ان ری فیه بدعة لا استطیع تغیرها۔ (اعتصام ص52)

7: ایوب سختیانی فرماتے ہیں:

ما ازداد صاحب بدعة اجتهادا لا ازداد من الله بعدا۔ (اعتصام ص53)

8: ابو قلابہ فرماتے ہیں:

ما ابتدع رجل بدعة الا استحل السیف۔ (اعتصام ص53)

9: سفیان فرماتے ہیں:

لا یستقیم قول الا بعمل ولا قول وعمل الا بنیة ولا قول ولا عمل ولا نیة الا موافقا للسنة۔ (اعتصام ص53)

10: ابن سیرینؒ کے بارے میں آتا ہے:

کان یری اسرع الناس ردة اهل الهواء۔ (اعتصام ص53)

11: هشام فرماتے ہیں:

لا یقبل الله من صاحب بدعة صیاما ولا صلوة ولا حجا ولا جهادا ولا عمرة ولا صدقة ولا عتقا ولا صرفا ولا عدلا۔

(اعتصام ص54،53)

12: یحیٰ بن کثیر کہتے ہیں:

اذا لقیت صاحب بدعة فی طریق فخذ فی طریق آخر۔ (اعتصام ص54)

13: ابو عمر شیبانی فرماتے ہیں:

یأبی الله لصاحب بدعة بتوبة وما انتقل صاحب بدعة الا الی شر منه۔ (اعتصام ص54)

14: مقاتل بن حیان فرماتے ہیں:

اهل هذه الاهواء آفته امته محمد ﷺ۔ (حواله)

15: فضیل بن عیاض فرماتے ہیں:

من جلس مع صاحب بدعة لم یعط الحکمة۔ (اعتصام ص57)

16: امام مالک بن انس رحمہ اللہ:

من ابتدع فی الإسلام بدعة یراها حسنة زعم أن محمداً صلی الله علیه وسلم خان الرسالة. لأن الله یقول: " الیوم أکملت لکم دینکم " فما لم یکن یومئذ دیناً، فلا یکون الیوم دیناً۔ (اعتصام ص31)

17: امام شاطبی فرماتے ہیں:

اجماع السلف الصالح من الصحابة والتابعین ومن یلیهم علی ذمها۔ (اعتصا شاطبی ص88)

18: امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

المؤمن یدخل الجنة بالایمان ویعذب فی النار بالاحداث۔ (الامالی علی الفقه الاکبر فصل نمبر 143)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بدعت کی تعریف فریق مخالف کی کتب سے

اب ہم بدعت کی تعریف کی طرف آتے ہیں جو ان لوگوں نے اپنی کتب میں لکھی ہے، ہم ان شاء اللہ انہی کی ذکر کردہ تعریفوں کی روشنی میں بدعات کو رد کریں گے۔

تعریف نمبر [۱]:

بریلویوں کے "شیخ الاسلام" ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں:

اکابر علماء کے نزدیک بدعتی فقط گستاخان رسول اور گستاخان صحابہ ہیں۔ (کتاب البدعۃ: ص101)

یہی قادری صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"من احدث فی امرنا هذا" یا "کل محدثۃ بدعۃ" سے مراد دین میں ایسا تغیر یا تبدل ہوگا جس سے دین کے اصول یا اساس بدل ضروریات دین میں کمی یا اضافہ ہو جائے اور دین کی ہیئت بدل جائے۔ (کتاب البدعۃ: ص81،80)

اس سے معلوم ہوا کہ بدعت کا مطلب ہے عقائد میں نئی چیزیں نکالنا جس سے ضروریات دین میں کمی بیشی ہو جس سے توہین رسالت توہین صحابہ ہو وہی بدعت ہے۔

اب آپ دیکھیں کہ اہل بدعت نے جو علم غیب کلی کا عقیدہ تراشا اس سے بھی سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و بے ادبی ہوتی ہے وہ اس طرح کہ ہر شے کا علم کلی جب آپ نے مان لیا تو علم شعر گوئی و ملکہ شعر گوئی اور وہ علوم جن کے بارے میں نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا۔

اللهم انی اعوذبك من علم لا ينفع۔

ایسا علوم مان کر جو آپ کے لائق نہیں بے ادبی ہوئی نہ کہ عزت افزائی!!

اور اسی طرح ہر زمان و مکان میں حاضر وناظر مان کر یہ بھی آپ نے مان لیا کہ تاریک راتوں میں تنہائی کے اندر چھپ کر جو کام کیے جاتے ہیں وہ بھی نگاہ مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ نہیں۔ (جاء الحق ص72)

یعنی میاں بیوی چھپ کر جو کام کرتے ہیں یہ بھی نگاہ نبوت سے پوشیدہ نہیں عام آدمی بھی ایسی بات اپنے لیے بے عزتی سمجھتا ہے کیا یہ توہین نبوت نہ ہو گی؟

اس طرح آپ علیہ السلام کو تمام اختیارات سے متصف ماننے کا مطلب یہ ہے آپ کے شافع محشر ہونے کی نفی کی جائے جو کہ یقیناً توہین ہے۔

اور اسی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بشریت کی نفی کر کے انسان نہ ماننا آپ کی شان کو گھٹانا ہے کیونکہ اشرف المخلوقات تو انسان ہے۔

اور اس طرح ان عقائد اور بریلوی حضرات کے فتوؤں کی وجہ سے صحابہ کرام تک کی تکفیر ہوتی ہے۔

من شاء التفصيل فليطالع هناك بينتها بالبسط والتفصيل لا حاجة الى التكرار فى هذا المقام۔

معلوم ہوا طاہر القادری صاحب کے اصول سے بریلوی خود بدعتی قرار پاتے ہیں۔

تعریف نمبر [۲]:

مولوی فیض احمد اویسی صاحب "من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدیث بالا میں یا امر سے مراد دین ہے اور ما سے مراد اعمال ہیں اور لیس منہ سے مراد قرآن وحدیث کے مخالف۔ کوئی دین میں ایسے عمل ایجاد کرے جو دین یعنی کتاب وسنت کے مخالف ہوں جس سے سنت اٹھ جاتی ہو۔ (بدعت حسنہ کا ثبوت ص 11)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اس کے قریب قریب نقی علی خان صاحب فرماتے ہیں کہ حقیقت الامر یہ ہے کہ بدعت بمعنی دوم یعنی مخالف ومزاحم ومضاد سنت مطلقا گمراہی وضلالت اور یہی معنی اکثر احادیث میں مراد اور عید کہ احادیث میں وارد اسی معنی کے مناسب۔ (اصول الرشاد ص88)

یعنی بدعت وہ ہے جو سنت کے مخالف ہو اور جس سے سنت میں تغیر پیدا ہو اور جو سنت کے متصادم ہو اور یا جس سے سنت اٹھ جائے۔

تو دیکھئے کہ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

سنتیں مردہ ہو جاتی ہیں جب بدعت شروع کی جاتی ہیں اور جب سنتیں مردہ ہو جائیں تو اسلام گر جاتا ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

جس نے ایک بدعت پر عمل کیا اس نے اس موقع کی سنت کو ترک کر دیا۔ (اعتصام ص21)

اور یہ بھی ابو ادریس خولانی سے منقول ہے کہ امت جب بدعت اختیار کرتی ہے تو ان سے اس موقع کی سنت اٹھالی جاتی ہے۔ (اعتصام ص19)

اور تقریبا یہی بات حسان بن عطیہ تابعی سے بھی منقول ہے۔ (اعتصام ص19)

تو پتہ چلا کہ ہر بدعت کسی نہ کسی سنت کی رافع ہے۔

اور مزید سمجھنے کیلئے نبی رحمت ﷺ کا ارشاد اکسیر رہیگا کہ کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرے گا مگر اسی مقدار میں سنت ان سے اٹھالی جائے گی پس سنت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔ (مشکوۃ شریف ج1 ص31)

شیخ عبد الحق محدث دھلوی آخری جملہ کی تشریح میں فرماتے ہیں: چاھے بدعت حسنۃ ہی کیوں نہ ہو۔ (دیکھئے اشعۃ اللمعات)

معلوم ہو گیا کہ بدعت سنت کی رافع ہے۔

اچھا اب آگے آیئے! بریلوی حضرات نے کہا کہ سنت سے متصادم ہو تو بدعت ضلالۃ ورنہ نہیں تو دیکھئے کہ بریلوی حضرت نمازہ جنازہ پڑھنے کے متصل بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں جبکہ نبی پاک ﷺ سے ایسی دعا منقول نہیں بلکہ بریلوی مسلک کے ترجمان مولوی اقبال احمد فاروقی نے کتاب شائع کی روضۃ القیومیہ اسکی ج1 ص449 پر یوں لکھا ہے:

مجدد الف ثانیؒ کی نماز جنازہ کے بعد دعا کیلئے توقف نہ کیا۔ کیونکہ سنت نبویہ بھی اسکی تقاضا نہیں کرتی۔ تو معلوم ہو گیا کہ یہاں دعا نہ مانگنا سنت تھا۔ اب جب مانگ لی گئی تو وہ سنت تو اٹھ گئی۔

اسی طرح دیکھئے اذان سے قبل وبعد صلوۃ وسلام کا اضافہ کرنا۔ فاضل بریلوی اپنی قلم سے اقرار کر رہا ہے کہ 781ھ میں شروع ہوئی اور ہماری تحقیق یہ ہے۔ مولوی احمد رضا خان نے "الصلوۃ والسلام علیك یا رسول الله" شروع کرائی ہے چلو اس کی مان لیتے ہیں اس سے بھی تو معلوم ہو گیا کہ نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ مبارکہ میں نہ تھی تو گویا یوں کہیے کہ اس موقع پر نہ پڑھنا سنت تھا جب پڑھ لی گئی تو سنت اٹھ گئی۔

اسی طرح قبر پر اذان ہمارا بریلوی حضرات سے سوال ہے کہ کسی حدیث کی کتاب کی نشاندہی کریں کہ نبی پاک علیہ السلام نے یہ اذان دلوائی ہو؟ اور بریلوی بھی اسے بدعت حسنۃ مان کر یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ یہ نبی پاک علیہ السلام نے نہیں دلوائی ورنہ بدعت حسنۃ نہ کہتے۔ اور جب اذان دیدی گئی تو یہ اس بات کی دلیل ہے نہ دینے والی سنت اٹھ گئی۔

شاید اہل بدعت سمجھتے ہیں کہ سنت صرف کرنے کے کاموں میں ہوتی ہے۔ اللہ کے بندوں جیسے کرنے کے کاموں میں ہوتی ہے ویسے نہ کرنے کے کاموں میں بھی ہوتی ہے یعنی جو کام نہیں کیے گیے انکو نہ کیا جائے۔ اس پر بے شمار دلائل ہیں:

1: ملا علی قاری لکھتے ہیں:

اتباع جیسا کہ فعل میں ہوتی ہے ویسے ہی ترک میں بھی ہوتی ہے پس جس نے اس فعل پر مواظبت اختیار کی جسکو شارع نے نہیں کیا وہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بدعتی ہے۔ (مرقاۃ ج1 ص41 تحت حدیث انما الاعمال بالنیات)

2: شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی اسی حدیث کے تحت یہی بات لکھی ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج1 ص36)

3: صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں: جس طرح رسول اللہ ﷺ کے کیے ہوئے فعل کو اتباع کرنا اطاعت رسول ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری ہے کہ فعل نبی کریم ﷺ نے کبھی نہ کیا ہوا اس پر عمل نہ کیا جائے۔ اور چاہیئے کہ اس پر دوام اصرار نہ کیا جائے جو شارع سے ثابت نہیں۔ (مظاہر حق ج1 ص77)

4: علامہ کاسانی رات کے وقت ایک سلام سے آٹھ رکعات نوافل سے زیادہ پڑھنے اور دن کے وقت ایک سلام سے چار رکعات نوافل سے زیادہ پڑھنے کے مکروہ ہونیکی وجہ یہ لکھتے ہیں یہ مکروہ ہے اس لیے کہ یہ زیادتی نبی پاک علیہ السلام سے مروی نہیں ہے۔ (بدائع: ج1 ص295)

5: صاحب ہدایہ مکروہ ہونے کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام نے اس سے زیادہ نہیں پڑھے اگر کراہت نہ ہوتی تو نبی پاک علیہ السلام زیادہ پڑھ لیتے جواز کی تعلیم دینے کیلئے۔ (ہدایہ ج1 ص127)

6: ابن نجیم مصری کے بھائی بھی یہی وجہ لکھتے ہیں۔ (النہر الفائق: ج1 ص297)

7: شرح وقایہ کے حاشیہ ص104 پر بھی یہی بات تقریبا لکھی ہے۔

8: صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

طلوع فجر کے بعد فجر کی سنتوں کے اور نوافل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ نبی پاک علیہ السلام نے باوجود نماز کی چاہت کے ان کے علاوہ اور رکعات نہیں پڑھیں۔ (الہدایہ: ج1 ص70)

9: علامہ شامی لکھتے ہیں: نبی پاک علیہ السلام کا کسی کام کو نہ کرنا یہ کراہت کی دلیل ہے۔ (فتاویٰ شامی: باب العیدین)

10: شیخ جیلانیؒ فرماتے ہیں:

جب قرآن بھی ایک شے بیان نہ کرے اور سنت سے بھی مروی نہ ہو اور صحابہ کرام کا زمانہ بھی اس سے خالی ہو اور ان میں سے بھی اس کے متعلق ارشاد نہ ملتا ہو پس اس کے بارے میں کلام کرنا بدعت و حدث ہے۔ (غنیۃ الطالبین عربی ج1 ص137 قدیمی کتب خانہ)

ایک جگہ عاشورہ کی بحث کرتے لکھتے ہیں:

اگر عاشورہ کے دن کو غم اور مصیبت کا دن بنانا جائز ہوتا تو صحابہ کرام اور تابعین عظام ضرور اسے بناتے۔ (غنیۃ الطالبین: ج2 ص94)

11: شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

معلوم ہوا کہ جب رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے طرز عمل و عبادت سے نفل با جماعت ادا کرنے میں کوئی فضیلت و برتری نہیں ہے۔ (ماثبت بالسنۃ ص201)

12: علامہ حلبی فرماتے ہیں:

صلوۃ رغائب کے مکروہ ہونیکی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز صحابہ کرام اور ان کے بعد ائمہ مجتہدین سے یہ منقول نہیں۔ (کبیری ص433)

13: فتاوی عالمگیری میں ہے: سورۃ کافرون کا آخر تک بالجمع پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ بدعت جو منقول نہیں صحابہ اور تابعین سے۔
(باب الکراہۃ ج4 ص264)

14: امام شاطبیؒ کسی کام کے بدعت ہونیکی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ نبی پاک ﷺ اور صحابہ کرام اور تابعین سے ثابت نہیں۔
(اعتصام ص213)

15: امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: اہل سنت والجماعت ہر اس قول و فعل کو بدعت کہتے ہیں جو صحابہ کرام سے ثابت نہ ہو۔
(ابن کثیر ج4 ص156)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

16: امام مالک فرماتے ہیں:

جو صحابہ کرام کے دور میں دین نہ تھا آج دین نہیں بن سکتا۔ (اعتصام ص259)

17: علامہ طاہر پٹنی لکھتے ہیں:

بعض لوگوں کی عادت ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اس میں دعا کرتے ہیں اسکی کوئی اصل نہیں بالکل اور یہ بات نبی پاک علیہ السلام اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں اور یہ بات بدعت ہے۔ (تذکرہ الموضوعات: ص53)

18: علامہ حلبی صاحب ملتقی الابحر لکھتے ہیں:

فعلم ان کل بدعة فی العبادات الخاصة فھی مکروھة والا الخ

یعنی معلوم ہو گیا کہ ہر وہ بدعت جو خالص عبادات میں جاری کی جائیں وہ مکروہ ہے وگرنہ قرن اول اور وہ قرون جنکی نسبت نبی پاک علیہ السلام نے خیر کی گواہی دی ہے وہ اس سے خالی نہ ہوتے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بدعت سنت سے ٹکراتی ہے اور اسے اٹھاتی ہے اور ہر وہ بدعت جو سنت کو مٹائے وہ سیئہ ہوتی ہے۔ (الرھص والوقص لمستحل الرقص 69)

ایک جگہ بدعت کی تعریف ومثال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اسی طرح ہر اس کام کو بدعت کہا جائے گا جو کہ عبادات میں ایسا مخصوص طرز اختیار کیا جائے جو صحابہ کرام کے زمانے میں نہ تھا جیسے جنازے لے کے آگے آگے ذکر بالجہر کرنا۔ (الرھص والوقص لمستحل الرقص 69،68)

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

ان البدعة مرادفة للمکروہ عند محمد۔ (شامی ج5ص295 کتاب الحظر والاباحة)

یعنی بدعت مکروہ کا دوسرا نام ہے یعنی مترادف ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ مکروہ کا لفظ مطلق ہو تو اس سے مراد مکروہ تحریمی ہوتا ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ کسی بدعت کو ایجاد کرنا دافع سنت ہے اور اس موقع کی سنت کو مٹانا کیونکہ کسی کام کو نہ کرنا بھی سرکار طیبہ ﷺ کی سنت ہے۔

تعریف نمبر[۳]:

مفتی عبدالمجید خان سعیدی لکھتے ہیں اہل سنت کے ہاں بدعت سیئہ کسی امر کی شرعی حیثیت کو کو بدل کر اسے شریعت سمجھنے کا نام ہے۔

(مصباح سنت ج1 ص58 مصدقہ مولوی منظور احمد فیضی، مفتی اقبال سعیدی انوار العلوم ملتان، عبدالحکیم شرف قادری صاحب، مولوی فتح محمد صاحب مہتمم مدرسہ فتحیہ جلال پور پیر والا، مولوی منشا تابش قصوری)

یعنی جو چیز شریعت نے مباح قرار دی ہے اسے سنت وواجب وفرض سمجھنا بھی بدعت ہے اور حرام کہنا بھی بدعت ہے یہ ہے ان کے نزدیک بدعت کی تعریف۔

مثال نمبر1: مروجہ دعا بعد الجنازۃ

1: مولوی احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:

ابھی مرقاۃ سے گذرا کہ ایہام زیادت مورث کراہت تنزیہہ ہے وبس جس کا حاصل خلاف اولی۔ (فتاوی رضویہ ج4ص30 قدیم)

یعنی مروجہ دعا بعد نماز جنازہ مکروہ تنزیہی خلاف اولی ہے۔

2: مفتی محمد امین والد مولوی سعید اسعد لکھتے ہیں:

دعا بعد جنازہ، ختمات مبارکہ، تیجا، ساتواں، چالیسواں، ششماہی، سالانہ عرس مبارک وغیرہا مباحات ہیں۔ (نماز جنازہ کے بعد دعا کا حکم ص3،4)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

یعنی دعا بعد نماز جنازہ مباح ہے۔

:3 مولوی احمد رضا خان لکھتے ہیں۔ وہ تمام ماموربہ کے تحت میں داخل اور مستحب شرعی کی فرد ہے۔ (فتاوی رضویہ ج4ص30قدیم)
یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا مستحب ہے۔

:4 دعا بعد نماز جنازہ جائز بلکہ سنت ہے۔ (جاء الحق ص281از مفتی احمد یار نعیمی)

:5 مولوی عمر اچھروی لکھتا ہے:
اس آیت کریمہ کی تمام تفاسیر سے ثابت ہوا کہ جب کسی نماز سے فارغ ہووے نماز جنازہ ہو یا اور تو نماز کے بعد وہیں ٹھہریں رہنا اور بحکم الہی دعا مانگنا ضروری ہوا۔ (مقیاس حنفیت ص533)

:6 مولوی عنایت اللہ سانگلہ ہل والے نے دیوبندیوں کو چیلنج کرکے فرمایا:
اس دعا میں صرف ایک یا دو صحابی نہ تھے بلکہ ہزاروں کی تعداد میں جمع تھے پھر کسی صحابی نے بھی دعا مانگنے سے انکار نہ کیا یہ صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ (مقالات شیر اہلسنت ص230)

یعنی اس پر صحابہ کا اجماع ہے اور مفتی اقتدار احمد کہتا ہے کہ اجماع صحابہ کا انکار کفر ہے۔ (فتاوی نعیمیہ ج1ص13)

دعا بعد الجنازہ نہ مانگنے والوں پر حکم

:1 مولوی عمر اچھروی لکھتا ہے:
جو نماز جنازہ کے بعد دعا سے روکتا ہے تو کیا اسکی سزا جو اللہ نے "سیدخلون جھنم داخرین " فرمائی ہے نہ دیگا؟ (مقیاس حنفیت ص530)
یعنی جو نماز جنازہ کے بعد مروجہ دعا سے روکتا ہے وہ جہنمی ہے۔
آگے کہتے ہیں:
تم نماز جنازہ کے بعد دعا کا انکار کرکے حنفی ہو یا معتزلی جو دعا سے روکے وہ تمام زمانے سے زیادہ احمق ہے۔ (ص537)

:3 مولوی عبد الرشید صاحب لکھتے ہیں:
مانعین یا تو دعا بعد نماز جنازہ کو اس آیت کے عموم میں شامل مان کر جائز تسلیم کریں یو پھر جہنم میں جانے کیلئے ہاتھ میں لوٹا بوریا بستر بغل میں دبالیں۔ (دعا بعد نماز جنازہ ص5)

:4 اویسی صاحب لکھتے ہیں:
قیامت میں اللہ تعالی فرمائے گا اے دوزخیو دوزخ میں پڑے رہو اور مجھ سے کلام بھی نہ کرو کیونکہ ایک گروہ میرے بندوں میں سے دعا مانگتے تھے اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو ہمارا ارحم الراحمین ہے لیکن تم نے ان کا مذاق اڑایا۔ دیکھیے اس آیت میں کیسے صاف الفاظ میں دعا مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کا فرق بتایا گیا ہے جنازہ میں دعا مانگنے یا نہ مانگنے کا فیصلہ ناظرین خود فرمالیں۔
(دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت: ص3)

یعنی دعا بعد از نماز جنازہ جو مروج ہے نہ مانگنے والا جہنمی ہے۔
ان باتوں سے معلوم ہوگیا کہ بریلوی نادان اسے مکروہ تنزیہی سے اٹھا کر فرض قطعی پر پہنچا چکے ہیں جو کہ یقیناً انکے اصول سے بدعت سیئہ ٹھہرا۔

مثال نمبر2: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر انگوٹھے چومنا

:1 بریلوی حضرات بعض کتب فقہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اذان میں بوقت استماع نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا مستحب ہے۔ یہ بات تقریبا

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اس موضوع پر لکھی ہوئی سب کتب میں مل جائیگا۔ (احکام شریعت ص 81)

2: پھر ترقی یوں کی کہ انجمن انوار قادریہ بریلوی کا ایک بہت بڑا ادارہ ہے اس نے کئی کتابوں کو اپنے ادارہ سے چھپایا اور تقریباہر کتاب کے آخر کے ٹائٹل پر یوں لکھا کہ **"حضور ﷺ کے نام مبارک پر ضرور ضرور انگوٹھے چومیں"**

3: خواجہ قمر الدین سیالوی کہتے ہیں:

انگوٹھے چومنے سے منع کرنے والا دولت ایمان سے محروم ہے۔ (ملخصا فوز المقال ج4ص479)

4: مفتی امین فیصل آبادی لکھتا ہے:

جو مسلمان نام پاک سن کر انگوٹھے نہ چومے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالی اسے اسی بنا پر دوزخ میں بھیج دے۔(البرھان ص484)

معلوم ہوا کہ یہ بھی بدعت ہے ان کے اپنے اصول کی روشنی میں۔

مثال نمبر3: مروجہ جشن عید میلاد شریف

1: مولوی احمد رضا لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے جس بات کا نہ حکم دیا نہ منع فرمایا وہ مباح بلا حرج ہے آگے لکھتے ہیں مجلس میلاد مبارک و قیام وفاتحہ وسوم وغیرہ کئی مسائل وہابیہ سب اسی اصل سے طے ہو جاتے ہیں۔ (الامن والعلی ص176)

2: سنت الہیہ، سنت انبیاء، سنت ملائکہ سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ (جاء الحق ص196)

3: انوار ساطعہ میں ہے: پس واجب کر دیا ہے اللہ تعالی نے فرحت ولادت ﷺ کو۔ (انوار ساطعہ ص551)

4: سید ارشد سعید کاظمی لکھتے ہیں:

جشن ولادت النبی ﷺ کو وجوب کو درجہ اس بنا پر حاصل ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اپنی نعمتوں کو یاد کرتے رہنے کو حکم دیا ہے۔ (میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص3)

5: یہ ان اچھے کاموں میں سے بدعت حسنۃ ہے جن کے کرنے والوں کو ثواب ملتا ہے۔

(عقائد ومسائل ص75عبد الحکیم شرف قادری، مفتی عبد القیوم ہزاروی)

6: تقریبا یہی بات فہارس فتاوی رضویہ ص739 پر بھی موجود ہے کہ میلاد شریف منانا اور اس کیلئے لوگوں کو اجتماع بدعت حسنۃ ہے۔

7: ڈاکٹر انوار احمد بگوی لکھتے ہیں:

پاکستان بننے کے بعد میلاد النبی ﷺ کے موقع پر آرائش چراغاں اور جلوس اب تو گویا اسلامی شوکت کا نشان اور نبی اکرم ﷺ کی محبت کا پیمانہ بن چلا ہے بعض طبقوں کے نزدیک یہ مظاہرہ کچھ اس طرح ہے جیسے نماز مسلمان اور کافر کے درمیان امتیاز ہے۔ (تذکار بگویہ: ج2ص112)

8: ڈاکٹر اشرف جلالی کہتے ہیں:

محفل میلاد واجب ہو گئی ہے۔ (ہم میلاد کیوں مناتے ہیں ص38)

9: فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

سعودی وہابیوں نے اس مبارک محفل کو ختم کر دیا ہے۔ قاتلھم اللہ انی یوفکون۔ (آنا جانا نور کا ص20از فاضل بریلوی)

یہ بھی بریلوی اصول و قواعد سے بدعت ٹھہری۔

مثال نمبر4: اذان کے ساتھ صلوۃ وسلام کا ملانا

فاضل بریلوی نے اسے احکام شریعت مسئلہ نمبر39 ص133 پر بدعۃ حسنۃ یعنی بدعت حسنۃ نقل کیا ہے۔ مولوی عطا محمد بندیالوی جو کہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

استاذ البریلویہ یہیں لکھتے ہیں:

اذان سے قبل اور بعد درود وسلام جائز بلکہ واجب ہے۔ (قبل اور بعد از اذان درود شریف کا ثبوت: ص57)

ایک جگہ لکھتے ہیں:

اذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھنا سنت الٰہیہ اور سنت ملائکہ ہے۔ (قبل اور بعد از آذان درود شریف کا ثبوت ص38)

معلوم ہوا کہ یہ بھی بدعت ہے۔اسی طرح تمام بدعات کی حیثیات کو بریلویوں نے اپنی اس سطح سے بڑھادیا ہے جو پہلی دفعہ بنائی تھی۔اور بقول بریلویہ یہی بدعت ہونے کی دلیل ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سماع صلوٰۃ وسلام

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

عقیدہ اہل السنت والجماعت:

اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام وفات ظاہری کے بعد اپنی قبروں میں بتعلقِ روح زندہ ہیں، ان کے اجسادِ مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں، صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلّف نہیں ہیں لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس پر جو درود پڑھا جائے اسے بلاواسطہ سنتے ہیں اور اگر دور سے پڑھا جائے تو فرشتے ان کی خدمت میں پہنچا دیتے ہیں۔

اہل بدعت کا نظریہ:

منکرین سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ نہیں بلکہ مردہ ہیں [معاذاللہ]، صلوۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے، یہ عقیدہ شرکیہ عقیدہ ہے، اس کے دلائل من گھڑت ہیں، یہ عقیدہ شیعہ کا ہے، اس عقیدہ کے قائلین شرک کے کھیت کے دہقان ہیں وغیرہ وغیرہ۔ قارئین کی خدمت میں ان کی بعض عبارات ملاحظہ ہوں۔

1: فرقہ مماتیت اپنے بعض عقائد منظر عام پر لائے اور جماعتی لیٹر پیڈ پر یہ عقائد لکھ کر شائع کیے۔ سید ضیاء اللہ بخاری صاحب نے ان عقائد کی تصدیق بھی کی۔ ان عقائد میں یہ درج ہے کہ:

عقیدہ (2) آپ صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر صلوۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے جو سماع کا قائل ہے وہ بے ایمان کافر اور مشرک ہے (عند القبر صلوۃ وسلام کے سماع کی جتنی بھی احادیث ہیں وہ سب کی سب جعلی اور موضوع ہیں)

تمام عقائد قرآن وسنت کے مطابق ہیں۔ [دستخط] ضیاء اللہ

(نوٹ: اس کی ایک کاپی ہمارے پاس محفوظ ہے: از ناقل)

2: محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب (مماتی) عقیدہ حیاۃ وسماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائلین کے بارے میں لکھتے ہیں:

☆ "حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سماع موتیٰ اور بزرگوں کے وسیلے جیسے موضوعات پر دلائل دے کر الٹا شرک کے کھیت کے دہقان بنے ہوئے ہیں۔" (شرک کیا ہے: ص4)

☆ امام الانبیاء علیہم السلام کے ذمہ یہ جھوٹ لگایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میری قبر پر سلام کہیں گے تو میں اس کا جواب دوں گا۔

(کیا مردے سنتے ہیں: ص37)

☆ امام الانبیاء علیہم السلام قبر منور پر آنے والوں کے سلام کو نہیں سنتے۔ (کیا مردے سنتے ہیں: ص39)

3: مولوی اللہ بخش صاحب (مماتی) لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درود وسلام عند القبر سننا وجواب دینا یہ قصّہ من گھڑت ہے۔

(دعوۃ الرشاد: ص8 مؤلف مولوی اللہ بخش، مؤید عنایت اللہ شاہ گجراتی)

4: فتاویٰ اصحاب الحدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درود وسلام کو سنتے نہیں ہیں۔ (ج2 ص62)

ایک دوسرے مقام پر ہے: بہر حال رسول اللہ صلی اللہ ہمارے درود وسلام کو براہ راست ہم سے نہیں سنتے ہیں۔ (ج2 ص63)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ از قرآن مجید

پہلی آیت:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ. (البقرۃ:154)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے اُن کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں ان کی زندگی کا احساس نہیں ہوتا۔

تفسیر:

[۱]: مفتی بغداد علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (1270ھ) ایک مقام پر حیات الشہداء کا ذکر کرتے ہوئے حیاۃ الانبیاء کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

وهي فوق حياة الشهداء بكثير وحياة نبينا صلى الله عليه وسلم أكمل وأتم من حياة سائرهم عليهم السلام ... إن تلك الحياة في القبر وإن كانت يترتب عليها بعض ما يترتب على الحياة في الدنيا المعروفة لنا من الصلاة والأذان والإقامة ورد السلام المسموع ونحو ذلك إلا أنها لا يترتب عليها كل ما يمكن أن يترتب على تلك الحياة المعروفة.

(روح المعانی: ج22 ص38 تحت قولہ تعالیٰ: ماکان محمد ابا احد من رجالکم)

ترجمہ: یہ حیات (جو انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے) شہداء کی حیات سے بہت اعلیٰ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تو تمام انبیاء علیہم السلام سے اکمل واتم ہے... اس قبر کی زندگی پر اگرچہ بعض وہ امور مترتب ہوتے ہیں جو ہماری دنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہوتے ہیں مثلاً نماز، اذان، اقامت اور سنے ہوئے سلام کا جواب لوٹانا اور اسی طرح کے دیگر امور، مگر اس پر وہ سب امور مترتب نہیں ہوتے جو دنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہوتے ہیں۔

[۲]: شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب فرماتے ہیں:

والذی نعتقد ان رتبة نبينا صلى الله عليه وسلم اعلى مراتب المخلوقين على الاطلاق وانه صلى الله عليه وسلم حي في قبره حيوة مستقرة ابلغ من حيوة الشهداء المنصوص عليها في التنزيل اذ هو افضل منهم بلا ريب وانه صلى الله عليه وسلم يسمع من يسلم عليه. (اتحاف النبلاء: ص:415)

ترجمہ: ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تمام مخلوقات سے علی الاطلاق اعلیٰ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حیات شہداء کی حیات سے جو قرآن میں منصوص ہے، بہت بالاتر ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے بلاریب افضل ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ اطہر میں سلام عرض کرنے والوں کا سلام خود سنتے ہیں۔

دوسری آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ إِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (سورۃ الحجرات:۲،۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ ان سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔ بے شک جو لوگ بارگاہ نبوت میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لیے منتخب کر لیا ہے، ان کو مغفرت بھی حاصل ہے اور زبردست اجر بھی۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تفسیر:

[۱]: مولانا محمد مالک کاندھلوی (م1409ھ) فرماتے ہیں:

احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں دو شخصوں کی آواز سنی تو ان کو تنبیہ فرمائی اور پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے ہو؟ معلوم ہوا کہ یہ اہل طائف ہیں۔ تو فرمایا: اگر یہاں مدینے کے باشندے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا (افسوس کی بات ہے) تم اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ اس حدیث سے علماءِ امت نے یہ حکم اخذ فرمایا ہے کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام آپ کی حیات مبارکہ میں تھا، اسی طرح کا احترام و توقیر اب بھی لازم ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں حیّ (زندہ) ہیں۔ (معارف القرآن تکملہ ج:7ص487)

[۲]: علامہ رحمت اللہ بن عبد اللہ السندھی الحنفی رحمہ اللہ (م978ھ او993ھ) فرماتے ہیں:

ثم توجه مع رعاية غاية الادب فقام تجاه الوجه الشريف متواضعاً خاشعاً مع الذلة و الانكسار و الخشية و الوقار والهيبة و الافتقار غاض الطرف مكفوف الجوارح فارغ القلب واضعاً يمينه على شماله مستقبلاً للوجه الكريم مستدبراً للقبلة........ محترزاً عن اشغال النظر بما هناك من الزنية، متمثلاً صورته الكريمة فى خيالك، مستشعراً بأنه عليه الصلوة و السلام عالماً بحضورك و قيامك و سلامك مستحضرا عظمته وجلالته و شرفه و قدره صلى الله عليه و سلم ثم قال مسلماً مقتصداً من غير رفع صوت لقوله تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ﴾ ولا اخفاء بحضور و حياء.

(لباب المناسک للسندی: ص508 باب زیارۃ سید المرسلین)

ترجمہ: پھر انتہائی ادب کے ساتھ چہرہ اقدس کی طرف متوجہ ہو، تواضع، رسوائی، انکساری، خوف اور سکون کے ساتھ اور ہیبت، محتاجی، نگاہوں کو پست کئے ہوئے جوارحات کو حرکات سے بند رکھتے ہوئے، دل کو ہر بات سے اُس مقصود کے لئے فارغ کئے ہوئے اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے، چہرہ مکرم کی طرف منہ کئے ہوئے، اور قبلہ مبارکہ کی طرف پشت کئے ہوئے اور وہاں کی آرائش و تزئین سے نگاہوں کو بچاتے ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ کا تصور لیے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیری موجودگی، تیرے قیام اور تیرے سلام سے باخبر ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت بلندی قدر کو ملحوظ رکھتے ہوئے پھر سلام پیش کرے، میانہ روی سے اور آواز کو پست رکھتے ہوئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اپنی آواز کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے پست رکھو، اور بے شک جو لوگ بارگاہ نبوت میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں (یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لیے منتخب کر لیا ہے، ان کو مغفرت بھی حاصل ہے اور زبردست اجر بھی)، اور نہ زیادہ اخفاء کے ساتھ اور حضور قلب اور حیاء کے ساتھ سلام عرض کرے۔

[۳]: قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (م1322ھ) فرماتے ہیں:

"اور بہت پکار کر نہ بولے، بلکہ آہستہ خضوع اور ادب سے بہ نرمی عرض کرے اور جس کا سلام کہنا ہو عرض کرے: "السلام عليك يا رسول الله من فلان بن فلان يستشفع بك الى ربك" (اے اللہ کے رسول! آپ کو فلاں بن فلاں کی طرف سے سلام قبول ہو، وہ شخص آپ سے درخواست کر رہا تھا کہ آپ اس کے لیے رب سے سفارش کریں) (تالیفات رشیدیہ: ص650 زبدۃ المناسک)

[۴]: شارح ابو داؤد حضرت مولانا خلیل احمد سہانپوری (م1346ھ) فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں اور ایسی آواز سے سلام کرنا بے ادبی اور آپ کی ایذاء کا سبب ہے۔ لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے۔ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔"

(تذکرۃ الخلیل: ص370)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

[۵]: شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ "(م1369ھ) فرماتے ہیں:

"اور جو قبر شریف کے پاس حاضر ہو، وہاں بھی اِن آداب کو ملحوظ رکھے۔" (تفسیر عثمانی: ج2ص640)

احادیث مبارکہ سے ثبوت

اس عنوان کے تحت ہم ان احادیث مبارکہ کو بیان کریں گے جن سے سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہوتا ہے۔

حدیث نمبر 1:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

(سنن ابی داؤد: ج1ص286 کتاب المناسک باب زیارۃ القبور، مسند احمد: ج9ص575 رقم الحدیث 1075، مسند اسحاق بن راھویہ: ص204 رقم الحدیث 520، السنن الکبریٰ للبیہقی: ج5ص245 باب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، شعب الایمان للبیہقی: ج2ص217 باب فی تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم رقم الحدیث 1581)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کوئی آدمی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے (یعنی متوجہ کر دیتا ہے) یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

تصحیح واستدلال بالحدیث:

اس حدیث کو مندرجہ ذیل حضرات نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

(1) علامہ ابن تیمیہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (م728ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ حَدِيثٌ جَيِّدٌ. (مجموع الفتاویٰ: ج27ص55 کتاب الزیارۃ)

ترجمہ: یہ حدیث جید (کھری) ہے۔

(2) امام تقی الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م756ھ) فرماتے ہیں:

وهذا اسناد صحيح. (شفاء السقام: ص161 الباب الثانی فیما ورد من الاخبار الخ)

ترجمہ: اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

(3) حافظ ابن کثیر شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م774ھ) فرماتے ہیں:

وصححه النووی فی الاذکار. (تفسیر ابن کثیر: ج3ص674 تحت الآیۃ: ان اللہ وملئکتہ یصلون)

ترجمہ: امام نووی نے اس روایت کو اپنی کتاب "الاذکار" میں صحیح قرار دیا ہے۔

(4) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ علیہ (م852ھ) اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

ورواته ثقات. (فتح الباری ج:6ص:596 کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ واذ کر فی الکتاب مریم)

ترجمہ: اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔

(5) علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ (م911ھ) فرماتے ہیں:

وروىٰ ابو داود بسند صحيح...... عن أبي هريرة رضى الله عنه مرفوعا. (وفاء الوفاء ج4ص1349 الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ)

ترجمہ: امام ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

(6) علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (م1122ھ) فرماتے ہیں:

باسناد صحيح. (شرح المواہب للزرقانی: ج8ص308)

ترجمہ: یہ روایت سند صحیح کے ساتھ مروی ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

(7) خاتم المحدثین مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (م 1352ھ) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

رواته ثقات. (عقیدۃ الاسلام: ص120)

ترجمہ: اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(8) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (م 1369ھ) نے اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔ (فتح الملہم: ج1 ص330 باب الاسراء برسول اللہ و فرض الصلاۃ الخ)

ردروح کا مطلب:

اس حدیث میں "ردروح" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ فرماتے ہیں اور قوت گویائی عطا فرماتے ہیں۔

اکابرین امت کی چند تصریحات ملاحظہ ہوں۔

1: علامہ علی بن احمد عزیزی رحمۃ اللہ علیہ (م 1070ھ) فرماتے ہیں:

(الا رد الله علی روحی) ای رد علی نطقی لانه صلی الله علیه و سلم حی دائماً و روحه لا تفارقه لان الانبیاء احیاء فی قبورهم. (السراج المنیر: ج3 ص278)

ترجمہ: حدیث "إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِي" میں "ردِروح" سے مراد قوتِ گویائی کا عطا ہونا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں اور آپ علیہ السلام کی روح آپ علیہ السلام سے الگ نہیں ہوتی، اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

2: قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1297ھ) فرماتے ہیں:

اس صورت میں حاصل معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُرفتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ و تجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت و محبیت تامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل رہتی ہے، اپنے ہوش عطاء فرمادیتا ہے۔ یعنی مبدءِ انکشاف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا مبدل بانقباض ہوجاتا ہے اور اس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہوتا ہے اور اپنی ذات وصفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات وصفات سے اطلاع حاصل ہوجاتی ہے، سو چونکہ سلام اتیان بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں، اس لئے اس سے مطلع ہو کر بوجہ حسنِ اخلاقِ ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں۔ اس صورت میں اثباتِ حیات اور دفع مظنہ ممات بمعنی انقطاعِ تعلق حیات کے لیے جواب میں اور تکلفات کی حاجت نہ رہے گی۔

(آب حیات: ص206)

3: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1362ھ) فرماتے ہیں:

اس سے حیات میں شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوت و جبروت میں مستغرق تھی جس طرح کہ دنیا میں نزول وحی کے وقت کیفیت ہوتی تھی، اس سے افاقہ ہو کر سلام کی طرف متوجہ ہوجاتا ہوں، اس کو "ردروح" سے تعبیر فرمادیا۔

(نشر الطیب: ص200 اٹھائیسویں فصل)

4: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (م 1377ھ) فرماتے ہیں:

الف: ابوداؤد کی روایت میں "رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ" فرمایا گیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِي حَتّٰى أُسَلِّمَ عَلَيْهِ او کما قال" اگر لفظ "إِلَيَّ رُوْحِيْ" فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہوسکتا تھا، "إِلٰی" اور "عَلٰی" کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا، "عَلٰی" استعلاء کے لئے ہے اور "إِلٰی" نہایتِ طرف کے لئے ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ و سلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا، نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہوگئی تھی اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹا گیا ہے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدارج قرب و معرفت

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

میں ہر وقت ترقی پزیر ہیں اس لئے توجہ الی اللہ کا انہاک اور استغراق دوسری جانب کی توجہ کو کمزور کر دیتا ہے، چونکہ اہل استغراق کی حالتیں روزانہ مشاہدہ ہوتی ہیں مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعلمین بنایا گیا ہے اس لئے بارگاہِ الوہیت سے درود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل فرمانے کے لئے متعدد مزایا میں ایک مزیت یہ بھی عطاء فرمائی گئی ہے کہ خود سرور کائنات علیہ السلام کو اس استغراق سے منقطع کر کے درود بھیجنے والے کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے متوجہ ہو کر دعا فرماتے ہیں۔

ب: اگر بالفرض وہی معنی لیے جائیں جو آپ سمجھے ہیں اور "عَلیٰ" اور "اِلیٰ" میں کوئی فرق نہ کیا جائے تب بھی یہ روایت دوامِ حیات پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اندورونِ نماز اور بیرونِ نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو، اس لئے دوامِ حیات لازم آئے گا۔

(مکتوبات شیخ الاسلام: حصہ اول ص248)

5: حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (م1417ھ) اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

حدیث کے ظاہری الفاظ "إِلاَّ رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِي" سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی روح مبارک جسدِ اطہر سے الگ رہتی ہے، جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کے جسدِ اطہر میں روح مبارک کو لوٹا دیتا ہے تاکہ آپ سلام کا جواب دے سکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی، اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ایک دن میں لاکھوں کروڑوں دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک جسم اقدس میں ڈالی اور نکالی جاتی ہے کیونکہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کے لاکھوں کروڑوں امتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام نہ بھیجتے ہوں، روضہ اقدس پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنے والوں کا بھی ہر وقت تانتا بندھا رہتا ہے اور عام دنوں میں بھی ان کا شمار ہزاروں سے کم نہیں۔ علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے، اگرچہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماء امت کی رائیں مختلف ہیں لیکن اتنی بات سب کے نزدیک مسلّم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے۔ اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے، اس بناء پر اکثر شارحین نے "ردِ روح" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی وجلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے (اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے) پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اس طرف متوجہ بھی ہوتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا جواب دیتے ہیں۔ پس اس روحانی توجہ والتفات کو "ردِ روح" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ (معارف الحدیث: ج5 ص238 ص239)

حدیث نمبر2:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا أُبْلِغْتُهُ"

(مشکوٰۃ المصابیح: ص87 باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلہا الفصل الثالث، شعب الایمان للبیہقی: ج2 ص218 باب فی تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واجلالہ و توقیرہ، جلاء الافہام لابن القیم: ص22، القول البدیع للسخاوی: ص160 الباب الرابع، حیات الانبیاء للبیہقی: ص104، کتاب ثواب الاعمال لابی الشیخ الاصبہانی بحوالہ فتح الباری: ج13 ص279)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ میرے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تصحیح حدیث:

اس حدیث کو مندرجہ ذیل حضرات نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

(1) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م852ھ) فرماتے ہیں:

واخرج ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید. (فتح الباری ج:6 ص:595 کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم)

ترجمہ: محدث ابو الشیخ اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ سند کے ساتھ اس روایت کی تخریج کی ہے۔

(2) امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (م902ھ) نے اس کی سند کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ (القول البدیع للسخاوی: ص160 الباب الرابع)

(3) حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م1014ھ) فرماتے ہیں:

ورواہ ابو الشیخ وابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید. (المرقاۃ: ج4 ص22 باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلہا)

ترجمہ: ابو الشیخ اصبہانی اور ابن حبان نے اس حدیث کو سند جید سے نقل فرمایا ہے۔

(4) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (م1369ھ) نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے:

سندہ جیّد. (فتح الملہم: ج1 ص330 باب الاسراء برسول اللہ وفرض الصلاۃ الخ)

ترجمہ: اس حدیث کی سند کھری ہے۔

(5) امام اہل السنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ (م1430ھ) فرماتے ہیں:

ان اکابر محدثین کے (جن میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جن کی تقریب اور تہذیب پر آج رواۃ کی توثیق وتضعیف کا مدار ہے) بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے۔ (تسکین الصدور: ص328)

(6) مولانا غلام اللہ خان فرماتے ہیں:

"اس حدیث کی جو سند سدّی صغیر پر مشتمل ہے اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں ہے وہ کمزور نہیں ہے اور حدیث ہذا کی دوسری سند بھی ہے جس کے صحیح ہونے کی تصریح کرتے ہیں۔ چنانچہ ملا علی قاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: قال میرك نقلاً عن الشیخ ورواہ ابو الشیخ وابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید."

(ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص48 اکتوبر 1967ء)

(7) نواب صدیق حسن خان غیر مقلد اس روایت کو اپنی کتاب "دلیل الطالب" میں لائے ہیں اور اس کی تحسین فرمائی ہے۔ (ص844)

حدیث نمبر 3:

عن عطاء مولی أم حبیبة قال: سمعت أبا ھریرة یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم: لیھبطن عیسی ابن مریم حکما عدلا و إماما مقسطا و لیسلکن فجا حاجا أو معتمرا أو بنیتھما و لیأتین قبری حتی یسلم علیّ و لأردن علیه یقول أبو ھریرة: أی بنی أخی إن رأیتموہ فقولوا أبو ھریرة یقرئك السلام

(المستدرک للحاکم: ج3 ص489، 490 ذکر نبی اللہ وروحہ عیسی بن مریم، مسند ابی یعلی: ص1149 رقم الحدیث 6577، مجمع الزوائد: ج8 ص387 باب ذکر الانبیاء علیہم السلام، الخصائص الکبریٰ: ج2 ص490 باب حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ الخ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ضرور عادل، فیصلہ کرنے والے، منصف حکمران بن کر اتریں گے اور وہ اس گلی میں سے حج کرتے یا عمرہ کرتے یا ان دونوں کی نیت سے گزریں گے اور وہ میری قبر پر آئیں گے اور مجھے سلام کریں گے، میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اے میرے بھتیجو! اگر

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تمہاری ان سے ملاقات ہو تو ان سے کہیے گا: ابو ھریرہ آپ کو سلام کہہ رہے تھے۔

فائدہ:

اس صحیح روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر اقدس میں زندہ ہونا، صلوۃ وسلام کا سماع فرمانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا بھی ثابت ہے، اس کا انکار کرنا حدیث کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔

تصحیح حدیث:

اس حدیث کو مندرجہ ذیل حضرات نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

(1) امام ابوعبد اللہ الحاکم رحمۃ اللہ علیہ (م405ھ) اسے نقل کر کے فرماتے ہیں:

هذا حديث صحيح الإسناد. (المستدرک للحاکم: ج3ص489،490 ذکر نبی اللہ وروحہ عیسی بن مریم)

ترجمہ: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(2) علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (م748ھ) بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ (المستدرک للحاکم: ج3ص489،490 ذکر نبی اللہ وروحہ عیسی بن مریم)

(3) علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ (م807ھ) فرماتے ہیں:

رواہ أبو يعلى ورجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد: ج8ص387 باب ذکر الانبیاء علیہم السلام)

ترجمہ: اس روایت کو امام ابویعلی نے نقل کیا ہے اور اس کے راوی بخاری کے راوی ہیں۔

(4) علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م911ھ) نے اس کو صحیح فرمایا ہے۔ (الجامع الصغیر: ج2ص260 رقم الحدیث 7742)

سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت
سلف صالحین اور علمائے اُمّت سے

1: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (م24ھ) کے بارے میں ایک واقعہ مروی ہے:

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهَذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا قَالَ مَنْ أَنْتُمَا أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا قَالَا مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (صحیح البخاری: ج1ص67 باب رفع الصوت فی المساجد)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے مجھے کنکری ماری، میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ اور ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لے آؤ۔ میں انہیں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اُن سے پوچھا: تم کن لوگوں میں سے ہو؟ (یعنی کس قبیلے سے تمہارا تعلق ہے؟) انہوں نے کہا: ہم اہل طائف میں سے ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم اہل مدینہ میں سے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا اس لئے کہ تم مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو۔

آواز بلند کرنے پر مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے نکیر کرنا اس لئے تھا کہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارکہ ہے۔ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیوی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آواز بلند کرنا جرم تھا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ منورہ کے پاس آواز بلند کرنا بھی جائز نہیں، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں، حدودِ مسجد کی آواز کو بلا کسی توسط سے خود سماعت فرماتے ہیں۔ چنانچہ سلف وخلف میں سے کسی نے انکار نہیں فرمایا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اعتقاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ نہ ہوتے اور قریب کی آوازوں کو خود سماعت نہ فرمارہے ہوتے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دبی آواز سے بات کرنے کے حکم قرآنی کو اس انداز میں کبھی بیان نہ فرماتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک دوسرا واقعہ منقول ہے، شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب کسی مہم سے فارغ ہو کر واپس مدینہ منورہ تشریف لاتے تو سب سے پہلا کام جو آپ رضی اللہ عنہ کرتے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سلام عرض کرنا ہوتا تھا اور اسی کی آپ دوسروں کو تلقین بھی فرماتے تھے۔ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اصل الفاظ اس طرح ہیں:

اول کارِ کہ عمر رضی اللہ عنہ ابتداء مے کرد سلام بہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بود. (جذب القلوب: ص200)

ترجمہ: پہلا کام جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابتداء فرماتے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرنا ہوتا۔

علامہ السمہودی رحمہ اللہ (م 911ھ) اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

ولما قدم عمر المدينة كان اول ما بدء بالمسجد و سلم على رسول الله صلى الله عليه و سلم.

(وفاء الوفاء ج4 ص1358 الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ)

ترجمہ: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ تشریف لاتے تو پہلے مسجد نبوی میں تشریف لے جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرتے۔

2: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (م 57ھ) فرماتی ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق روایت ہے:

انها كانت تسمع صوت الوتد يوتد, والمسمار يضرب في بعض الدور المطيفة بمسجد رسول الله صلى الله عليه و سلم، فترسل اليهم: ((لا توؤذوا رسول الله صلى الله عليه و سلم))

قالوا و ما عمل على بن ابى طالب رضى الله عنه مصر عى داره؛ الا بالمناصع؛ توقيا لذلك. (شفاء السقام للسبکی: ص432)

ترجمہ: آپ جب کبھی اُن گھروں میں جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل تھے، کسی میخ لگنے یا کیل لگانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبر دار!) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (اس آواز سے) اذیت نہ دو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی سے بچنے کے لئے اپنے گھر کے کواڑ باہر جاکر بنوائے تھے (تاکہ ان کے بننے کا شور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ دے)

3: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ (م 101ھ) کے بارے میں مروی ہے:

كان عمرُ بن عبد العزيز يُرسِل البريد من الشام الى المدينة ليُسلِّمَ له على النبى صلى الله عليه و سلم.

(شفاء السقام للسبکی: ص166)

ترجمہ: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک قاصد مدینہ منورہ بھیجا کرتے تھے تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طرف سے سلام پہنچائے۔

4: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ (م 150ھ)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: سنت یہ ہے کہ تم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی قبر شریف پر قبلہ کی جہت سے جاؤ، قبلہ کی طرف پیٹھ کرو اور قبر شریف کی طرف چہرہ کرو، پھر کہو: السلام عليك ايها النبى و رحمة الله و بركاته. (مسند الامام الاعظم: ص126 کتاب الحج)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

5:علامہ ابن تیمیہ الحنبلی (م728ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ إِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ ؛ فَأَخْبَرَ أَنَّهُ يَسْمَعُ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ مِنَ الْقَرِيبِ وَأَنَّهُ يَبْلُغُهُ ذَلِكَ مِنَ الْبَعِيدِ. (مجموع الفتاویٰ: ج26 ص70 کتاب الحج، فصل؛ واذا دخل المدینۃ)

ترجمہ: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے صلوٰۃ وسلام خود سنتے ہیں اور دور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا جاتا ہے۔

6: محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام الحنفی (م861ھ) آدابِ زیارت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثم يسأل النبي صلى الله عليه وسلم الشفاعة فيقول يا رسول الله أسألك الشفاعة يا رسول الله أسألك الشفاعة وأتوسل بك إلى الله في أن أموت مسلما على ملتك وسنتك---- ثم ينصرف متباكيا متحسرا على فراق الحضرة الشريفة النبوية والقرب منها. (فتح القدیر: ج3 ص169 و ص184 کتاب الحج، المقصد الثالث فی زیارۃ قبر النبی)

ترجمہ: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرے اور یہ کہے: یارسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں، یارسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں مروں اور آپ کی سنتوں پر عامل ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوں۔۔۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قربِ اقدس سے روتا ہوا اور جدائی کا غم ساتھ لئے ہوئے واپس ہو۔

18: علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الخفاجی (م1069ھ) فرماتے ہیں:

لانه صلى الله عليه وسلم حي في قبره يسمع دعاء زائره. (نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض: ج3 ص398)

ترجمہ: اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اپنے زیارت کرنے والے کی دعا (یعنی صلوٰۃ وسلام) سنتے ہیں۔

19: علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی الحنفی (م1232ھ) رقمطراز ہیں:

ينبغي لمن قصد زيارة النبي صلى الله عليه وسلم ان يكثر الصلاة عليه فانه يسمعها و تبلغ اليه

(حاشیۃ الطحطاوی: ص746 فصل فی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ آپ علیہ السلام پر کثرت سے درود پڑھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اس وقت) خود سنتے ہیں اور (اگر دور سے پڑھا جائے تو فرشتوں کے ذریعے) آپ کی طرف پہنچایا جاتا ہے۔

25: سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ کے حکم سے تقریباً پانچ سو علماء کرام کی مستند جماعت کے مرتب کردہ فتاویٰ عالمگیری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری کے آداب کے بیان میں یہ بات درج ہے:

ويبلغه سلام من أوصاه فيقول السلام عليك يا رسول الله من فلان بن فلان يستشفع بك إلى ربك فاشفع له ولجميع المسلمين. (عالمگیری ج1 ص292 کتاب المناسک، باب النذر بالحج)

ترجمہ: اگر کسی نے اس (زائر) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام کہنے کی درخواست کی ہو تو یہ (زائر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا سلام بھی عرض کرے اور یوں کہے: ”یارسول اللہ! فلاں بن فلاں کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام ہوں اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بناتا ہے، لہٰذا آپ اس کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے شفاعت کریں۔“

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت

اہل السنت والجماعت علماء دیوبند سے

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (م1297ھ)

"جمال قاسمی" میں لکھتے ہیں:

ارواح انبیاء علیہم السلام کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے اور ان کا سماع بعد وفات بھی بدستور باقی ہے۔

(جمال قاسمی ص13 ط: کتب خانہ اعزازیہ دیوبند)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (م1322ھ)

فرماتے ہیں:

مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔ (فتاوی رشیدیہ: ص134)

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (م1339ھ)

سنن ابی داؤد کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

تقدیر الکلام (مامن احد یسلم علی الا ارد علیہ السلام) لانی حی اقدر علی رد السلام۔

(حاشیہ سنن ابی داؤد: ج1 ص286، باب زیارۃ القبور)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ "جو بھی مجھے سلام کرتا ہے تو میں خود اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ میں زندہ ہوں تو سلام کا جواب دینے پر قادر ہوں (اس لیے جواب دیتا ہوں)

مولانا خلیل احمد سہارنپوری (م1346ھ)

"تذکرۃ الخلیل" میں آپ کے متعلق مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں:

آستانہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کے وقت حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی، آواز نکالنا تو کیا مواجہ شریف کے قریب یا مقابل بھی کھڑے نہیں ہوتے تھے، خوفزدہ، مؤدبانہ، دبے پاؤں آتے اور مجرم وقیدی کی طرح دور کھڑے ہوتے، بکمال خشوع صلوٰۃ وسلام عرض کرتے اور چلے آتے تھے۔ زائرین جو بیباکانہ اونچی آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھتے اس سے آپ کو بہت تکلیف ہوتی اور فرمایا کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں اور ایسی آواز سے سلام عرض کرنا بے ادبی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا سبب ہے، لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔

(تذکرۃ الخلیل: ص370)

علامہ محمد انور شاہ کشمیری (م1352ھ)

آپ فرماتے ہیں:

ومن ھھنا انحل حدیث اخر رواہ ابوداؤد فی رد روحہ صلی اللہ علیہ وسلم حین یسلم علیہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس معناہ انہ یرد روحہ ای انہ یحیی فی قبرہ بل توجہہ من ذلك الجانب الی ھذا الجانب فھو صلی اللہ علیہ وسلم حی فی کلتا الحالتین لمعنی انہ لم یطر أعلیہ التعطل قط۔ (فیض الباری علی صحیح البخاری: ج2 ص65 باب رفع الصوت فی المساجد)

ترجمہ: اور یہیں سے ابوداؤد والی حدیث بھی حل ہوگئی کہ "جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کیا جاتا ہے تو آپ کی روح مبارک لوٹائی جاتی ہے"

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اس روح لوٹانے کا یہ مطلب نہیں کہ قبر میں زندہ کیا جاتا ہے بلکہ (اس کا معنی یہ ہے کہ) آپ علیہ السلام کی ایک جانب سے دوسری جانب توجہ کر دی جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں حالتوں میں زندہ ہوتے ہیں، آپ علیہ السلام پر تعطل بالکل طاری نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتوی:

ارشاد فرمایا:

(حدیث پاک) جس شخص نے مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں خود یعنی حقیقی طور پر فرشتوں کے واسطے کے بغیر میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے مجھ پر درود پڑھا تو اس کی مجھے کسی فرشتہ کے ذریعے خبر دی جاتی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ غور سے سنو! یہی ہمارا اور ہمارے سب اساتذہ کرام، مشائخ عظام اور تمام اکابرین کا مسلک اور عقیدہ ہے۔ (مجالس غور غشتوی: ص69،70)

حضرت مولانا مفتی محمود (م1400ھ)

حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ مولانا عبد العزیز شجاع آبادی کی کتاب "دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف" کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا عبد العزیز صاحب شجاع آبادی کی تصنیف "دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف" کو مختلف مقامات سے دیکھا، ماشاء اللہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر الشریف پر اسلام وجمہور اہل السنۃ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق تحریر فرمایا، حوالہ جات پیش کئے اور صحیح مسلک کو حوالہ جات سے ایسا ثابت کیا جو اخلاف ومعاصرین کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرماوے اور حضرت مولانا کو ایسی تصانیف کرنے کی توفیق مزید بخشے۔ واللہ الموفق

الاحقر الافقر محمود عفا اللہ عنہ

خادم مدرسہ قاسم العلوم ملتان

17 ربیع الاوّل 1400ھ"

(دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف: ص9)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (م1402ھ)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خود سننے میں کوئی اشکال نہیں، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے قول بدیع میں لکھا ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اپنی قبر شریف میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اس پر اجماع ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے انبیاء علیہم السلام کی حیات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث (الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون) کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے اس کی مختلف سے طرق سے تخریج کی ہے۔

(فضائل درود شریف: ص34)

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی (م1403ھ)

آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

برزخ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات کا مسئلہ معروف ومشہور اور جمہور علماء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ علماء دیوبند حسب عقیدہ اہلسنت والجماعت برزخ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کے اس تفصیل سے قائل ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بعد اپنی اپنی پاک قبروں میں زندہ ہیں اوران کے اجسام کے ساتھ ان کی ارواح مبارکہ کا ویسا ہی تعلق قائم ہے جیسا کہ دینوی زندگی میں قائم تھا۔ وہ عبادت میں مشغول ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ قبور مبارکہ پر حاضر ہونے والوں کا صلوۃ وسلام سنتے ہیں۔ علماء دیوبند نے یہ عقیدہ قرآن وسنت سے پایا ہے اوراس بارے میں ان کے سوچنے کا طرز بھی متوارث رہا ہے۔(خطبات حکیم الاسلام:ج7ص181)

امام اہل السنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر(م1430ھ)

ہمارے استاذ محترم امام اہل السنت شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ ایک عنوان:"عدم تعلق کا کوئی بھی قائل نہیں رہا" کے تحت لکھتے ہیں:

"بلاخوفِ تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تقریبا1374ھ تک اہل السنت والجماعت کا کوئی فرد، کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ، دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام) کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ عند القبر صلوۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے، کسی اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث وتفسیر کی ہو یا شرحِ حدیث اور فقہ کی، علم کلام کی ہو یا علم تصوف وسلوک کی، سیرت کی ہو یا تاریخ کی، کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عند القبر صلوۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ **من ادعی خلافه فعليه البيان ولا يمكنه ان شاء الله تعالىٰ الى يوم البعث والجزاء والميزان۔**" [جو ہمارے اس دعوے کا مخالف ہو تو وہ دلیل لائے، ان شاء اللہ قیامت قائم ہونے، روزِ جزاء آنے اور میزان عمل لگنے تک اس کے خلاف دلیل لانا ممکن ہے]

(تسکین الصدور:ص290)

اکابر علماء دیوبند کا مسلک:

امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ماہنامہ "پیام مشرق" میں ایک اشتہار شائع ہوا جس میں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اکابر علماء دیوبند کے مسلک اور ان کے متفقہ فیصلہ کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس اشتہار میں اکابرین میں سے دس حضرات کے دستخط موجود تھے اور یہ اشتہار حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہفت روزہ رسالہ "خدام الدین" میں بھی شائع کیا تھا۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ نے "تسکین الصدور" (ص37) میں اور ڈاکٹر علامہ خالد محمود زید مجدہ نے "مقام حیات" (ص707) میں بھی نقل فرمایا ہے۔ افادہ عام کے لیے اس اشتہار کی تحریر اور اس کا سکین پیش خدمت ہے۔

اشتہار کی تحریر:

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق

اکابر دیوبند کا مسلک

علمائے دیوبند کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدانِ مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسدِ عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے۔

صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلّف نہیں ہیں، لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس میں جو درود پڑھا جائے بلاواسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل سنت کا مسلک ہے۔ اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مستقل تصنیف حیات انبیاء علیہم السلام پر "آبِ حیات" کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

علیہ جو حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں، ان کا رسالہ "المہند علی المفند" بھی اہل انصاف اور اہل بصیرت کے لئے کافی ہے۔اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔**واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل**

1:مولانا محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی نمبر 5

2:مولانا عبد الحق عفی عنہ مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

3:مولانا محمد صادق عفا اللہ عنہ سابق ناظم محکمہ امور مذہبیہ بہاولپور

4:مولانا ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ

5:مولانا شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

6:مولانا محمد ادریس کان اللہ لہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

7:مولانا مفتی محمد حسن مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

8:مولانا محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

9:مولانا مفتی محمد شفیع عفا اللہ عنہ مہتمم دار العلوم کراچی نمبر 1

10:مولانا احمد علی عفی عنہ امیر نظام العلماء وامیر خدام الدین لاہور

منجانب:حیات الانبیاء سوسائٹی گجرات

(پیام مشرق: ستمبر 1960ء)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

عقیدہ ثواب وعذاب قبر

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت والجماعت:

قرآن کریم، احادیث مبارکہ، اجماع امت اور اسلاف امت کے فرامین کی روشنی میں اہل السنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ موت کے بعد قیامت سے پہلے قبر میں (جہاں میت یا اس کے اجزاء ہوں) جسد عنصری کو بتعلق روح ثواب وعذاب ہوتا ہے۔

اہلِ بدعت کا موقف:

[۱]: اشاعت التوحید والے حضرات کا موقف یہ ہے کہ مرنے کے بعد علیین یا سجین میں روح اور جسم مثالی کو عذاب وثواب ہوتا ہے، اس دنیا والی قبر میں جسد عنصری سے نہ تو روح کا تعلق ہوتا ہے نہ ہی اس جسم کو عذاب وثواب ہوتا ہے۔ ان حضرات کی چند تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

♣ مرنے کے بعد انسان زندہ ہی رہتا ہے مگر لباس ومکان بدل لیتا ہے... جسد عنصری کا لباس اتار کر جسد مثالی کا لباس پہن لینے اور دار دنیا سے منتقل ہو کر دار برزخ میں پہنچ جانے سے بھی انسان نہیں مرتا۔ (ندائے حق ج1 ص17)

♣ دنیا میں جو شخص مرتا ہے اس کی روح کا رشتہ اس مادی جسم سے ٹوٹ جاتا ہے یہ جسم فنا ہو جاتا ہے مگر مثالی اصلی جسم باقی رہتا ہے اس سے روح کا تعلق نہیں ٹوٹتا... راحت ورنج مسرت اور غم ہر وجدانی کیفیت اس کو محسوس کرتی ہے مگر اس کے باوجود یہ ظاہری مادی جسم نہیں رکھتا یہ جسم تو فنا ہو چکا ہوتا ہے... اس کا تو ہر احساس وادراک جسم مثالی کے ساتھ ہوتا ہے... روح جسم مثالی کے ساتھ ہی منکر نکیر کے سوال کا جواب دیتی ہے۔

(ندائے حق ج1 ص101، 100)

♣ اس جسد عنصری میں بعد از دفن دوبارہ روح کا آنا اور میت کا قبر میں زندہ ہو جانا یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ (ندائے حق ج1 ص225)

♣ قبر وہ ہے جہاں روح کو عذاب وثواب ہوتا ہے وہی شرعی قبر ہے اور وہی روح کا ٹھکانہ ہے۔ (عقیدۃ الامت ص31 مصنف شہاب الدین خالدی)

♣ اللہ تعالیٰ اس عالم برزخ میں روح کو وہاں کے مناسب حال ایک جسم عطا فرماتے ہیں... اسی جسم مثالی میں روح قیامت تک رہے گی۔

(عقیدۃ الامت ص34)

♣ شرعی قبر جس میں ثواب وعذاب ہوتا ہے وہ ہے جو جنت کے قریب ہے۔ (عقیدۃ الامت ص36)

♣ یعنی زمین وقبر بھی مثالی زور جسم بھی مثالی اور ثواب وعذاب بھی وہیں ہو گا۔ (عقیدۃ الامت ص39)

♣ اس جسم عنصری کو عذاب نہیں ہوتا اور نہ ہی اس قبر میں عذاب ہوتا ہے... عذاب وثواب روح کو ہوتا ہے جو اس جسم میں نہیں ہوتی۔

(عقیدۃ الامت ص525)

♣ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا قرآن کریم اور احادیث صریحہ کی رو سے یہ موقف ہے کہ اس مٹی والے جسم سے روح نکلنے کے بعد نہ تو وہ روح اس قبر میں مدفون جسم میں واپس آتی ہے اور نہ ہی اس مدفون جسم سے روح کا کوئی تعلق قائم ہوتا ہے۔

(عقائد علمائے اسلام ص91 مصنف شہاب الدین خالدی)

[۲]: کیپٹن عثمانی صاحب ثواب وعذاب قبر کی اس صحیح صورت کے منکر ہیں۔ چنانچہ موصوف نے اپنے ایک رسالہ "عذاب برزخ" میں کئی ایک مقامات پر اس عقیدہ کا انکار کیا ہے چند تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

☆ یہی وہ اصلی قبر ہے جہاں روح کو دوسرے (برزخی) جسم میں ڈال کر قیامت تک رکھا جائے گا اور اسی پر راحت یا عذاب کا پورا دور گذرے گا۔ (عذاب برزخ: ص2)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

☆ روحوں کو جسم (برزخی) ملتا ہے اور روح اور اس جسم کے مجموعہ پر راحت و عذاب کا دور گزرتا ہے......اس مجموعہ کو قیامت تک باقی رکھا جائے گا اور اس پر سارے حالات قیامت تک گزریں گے۔(عذاب برزخ:ص6)

☆ سچی بات تو یہ ہے کہ جو شخص بھی وفات پاجاتا ہے اس کو حسب حیثیت ایک برزخی جسم ملتا ہے جس میں اس کی روح کو ڈال دیا جاتا ہے اور اس جسم اور روح کے مجموعہ پر سوال و جواب اور عذاب و ثواب کے سارے حالات گذرتے ہیں اور یہی اس کی اصلی قبر بنتی ہے۔ (عذاب برزخ:ص9)

☆ اللہ کا فیصلہ ہے کہ قیامت سے پہلے مردہ جسم میں روح واپس نہیں آسکتی اور ظاہر ہے کہ بغیر روح کے عذاب و راحت بے معنی ہیں۔

عذاب برزخ:ص17

☆ اب اگر کوئی بضد ہو کہ اس مردے کے ساتھ جو مٹی کے ساتھ مل کر مٹی ہو جاتا ہے ہڈیوں کا ڈھانچہ بھی نہیں رہتا، عذاب و راحت کا معاملہ اس زمینی گڑھے میں ہوتا ہے تو یہ محض جہالت، ضد اور ہٹ دھرمی اور قرآن و حدیث کا صریح انکار ہے جو یقیناً اللہ تعالی کے عذاب اور آخرت سے لاپرواہی کا ہی نتیجہ ہے قرآن کی نظر میں ایسے عقیدے کا حامل شخص سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن مومن نہیں ہو سکتا۔

قبر پرستی کا شرک اور اس کی بنیاد:ص17

کیپٹن عثمانی صاحب کی ان عبارات سے چند باتیں سامنے آتی ہیں:

1: قبر اس دنیا والے گڑھے کا نام نہیں بلکہ علیین یا سجین کا نام ہے۔

2: برزخ روحوں کے مقر کو کہتے ہیں۔

3: موت و دفن کے بعد اس دنیا والے جسم میں نہ تو روح کا اعادہ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کا تعلق ہوتا ہے۔

4: قبر میں سوال و جواب کے لئے روح کو دوسرا جسم دیا جاتا ہے جسے جسم مثالی کہتے ہیں اور ثواب و عذاب بھی اسی جسم مثالی کو ہوتا ہے۔

5: دنیا والے گڑھے کو قبر ماننا، روح کا اس جسم سے تعلق کا قائل ہونا اور اس جسم کی سزا و جزا کا عقیدہ رکھنا شرک کی بنیاد اور قرآن کریم کی مخالفت وانکار ہے۔

اگر بالترتیب یہ چیزیں سمجھ لی جائیں:

1: تعیین قبر 2: اعادہ و تعلق روح (یعنی حیات فی القبر) 3: عذاب و ثواب جسم مع الروح

تو مسئلہ خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ ان امور کی مختصر سی تفصیل پیش خدمت ہے:

[۱]: تعیین قبر

آیات قرآنیہ:

1: وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ (التوبة: 84)

ترجمہ: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقین میں اگر کوئی مر جائے تو آپ اس پر کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔

2: ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ [عبس 21]

ترجمہ: پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچا دیا

3: حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ [التکاثر 2]

ترجمہ: (ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دنیا کی عیش حاصل کرنے کی ہوس نے تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے) یہاں تک کہ تم قبرستان میں پہنچ جاتے ہو۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

احادیث مبارکہ

حدیث نمبر 1:

عن عمرو بن حزم قال رآنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم علی قبر فقال : انزل عن القبر لا تؤذ صاحب القبر فلا یؤذیك [شرح معانی الاثار ص329،328 باب الجلوس علی القبور]

ترجمہ: حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر پر دیکھا تو فرمایا قبر سے نیچے اتر جاو قبر والے کو تکلیف نہ دو اور نہ وہ تمہیں تکلیف دے (یعنی اس کی وجہ سے تمہیں تکلیف نہ پہنچے)

حدیث نمبر 2:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسْجِدًا قَالَتْ وَلَوْلَا ذَلِكَ لَأَبْرَزُوا قَبْرَهُ غَيْرَ أَنِّي أَخْشَى أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا

[بخاری ج1 ص177 بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ اتِّخَاذِ الْمَسَاجِدِ عَلَى الْقُبُورِ]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں فرمایا یہود و نصاری پر اللہ تعالی کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مساجد بنالیں تھیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں: اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ علیہ السلام کی قبر کھلی جگہ بنائی جاتی۔

حدیث نمبر 3:

عن عائشة قالت لما مات النجاشي كنا نتحدث أنه لا يزال يرى على قبره نور

[سنن ابی داود ج1 ص364 باب فی النور یری عند قبر الشهید].

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب حضرت نجاشی کا انتقال ہوا تو ہمارے اندر یہ بات بیان کی جاتی تھی کہ ان کی قبر پر نور دیکھا جاتا تھا

[۲]: اعادہ و تعلق روح (یعنی حیات فی القبر)

آیاتِ قرآنیہ:

آیت نمبر 1:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ

[ابراھیم 27]

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کو اس مضبوط بات پر دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدمی عطا فرماتے ہیں اور قبر میں بھی اور ظالم لوگوں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے اور اللہ (اپنی حکمت کے مطابق) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

تفسیر:

1: وأخرج البزار عن عائشة قالت: قلت يارسول الله تبتلى هذه الأمة فی قبورها فكيف بی وأنا امرأة ضعيفة قال يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت فی الحياة الدنيا وفی الآخرة

[الدر المنثور ج8 ص525]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ اس امت کو قبروں میں آزمایا جائے گا میری کیا حالت ہو گی میں تو کمزور سی عورت ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت فی الحيوٰة الدنيا وفی الآخرة﴾

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

آپ علیہ السلام کے اس تسلی والے فرمان سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں لفظ آخرت سے مراد قبر کی زندگی ہے جہاں کے عذاب سے اللہ کلمہ کے مطابق زندگی گزارنے والوں کو محفوظ فرماتے ہیں۔

فائدہ: اکثر مفسرین نے اس آیت کو ثواب وعذاب قبر کے متعلق قرار دیا ہے اور اس آیت کے تحت مرفوع اور موقوف احادیث نقل کر کے اعادہ و تعلق روح کو ذکر کیا ہے جس سے قبر کی زندگی ثابت ہوتی ہے دیکھئے : (تفسیر طبری ج8ص253، تفسیر بغوی ج3ص35، تفسیر کشاف ج2ص520، البحر رالوجیزلابی محمد عبد الحق الاندلسی ج3ص337، تفسیر بیضاوی ج1ص518، تفسیر مدارک ج1ص452، تفسیر خازن ج3ص84، تفسیر ابن کثیر ج2ص691، الدر المنثور لسیوطی ج4ص148، تفسیر ابو السعود ج5ص52، البحر المدید ج3ص370)

آیت نمبر 2:

قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

الجاثیہ 26

ترجمہ: : اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دیجیے اللہ ہی تمہیں زندگی دیتا ہے پھر وہی تمہیں موت دے گا، پھر تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔

تفسیر:

قُلِ } يا محمد لأبي جهل وأصحابه { اللهُ يُحْيِيكُمْ } في القبر { ثُمَّ يُمِيتُكُمْ } في القبر { ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ القيامة } ويقال قل الله يميتكم مقدم ومؤخر ثم يجمعكم إلى يوم القيامة { لاَ رَيْبَ فِيهِ } لا شك فيه { ولكن أَكْثَرَ الناس } أهل مكة { لاَ يَعْلَمُونَ } ذلك ولا يصدقون

[تفسیر ابن عباس 2ص22]

ترجمہ: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں "اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ابو جہل اور دوسرے کفار سے کہدیں اللہ تمہیں قبر میں زندہ کرے گا {سوال وجواب کے بعد} تمہیں قبر میں موت دے گا پھر تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا بعض حضرات کے نزدیک اس آیت میں تھوڑی سی تقدیم و تاخیر ہے { ثُمَّ يُمِيتُكُمْ } پہلے ہے اور { يُحْيِيكُمْ } بعد میں ہے اب آیت کا معنٰی ہو گا اللہ تمہیں دنیا میں موت دیں گے پھر قبر میں زندہ کریں گے، پھر تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے لیکن اکثر اہل مکہ اس بات کو نہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

احادیث مبارکہ:

حدیث نمبر 1:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث مروی ہے جسے کئی محدثین نے نقل کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کے وقت پیش آنے والے حالات وواقعات، موت کے وقت مومن وکافر کی کیفیت موت کے بعد قبر میں پیش آنے والے حالات کو تفصیلاً بیان فرمایا ہے اس طویل حدیث میں قبر کے زندگی کو بیان کرتے ہوئے آپ علیہ السلام نے فرمایا "فتعاد روحه في جسده"

سوال وجواب کے وقت میت کی روح پھر اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔

(مسند احمد رقم الحدیث 18534، شعب الایمان ج1ص357،356 رقم الحدیث 395 فصل فی عذاب القبر)

مصححین ومستدلین حدیث:

حضرات ائمہ کی بہت بڑی تعداد نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا اور اس سے قبر کی زندگی کے اثبات پر استدلال کیا ہے۔ مثلاً:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

☆ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ.

شعب الایمان ج1ص357

☆ وَقَالَ الْحَافِظُ أَبُو نُعَيْمٍ الأصبهاني : وَأَمَّا حَدِيثُ الْبَرَاءِ رَوَاهُ الْمِنْهَالُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ زاذان عَنْ الْبَرَاءِ فَحَدِيثٌ مَشْهُورٌ رَوَاهُ عَنْ الْمِنْهَالِ الْجَمُّ الْغَفِيرُ وَرَوَاهُ عَنْ الْبَرَاءِ : عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُقْبَةَ وَغَيْرُهُمَا وَرَوَاهُ عَنْ زاذان عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ. قَالَ : وَهُوَ حَدِيثٌ أَجْمَعَ رُوَاةُ الْأَثَرِ عَلَى شُهْرَتِهِ وَاسْتِفَاضَتِهِ وَقَالَ الْحَافِظُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ بْنُ منده : هَذَا الْحَدِيثُ إسْنَادُهُ مُتَّصِلٌ مَشْهُورٌ رَوَاهُ جَمَاعَةٌ عَنْ الْبَرَاءِ

مجموع الفتاوی ج5ص216

☆ هذا حديث ثابت مشهور مستفيض صححه جماعة من الحفاظ ولا نعلم أحدا من أئمة الحديث طعن فيه بل رووه في كتبهم وتلقوه بالقبول وجعلوه أصلا من أصول الدين في عذاب القبر ونعيمه ومساءلة منكر ونكير وقبض الأرواح وصعودها إلى بين يدي الله ثم رجوعها إلى القبر

کتاب الروح ص48

نوٹ: اس روایت کے راوی ابو معاویہ پر بعض حضرات نے اضطراب کی جرح کی ھے لیکن وہ جرح یہاں نہیں چل سکتی کیونکہ بتصریح ائمہ ابو معاویہ کی ان روایات میں اضطراب ہے جو اعمش کے علاوہ سے مروی ہوں

أبو معاوية الضرير صدوق وهو في الأعمش ثقة وفي غير الأعمش فيه اضطراب. (تاریخ بغداد ج2ص115)

اور یہ روایت امام اعمش سے ہی مروی ہے۔ صحیح مسلم میں سبز پرندوں والی روایت بھی ابو معاویہ عن اعمش کے طریق سے مروی ہے۔

حدیث نمبر2:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلَى نَفْسِهِ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ لِبَنِيهِ إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي ثُمَّ اطْحَنُونِي ثُمَّ ذَرُّونِي فِي الرِّيحِ فَوَاللَّهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَيَّ رَبِّي لَيُعَذِّبَنِّي عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ أَحَدًا فَلَمَّا مَاتَ فُعِلَ بِهِ ذَلِكَ فَأَمَرَ اللَّهُ الْأَرْضَ فَقَالَ اجْمَعِي مَا فِيكِ مِنْهُ فَفَعَلَتْ فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ قَالَ يَا رَبِّ خَشْيَتُكَ فَغَفَرَ لَهُ

صحیح بخاری ج ص باب حَدِيثُ الْغَارِ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی تھا جو بہت گناہگار تھا جب اسے موت آنے لگی تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاوں تو مجھے جلا دینا پھر میری ہڈیوں کو پیس لینا اور مجھے ہوا میں اڑا دینا قسم بخدا اگر میں اپنے رب کی پکڑ میں آ گیا تو مجھے ایسا عذاب دے گا جو کسی کو بھی نہیں دیا ہو گا چنانچہ جب وہ مر گیا تو اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا، اللہ رب العزت نے زمین کو حکم دیا کہ اس بندے کے ذرات جہاں کہیں بھی ہیں ان کو جمع کر دے زمین نے اس کے ذرات جمع کر دیے تو وہ زندہ کھڑا ہو گیا اللہ تعالی نے فرمایا تو نے یہ کام کیوں کیا؟ ایسی وصیت کیوں کی؟ تو وہ کہنے لگا اے میرے رب میں نے تیرے ڈر کی وجہ سے ایسا کیا تھا چنانچہ اللہ تعالی نے اس بخش دیا۔

ملاحظہ فرمائیں اگر موت کے بعد سوال وجواب اور اس کے بعد ثواب وعذاب کا تعلق اس دنیا والے جسم سے نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے اس بندے کے اسی دنیوی جسم کو دوبارہ کیوں زندہ فرمایا؟ اس کی روح تو محفوظ تھی اسی سے سوال وجواب کر لیتے۔

حدیث نمبر3:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

وَسَلُوا لَهُ التَّثْبِيتَ فَإِنَّهُ الآنَ يُسْأَلُ

سنن ابی داود ج ص باب الاِسْتِغْفَارِ عِنْدَ الْقَبْرِ لِلْمَيِّتِ فِي وَقْتِ الِانْصِرَافِ.

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہو جاتے تو تھوڑی دیر وہی ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ اس سے ابھی سوال کیے جائیں گے۔ اور سوال زندہ سے کیا جاتا ہے۔

[۳]: عذاب وثواب جسم مع الروح

قرآن مع التفسیر:

آیت نمبر1:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ [الانعام 93]

مستدلین:

:1 امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری المتوفیٰ 256ھ نے اس آیت کریمہ سے عذاب قبر پر استدلال کیا ہے فرماتے ہیں:

باب ما جاء فی عذاب القبر وقول الله تعالى ولو ترىٰ إذ الظالمون فی غمرات الموت والملائكة باسطو أيديهم أخرجوا أنفسكم اليوم تجزون عذاب الهون

صحیح بخاری ج1 ص183

:2 امام شمس الدین ابو عبد اللہ بن قیم الجوزیہ المتوفیٰ 751ھ ایک سوال "قرآن کریم میں عذاب وثواب قبر کا ذکر کیوں نہیں؟" کے جواب میں فرماتے ہیں:

وأما الجواب المفصل فهو أن نعيم البرزخ وعذابه مذكور في القرآن في غير موضع فمنها قوله تعالى ولو ترى إذ الظالمون في غمرات الموت والملائكة باسطو أيديهم أخرجوا أنفسكم اليوم تجزون عذاب الهون بما كنتم تقولون على الله غير الحق و كنتم عن اياته تستكبرون وهذا خطاب لهم عند الموت وقد أخبرت الملائكة وهم الصادقون أنهم حينئذ يجزون عذاب الهون ولو تأخر عنهم ذلك إلى انقضاء الدنيا لما صح أن يقال لهم اليوم تجزون"

کتاب الروح لابن قیم ص87

:3 مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب المتوفیٰ 1396ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

آج مرنے کے ساتھ ہی تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی یعنی جس میں تکلیف جسمانی بھی ہو اور ذلت روحانی بھی۔

معارف القرآن ج3 ص393

آیت نمبر2:

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ (التوبہ: 101)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے لئے قیامت سے پہلے دو عذابوں کو ذکر کیا ہے۔ بقولِ مفسرین ان میں ایک عذاب قبر کا ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مستدلین:

1: عن ابن عباس فی هذه الآية قال قام رسول الله صلى الله عليه وسلم خطيبا يوم الجمعة فقال "اخرج يا فلان، فإنك منافق، واخرج يا فلان فإنك منافق فأخرج من المسجد ناسا منهم فضحهم فجاء عمر وهم يخرجون من المسجد فاختبأ منهم حياء أنه لم يشهد الجمعة وظن أن الناس قد انصرفوا، واختبئوا هم من عمر ظنوا أنه قد علم بأمرهم فجاء عمر فدخل المسجد فإذا الناس لم يصلوا، فقال له رجل من المسلمين: أبشر يا عمر، قد فضح الله المنافقين اليوم. قال ابن عباس: فهذا العذاب الأول حين أخرجهم من المسجد، والعذاب الثانی عذاب القبر". (تفسیر ابن کثیر ج3ص435)

2: وقال الحسن البصری: عذاب فی الدنیا، وعذاب فی القبر. (تفسیر ابن کثیر ج3ص435)

آیت نمبر3:

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ. (ابراهیم 27)

تفسیر نبوی:

1: عن البراء بن عازب رضى الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال إذا أقعد المؤمن فی قبره أتی ثم شهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله فذلك قوله {يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت} حدثنا محمد بن بشار حدثنا غندر حدثنا شعبة بهذا وزاد {يثبت الله الذين آمنوا} نزلت فی عذاب القبر. (صحیح بخاری ج1ص183)

2: عن البراء بن عازب عن النبي صلى الله عليه و سلم قال: {يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت فی الحياة الدنيا وفی الآخرة} قال نزلت فی عذاب القبر يقال له من ربك فيقول ربی الله ودينی دين محمد صلى الله عليه و سلم فذلك قوله {يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت فی الحياة الدنيا وفی الآخرة}. (سنن نسائی ج1ص290باب عذاب القبر)

تفسیر صحابی:

عن خيثمة عن البراء قال: {يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت فی الحياة الدنيا وفی الآخرة} قال نزلت فی عذاب القبر. (سنن نسائی ج1ص289باب عذاب القبر)

فائدہ: اکثر سنی مفسرین نے اس آیت کریمہ کو ثواب وعذاب قبر کے متعلق قرار دیاہے اور اس آیت کے تحت اعادہ روح، سوال وجواب فی القبر کو ذکر کیاہے طوالت کے خوف سے ان تمام کو یہاں نقل نہیں کیاجاتا صرف ایک پر اکتفا کیاجاتاہے۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

"قبر کا عذاب وثواب قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ حدیث یہ ہے؛ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قبر میں مومن سے سوال کیاجائے گا تو ایسے ہولناک مقام اور سخت حال میں بھی وہ بتائید ربانی اس کلمہ پر قائم رہے گا، اور "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی شہادت دے گا اور پھر فرمایا کہ ارشاد قرآنی "يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت فی الحياة الدنيا وفی الآخرة" کا یہی مطلب ہے... اسی طرح تقریباً چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے معتبر اسانید کے ساتھ اسی مضمون کی حدیثیں منقول ہیں جن کو امام ابن کثیر نے اس جگہ اپنی تفسیر میں جمع کیاہے اور شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنے منظوم رسالہ "التثبیت عند التبییت" میں اور "شرح الصدور" میں ستر احادیث کا حوالہ نقل کرکے ان روایات کو متواتر فرمایاہے، ان سب حضرات صحابہ کرام نے آیت مذکورہ میں آخرت سے مراد قبر اور اس آیت کو قبر کے عذاب وثواب سے متعلق قرار دیاہے۔" (معارف القرآن ج5ص248)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

احادیث مبارکہ:

حدیث نمبر 1:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهِ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ فَيُقَالُ لَهُ انْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ أَبْدَلَكَ اللَّهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا قَالَ قَتَادَةُ وَذُكِرَ لَنَا أَنَّهُ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى حَدِيثِ أَنَسٍ قَالَ وَأَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهُ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ فَيُقَالُ لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ. (صحیح البخاری: ص220 بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ رقم 1374)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دفن کرنے والے ساتھی واپس لوٹتے ہیں یقینا وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے اس وقت اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں اس کو بٹھادیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتا ہے مومن کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں پس اسے کہا جاتا ہے کہ تو اپنا آگ کا ٹھکانہ دیکھ لے اللہ تعالی نے تجھے اس کے بدلے جنت عطا فرمائی ہے پس وہ دونوں مقاموں کو دیکھتا ہے باقی منافق اور کافر جب اس سے پوچھا جاتا ہے تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا جس طرح لوگ کہتے تھے میں بھی اسی طرح کہتا تھا تو فرشتے اسے کہتے ہیں نہ تو خود جانتا تھا اور نہ ہی جاننے والوں پر اعتماد کرتا تھا اس کے بعد لوہے کے ہتھوڑے سے اسے ایسا مارا جاتا ہے کہ وہ چیختا ہے اور اس کی چیخ و پکار جن اور انس کے علاوہ ارد گرد کے جانور سنتے ہیں۔

حدیث نمبر 2:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ إِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صلی الله علیه وسلم دَخَلَ نَخْلاً لِبَنِي النَّجَّارِ فَسَمِعَ صَوْتًا فَفَزِعَ فَقَالَ مَنْ أَصْحَابُ هَذِهِ الْقُبُورِ قَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ نَاسٌ مَاتُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ قَالُوا وَمِمَّ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ أَتَاهُ مَلَكٌ فَيَقُولُ لَهُ مَا كُنْتَ تَعْبُدُ فَإِنِ اللَّهُ هَدَاهُ قَالَ كُنْتُ أَعْبُدُ اللَّهَ. فَيُقَالُ لَهُ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ فَيَقُول هُوَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ فَمَا يُسْأَلُ عَنْ شَيْءٍ غَيْرِهَا فَيُنْطَلَقُ بِهِ إِلَى بَيْتٍ كَانَ لَهُ فِي النَّارِ فَيُقَالُ لَهُ هَذَا بَيْتُكَ كَانَ لَكَ فِي النَّارِ وَلَكِنَّ اللَّهَ عَصَمَكَ وَرَحِمَكَ فَأَبْدَلَكَ بِهِ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ فَيَقُولُ دَعُونِي حَتَّى أَذْهَبَ فَأُبَشِّرَ أَهْلِي فَيُقَالُ لَهُ اسْكُنْ. وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ أَتَاهُ مَلَكٌ فَيَنْتَهِرُهُ فَيَقُولُ لَهُ مَا كُنْتَ تَعْبُدُ فَيَقُولُ لاَ أَدْرِي. فَيُقَالُ لَهُ لاَ دَرَيْتَ وَلاَ تَلَيْتَ فَيُقَالُ لَهُ فَمَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ فَيَضْرِبُهُ بِمِطْرَاقٍ مِنْ حَدِيدٍ بَيْنَ أُذُنَيْهِ فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا الْخَلْقُ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ. (سنن ابی داود ج 2 ص 305 باب فِي الْمَسْأَلَةِ فِي الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی نجار کے باغ میں تشریف لے گئے آپ نے وہاں پر ایک آواز سنی تو آپ گھبرا گئے اور دریافت فرمایا یہ کن لوگوں کی قبریں ہیں؟ لوگوں نے بتایا یارسول اللہ کچھ لوگوں کی قبریں ہیں جو دور جاہلیت میں انتقال کر گئے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالی سے آگ کے عذاب اور فتنہ دجال سے پناہ مانگو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کس وجہ سے؟ آپ نے ارشاد فرمایا مومن جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور کہتا ہے تو (دنیا میں) کس کی عبادت کرتا تھا؟ اللہ تعالی جس کی راہنمائی فرماتے ہیں تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں اللہ تعالی کی عبادت کرتا تھا پھر اس شخص سے کہا جاتا ہے کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں) وہ شخص جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اس کے بعد

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اس کو ایک گھر کی طرف لے جاتے ہیں جو اس کے لیے دوزخ میں تھا اور اس سے کہتے ہیں تمہارا دوزخ میں یہ گھر تھا لیکن اللہ تعالی نے تمہاری حفاظت فرمائی اور تم پر رحم فرمایا اور اس کے عوض جنت میں گھر عطا فرما دیا، وہ شخص یہ سن کر کہتا ہے کہ مجھے دنیا میں واپس جانے دو میں اپنے اہل خانہ کو اس کی خوشخبری سناؤں لیکن اس شخص کو دنیا میں واپس آنے کی اجازت نہیں دی جاتی اور جب کافر کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس فرشتہ آتا ہے اور ڈانٹ کر اس سے پوچھتا ہے کہ تو کس کی عبادت کرتا تھا؟ وہ کہتا ہے مجھے معلوم نہیں پھر اس سے کہتے ہیں کہ تو نے نہ تو خود علم حاصل کیا اور نہ کسی کی اتباع کی پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اس شخص (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ میں وہی بات کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے پھر وہ فرشتہ اس شخص کو اس کے دونوں کانوں کے درمیان لوہے کے گرز سے مارتا ہے وہ شخص ایسی چیخ مارتا ہے کہ اللہ کی تمام مخلوق اس کو سنتی ہے سوائے جنوں اور انسانوں کے۔

حدیث نمبر 3:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ مِنْ كَبِيرٍ ثُمَّ قَالَ بَلَى أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعَى بِالنَّمِيمَةِ وَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ قَالَ ثُمَّ أَخَذَ عُودًا رَطْبًا فَكَسَرَهُ بِاثْنَتَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى قَبْرٍ ثُمَّ قَالَ لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا

صحیح بخاری ص 221 باب عذاب القبر مِنَ الْغِيبَةِ وَالْبَوْلِ رقم 1378، مسند احمد ج 3 ص 441 رقم 1980،

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں سے گذر ہوا تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ان دو قبر والوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور عذاب بھی کسی بڑے جرم کی وجہ سے نہیں ہو رہا ہے پھر آپ نے فرمایا ان میں سے ایک چغل خوری کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا پھر آپ علیہ السلام نے ایک تر ٹہنی منگوائی اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ان میں سے ہر ایک قبر پر گاڑ دی پھر فرمایا کہ امید ہے ان کے خشک ہونے تک ان سے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی۔

اجماع اہل السنت والجماعت:

1: بیان استنباط الاحکام الاول فیه أن عذاب القبر حق یجب الإیمان به والتسلیم له وعلی ذلك أهل السنة والجماعة-- --------ثم المعذب عند أهل السنة الجسد بعینه أو بعضه بعد إعادة الروح إلی جسده أو إلی جزئه وخالف فی ذلك محمد بن جریر وطائفة فقالوا لا یشترط إعادة الروح وهذا أیضا فاسد

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج 2 ص 598،597

2: ثم المعذب عند أهل السنة الجسد بعینه أو بعضه بعد اعادة الروح إلیه أو إلی جزء منه وخالف فیه محمد بن جریر وعبد الله بن کرام وطائفة فقالوا لا یشترط إعادة الروح قال أصحابنا هذا فاسد لأن الألم والاحساس إنما یکون فی الحی

شرح مسلم ج 2 ص 386

3: بَلِ الْعَذَابُ وَالنَّعِيمُ عَلَى النَّفْسِ وَالْبَدَنِ جَمِيعًا بِاتِّفَاقِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ تَنْعَمُ النَّفْسُ وَتُعَذَّبُ مُنْفَرِدَةً عَنِ الْبَدَنِ وَتُعَذَّبُ مُتَّصِلَةً بِالْبَدَنِ وَالْبَدَنُ مُتَّصِلٌ بِهَا فَيَكُونُ النَّعِيمُ وَالْعَذَابُ عَلَيْهِمَا فِي هَذِهِ الْحَالِ مُجْتَمِعِينَ كَمَا يَكُونُ لِلرُّوحِ مُنْفَرِدَةً عَنِ الْبَدَنِ.

(فتاوی ابن تیمیہ: ج 2 ص 140)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صفت حاضر و ناظر خاصۂ خداوندی

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

پہلے چند شرائط:

1: چونکہ بریلوی اس عقیدے کے منکر کو کافر کہتے ہیں، اس لیے اس عقیدے پر بریلوی حضرات دلائل قطعیہ ہی پیش کر سکتے ہیں۔

2: احناف کے مسلمہ بزرگوں کی عقائد پر کتب موجود ہیں، بریلوی حضرات اپنا یہ عقیدہ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ موجود ہیں، ان سے ثابت کریں۔

3: بریلوی حضرات منکرین کو جو ہر جگہ نہیں مانتے کافر لکھ کر دے گا۔

بریلویوں کے ہاں منکرین کافر ہیں:

1: اہل بدعت کی معتبر کتاب میں ہے:

شیخین کا گستاخ اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا منکر دونوں شخص عقیدہ کے لحاظ سے اس کے مرتکب ہوتے ہیں اور یہ التزام کفر ہے، جس سے نکاح نہیں رہتا جس فعل کا تعلق عقیدے سے ہو اور اہل السنۃ کے خلاف ہو تو مرتد قطعی ہے۔ العیاذ باللہ اور اس کا قتل واجب ہے۔ (انوارِ قمریہ ص107)

2: مولوی محمد عمر اچھروی لکھتا ہے:

جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے منکر ہیں ان کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایمان سے خالی ہیں۔

(مقیاس حنفیت ص268)

3: فیض احمد اویسی لکھتا ہے:

حضور علیہ السلام کے حاضر و ناظر ہونے کا انکار وہی کرے گا جو یا تو اپنے آپ کو مومن نہ جانے یا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہ سمجھے۔ (صحابہ کرام عقیدہ ص8)

4: مولوی غلام نصیر الدین سیالوی لکھتا ہے:

یہ لوگ حضور علیہ السلام کے اوصاف کاملہ کے انکار کی وجہ سے کافر ہوگئے جن صفات کاملہ کا ان لوگوں نے انکار کیا ہے ان میں علم غیب، حاضر و ناظر، معراج کی رات حضور علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنا اور حضور علیہ السلام کی اعانت کرنا اور آپ علیہ السلام سے استمداد کا منکر ہو جانا یہ ان کے کفر کی وجوہات ہیں۔ (عباراتِ اکابر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ج1 ص69، دیوبندی مذہب ص635)

تنقیح مسئلہ:

بریلوی حضرات سے حاضر و ناظر ہونے کی وضاحت طلب کی جائے، کیونکہ یہ حضرات شتر مرغ کی کیفیت رکھتے ہیں کہ کبھی یہ کبھی وہ۔

حاضر کہتے ہیں موجود کو اور ناظر کہتے ہیں دیکھنے والوں کو، چونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقام پر تشریف فرما ہیں اور نامہ اعمال اجمالاً پیش خدمت ہوتا ہے اس کے ناظر بھی ہیں اس لیے ان الفاظ کا استعمال کرنا غلط بھی نہیں۔

مگر بریلوی حضرات سے وضاحت ضروری ہے کہ حاضر و ناظر سے کیا مطلب ہے؟ بریلوی حضرات جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر کہتے ہیں اس سے مراد ان کی ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی ہوتی ہے، اس پر آپ یہ سوال اٹھائیں کہ جناب ہر جگہ آپ روح سے حاضر

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

وناظر ہیں یا روح اور جسم دونوں سے؟ اگر وہ کہیں دونوں سے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جسم مبارک تو نظر آنے والا تھا جب دنیا پر موجود تھا۔ ابولہب وابوجہل کو بھی نظر آیا، تو اب تمہیں کیوں نظر نہیں آتا؟ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف روح مبارک سے ہر جگہ حاضر وناظر ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ آپ کی زندگی میں تو آپ کی روح مبارک آپ کے وجود مبارک میں تھی یہ کائنات میں (بقول آپ کے) ہر جگہ جواب موجود ہے یہ کب سے ہوئی؟ تو شاید وہ یہی جواب دیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسل کے وصال کے بعد۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو یہ کس نے بتایا کیونکہ دین تو مکمل ہو چکا ہے اور اس مکمل دین سے آپ کا عقیدہ ثابت نہ ہوا اور دوسری بات یہ ہے کہ تو آپ علیہ السلام نہ موجود ہوئے یہ تو روح پاک ہوئی ہے لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں تو آپ کی صرف روح کو مان کر آپ نے آدھا مسئلہ خود چھوڑ دیا اور آدھا ہم سے سمجھ لیں کہ اس دنیا میں ہر شے محدود ہے سوائے خدا کے سب محدود ہیں۔ ایک جگہ ہیں تو دوسری جگہ نہیں، ہر چیز جو کسی جگہ ہے تو وہاں جگہ گھیرے گی مثلاً روشنی کو دیکھ لیجیے جہاں ہو وہاں اندھیرا نہیں اور اندھیرا اگر کسی جگہ ہے تو روشنی نہیں دو چیزیں ایک ہی وقت میں ایک جگہ نہیں ہوتیں۔ جہاں ہم بیٹھیں دن کی روشنی میں تو وہاں ہمارا جسم ہے اور اگر ہم اٹھ جائیں تو روشنی وہاں آجائے گی۔ ہر مخلوق کو اللہ کریم نے حادث بنایا ہے یعنی وہ پہلے نہ تھی پھر اسے وجود بخشا اب تو نہ کوئی ایسی مخلوق بنائی جو ہر آن ہر گھڑی ہر مکان میں ہو، یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب پورے عالم میں صرف ایک مخلوق ہو اور کوئی نہ ہو۔

اب ان ارواح کو دیکھیے ان میں بھی تداخل نہیں جہاں ایک ہے وہاں دوسری نہیں اور اس کو کتنی ہی سیر کا موقع ملے اور دائرہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو مگر ایک دائرہ میں۔ محدود حد تک نہ کہ وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے تو جب زمین پر آتا ہے تو وہ اپنی اصل صورت پر جو اوپر ہوتی ہے وہاں نہیں ہوتے اور جب وہاں اس صورت میں ہوتے ہیں تو زمین پر انسانی شکل میں نہیں ہوتے۔ تیز رفتاری اور برق رفتاری ضرور ہے مگر چونکہ مخلوق ہیں اس لیے ہر وقت ہر جگہ ہونا مخلوق کے خواص میں نہیں ہے۔

اب وہ کہے گا کہ جی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم ہر جگہ حاضر وناظر کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام ایک ہی جگہ تشریف فرما ہونے کے باوجود ہر جگہ کو دیکھ بھی رہے ہیں اور ملاحظہ بھی فرما رہے ہیں، کوئی جگہ آپ کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔

اس پر بھی کئی سوال ابھریں گے:

1: یہ کس وقت سے یا تو شروع کائنات سے جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا گیا تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کے وقت کا قرآن تذکرہ کر کے کہتا ہے کہ آپ وہاں موجود نہیں تھے اور کئی مواقع کا ذکر کر کے قرآن کہتا ہے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں کہ آپ وہاں نہ تھے تو شروع والی بات تو غلط ٹھہری۔

:2 اگر آپ کہیں کہ زندگی مبارکہ میں تھے تو پھر سوال ابھرے گا کب سے؟ اب جواب تو آئے گا مگر اتنا کہیں گے جی یہ ہمیں نہیں پتہ کب سے۔ چلو اس کو بھی دیکھ لیتے ہیں: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام بھی ان کی زندگی مبارکہ میں یوں حاضر وناظر نہ سمجھتے تھے۔

☼ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو آپ علیہ السلام نے ایک راز کی بات ارشاد فرمائی تو انہوں نے چھپ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتادی۔ اگر انہیں یہ خیال ہوتا کہ آپ علیہ السلام ہمیں دیکھ رہے ہیں تو پھر راز کیوں بتاتیں؟ (سورۃ التحریم)

☼ حضرت کعب بن مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فما رجل یرید ان یتغیب الا ظن انہ سیخفی لہ ما لم ینزل فیہ وحی۔ (صحیح البخاری ج2ص634)

اگر کوئی آدمی اس گمان کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپنا چاہتا ہے کہ جب تک وحی نہ آئے تو آپ کو معلوم نہ ہوگا۔ لوگوں کی کثرت کی وجہ سے اس کا خیال درست تھا۔

☼ سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے شہادت سے پہلے یہ دعا کی: اللھم اخبر عنا نبیك۔ (صحیح البخاری ج1ص427)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

☼ آپ علیہ السلام اور صحابہ کرام نے آپ علیہ السلام کی ذات گرامی کے لیے "غائب" کا لفظ استعمال فرمایا۔

☆ آپ علیہ السلام نے ایک غلام کے قتل کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا انہوں نے قتل نہ کیا اور آکر بتایا:

انہ لمجبوب۔

کہ وہ تو نامرد ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: الشاھد یریٰ مالا یری الغائب"۔ (رشد الایمان ص86)

تو آپ نے اپنے لیے خود ہی "غائب" کا لفظ استعمال فرمایا۔

☆ آپ علیہ السلام نے امت کو جنازے کی دعا سکھائی:

اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا۔

یہ دعا آپ علیہ السلام ساری زندگی پڑھتے رہے مگر کسی نے نہ کہا کہ آپ سے کچھ غائب نہیں ہے اس لیے یہ لفظ کاٹ دیں۔

☼ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مشہور یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ حضرت رقیہ کے فوت ہونے کے وقت حاضر نہ تھے۔

(تاریخ مدینہ ص175 مترجم از مولوی محمد صادق بریلوی)

☼ بیہقی شریف میں ہے:

ان ام سعد ماتت والنبی صلی اللہ علیہ وسلم غائب۔ (مرسل عن سعید بن میسب)

☼ اسی طرح امام جصاص رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ:

فاما الحالتان کان یجوز فیھما الاجتھاد فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حال غیبتھم عن حضرتہ۔

(احکام القرآن ج2 ص213)

☼ اسی طرح علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقدمات من الصحابہ خلق کثیر وھم غائبون عنہ۔ (عینی شرح بخاری ج8 ص119)

تو یہ بات بھی غلط ٹھہری کہ آپ علیہ السلام اپنی زندگی مبارکہ میں ہر جگہ موجود تھے۔ باقی رہی تیسری بات کہ اگر وفات کے بعد حاضر ناظر ہوئے ہیں تو یہ آپ کو کس نے بتایا؟ کیوں دین تو پہلے مکمل ہو گیا تھا۔ لہذا یہ اب آپ نے عقیدہ گھڑا جس کے منکر کو کافر بھی کہنے لگے تو یہ عقیدہ آپ کا خود تراشیدہ ہے نہ کہ شریعت کا۔

یہ عقیدہ ہے یا بے ادبی!!!

ہم اکثر سوچتے ہیں کہ عوام بھی کتنی بھولی ہے کہ ان کے ایمان سے ڈاکو کھیل رہے اور ان کو خبر ہی نہیں۔ اب جو یہ عقیدہ بریلوی حضرات کا ہے یہ انتہائی بے ادبی پر مشتمل ہے مگر عوام ٹس سے مس ہی نہیں ہو رہی۔ آہ اس قوم کی قسمت کہ سنکھیا کو کھلا رہے ہیں کشتہ فولاد بنا کر، خدا انہیں ہدایت دے۔ اس اجمال کی تفصیل ہے کہ: بڑے کی خدمت میں چھوٹا حاضر ہوتا ہے اور بڑے کو حضور کہتا ہے مثلاً پیر مرید سے کہے بھائی یہ کام آپ نے آئندہ نہیں کرنا تو وہ کہے گا جی حضور اور جب استاد بھی حاضری لے تو وہ پوچھتا ہے عبد اللہ تو وہ کہتا ہے حاضر ہوں، تو بڑا حضور ہوتا ہے اور چھوٹا حاضر ہوتا ہے۔ ساری کائنات نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور وہ حضور ہیں کیونکہ بڑے کو حضور کہتے ہیں اور چھوٹے حاضر ہوتے ہیں۔ پیر مرید، استاد شاگرد، نبی امتی کی جنس ایک ہے اس لیے ان میں سے بڑا حضور ہے اور چھوٹا شاگرد ہے مگر خدا تعالیٰ تو جنس سے پاک ہے اس لیے اس کو حاضر کہنے میں حرج نہیں، جیسا کہ اسے تو کہنا ٹھیک ہے مگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب وآداب تو "آپ" کہنے میں ہی ہے۔ اسی طرح آپ علیہ السلام کو حضور کہنا اور خدا کو حاضر کہنا ہی ادب وآداب ہے۔ اسی طرح اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کی صورت میں کوئی باحیا آدمی قضاء حاجت، اپنے گھر والوں سے ہمبستر ہونا، وغیرہ بے شمار ایسی حالتیں ہیں کہ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ آپ علیہ السلام اس حالت کو دیکھیں مگر رضاخانی ہیں کہ وہ یہ عقیدہ بنائے بیٹھے ہیں کہ تاریک راتوں میں تنہائی کے اندر چھپ کر گھر میں جو کام کرتے ہیں نگاہ مصطفےٰ علیہ السلام سے وہ بھی پوشیدہ نہیں۔ (جاء الحق ص72)

اب بتایئے کوئی غیرت مند انسان کسی گھر کے فرد کی موجودگی میں تو اپنی اہلیہ کے ساتھ ہمبستر نہیں ہوتا مگر یہ غیرت سے خالی یہ عقیدہ بنائے بیٹھے ہیں کہ آپ علیہ السلام اس حالت میں بھی دیکھ رہے ہیں۔ شاید بریلوی حضرات یہ خیال کریں کہ خدا بھی تو دیکھتا ہے پھر بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق بعض مسلمان اپنے بشری تقاضوں کو پورا کرتے وقت اپنے جسم کے مخصوص حصوں کو برہنہ کرنے سے شرماتے تھے کہ اللہ دیکھ رہا ہے اس لیے اپنی شرمگاہ کو چھپانے کے لیے وہ دہرے ہو جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے مسلمانوں کو منع کیا۔ اور ارشاد فرمایا:

○الا انھم یثنون صدورھم لیستخفوا منہ۔

ترجمہ: وہ اپنے سینے دوہرے کر رہے ہیں تاکہ خدا سے چھپ جائیں۔

○الا حین یستغشون ثیابھم یَعْلَمُ مَا یُسِرُّونَ۔

ترجمہ: جس وقت وہ کپڑے اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں تو اس وقت بھی وہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

○وما یعلنون انہ علیم بذات الصدور۔

ترجمہ: خبردار بلاشبہ وہ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

یعنی جب اللہ سے بندے کا کوئی حال چھپا ہوا نہیں ہے جب کپڑوں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے تو خواہ مخواہ دہرا ہونا محض اپنے پر سختی اور تنگی ہے، دلوں کی بات جاننے والے سے ظاہری بدن کون چھپا سکتا ہے؟۔ تو چونکہ خدا سے مخفی ہونا انسان کے بس میں نہیں ہے اس لیے انسان کو اللہ سے چھپنے کو حکم بھی نہیں دیا گیا۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسے کسی کام کا حکم نہیں دیتا جو بندوں کے بس میں نہ ہو۔ "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ہر دور کے مسلمان اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جانتے ہوئے یہ سارے بشری تقاضے پورتے کرتے تھے۔ اس سلسلے میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مزید کرم یہ فرمایا کہ وہ اپنے سامنے ضروری حاجات پوری کرتے وقت انہیں کسی قسم کی گھٹن اور کوفت کا احساس نہیں ہونے دیتا۔ ایک مسلمان خدا کو حاضر ناظر جانتے ہوئے یہ سارے کام دن رات میں کئی بار کرتا ہے مگر ذرہ بھر بھی گرانی، بوجھ اور گھٹن محسوس نہیں کرتا۔ تو کوفت اور ذہنی بوجھ اور اضطراب سے انسان کو محفوظ فرما دیا گیا۔ دیکھیے غسل خانے میں ننگے شخص کو بچہ بھی اگر دیکھ لے تو وہ بوجھ محسوس کرے گا، مگر اللہ کے بارے میں اسے یقین ہے کہ دیکھ رہا ہے مگر وہ ذرا برابر بھی بوجھ محسوس نہیں کرتا۔ اگر قدرت ایسا نہ کرتی تو ظاہر ہے زندگی عذاب بن کر رہ جاتی، اب بندے خدا سے پردے کی پابندی سے آزاد ہیں اور بے پردگی کی صورت میں ہونے والی ذہنی کوفت اور گھٹن کے احساس سے بھی۔ یہ یقیناً اس کا اپنے بندوں پر خاص فضل اور احسان ہے، رہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ تو چونکہ یہ انسان کے بس میں ہے اس لیے تمام صحابہ کرام قضائے حاجت کے وقت جیسے باہم ایک دوسرے سے اوٹ میں ہوتے تھے بالکل ویسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پردے میں ہو جاتے تھے۔ خدا تعالیٰ کے سامنے بے دھڑک اپنے ہر طرح کے بشری تقاضے پورے کرنے والے صحابہ کرام میں سے کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنی حاجت پوری نہ کرتا تھا۔ تو ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ اس لیے ضروری ہوا کہ یہ انسان کے بس میں ہے دوسرے یہ دیکھیے کہ خدا کے سامنے تقاضے پورتے کرتے وقت انسان کوئی بوجھ محسوس نہیں کرتا، جب کہ خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسا کون ہے جو بوجھ گھٹن اور تکلیف محسوس نہ کرے گا۔ فرض کرو آج بھی غسل خانے میں نہانے والے (رضاخانیوں کے سوا) کسی بھی شخص کو یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے ہیں تو مسلمان ہی نہیں کافروں کے پیروں تلے سے بھی زمین نکل جائے گی اور وہ مارے شرم کے پانی پانی ہو جائے گا۔ اگر آنحضرت علیہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

الصلوٰۃ والسلام حاضر ناظر ہوتے تو آج کرہ ارض پر رضاخانیوں کے علاوہ شاید کوئی فرد بشر موجود نہ ہوتا۔ سوچیے تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر ہوتے تو جو صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ادب واحترام کے سبب بول نہیں سکتے تھے وہ بشری تقاضے ان کی موجودگی میں کس طرح پورے کرتے؟ یقین کیجیے اگر حضرات صحابہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناضر جانتے ہوتے تو نہ تو وہ اپنے بشری تقاضے پورے کر سکتے تھے اور نہ ان کی اولاد ہو سکتی تھی۔ خصوصاً حضراتِ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی ولادت باسعادت نہ ہو سکتی اور یوں دنیا کو ان کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہونے کا موقعہ نہ ملتا، کیونکہ علی رضی اللہ عنہ "صحابی" تھے "رضاخانی" قطعاًنہ تھے اور اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ رضی اللہ عنہ وعنھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ بالکل بے اصل بلکہ نصوص صریحہ شرعیہ کے خلاف اور مشرکانہ عقیدہ ہے۔ "علی کل شیئ شھید" اور "بکل شیء محیط" صرف حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس گمراہانہ عقیدہ کو اسلامی تعلیمات سے اسی قدر بعد ہے جس قدر بت پرستی اور عقیدہ تثلیث کو اسلام اور عقیدہ توحید سے۔ اگر اس عقیدہ کے خلاف نصوص ناطق نہ ہوتے جب بھی اصولِ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہ تھی، لیکن صورت حال یہ ہے کہ کتاب وسنت میں اس کے خلاف بے حساب دلائل موجود ہیں جن کا احصاء اور استیعاب بھی نہیں کیا جاسکتا۔

بریلوی دعویٰ

عالم میں حاضر وناظر کے شرعی معنی یہ ہے کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے اور دور، قریب کی آوازیں سنے۔ (جاءالحق ص138 از مفتی احمدیار گجراتی نعیمی)

ویسے تو بریلوی حضرات کے کئی دعویٰ جات ہیں زیادہ وہ اسی کو استعمال کرتے ہیں۔

تنقیح نمبر1:

بریلوی حضرات سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال مانتے ہو یا نہیں؟ اگر وہ کہیں: "نہیں" تو بات ختم اور اگر کہیں: "ہاں"، تو پھر سوال یہ ہے کہ اس کمال میں کسی کافر کو شریک کرنے والا بلکہ اس میں کافر کو بڑھانے والا کون ہے؟ اگر تو وہ کہہ دیں کہ کافر نہیں ہے تو پھر معلوم ہو گیا کہ کمال بھی نہیں مانتے، اگر مانتے ہوتے تو جو کافر کو شریک بلکہ بڑھا رہے ہیں اسے تو کسی فتوے کی زد میں لاتے۔ اور اگر فتویٰ کی زد میں نہیں لاتے تو پھر بریلوی مسلک کے معتبر حضرات کی آراء کو سنیں:

☼ فاضل بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

وہ صفت جو غیر انسان کے لیے ہو سکتی انسان کے لیے کمال نہیں اور جو غیر مسلم کے لیے ہو سکتی مسلم کے لیے کمال نہیں۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت ص 343 فرید بک سٹال لاہور)

☼ اور دوسرے "مناظر اعظم" مولوی اللہ دتہ صاحب لکھتے ہیں:

باقی رہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر ماننا اور نہ ماننا۔ سو اے برخودار! تم یہ سوچو کہ اگر کوئی فرد کسی کے کمال کا انکار کرے تو اس کے انکار سے موصوف کی شان میں کوئی فرق تو نہیں آئے گا لیکن منکر کا انکار موصوف کے لیے باعث اذیت ضرور ہو گا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا دردناک عذاب کا مستحق بنا دے گا۔ (بھیڑ نما بھیڑیے ص14)

☼ اور لگے ہاتھوں یہ بھی سنتے جائیے کہ: سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

(غازی ممتاز حسین قادری ص201 از حنیف قریشی)

تو اب بتائیں کہ بریلوی مسلک کے جید علماء تو اس کو فتوے سے کافر بنا رہے ہیں جب کہ آپ کچھ بھی نہیں کہتے، امید یہ ہے کہ اس تمہید

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

کے بعد وہ آپ کے مطالبے پر آجائے گا۔

اگر وہ اس بات کو کمال کا انکار اور بے ادبی کہتا ہے تو پھر آپ کے پاس حوالہ جات ہونے چاہیں۔

1: شیطان ہر جگہ حاضر وناظر ہے۔(نور العرفان ص184 از مفتی احمد یار خان نعیمی)

2: یہی مفتی صاحب لکھتے ہیں:

ابلیس کی نظر تمام جہاں پر ہے کہ وہ بیک وقت سب کو دیکھتا ہے اور تمام مسلمانوں کے ارادوں بلکہ دل کے خطرات سے بھی خبر دار ہے کہ نیک ارادے سے باز رکھتا ہے اور برے ارادے کی حمایت کرتا ہے۔ (تفسیر نعیمی ج3ص114 آیت نمبر268)

3: مولوی احمد رضا خان کی مصدقہ کتاب "انوار ساطعہ" میں ہے:

تماشا یہ ہے کہ اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک وناپاک، مجالس مذہبی وغیرہ میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوی نہیں کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک، کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔ (انوار ساطعہ ص359)

اب بتائیں کہ بریلویوں نے بڑھایا شیطان کو یا نہیں؟ اور اس بڑھانے کی وجہ سے یہ لوگ کس فتویٰ کی زد میں آتے ہیں؟! مزید فتویٰ بھی سن لیجیے کہ کاظمی صاحب کہتے ہیں کسی نبی کے معجزات اور کمالات میں کسی غیر نبی کو نبی سے بڑھ چڑھ کر ماننا توہین نبوت ہے۔ (الحق المبین ص70)

اب بتایئے اس عقیدے سے یہ لوگ بجائے عاشق بننے کے کیا بنے؟

تنقیح نمبر2:

یہ عقیدہ بقول بریلوی حضرات شرک ہے۔

:1 مولوی شاہ مسعود صاحب لکھتے ہیں:

یا رسول اللہ بہ نیت حاضر وناظر کہنا موجب شرک ہے۔ (فتاویٰ مسعودی ص537)

:2 قیاس اگر اس طرح کیا جائے کہ اس میں شرک آجائے تو وہ ناجائز ہے ہر وقت ہر لمحہ حاضر وناظر ہونا صرف رب العالمین ہی کی شان ہے۔ (رسائل میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ص567)

:3 کوئی تصور شیخ کو شرک تصور نہ کرے کیونکہ شرک تب ہوگا جب کوئی یہ خیال کرے کہ شیخ حاضر وناظر ہے کیونکہ حاضر وناظر اللہ کی صفت ہے۔ (السیف الصارم اکتوبر 2011ء ص22)

اب بتایئے! اپنے اس عقیدے کی وجہ سے یہ لوگ کیا ٹھہرے؟

تنقیح نمبر3:

ہمارا بریلویوں سے سوال ہے کہ آپ خدا کی طرح حاضر وناظر مانتے ہو یا نہیں؟ اگر بریلوی کہیں نہیں تو پھر یہ حوالہ جات ان کی خدمت میں لائے جائیں کہ وہ تو کہتے ہیں:

:1 نمازی جس طرح اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جانے اسی طرح محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی۔

(تفسیر نعیمی ج1ص58 فاتحہ آیت نمبر4 از مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی)

:2 جس طرح انسان حق سبحانہ وتعالیٰ کو ہر حالت میں ظاہر وباطنی طور پر واقف جانتا اور مانتا ہے اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ظاہری وباطنی طور پر حاضر وناظر مانے۔ (حق پر کون ص70 از ظفر عطاری)

اب بتایئے اگر وہ نہیں مانتے تو ان پر فتویٰ لگایئے اور اگر مانتا ہے تو فتویٰ اسے بھی سنا دیجیے کہ جو اللہ جل جلالہ کی طرح حاضر وناظر جانے پس اہل سنت کے نزدیک کافر ہے۔ (انوار احناف ص200 از ابو کلیم محمد صدیق فانی)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تنقیح نمبر4:

ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ اس مسئلہ کو سمجھانے کے لیے ٹی وی کی مثالیں لاتے ہو یا نہیں اگر وہ کہے ہم نہیں لاتے تو پھر ان حضرات کے بارے میں پوچھیں:

1: حاضر وناظر کا مسئلہ سمجھانے کے لیے ٹی وی بہت معاون ہو سکتا ہے۔ (تحفظ عقائد اہلسنت ص567 از ظہیر الدین قادری برکاتی)

2 ٹیلی ویژن میں غور کرنے سے نئے ذہنوں کے لیے یہ مسئلہ باآسانی واضح ہو جاتا ہے۔

(صحابہ کرام کا عقیدہ حاضر وناظر ص13 از فیض احمد اویسی)

3: ”سوال: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر موجود ہوں یا سب کو دکھائی دیں؟

جواب: بھائی اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آج آدمی اسلام آباد ٹی وی اسٹیشن پر بیٹھا خبریں سناتا ہے اور ہم اسے ٹی وی سیٹ پر دیکھتے ہیں۔“ (عقائد وعبادات ص19 از صدیق ہزاروی)

تو آپ اگر کہیں کہ یہ جائز ہے تو پھر یہ بات ہم دکھاتے ہیں کہ:

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہلکے لفظ استعمال کرنا ہلکی مثالیں دینا کفر ہے۔ (نور العرفان پارہ 15 آیت 48 ص345)

☆ جب رذائل سے تشبیہ دی جاتی ہے تو اس سے توہین وتنقیص کے معنی نکلتے ہیں۔ (الصوارم الہندیہ ص7)

تو اب یہ بتائیں ان سب لوگوں کا بشمول آپ کے اس فتویٰ کی رو سے کیا بنے گا؟

تنقیح نمبر5:

ہمیں وہ تاریخ بتائی جائے جب آپ علیہ السلام حاضر وناظر ہوئے پھر اسی حساب سے دلیل۔

دلائل اہلسنت والجماعت دیوبند

دلیل نمبر1:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ:

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا سَلاماً قَالَ سَلامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ○ فَلَمَّا رَأَى أَيْدِيَهُمْ لا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمِ لُوطٍ۔ (سورۃ ھود 70-69)

اگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام فرشتوں کو اترتا اور یہ شکل وصورت بنا کر آتے اور اپنے قریب دیکھتے اور ملنے تک کچھ دیکھ رہے تھے تو پھر ڈرنا اور فرشتوں کا یہ کہنا آپ ڈریں نہیں سب مہمل لگتا ہے۔

دلیل نمبر2:

حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ:

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطاً سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعاً وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ. قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ

(سورہ ھود:77)

اگر سیدنا لوط علیہ السلام کا ان کو شروع سے آنا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس جانا اور یہ سب راستہ ان کو دکھانا تھا تو پھر آپ کی پریشانی کی کوئی وجہ نہیں ہونی چاہیے حالانکہ آپ بہت سخت پریشان ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر 3:

حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ:

أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَداً يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذاً لَخَاسِرُونَ۔ (سورۃ یوسف:12)

دوسری جگہ ہے: اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيراً۔ (سورۃ یوسف:93)

سیدنا یعقوب علیہ السلام کا رونا اور آنکھوں کا سفید ہونا اسی وجہ سے کہ آپ علیہ السلام کو سیدنا یوسف علیہ السلام نظر نہیں آئے اگر آنکھوں کے سامنے تھے تو پھر پیار بھی کر لیتے اور اتنا غمگین اور رونا سمجھ نہیں آتا۔

دلیل نمبر 4:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ:

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَباً قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِي إِلاَّ الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَباً قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصاً۔ (سورۃ الکہف:62)

دیکھیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سو گئے تھے اور مچھلی پانی میں کود گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور نہ وہ کھانا مانگتے ہی کیوں۔ کیوں کہ کھانا تو وہی مچھلی تھی جو زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی۔

دلیل نمبر 5:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ:

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِي لا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ لأُعَذِّبَنَّهُ عَذَاباً شَدِيداً أَوْ لأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ۔ (سورۃ النمل:20)

یہ بات اب صاف نص قطعی ہو گئی کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی نظر مبارک سے ہدہد او جھل اور پوشیدہ تھا تبھی تو فرمایا کہ مجھے نظر نہیں آرہا۔ اب معلوم ہو گیا یہ کہنا کہ نبی کی نظر سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے یہ نص قطعی کا انکار ہے۔

دلیل نمبر 6:

حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ:

قَالَ رَبِّ اجْعَل لِي آيَةً قَالَ آيَتُكَ أَلاَّ تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلاثَ لَيَالٍ سَوِيّاً ۔ (سورۃ مریم:10)

اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ سیدنا زکریا علیہ السلام نشانی مانگ رہے ہیں۔ ورنہ اگر اہل بدعت کا قول سچا تھا تو پھر تو انہیں سب کچھ نظر آجائے گا کہ بچہ بن گیا اور اب پیدا ہونے والا۔ معلوم ہوا کہ یہ سب اہل بدعت کا جھوٹ ہے۔

دلیل نمبر 7:

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ○ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً۔ (سورۃ المنافقون:1)

سورۃ المنافقون؛ سورۃ مزمل، احزاب، نساء، حج کے بعد نازل ہوئی اور یہ وہ سورتیں ہیں جن کی چند آیات سے منافقین زمانہ ھذا اپنی گاڑی چلاتے ہیں، حالانکہ اس کے بعد والی سورت یعنی سورہ منافقون کا شان نزول یوں ہے: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم ایک غزوہ میں

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے دوران سفر عبد اللہ ابن ابی رئیس المنافقین کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم عزت والے جب مدینہ کو چلے جائیں گے تو ذلت والوں) یعنی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نکال دیں گے، حضرت زید نے یہ واقعہ اپنے چچا کو سنایا انہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ نے مجھے بلوا کر سارا واقعہ سنا تو رئیس المنافقین کو بلوایا گیا تو اس نے قسمیں اٹھا کر اپنی صفائی دی تو زید نے فرماتے ہیں:

فَكَذَّبَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَدَّقَهُ فَأَصَابَنِي هَمٌّ لَمْ يُصِبْنِي مِثْلُهُ قَطُّ۔

وہ فرماتے ہیں پھر مجھے میرے چچا نے بھی ملامت کیا۔ پھر بعد میں یہ سورت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا اور فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ قَدْ صَدَّقَكَ يَا زَيْدُ۔ (صحیح البخاری: ج2 ص727 ملخصا کتاب التفسیر)

اب معلوم ہو گیا کہ لفظ شاہد، شہید جو اس سورت سے پہلے اترنے والی سورتوں میں تھے اس کے معنی بھی وہ نہیں جو اہل بدعت نے بتائے ہیں یہ محض ان کی اپنی ایجاد ہے۔ شاید اہل بدعت یہ کہیں کہ چونکہ زید رضی اللہ عنہ کے پاس گواہ نہ تھے اس لیے بات نہ مانی گئی۔ بات یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے تو زید رضی اللہ عنہ کو جھوٹا قرار دیا اور دیگر لوگ مثل چچا ملامت کرنے لگے۔ اگر بات وہی ہوتی تو آپ فرماتے زید تم سچے ہو مگر فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

دلیل نمبر 8

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثاً فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ۔ (سورۃ التحریم:3)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو ایک راز بتایا، انہوں نے چھپ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا جب وحی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ تو وہ کہنے لگیں آپ کو کس نے بتایا کہ میں نے راز فاش کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے خدا تعالیٰ نے بتایا ہے۔

معلوم ہوا کہ امہات المومنین کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دیکھ نہیں رہے ورنہ وہ کیوں بتاتیں اور یہ کیوں پوچھتیں کہ آپ کو کیسے پتہ چلا۔

دلیل نمبر 9:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِداً ضِرَاراً وَكُفْراً وَتَفْرِيقاً بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَاداً لِمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلاَّ الْحُسْنَى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ لا تَقُمْ فِيهِ أَبَداً۔ (سورۃ التوبۃ:)

امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

واللہ ما اردت الا الحسنیٰ وھو کاذب فصدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ (در منثور: ج3 ص276)

معلوم ہو گیا کہ آپ ہر جگہ دیکھنے والے نہ تھے ورنہ ان کے سارے پروپیگنڈے کو آپ تو ملاحظہ فرما رہے تھے اور آپ ان کی تصدیق نہ فرماتے۔

دلیل نمبر 10:

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔ (سورۃ الانعام:68)

اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو نصیحت کے بعد ظالمین کے پاس مت بیٹھیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

پہلی بات...... تو یہ ہے کہ حاضر وناظر اگر خدا بنائے پھر شیطان کیسے آپ کے پاس اس حاضر وناظر ہونے میں حائل ہو سکتا ہے۔

دوسری بات...... یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے ایسی قوم کے پاس آپ بیٹھیں ہی نہیں مگر جب حاضر اور ناظر ہوئے پھر تو اس قوم کی طرف آپ دیکھ بھی رہے ہیں اور ان کی باتوں کو سن بھی رہے ہیں تو پھر اس حکم خداوندی کا کیا فائدہ۔ یہ سب بریلوی حضرات کی مہربانی ہے۔

دلیل نمبر 11:

قرآن پاک میں ہے:

"سُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ." (سورۃ بنی اسرائیل:1)

سیر کروانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں دیکھ رہے تھے۔

دلیل نمبر 12:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولا تقم علی قبرہ".(سورۃ التوبہ:84)

کہ آپ اس منافق کی قبر پر کھڑے نہ ہوں یعنی وہاں نہ جائیں۔

مگر ہر جگہ کے حاضر وناظر کہنے والے لوگ تو اس آیت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عامل نہیں مانیں گے۔

دلیل نمبر 13:

لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ فَقِیۡرٌ وَّ نَحۡنُ اَغۡنِیَآءُ. (آل عمران:181)

احادیث مبارکہ اور نفی حاضر وناظر

دلیل نمبر 1:

عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم * لقد رأيتني في الحجر وقريش تسألني عن مسراى فسألتني عن أشياء من بيت المقدس لم أثبتها فكربت كربة ما كربت مثله قط قال فرفعه الله لى أنظر إليه ما يسألوني عن شىء إلا أنبأتهم به. (صحیح مسلم:ج1ص96،باب المعراج، صحیح البخاری ج1ص548)

اس میں الفاظ حدیث کی طرف غور فرمائیں "فکربت کربۃ ما کربت مثلہ قط" یعنی میں اتنا پریشان ہوا کہ اتنا پریشان کبھی نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر جگہ حاضر وناظر نہ تھے ورنہ پریشانی کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کیونکہ اگر انہوں نے بیت المقدس کی کھڑکیاں وغیرہ پوچھ ہی لیں تھیں تو آپ تو ہر جگہ کو دیکھ رہے تھے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ فاضل بریلوی کے چاہنے والوں نے خود گھڑا ہے۔

دلیل نمبر 2:

عَنۡ عَائِشَةَ زَوۡجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَتۡ خَرَجۡنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فِي بَعۡضِ أَسۡفَارِهِ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالۡبَيۡدَاءِ أَوۡ بِذَاتِ الۡجَيۡشِ انۡقَطَعَ عِقۡدٌ لِي فَأَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ عَلَى الۡتِمَاسِهِ وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ... فَبَعَثۡنَا الۡبَعِيرَ الَّذِي كُنۡتُ عَلَيۡهِ فَأَصَبۡنَا الۡعِقۡدَ تَحۡتَهُ. (صحیح البخاری ج2ص663)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا اور یہ الفاظ خصوصیت سے ذہن میں رکھیے "فَأَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ عَلَى الۡتِمَاسِهِ" کہ آپ علیہ السلام اس ہار کو تلاش کرنے کے لیے رک گئے اب کوئی تاویل نہیں چل سکتی کہ اس لیے رکے تھے کہ پانی نہ ہونے کی

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

صورت میں تیمم کا حکم آجائے۔ یہ معنی نکالنا صریح الفاظ کی خلاف ورزی ہے کیونکہ روایت میں ہار تلاش کرنے کے لیے رکنا صراحتاً آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ اگر پہلے ہی سے دیکھ رہے ہوتے تو ہار کا گرنا اور چھپنا سب آپ کی نظر میں ہوتا۔

دلیل نمبر3:

قال أنس أصبح رسول الله صلى الله عليه وسلم عروسا بزينب بنت جحش قال وكان تزوجها بالمدينة فدعا الناس للطعام بعد ارتفاع النهار فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم وجلس معه رجال بعد ما قام القوم حتى قام رسول الله صلى الله عليه وسلم فمشى فمشيت معه حتى بلغ باب حجرة عائشة ثم ظن أنهم قد خرجوا فرجع ورجعت معه فإذا هم جلوس مكانهم.

(صحیح مسلم: ج1ص461، صحیح البخاری: ج2ص706)

آپ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا چند صحابہ کرام کو دعوت ولیمہ پر مدعو فرمایا تو وہ کھانے کے بعد آپ علیہ السلام کی باتیں سننے کے لیے بیٹھ گئے، ان کے طویل بیٹھنے سے آپ کو یہ بات ناگوار نہ گزری مگر زبان سے تو کچھ نہ کہا اور خود اٹھ کر باہر تشریف لے گئے کہ شاید یہ بھی چلے جائیں گے مگر جب واپس آکر دیکھا تو وہ بدستور بیٹھے ہیں آپ پھر سے چلے گئے تو پھر آپ تشریف لائے۔ یہ روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے صراحتہً تردید کر رہی ہے۔

دلیل نمبر4:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعِينَ رَجُلًا لِحَاجَةٍ يُقَالُ لَهُمْ الْقُرَّاءُ فَعَرَضَ لَهُمْ حَيَّانِ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ رِعْلٌ وَذَكْوَانُ عِنْدَ بِئْرٍ يُقَالُ لَهَا بِئْرُ مَعُونَةَ فَقَالَ الْقَوْمُ وَاللَّهِ مَا إِيَّاكُمْ أَرَدْنَا إِنَّمَا نَحْنُ مُجْتَازُونَ فِي حَاجَةٍ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَتَلُوهُمْ فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ شَهْرًا فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَذَلِكَ بَدْءُ الْقُنُوتِ وَمَا كُنَّا نَقْنُتُ.

(صحیح البخاری: ج2ص586)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہینہ بھر ان قبیلوں پر دعائے ضرر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ کو پہلے معلوم ہوتا یا ان کی سازشوں کو دیکھ رہے ہوتے تو کبھی ان کو روانہ نہ فرماتے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے منشا خداوندی دیکھی کہ ان کی موت کا وقت آگیا ہے اس لیے روانہ فرمادیا۔ یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ ایک دو دن نہیں پورا مہینہ دعائے قنوت پڑھ کر ان کے خلاف بد دعا فرمانا یہ اس کی دلیل ہے کہ آپ کی یہ تاویل غلط ہے۔

دلیل نمبر5:

عَنْ قَتَادَةَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ بِالْمَدِينَةِ فَزَعٌ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لِأَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ مَنْدُوبٌ فَرَكِبَهُ.

دوسری جگہ ہے:

عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ أَهْلَ الْمَدِينَةِ فَزِعُوا مَرَّةً فَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لِأَبِي طَلْحَةَ كَانَ يَقْطِفُ أَوْ كَانَ فِيهِ قِطَافٌ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ وَجَدْنَا فَرَسَكُمْ هَذَا بَحْرًا فَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ لَا يُجَارَى. (صحیح البخاری ج1ص401)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھوڑا پر تشریف لے جانے دیکھنے کے لیے کہ یہ آواز کیا تھی۔ یہ بھی آپ کے ہر جگہ حاضر وناظر اور ہر جگہ دیکھنے کی نفی کرتی ہے ورنہ آپ تو وہیں سے بتادیتے کہ یہ فلاں شے ہے۔

دلیل نمبر6:

عن إبراهيم التيمي عن أبيه قال كنا عند حذيفة فقال رجل * لو أدركت رسول الله صلى الله عليه وسلم قاتلت معه

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

وأبليت فقال حذيفة أنت كنت تفعل ذلك لقد رأيتنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة الأحزاب وأخذتنا ريح شديدة وقر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا رجل يأتيني بخبر القوم جعله الله معي يوم القيامة فسكتنا فلم يجبه منا أحد ثم قال ألا رجل يأتينا بخبر القوم جعله الله معي يوم القيامة فسكتنا فلم يجبه منا أحد ثم قال ألا رجل يأتينا بخبر القوم جعله الله معي يوم القيامة فسكتنا فلم يجبه منا أحد فقال قم يا حذيفة فأتنا بخبر القوم فلم ۔ (صحیح مسلم: ج2ص107)

رسول پاک صلی اللہ علیہ کا تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ کون مخالفین کی خبر لائے گا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر ہر بات اور ذرہ ذرہ کا علم تو خدا کو ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر آپ ہر جگہ ہی ہر وقت دیکھ رہے ہوتے تو "الا یاتینی بخبر القوم" کہنے کی ضرورت ہی کیا۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔

دلیل نمبر 7:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي الْبَيْتِ فَقَالَ أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ قَالَتْ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي۔ (صحیح البخاری: ج2ص63)

آپ علیہ السلام کا یہ فرمانا "این ابن عمك" آپ کا چچازاد بھائی کہاں ہے؟۔ یہ بھی آپ علیہ السلام کے ہر جگہ دیکھنے کی تردید کرتا ہے۔

دلیل نمبر 8:

إِذْ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- حَتَّى دَخَلَ الْمَسْجِدَ. فَقَالَ «مَنْ أَحَسَّ الْفَتَى الدَّوْسِيَّ». ثَلاَثَ مَرَّاتٍ.

(سنن ابی داؤد ج1ص295)

رحمت کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں داخل ہوتے ہی فرمایا کسی نے دوسی جوان یعنی ابو ہریرہ کو دیکھا ہے یا کسی کو اس کا پتہ ہے کہ وہ کہاں ہے یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ دیکھنے کی نفی پر صریح دلیل ہے۔

دلیل نمبر 9:

عن جابر بن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مكث بالمدينة تسع سنين لم يحج ثم أذن في الناس بالحج في العاشرة۔ (مشکوٰۃ شریف ج1ص224)

مکث بالمدینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مدینہ طیبہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اگر ہر جگہ ہوتے تو صرف مدینہ طیبہ ٹھہرنے کی وجہ پھر کیا ہوئی؟

دلیل نمبر 10:

أنس بن مالك أن أبا بكر الصديق حدثه قال * نظرت إلى أقدام المشركين على رءوسنا ونحن في الغار فقلت يا رسول الله لو أن أحدهم نظر إلى قدميه أبصرنا تحت قدميه فقال يا أبا بكر ما ظنك باثنين الله ثالثهما۔

(صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم۔ باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غار میں رہنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ہر جگہ نہ تھے۔

دلیل نمبر 11:

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْرِفُ أَصْوَاتَ رُفْقَةِ الْأَشْعَرِيِّينَ بِالْقُرْآنِ حِينَ يَدْخُلُونَ بِاللَّيْلِ وَأَعْرِفُ مَنَازِلَهُمْ مِنْ أَصْوَاتِهِمْ بِالْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ وَإِنْ كُنْتُ لَمْ أَرَ مَنَازِلَهُمْ حِينَ نَزَلُوا بِالنَّهَارِ۔ (صحیح البخاری ج2ص608)

اشعری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق آپ نے فرمایا میں نے ان کے ٹھکانے کو نہیں دیکھا، دن کے وقت وہ جہاں ہوتے ہیں۔ یہ بھی آپ کے ہر جگہ دیکھنے کی نفی ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر12:

عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَأَلْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ فَقُلْتُ هَلْ أَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ فَقَالَ سَهْلٌ مَا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ مِنْ حِينَ ابْتَعَثَهُ اللَّهُ حَتَّى قَبَضَهُ اللَّهُ۔ (صحیح البخاری: ج2ص814)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات تک میدہ نہیں دیکھا۔ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ دیکھنے کی نفی ہے۔

اور یہ بھی بخاری میں ہے:

مَا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْخُلًا مِنْ حِينَ ابْتَعَثَهُ اللَّهُ حَتَّى قَبَضَهُ اللَّهُ۔ (صحیح البخاری ج2ص814،815)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات تک چھانی نہیں دیکھی۔

دلیل نمبر13:

عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم * صنفان من أهل النار لم أرهما قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤوسهن كأسنة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا۔ (صحیح مسلم ج2ص383)

دو جہنمی طبقوں کو آپ علیہ السلام نے نہیں دیکھا۔ یہ بھی ہر جگہ دیکھنے کی نفی ہے

دلیل نمبر14:

عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ مِنْ بَنِيهِ حِينَ عَمِيَ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُ حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ قِصَّةِ تَبُوكَ... فَمَا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يَتَغَيَّبَ إِلَّا ظَنَّ أَنْ سَيَخْفَى لَهُ مَا لَمْ يَنْزِلْ فِيهِ وَحْيُ اللَّهِ۔ (صحیح البخاری ج2ص634)

غزوہ تبوک میں انتارش تھالوگوں کا مگر کوئی آدمی اس گمان سے چھپنا چاہتا کہ جب تک وحی نہ آئے گی میری عدم موجودگی کا پتہ آپ علیہ السلام کو نہ چلے گا تو چھپ سکتا تھا۔ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صراحتہً حاضر وناظر اور ہر جگہ دیکھنے کی نفی ہے۔

دلیل نمبر15:

مشہور یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رقیہ کے فوت ہونے وقت حاضر نہ تھے۔

(تاریخ مدینہ ص175 ترجمہ جذب القلوب الی دیار المحبوب الشیخ دہلوی رحمہ اللہ)

دلیل نمبر16:

(حدیث شریف میں ہے): کاش میں دیکھتا اپنے بھائیوں کو۔ (نور علی نور ص23)

دلیل نمبر17:

ابن مندہ وابو نعیم معرفۃ الصحابہ میں حضرت ربیعہ بن وقاص سے راویت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں تین مقامات ایسے ہیں کہ ان میں بندے کی دعارد نہیں کی جاتی ان میں سے ایک وہ بندہ جو جنگل میں کھڑا ہو کر اس حال میں نماز ادا کرے کہ اسے اس کے رب عزوجل کے سوا کوئی نہ دیکھتا ہو۔ (فضائل دعا ص225 مکتبہ مدینہ)

دلیل نمبر18:

علامہ سبکی لکھتے ہیں: حضرت ابو بکرؓ سے منقول ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے سامنے آواز بلند کرنا نہ نبی کی زندگی میں جائز تھا نہ موت کے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بعد۔ حضرت عائشہؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ اگر حضور کی قبر مبارک کے پاس کوئی شور کرتا تو کہلاتی تھیں حضور کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ حضرت علیؓ نے اپنے گھر کی چوکھٹ وغیرہ بنوائی تو مناصع میں لے جاکر بنوائی جو آبادی سے باہر جنگل ہے تاکہ قبر مبارک کے پاس شور نہ ہو۔ علامہ سبکی آگے لکھتے ہیں صحابہ کرامؓ آنحضور ﷺ کی تعظیم کیوجہ سے قبر کے پاس بہت پست آواز سے گفتگو کرتے تھے۔ ایک دن حضرت عمرؓ مسجد میں تشریف فرماتھے دونوجوان مسجد میں آئے اور بلند آواز سے آپس میں باتیں کرنے لگے حضرت عمرؓ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور دریافت کیا تم کہاں سے آئے ہو انہوں نے کہا ہم طائف کے باشندے ہیں طائف سے آئے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم مدنی ہوتے تو ابھی تمہارے کوڑے لگاتا۔

(زیارت خیر الانام ترجمہ شفاء السقام ص147،146، مصدقہ ابوالحسن زید فاروقی)

دلیل نمبر17:

علامہ ابن کثیرؒ نے سانحہ بیر معونہ کے متعلق یوں لکھا ہے حضرت عمرو بن امیہؓ کو اس لیے گرفتار کرنے کے بعد چھوڑ دیا گیا تھا کہ ماں کی طرف سے ان کا قبیلہ مضر تھا اور ان کے ساتھ ایک انصاری ساتھی کو بھی چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس سانحہ کی خبر آنحضرت ﷺ کو عمرو بن امیہ اور اس کے اس انصاری ساتھی نے ہی دی تھی۔ (البدایۃ والنھایۃ ج4 ص483)

دلیل نمبر18:

سیدنا حبیبؓ نے شہادت سے پہلے یوں کہا:

اے اللہ ہم نے تیرے رسول کی رسالت کی تبلیغ کردی تو بھی اپنے رسول کو ہماری اس حالت کی خبر پہنچادے۔

(سیرت ابن ہشام ج2 ص328)

دلیل نمبر20:

آپ ﷺ نے فرمایا:

وان یخرج ولست فیکم فکل امرء حجیج نفسہ۔ (صحیح مسلم: ج2 ص401)

یعنی اگر دجال میری عدم موجودگی میں ظاہر ہوا تو ہر آدمی اپنا محافظ خود ہے۔

فتاوی جات

1: حضرت علامہ عبدالحی لکھنویؒ لکھتے ہیں:

واقعی انبیاء، واولیاء، کو ہر وقت حاضر وناظر جاننا اور اعتقاد رکھنا کہ ہر حال میں وہ ہماری ندا سنتے ہیں اگرچہ ندا دور سے بھی ہو شرک ہے۔

(مجموعۃ الفتاوی ج1 ص46)

2: فتاوی مسعودی میں ہے:

یارسول اللہ کہنا مثل سونے اور نشست اور کاروغیرہ کے وقت ممنوع ہے اور بہ نیت حاضر وناظر کہنا موجب شرک کا ہے۔

(فتاوی مسعودی ص529 مصدقہ عبدالحکیم شرف قادری بریلوی، مولوی منشاتابش قصوری بریلوی)

3 علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

قال علماءنا من قال ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر۔ (البحر الرائق ج5 ص124)

یعنی ہمارے احناف فرماتے ہیں کہ جو یہ کہے کہ مشائخ کی ارواح حاضر ہیں اور جانتی ہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔

4: شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی فرماتے ہیں:

انبیاء مرسلین رالوازم الوھیت از علم غیب وشنیدن فریاد ہرکس در ہر جا وقدرت بر جمیع مقدرات ثابت کنند۔ (تفسیر عزیزی ج1 ص55)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

یعنی جمیع غلط عقائد میں سے یہ بات بھی ہے کہ نبی اور پیغمبروں کیلئے خدائی صفات جیسے علم غیب اور ہر جگہ سے ہر شخص کی فریاد سننا اور تمام ممکنات پر قدرت ثابت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر جگہ حاضر وناظر ہونا خدا کی صفت ہے کسی اور میں ماننا شرک ہے۔

اہلِ بدعت کے چند دلائل پر سرسری تبصرہ

دلیل نمبر1:

☼ انآ ارسلنك شاهدا۔ (القرآن)

☼ وجئنا بك علی هؤلاء شهیدا۔ (القرآن)

شاهد وشهید کا معنی حاضر وناظر ہے۔

جواب نمبر1:

آپ کا جھگڑا تو ہر جگہ حاضر وناظر کا ہے ورنہ ہر آدمی حاضر وناظر ہے اپنے مقام پر کیونکہ حاضر کا معنی موجود اور ناظر کا معنی دیکھنے والا تو ہر آدمی اپنی جگہ پر موجود بھی ہے اور ناظر بھی ہے جیسا کہ اشرف جلال صاحب لکھتے ہیں شاھد ہر بندہ ہے کوئی بندہ ایسا نہیں جو شاھد نہ ہو۔

(مسئلہ حاضر وناظر ص16)

جواب نمبر2:

قرآن پاک میں؛" شهد شاهد من اهلها " (سورۃ یوسف:26) اور "وتکونوا شهداء علی الناس" (سورۃ الحج:78) ہے یعنی یوسف علیہ السلام کی پاکی کی گواہی دینے والے کو بھی قرآن نے شاھد کہا ہے اور صحابہ کرام کو شھید کی جمع شہداء کہا گیا وہ بھی ہر جگہ حاضر وناظر ہوگئے؟

جواب نمبر3:

شاید رضاخانی یوں کہیں کہ اسکا معنی گواہ کرو تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ثابت ہو جائیں گے کیونکہ جو موقع پر موجود نہ ہو وہ گواہی کیسے دے سکتا ہے تو اس کے متعلق عرض خدمت یہ ہے کہ صحابہ کرام کو بھی گواہ کہا گیا اور سیدنا یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواھی دینے والا بھی تو گواہ ہے اور احادیث میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ ایک صحابی نے آپ کی گواہی دی تھی اور یہ بن دیکھے تھی۔ تو معلوم ہوا کہ بن دیکھے بھی گواہی دی جاسکتی ہے:

1: ابوالحسنات قادری لکھتے ہیں:

اشیاء معروفہ میں شھادت سماعی بھی معتبر ہے یعنی جن چیزوں کے سننے کا علمِ یقین حاصل ہو، اس پر شہادت دی جاسکتی ہے۔ (تفسیر الحسنات ج1ص278)

2: علامہ سعیدی لکھتے ہیں:

کبھی اس چیز کی خبر کو شھادت کہتے ہیں جس کا اسکو یقین ہو یا وہ چیز مشہور ہو۔ (تبیان القرآن ج1ص1006)

اور فقہاء نے بھی لکھا ہے: انما یجوز للشاهد ان یشهد بالاشتهاد وذالك بالتواتر او اخبار من یثق به۔ (ہدایہ ج3ص157)

یعنی جو چیز کہ تواتر کی وجہ سے مشہور ہو جائے یا کسی ثقہ اور معتبر نے خبر دی ہو تو شاھد کو جائز ہے کہ گواہی دے دے۔ تو معلوم ہوگیا کہ گواہی کیلئے دیکھنا ضروری نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ گواہی دیں گے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کے اعتبار سے نہیں بلکہ آپکی امت کے اعمال آپ کو پیش کیے جاتے ہیں جس وجہ سے آپ ﷺ گواہی دیں گے، جیسا کہ:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

☼ بریلوی علامہ عبد الرزاق بھترالوی لکھتے ہیں:

تمام انبیاء کرام کو انکی امتوں کے اعمال پر مطلع کیا گیا ہے کہ فلاں آج اس طرح کر رہا ہے دوسرا شخص اس طرح کر رہا ہے انکو مطلع کر نیکی یہ وجہ ہے کہ وہ بھی قیامت کے دن گواھی دے سکیں۔ (نجوم الفرقان ج4 ص48)

☼ بریلوی علامہ علام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

نبی ﷺ تمام امتوں کے احوال پر مطلع ہونگے کیونکہ بغیر علم کے گواہی جائز نہیں نبی پاک ﷺ کو اللہ تعالی نے تمام امتوں کے احوال اور افعال پر مطلع فرمایا اور انکی دنیا و آخرت کا آپ کو علم عطا فرمایا ہے خصوصا آپکی امت کے اعمال قبر انور میں آپ پر پیش کیے جاتے ہیں۔
(تبیان القرآن ج1 ص572)

☼ بریلوی علامہ ابولبرکات قادری لکھتے ہیں:

کوئی دن ایسا نہیں مگر پیش آپکی امت کے اعمال کو صبح و شام کیا جاتا ہے پس آپ انکو نشانی اور ان کے اعمال کی وجہ سے پہچان لیتے ہیں اسی عرض اعمال کی وجہ سے آپ ان پر گواہی دیں گے۔ (رسائل و مناظرے ابو البرکات ص104)

☼ بریلوی علامہ شرف قادری صاحب لکھتے ہیں:

نبی پاک ﷺ اپنی امت کے گواہ ہیں اور اس کا تقاضا ہے کہ آپ کے سامنے امت کے اعمال پیش کیے جائیں۔(اسلامی عقائد ص277)

اگر عرض اعمال کی بنیاد پر ہر جگہ حاضر و ناظر کہا جائے تو پھر یہ اسی شرف قادری کی کتاب اسلامی عقائد کے ص230 پر پورا باب عالم برزخ میں رشتہ داروں کے سامنے اعمال کا پیش کیا جانا بھی موجود ہے۔ تو پھر سارے وفات شدہ حضرات کئی جگھوں پر حاضر و ناظر ہونگے القصہ بغیر ہر جگہ موجود ہوئے بھی گواہی دی جا سکتی ہے جیسے یوسف علیہ السلام کے گواہ کی گواہی حالانکہ وہ ہر جگہ یا اس جگہ موجود نہ تھا۔تو سرکار طیبہ ﷺ بھی گواہی دے سکتے ہیں ورنہ بریلوی حضرات کو اذان چھوڑنی پڑے گی کہ:

اشھد ان لا الہ الا اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک کے علاوہ کوئی معبود نہیں)

اشھد ان محمدا رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں)

جیسے یہ گواھی علم کے اعتبار سے ہے نہ کہ رؤیت و مشاھدے کی بناء پر ایسے ہی سرکار طیبہ ﷺ بھی گواہ ہیں۔

جواب نمبر4:

اگر یہی ترجمہ بالفرض مان بھی لیں تو ترجمہ حاضر و ناظر کا ہے اور جو عقیدہ بنایا اس سے تو صرف ناظر ثابت ہوتے ہیں نہ کہ حاضر، تو یہ آیتیں تمہیں مفید نہیں۔

جواب نمبر5:

اس لفظ "شاھد" کے کئی مطالب و معانی ہیں:

1) کسی چیز کی خبر دینے والے اور

2) کسی چیز کے حال کو بیان کرنے والے کو بھی شاھد کہتے ہیں۔ (نجوم الفرقان ج4 ص47)

3) امام سلمی کہتے ہیں: پہلا معنی یہ ہوگا اللہ فرما رھا ہے شاھداً النا ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے۔ (مسئلہ حاضر و ناظر از اشرف جلالی ص19)

4) اس وجہ سے حضرت کا نام شاھد ہے کہ وہ بارگاہ ایزدی میں حاضر ہونے والے ہیں۔ (شرح کبریت احمر ص80 از مولانا عبد المالک)

یہ 4 عدد حوالے صرف بریلوی حضرات کی کتب کے ہیں شاھد کے معنی و مفہوم کو مختلف بیان کیا ہے معلوم ہوا کہ شاھد کا معنی حاضر و ناظر کرنا قطعی الدلالۃ نہیں جب قطعی الدلالت نہیں تو اس عقیدے میں مفید نہیں ہو سکتا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر6:

اس حدیث کو دیکھ کر معنی تیار کیجئے آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

اقول کما قال العبد الصالح الخ

یعنی قیامت کے دن میں بھی وہی کہوں گا جو میرے نیک بھائی عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ "کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم" میں ان کی نگرانی کرتا رہا جب تک ان میں رہا اور جب تو نے مجھے اس دنیا سے اٹھالیا تو پھر تو ان ہی کا نگران و نگہبان تھا۔ (بخاری ج2ص665)

معلوم ہوا کہ "شاھد" اور "شہید" کا معنی ہر جگہ حاضر وناظر لینا درست نہیں ورنہ آپ یوں نہ فرماتے کہ اے اللہ! میرے اس دنیا سے کوچ کے بعد نگران و نگہبان تو آپ تھے، میں نہ تھا۔

الختصر شاھد اور شھید کا معنی گواہ ہی ہو گا اور یہی احادیث طیبہ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

دلیل نمبر2:

و کیف تکفرون وانتم تتلی علیکم آیت اللہ وفیکم رسولہ۰ (القرآن)

جواب نمبر1:

یہ آیت بھی تمھیں مفید نہیں کیونکہ تمہارا عقیدہ ہر جگہ ناظر کا تو بن سکتا ہے حاضر کا تو نہیں بن سکتا۔ جو دعوی لکھا ہے اس کے مطابق۔ جبکہ اس آیت سے ہر جگہ موجود ہونا ثابت کر رہے ہو تو یہ آیت تمہارے بھی خلاف ہے۔

جواب نمبر2:

کسی ایک مفسر جو متفق علیہ ہو اس آیت کے تحت تمہارا عقیدہ لکھا ہو؟ کیا پندرہ صدیوں بعد قرآن تمہیں سمجھ آیا اور 15 صدیاں فہم قرآن سے خالی گئی ہیں۔

جواب نمبر3:

اس آیت کا مفہوم سمجھنے کیلئے کسی بھی تفسیر کو اٹھایئے معلوم ہو جائے گا کہ اوس وخزرج کو لڑائی ختم کرنے اور صلح کا حکم دیا جا رہا ہے کہ اب تم میں نبی آخر الزمان موجود ہیں اب کیوں لڑتے ہو۔ جیسے کوئی بڑا آدمی موجود ہو لوگ لڑ پڑیں تو لوگ انہیں کہتے ہیں: یار نہ لڑو، کچھ خیال کرو، فلاں صاحب تشریف فرما ہیں ان کا لحاظ کرو۔ اوس اور خزرج کو سمجھانے کے لیے یہی طرز اختیار کیا گیا۔

جواب نمبر4:

چونکہ یہ قطعی الدلالۃ نہیں اس لئے کہ تمہارے عقیدے کو ثابت نہیں کر رہی تو یہ تمہیں مفید نہیں۔

جواب نمبر5:

احادیث میں موجود ہے کہ سیدہ عائشہؓ کے حجرہ میں پردے پر فوٹو ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ داخل نہ ہوئے جب تک اسے پھاڑ کر پرزے پرزے نہیں کر دیا گیا۔ (مشکوۃ ص385) اب تو جگہ جگہ فوٹو ہیں تو آپ کیسے یہاں موجود ہو سکتے ہیں؟

نیز سیدنا ابن عمرؓ سے مروی ہے جس کا خلاصہ یوں ہے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (ترمذی ج1ص19)

جب فرشتہ ایسی جگہ پر رہنا پسند نہیں کرتا تو سرکار طیبہ ﷺ کو آج کل ایسی مجالس عالم میں کیوں موجود سمجھا جاتا ہے؟!!

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر 3:

الم تر۔ (القرآن)

ترجمہ: "کیا تو نے نہیں دیکھا؟"

اگر آپ پہلے ہر جگہ موجود نہ ہوتے تو اس طرح کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب نمبر 1:

اگر یہی معنی ہو اور اس کے علاوہ کوئی اور معنی نہ ہو تو پھر رضاخانی اس کو دلیل بنائیں ورنہ یہ قطعی الدلالۃ نہیں آپ کے دعوی کیلئے تو آپ کی دلیل کیسے ہوئی؟

جواب نمبر 2:

☆ قرآن مقدس میں ایک جگہ ہے:

الم تروا کیف خلق اللہ سبع سموت طباقا ۔ [سورۃ نوح] (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالی نے سات آسمان تہ بہ تہ بنائے؟)

کیا تمام انسان اس وقت موجود تھے جب سات آسمان تہ بہ تہ بنائے گئے؟

☆ ایک جگہ یوں ارشاد ہے:

الم یروا کم اھلکنا من قبلھم من قرن ۔ [سورۃ الانعام:6] (کیا ان لوگوں نے نہ دیکھا کہ کتنی جماعتیں ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دی ہیں؟)

کیا کافر و مشرک بھی اس وقت موجود تھے؟

اب معنی و مطلب کے بیان کیلئے بریلوی اکابر کی طرف رخ کرتے ہیں تاکہ رضاخانی مان لیں۔

☼ بریلوی علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"اَلَمْ تَرَ کیا آپ نے نہیں دیکھا" کی تحقیق: رؤیت کے معنی دیکھنا ہے اور یہ رؤیت قلبی یعنی علم کے معنی میں بھی آتا ہے اس لیے کہا آپ نے نہیں دیکھا اسکا معنی ہے کیا آپ نے نہیں جانا؟ یہ جملہ ان چیزوں کیلئے کہا جاتا ہے جو پہلے مذکور ہو اور جن کا پہلے علم ہو اور ان کا استعمال ان چیزوں کو یاد دلانے ان کو مقرر اور ثابت کرنے اور ان پر تعجب ڈالنے کیلئے ہوتا ہے اور کہیں اس کے بغیر بھی اس جملہ کو استعمال کیا جاتا ہے اس وقت یہ کسی چیز کی خبر دینے اور خبر پر تعجب میں ڈالنے کیلئے ہوتا ہے اور کبھی مجازا استعمال کرتے ہیں اور جس نے کسی چیز کو نہیں دیکھا ہوا ہوتا اس کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دیتے جس نے اس چیز کو دیکھا ہوا ہوتا ہے تاکہ مخاطب اس پر متنبہ ہو کہ یہ چیزیں اس پر مخفی نہیں ہونی چاہئے تھی اور اسکو اس پر تعجب ہونا چاہئے تھا یا یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ چیزیں شہرت کے اس درجہ میں ہے کہ کسی پر مخفی نہیں ہے حتی کہ مخاطب پر بھی مخفی نہیں اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کے بعد جو واقعہ ذکر کیا جارہا ہے اس پر غور و فکر کیا جائے اور اس سے عبرت حاصل کی جائے۔"

(تبیان القرآن ج1 ص874،873)

☼ بریلوی علامہ عبد الرزاق بھر تالوی لکھتے ہیں:

"الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم " (سورۃ البقرۃ:243) کیا آپ کو علم حاصل نہیں ہوا ان لوگوں کا جو نکلے اپنے گھروں سے۔ بے شک رؤیۃ کا معنی کبھی بصیرت یعنی دل سے دیکھنا ہوتا ہے اور اس کا مطلب علم ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے وارنا مناسکنا کا معنی یہ ہے کہ ہمیں ہماری عبادت کا علم عطا فرما اور ربّ اللہ تعالی نے فرمایا: "فاحکم بین الناس بما اراك اللہ "(سورۃ النساء:105) کا معنی یہ ہے آپ فیصلہ فرمائیں لوگوں کے درمیان اس سے جو اللہ نے آپکو علم عطا کیا۔ رویت قلبی دل سے دیکھنا یعنی علم حاصل ہونے کی پھر دو قسمیں ہیں کبھی

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مخاطب کو پہلے علم حاصل نہیں ہوتا بلکہ کلام کا تعلق ابتداء سے ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص دوسرے کو کہے الم تر الی ما جزی علی فلاں کیا تمہیں فلاں شخص کے جاری رہنے والے کام کا علم نہیں اس کلام کا مقصد دوسرے کو بتانا ہوتا ہے جسے پہلے سے علم حاصل نہیں ہوتا۔ رویت قلبی کی دوسری قسم یہ ہے کہ جب کسی کو پہلے سے علم ہوتا ہے پھر بات کو پختہ کرنے کیلئے استفہام انکاری کے طور پر یہ کلام کیا جاتا ہے الم تر کیا تمہیں علم حاصل نہیں یعنی تمہیں علم حاصل ہے۔ دونوں معانی مراد ہوسکتے ہیں۔ پہلے معنی کے لحاظ سے اس آیت کریمہ میں یہ احتمال پایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پہلے اس واقعہ کا علم نہ ہو بلکہ اس آیت کریمہ کو نازل فرما کر آپکو علم عطا کیا گیا ہو دوسرے معنی کے لحاظ سے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو اس آیت کریمہ کے نازل ہونے سے پہلے اس واقعہ کا علم حاصل تھا آپ کے علم کے مطابق آیت کریمہ کو نازل کیا گیا اب مطلب واضح ہے کہ یہ کہا گیا ہے کیا آپ کو علم حاصل نہیں؟ یعنی یقینا آپکو علم حاصل ہے الم تر کے خطاب سے ظاہر تو یہی ہے کہ یہ خطاب نبی کریم ﷺ کو کیا گیا لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خطاب آپ کو بھی ہے اور آپ کے ساتھ آپ کی امت کو بھی۔

(نجوم العرفان ج6 ص30،29،28،)

اب معلوم ہو گیا کہ خطاب امت کو بھی ہو سکتا ہے تو کیا یہ بھی ہر جگہ حاضر وناظر ہونگے۔

دوسری بات...... یہ بھی کہ اگر آپ علیہ السلام کو ان واقعات کے مشہور ومعروف ہونے کی وجہ سے یا خدا تعالی کے یہ معلومات دینے کی وجہ سے علم ہو تو پھر یہ لفظ الم تر متوجہ کرنے کیلئے آتا ہے ان واقعات کی طرف ورنہ آپ کو ان کا علم دینے کیلئے آیت آتی ہے۔

دلیل نمبر4:

ان رحمت اللہ قریب من المحسنین ٥ (سورۃ الاعراف:56)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی احمت نیک لوگوں کے قریب ہے اور دوسری آیت:

وما ارسلنك الا رحمة للعالمين ٥ (سورۃ الانبیاء:107)

سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اللہ کی رحمت ہیں تو سرکار نیک لوگوں کے قریب ہوئے اور

ورحمتی وسعت کل شیء ٥ (سورۃ الاعراف:156)

سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت نے ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے تو حضور ہر شیء کو گھیرے ہوئے ہیں یعنی ہر جگہ حاضر وناظر ہیں۔

جواب نمبر1:

یہ تفسیر پندرہ صدیوں میں کسی متفق ومعتمد علیہ نے نہیں کی۔

جواب نمبر2:

قرآن میں رحمت، بارش، تکلیف کے بعد راحت، میاں بیوی کے مابین محبت، وغیرہ کو بھی کیا گیا ہے اور بریلوی ملاؤں نے تو اپنے بزرگوں کو رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا ہے، کیا یہ سب چیزیں ہر جگہ حاضر وناظر سمجھی جائیں۔

جواب نمبر3:

آپ ایک جگہ تشریف فرما ہیں اور آپ کا دیا ہوا دین جو رحمت ہے وہ ہر جگہ ہے دیا ہوا قرآن ہر جگہ ہے آپکی دعاؤں کی برکات جو رحمت ہے وہ ہر جگہ لوگوں پر برس رہی ہے جیسے سورج ایک جگہ دھوپ ہر جگہ ایسے ہی سرکار طیبہ ﷺ ایک جگہ آپکی برکات ورحمتیں ہر جگہ۔

جواب نمبر4:

دلیل دعوی کے مطابق نہیں دعوی صرف ناظر ہونے کا دلیل حاضر وناظر کی۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر5:

اس سے مراد خاص قسم کی رحمت ہے جو کہ مومنوں کے اوپر ہوتی ہے اور اس سے ہر جگہ کا دعوی بھی چھوڑ دینا چاہیئے کیونکہ ہر جگہ تو مومن نہیں ہیں۔

دلیل نمبر5:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (النساء:64)

جواب:

پہلی بات: یہ آیت بھی تمہیں مفید نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کا ذکر ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ تشریف فرماہیں تو آپ کے پاس جانے کا کیا مطلب ؟!! وہیں سے ہی جہاں آدمی سے گناہ ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا جائے کہ میرے لیے دعا کریں مگر وہاں جانا تو ہماری دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہر جگہ نہیں ہیں اور نہ ہی ہر جگہ کو دیکھ رہے ہیں اس لیے آپ کے جانا چاہیے۔

دوسری بات: بریلوی حضرات کا عمل تو اس کے خلاف ہے کہ یہ تو وہاں جاتے نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر بلاتے ہیں۔

دلیل نمبر6:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۔ (الانفال:33)

یعنی عذاب الٰہی اس لیے نہیں آتا کہ آپ موجود ہیں اور عام عذاب تو قیامت تک کسی جگہ نہیں آئے گا۔ (جاء الحق: ص118)

جواب:

قرآن پاک میں ہے:

وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ ۔ (سورۃ النساء:102)

کہ جب آپ لوگوں میں ہوں تو نماز ان کو خود پڑھائیں۔

پہلی بات: اگر آپ موجود ہیں تو بریلوی ملت نماز بجائے رضاخانی کے پیچھے پڑھنے کے آپ علیہ السلام کے پیچھے ادا کریں

دوسری بات: روایت میں آتا ہے کہ اگر میں آپ میں ہوا تو جب دجال نکلے گا تو میں اس کے لیے کافی ہوں۔

تیسری بات: تو اگر آپ موجود ہیں تو پھر رضاخانی حضرات کو زکوٰۃ سے بھی چھٹی کرنے کی گنجائش شائد نظر آجائے کہ زکوٰۃ لینے کا حکم بھی قرآن مجید نے آپ علیہ السلام ہی کو دیا ہے تو جب آپ موجود ہیں تو زکوٰۃ بھی خود ہی وصول کریں تو ادا کرو ورنہ فاضل بریلوی کی طرح چھٹی کرو کہ ساری زندگی ایک پیسہ زکوٰۃ نہیں دی۔

دلیل نمبر7:

النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ۔ (سورۃ الاحزاب:6)

قاسم نانوتوی تحذیر الناس ص10 پر لکھتے ہیں: اس آیت میں "اولیٰ" کے معنی قریب تر ہیں۔ تو آیت کے معنی ہوئے؛ مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں اور زیادہ قریب چیز نظر نہیں آتی، اس زیادتی قرب کی وجہ سے آنکھ سے نظر نہیں آتے۔ (جاء الحق: ص120)

جواب:

اس آیت کو رضاخانی حضرات سمجھے ہی نہیں ورنہ یاد رکھیں عرف عام میں قریبی کا معنی کیا ہے وہ ہم عرض کر دیتے ہیں۔ مثلاً آپ کسی

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دوست یار شتہ دار کا تعارف کرواتے ہیں کہ یہ ہمارے بہت قریبی ہیں۔ اس کا کیا مطلب کہ وہ ہر وقت ہمارے پاس رہتے ہیں؟ ہر گز نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ہمارا تعلق بہت قرب کا ہے، رشتہ بہت قریب کا ہے۔ تو جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب ترمانا گیا تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہر امتی سے اس قدر زیادہ ہے کہ اتنا تعلق اس کا اپنی جان سے بھی نہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اس امت پر اس قدر ہیں کہ آپ کی امت کے اپنے اوپر بھی نہیں۔ تو اس آیت میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کے رشتہ اور تعلق کو بیان کیا گیا ہے مگر یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان گھٹانے کے لیے ہر جگہ مانتے ہیں۔ (کمامر مفصلا واضحا)

دلیل نمبر 8:

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ۔ (سورۃ التوبۃ:94)

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعمالِ امت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

جواب:

اگر سرسری طور پر اس آیت کا شانِ نزول ہی دیکھ لیا جائے تو اس سے استدلال کی خامی واضح ہو جاتی ہے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر ان منافقین نے حیلے بنا کر شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کر لی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھتے ہوئے اجازت عنایت فرمادی کہ یہ لوگ واقعی معذور ہیں تو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا؛ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ (سورۃ التوبۃ:43)

اور اگر اس سے مراد رؤیت بصری ہے تو پھر اسی سورت میں آگے ہے کہ یہ بھی اور مومنین بھی دیکھتے ہیں تو پھر سارے مؤمنین بھی حاضر ناظر ٹھہرے؟؟

دلیل نمبر 9:

ما کنت تقول فی ھذا الرجل (الحدیث)

یعنی قبر میں فرشتے پوچھتے ہیں: اس آدمی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ معلوم ہوا کہ آپ ہر جگہ موجود ہیں۔

جواب نمبر 1:

اس مسئلہ میں دلیل قطعی لانی چاہیئے تھی اور یہ دلیل قطعی نہیں کیونکہ متواتر نہیں۔

جواب نمبر 2:

جو آدمی مشہور اور معروف ہو یا کوئی جگہ جس کا تصور ذھن میں ہو اس کے بارے میں ھذا کہہ دیا جاتا ہے

جواب نمبر 3:

چاند کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام ھذا ربی کہہ رہے ہیں کیا چاند ہر جگہ موجود ہے۔

جواب نمبر 4:

سیدنا جبرئیل علیہ السلام ایک اعرابی کی شکل میں سوالات کرتے ہیں ان کے چلے جانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

ھذا جبرئیل۔ یہ جبرئیل تھے۔ (بخاری ج2ص704، مسلم ج1ص29)

کیا جبرئیل امین ہر جگہ حاضر وناظر ہیں؟ معلوم ہو گیا کہ لفظ "ھذا" ہمیشہ محسوس اور دکھائی دی جانے والی چیز کیلئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ جس چیز کا ذھن میں تصور ہو اس کیلئے بھی ھذا بول دیتے ہیں۔

تو فرشتے اشارہ کر رہے ہیں جو سرکار طیبہ ﷺ کا تصور اس کے ذہن میں اس طرف۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر5:

فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

"ما تقول فی ھذا الرجل" ان کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اب نہ معلوم سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضہ مقدسہ سے پردہ اٹھادیا جاتا ہے۔ (ملفوظات حصہ ص75)

توجب احتمال آگیا تو استدلال باطل ہو گیا۔

جواب نمبر6:

سرکار طیبہ ﷺ بقول تمہارے وہاں تشریف لے جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ پہلے وہاں نہ تھے۔

جواب نمبر7:

سرکار طیبہ ﷺ بقول تمہارے اگر قبر میں تشریف لے جاتے ہیں تو پھر صبح کے وقت کیوں پوچھ رہے ہیں "متی دفن ھذا؟" اس آدمی کو کب دفن کیا گیا ہے؟ (مشکوۃ شریف ج1ص145)

اور یوں کیوں فرمارہے ہیں مسجد کے خادم کے دفن ہونے کا جب آپ کو علم ہوا کہ: افلا کنتم آذنتمونی بہ دلونی علی قبرہ•

(بخاری ج1ص65، مسلم ج1ص309)

تم نے مجھے اس کے جنازے کا کیوں نہ بتایا اچھا مجھے اسکی قبر بتاؤ۔ اگر آپ رات کو وہاں تشریف لے گئے تو پھر یوں کہنے کی کیا ضرورت؟

جواب نمبر8:

پہلے یہ بات بتائی جائے کہ نبی پاک ﷺ کو رجل (آدمی) کہا جارہا ہے کیا تم نبی پاک ﷺ کو آدمی، بشر ماننے کیلئے تیار ہو؟

اگر ہو تو وہ تمام فتوے ہم حاضر کر دیتے ہیں جو نبی پاک ﷺ کو "بشر" کہنے پر بریلوی اکابر نے دیے ہیں تو یہ دلیل تو تمہارے لیے ایمان لیوا ثابت ہو گی۔

دلیل نمبر10:

وعن أم سلمة قالت : استيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة فزعا يقول : " سبحان الله ماذا أنزل الليلة من الخزائن؟ وماذا أنزل من الفتن؟ (مشکوٰۃ المصابیح: باب التحریص علی قیام اللیل)

اس سے معلوم ہوا کہ آئندہ ہونے والے فتنوں بچشم ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ (جاء الحق:122)

جواب:

پہلی بات...... اس میں تو کہیں بھی یہ نہیں ہے کہ ہر ہر جگہ اور ہر ہر وقت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے ہیں، اس حدیث سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ خزائن اور فتن اس رات میں کئی نازل ہوئے اور یہ حدیث آپ کے خلاف ہے کہ اس سے پہلے آپ علیہ السلام خزائن اور فتن کو نہیں دیکھ رہے تھے ورنہ گھبرانا چہ معنی دارد؟ تو اس سے تو حاضر ناظر کی نفی معلوم ہوتی ہے، چونکہ دعویٰ بریلوی حضرات کا تو یہ ہے کہ ہر ہر جگہ اور ہر ہر وقت آپ کے پیش نظر ہے مگر یہ تو چند ایک خزائن اور فتن کا ذکر ہے نہ کہ کلی خزائن اور فتن کا۔

دوسری بات...... ان کے علاوہ بے شمار کئی دیگر اشیاء، باتیں، انسان اور حیوانات ہیں ان کا کیا بنا؟ ان کا تو اس میں ذکر ہے ہی نہیں۔

تو یہ کہنا کہ تمام اشیاء کا علم ہو گیا ہو یہ غلط ہے۔

ہم مسئلہ علم غیب کی تردید میں بریلوی حضرات کے دلائل کے جوابات میں عرض کر آئے ہیں کہ سیدنا حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اس فتنہ کے بارے میں نہ پوچھا ہے اور نہ ہی آپ نے ارشاد فرمایا جو اہل مدینہ کو مدینہ سے نکال دے گا۔ تو تمام فتنوں کا علم میں آنا بھی مسلّم نہیں باقی باتیں تو پیچھے رہ گئیں۔

دلیل نمبر 11:

وعن أنس قال نعي النبي صلی الله عليه وسلم زيدا وجعفرا وابن رواحة للناس قبل أن يأتيه خبرهم فقال أخذ الراية زيد فأصيب ثم أخذ جعفر فأصيب ثم أخذ ابن رواحة فأصيب وعيناه تذرفان حتى أخذ الراية سيف من سيوف الله حتى فتح الله عليهم. (مشکوۃ: باب المعجزات)

جواب:

پہلی بات...... یا تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ منکشف کر دیا گیا یا پھر جبرئیل امین کے ذریعے وحی کر کے آپ کو اس واقعہ کے سارے احوال بتا دیے گئے۔ دعویٰ تو سارے عالم کے ذرے ذرے پر نظر مبارک کا ہے اور دلیل میں ایک جزئیہ پیش کرنا یہ عقل مندی اور دانش مندی نہیں بلکہ اپنے گھر سے جاہلیت کی دلیل پیش کرنا ہے۔

دوسری بات...... یہ کشف ہونا انسانی طاقت اور بس میں نہیں ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو جاتا ہے اور یہ دائمی بھی نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ آپ کے مسئلہ کے لیے مفید نہیں۔

تیسری بات...... یہ دلیل قطعی نہیں بلکہ خبر واحد ہے جو کہ آپ کے عقیدہ میں مفید نہیں۔

دلیل نمبر 12:

عن أبي الدرداء: قال كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فشخص ببصره إلى السماء ثم قال هذا أوان يختلس العلم من الناس حتى لا يقدروا منه على شيء. (جامع الترمذی: باب العلم)

اس کی شرح میں ملا علی قاری لکھتے ہیں:

فكانه عليه السلام لما نظر الى السماء كوشف. (جاء الحق: 122)

جواب:

1: یہ خبر واحد ہے جو عقیدہ کے باب میں مفید نہیں ہے۔

2: کشف کا ہونا امر اختیاری نہیں یہ امر غیر اختیاری ہے تو اگر یہ کسی امر جزئی میں ہوا تو اس سے آپ کا دعویٰ کیسے ثابت ہوا؟ کیونکہ آپ کا دعویٰ تو تمام عالم اور تمام جہان پر نظر مبارک ہونے کا ہے۔

3: اس سے تو معلوم ہوا کہ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر نہ تھے۔

دلیل نمبر 13:

حدیث قدسی ہے: كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده الذي يبطش بها الخ. ایک اور روایت میں ہے: ولسانه الذي يتكلم به. اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان فنا فی اللہ ہو جاتا ہے تو خدائی طاقت سے دیکھتا، سنتا، چھوتا اور بولتا ہے یعنی عالم کی ہر چیز کو دیکھتا ہے، ہر دور اور نزدیک کی چیزوں کو پکڑتا ہے۔ یہی حاضر ناظر کے معنی ہیں اور جب معمولی انسان فنا فی اللہ ہو کر اس درجے میں پہنچ جاویں تو سید الانس والجان علیہ الصلاۃ والسلام سے بڑھ کر کون فنا فی اللہ ہو سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدرجہ اولیٰ حاضر ناظر ہوئے۔

(جاء الحق: ص149)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب:

1: یہ تو خبرِ واحد ہے، یہ تو آپ کو مفید نہیں ہے۔

2: شاہ صاحب نے تفسیر عزیزی میں (تحت تفسیر سورۃ مزمل)، حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں (ج5 ص77) اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں (ج1 ص345) میں اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ بندہ کثرت عبادت سے اللہ کا مقبول بن جاتا ہے، اس کے سب اعضاء کا اللہ تعالیٰ خود محافظ بن جاتا ہے اور اس کے ہاتھ، پاؤں، کان اور آنکھ اللہ کی مرضی کے تابع بن جاتے ہیں۔

3: یہ بزرگوں کی اس حالت کا بیان ہے کہ جب ان سے کرامات صادر ہوتی ہیں تو اس وقت ان سے یہ افعال صادر ہوتے ہیں جو من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ ہاں ظہور ان بزرگوں کے وجود سے ہوتا ہے اور طاقت و قدرت خدا تعالیٰ کی استعمال ہوتی ہے۔ تو یہ اس حالت کا بیان ہے، اس سے تو آپ ہر ہر بزرگ کو حاضر ناظر ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ العیاذ باللہ

دلیل نمبر 14:

السلام علیك ایها النبی۔

صیغہ خطاب سے درود سلام کا عرض کرنا بتاتا ہے آپ ﷺ ہر جگہ موجود ہیں کیوں نمازی بھی تقریباً ہر جگہ ہوتے ہیں۔

جواب نمبر 1:

جیسے خطوط میں خطاب کے الفاظ لکھے جاتے ہیں مثلاً السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حالانکہ حاضر وناظر کوئی بھی نہیں سمجھتا۔

جیسے نبی پاک ﷺ نے "انی ادعوك بدعایة الاسلام" خط میں ہرقل کو لکھا حالانکہ وہ کافر ہے اور ہر جگہ حاضر وناظر اسے ماننے کیلئے بریلوی بھی قطعاً تیار نہیں۔ تو یہ خطاب خطوط کی طرح کہ جب قاصد خط لے جا کر پہنچا دے گا تو خطاب درست ہو جائے گا اسی طرح جب یہ درود سلام پڑھا جاتا ہے تو مقصود یہی ہوتا ہے کہ فرشتے یہ سلام آپ کی خدمت میں پہنچا دیں گے تو یہ درست ہے اور احادیث کے مطابق ہے۔

من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته۔

ان للہ ملائکة سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام۔

کچھ فرشتے اسی کام پر مقرر کیے گئے ہیں جو امت کا سلام آپ تک پہنچاتے ہیں تو معلوم ہو گیا دور سے سلام وصلوۃ فرشتے پہنچاتے ہیں چاہے صیغہ خطاب سے ہو یا نہ ہو۔

جواب نمبر 2:

مسئلہ عقیدے کا ہے یہ خبر واحد ہے جو اس سے ثابت نہیں ہوتا۔

جواب نمبر 3:

مولوی فیض احمد اویسی "فرشتوں کے ذریعے ندا پہنچایا جانا" کا عنوان باندھ کر پہلی حدیث ان للہ ملائکة سیاحین فی الارض الحدیث، لائے اور لکھا:

حدیث التحیات میں سلام کا طریقہ اس طرح پر سکھایا گیا ہے۔ التحیات للہ والصلوت الخ۔ (ندائے یا رسول اللہ ص30)

معلوم ہوا کہ یہ بھی فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔

اگر کوئی یوں کہے کہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے نزدیک یہ تشہد کے الفاظ اس لیے ہیں کہ حقیقت محمدیہ ہر ذرہ میں موجود ہے۔ تو جواباً عرض ہے کہ بریلوی علامہ پیر نصیر الدین گولڑوی لکھتے ہیں:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بعض کم علم حقیقت محمد یہ سے مراد رسالت مآب ﷺ کی معروف ذات لیتے ہیں جو غلط محض ہے۔ (راہ ورسم ومنزل ہاص 63)

اور دوسری بات یہ ہے کہ عقیدے کا مسئلہ حدیث خبر واحد سے بھی ثابت نہیں ہوتا چہ جائیکہ کسی بزرگ کی بات سے ہو۔

ہماری اس تحریر سے یارسول اللہ کہنے کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ اگر کوئی درود شریف میں یہ لفظ استعمال کرے اور مقصود وہی ہے کہ فرشتے پہنچائیں گے تو درست ہیں مثل السلام علیك ایہا النبی کے، اور عبد السمیع رامپوری صاحب لکھتے ہیں جس نے یارسول اللہ کہا تو اس کے معنیٰ عربی قاعدہ سے یہ ہوئے کہ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کو پکارتا ہوں یعنی ان کو یاد کرتا ہوں اور انکا نام لیتا ہوں۔ (انوار ساطعہ ص 321)

یعنی "یارسول اللہ" کا معنی یہ ہے میں ان کا نام لیتا ہوں اس میں حاضر وناظر سمجھنا کہاں سے ہوا، ایک جگہ یوں لکھتے ہیں تمھارے نام پہ قربان یارسول اللہ۔ فداتم پہ میری جان یارسول اللہ ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری جان حضرت پر قربان ہے، اسکی مراد جملہ خبر یہ ہے اگرچہ اس نے لفظ ندا یہ بولا کیا ضروری ہے کہ یوں کہو یہ شخص خدا کی طرح حاضر وناظر جان کر پکارتا ہے البتہ تم خود شرک وکفر کے معنی یہ کہہ کر لوگوں کے ذہن میں جماتے ہو کہ لفظ یا نہیں ہوتا مگر واسطے حاضر کے الخ۔ (انوار ساطعہ ص 319)

معلوم ہو گیا خدا کی طرح ہر جگہ حاضر وناظر مان کر یارسول اللہ کہنا شرک ہے، اور بریلویوں کے بہت بڑے سکالر پروفیسر مسعود لکھتے ہیں: "یارسول اللہ ہمراہی درود شریف یا بوقت کسی موقع کے اوپر مزار شریف وغیرہ کے درست ہے اور ہر وقت مثل نشست وبرخاست کے کہنا ناجائز ہے۔" (تذکرہ مظہر مسعود ص 131)

اگر یہ ہر جگہ مانتے تو ناجائز نہ کہتے۔

دلیل نمبر 15:

نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ زوی الی االارض حتی رایتُ مشارقها ومغاربها۔

اللہ تعالی نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا ہے یہاں تک کہ میں نے اس کے مشارق ومغارب کو دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ہر شے دیکھ رہے ہیں ہمارا دعوی ثابت ہو گیا۔

جواب نمبر 1:

یہ خبر واحد ہے اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔

جواب نمبر 2:

ایک دفعہ اللہ تعالی نے مشرق ومغرب کی سیر کرادی اس سے ہر وقت ہر جگہ موجود ہونا کیسے لازم آتا ہے جب کہ آپ کا عقیدہ تو ہر وقت کا ہے۔ اور ایک دفعہ کا دیکھنا جو ہے اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے ہر ہر ذرے ہر ہر قطرے اور ہر ایک شے کو تفصیلا دیکھا ہو۔

آدمی اپنے سر کو روزانہ کئی بار دیکھتا ہے مگر کتنے بال ہیں لمبے کتنے ہیں یہ اسے معلوم نہیں ہوتا نبی پاک ﷺ نے بیت المقدس کو تو دیکھا تھا مگر اسکی کھڑکیاں ودروازے کتنے تھے یہ آپکو معلوم نہ تھا اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ میں وہ عمارت سامنے کر دی آپ دیکھ کر بتاتے رہے۔

جواب نمبر 3:

یہ واقعہ معراج کا ہے جب آپ کا دعوی تو شروع سے ہے اس لیے دلیل آپ کی نہیں بن سکتی۔ کیونکہ آپ کو ماننا پڑیگا پہلے حاضر وناظر نہیں تھے۔ اگر پہلے سے مانتے ہو تو یہ دلیل آپکو مفید نہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر4:

اگر آدمی لاکھ دولاکھ کے مجمع کو دیکھے کیا ہر آدمی کے بال، کپڑے، اعضاء، داڑھی وغیرہ سب کو دیکھتا ہے جیسے یہ سب چیزیں آدمی نہیں دیکھتا ایسی صورت یہاں تصور کرلیں۔ یا آدمی ایک باغ دیکھتا ہے کیا ہر ایک ٹہنی کو ہر ایک پتے کو ہر شاخ کو دیکھتا ہے؟ باغ تو دیکھتا ہے مگر ہر ہر شے کو نہیں دیکھتا۔ قس علی ھذا

جواب نمبر5:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین کے تمام مومن آدمیوں کو دیکھ لیا تھا تو پھر سب کو صحابی ماننا پڑیگا الخ (شرح نخبۃ الفکر: ص85 ملخصًا)

دلیل نمبر16:

کلمہ طیبہ سے حاضر ناظر کا ثبوت ملتا ہے۔ "لا الہ الا اللہ" میں الا کے بعد الوہیت کا ثبوت ہے اور "محمد رسول اللہ" میں رسالت کا ثبوت ہے۔ جس طرح الوہیت ہر جگہ ہے اسی طرح رسالت بھی ہر جگہ ہے۔ الوہیت ایک وصف ہے تو موصوف بھی ہر جگہ ہو گا، اسی طرح رسالت بھی ایک وصف ہے تو موصوف بھی ہر جگہ ہو گا۔

جواب:

عقائد قیاس سے تو ثابت نہیں ہوتے۔ اگر یونہی قیاس ہے تو پھر آیئے! صدارت ووزارت ایک وصف ہے جب پورے پنجاب کا وزیر ہے تو کیا وہ ہر جگہ ہو گا؟ کیا پورے ملک کا صدر ہے تو کیا وہ پورے ملک میں ہر جگہ موجود ہوا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کو الوہیت سے تشبیہ دینا یہ رضاخانی دجل ہے کہ بات کو الجھانے کے لیے خدا کی مثال دیتے ہیں۔ جب خدا جیسا کوئی ہے نہیں تو مثال کیوں لاتے ہو؟

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال قرآن پاک میں روشن چراغ سے دی گئی ہے، چراغ رکھا تو ایک جگہ جاتا ہے لیکن اس کی روشنی اطراف کو روشن کرتی ہے۔ تو بات اب واضح ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو آپ کا وصف اور روشنی ہے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اطراف کو روشن اور منور کرتی ہے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک ہی جگہ تشریف فرماہیں۔

دلیل:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

واذا سمعت فعنك قولا طيبا

واذا نظرت فما ارىٰ الاك

اے حنفی بننے کا دعویٰ کرنے والو! یہ ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فرمان اور عقیدہ۔ اب فرمایئے امام صاحب کو بھی مشرک!!

(جاء الحق: ص148، مقیاس حنفیت: ص285)

جواب:

پہلی بات...... یہ قصیدہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں ہے، آج تک کوئی بھی اس کو ثابت نہیں کر سکا۔

دوسری بات...... اگر مان بھی لیا جائے تو بھی اعتراض نہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ میری نظر میں آپ جیسا کوئی نہیں، جس کو بھی دیکھیں

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شان کے مقابلے میں کم ہے، تو ہر طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی شان و مقام و مرتبہ مسلّم ہے اور وہی ہماری نظر میں ہے چاہے ہم کہیں بھی ہوں۔

مسئلہ حاضر ناظر کی عام تفہیم

اس مسئلہ کی عامی تفہیم یوں ہو سکتی ہے جیسا کہ رئیس المناظرین، عمدۃ المحققین مولانا منظور احمد نعمانی نے فرمایا ہے ہم انہی کا مضمون نقل کرتے ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ بالکل بے اصل بلکہ نصوص صریحہ شرعیہ کے خلاف اور مشرکانہ عقیدہ ہے۔ "علیٰ کل شیئ شھید" اور "لکل شیئ محیط" صرف حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس گمراہانہ عقیدہ کو اسلامی تعلیمات سے اسی قدر بعد ہے جس قدر بت پرستی اور عقیدہ تثلیث کو اسلام اور عقیدہ توحید سے۔ اگر اس عقیدہ کے خلاف نصوص ناطق نہ ہوتے جب بھی اصولِ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہ تھی، لیکن صورت حال یہ ہے کہ کتاب و سنت میں اس کے خلاف بے حساب دلائل موجود ہیں جن کا احصاء اور استیعاب بھی نہیں کیا جاسکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے اس عالم کے تین حصے ہیں ایک وہ دور ہے جب کہ آپ کی روح پاک کی تخلیق ہو چکی تھی لیکن آپ اس عالم آب و گل میں تشریف نہیں لائے تھے اس دور میں آپ کی روح پاک کو بہت سے روحانی کمالات حاصل تھے اور حسب تصریح علماء کرام واشارات نصوص آپ کی روح مبارک اس وقت بھی وصف نبوت کے ساتھ موصوف تھی۔

کنت نبیا وادم بین الروح والجسد۔

میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان میں تھے۔

دوسرا دور آپ کا وہ ہی جب آپ اس عالم میں تشریف لے آئے اس دور کا آغاز ولادت طیبہ سے اور اختتام وفات شریف پر ہوتا ہے۔

تیسرا دور عالم برزخ کا ہے اس کا آغاز وفات شریف سے ہوا ہے اور اب قیامت تک یہی دور ہے قرآن وحدیث میں ان تینوں زمانوں کے متعلق تصریحات ملتی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر وناظر نہیں ہیں، دور اول کے متعلق (جس کو عالم روحی یا عالم نوری کہنا چاہیے) قرآن پاک میں جابجا اس کی تصریحات موجود ہیں۔ سورۃ "آل عمران" میں ارشاد ہے:

وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ "جس وقت "بیت المقدس" کے مجاورین حضرت مریم علیہ السلام کی کفالت کے معاملہ میں جھگڑا کر رہے تھے اور قرعہ اندازی ہو رہی تھی تو اے رسول تم اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے کہ ان باتوں کا تم کو علم ہوتا بلکہ اب ہم تم کو بذریعہ وحی کے یہ سب کچھ بتلا رہے ہیں۔

اور سورۃ ہود میں ارشاد ہے:

تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ۔

(یعنی ہمارے پیغمبر نوح علیہ السلام) کا یہ واقعہ منجملہ اخبار غیب کے ہے جس کو ہم وحی کے ذریعہ سے آپ کے پاس پہنچاتے ہیں پہلے سے نہ آپ اس کو جانتے تھے نہ آپ کو قوم جانتی تھی۔

اور سورۃ یوسف میں ہے:

ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ۔

یعنی یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے ہم ہی آپ کو وحی کے ذریعہ سے یہ قصہ بتلاتے ہیں۔ اور آپ ان (برادران یوسف) کے پاس

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اس وقت موجود نہ تھے جب کہ انہوں نے یوسف کو کنویں میں ڈالنے کا پختہ فیصلہ کیا اور جب کہ وہ خفیہ تدبیروں میں لگے ہوئے تھے۔

اور سورۃ قصص میں ارشاد ہے:

وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَى مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ۔

یعنی اے رسول جس وقت ہم نے موسیٰ کی طرف یہ حکم بھیجا تھا تم اس مغربی جانب نہ تھے اور یقیناً تم وہاں حاضر نہ تھے۔

پھر اسی سورت میں آگے ارشاد ہے:

وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ الآیۃ۔

اس کا خلاصہ یہی ہے کہ جب نے موسیٰ کو پکارا تھا تو اے رسول اس وقت تم طور کے پاس موجود نہ تھے اور اب یہ جو کچھ حالات تم کو اس وقت کے تم کو معلوم ہو رہے ہیں سو یہ تم پر خدا کی رحمت ہے کہ وہ تم کو وحی کے ذریعہ سے ایسی ایسی عجیب وغریب باتیں بتلا رہا ہے۔

ان تمام آیات سے آفتابِ نیمروز کی طرح روشن ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عالم روح میں بھی ہر جگہ حاضر وناظر نہ تھے۔

نیز زمانہ نبوت کے متعلق بھی قرآن وحدیث میں اس کی تصریحات ملتی ہیں بطور نمونہ مشتے از خروارے چند آیات واحادیث پیش کی جاتی ہیں، بعض منافقین کے بارے میں سورہ بقرہ ہی میں ارشاد ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ۔

مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں بعض منافق وہ بھی ہیں جن کی بات اے رسول آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہیں کیونکہ وہ بہت چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں اور بہت زیادہ اظہار محبت کرتے ہیں اور اس پر خدا کی قسمیں کھاتے ہیں اور فی الحقیت وہ دشمن اسلام ومسلمین اور نہایت جھگڑالو ہیں۔

(خلاصۃ مافی المعالم والخازن)

نیز منافقین ہی کی جماعت کے متعلق سورہ منافقین میں ارشاد ہے:

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ

یعنی وہ ایسے ہیں کہ جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد وقامت آپ کو خوش نما معلوم ہوتے ہیں اور اگر وہ کچھ کہیں تو آپ اس کو سچ سمجھ لیں۔ (کذا فی المعالم والخازن)

اور مدنیہ کی بعض نہایت گہرے منافقوں کے متعلق سورہ توبہ میں ارشاد ہے:

وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔

یعنی بعض اہل مدینہ سے منافقت میں بہت مشاق ہیں اے رسول آپ ان کو نہیں جانتے ہم خوب جانتے ہیں۔

ان آیتوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے بعض منافقین کو نہیں جانتے تھے اور ان کی خفیہ ریشہ دوانیوں کی آپ کو خبر نہیں ہوتی تھی، حالانکہ اگر آپ ہر جگہ حاضر وناظر ہوتے تو کوئی بات آپ کے لیے راز نہ رہتی اور آپ پر سب کچھ ظاہر ہوتا۔ مزید توضیح کے لیے اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جس کا اجمالی ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ لیکن پوری تفصیل صحیح بخاری شریف اور دوسری کتبِ حدیث میں موجود ہے، واقعہ یہ ہے کہ:

ایک غزوہ میں عبد اللہ بن ابی منافق نے کسی موقع پر کہا:

لَا تُنفِقُوا عَلَى مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ۔

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے والے ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو۔

نیز اسی مجلس میں اس نے یہ بھی کہا:

وَلَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اگر ہم مدینہ پہنچتے ہیں تو ہم میں سے جو زیادہ عزت والا ہو گا وہ ذلیلوں کو نکال دے گا یعنی اب ہم مدینہ پہنچ کر مہاجرین کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔

اس کی یہ بکواس حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ صحابی نے سنی اور بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی آپ نے عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ صاف مکر گئے اور جھوٹی قسمیں کھالیں کہ ہم نے ہرگز ایسا نہیں کہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق فرمادی اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو جھوٹا قرار دیا جس سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بے حد صدمہ ہوا یہاں تک کہ انہوں نے اس رنج میں گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا، تا آنکہ سورہ منافقون کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں اور ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا کہ عبد اللہ بن ابی وغیرہ جھوٹے ہیں۔ فی الحقیقت انہوں نے یہ کلمات شنیعہ کہے تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور ان کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیان کی تصدیق نازل فرمادی۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر ملخصاً)

یہ واقعہ بھی صاف بتارہا ہے کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا حضور کی شان نہیں تھی ورنہ اس معاملہ میں آپ پہلے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تکذیب اور منافقین کی تصدیق نہ فرماتے۔

احادیث میں ایسے واقعات جن سے اس مسئلہ پر ایسی ہی صاف روشنی پڑتی ہے کہ بکثرت موجود ہیں اور ان اگر کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ اس لیے صرف ایک ہی مختصر حدیث یہاں اور پیش کی جاتی ہے:

جامع ترمذی اور سنن ابی داود میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یبلغنی احد عن احد من اصحابی شیاءً فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر

کوئی شخص میرے پاس کسی صحابی کی طرف سے کوئی چیز مجھ تک نہ پہنچائے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں تمہارے پاس اس حال میں آؤں کہ میرا دل (سب کی طرف سے) صاف ہو۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کے پرائیوٹ حالات کی اطلاع عام طور پر لوگوں کے ذکر کرنے سے ہوتی تھی اور اگر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو کسی کے بیان کرنے یا نہ کرنے سے کوئی اثر نہ پڑتا۔

الغرض ان آیات واحادیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی حیات طیبہ میں بھی یہ بات حاصل نہ تھی کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوں، اس طرح زمانہ بعد وفات کے متعلق بھی نصوص شرعیہ اس حقیت کو واضح کر رہے ہیں، صحیحین (بخاری و مسلم) میں متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حشر کے دن میں حوض کوثر پر ہوں گا اور ایک جماعت کو ملائکہ جہنم کی طرف لے چلیں گے میں کہوں گا کہ یہ تو میرے امتی ہیں مجھ کو جواب دیا جائے گا کہ:

إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ۔

تم کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا رخنے پیدا کیے۔

حضور فرماتے ہیں کہ جب مجھے یہ معلوم ہو گا تو میں وہی کہوں گا جو خدا کے نیک بندے عیسیٰ بن مریم نے کہا:

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔

میں ان سے خبردار تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان کا نگران حال تھا اور تو ہی ہر چیز کی نگرانی خبر رکھنے والا ہے۔

اس متفق علیہ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اس عالم سے رحلت فرمانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امتیوں کے تفصیلی احوال کی

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

خبر نہیں حالانکہ اگر آپ اس دور میں بھی ہر جگہ حاضر وناظر ہوتے تو قیامت میں یہ نہ فرماتے کہ:" کنت علیهم شهیداً مادمت فیهم "

اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته۔

جو میری قبر کے پاس درود پڑھے گا میں اس کو خود سنوں گا اور جو دور سے درود پڑھے گا وہ (فرشتوں کے ذریعے) مجھ تک پہنچایا جائے گا۔

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ "جوہر منظم" میں لکھتے ہیں:

و من اعظم فوائد الزیارۃ ان زائرہ صلی اللہ علیه وسلم اذا صلی و سلم علیه عند قبرہ سمعه سماعا حقیقیاً ...... من غیر واسطة و ناھیك بذلك بخلاف من یصلی او یسلم من بعید فان ذلك لا یبلغه و لا یسمعه الا بواسطة و الدلیل علی ذلك احادیث کثیرۃ ذکرتها فی کتابی السابق ذکرہ منها ما جاء بسند جید و ان قیل انه غریب: من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی من بعید اعلمته۔

زیارت قبر اقدس کے بڑے فائدوں میں سے ایک یہ ہے کہ زائر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام قبر شریف کے پاس جاکر پڑھتاہے تو آپ خود سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں۔ یہ نعمت کیا کم ہے بخلاف اس شخص کے جو دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھے، کیونکہ وہ آپ کو نہیں پہنچتا نہ آپ اس کو سنتے ہیں مگر بواسطہ فرشتہ کے۔ اس کی دلیل میں بہت سی احادیث ہیں جن کو میں نے کتاب سابق الذکر "یعنی در منضود" میں بیان کیاہے ازاں جملہ ایک حدیث وہ جو کھری سند کے ساتھ منقول ہے اگرچہ اس کو غریب کہا گیاہے جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتاہے میں خود اس کو سنتاہوں اور جو شخص دور سے پڑھتاہے اس کی اطلاع مجھے دی جاتی ہے۔

اور علامہ علی قاری مکی اپنی کتاب " الدرۃ المضیئة فی الزیارۃ المصطفویة "میں فرماتے ہیں:

و من اعظم فوائد الزیارۃ ان الزائر اذا صلی و سلم علیه عند قبرہ سمعه سماعا حقیقیا و رد علیه من غیر واسطة بخلاف من یصلی او یسلم علیه من بعید فان ذلك لا یبلغه الا بواسطة لما جاء عنه بسند جید: من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی من بعید اعلمته۔

زیارت قبر اقدس کے بڑے فائدوں میں سے ایک یہ ہے کہ زائر جب آپ کی قبر شریف کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھتاہے تو آپ خود سنتے اور جواب عطافرماتے ہیں بخلاف اس شخص کے جو دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھے وہ آپ کو نہیں پہونچتا مگر بذریعہ فرشتے کے بوجہ اس کے کہ عمدہ سند سے منقول ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتاہے میں اس کو سنتاہوں اور جو شخص دور سے پڑھتاہے اس کی اطلاع مجھے دی جاتی ہے۔

بہرحال اس چیز پر بہت سی آیات اور احادیث شاہد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر وناظر نہیں ہیں۔ بلکہ علمائے کرام نے اس عقیدے کے موجب کفر ہونے کی بھی تصریح فرمائی ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ کے استاد بزگوار سلطان العارفین حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمہ اللہ توشیح میں فرماتے ہیں:

و منهم الذین یدعون الانبیاء و الاولیاء عند الحوائج و المصائب باعتقاد ان ارواحهم حاضرۃ تسمع النداء و تعلم الحوائج و ذلك شرك قبیح و جهل صریح قال اللہ تعالیٰ: و من اضل ممن یدعون من دون اللہ۔

اور بعض لوگ وہ ہیں جو اپنی حاجتوں اور مصیبتوں کے وقت انبیاء واولیاء کو پکارتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کی ارواح حاضر ہیں ہماری پکار سنتی ہیں اور ہماری حاجتوں سے خبر دار ہیں اور یہ نہایت قبیح شرک اور کھلی جہالت ہے حق تعالیٰ فرماتاہے ان سے زیادہ گمراہ کون ہے جو

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اللہ کے سوا دوسروں کو "اپنی حاجت روائی کے لیے" پکارتے ہیں۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ تفسیر فتح العزیز ص 52 پر مشرکانہ عقائد کے ذیل میں ارقام فرماتے ہیں:

وانبیاء ومرسلین علیہم السلام راالوازم الوہیت از علم غیب وشنیدن فریاد ہر کس در ہر جا، وقدرت بر جمیع مقدورات ثابت کنند.

اور ملا حسین خباز رحمہ اللہ مفتاح القلوب میں فرماتے ہیں:

واز کلمات کفراست ندا کردن اموات غائبان راہگماں آنکہ حاضر اند مثل یارسول اللہ ویاعبدالقادر ومانند آن.

اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

"من قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر" جو شخص کہے کہ مشائخ کی ارواح حاضر ہیں سب کچھ جانتی ہیں وہ کافر ہیں۔

اس عبارت میں اگرچہ "مشائخ" کا لفظ ہے لیکن اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ اس بارہ میں انبیاء واولیاء میں کوئی فرق نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو شخص یہ عقیدہ رکھے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ کما لا یخفیٰ علیٰ اولی الالباب۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔

محمد منظور النعمانی عفا اللہ عنہ

[بحوالہ ماہنامہ: مجلہ الفرقان (بریلی) بابت ماہ شعبان ورمضان المبارک 1356ھ]

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صفت مختار کل خاصۂ خداوندی

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

اس روایت پر غور کیجیے کہ حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو منافقوں اور یہودیوں نے باتیں بنائیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بِئْسَ الْمَيِّتُ أَبُو أُمَامَةَ، لَيَهُودُ وَمُنَافِقِي الْعَرَبِ يَقُولُونَ: لَوْ كَانَ نَبِيًّا لَمْ يَمُتْ صَاحِبُهُ، وَلَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي وَلَا لِصَاحِبِي مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا.

(سیرت ابن ہشام: ج 1 ص 445 مکتبہ رحمانیہ لاہور۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ قائم کرنا)

ترجمہ: ابو امامہ کا فوت ہونا یہودیوں کے لیے اور منافقین عرب کے لیے برا ہو، وہ کہتے ہیں کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو ان کا ساتھی نہ مرتا حالانکہ میں اللہ کی مشیت کے مقابلے میں اپنے لیے اور اپنے ساتھی کے لیے کسی شے کا مالک نہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین اور یہود کی ذہنیت تھی کہ نبی وہ ہو گا جو موت وحیات کا بھی مالک ہو۔ تو یہ ان کی سوچ معلوم ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ہر شے پر قدرت واختیار ہے، چاہے تکوینی ہو یا تشریعی۔

چونکہ یہ مسئلہ بریلوی اعتقادات سے ہے اس لیے بریلوی اس کو اسلاف واکابر کی عقائد کی کتب سے ثابت کریں اور اگر انہیں بات قبول نہیں اور قرآن وسنت سے اس کو ثابت کرنا چاہتے تو پھر ہماری طرف سے مطالبہ یہ ہے کہ اس پر دلائل قطعیہ کو پیش کیا جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بریلوی اکابر نے مختارِ کل کے منکر کو گستاخ نبوت، نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو عیب لگانے والا، اہل باطل اور ابلیس لعین کا مذہب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

[۱]: اویسی صاحب لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کا معجزات اور اولیاء کرام کا کرامات کے اظہار پر اختیار اہل حق کا مذہب ہے اور اس سے انکار اہل باطل اور اس انکار کی بنیاد ابلیس نے رکھی ہے۔ (حضور کے معجزات واختیارات ص 5 رسائل اویسی ج نمبر 3)

ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

آپ کی لاعلمی، عدمِ اختیار ثابت کرنا جاہلوں یا نبوت کے گستاخوں کا کام ہے۔ (لاعلمی میں علم ص 15 رسائل اویسیہ ج نمبر 4)

[۲]: مفتی امین صاحب فیصل آبادی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات میں عیب تلاش کرنا کہ نبی کو فلاں چیز کا علم نہیں فلاں چیز کا علم نہیں فلاں چیز کا اختیار نہیں۔ (دوجہاں کی نعمتیں ص 39)

اور گستاخی نبوت اور نبی کو عیب لگانا کفر ہے یہ مسلمات بریلویہ میں سے ہیں۔ اس لیے بریلوی صاف لکھ دیں گے کہ مختار کل کا عقیدہ ایمان ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور اس پر دلائل صرف قطعی لائے جائیں گے۔

بریلوی دعویٰ جات

[1]: بریلویوں کے "مفتی" محمد امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

رزق وخیر کی ہر قسم کی عطائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں...... احکام تشریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

قبضہ میں کر دیے گئے ہیں کہ جس پر جو چاہیں حرام فرمادیں اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرمادیں۔

(بہار شریعت:ص83 تا85-مکتبہ المدینہ)

[2]: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کی حاجت روا فرما سکتے ہیں دنیا وآخرت کی مرادیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہیں۔

(برکات الامداد:ص 8)

[3]: مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں:

خالق کل نے آپ کو مالک بنادیا۔ (رسائل نعیمیہ)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

دنیاوآخرت کی ہر چیز کے مالک حضور ہیں سب کچھ ان سے مانگو، عزت مانگو، ایمان مانگو، جنت مانگو، اللہ کی رحمت مانگو۔ (ص146)

[4]: احکامِ شریعت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد ہیں، جو بات چاہیں واجب کر دیں جو چاہیں ناجائز فرمادیں۔ (الامن والعلی:ص215)

معلوم ہو گیا کہ بریلویوں کے نزدیک تمام اختیارات کے مالک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

تنقیحاتِ دعویٰ

تنقیح نمبر1:

یہ خدا کی خدائی میں شریک ٹھہرانا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں:

کلی اختیارات مکمل علم غیب پر خدائی دار و مدار ہے۔(مواعظ نعیمہ حصہ دوم ص268)

تنقیح نمبر2:

بریلوی حضرات اپنے اس مسئلہ مختار کل میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات کو خدا کے اختیار سے بڑھ کر مانتے ہیں جو یقیناً غلط اقدام ہے۔ مثلاً

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد
محمد جو پکڑیں نہیں چھوٹ سکتا

(رسائل نعیمہ ص164)

تنقیح نمبر3:

اگر تمام اختیارات سونپ دیے گئے ہیں تو یہ بتائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کو جنت میں لے جائیں گے یا نہیں؟ اگر لے جائیں گے تو فاضل بریلوی نے ”شرح المطالب فی مبحث ایمان ابی طالب“ کیوں لکھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ کافر ہے اور کافر جہنم میں ہی جائے گا۔ اگر نہیں لے جائیں گے تو پھر اختیار کلی کا انکار ہوا۔

تنقیح نمبر4:

مختار کل کا عقیدہ بریلوی حضرات نے شیعوں سے لیا ہے۔

☼ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”شیعہ کہتے ہیں: ان اللہ لم یزل بالوحدانیۃ ثم خلق محمدا و علیا و فاطمۃ و الحسن و الحسین فمکثوا الف دھر فخلق الاشیاء و اشھدھم خلقھا و اجری طاعتھم عنھا و فوض امورھم الیھم یحلون ما یشاءون و یحرمون ما یشاءون۔“

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

آگے لکھتے ہیں:

"امام جعفر صادق سے روایت کلینی نے نقل کی ہے: فما فوضه الله تعالیٰ الی رسوله صلی الله علیه وسلم فقد فوضه الینا"

(تحفہ اثنا عشریہ: ص170)

☼ مولانا کرم الدین دبیر لکھتے ہیں:

یہ مسلم امر ہے کہ موت وحیات خدا کے اختیار میں ہے کسی انسان کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا لیکن یہ شیعہ کا اعتقاد ہے کہ ائمہ اہل بیت کو موت وحیات پر کلی اختیار تھا۔ (آفتاب ہدایت ص169)

☼ شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے شیعہ کے فرقہ مفوضہ کا عقیدہ یوں لکھا ہے:

جو مفوضہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تدبیر خلق کا مسئلہ آئمہ کے سپرد کر دیا ہے۔(غنیۃ الطالبین ج1 ص182)

تنقیح نمبر5:

اس عقیدہ کے قائل ہونے سے بہت ساری نصوص کا انکار ہوتا ہے۔

☼ مولوی محمد صادق نقشبندی صاحب لکھتے ہیں[جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی طرف کھلنے والے سارے دروازے سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے بند کروادیے تو]:

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ حضور حضرت رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور یہ کہتے تھے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اپنے چچا کو باہر پھینکا اور چچا کے بیٹے کو اندر بلایا تو آپ نے فرمایا چچا میں مامور ہوں مجھے اس امر کا اختیار نہیں۔ (تاریخ مدینہ ص114)

☼ نقی علی خان کہتے ہیں:

آپ نے چاہا کہ ابوطالب کی بخشش کے واسطے دعا کروں، حکم آیا: پیغمبر اور مسلمانوں کے لائق نہیں کہ مشرکوں کے لیے اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں استغفار کریں۔ اے عزیز وہ حاکم ہے محکوم نہیں غالب ہے مغلوب نہیں مالک ہے تابعدار نہیں اگر تیری دعا قبول نہ فرماوے تجھے ناخوشی اور غصے یا شکایت اور شکوے کی مجال کب ہے جب خاصوں کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ جب چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں جب چاہتے ہیں منع فرمادیتے ہیں تو توکس شمار میں ہے کہ اپنی بات پر اصرار کرتا ہے۔ (الکلام الاوضح ص308)

☼ مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں :

آپ علیہ السلام نے فرمایا میں پہاڑ کو سونا بنانے یا خلق اشیاء پر قدرت نہیں رکھتا۔ (مواعظ نعیمیہ ص262 حصہ دوم)

☼ مفتی احمد یار نعیمی ایک آیت ("قُلْ لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ" کہ اگر عذاب میرے اختیار میں ہوتا تو کب کا تمہارا قصہ چکا دیا گیا ہوتا) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وہ عذاب جس میں تم جلدی کر رہے ہو میرے قبضے واختیار میں ہوتا تو اب تک میرا تمہارا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔(تفسیر نعیمی ج7 ص507 مکتبہ اسلامیہ)

☼ مفتی مظہر اللہ شاہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا جاتا ہے تو ڈھیٹ بن کر اس عذاب کی جلدی کرتے ہو وہ عذاب میرے اختیار میں نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ (تفسیر مظہر القرآن ج1 ص385)

☼ علامہ سعیدی صاحب اس کی تفسیر میں یوں لکھتے ہیں:

مجھے اس عذاب کے نازل کرنے یا اس کو مقدم اور موخر کرنے پر قدرت نہیں ہے اور اگر بالفرض یہ معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو تو

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

میں تمہارے مطالبہ عذاب کو لا چکا ہوتا۔ (تبیان القرآن ج3 ص495)

☼ ابو الحسنات قادری لکھتے ہیں:

آدم علیہ السلام نے فرمایا حکم الٰہی کے خلاف نہ ہو گا مجھے ترمیم کا کوئی اختیار نہیں۔ (اوراق غم ص7)

☼ مولوی نعیم الدین مرادآبادی صاحب (سورت یونس آیت نمبر 15 کے حاشیہ نمبر 35 میں) لکھتے ہیں:

میں اس (قرآن) میں تغیر تبدل کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ (خزائن الفرقان)

☼ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے ان (والدہ) کے لیے استغفار کی اجازت چاہی تو مجھے نہ دی گئی۔ (خزائن العرفان ص265)

☼ سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام الٰہی کا نزول یا پتھر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگنا یہ معجزات ہیں لیکن ان اظہار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اختیار کا دخل نہ تھا۔ (مقالات سعیدی ص53)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

امور غیر عادیہ میں انبیاء اور اولیاء پر وحی والہام کی کیفیت کا عروض ان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ (مقالاتِ سعیدی ص260)

ان سب حوالہ جات سے معلوم ہو گیا کہ مختار کل کا عقیدہ غلط ہے۔

تنقیح نمبر 6:

اس دعویٰ سے سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاوں کا انکار لازم آتا ہے، مثلاً:

1: اے علی! میں نے اللہ عزوجل سے تین بار سوال کیا کہ تجھے تقدیم دے، اللہ تعالیٰ نے نہ مانا مگر ابو بکر کا مقدم رکھنا۔

(فتاویٰ رضویہ: ج15 ص686)

2: میں نے اپنے رب سے تین سوال کیے، ان میں صرف دو تو قبول فرمائے گئے۔ ایک تو یہ تھا کہ میری امت کو قحط تمام سے ہلاک نہ فرمائے یہ قبول ہوا۔ ایک یہ تھا کہ انہیں غرق سے عذاب نہ فرمائے یہ بھی قبول ہوا۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ ان میں باہم جنگ وجدال نہ ہو یہ قبول نہیں ہوا۔ (خزائن العرفان ص175 حاشیہ سورت انعام آیت نمبر 68)

تنقیح نمبر 7:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شافع محشر ہونے کا بھی انکار لازم آتا ہے۔

احادیث طیبہ میں ہے کہ آپ شافع محشر ہیں اگر تمام اختیارات کا مالک آپ کو ٹھہرایا جائے تو پھر شفاعت کی ضرورت ہی نہیں رہتی کیونکہ شفاعت کا معنی ہے گزارش کرنا درخواست کرنا۔ خدا تعالیٰ کے مختار کل ہونے پر سب متفق ہیں وہ کبھی کسی کے سامنے عرض و گزارش نہیں کرتا اگر تم سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مختار کل ہونا مانو گے گزارش و عرض سے انکار کرنے کی راہ نکلے گی جس سے صاف شفاعت کے عقیدے کا انکار نکلتا ہے۔

فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

یہ محتاجی ہی منشا شفاعت ہے جہاں محتاجی نہ ہو خود اپنے حکم سے جو چاہے کر دیا جائے۔ شفاعت کی کیا حاجت ہو۔

(فتاویٰ افریقہ ص116 مسئلہ نمبر 82)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

لفظ "مختار کل" کی تنقیح

اگر "مختار کل "کا مطلب یہ ہے کہ ساری کائنات میں پسندیدہ شخصیت ومنتخب اور چنے ہوئے سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں اور اگر "مختار کل "کا معنی یہ ہے کہ تمام قسم کے اختیارات خدا نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیے ہیں چاہے وہ تکوینی ہوں یا تشریعی ہوں تو یہ بات اسلام سے متصادم ہے اور باقی اس بات میں بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ کئی باتوں میں خدا نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت وپسند کو پوچھا ہے:

1: اگر آپ چاہیں تو ان طائف والوں کو ہلاک کر دیا جائے

2: اگر آپ چاہیں تو ہم ان پہاڑوں کو سونا بنا کر آپ کے ساتھ کر دیں

3: اگر آپ چاہیں تو ہم آپ پر موت طاری نہیں کرتے بلکہ مزید آپ رہنا چاہیں تو دنیا میں تو بھی رہ لیں۔(وغیرہ الاماشاء اللہ)

اس قسم کی کئی باتیں گنی وشمار کی جاسکتی ہیں مگر اسے مختار کل کا عقیدہ نہیں کہا جائے گا۔

مسئلہ مختار کل کی نفی پر دلائل از قرآن کریم

1: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ۔ (سورۃ القصص:56)

ابو طالب کے اسلام نہ لانے پر آپ کو پریشانی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

2: **قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي۔ (سورۃ یونس: 15)**

کافروں نے کہا کہ یہ قرآن بدلیں تو جواب میں یہ کہا گیا۔

3: **مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ۔ (سورۃ توبۃ: 14)**

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے روک دیا گیا۔

4: **قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ۔ (سورۃ المومنون: 88)**

5: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ۔ (سورۃ التحریم: 1)**

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر شہد کو حرام کو لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

6: **لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ۔ (سورۃ آل عمران: 128)**

آپ علیہ السلام نے بعض لوگوں کے لیے دعائے مغفرت فرمائی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

7: **وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ۔ (سورۃ یوسف: 103)**

8: **وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ۔ (سورۃ الانعام: 17)**

9: **مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ۔ (سورۃ الانفال: 67)**

بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

10: **عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ۔ (سورۃ التوبۃ: 43)**

غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین نے حیلے بہانے بنا کر اجازت لی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

11: **إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ۔ (سورۃ التوبۃ: 80) [منافق کا جنازہ پڑھنے پر یوں فرمایا گیا]**

12: **لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا۔ (سورۃ الجن: 21)**

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

احادیث طیبات

حدیث نمبر 1:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ننھے بچوں سے پیار کرتے ہوئے دیکھا تو پوچھنے لگا کہ کیا آپ بچوں سے (ازرہِ شفقت) پیار کرتے ہیں؟ ہم تو ایسا نہیں کرتے، اس دیہاتی کے اس سوال پر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَوَأَمْلِكُ لَكَ أَنْ نَزَعَ اللّٰہُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَۃَ۔ (صحیح البخاری: ج2 ص887، صحیح مسلم ج2 ص254)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے شفقت نکال دی ہے تو کیا میں تیرے لیے اس کا مالک ہوں؟!

حدیث نمبر 2:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈرایئے تو آپ نے اپنے تمام خاندان اور برادری کو جمع کر کے فرمایا: اے خاندان قریش! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے (یعنی توحید ورسالت وغیرہ عقائد قبول کر کے) بچالو میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچاسکتا اے خاندان بنو عبد مناف، اپنی جانوں کو عذاب سے بچالو میں تمہیں خدا کے عذاب سے نہیں بچاسکتا۔ اے عباس بن عبد المطلب اور میری پھوپھی صفیہ اپنے بچاؤ کا انتظام فرمالو میں تمہیں خدا کی گرفت نہیں بچاسکتا۔ آگے ارشاد ہوتا ہے:

یَا فَاطِمَۃُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِیْنِی مَا شِئْتِ مِنْ مَالِی لَا أُغْنِی عَنْكِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا۔

اے (میری لختِ جگر) فاطمہ! جس کا میں مالک ہوں (مالی، ضروریاتِ زندگی وغیرہ) وہ مانگ تو میں تجھے دے دوں گا لیکن اللہ تعالیٰ کی گرفت سے میں تجھے نہیں بچاسکتا۔ (صحیح البخاری ج2 ص702، صحیح مسلم ج1 ص114، ابو عوانہ ج1 ص193، مسند احمد ج2 ص87)

حدیث نمبر 3:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما میں برابری کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے:

اللھم! ھذہ قسمی فیما أملك فلا تؤاخذنی فیما تملك ولا أملك۔

قال الترمذی: یعنی انما الحب و المودۃ۔

یعنی اے اللہ جس ظاہری تقسیم کا میں مالک ہوں میں کو ادا کر چکا اور جس چیز کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبت) تو اس میں میرا مواخذہ نہ کرنا۔

(سنن الترمذی ج1 ص134، سنن ابی داود: ج1 ص290، سنن النسائی: ج2 ص78، ابن ماجہ ج1 ص144، مشکوٰۃ ج1 ص279، مستدرک الحاکم: ج2 ص178)

اس روایت کو امام حاکم رحمہ اللہ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح علی شرط مسلم قرار دیا۔ (مستدرک الحاکم: کتاب النکاح-ح2761)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اسناد صحیح ورجالہ کلھم ثقات۔ (ابن کثیر ج3 ص511)

حدیث نمبر 4:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس خلاصہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق عامۃ المسلمین (مثلاً غنیمت وغیرہ) میں خیانت کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے اونٹ، بکری، گھوڑے، کپڑے وغیرہ میں خیانت (چوری) کی تو یہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تمام اشیاء قیامت کے دن اس کی گردن پر ہوں گی اور اپنی اپنی آواز ظاہر کرتی ہوں گی اور ایسا خائن وہاں کہے گا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ۔

اے اللہ کے رسول میری مدد کیجیے اور میں کہوں گا میں تجھے تبلیغ کر چکا تھا۔ (بخاری ج2ص342، مسلم ج2ص122)

حدیث نمبر5:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیبیاں تھیں؛ حضرت خدیجہ، حضرت زینب ام المساکین، حضرت عائشہ، حضرت جویریہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت ام حبیبہ، حضرت صفیہ، حصرت سودہ، حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنھن۔

(مرقات ج4ص42)

اور دولونڈیاں تھیں؛ ایک حضرت ماریہ قبطیہ جن کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ (مستدرک ج4ص38)

اور دوسری حضرت ریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھیں۔(مستدرک ج4ص41)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا آپ کی زندگی میں وفات پاگئی تھیں بقیہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن آپ کے بعد زندہ رہیں ان کے بارے میں آپ کو کافی پریشانی تھی آپ نے فرمایا: إن أمركن مما يهمني بعدي الحديث.

(جامع الترمذی ج2ص216 وقال حدیث حسن صحیح غریب، موارد الظمان: ص547)

کہ بے شک تمہارا معاملہ مجھے اپنے بعد پریشان کر رہا ہے۔

اس عقیدے کے رد پر اکابر امت کی تصریحات

[۱]: علامہ سبکی لکھتے ہیں:

والنبی صلی اللہ علیہ وسلم اعرف الخلق باللہ تعالیٰ فلم یکن یسال ربہ تفسیر حکم من الاحکام الشرعیۃ ولا یفعل فیھا الا ما یؤمر بہ۔ (شفاء السقام: ص177)

[۲]: امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

معجزہ رسول کا اختیاری فعل نہیں نہ رسول کو اس کے ظاہر کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ (مجربات غزالی ص299)

[۳]: شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام اور اور اولیاء سب کا یہ حال ہوا کہ انہوں نے بہت سی چیزیں چاہیں کہ ہو جائیں لیکن نہ ہوئیں اور بہت سے ایسے کام جنہیں انہوں نے چاہا کہ وہ نہیں ہوں وہ ہو گئے۔ (مکتوبات دوصدی مکتوب نمبر60،67)

[۴]: شیخ عبدالواحد بلگرامی فرماتے ہیں:

نوح علیہ السلام نے سینکڑوں برس تک اپنے بیٹے کے لیے کوشش کی اور اہتمام کلی کیا کہ کسی طرح وہ مسلمان ہو جائے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کے لیے بہتری کی کشش کی کہ وہ بت پرستی سے باز رہیں اور مسلمان ہو جائیں مگر کچھ نہ ہوا۔ مصطفیٰ علیہ السلام نے ابوطالب کے لیے کتنی کوشش فرمائی مگر مفید اور سودمند نہ ہوئی۔ (سبع سنابل اردو ص98)

[۵]: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

معجزہ اللہ کا فعل ہے نہ کہ رسول کا کیونکہ قانون قدرت کو توڑنا انسانی اختیار سے باہر ہے۔ (تکمیل ایمان ص111)

[۶]: شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ عالم قضا و قدر ہے جو انبیاء اور اولیاء کے لیے کمر شکن ہے بہت دفعہ جو مانگتے ہیں نہیں پاتے۔ (مکتوبات قدسیہ ص716 اردو)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

[۷]: قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اولیاء کرام معدوم کو موجود کرنے یا موجود کو معدوم کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اس لیے پیدا کرنے، معدوم کرنے، رزق دینے، اولاد دینے، بلا دور کرنے اور مرض سے شفا دینے وغیرہ کی نسبت ان سے مدد طلب کرنا کفر ہے۔ (ارشاد الطالبین)

[۸]: علامہ سبکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

و من هذا قول القائل للنبی صلی الله علیه و سلم اسئلك مرافقتك فی الجنة، قال: اعنی علی نفسك بكثرة السجود و الآثار فی ذالك كثيرة ايضاً و لا يقصد الناس بسوالهم الا كونه صلی الله عليه سلم سبباً و شافعاً۔

(شفاء السقام: ص175 باب نمبر 8)

[۹]: شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مذہب صحیح آنست کہ امر تشریح مفوض بہ پیغمبر نمی باشد زیرا کہ منصب رسالت و ایلچی گری نیابت خدا و نہ شرکت در کارخانہ خدائے آنچہ کہ خدائے تعالیٰ حلال و حرام فرماید آنرا رسول تبلیغ می کند و بس از طرف خود اختیار ندارد.

(تحفہ اثناعشریہ ص170 باب نمبر 4)

[۱۰]: قاضی سجاد حسین رحمہ اللہ نے "شفاء السقام" کا ترجمہ "زیارت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے لکھا۔ یہ ترجمہ انہوں نے شاہ ابو الحسن زید فاروقی صاحب کے حکم پر لکھا۔ اس کا مقدمہ شاہ ابو الحسن زید فاروقی صاحب نے لکھا۔ چنانچہ وہ مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"عاجز (فاروقی صاحب) قاضی صاحب کے پاس گیا اور ان سے کہا "بحول اللہ و قوتہ" آپ اس کام کو سرانجام دیں اور پھر ترجمہ اس عاجز کے حوالہ کریں تاکہ یہ مبارک رسالہ ذخر اًللآخرۃ حضرت ابو الخیر اکادمی سے یہ عاجز طبع کرائے اور یہ بھی آپ سے کہا کہ آپ اس مبارک ترجمہ کا نام اصل نام کا نصفِ آخر "زیادہ خیر الانام" رکھیں۔ (مقدمہ زیارت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم: ص6)

موصوف آگے لکھتے ہیں:

حضرت قاضی سے کہہ دو زید تم
رب کعبہ خوب لکھی ہے کتاب

(مقدمہ زیارت خیر الانام: ص16)

چونکہ فریقِ مخالف کے ہاں یہ مسلم بزرگ ہیں اس لیے ہم نے ان کی بات کی ہے۔ اب مقصد کی طرف آیئے۔

اس رسالہ میں ہے: بیہقی کے دلائل النبوۃ میں مذکور ہے کہ عثمان بن ابی وقاص نے کہا: میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے معاملہ میں یعنی قوت حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس شیطان کا اثر ہے جس کو "خنزب" کہتے ہیں، اے عثمان میرے قریب آ۔ میں قریب ہوا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا جس کی ٹھنڈک میں نے کمر تک محسوس کی پھر فرمایا اے شیطان عثمان کے سینہ سے نکل جا الخ

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اب یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صورۃً طلب ہے ورنہ دراصل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سفارشی کی ہے اب اس کو خواہ توسل کہو یا تشفع کہو یا تجوہ یا توجہ سب کے یہی معنی ہیں۔

(زیارت خیر الانام ترجمہ شفاء القسام ص123 مکتبہ جمال کرم)

ایک بات قابل تشریح ہے کہ آج کل اہل بدعت حضرات کا یہی کہنا ہے کہ ڈپو تو حکومت سے لیتے ہیں اور باقی لوگ ڈپو سے لیتے ہیں اسی

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

طرح انبیاء اور اولیاء خدا سے لیتے ہیں اور ہم ان سے لیتے ہیں، جیسے کوئی براہ راست حکومت سے لے تو حکومت ناراض ہوتی ہے کہ ہمارے ڈپو سے لو ہم سے کیوں لیتے ہو اسی طرح خدا سے مانگنے کی بجائے اولیاء سے مانگو ورنہ خدا ناراض ہو گا۔

اس بات کی تفصیل کے لیے "پیر نصیر الدین وہابی ہے؟" اور "توحید اور شرک" از مفتی امین صاحب اور "توحید اور شرک" از مولوی محمد راشد آپ ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔ یہ کس درجہ غلو اور اندھا پن ہے۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری وسیلہ جناب کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنے ہیں اور نکالنے والا خود اللہ جل مجدہ تھا یعنی آپ نے فرمایا: شیطان نکل جا، بطور سبب کے فرمایا خدا کے ہی حکم سے فرمایا تو نکالنے والا خدا کے علاوہ کسی اور کو نہ سمجھنا چاہیے۔

مسئلہ مختار کل پر اہل بدعت کے دلائل کے جوابات

دلیل نمبر 1:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔

(سورۃ الاعراف:157)

جواب:

یہ آیت سورۃ اعراف کی ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر الاتقان علامہ سیوطی ج1 ص18)

اگر اس آیت کا مطلب یہ ہو تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حلال اور حرام کرنے کا اختیار اس آیت سے مل چکا ہے تو آپ ہی فیصلہ کریں کہ سورۃ تحریم جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اس میں اس کے خلاف کیوں ارشاد ہوتا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ۔ (سورۃ التحریم:1)

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ میں حلال اور حرام کرنے کا حق دیا جاچکا ہوتا اور اس آیت سے اس کا ثبوت ہوتا جیسا کہ فریق مخالف کا زعم باطل ہے تو محال ہے کہ مدینہ میں یہ حکم نازل ہوتا کہ آپ نے وہ چیزیں کیوں حرام کر دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کی ہیں؟! قرآن کریم میں تو قطعاً تعارض اور تخالف کا احتمال ہی نہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بہت سی مختلف احادیث کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:

والصحیح ان ذلك كان فی تحریمه العسل۔ (تفسیر ج4 ص387)

باقی آیت میں تحلیل اور تحریم کی جو نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے تو اس کا صحیح محمل یہی ہے کہ آپ نے ان اشیاء کی حلت اور حرمت کو بیان کیا ہے۔ روایت آتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی لڑکی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی تو آپ نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں:

وَإِنِّي لَسْتُ أُحَرِّمُ حَلَالًا وَلَا أُحِلُّ حَرَامًا وَلَكِنْ وَاللَّهِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللَّهِ أَبَدًا۔

(بخاری جلد 1 ص438 و مسلم ج2 ص290)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوم (لہسن) کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا تو لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ شاید تھوم حرام ہو چکا ہے۔ آپ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

أیها الناس إنه لیس بی تحریم ما أحل الله لی ولکنها شجرة أكره ریحها۔ (صحیح مسلم ج1 ص309)

دوسری روایت میں ہے: أیها الناس إنه والله ما لی أن أحرم ما أحل الله ولکنی أکره ریحه. (ابو عوانہ ج1 ص412)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر2:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۔ (سورۃ الاحزاب:36)

جواب:

اس آیت سے تو صرف اتنا ہی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ جو فیصلہ کرلے اور اس کا رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم اس فیصلہ کو بیان اور ظاہر کرتے ہیں تو اس معاملہ میں کسی مومن اور مومنہ کو لب کشائی کا حق نہیں پہنچتا۔

دلیل نمبر3:

وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۔ (سورۃ التوبۃ:74)

جواب:

صحیح البخاری (ج2ص620) میں روایت ہے: "فاغناکم اللہ بی" کہ اللہ نے تمہیں میری وجہ سے مالدار کر دیا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کی برکت اور مال غنیمت و صدقات کے تقسیم ہونے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ذریعہ ہیں اس لیے آپ کی طرف نسبت کی گئی یعنی یہ نسبت ظاہری ہے۔ باقی آیت میں منافقوں کے متعلق بتایا گیا کہ ان کو مال غنیمت جو خدا نے دیا بذریعہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم دیا ہے۔ اس کا بھی ان منافقین نے حیانہ کیا اور اسلام کے خلاف محاذ بنالیا۔

دلیل نمبر4:

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ۔ (سورۃ التوبۃ:58)

جواب:

یہ آیت اپنے مدلول پر خود ظاہر ہے کہ صدقات اور غنیمت کے مال کی تقسیم پر دنیا پرست اور خود غرض منافقین نے اعتراض کیا تھا، اگر ان کو حصہ مل جاتا تو اعتراض نہ کرتے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو کیوں نہیں دیتے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی تردید فرماتا ہے کہ اگر وہ منافق اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ تعالیٰ نے حقیقۃً اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت اور صدقات کی تقسیم پر ان کو دیا تھا تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فرمانبردار ہو جاتے اور اگر اس وقت ان کو پورا حصہ نہ مل سکا تھا تو یہ کہہ کر تسلی کر لیتے کہ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ سے توقع اور امید ہے کہ کسی غنیمت کے موقع پر ہمیں بہت کچھ دے گا جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرمائیں گے اور ہم کو بھی دیں گے۔ الغرض اس آیت میں صدقات (وغیرھا) کی تصریح موجود ہے اس سے یہ ثابت کرنا کہ دنیا کی ہر چیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں یا یہ دینا مافوق الاسباب طریق پر تھا (جو متنازع فیہ ہے) بالکل غلط ہے۔

دلیل نمبر5:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى ۔ (سورۃ انفال:17)

جواب اول:

اگر اس آیت کے دوسرے ٹکڑے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا ہونا ثابت ہوتا ہے تو اول حصہ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا خدا ہونا بھی ثابت ہوگا کیونکہ ارشاد ہوتا ہے کہ تم نے دشمنوں کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے قتل کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جنگ بدر وغیرہ میں کافروں کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی، حضرت عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی نے قتل کیا تھا لہذا وہ سارے خدا ہوئے؟ بتاؤ اب فرق کیا رہا؟

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب دوم:

انسان کے کام چونکہ عالم اسباب میں ایک خاص قوت اور طاقت سے ظاہر ہوتے ہیں اگر انسان کی طاقت سے زیادہ کام جو عام طور پر اسباب میں انسان سے نہیں ہوا کرتا تو ایسے کام میں اللہ تعالیٰ کے فعل کا خاص دخل ہوتا ہے۔ چونکہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام یہ تھا کہ ایک مٹھی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دیں اس خاک کو مٹھی کو نزدیک اور سامنے اور پیچھے دائیں بائیں غرض ہر آدمی کی آنکھ میں ڈالنا محض اللہ کی قدرت سے تھا۔ جس طرح تین سو تیرہ کی تعداد میں بے سروسامان صحابہ کا ہزار مسلح کافروں پر غالب آجانا انسان کی طاقت سے باہر ہے مگر خدا کے لیے کوئی مشکل نہیں۔

دلیل نمبر6:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا. (سورۃ الحشر:7)

جواب:

حدیث شریف میں ہے:

ذروني ما تركتم . فإنما هلك من كان قبلكم بسؤالهم واختلافهم على أنبيائهم . فإذا أمرتكم بشيء فخذوا منه ما استطعتم . (ابن ماجہ ص2، مسند احمد ج2ص355)

یہ حدیث مسند احمد (ج2ص508، 482، 475، 313) میں متعدد الفاظ کے ساتھ مروی ہے کسی میں "اذا امرتكم بامر فاتمروا" آتا ہے کسی میں "فاتبعوا" اور کسی میں "فدعوه" اور کسی میں "ذروه" وغیرہ کے الفاظ ہیں ان عام روایات میں اور امر و نہی کو ایک دوسرے کے مقابل میں بیان کیا گیا ہے اور پھر میں ایتمار اور اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور استطاعت کی قید لگائی ہے۔ الغرض احادیث وآیت سے واضح ہے کہ دینے اور منع کرنے سے امور شرعی مراد ہیں نہ کہ تکوینی جیسا کہ فریق مخالف نے سمجھا ہے۔

دلیل نمبر7:

انما انا قاسم والله يعطي. (مشکوۃ المصابیح:ص32)

جواب:

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے جو کہ عقائد قطعیہ میں نہیں چلتی۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے شرح مشکوۃ میں لکھا ہے آپ پر من جانب اللہ جو کچھ نازل ہوتا تھا اس کو آپ وحی الٰہی کے مطابق لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رہے اس میں غنائم بھی داخل ہیں۔

شرح جامع الصغیر میں علامہ عبد الروف مناوی لکھتے ہیں:

المراد أنا أقسم العلم بينكم والله يعطي الفهم. (فیض القدیر للمناوی: ج2ص724)

یعنی علم میں بانٹتا ہوں اور فہم خدا جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

اگر یہ مراد لیا جائے کہ کہ سب کچھ ہی حضور دیتے ہیں اور بانٹتے ہیں تو پھر سنیے:

☼ حضرت خولہ بنت حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اگر طائف فتح ہو تو آپ مجھ کو فلاں عورت کا زیور دے دیجئے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر خدا تعالیٰ اس کی اجازت نہ دے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔ (الاصابۃ: ج8ص70)

☼ مشکوۃ شریف (ص225) میں روایت موجود ہے اللہ نے تمہارے درمیان اسی طرح خود اخلاق تقسیم کر دیئے ہیں جس طرح کہ اس نے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تمہارے درمیان رزق تقسیم کر دیئے ہیں اور اللہ دنیا اس کو بھی دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے اور اس کو بھی دیتا ہے جس سے محبت نہیں کرتا۔

☼ ایک روایت میں ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اسی دن اس نے رحمت اور شفقت کے 100 حصے متعین کیے ان سو حصوں میں اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ رحمت کا تمام مخلوق میں خود تقسیم فرمایا۔ (مستدرک حاکم ج4 ص247، مشکوٰۃ شریف ص207)

☼ خدا تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. (سورۃ الزخرف: 32)

ترجمہ: ہم ہی نے مخلوق کے درمیان دنیا کی زندگی میں معیشت تقسیم کی ہے۔

دلیل نمبر 8:

فضالہ بن عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچوں نمازوں کی حفاظت کرنا۔ میں نے کہا: حضرت میں تو دنیا کے کام کاج میں مبتلا رہتا ہوں، شاید مجھ سے پانچ نمازوں کی حفاظت نہ ہو سکے۔ آپ نے فرمایا، پھر صبح اور عصر کی نماز کی پوری پابندی کرنا۔

(سنن ابی داؤد: ج1 ص61)

جواب:

پہلی بات...... یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے جو کہ عقیدہ قطعیہ کے لیے مفید نہیں۔

دوسری بات...... یہ ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی داود بن ابی ہند ہیں ان کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان کی حدیث کی سند میں اختلاف ہے۔ (تہذیب التہذیب: ج8 ص299)

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وہ کثیر الاضطراب اور کثیر الخلاف تھا یعنی دیگر روایات کی مخالفت کرتا تھا اسانید اور متون دونوں میں۔" (تہذیب ج3 ص304)

تیسری بات...... یہ ہے کہ چونکہ یہ زیادہ موکد ہیں اس لیے ان کی تاکید فرمانا مقصود ہے۔

چوتھی بات...... یہ ہے کہ نمازوں پر پابندی اور اہتمام تو خود قرآن پاک میں موجود ہے کہ نمازوں کی حفاظت کرو خاص کر درمیانی نماز کی۔

مقصود یہ تھا کہ جب یہ مشکل نمازیں پڑھے گا تو آسان بدرجہ اولیٰ پڑھے گا اس لیے موکد اور خاص اہتمام والی نمازوں کا ذکر کیا۔

دلیل نمبر 9:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہو کر اس شرط پر مسلمان ہوا کہ میں صرف دو نمازیں پڑھوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمالیا تھا، فریق مخالف کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ آپ مختارِ کل تھے۔ یہ حدیث مسند احمد ج5 ص25 ص363 اور طبقات ابن سعد ج7 ص56 قسم اول میں مذکور ہے۔

الجواب:

جس روایت میں راوی ہے یہ کہے کہ "عن رجل من الصحابہ" یا "عمن سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (یا عن رجل منهم) تو ایسی سند اور حدیث قابل احتجاج نہیں تاوقتیکہ وہ راوی اس کا نام نہ بتلائے اور جب تک کہ اس کا صحابی ہونا معلوم نہ ہو جائے اس کی بات توجہ اور التفات کے قابل نہیں ہے۔ کئی محدثین نے "عن رجل من الصحابہ" کی سند پر کلام کیا ہے اور سند کو مجہول کہا ہے۔

(دیکھیے دل کا سرور ص140)

اس روایت کا حال بھی یہی ہے۔ ایسی حدیث سے عقیدہ ثابت کرنا محل غور ہے باقی اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اسلام لے آئیں پھر نماز بھی پوری ہو جائے گی۔ جیسے کہ بعض لوگ اسلام اس شرط پر لائے کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں اور جہاد نہ کریں گے تو آپ نے فرمایا یہ جب مسلمان

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ہو گئے تو زکوۃ بھی دیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔ (البدایہ والنہایہ ج5 ص30)

بعض لوگ مسلمان ہوئے اس شرط پر کہ ہم عشاء کی نماز نہیں پڑھیں گے کیونکہ اس وقت دودھ نکالتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ان شاء اللہ تم دودھ بھی نکالو گے اور عشاء کی نماز بھی پڑھو گے۔ (مجمع الزوائد ج1 ص294)

دلیل نمبر10:

بعض حضرات وہ حدیث پیش کیا کرتے ہیں جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تحریم مکہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تحریم مدینہ کی نسبت آئی ہے "ان ابراھیم حرم مکة" کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم کر دیا "وانی حرمت المدینة" اور میں نے مدینہ کو حرم بنادیا ہے۔

جواب:

صحیح البخاری (ج1 ص247) اور صحیح مسلم (ج1 ص437) میں حدیث موجود ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ۔

اسی طرح صحیح البخاری (ج1 ص251) اور صحیح مسلم (ج1 ص442) میں حدیث ہے:

حُرِّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِينَةِ عَلَى لِسَانِي۔

باقی شیخ دھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اسناد تحریم بابراہیم علیہ السلام از جہت آں باشد کہ وے رسانید واعلام کرد حکم الہی زیرا کہ حاکم بشرائع واحکام خدا تعالیٰ است حکم وے قدیم است انبیاء علیہم السلام رسانند آں احکام اند۔

(اشعۃ اللمعات ج2 ص178)

دلیل نمبر11:

صحاح ستہ میں آتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مکہ کے درختوں اور کانٹوں کی نسبت فرمایا کہ ان کو کاٹنا حرام ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے "اذخر" (ایک قسم کی گھاس ہے) کو مستثنیٰ قرار دینے کی درخواست چنانچہ آپ نے اس کو مستثنیٰ کر دیا۔ مخالفین کا کہنا ہے اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختار مطلق نہ تھے تو آپ نے اذخر کو کیوں مستثنیٰ کیا؟ اس سے معلوم ہوا کہ آپ مختار کل تھے۔

جواب:

☼ قرآن پاک میں ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى۔ (سورۃ النجم: 3،4)

یعنی آپ خدا سے وحی پاک احکام بیان فرماتے ہیں۔

☼ سنن دارمی شریف (ص77) اور فتح الباری (ج3 ص228) میں منقول ہے کہ جبرائیل امین جس طرح قرآن پاک لاتے تھے اسی طرح احکام بھی لاتے تھے۔

☼ مشکوۃ شریف (ص26) میں بھی اسی طرح کی ایک روایت موجود ہے۔

الا انی اوتیت القرآن و مثلہ معہ۔

رہی فریق مخالف کی پیش کردہ روایت تو اس کی تشریح میں امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هذا محمول على أنه صلى الله عليه وسلم أوحي إليه في الحال باستثناء الأذخر۔ (شرح مسلم: باب تحریم مکۃ)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

باقی وحی کا اتنی جلدی آنا یہ کوئی خدا کی قدرت سے بعید نہیں۔ اور یہی جواب ان احادیث کا بھی ہے کہ

(1): ایک صحابی نے پوچھا کہ کیا ہر سال حج فرض ہے آپ نے فرمایا کہ میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا۔

(2): کہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے لیے چھ مہینے کی بکری کی قربانی جائز قرار دی۔

(3): کہ حضرت خزیمہ ثابت انصاری کی گواہی کو دو مردوں کے قائم مقام ٹھہرایا۔

علامہ سعیدی لکھتے ہیں: یہ محال نہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جس وقت سوال کیا گیا تھا کسی اور مقام پر اسی وقت پلک جھپکنے میں آپ پر وحی نازل ہو گئی ہو۔ (نعمۃ الباری شرح بخاری ج1 ص405)

دلیل نمبر12:

ایک روایت آتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ نوحہ (بین کرنا) سب کے لیے حرام تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک جگہ نوحہ کرنے کی اجازت دی۔ اس روایت کی شرح میں فریق مخالف امام نووی رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا کرتا ہے: "وللشارع ان یخص من العمومات ما شاء او کما قال" کہ شارع کو حق پہنچتا ہے کہ عمومات میں سے جو چاہے خاص کرے۔

جواب:

پہلی بات۔۔۔ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ، علامہ زرقانی، علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ نوحہ پہلے مباح تھا پھر مکروہ تنزیہی ہوا اسی اثناء میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو اجازت ملی پھر نوحہ بالکل حرام ہو گیا۔

دوسری بات۔۔۔ یہ ہے کہ آپ نے وحی پا کر لوگوں کا احکام سناتے تھے۔

تیسری بات۔۔۔ یہ ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ کے قول "شارع" سے مراد خدا کی ذات ہے حقیقی طور پر شارع تو خدا ہی ہے، ہاں مجازی طور پر آپ کو شارع کہنا جائز اور صحیح ہے مگر یہاں مراد خدا کی ذات ہے۔

دلیل نمبر13:

صحاح ستہ وغیرہ میں ایک روایت آتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ رمضان المبارک میں ایک صحابی نے اپنی بیوی سے دن کے وقت جماع کر لیا تھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اب کیا کروں؟ آپ فرمایا کہ غلام آزاد کر دو وہ کہنے لگا کہ میرے پاس نہ غلام نہ غلام خریدنے کی رقم۔ آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ اس نے کہا: مجھے اس کی بھی استطاعت نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا بیٹھو۔ اتنے میں ایک شخص (ایک صاع ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے) کھجوریں لایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کھجوریں لے لو اور ان کو صدقہ کر دو۔ وہ صحابی بولا کہ مدینہ بھر میں مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں، تب آپ نے فرمایا کہ اپنے گھر کے لوگوں کو کھلا دو تمہارا کفارہ ادا ہو گیا۔

فریق مخالف نے اس روایت کو پیش کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے کفارہ ساقط کر دیا تھا تو آپ مختار کل ہوئے۔

جواب:

یہ حدیث بخاری (ج1 ص259)، مسلم (ج1 ص355)، ابو داؤد (ج1 ص333)، ترمذی (ج1 ص90)، ابن ماجہ (ص121)، موطا مالک (ص90)، طحاوی (ج1 ص325)، مسند احمد (ج2 ص208)، السنن الکبریٰ (ج4 ص237)، مشکوٰۃ (ص176) وغیرہ میں موجود ہے لیکن کسی بھی حدیث میں یہ جملہ نہیں کہ "جا تیرا کفارہ ادا ہو گیا"۔ امام زہری رحمہ اللہ سے تو یہ جملہ منقول ہے کہ "جا تیرا کفارہ ادا ہو گیا" لیکن

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

محدثین اس کو حدیث کا لفظ نہیں مانتے۔ (نصب الرایہ ج2ص453، الدرایہ ص175)

۞ علامہ دقیق العید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس کو اس آدمی کی خصوصیت ماننا ضعیف قول ہے۔(احکام الاحکام ج2ص10)

۞ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی ضعیف کہا ہے۔(حاشیۃ مشکوٰۃ شریف ج1ص176)

۞ امام نووی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔(شرح مسلم ج1ص354)

۞ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے زھری کی اس زیادت کو ضعیف قرار دیا ہے۔(تلخیص الجبیر ص166، اور فتح الباری ج4ص134)

۞ اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ اس کو اس بات کی گنجائش دی گئی کہ جب اس کو وسعت ہو گی تو ادا کر دے گا۔ (لمعات حاشیہ بخاری ج1ص260)

دلیل نمبر14:

فریق مخالف یہ واقعہ بیان کرتا ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ غزوہ احد میں باہر نکل گئی تھی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے، حضرت میری بیوی نوجوان ہے اور مجھے اس سے محبت ہے ممکن ہے کہ میری آنکھ کو اس حالت میں دیکھ کر وہ نفرت کرنے لگ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آنکھ کا ڈھیلا اٹھا کر اپنی جگہ رکھا اور آنکھ صحیح ہو گئی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری وہ آنکھ پھر کبھی دکھنے نہیں پائی۔

فریق مخالف اس روایت کو پیش کر کے اس پر حاشیہ چڑھایا کرتا ہے کہ دیکھو خدا کی دی ہوئی آنکھ تو دکھ اٹھایا کرتی تھی، لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی آنکھ بہتر اور خوبصورت تھی اور کبھی نہ دکھتی تھی۔

جواب:

اگر غور کیا جائے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا :

وان شئت رددتها و دعوت الله۔

اگر تو چاہے تو میں لوٹا دوں یعنی اس کو اپنی جگہ پر رکھ دوں اور اللہ سے دعا کروں کہ وہ صحیح کر دے۔ حضرت قتادہ نے کہا میری یہی آرزو ہے تو آپ نے یوں کہہ کر دعا دی: اے اللہ! اس کی آنکھ کو جمال اور روشنی عطا فرما۔ تو اللہ نے دعا منظور فرمائی اور حضرت قتادہ کی آنکھ درست ہو گئی۔

(عمدۃ القاری ج8ص173 وکامل للمبرد ج3ص307)

اسی طرح حضرت رافع کی آنکھ کا مسئلہ تھا وہ کہتے ہیں:

فبصق فیها رسول الله صلی الله علیه وسلم ودعا لی فما أذانی منها شيء... وإسناده جید۔ (البدایہ والنہایہ ج4ص33)

دلیل نمبر15؛

صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں روایت آتی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعطیت مفاتیح خزائن الارض۔

یعنی مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں ۔

فریق مخالف اس روایت سے یہ ثابت کیا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام خزانے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیئے ہیں اور آپ ان لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب:

اولاً: قرآن تو کہتا ہے: "قُلْ لَا أَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللّٰهِ" (سورۃ الانعام:50) تو آپ علیہ السلام کیسے فرماسکتے ہیں کہ مجھے خزانے دیئے گئے۔

ثانیاً: امام نووی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کا مطلب یہ ہے آپ کی امت خزائن کی مالک بنے گی اور ایسا ہوا بھی۔ (شرح مسلم ج2ص25)

علامہ عزیزی فرماتے ہیں:

استعارة لو عدالله بفتح البلاد. (السراج المنیر ج1ص245)

بلکہ مستدرک حاکم میں (ج4ص449) ہے اللہ نے مجھے دونوں خزانے دیئے ہیں سرخ اور سفید (ان سے قیصر وکسریٰ کی حکومتیں مراد ہیں) اور میری امت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک مجھے مشاہدہ کرایا گیا ہے۔

دلیل نمبر16:

مخالفین نے یہ واقعہ بھی پیش کیا ہے کہ سونے کی انگوٹھی مردوں میں سے کسی کے لیے جائز نہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براءبن عازب کے لیے سونے کی انگوٹھی کو جائز قرار دیا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختارِ کل ہوئے۔

جواب:

اس کی سند صحیح نہیں۔ علامہ حازمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اسنادہ لیس بذلك. (کتاب الاعتبار ص232)

یعنی اس کی سند قابل اعتبار نہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اجمالی کلام)

صفت عالم الغیب خاصۂ خداوندی

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین امابعد!

مبادیات علم غیب:

[۱]: سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ فریقِ مخالف اس عقیدہ اہل السنت کو گستاخی اور بے ادبی قرار دیتا ہے یعنی جو آدمی بھی صفتِ عالم الغیب کو خاصہ باری تعالیٰ سمجھے اور غیر خدا کے لئے اس کے اثبات سے روکے تو یہ لوگ اسے نبی کا گستاخ اور نبی کے علم کا دشمن سمجھتے ہیں حالانکہ جیسے معبود ہونا خاصہ باری ہے اور غیر خدا سے اس کی نفی ان کی توہین نہیں، رب العالمین ہونا خدا کی صفت خاصہ ہے اور غیر خدا سے اس کا انکار اس کی توہین نہیں۔ اسی طرح صفتِ عالم الغیب کو خاصہ باری تعالیٰ سمجھنا اور غیر سے اس کی نفی کرنا توہین نہیں بلکہ ضروری اور لازمی عقیدہ ہے۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والانبیاء علیھم السلام فضل اللہ بعضھم علی بعض فالفاضل لا محالۃ لہ کمال یختص بہ لیس فی المفضول و لیس المفضول بناقص ثم لیعلم انہ یجب ان ینفی عنھم صفات الواجب جل مجدہ من العلم بالغیب و القدرۃ علی خلق العالم الی غیر ذلک و لیس ذلک بنقص. (تفہیماتِ الٰہیہ: ج1 ص24 بحوالہ ازالۃ الریب: ص97)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو بعض پر فضیلت دی ہے تو لامحالہ فاضل اس کمال سے مختص ہو گا جو مفضول میں نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں مفضول کی کچھ توہین نہیں ہے۔ پھر یہ بات بھی اچھی طرح جاننی چاہیے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے ان صفات کی نفی کرنا واجب ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں؛ مثلاً علم غیب اور جہان کو پیدا کرنے پر قدرت وغیرہ اور اس میں ان کی کوئی تنقیص بھی نہیں ہے۔

[۲]: دوسری بات یہ دیکھتے ہیں کہ یہ عقیدہ کہ "نبی ہر شے کو جانتا ہے اور تمام مغیبات کا نبی کو علم ہوتا ہے" کن لوگوں کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ سیرت ابن ہشام کا پہلا واقعہ دیکھیے کہ جب سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی تھی تو زید بن اللُّصَیت نے کہا تھا:

یَزْعَمُ مُحَمَّدٌ أَنَّهُ يَأْتِيهِ خَبَرُ السَّمَاءِ وَهُوَ لَا يَدْرِي أَيْنَ نَاقَتُهُ. (سیرت ابن ہشام: ج2 ص21)

کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ آسمانوں کی خبریں ان کے پاس آتی ہیں اور انہیں یہ پتا نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟

یہی بات شیخ عبد الحق محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اشعۃ اللمعات (ج1 ص392 کتاب الصلوۃ. باب صفۃ الصلوۃ) میں فصل ثالث کی آخری روایت کے تحت لکھی ہے کہ:

در خبر آمدہ است کہ چوں ناقہ آنحضرت گم شد و درنیافت کہ کجا رفت منافقاں گفتند کہ محمد می گوید کہ خبر آسماں می رسانم و نمیداند کہ ناقہ او کجا است.

معلوم ہوا کہ یہ کافر کی سوچ تھی کہ جو نبی ہو اسے ہر ہر شے کا علم ہونا چاہیے۔ تو سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس (زید بن اللُّصَیت) کا جواب "ہاں" میں نہیں دیا بلکہ فرمایا:

وَإِنِّي وَاللهِ مَا أَعْلَمُ إِلَّا مَا عَلَّمَنِي اللهُ وَقَدْ دَلَّنِي اللهُ عَلَيْهَا، فَهِيَ فِي هَذَا الشِّعْبِ، قَدْ حَبَسَتْهَا شَجَرَةٌ بِزِمَامِهَا.

کہ مجھے تو جو خدا بتاتا ہے بس میں وہی جانتا ہوں اور یہ مجھے خدا نے بتایا ہے کہ فلاں گھاٹی میں درخت سے اس اونٹنی کی نکیل پھنسی ہوئی ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اس پر مزید دلیل سماعت فرمائیے:

امام بخاری نے صحیح البخاری میں عنوان باندھا ہے "کتاب الرد علی الجھمیہ"۔ آگے چل کر اس کے تحت ایک باب قائم کیا ہے؛

"باب قول اللہ عزوجل عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا" اور اس کے تحت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد گرامی لائے ہیں:

مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ. (صحیح البخاری: ج2ص1098)

کہ تمہیں جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں تو اس شخص نے جھوٹ بولا۔

اس کے تحت امام قسطلانی "ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری" میں لکھتے ہیں کہ امام داؤدی کا یہ کہنا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول غیر محفوظ ہے کیونکہ ایسا تو کوئی شخص کہہ بھی نہیں سکتا کہ نبی علم غیب رکھتے ہیں، لہذا یہ قولِ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا غیر محفوظ ہے۔ اس کے جواب میں امام قسطلانی فرماتے ہیں: یہ غلط ہے کیونکہ بعض وہ لوگ جو مؤمن نہیں تھے اور منافق تھے ان کی سوچ یہی تھی، دیکھیے زید بن اللصیت نے سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے گم ہونے پر یہی تو کہا تھا کہ:

يزعم أنه نبي ويخبركم عن خبر السماء وهو لا يدري أين ناقته.

کہ کہتے تو یہ ہیں کہ وہ نبی ہیں اور تمہیں آسمان کی خبریں بھی بتاتے ہیں لیکن پتا ان کو اپنی اونٹنی کا بھی نہیں۔

اور یہی بات بخاری شریف ج2 ص1098 کے حاشیہ نمبر 1 میں بھی موجود ہے۔

اور تقریباً یہی بات حافظ الدنیا علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں اسی مقام پر لکھی ہے۔

اب آپ دیکھیں کہ یہ سوچ تو منافقین کی ہے کہ نبی ہیں تو انہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے اور اگر معلوم نہیں تو نبی نہیں۔ تو کافر کی سوچ یہ تھی کہ نبی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہر شے پر ان کی نگاہ ہو، کوئی شے ان سے پوشیدہ نہ ہو۔

ایک دلیل اور سنیئے!

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نبي... هو من النبوة أي الرفعة، وسمي نبياً لرفعة محله عن سائر الناس المدلول عليه بقوله: (وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا) فالنبي بغير الهمز أبلغ من النبئ بالهمز، لانه ليس كل منبإ رفيع القدر والمحل.

(المفردات للراغب الاصفہانی: ص482)

پھر آگے حدیث پاک لائے ہیں:

قال عليه الصلاة والسلام لمن قال: يا نبئ الله فقال: "لستُ بنبئ الله ولكن نبي الله" لما رأى أن الرجل خاطبه بالهمز لبغض منه.

یعنی لفظ "نبی" یہ "نبوت" سے مشتق ہے بمعنی بلندی، اور "نبی" کو نبی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ساری انسانیت سے بلند و بالا مقام والا ہوتا ہے اور یہی بات قرآن پاک کی آیت "وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا" بھی بتا رہی ہے کہ ہم نے ان کو بلند بالا مقام عطا کیا۔ لفظ "نبی" [ہمزہ کے بغیر] "نبئی" [ہمزہ کے ساتھ] سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ہر وہ جس کو خبر دی جائے رفیع القدر اور بلند و بالا مقام پر نہیں ہوتا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ ایک اعرابی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا: نبئ اللہ! [ہمزہ کے ساتھ] (یعنی اللہ کی طرف سے خبر دینے والے یا خبر دیے گئے) تو سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نبئ اللہ نہیں ہوں بلکہ نبی اللہ ہوں [یعنی ہمزہ کے ساتھ نہیں ہوں بلکہ یاء کے ساتھ ہوں] اور یاد رہے کہ اس آدمی نے "نبئ اللہ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغض و عداوت کی وجہ سے کہا تھا۔

باقی رہی یہ بات کہ بعض اہل حق نے بھی لفظ "نبی" کو "نبأ" سے مشتق مانا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک نے مکر، کید،

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

خدع، استہزا، نسیان وغیرہ کی نسبت خدا کی طرف بھی کی ہے اور کفار کی طرف بھی کی ہے لیکن یہاں دونوں کا معنی و مفہوم الگ الگ ہو گا۔ اسی طرح "هَمَّ" کا لفظ سیدنا یوسف علیہ السلام اور "هَمَّتْ" کا لفظ بی بی زلیخا کے لیے استعمال ہوا۔ اسی طرح "میت" اور " میتون " ہے۔ اس طرح کی اور مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں کہ لفظ تو ایک جیسا ہے مگر مفہوم جدا جدا ہے۔

اب اہلِ حق جب یہ بات کہتے ہیں تو "نَبِّئْ عِبَادِيْ أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ" (الحجر:49) اور "نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ" (التحریم:3) وغیرہ آیات کے پیش نظر کہتے ہیں کہ نبی وہ ہوتا ہے جسے وقتاً فوقتاً خدا تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں بتائی جاتی ہیں اور اہلِ باطل جب یہ بات کریں تو مقصود بغض و عناد ہوتا ہے۔

فائدہ:

1: باب مہموز اللام "فَعِيْلٌ" کی جمع "فُعَلَاءُ" آتی ہے جیسے "بَرِيْئٌ" کی جمع "بُرَآءُ" ہے۔ (کما فی سورۃ الممتحنۃ: 4)

ایسے ہی "نَبِيْئٌ" کی جمع "نُبَآءُ" (نہ قرآن میں ہے) اور شاید کلام عرب میں بھی نہ ملے۔

2: باب ناقص "فَعِيْلٌ" کی جمع "اَفْعِلَاءُ" آتی ہے جیسے "غنی" کی جمع "اغنیاء" آتی ہے، ایسے ہی "انبیاء" ہے۔ (کما فی سورۃ آل عمران:112)

[۳]: مزید ایک بات عرض خدمت ہے کہ نبی کو بھی قرآن نے صاحب ایمان کہا ہے:

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ. (سورۃ البقرۃ:285)

اور ایمان کا اصل مرتبہ ایمان بالغیب ہے جیسے قرآن پاک میں ہے: "الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ" (سورۃ البقرۃ: 3) یہ متقین کی پہلی صفت بیان کی گئی ہے کہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور حدیث شریف میں موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو "انا اتقاکم باللہ" (مسند احمد: ج5ص434 رقم 23732) یعنی ساری امت سے زیادہ متقی قرار دیا ہے۔

القصہ سرکار نے اپنے آپ کو متقی فرمایا اور متقی کی شرط اول بنص قرآن "ایمان بالغیب" ہے یعنی جو کچھ ان سے پوشیدہ ہے اس پر ایمان ہو۔ اگر نبی سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں رہا تو ایمان بالغیب ختم اور اگر ایمان بالغیب کے ختم ہونے سے تقویٰ ختم تو یہ عقیدہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت پر ڈاکہ زنی کے مترادف ہے۔ بلکہ یوں کہیں کہ معتبر ایمان تو ایمان بالغیب ہی ہے نہ کہ ایمان بالمشاہدہ، فرعون نے مشاہدہ کر کے ایمان کا اظہار کیا جو کہ مقبول نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ معتبر ایمان؛ ایمان بالغیب ہے نہ کہ ایمان بالمشاہدہ۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ غیب کا دائرہ امت کی بہ نسبت نبی کے لیے کم ہوتا ہے مگر ہوتا ضرور ہے۔ اس پر تفصیل آگے آجائے گی۔ الغرض یہ عقیدہ عظمت نبوت کے بر خلاف ہے۔

[۴]: غیب کی تعریف کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علمِ غیب کا اثبات کیوں درست نہیں۔

☆ مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی لکھتے ہیں:

غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ، ناک، کان وغیرہ سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بداہتِ عقل سے معلوم کر سکے۔

(جاء الحق: ص38)

☆ مفتی فیض احمد اویسی لکھتے ہیں:

وہ شے کہ جو نہ انسان کو آنکھ سے اور نہ کان سے اور نہ زبان سے اور نہ ہاتھ سے اور نہ دیگر اعضاء اور نہ ہی عقل سے معلوم ہو سکے وہ غیب ہے۔ (علم الرسول ص12)

دیگر اہل بدعت کے علاوہ کئی اکابر نے بھی غیب کی یہی تعریف کی ہے کہ جو حواس ظاہرہ و باطنہ سے معلوم نہ ہو سکے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا کا سارا علم مبارک حواسِ ظاہرہ اور حواس باطنہ سے آیا ہے اس لیے تو اسے غیب کا علم نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ایسا علم جو حواسِ ظاہرہ و باطنہ سے معلوم نہ ہو وہ تو فقط خدا تعالیٰ کا علم ہے کیونکہ خدا حواس ظاہرہ و باطنہ سے بری ہے۔ لہٰذا خدا کا علم مبارک ہی علم غیب ہے جو حواس سے حاصل نہیں ہوا بلکہ از خود ہے۔

قرآنی آیات مع التفسیرات

اب آیئے چند آیات ملاحظہ فرمایئے کہ مفسرین نے ان کے تحت کیا فرمایا ہے؟

آیت نمبر 1:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ. (سورۃ النمل: 65)

☆ اس کے تحت تفسیر کبیر میں ہے امام رازی فرماتے ہیں:

اعلم انه تعالیٰ لما بین انه المختص بالقدرة فکذلك بین هو المختص بعلم الغیب.

☆ تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے:

ان الله هو الذی یعلم الغیب وحده.

☆ تاویلات اہل السنۃ میں ہے:

انما یعلم الغیب الا الله.

☆ تفسیر روح المعانی میں ہے:

و بالجملة علم الغیب بلا واسطة کلاً او بعضاً مخصوص بالله جل و علا لا یعلمه احد من الخلق اصلا.

☆ تفسیر بحر محیط میں ہے:

دلت الآية علی انه تعالیٰ هو المنفرد بعلم الغیب.

☆ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری لکھتے ہیں:

ذکر الحنفية تصریحاً بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی الله علیه و سلم یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالیٰ: قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ. (شرح فقہ اکبر ص 151 قدیمی)

یہی بات مولانا عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ "مجموعہ فتاوی عبد الحی" (ج 1 ص 46 ایچ ایم سعید) میں بھی نقل کی ہے۔

☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُولُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ. (صحیح البخاری: ج 2 ص 1098)

☆ مسامرہ مع مسایرہ میں ہے:

ذکر الحنفية تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی الله علیه و سلم یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالیٰ: قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ. (مسامرہ علی مسایرہ ص 198)

آیت نمبر 2:

أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ. (سورۃ النمل: 22)

☆ اس کی تفسیر میں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فی هذا رد علی من قال ان الانبیاء تعلم الغیب.

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

☆ تفسیر مدارک میں ہے:

فیہ دلیل بطلان قول الرافضۃ ان الامام لا یخفی علیہ شئی.

آیت نمبر 3:

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ. (سورۃ البقرۃ: 255)

☆ اس کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:

العلم المختص بہ وھو علم الغیب.

آیت نمبر 4:

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. (سورۃ ھود: 123)

☆ علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غیب السماوات ای علم غیبہا. (مجمع بحار الانوار: ج4 ص84. مادہ غیب)

آیت نمبر 5:

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ. (سورۃ الانعام: 59)

☆ اس کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:

تنصیص بما اشیر الیہ من حصر علم الغیب بہ الخ

☆ تفسیر زاد المسیر میں ہے:

قال ابن مسعود: اوتی نبیکم علم کل شئی الا مفاتیح الغیب.

آیت نمبر 6:

وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ. (سورۃ الانعام: 50)

☆ تفسیر مدارک میں ہے:

أی لا أدعی ما یستبعد فی العقول أن یکون لبشر من ملك خزائن اللہ وعلم الغیب.

☆ تفسیر النکت والعیون میں ہے:

فنفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نفسہ علم الغیب، لأنہ لا یعلمہ غیر اللہ تعالی.

آیت نمبر 7:

وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ. (سورۃ الاعراف: 188)

☆ تفسیر مظہری میں اس کے تحت ہے:

أی جلب منفعۃ ولا دفع مضرۃ دینیۃ ولا دنیویۃ وھو اظھار للعبودیۃ والتبری عن دعوی العلم بالغیب.

☆ تفسیر نیشاپوری میں ہے:

ما شأنی ان اعلم الغیب.

☆ تفسیر بحر محیط میں اس کے تحت ہے:

وھذا منہ علیہ السلام إظھار للعبودیۃ وانتفاء عن ما یختص بالربوبیۃ من القدرۃ وعلم الغیب.

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

آگے چل کر لکھتے ہیں:

إِنْ أَنَاْ إِلاَّ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (لما نفى عن نفسه علم الغيب أخبر بما بعث به من النذارة)

☆ تفسیر ثعلبی میں ہے:

هذا أمر بأن يبالغ في الاستسلام ويتجرد من المشاركة في قدرة الله وغيبه.

آیت نمبر8:

لَهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. (سورۃ الکہف:26)

☆ اس کے تحت جلالین میں ہے:

انه لا يخفى عليه شيئ من احوال اهلها فانه العالم وحده به.

احادیث طیبات اور ان کی شروحات

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّهُ يَأْتِينِي الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ.

(صحیح البخاری: ج1ص332، ج2ص1030وص 1065، صحیح مسلم: ج2ص74)

☆ صحیح البخاری کے حاشیہ میں ہے:

انما انا بشر لا اعلم الغيب و بواطن الامور كما هو مقتضى الحالة البشرية. (صحیح البخاری: ج1ص332. حاشیہ نمبر1)

اور صحیح البخاری ج2ص 1031 پر بین السطور یوں لکھا ہے:

يعني كواحد منكم لا اعلم الغيب و بواطن الامور كما هو مقتضى الحالة البشرية انما احكم بالظاهر.

☆ علامہ خفاجی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

انما انا بشر لا اعلم الغيب. (ج4ص261ادارہ تالیفات اشرفیہ)

☆حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قوله انما انا بشر مثلكم: اى كواحد من البشر فى عدم علم الغيب. (فتح الباری باب کذا حدیث نمبر6967)

دوسری جگہ پر فرماتے ہیں:

اتى به رداً على من زعم ان من كان رسولاً فانه يعلم الغيب. (فتح الباری باب اذا غصب جاریۃ فزعم)

☆ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انما انا بشر يعني كواحد منكم لا اعلم الغيب و بواطن الامور كما هو مقتضى الحالة البشرية انما احكم بالظاهر.

(عمدۃ القاری کتاب النکاح باب شھادۃ الزور فی النکاح حدیث نمبر6967)

☆ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

انما انا بشر مشارك لكم فى البشرية بالنسبة لعلم الغيب الذى لم يطلعني الله عليه.

(ارشاد الساری باب من قضی لہ بحق اخیہ فلا یاخذہ حدیث نمبر7181)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

انما انا بشر وهو رد على من زعم ان من كان رسولاً فانه يعلم كل غيب حتى لا يخفى عليه المظلوم من الظالم.

(ارشاد الساری باب بیع الامام علی الناس اموالھم حدیث نمبر7185)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

☆ امام نووی شافعی لکھتے ہیں:

(إنما أنا بشر) معناه التنبيه على حالة البشرية وأن البشر لا يعلمون من الغيب وبواطن الأمور شيئا إلا أن يطلعهم الله تعالى على شيء من ذلك. (شرح مسلم ج2 ص74)

☆ علامہ علی بن احمد العزیزی لکھتے ہیں:

قاله ردًّا على من زعم ان من كان رسولاً فانه يعلم كل غيب حتىٰ لا يخفىٰ عليه المظلوم.

(السراج المنیر ج2 ص43 بحوالہ الزالۃ الریب)

بعض اسلاف کی تعبیرات کا مفہوم

اب رہی یہ بات کہ بعض کتبِ اسلاف میں غیر خدا کے لیے "بعض علم غیب"، "یاتیہ علمُ الغیب" اور "کان رجلًا یَعْلَمُ علمَ الْغیبِ" وغیرہ جیسے الفاظ موجود ہیں تو ان کے متعلق گزارش ہے کہ یہ سب لغوی طور پر ہیں اور حقیقۃً اطلاع علی الغیب یا انباء غیب ہیں۔ جیسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ تراویح کی جماعت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کیا تو اسے لغوی طور پر "نعم البدعۃ" [اچھی بدعت] کہا ورنہ حقیقۃً تو یہ سنت ہے۔ اسی طرح "صلوٰۃ" کا لغوی معنی "تحریک الصلوین" ہے مگر حقیقت میں یہ ارکان مخصوصہ فی اوقات مخصوصہ کا نام ہے۔ چونکہ کسی بھی ایک چھپی ہوئی بات کا جاننا بھی لغوی طور پر علم غیب ہے اس لیے بعض کتبِ اسلاف میں یہ تعبیرات وارد ہوگئی ہیں ورنہ حقیقت اور اصطلاحِ شریعت میں یہ درست نہیں کہ مخلوق کے لیے علم غیب کا اطلاق کیا جائے۔ اس عدمِ اطلاق کی دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں:

1: یہ ذاتی علم کا نام ہے جو کہ مخلوق کو نہیں ہوتا

2: یہ کامل علم کا نام ہے جو کہ صرف اور صرف خدا کا ہی علم ہے یعنی ہر شے کا تفصیلی اور علم محیط صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ چونکہ اصول بھی یہی ہے کہ "المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل"

اب اہلِ بدعت جو لفظ علم غیب بولتے ہیں تو اگر ذاتی اور مکمل و کلی مراد نہیں لیتے تو پھر بولنا ہی نہیں چاہیے۔ ہاں اگر اہل بدعت کہیں کہ ہم بھی لغوی طور پر بولتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ ان کے نزدیک آپ علیہ السلام کو ذرہ ذرہ کا تفصیلی علم ہے، کوئی ذرہ بھی کائنات کے علم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ مانا گیا تو آدمی فتویٰ کفر وارتداد کی زد میں آجائے گا۔

اسلاف میں سے جن لوگوں نے بھی یہ الفاظ استعمال کیے ہیں ان کی مراد بعض علوم ہیں، تو علم غیب کیسے بن سکتا ہے؟ اور انہوں نے مختلف مقامات پر مختلف اشیاء کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک سے انتفاء بھی کیا ہے کما سیاتی۔

خلاصۃ الدلائل

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تین ادوار قابلِ غور ہیں:

1: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور مبارک ہے۔

2: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک سے پہلے کا زمانہ

3: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک کے بعد کا زمانہ، یعنی قیامت وغیرہ۔

اب ہر دور میں سے کئی اشیاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ ہیں:

پہلے دور کو دیکھیے....

♣ قرآن مقدس نے شعر گوئی کے فن کو آپ کے مناسب نہیں سمجھا اور آپ سے نفی کیا ہے اور آپ کو وفات تک یہ فن وعلم عطاء نہ کیا گیا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

♣ اسی طرح قرآن مقدس نے یہ بھی بتایا کہ ہم نے بعض انبیاء علیہم السلام کے حالات آپ کو بتائے اور بعض کے حالات نہیں بتائے۔

♣ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بات گزر چکی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے شاگردوں کو بتارہے ہیں کہ ”اوتی نبیکم علم کل شیئی الا الخمس“

دوسرے دور کو دیکھیے....

♣ آپ سے فرمایا گیا: آپ مغرب کی جانب نہ تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی

♣یوں فرمایا گیا: آپ جانب طور میں نہ تھے

♣ یوں فرمایا گیا: آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے گا

♣ اسی طرح یوسف علیہ السلام کے قصے کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کو بتایا ورنہ آپ اس سے پہلے نہ جانتے تھے

♣ یوں فرمایا گیا: آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان

♣ یوں فرمایا گیا کہ آپ نہ پڑھتے تھے کتاب اور نہ دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے

تیسرے دور کو دیکھیے....

♣ قیامت کا مقررہ وقت نہ بتایا جانا۔ آپ کا خود فرمانا کہ قیامت میں میں خدا کی ایسی تعریف کروں گا جو کسی نے نہ کی ہو گی، مگر اب وہ مجھے یاد نہیں۔

♣ قرآن پاک فرماتا ہے: جب اللہ تعالیٰ رسولوں کو اکھٹا کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا ہے؟ تو وہ کہیں گے ”لَا عِلْمَ لَنَا“ کہ ہمیں معلوم نہیں۔

نکتہ اختلاف کی وضاحت:

بہر حال اس عقیدہ میں نکتہ اختلاف یہ ہے کہ ”جمیع ما کان ومایکون“ یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہو گا وہ سارا کا سارا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا یا نہ؟ اہل السنۃ والجماعۃ کا نظریہ یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے اور مخاصمین کا نظریہ یہ ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کب دیا گیا؟ تو مخاصمین کہتے ہیں کہ جب نزولِ قرآن مکمل ہوا اس وقت یہ ملا ہے۔ اب ہماری طرف سے جو بھی دلیل پیش کی جائے وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ”جمیع ما کان ومایکون“ نزولِ قرآن کے مکمل ہونے پر دیا گیا ہے اس لیے یہ تو پہلے کی آیت ہے اور اس وقت تو ہم بھی یہ چیزیں جاننا نہیں مانتے۔ ہماری طرف سے پھر یہ کہا جاتا ہے کہ تم جو دلیلیں پڑھو گے وہ بھی تو پہلے کی ہیں؛ کوئی مکی ہے تو کوئی سن 6 ہجری وغیرہ کی اور ثابت آپ ”جمیع ما کان ومایکون“ کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے فاضل بریلوی نے لکھا ہے:

”نزولِ قرآن کے مکمل ہونے پر یہ ملنا ہم مانتے ہیں۔“

اب جب یہ آیات نازل ہوئی تھیں اس وقت تو ملا ہی نہ تھا تو تم ثابت اس وقت کیسے کرنا چاہتے ہو؟ تھک ہار کر پھر کہتے ہیں کہ قرآن کو ہر شے کا بیان اور تفصیل تو قرآن ہی میں بتایا گیا ہے، لہٰذا یہ جب مکمل ہوا تو ”جمیع ما کان ومایکون“ بھی مل گیا۔

اس سلسلے میں پہلی گزارش یہ ہے یہ بھی تو نزول قرآن کے مکمل ہونے کے وقت نہیں کہا گیا بلکہ پہلے ہی کہا گیا تو پھر تمہیں اسی وقت ”جمیع ما کان ومایکون“ ملنے کا عقیدہ رکھنا چاہیے تھا، نہ کہ نزول قرآن مکمل ہونے کے بعد۔

دوسری بات یہ ہے کہ جن باتوں کو قرآن نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منفی کیا ہے کیا نزولِ قرآن کے مکمل ہونے پر ان کا اثبات

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ہوا ہے؟ مثلاً، علم شعر گوئی، بعض انبیاء علیہم السلام کے حالات کا علم، قیامت کا مقررہ وقت اور غیوبات خمسہ کا تفصیلی علم محیط وغیرہ۔ باقی رہا ایسی آیات کا مطلب تو وہ آگے آیا چاہتا ہے۔ مگر یہ بات بھی تو ان مخاصمین کو سمجھ نہیں آتی کہ قرآن پاک کو ہر شے کا بیان قرار دیا گیا ہے سورہ نحل میں اور یہ سورت مکی ہے اور نزول کے اعتبار سے 70 ویں نمبر پر ہے اور اس کے بعد 44 سورتیں اتری ہیں، اگر بات یہی تھی کہ اس آیت سے "جمیع ما کان وما یکون" کا علم معلوم ہوتا ہے تو پھر یہ عقیدہ تو آپ کو نزول قرآن کے مکمل ہونے پر بنانے کے بجائے مکہ ہی سے بنا لینا چاہیے جب کہ ایسا نہیں ہے۔ اس کا مفہوم تو صرف اتنا ہے کہ قرآن مقدس میں امور دین ، کلیات دین، اصول دین اور قواعد وضوابط سب کے سب بیان کر دیے گئے ہیں اور یہی کچھ ہم سورہ یوسف کی آیت کہ "قرآن ہر شے کی تفصیل ہے" کے متعلق کہیں گے۔

ایک بات ان حضرات کے دعوے کے متعلق رہ گئی کہ:

☆ کیا "جمیع ما کان وما یکون" سب انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ہے یا پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے؟

☆ کیا "جمیع ما کان وما یکون" اولیاء کے لیے بھی ہے یا پھر صرف انبیاء کرام کے لیے ہے؟

☆ کیا "جمیع ما کان وما یکون" عام مسلمانوں کے لیے بھی ہے یا صرف اولیاء کرام کے لیے ہے؟

☆ کیا "جمیع ما کان وما یکون" کافروں کے لیے بھی ہے یا صرف مسلمانوں کے لیے ہے؟

☆ کیا "جمیع ما کان وما یکون" اہلِ اسلام کی خادم اشیاء کے لیے بھی ہے؟

پھر ان میں سے ہر ایک صورت کے منکر کا حکم بھی ارشاد فرمایا جائے!!

اب پیشِ خدمت ہے ہماری طرف سے ایسی دلیل کہ جو نزول قرآن کے مکمل ہونے پر ہو!

دلیل نمبر 1:

سورۃ توبہ نزول میں آخری ہے اور اس میں یہ ارشادِ باری تعالیٰ "لَا تَعۡلَمُهُمۡ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ" (آیت نمبر 101) منافقین کے بارے میں ہے۔ اس کی تفسیر میں مفسرِ قرآن مولانا عبد الحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"بعض اہلِ مدینہ اور مدینہ طیبہ کے آس پاس کے گنوار جن کو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ وپند سننا بھی ممکن ہے اور اہل اسلام سے بیشتر میل جول رکھتے ہیں مردوا علی النفاق نفاق پر اَڑے ہوئے ہیں اور اس فن میں ایسے چالاک ہیں کہ باوجود فراستِ تامہ کے اے نبی! ان سے تم واقف بھی نہیں، ہاں ہم ان کو جانتے ہیں۔" (تفسیر حقانی ج 2 ص 199)

عربی تفاسیر والے حضرات نے بھی تقریبا یہی کچھ لکھا ہے:

♦ تفسیر روح المعانی میں ہے:

أی لا تعرفهم أنت بعنوان نفاقهم یعنی أنهم بلغوا من المهارة فی النفاق والتنوق فی مراعاة التقیة والتحامی عن مواقع التهم إلی حیث یخفی علیك مع كمال فطنتك وصدق فراستك حالهم.

♦ تفسیر بحر محیط میں ہے:

یخفون علیك مع فطنتك وشهامتك وصدق فراستك لفرط توقیهم ما یشكك فی أمرهم.

♦ تفسیرِ مظہری میں ہے:

لا تعرفهم یا محمد بصفة النفاق مع كمال فطنتك وصدقِ فراستك.

♦ تفسیر مدارک میں ہے:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

أي يخفون عليك مع فطنتك وصدق فراستك لفرط تنوقهم في تحامي ما يشككك في أمرهم.

♦ تفسیر نیشاپوری میں ہے:

لا تعلمهم انت نفاقهم مع وفور حدسك وقوت ذكائك.

♦ تفسیرِ خازن میں ہے:

يعني أنهم بلغوا في النفاق إلى حيث أنك لا تعلمهم يا محمد مع صفاء خاطرك واطلاعك على الأسرار.

♦ مزید اس آیت کی تفسیر میں امام اہلسنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مفتی صاحب کی یہ سب باتیں اس آیت کریمہ کا ہرگز جواب نہیں بن سکتیں۔

اولاً: اس لئے کہ سورۃ توبہ قرآن کریم کی آخری سورت ہے اور یہ "لَا تَعْلَمُهُمْ" اسی میں مذکور ہے اور تمام معتبر حضرات مفسرین کرام یہی فرماتے اور بتاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منافق لوگوں کا علم نہ تھا کیونکہ یہ اس نص قطعی سے ثابت ہے اور سورۃ محمد جس میں "وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ" الآیۃ ہے پہلے نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا متقدم سے متاخر کا منسوخ ہونا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اور جمل (جو الشیخ سلیمان الجمل رحمۃ اللہ علیہ نے سن 1196ھ میں چار جلدوں میں لکھی ہے) کا یہ مقام ہی نہیں کہ اسکی غیر معتبر تفسیر کو لے کر صحیح روایات اور معتبر حضرات مفسرین کرام کی مستند تفسیروں کو رد کیا جاسکے۔ اس لیے جمل کا حوالہ اور تفسیر سرے سے قابل التفات ہی نہیں ہے۔ مفتی صاحب ایک طرف تو یہ لکھتے ہیں کہ "رہی تفسیر قرآن تابعین اور تبع تابعین کے قول سے یہ اگر روایت سے ہے تو معتبر ورنہ غیر معتبر ماخذ از اعلاء کلمۃ اللہ للعلامہ گولڑوی قدس سرہ۔" (انتہی جاء الحق ص 9) اور دوسری طرف جمل کی تفسیر کو لے کر خیر سے قرآن کریم کی آیت کو منسوخ کرنے کے درپے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

وثانیاً: "لَا تَعْلَمُهُمْ" خبر ہے اور خبر میں نسخ کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وثالثاً: ان دونوں آیتوں کا محل ہی الگ الگ اور جدا جدا ہے۔ نہ تو ان میں تعارض کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ نسخ کا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا یہ ارشاد "لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ" اُس کے اس ارشاد "وَلَوْ نَشَاءُ" الخ کے منافی نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو آپ کو وہ منافق دکھادیں، سو آپ ان کو ان کے چہرے بُشرے کی نشانیوں سے پہچان سکتے ہیں اور آپ ان کو بات کے ڈھب سے پہچان سکتے ہیں کیونکہ یہ تو ان علامات سے پہچاننا مراد ہے جو ان کے چہرے پر رونما ہوں جس سے وہ پہچانے جاسکتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ تمام منافق اور مشکوک لوگوں کو علی التعیین جانتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر ج2 ص384)

اور یہی حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ "وَلَوْ نَشَاءُ" الخ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اے محمد! اگر ہم چاہیں تو منافقین کو باشخاصہم معین کر کے آپکو دکھلادیں اور نام بنام مطلع کردیں لیکن اللہ تعالی نے تمام منافقوں کے بارے میں از روئے تستر اور امور کو ظاہری سلامت روی پر رکھتے ہوئے اور بھیدوں کو ان کے جاننے والے کے حوالے کرتے ہوئے ایسا نہیں کیا اور آپ ان کو ان کے ظاہری کلام سے جو ان کے مقاصد پر دال ہے اور متکلم کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے، پہچان سکتے ہیں کہ وہ کس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ اس کی بات کے رنگ ڈھنگ سے اسکو پہچانا جاسکتا ہے اور لحن القول سے یہی مراد ہے۔ (ابن کثیر ج4 ص180)

اس سے معلوم ہوا کہ "لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ" میں حقیقی علم مراد ہے کہ اِن منافقوں کا حقیقی علم آپ کو نہیں وہ صرف ہمیں کو ہے اور "وَلَوْ نَشَاءُ" الخ میں چہرے بُشرے اور طرز گفتگو سے پہچاننا مراد ہے جو صرف ظاہری قرآئن اور شواہد کے تحت ہے اور یہ ظن کے درجے سے اوپر نہیں جاتا کیونکہ منافق اور مخلص کی بات کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے جو زور شوکت، پختگی اور خلوص کا رنگ مخلص کی باتوں میں جھلکتا ہے، منافق کتنی ہی کوشش اور تصنّع سے کام لے وہ اپنے کلام میں رنگ پیدا نہیں کر سکتا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اور علامہ السید محمود الوسی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں کہ یہ علامت کتابت ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے بغیر بھی ہو سکتی ہے جس کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقوں کو پہچان سکتے تھے جیسا کہ قیافہ دان کسی شخص کے ظاہری حالات اور علامات کو دیکھ کر اس کا حال معلوم کر لیتا ہے اور بسا اوقات انسان اپنے دوست اور دشمن کو اس کی نظر ہی سے پہچان لیتا ہے اور نظر ہی اس کے دل کی ترجمانی کر دیتی ہے اور ہم نے متعدد حضرات کو دیکھا ہے کہ وہ چہرے پر علامات دیکھ کر شیعہ اور سنی کو پہچان لیتے ہیں اور اگر یہ صحیح ہو (تو اس سے مزید تائید حاصل ہو جاتی ہے) کہ بعض حضرات اولیاء کرام نیک اور بد، مومن اور کافر کو پہچان لیتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ فلاں سے مجھے طاعت کی اور فلاں سے معصیت کی بو آتی ہے اور فلاں سے ایمان اور فلاں سے کفر کا رائحہ محسوس ہوتا ہے۔ (روح المعانی ج26ص70)

الغرض "لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ" کو "فَلَعَرَفْتَهُمْ" سے منسوخ قرار دینا سراسر باطل اور مردود ہے کیونکہ اس کا محل جدا جدا ہے۔ رہی وہ حدیث جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ منافقوں کو جمعہ کے دن خطبہ کے موقع پر مسجد سے باہر نکال دیا گیا تھا تو اس سے بھی استدلال صحیح نہیں۔ **اولاً** تو اس لئے کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تب بھی خبر واحد ہے اور بقول خان صاحب اس کو قرآن کریم کی قطعی آیت کے مقابلہ میں پیش کرنا محض ہرزہ بافی ہے۔ قرآن کریم کی نص قطعی کا جواب یہ کیسے بن سکتی ہے؟ خان صاحب کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"کہ عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار آحاد سے استناد محض ہرزہ بافی" (انباء المصطفی ص4)

نیز لکھتے ہیں کہ "نہ حدیث احاد اگرچہ کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو عموم قرآن کی تخصیص کر سکے بلکہ اس کے حضور مضمحل ہو جائے گی بلکہ تخصیص متراخی نسخ ہے اور اخبار کا نسخ ناممکن اور تخصیص عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی نہ اس کے اعتماد پر کسی ظنی سے تخصیص ہو سکے۔ (بلفظہ انباء المصطفیٰ: ص4)

اور مفتی صاحب کا حوالہ بھی پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ دوسروں سے قطعی الدلالۃ دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں اور یوں لکھتے ہیں کہ "وہ آیت قطعی الدلالت ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔" (بلفظہ جاء الحق ص40)

اور نیز مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ "قرآن پاک کے عام کلمات کو احادیث آحاد سے بھی خاص نہیں بتا سکتے چہ جائیکہ محض اپنی رائے سے۔" انتہی (جاء الحق ص40)

جب تک وہ اس حدیث کا تواتر ثابت نہ کریں ان کو اپنے اس استدلال میں پیش کرنے کا کیا حق ہے؟"

[ازالۃ الریب: ص310تا313]

حضرت الشیخ امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

"الغرض اصول حدیث اور فن روایت کے تحت منافقوں کی تعداد اور ان کے صحیح علم کے متعلق کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور اگر کوئی روایت صحیح ثابت ہو جائے تب بھی خبر واحد ہی رہے گی اور قرآن کریم کا وہ جواب ہرگز نہیں بن سکتی۔ علاوہ بریں روایتی حیثیت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے بھی اگر محض روایت ہی سے سوچا جائے تب بھی ان روایات سے فریق مخالف کا مدعیٰ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ بصورتِ صحت ایسی روایات ان سے صرف اتنا ہی ثابت ہو گا کہ چھتیس منافق تھے۔ اس سے یہ کیونکر ثابت ہو گا کہ ان کے علاوہ اور کوئی منافق نہ تھا؟ مسجد سے خطبہ جمعہ کے موقع پر چھتیس آدمیوں کو نکال دینے سے یہ کیسے لازم آیا کہ مدینہ طیبہ میں منافق ہی صرف یہ تھے باقی اور کوئی نہ تھا؟ اور یہ کیا ضروری ہے کہ سب منافق مسجد میں حاضر ہی ہوئے ہوں؟ یہ اور اسی قسم کے کئی احتمال اس میں پیدا ہوتے ہیں اور اگر صرف یہی منافق تھے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بے سند روایت کا فریق مخالف کیا جواب دے گا۔ ان کے نزدیک تو وہ بھی صحیح ہے جن میں تین سو مرد اور ایک سو ستر عورتیں شامل تھیں؟ دیکھیے فریق مخالف کیا لب کشائی کرتا ہے؟

کوئی یہ پیش کر نہ دے شاعرِ بے نوا کا قول وعدے کا اعتبار کیا جب اس میں اک "مگر" بھی ہے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

فائدہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تبوک کے سفر میں ایک گھاٹی کے اندر بارہ (اور ایک روایت میں چودہ اور ایک روایت میں پندرہ کا ذکر بھی آیا ہے) منافقوں نے اچانک حملہ کر دیا تھا کہ آپ کو شہید کر دیا جائے (العیاذ باللہ تعالی) مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا اور ان بارہ منافقوں کے نام آپ نے صرف حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتادیے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ صاحب سرّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشہور تھے۔ دیکھیے مسلم ج2ص369 البدایہ والنھایہ ج5ص19 وزاد المعاد ج2ص9 وابن کثیر ج2ص373 وخصائص الکبریٰ ج1ص279 وغیرہ اور یہی وہ سرّ اور راز ہے جس کا تذکرہ ملا علی قاری نے مرقات ج5ص618 میں کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ کو منافقوں کے نام اور ان کا نسب نامہ بتایا تھا۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کے تمام منافقوں کا علم حاصل تھا اور آپ نے ان کے نام حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتادیے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: أنه علیه السلام أعلم حُذَیفة بأعیان أربعة عشر أو خمسة عشر منافقًا، وهذا تخصیص لا یقتضی أنه اطلع علی أسمائهم وأعیانهم کلهم. (تفسیر ابن کثیر ج2ص384) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو چودہ یا پندرہ منافقوں کے نام (مع ان کی شخصیتوں کے) بتادیے تھے اور یہ صرف ان چودہ، پندرہ کے ساتھ خاص تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو سب کے نام اور ذوات بھی بتلادی تھیں۔"

[ازالۃ الریب: ص318 تا 320]

دلیل نمبر 2:

حدیث جبرئیل علیہ السلام جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اور سب غیر اللہ سے وقت قیامت کے علم کی نفی فرمائی ہے۔ ازالۃ الریب ص329 میں باحوالہ یہ حدیث موجود ہے اور ص341 میں اس کی باحوالہ تصریح ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی یہ آمد تمام احکام کے نزول کے بعد تھی۔ اس کے بعد وہ کون سی صحیح حدیث وارد ہوئی ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قیامت کا علم ثابت ہے؟ وہ صحیح صریح حدیث مطلوب ہے جو اس کے بعد کی ہو۔

دلیل نمبر 3:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل اپنی ذات سے قیامت کے علم کی نفی فرمائی ہے۔ یہ حدیث باحوالہ ازالۃ الریب ص348 میں مذکور ہے۔ اس کے بعد کون سی صحیح حدیث اثباتِ علمِ وقتِ قیامت کے بارے میں آئی ہے؟

دلیل نمبر 4:

جب آپ شفاعت کبریٰ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کریں گے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے تعریف اور حمد کے وہ کلمات القاء فرمائے گا جو مجھے اب مستحضر نہیں ہیں۔ یہ حدیث ازالۃ الریب ص392 میں باحوالہ موجود ہے۔ اس کے برعکس وہ کون سی صحیح و صریح حدیث موجود ہے جس سے ثابت ہے کہ وہ کلمات وفات سے پہلے ہی آپ کو بتلادیے گئے تھے؟

دلیل نمبر 5:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر تشریف فرما ہوں گے کہ فرشتے آپ کے نام لیوا بعض امتیوں کو آپ کے قریب نہیں آنے دیں گے۔ آپ فرمائیں گے کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا بدعتیں اختیار کی ہیں؟ یہ حدیث ازالۃ الریب ص392 اور ص397 میں مفصل مذکور ہے۔ اس کے بعد وہ کون سی صحیح حدیث آئی ہے جس سے ان اہل بدعت کی تفصیلی بدعات کا علم آپ کو ملا ہے؟

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

فریق مخالف کے استدلالات کا اجمالی جائزہ

ذیل میں ہم فریقِ مخالف کے مستدلات ذکر کرتے ہیں اور آخر میں ان کا اجمالی جائزہ پیش کریں گے۔

نمبر1: وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (سورت البقرۃ:31)

نوٹ: علامہ واحدی نیشاپوری نے لکھاہے کہ عکرمہ نے بیان کیا کہ مدینہ میں جو سورت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ بقرہ ہے۔

(تبیان القرآن از غلام رسول سعیدی: ج1ص231)

نمبر2: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ. (سورۃ آل عمران: 179)

نوٹ: سورت آل عمران نزول کے اعتبار سے سورت انفال کے بعد نازل ہوئی جبکہ سورت انفال غزوہ بدر سے واپسی پر 2ھ میں نازل ہوئی تھی۔

(تبیان القرآن: ج6ص29)

نمبر3: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (سورۃ النساء:113)

نوٹ: سورۃ نساء کا زمانہ نزول 3ھ کے اواخر سے لے کر 4ھ کے اواخر یا 5ھ کے اوائل تک ہے۔ (تبیان القرآن: ج2ص541)

نمبر4: وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ (سورۃ یوسف: 111)

نوٹ: امام ابن مردویہ نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورت یوسف مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ (الدر المنثور: ج4ص494)

نمبر5: تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ (سورۃ النحل: 89)

نوٹ: یہ سورۃ مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی۔ (تبیان القرآن: ج6ص347)

نمبر6: عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (سورۃ الرحمٰن:4)

نوٹ: ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 43 ہے اور یہ سورت فرقان کے بعد نازل ہوئی۔ (تبیان القرآن: ج11ص601)

نمبر7: إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ (سورۃ الجن:27)

نوٹ: یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی عشرہ میں نازل ہوئی۔ (تبیان القرآن: ج12ص267)

نمبر8: وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (سورۃ التکویر:24)

نوٹ: ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ساتواں ہے۔ (تبیان القرآن: ج12ص584)

فریقِ مخالف کے سارے استدلال ہم نے نقل کر دیے ہیں اور یہ بھی ذکر کر دیا ہے کہ کون سی آیت کس دور کی ہے؟! لہذا ان سے استدلال درست نہیں کیونکہ فاضل بریلوی کا نظریہ یہ ہے کہ تکمیل قرآن پر "جمیع ما کان وما یکون" ملا۔ لہذا پہلے والی آیات سے یہ ثابت کرنا درست نہیں ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (تفصیلی کلام)

صفت عالم الغیب خاصۂ خداوندی

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

چند شرائط:

1: چونکہ بریلوی حضرات اس مسئلہ کے منکر کو کافر کہتے ہیں اس لیے انہیں اس مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے دلیل قطعی یعنی جو قطعی الثبوت کے ساتھ ساتھ قطعی الدلالۃ ہو وہ پیش کرنا ہوں گی کیونکہ ایسا مسئلہ انہی دلائل سے ثابت ہوتا ہے۔

2: ان دلائل سے بریلوی مناظر یہ بھی ثابت کرے گا کہ علم غیب، عالم الغیب کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف کی گئی ہے۔

3: ہم اہل السنت والجماعت دیوبند یہ دکھائیں گے قرآن نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا ہے "ولا اعلم الغیب"۔ اور یہ بھی کہلوایا ہے "لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ" کہ میں علم غیب نہیں رکھتا اور زمینوں آسمانوں میں علم غیب خدا کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ جب کہ بریلوی دکھائے گا "ان محمداً یعلم الغیب" یا آپ سے کہلوایا گیا ہو "اعلم الغیب"۔

4: سنی مناظر یہ ثابت کرے گا کہ ہر ذرہ کا تفصیلی علم اور علم محیط ہر وقت خدا ہی کو ہے اور اس کے علم سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے "لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ" (الآیہ) جب کہ بریلوی مناظر ثابت کرے گا اپنا عقیدہ کہ ہر ذرہ ہر حادثہ، واقعہ اور ہر وقت کا علم محیط اور تفصیلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور زمین و آسمان کا کوئی ذرہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔ دلیل دے گا "لا یعزب عن محمد مثقال ذرۃ فی السموات ولا فی الارض.

5: بریلوی مناظر علم غیب کے منکر کو کافر لکھ کر دے گا بلکہ وہ اس کو بھی کافر لکھ کر دے گا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ فلاں بات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہیں جیسا کہ بریلویوں کی معتبر کتاب (تحفظ عقائد اہلسنت ص850،849) میں درج ہے۔

6: بریلوی مناظر وہ دلائل پڑھے گا جو ان کے مسلک کے مطابق ہوں مثلاً فاضل بریلوی نے " الدولۃ المکیۃ" میں صاف طور پر لکھا ہے کہ ہم علم غیب مکمل ہونا نزول قرآن کے مکمل ہونے پر تسلیم کرتے ہیں۔ (الدولۃ المکیہ ص105)

تو اب نزول قرآن کے مکمل ہونے والی دلیل قطعی یا اس کے بعد والی کوئی خبر متواتر پیش کرے یا ایسا اجماع جو قطعیت کا فائدہ دے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع کان ومایکون کا علم تھا۔ ورنہ ان کے اپنے عقیدے اور نظریے کے خلاف دلائل مسموع نہ ہوں گے مثلاً اگر 6ھ والی کوئی آیت پڑھ کر ثابت کرنا چاہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع کان ومایکون کا علم تھا تو یہ ان کے اپنے مسلک کے بھی خلاف ہے کیونکہ بقول فاضل بریلوی نزول قرآن کے مکمل ہونے پر جمیع کان ومایکون کا علم مکمل ہوا۔ لہٰذا ایسی کوئی دلیل قابل سماع نہ ہو گی۔

7: بریلوی مناظر اگر احناف کے مسلمہ اکابر کی کتب عقائد سے مسئلہ حل کرنا چاہے تو ہم اس پر بھی تیار ہیں کہ کسی مسلمہ بزرگ کی عقائد پر لکھی کتاب سے مسئلہ ثابت کر دے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے جمیع کان ومایکون کا علم عطا فرمایا ہے۔

علم غیب کا منکر اکابر بریلوی کی نظر میں کافر ہے

اب آپ وہ حوالہ جات دیکھیے جن میں علم غیب کے منکر کو بریلوی اکابر نے کافر تک کہا ہے۔

1: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب سے منکر کو کافر فرمایا ہے۔ (فہارس فتاویٰ رضویہ ص874)

2: علم غیب کا منکر نبوت کا منکر ہے۔ (مقالات شیر اہلسنت ص237)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

3: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے منکر پکے منافق ہیں۔(کلمہ حق شمارہ نمبر4ص7از ارشد القادری)

4: آپ کے علم غیب کلی کی صحیح حدیثیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں تو ان سے انکار کرنا اور تاویلات فاسدہ کر کے لوگوں کو گمراہ کرنا یہ ایمان سے خارج ہونا ہے۔(مقیاس حنفیت ص379)

5: جو آپ کی ذات سے علم غیب کی نفی کرتے ہیں وہ درحقیقت آپ کے محمد ہونے کے قائل نہیں۔(مقیاس حنفیت ص312)

6: اگر کسی بھی نبی علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ قائم کر لیا جائے کہ اس کو فلاں چیز کا علم نہیں تو ایسا فاسد و باطل عقیدہ اس امر کو مستلزم ہو گا کہ اس نبی کا عقیدہ توحید ناقص ہے چہ جائیکہ افضل الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے متعلق یہ کفریہ عقیدہ ہو کہ عالم ماکان ومایکون کو فلاں چیز کا علم نہیں۔(تحفظ عقائد اہلسنت ص849،850)

7: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب شریف کا انکار قرآن پاک کے خلاف اور کفر ہے۔(مسئلہ علم غیب ص18)

8: جو شخص علم غیب عطائی کا بالکل منکر ہے وہ قرآن پاک کی ان آیات کا انکار کرتا ہے اور قرآن کے ایک لفظ کا انکار بھی کفر ہے لہٰذا وہ شخص کافر ہے۔(وقار الفتاویٰ ج1ص102)

بریلوی دعویٰ جات

[۱]: مولوی فیض احمد اویسی صاحب لکھتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے علم غیب کلی کا دعویٰ یوں تحریر فرمایا ہے: بے شک حضرت عزت عزت نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا، شرق تا غرب، عرش تا فرش سب انہیں دکھایا، ملکوت السموات والارض کا شاہد بنایا۔ روز اول سے روز آخر تک سب ماکان ومایکون انہیں بتایا۔ اشیائے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ تھا۔ علم عظیم حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام ان سب کو محیط ہوا نہ صرف نہ اجمالا بلکہ صغیر وکبیر، رر طب ویابس جو پتہ گرتا ہے زمین کے اندھیروں میں جو دانہ کہیں پڑا سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا۔ للہ الحمد کثیراً بلکہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہرگز ہرگز محمد رسول اللہ کا پورا علم نہیں صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ علم حضور سے ایک چھوٹا حصہ ہے۔ ہنوز احاطہ علم محمدی میں وہ ہزار در ہزار بے حد و کنار سمندر لہرا رہے ہیں جن کی حقیقت کو وہ خود جانیں یا ان کا عطا کرنے والا ان کا مالک و مولیٰ جل وعلا۔" (امام احمد رضا اور فن تفسیر ص16)

معلوم ہوا کہ علم غیب کلی کا مطلب یہ ہے اب جو بھی علم غیب کلی کا دعویٰ کرے تو پھر اسے چاہیے یہ سب کچھ دلائل قطعیہ سے ثابت کرے۔

[۲]: مولوی عبد الرشید سمندری والے جو کہ بریلوی محدث اعظم کے شاگرد ہیں وہ لکھتے ہیں:

آپ کو اللہ نے کلی علم غیب عطا فرمایا ہے۔(رشد الایمان ص99)

[۳]: فیض احمد اویسی صاحب لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے کلی علم غیب عطا فرمایا۔(علم المناظرہ:ص6)

اب معلوم ہو گیا دعویٰ جو بھی مقصود ہو ان لوگوں کا یہ ہے "جمیع ماکان ومایکون" اسی کو یہ لوگ علم غیب کلی کہتے ہیں اور اگر تفصیلی طور پر اسے دیکھیں تو وہ فاضل بریلوی کی لکھی ہوئی تحریر بن جاتی ہے جو شروع میں گزر چکی ہے کہ شرق تا غرب، عرش تا فرش، سب انہیں دکھایا ملکوت السموات والارض کا شاہد بنایا اشیائے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور علیہ السلام کے علم سے باہر نہ تھا۔ اجمالی نہیں بلکہ تفصیلی علم آپ کو حاصل ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تنقیحاتِ دعویٰ

تنقیح نمبر1:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف علم غیب کی نسبت کرنا غلط ہے۔ کیونکہ:

☼ فاضل بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

علم جب کہ مطلق ہو خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت ص317 مشتاق بک کارنر)

معلوم ہوا کہ علم غیب کا لفظ اس ذات کے لیے بولیں گے جس کا علم ذاتی ہو اور وہ تو صرف اللہ کریم کا ہے۔

☼ بریلوی مسلک کے "علامہ" غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

علم غیب جب مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد ذاتی ہوتا ہے۔(حاشیہ شرح مسلم ج5 ص110)

☼ جو علم عطائی ہو وہ غیب ہی نہیں کہا جاتا، غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں۔(جاء الحق ص97 قدیم)

تنقیح نمبر2:

یہ قرآن پاک کے بھی خلاف ہے کیونکہ مولوی غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے علم غیب کا اطلاق کرنا اس لیے جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ علم کا تعلق ابتداءً ہے تو یہ قرآن مجید کے خلاف ہو جائے گا۔(نعمۃ الباری شرح بخاری ج1 ص273)

ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

مطلقاً یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم ہے دو وجہ سے درست نہیں، اول اس لیے کہ یہ قول ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے غیر سے مطلقاً علم غیب کی نفی کی ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ مطلقاً علم کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد علم بالذات ہوتا ہے۔(شرح مسلم ج5 ص108)

تنقیح نمبر3:

علم غیب کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا اور تکلیف دینا ہے۔ کیونکہ جب بچیوں نے شعر پڑھا تھا "وفینا نبی یعلم ما غد" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا۔ اس روکنے کی وجہ کیا تھی وہ بریلوی مسلک کے معتبر مفتی احمد یار نعیمی گجراتی لکھتے ہیں کہ شارحین نے کہا ہے کہ حضور علیہ السلام کا اس کو منع فرمانا اس لیے ہے کہ اس میں علم غیب کی نسبت حضور کی طرف ہے لہذا آپ کو ناپسند آئی۔(جاء الحق ص122)

مشکوۃ ج2 کتاب النکاح میں باب النکاح کی یہ حدیث ہے جس کی شرح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی یہ وجہ لکھی ہے۔

تو معلوم ہوا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کی نسبت اپنی طرف کرنا ناپسند ہے اور نہ کرنا پسند ہے۔

اب دیکھیے قاضی ثناء اللہ پانی پتی "ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ" (سورۃ احزاب:57) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وہ لوگ جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کا ارتکاب کرتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیتے ہیں ان کے لیے دنیا آخرت میں لعنت ہے۔(تفسیر مظہری ج7 ص380)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اور آپ کے مفتی حنیف قریشی صاحب لکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینے والا کافر ہے۔(غازی ممتاز حسین قادری ص201)

اور حنیف قریشی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کو ناپسند کرنے والا کافر ہے۔(غازی ممتاز حسین قادری ص291)

اب آپ خود ہی دیکھ لیں کہ آپ کا کیا بنے گا؟!!

تنقیح نمبر4:

آپ نے علم غیب کلی سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ علم کلی تو خدا کا خاصہ ہے اور کسی صفت خاصہ کو کسی دوسرے کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔(فتاویٰ مظہریہ ص537)

اس فتویٰ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت خاصہ کو کسی دوسرے کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔ اور کئی بریلوی اکابر نے علم کلی کو خدا کا خاصہ ٹھہرایا ہے۔ مثلاً:

- مفتی احمد یار نعیمی گجراتی لکھتا ہے کلی اختیارات اور مکمل علم غیب پر خدائی دارومدار ہے۔(مواعظ نعیمیہ حصہ دوم ص265)
- جو علم اللہ نے اپنی ذات کے لیے خاص کیا ہے وہ ہر ایک کے احوال کا تفصیلی علم ہے۔(اسلامی عقائد ص120 از اشرف قادری)
- علم غیب کلی کی چابیاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں۔(عقائد و نظریات از اشرف قادری ص87)
- رسل کرام سب غیوب پر مطلع نہیں ہوتے تا کہ خصوصیت الٰہی برقرار رہے۔(فتاویٰ مہریہ ص8)
- جہاں تک مطلقاً ذاتی علم اور کلی علم غیب کا سوال ہے وہ ہمارے نزدیک بھی غیر خدا کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔

(زیر وزبر از ارشد القادری: ص49)

- مولوی پیر محمد چشتی صاحب لکھتے ہیں:

ان الغیب المختص بہ معنی المختص بہ علمہ سبحانہ وتعالیٰ ھو کل غیب۔(اصول تکفیر ص310)

یعنی کل غیب خاصہ خدا ہے۔

اب دیکھیے! آپ کے دعویٰ پر آپ کے گھر سے ہی شرک کا فتویٰ لگ گیا!!

- مفتی خان محمد قادری لکھتا ہے: ان پانچ چیزوں کا علم بھی اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔(معارف رضا ص74 شمارہ مئی جون 2009ء)
- مفتی احمد یار خان نے "قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ" کے جواب میں لکھا ہے:

اس آیت کے بھی مفسرین نے دو مطلب بیان کیے ہیں۔

ا: غیب ذاتی کوئی نہیں جانتا

۲: کلی غیب کوئی نہیں جانتا۔(جاء الحق ص96)

ان ساری باتوں سے معلوم ہوا کہ علم غیب کلی تو بقول تمہارے اکابرین کے خاصہ خدا ہے اب آپ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مانا تو اپنے اکابر کے فتاویٰ کی رو سے کیا ٹھہرے؟ فیصلہ خود فرما لیجیے!

تنقیح نمبر5:

فاضل بریلوی نے فلاسفہ کا عقیدہ عقول عشرہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کوئی ذرہ ذرات عالم سے ان پر مخفی رہنا ممکن نہیں۔ پھر آگے اس پر یوں رد فرمایا کہ:

یہ خاص صفت عالم الغیب والشہادہ کی ہے۔ جل وعلا۔ قال تعالیٰ لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نہیں چھپتی تیرے رب سے ذرہ برابر زمین اور نہ آسمان۔

اس کا غیر خدا کے لیے ثابت کرنا قطعاً کفر (ہے)۔(فتاویٰ رضویہ: ج27 ص144)

اب آپ دیکھیں کہ فاضل بریلوی نے یہی بات رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مانی ہے اور ادھر اسی کو کفر بھی کہہ رہے ہیں تو فاضل بریلوی اپنے پھندے میں خود ہی پھنس گئے ہیں۔

تنقیح نمبر6:

بریلویوں کو یہ ماننا پڑے گا کہ ہم نے یہ عقیدہ شیعوں سے چوری کیا ہے وہ اس طرح کہ:

(1) غلام نصیر الدین لکھتا ہے: علم غیب حاضر وناظر مختار کل استمداد وغیرہ یہ تمام عقائد شیعہ کے اندر موجود ہیں۔

(عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ ج1 ص41)

(2) مولانا کرم الدین دبیر صاحب شیعوں کا عقیدہ نقل کرتے ہیں:

"اصول کافی میں ص159 میں باب ہی یوں باندھا ہے" باب ان الائمۃ علیهم السلام یعلمون علم ما کان ومایکون وانه لا یخفی علیهم شیئ"۔

آگے لکھتے ہیں:

"کتاب مذکور کے ص160 میں ہے" سمعوا ابا عبدالله علیهم السلام یقول انی لا علم مافی السموات وما فی الارض واعلم ما فی النار واعلم ما کان ومایکون"۔(آفتاب ہدایت ص170)

(3) شیخ المشائخ محبوب سبحانی ظل رحمانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ شیعوں کے عقائد لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

ومن ذلك قولهم ان الامام یعلم کل شیء ما کان ومایکون من الدنیا والدین حتی عدد الحصی وقطر الامطار وورق الاشجار۔(غنیۃ الطالبین ج1 ص180 قدیمی کتب خانہ)

(4) نہج البلاغہ لاہور سے چھپی ہے ترجمہ وتشریح کے ساتھ، اس کے شروع میں ایک مضمون ہے؛ "حضرت امیر المؤمنین اور علم غیب" اس میں ہے:

"آپ نے خود عالم الغیب ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔"

آگے لکھتے ہیں:

"ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام کو علم غیب حاصل تھا۔"

آگے لکھا ہے:

جہاں علم غیب کی نفی وارد ہوئی ہے اس سے مراد صرف یہ ہے کہ یہ حضرات بالذات عالم الغیب نہیں بلکہ من جانب اللہ ان کو علم غیب عطا ہوا ہے۔(نہج البلاغہ ص52)

معلوم ہو گیا بریلوی حضرات نے مسئلہ شیعہ حضرات سے لیا ہے۔

تنقیح نمبر7:

بریلوی حضرات اپنے اس دعوے کی وجہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب سمجھتے ہیں، مثلاً:

☼ مولوی فیض احمد اویسی صاحب لکھتے ہیں: مضمون طویل ہو جانے کا خیال نہ ہوتا تو اس کے برعکس یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہ سمجھنے والوں پر نحوست کے نمونے پیش کرتا۔(علم غیب کا ثبوت ص17)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

☼ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم الغیب ہونا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔(ازالۃ الضلالۃ ص4)

☼ حضور عالم الغیب۔(سعید اسد کی تقریریں ص235)

☼ محدثین ومتقدمین علمائے کرام کے نزدیک حضور علیہ السلام عالم غیب تھے۔(تصحیح العقائد ص28)

☼ مولوی نظام الدین ملتانی لکھتا ہے:

اب مولوی صاحب اور اس کے معاونین بتائیں کہ یہ تمام حدیثیں ہیں یا نہیں اور ان سے آپ کی ذات وصفات کا اول سے عالم الغیب ہونا ثابت ہوا یا نہیں؟(کشف المغیبات مصدقہ پیر جماعت علی شاہ ص23)

☼ مولوی عبد الحق عتیق لکھتا ہے:

قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ مقیم رہ کر ہ تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھ سکتا ہے۔یعنی کہ وہ عالم الغیب ہوتا ہے۔

(شہود الشاہد ص94،مصدقہ سید محمود احمد رضوی، مفتی محمد اعجاز، مفتی محمد فرید ہزاروی فیض الحسن سجادہ نشین آلو مہار وغیرہ ھم)

☼ سوال: جو شخص باوجود نقشبندی اور حنفی ہونے کے قیام میلاد کو ضروری جانے اور تارک قیام پر ملامت کرے اس کی پیچھے نماز ناجائز سمجھے اور ہر مجلس میلاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر جانے اور آپ کے عالم الغیب ہونے کا اعتقاد رکھے ایسے شخص کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب:...... ایسا عقیدہ رکھنے والا پکا مسلمان اور پکا باایمان واتفاق سنی، حنفی، محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

(انوار آفتاب صداقت ص500 مصدقہ مولوی احمد رضا)

☼ مولوی ابو کلیم محمد صدیق فانی صاحب لکھتے ہیں:

عالم الغیب کا اطلاق اس پر ہوگا جس کو رب العزت جل جلالہ کی طرف سے انتہائی علوم غیبیہ سے نوازا گیا ہو اور اس پر قرآن وحدیث کے شواہد موجود ہوں اور یہ فقط انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہے۔(افتخار اہلسنت ص45،46)

مسلمانو! گمراہوں کے امتحان کے لیے ان کے سامنے یوہیں کہ دیکھو کہ اللہ پھر رسول عالم الغیب ہیں الخ۔(الامن والعلی: ص183)

اب ہمارا سوال یہ ہے بریلوی اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہیں اس اپنے عقیدہ علم غیب کی وجہ سے اگر نہیں کہتے تو پھر سن لو کہ تم نے خود ہی لکھا ہے کہ جو احمد رضا کا ہم عقیدہ نہ ہو وہ کافر ہے۔(انوار شریعت ج1 ص140)

لہذا تم کیا ہوئے؟

اور اگر کہتے ہو تو پھر بھی ان فتاویٰ جات کی زد میں ہو:

(1) یہی فلسفہ عالم الغیب کے لفظوں میں ہے اس میں ذاتی، ازلی، ابدی، مطلق، محیط، تفصیلی کا بیان ہے جو کسی کے لیے ماننا اسے الہ ماننا ہے۔

(علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص20 از عبد المجید خان سعیدی)

(2) بریلوی مناظر اعظم مولوی اللہ دتہ لکھتا ہے:

عالم الغیب اس ذات کو کہا جاسکتا ہے جو عالم الغیب بالذات ہو۔ یہ شان اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا فقہاء نے کفر قرار دیا ہے۔(تنویر الخواطر ص34)

(3) بریلوی پیر محمد چشتی لکھتے ہیں:

علام الغیوب، عالم الغیب والشہادۃ۔ جیسے مختص باللہ لفظ کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا ممنوع فی الاسلام وناروا ہے۔

(اصول تکفیر ص284)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اور دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں:

اذا اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصه بالخالق جل وعلا نحوالقدوس والقیوم والرحمٰن وغیرھا یکفر۔

(اصول تکفیر ص223)

اب اہل بدعت پر یہ شعر صادق آتا ہے؛

جائیں کدھر کہ آگے کنواں پیچھے کھائی ہے خندق میں سب کی جان حَزِینْ پر بن آئی ہے

غیب کی تعریف

غیب کا معنٰی کیا ہے؟

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

ماغاب عن العباد ویقال مایکون۔ (ابن کثیر ج1 ص41)

یعنی جو بندوں سے غیب ہو، اور اسے ان کاموں پر بھی بولا جاتا ہے جو ہونے والے ہوں۔

اس قسم کا مفہوم کئی حضرات نے لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ " الَّذِینَ یُؤْمِنُونَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیمُونَ " کا مفہوم یہی ہے کہ آدمی غیب پر ایمان لائے اور چونکہ انبیاء کرام بھی ایمان رکھتے ہیں اس لیے ان کے لیے بھی غیب کا کچھ کچھ درجہ ہونا چاہیے ورنہ تو ایمان بالغیب ہی نہ رہے گا۔ "آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ" سے معلوم ہوا کے انبیاء علیہم السلام بھی ایمان رکھتے ہیں "أَوَلَمْ تُؤْمِن" سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کے لیے بھی غیب پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ہاں انبیاء کرام کو کئی چیزیں دکھائی جاتی ہیں مگر اس کے باوجود بھی کئی چیزوں پر ایمان بالغیب ہی برقرار رہتا ہے۔

تفسیر ماجدی میں ہے:

پیغمبر چونکہ تمام دوسرے انسانوں سے دانا وعالم تر ہوتے ہیں اور ان کا دائرہ ادراک و معرفت ساری مخلوق سے وسیع تر ہوتا ہے اس لیے قدرت سے انہیں بے شمار ایسی مخفیات کا علم ہوتا ہے جو غیر انبیاء کے لیے تمام تر مجہول ہوتی ہیں لیکن اس ساری وسعت کے باوجود کہیں نہ کہیں کسی منزل پر پہنچ کر ان کے علم کی بھی انتہاء ہوجاتی ہے اور دائرہ غیب ان کا بھی شروع ہوجاتا ہے۔

غیب پر ایمان لانا تو آیت (یُؤْمِنُونَ بِالْغَیْبِ) میں متقین کی سب سے پہلی شرط بیان کی گئی ہے۔اب اگر خدانخواستہ کسی کا غیب ہے ہی نہیں تو وہ ایمان کس چیز پر لائے گا۔انبیاء کرام تو متقی ہی نہیں متقیوں کے سردار اور پیشوا ہوئے ہیں ان کا ایمان بھی اگر مغیبات ومخفیات پر نہ ہوگا تو کس کا ہوگا۔ہاں البتہ ان کا غیب انہیں کے ظرف اور مرتبہ وبساط کے موافق ہوتا ہے۔ماوشما کا سا غیب ان کا نہیں ہے۔

لہذا اب اگر کہا جائے کہ نبی سے غیب کچھ بھی نہیں تو ان کو بندوں، متقیوں کی صفوں سے نکالنا ہوگا اور ان کی بہت بڑی توہین ہے۔

مشہور مفسر قاضی بیضاوی غیب کی تعریف کی ہے:

والمراد به الخفی الذی لا یدرکه الحس ولا تقتضیه بدیهة العقل.

(تفسیر بیضاوی بقرہ آیت نمبر 3)

ترجمہ: غیب سے مراد وہ پوشیدہ باتیں ہیں جس سے حواس انسانی نہ پا سکیں اور نہ بداہت عقل اسے ثابت کرے۔

یہی تعریف بریلوی کتب جاء الحق، علم الرسول وغیرہ میں بھی کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علم کو علمِ غیب کہیں گے جو حواسِ ظاہرہ اور باطنہ سے نہ آسکے۔تو سرکارِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تو حواسِ ظاہرہ وباطنہ سے ہوا ہے اسے علمِ غیب نہیں کہا جاسکتا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

آپ دیکھیں انبیاء علیہم السلام کی طرف جو علم القاء کیا گیا ہے اسے قرآن یوں کہتا ہے:

☼ ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ. (یوسف:102)

☼ ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ. (آل عمران:24)

☼ تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ. (ھود:49)

☼ ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْقُرَىٰ نَقُصُّهُ عَلَيْكَ. (ھود:100)

☼ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ. (یوسف:3)

☼ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ. (آل عمران:179)

وغیرہا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو علم دیا گیا ہے وہ علم وحی ہے یا اخبار غیب، اطلاع غیب اور انباء غیب۔ اس کو پورے قرآن میں علم غیب کہیں بھی نہیں کہا گیا اور قرآن مقدس نے جگہ جگہ خدا تعالیٰ کے لیے عالم الغیب کا لفظ استعمال کیا ہے:

1: عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (الحشر:22)

2: عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. (فاطر:38)

3: قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ. (النمل:65)

4: إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. (الحجرات:18)

وغیرہا آیات دلالت کر رہی ہیں کہ علم غیب اور عالم الغیب کے الفاظ اللہ ہی کے لیے ادا کیے جا سکتے ہیں۔ یہی بات کئی محققین کے قلم سے زیب قرطاس ہوتی ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الوجدان الصریح یحکم بان العبد عبد وان ترقی وان الرب رب وان تنزل وان العبد قط لا یتصف بالوجوب اوبا الصفات الازمۃ للوجوب ولا یعلم الغیب ینطبع شیئ فی لوح صدرہ ولیس ذالك علماء بالغیب انما ذلك یکون من ذاتہ (یعنی علم غیب از خود ہوتا ہے نہ کہ کسی کا عطا کردہ) فالانبیاء والاولیاء یعلمون لا محالۃ بعض مایغیب عن العامۃ. (تفہیمات الہیہ ج1 ص245)

اور علامہ شامی فرماتے ہیں:

فعلم اللہ المذکور ھو الذی یمدح بہ و اخبر فی الآیتین المذکورتین بانہ لا یشارکہ فیہ احد فلا یعلم الغیب الا ھو و ما سواہ ان علم جزئیات منہ فھو باعلامہ و اطلاعہ لھم و حینئذ لا یطلق انھم یعلمون الغیب اذ لا صفۃ لھم یقتدرون بھا علی الاستقلال بعلمہ (یعنی یہ ان کی کوئی ایسی صفت نہیں ہے کہ جس سے وہ مستقل طور پر کسی چیز کو جان سکیں) ایضاً ھم ما علموا و انما علّموا. (رسائل ابن عابدین ج2 ص313)

علامہ عبد العزیز پرہاروی لکھتے ہیں:

و اما علم بحاستہ او ضرورۃ (بداہۃ عقل) او دلیل فلیس بغیب و لا کفر فی دعواہ و لا فی تصدیقہ علی الجزم فی الیقینی و الظن عند المحققین و بھذا التحقیق اندفع الاشکال فی الامور التی یزعم انھا الغیب و لیست منہ لکونھا مدرك بالسمع او البصر او الدلیل فاحدھما اخبار الانبیاء لانھا مستفادۃ من الوحی و من خلق العلم الضروری فیھم او من انکشاف الکوائن علی حواسھم. (نبراس علی شرح القائد ص343)

اب معلوم ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی باتوں کو اور خبروں کو علم غیب نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ یہ علم خدا کی طرف سے ملتا ہے اور اگر ذاتی، از خود ہو تو اسے علم غیب کہتے ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اس پر ہم تھوڑی سی روشنی ضرور ڈالیں گے کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے کچھ پردہ غیب ہے یا نہیں؟

1: شیطان نے قسمیں کھا کر کہا؛

وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ، فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ۔ (سورہ اعراف آیت 21)

کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور ان کو تیار کر لیا، دھوکا دے کر۔

کل اسماء کا علم تو آپ علیہ السلام کو دیا جاچکا تھا مگر اس کے باوجود بھی اس کی باتوں پر اعتبار کر لیا اور بھول گئے۔ معلوم ہوا کہ کل غیب سے واقف خدا ہی ہے۔

2: سیدنا نوح علیہ السلام سے فرمایا:

فَلا تَسْأَلْنِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ۔

(سورہ ہود آیت 46،47)

3: سیدنا ابراہم علیہ السلام کے پاس جب فرشتے آئے تو قرآن کہتا ہے:

نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً۔ (سورہ ہود آیت 70)

4: سیدنا یعقوب علیہ السلام کا مدت مدید تک رونا اور آنکھیں سفید ہونا یہ بھی دلیل ہے کہ ان سے بھی کچھ نہ کچھ تو غیب رہا ہے۔

5: موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ جس میں سیدنا خضر علیہ السلام نے فرمایا:

يَا مُوسَى إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَّمَكَهُ اللَّهُ لَا أَعْلَمُهُ۔

(صحیح البخاری: ج2ص688، صحیح مسلم ج2ص269)

6: موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور سے واپس تشریف لانا اور سیدنا ہارون علیہ السلام کی داڑھی مبارک پکڑنا۔

7: وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ (21) إِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ۔ (ص:21)

8: "مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ" (سورۃ النمل آیت 20)

9: سیدنا زکریا علیہ السلام نے فرمایا: أَنَّى لَكِ هَذَا۔ (آل عمران: 37)

10: يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ۔ (المائدہ: 109)

معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کا بھی غیب پر ایمان ہے، کئی مخفی اور پوشیدہ باتوں کا علم اللہ کریم کو تھا اور انہیں نہیں تھا تو یہی بات تو دلیل ہے کہ ان کے علوم مبارکہ کو علم غیب نہ کہا جائے بلکہ اخبار غیب، انباء غیب، اطلاع غیب کہنا چاہیے۔

اب ہم چند سطور اس پر بھی لکھنا چاہتے ہیں کہ فاضل بریلوی اور ان کے ماننے والے بات بات پر یہی فرق کرتے ہیں قرآن پاک میں جو نفی کی گئی ہے تو وہ ذاتی کی ہے اور ہم قائل عطائی کے ہیں لہذا اعتراض ہم پر نہیں ہو سکتا تو یاد رکھیں کہ امام اہلسنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا وجود مبارک ذاتی تھا؟ اگر ذاتی نہ تھا بلکہ عطائی تھا

(۱) تو آپ نے علم غیب کی طرح اپنے وجود کا کیوں انکار نہ فرمایا؟ یہ کیوں ارشاد فرمایا کہ "لست بموجود" یعنی میں موجود نہیں ہوں۔

(۲) اور کیا آنحضرت علیہ السلام کی نبوت اور رسالت ذاتی تھی یا خدا کی طرف سے عطا ہوئی تھی؟ اگر ذاتی نہ تھی اور یقیناً نہ تھی تو آپ نے اپنی نبوت اور رسالت کا انکار کیوں نہ کر دیا؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) کیونکہ بقول مولوی محمد عمر صاحب شے کا مدعی وہی ہو سکتا ہے جس کی ملکیت ذاتی ہو۔

(۳) اور کیا قرآن کریم آپ کو ذاتی طور پر حاصل ہوا تھا یا خدا تعالیٰ کا عطیہ تھا؟ اگر ذاتی طور پر حاصل نہ ہوا تھا اور حقیقت بھی یہی ہے تو آپ نے علم

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

قرآن کی نفی کیوں نہ کی؟ اور کیوں نہ فرمایا کہ میرے قرآنِ کریم نہیں؟ معاذ اللہ تعالیٰ

(۴) اور کیا آپ کو احادیث اور احکام شریعت کا علم ذاتی طور پر حاصل ہوا تھا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو آپ نے اس کی نفی کیوں نہ کی۔ وجہ فرق بالکل بین ہونی چاہیے۔

(۵) کیا جب موصوف خود عطائی ہو تو اس کی کسی صفت کے ذاتی ہونے کا احتمال ناشی عن دلیل ہو سکتا ہے جب اس کا احتمال ہی نہیں تو ذاتی اور عطائی کا فرق بے کار ہوا۔ کیونکہ علم ذاتی باجماع مسلمین اور باتفاق فریقین ایک ذرہ کا بھی کسی کو نہیں ہو سکتا تو پھر اس کا درمیان میں لانا کیونکر صحیح ہوا؟

(۶) اور اگر ایک شخص یہ کہے میں اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر الٰہ اور خالق کائنات تسلیم کرتا ہوں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطائی طور پر الٰہ اور خالق کائنات مانتا ہوں تو کیا وہ مسلمان رہے گا؟ اور اگر رہے گا تو کس دلیل سے؟ اور اگر وہ مسلمان نہیں تو فرمایئے کہ اس بے چارے نے خدا تعالیٰ کا ذاتی خاصہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو تسلیم نہیں کیا پھر وہ کافر کیسے ہوا؟

(۷) اگر ایک شخص کہتا ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مستقل اور تشریعی نبی مانتا ہوں مگر مرزا غلام احمد قادیانی کو (جو در حقیقت ثلاثون کذابون دجالوں کی مد میں ہے) بالتبع اور غیر تشریعی نبی مانتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ اس کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا فیض اور ظل ہے کیا ایسا شخص مسلمان رہے گا یا نہیں؟ اس کا جواب فریق مخالف کو سوچ کر بتانا ہو گا کہ حق کا ساتھ دینا ہے یا صدائے باطل ہی بلند کرنی ہے۔

اس چمن میں پیرو بلبل ہو یا تلمیذ گل
یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر

باقی جن بعض اکابر کی عبارات میں ذاتی اور عطائی وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں تو ان کا مقصد ہر گز ہر گز یہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر بالاستقلال کل غیوب کو نہیں جانتے مگر عطائی اور غیر مستقل طور پر جانتے تھے بہر حال انہوں نے تطبیق کی یہ صورت پیدا کی کہ نفی جو تمام کلیات اور محیط تفصیلی کے ساتھ متعلق ہے، ذاتی علم کی ہے اور اثبات جو صرف اخبار غیب اور جزئیات سے متعلق ہے وہ عطائی علم کے ساتھ وابستہ ہے، حالانکہ اس مقام پر ذاتی اور عطائی سے صرف نظر کرتے ہوئے بھی صرف کلی اور جزئی علم یا علم غیب اور انباء غیب یا محیط تفصیلی اور بعض خبروں کے علم کا فرق ملحوظ رکھ کر بھی تطبیق دی جا سکتی ہے اور محققین علماء نے اس طرح تطبیق دی ہے۔ اور آگے آیات علم شعر گوئی اور تمام انبیاء کرام کے تفصیلی احوال کی بھی تو نفی موجود ہے جس میں ذاتی اور عطائی کا تو جھگڑا ہی نہیں۔

اس پر مزید ایک آیت ملاحظہ فرمائیں:

وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ • (اعراف:188)

اگر میں علم غیب رکھتا ہوتا تو ہر طرح کے فائدے رکھ کر لیتا اور کوئی (دنیاوی) تکلیف مجھے نہ پہنچتی، اس میں بھی ذاتی اور عطائی کا فرق نہیں ہو سکتا، کیونکہ جس کو عطائی طور پر بھی پتہ ہو وہ بھی تکالیف و مصائب سے بچنے کی کوشش کرے گا، اگر کسی کو ذاتی طور پر پتہ نہ ہو عطائی پور پر اسے بتا دیا جائے کہ فلاں علاقے میں فلاں راستے پر چور ہیں تو اس راستے پر وہ آدمی نہ جائے گا تو اگر آپ علیہ السلام کو عطائی طور پر بقول تمہارے علم غیب مل گیا تو بھی تو مصائب و تکالیف سے آپ کو بچ جانا چاہیے تھا۔ مگر آپ علیہ السلام پر مصائب و تکالیف آئے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

آیات قرآنیہ اور نفی علم غیب

آیت نمبر1:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ "۔ (سورۃ یٰسین:69)

ترجمہ:

✿ علامہ علی بن محمد الخازن (م 701ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أي ما يسهل له ذلك وما يصلح منه بحيث لو أراد نظم شعر لم يتأت له ذلك كما جعلناه أمياً لا يكتب ولا يحسب لتكون الحجة أثبت والشبهة أدحض قال العلماء ما كان يتزن له بيت شعر وإن تمثل ببيت شعر جرى على لسانه منكسراً۔

(تفسیر خازن ج4ص12)

✿ علامہ عبد اللہ بن احمد النسفی (م 710ھ) فرماتے ہیں:

﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ﴾ اى و ما علمنا النبى صلى الله عليه و سلم قول الشعراء او و ماعلمنا بتعليم القرآن الشعر على معنى ان القرآن ليس بشعر۔ (تفسیر مدارک ج2ص404)

✿ رئیس المفسرین علامہ عماد الدین بن کثیر رحمہ اللہ (م 774ھ) آیت کی تفسیر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقوله: { وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ } : يقول تعالى مخبرًا عن نبيه محمد صلى الله عليه وسلم: أنه ما علمه الشعر، {وَمَا يَنْبَغِي لَهُ } أي: وما هو في طبعه، فلا يحسنه ولا يحبه، ولا تقتضيه جِبِلَّته، ولهذا وَرَدَ أنه، عليه الصلاة والسلام، كان لا يحفظ بيتًا على وزنٍ منتظم، بل إن أنشده زَحَّفه أو لم يتمه. (تفسیر ابن کثیر ج3ص757)

✿ محی السنہ ابی محمد الحسین بن مسعود البغوی (م 514ھ) اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فقال ابوبكر وعمر اشهد انك رسول الله يقول الله تعالىٰ: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ۔

✿ امام جلال الدی سیوطی (م 911ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

عن قتادة رضى الله عنه قال : بلغني أنه قيل لعائشة رضى الله عنها هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتمثل بشيء من الشعر قالت : كان أبغض الحديث إليه غير أنه كان يتمثل ببيت أخي بني قيس يجعل أخره أوله وأوله آخره ويقول : ويأتيك من لم تزودبالأخبار فقال له أبو بكر رضى الله عنه : ليس هكذا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إني والله ما أنا بشاعر ولا ينبغي لي۔ (تفسیر در منثور ص505)

اب دیکھیے دعویٰ تو علمِ کلی اور جمیع ماکان ومایکون کا ہے، تو جب یہ منفی ہو گیا یعنی علم شعر گوئی کی آپ سے نفی ہو گئی تو پھر کلی کا دعویٰ ٹوٹ گیا۔ رضاخانی حضرات کی طرف سے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ جناب! علمِ شعر کی نفی نہیں بلکہ یہاں تو ملکہ شعر گوئی کی نفی ہے یعنی شعر و شاعری کا علم تو تھا مگر ملکہ شعر گوئی نہ تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر بھی علمِ کلی اور جمیع ماکان ومایکون کا دعویٰ باطل ہو گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ جو آپ علیہ السلام کی زبان پر جاری ہوا تھا وہ رجز تھا، شعر نہ تھا اور شعر کہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام تھا۔

اشکال نمبر 1 :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ علیہ السلام نے ساری زندگی میں ایک شعر بنایا ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

الجواب:

یہ حدیث منکر ہے اور اس میں دوراوی مجہول ہیں۔(تفسیر ابن کثیر ج3ص579)

بعض حضرات نے شعر سے کچھ اور باتیں مراد لی ہیں مگر اتنا تو ضرور ہے کہ "جمیع ما کان ومایکون" کا دعویٰ تو ٹوٹ جاتا ہے چاہے جو بھی مراد لو آپ، ہم نے تفاسیر سے اس کا آیت کا معنی بتادیا کہ شعر گوئی کو آپ علیہ السلام کے لیے مناسب نہیں سمجھا گیا لہٰذا آپ شاعر نہ تھے۔

اشکال نمبر2:

بریلوی حضرات کی طرف سے ایک اشکال عام طور پر ہر جگہ ہی اٹھایا جائے گا جس کا قلع قمع ضروری ہے وہ یہ ہے کہ دیکھیے جی ہمارا علم کلی کہنا مخلوق کے اعتبار سے ہے ورنہ آپ علیہ السلام کا علم خدا کے اعتبار سے جزئی ہے اور خالق کا علم کلی ہے۔

جواب:

پہلی بات...... بریلوی حضرات نے جس دعویٰ کو علم کلی کہا ہے وہ ہم دعویٰ جات کے عنوان میں لکھ آئے اور مزید یہ بھی یاد رکھیں کہ ان کا دعویٰ ابتدائے آفرینش سے لے کر دخول جنت یا جہنم تک تفصیلی کا ہے اور ہم جو دلائل پیش کر رہے ہیں وہ سب اس دعوے کے بھی توڑنے والے ہیں۔

دوسری بات...... یہ ہے کہ بریلوی علماء نے لکھا ہے کہ پھر وہ کون بدقسمت انسان ہے جو قرآن کے خلاف کہے کہ فلاں شئے کا حضور علیہ السلام کو علم نہیں تھا اور فلاں بات نہیں جانتے تھے۔(علم غیب کا ثبوت ص5)

اور یہ کہنا کہ عالم ماکان ومایکون فلاں بات نہیں جانتے تھے یہ کفریہ عقیدہ ہے۔(ملخصاً تحفظ عقائد اہلسنت ص849،850)

تیسری بات...... یہ ہے کہ آپ کے اکابر تو خدا کے علم کو کلیات سے منسوب کرنا جرم سمجھتے ہیں، جیسا کہ خواجہ قمر الدین سیالوی نے لکھا ہے کہ کلیات کی نسبت خالق کی طرف کرنا کتنی بڑی جہالت۔(انوار قمریہ ص104)

آپ کے مولوی منظور احمد بصیر پوری لکھتے ہیں:

کلی چیز مخلوق ہے اور مخلوق حادث ہوتا ہے اللہ تعالیٰ قدیم ہے اس کے علم کو کلی سے متصف قرار دینا بے دینی ہے۔

(ہفت روزہ رسالہ رضوان بابت ماہ 28 مارچ 1952ء ص11 بحوالہ اظہار العیب ص227،226)

چوتھی بات...... یہ ہے وہ کون کون سی چیزیں ہیں جو خدا تعالیٰ تو جانتا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے اس کی ذرہ فہرست پیش کریں تاکہ ہمیں بھی یقین آجائے کہ خدا کا علم کلی ہے اور رسول پاک علیہ السلام کا اس کے مقابلے میں جزئی ہے اگر آپ نہیں پیش کرسکتے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ جو آپ نے فرق کیا ہے وہ غلط ہے۔

آیت نمبر2:

اللہ پاک آپ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

وَلَقَدۡ أَرۡسَلۡنَا رُسُلاً مِّن قَبۡلِكَ مِنۡهُم مَّن قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَمِنۡهُم مَّن لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ• (سورۃ غافر:78)

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

وَرُسُلاً قَدۡ قَصَصۡنَاهُمۡ عَلَيۡكَ مِن قَبۡلُ وَرُسُلاً لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ•(سورۃ النسا: آیت164)

☼ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم: ما أدری تبع أنبیا کان أم لا و ما أدری ذا القرنین أنبیا کان أم لا و ما أدری الحدود کفارات لأھلھا أم لا• (مستدرک حاکم حدیث نمبر111)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تبع اور ذوالقرنین کے نام قرآن مجید میں موجود ہیں مگر آپ علیہ السلام فرمارہے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ یہ نبی تھے یا نہیں؟

"وَتَفۡصِيلاً لِّكُلِّ شَيۡءٍ" اور "تِبۡيَاناً لِّكُلِّ شَيۡءٍ" وغیرہ آیات سے استدلال کرنے والوں سے دریافت کیجیے کہ "تبع" اور "ذوالقرنین" کی زندگی کی مفصل حالات تو الگ رہے ان کی نبوت ورسالت کا علم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں تھا۔

☼ حافظ عمادالدین ابن کثیر رحمہ اللہ (م774ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أي: منهم من أوحينا إليك خبرهم وقصصهم مع قومهم كيف كذبوهم ثم كانت للرسل العاقبة والنصرة. {وَمِنۡهُمۡ مَنۡ لَمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ} وهم أكثر ممن ذكر بأضعاف أضعاف.

(ابن کثیر ج5 ص462)

☼ علامہ علی بن محمد الخازن (م701ھ) پہلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای ولم نذکر حال الباقین۔ (تفسیر خازن ج4 ص84)

اور دوسری آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں؛

ای لم یمسهم لك ولم نعرفك اخبارهم۔ (تفسیر خازن ج14 ص451)

☼ فخر الدین رازی (م604ھ) پہلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای ولم نذکر حال الباقین۔ (تفسیر کبیر امام رازی ج27 ص77)

☼ امام جلال الدین سیوطی (م911ھ) اس کی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

عن علی بن أبی طالب رضی الله عنه فی قوله ! <ومنهم من لم نقصص علیك> ! قال: بعث الله عبدا حبشیا نبیا فهو ممن لم یقصص علی محمد صلی الله علیه وسلم۔ (تفسیر در منثور ج5 ص670)

اس آیت پاک سے بھی ثابت ہوا کہ جمیع ماکان ومایکون اور علم کلی کا دعویٰ غلط ہے۔ اس پر بریلوی حضرات کا چند وجوہ سے کلام ہے۔

اشکال نمبر 1:

آیت مبارکہ "وَكُلاًّ نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ أَنۡبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ" سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے تفصیلی حالات بتادیئے گئے تھے۔

جواب:

یہ آیت سورہ ھود کی ہے جو مکی ہے اور وہ آیت جو ہم نے پیش کی ہے وہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی معنی ہے ہر وہ خبر جس کی حاجت پڑتی ہے ہم پیغمبروں کی خبروں میں آپ کو سناتے ہیں۔ معلوم ہو گیا کہ کل کے لفظ کا الرسل سے تعلق نہیں نہ ہی یہ اس پر داخل ہے۔ اور احادیث سے بھی اس معنی کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ آپ تفاسیر کے حوالہ جات سے پڑھ آئے ہیں۔

اشکال نمبر 2:

حدیث میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی کل تعداد بتادی گئی ہے، 124،000 ہے

جواب:

پہلی بات...... یہ حدیث قابل احتجاج نہیں۔ (دیکھیے تفسیر ابن کثیر ج1 ص586، لسان المیزان ج1 ص79، 78)

دوسری بات...... یہ ہے کہ تعداد کا بیان کیا جانا تفصیلی حالات کا بیان تو نہیں لہذا یہ احادیث ہمیں مضر نہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اشکال نمبر 3:

صاوی شریف میں ہے آپ علیہ السلام اس وقت تک دنیا سے تشریف نہ لے گئے جب تک تمام انبیاء علیہم السلام کے تفصیلی حالات نہ بتا دیئے گئے۔

جواب:

قرآن پاک کی قطعی دلیل ہم نے پیش کی ہے اور احادیث مبارکہ اور امت کے اقوال سب کچھ کو ایک صاوی شریف پر تو قربان نہیں کریں گے۔ معتبر و مستند و معتمد تفاسیر سے ہم نے اپنا مدعی صاف کر دیا ہے آپ اپنی بات غیر معتبر تفاسیر سے نہ لے آئیں۔

آیت نمبر 3:

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيباً۔ (الاحزاب:63)

☼ حافظ عمادالدین ابن کثیر رحمہ اللہ (م774ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

يقول تعالى مخبرا الرسول صلى الله عليه وسلم: أنه لا علم له بالساعة، وإن سأله الناس عن ذلك. وأرشده أن يرد علمها إلى الله، عز وجل، كما قال له في سورة "الأعراف"، وهي مكية وهذه مدنية، فاستمر الحال في رَدّ علمها إلى الذي يقيمها، لكن أخبره أنها قريبة بقوله: {وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا}۔

(تفسیر ابن کثیر ج5ص232)

☼ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (م604ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ} لا يتبين لكم، فإن الله أخفاها لحكمة۔ (تفسیر کبیر ج2ص200)

☼ امام بیضاوی رحمہ اللہ (م685ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{قل إنما علمها عند الله} لم يطلع عليه ملكا ولا نبيا۔ (تفسیر بیضاوی ج2ص253)

☼ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م911ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ} يعلمك بها اى انت لا تعلمها۔

(تفسیر جلالین ص358)

☼ امام علی بن محمد الخازن (م701ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

إن المشركين كانوا يسألون رسول الله (صلى الله عليه وسلم)، عن وقت قيام الساعة استعجالاً على سبيل الهزء وكان اليهود يسألونه عن الساعة امتحاناً، لأن الله تعالى عمى عليهم علم وقتها في التوراة فأمر الله تعالى نبيه (صلى الله عليه وسلم) أن يجيبهم بقوله (قل إنما علمها عند الله) يعني إن الله تعالى قد استأثر به ولم يطلع عليه نبياً ولا ملكاً۔

(تفسیر خازن ج3ص512)

آیت نمبر 4:

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (25) قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ۔ (سورة الملك 25۔26)

☼ عمدۃ المفسرین حافظ عمادالدین ابن کثیر رحمہ اللہ (م774ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ } أي: لا يعلم وقت ذلك على التعيين إلا الله، عز وجل، لكنه أمرني أن أخبركم أن هذا كائن وواقع لا محالة فاحذروه۔ (تفسیر ابن کثیر ج6ص272)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

✪ علامہ ابن جریر طبری (م310ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

إنما علم الساعة، ومتى تقوم القيامة عند الله لا يعلم ذلك غيره. (جامع البیان عن تاویل القرآن: ج14ص12 حصہ دوم)

✪ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (م685ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{قل إنما العلم} اى علم وقته {عند الله} لا يطلع عليه غيره. (تفسیر بیضاوی ج2ص512)

✪ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (م604ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

والمراد أن العلم بالوقوع غير العلم بوقت الوقوع، فالعلم الأول حاصل عندي، وهو كاف في الإنذار والتحذير.

(تفسیر کبیر ج30ص66)

✪ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (م1225ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

إِنَّمَا الْعِلْمُ أي العلم بوقته عِنْدَ اللّٰهِ لا يعلم غيره. (تفسیر مظہری ج10ص28)

آیت نمبر5:

قُلْ إِنَّمَا يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ. فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنْتُكُمْ عَلَى سَوَاءٍ وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَمْ بَعِيدٌ مَا تُوعَدُونَ. (سورۃ الانبیاء: 108،109)

✪ علامہ علی بن محمد ابراہیم البغدادی المعروف بہ خازن (م701ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وإن أدري (أي وما أعلم) أقريب أم بعيد ما توعدون (يعني يوم القيامة لا يعلمه إلا الله). (ج3ص297)

✪ علامہ عبد اللہ بن احمد النسفی الحنفی (م710ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اى لا ادرى متىٰ يكون يوم القيامة لان الله تعالىٰ لم يطلعنى عليه او لا ادرى متى يحل بكم العذاب ان لم تؤمنوا.

(تفسیر مدارک ج2ص103)

✪ امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ (م911ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{وإن} ما {أدرى أقريب أم بعيد ما توعدون} من العذاب أو القيامة المشتملة عليه وإنما يعلمه الله.

(تفسیر جلالین ص278)

✪ علامہ خطیب شربینی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{وإن} أي: وما {أدرى أقريب} جدّاً بحيث يكون قربه على ما يتعارفونه {أم بعيد ما توعدون} من غلب المسلمين عليكم أو عذاب الله أو القيامة المشتملة عليه، وإنّ ذلك كائن لا محالة ولا بدّ أن يلحقكم بذلك الذلة والصغار، وإن كنت لا أدرى متى يكون ذلك؛ لأنّ الله تعالى لم يعلمني علمه، ولم يطلعني عليه، وإنما يعلمه الله تعالى. (تفسیر سراج منیر ج2ص532)

آیت نمبر6:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ○ فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا ○ إِلَى رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا ○ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَخْشَاهَا.

(سورۃ النازعات آیت 42تا44)

✪ آپ علیہ السلام قیامت کے وقت کے متعلق دریافت فرماتے تھے اس پر آیت نازل ہوئی "فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا" آپ کو اس کے ذکر سے کیا تعلق؟ (تفسیر الدر المنثور: ج6ص515)

✪ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (م744ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

أي: ليس علمها إليك ولا إلى أحد من الخلق، بل مَردها ومَرجعها إلى الله عز وجل، فهو الذي يعلم وقتها على التعيين....

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

{إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا} ولهذا لما سأل جبريلُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم عن وقت الساعة قال: ما المسئول عنها بأعلم من السائل.(تفسیر ابن کثیر ج6ص386)

☼ علامہ علی بن محمد ابراہیم الخازن (م701ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(يسألونك (أي يا محمد) عن الساعة أيّان مرساها (أي متى ظهورها وقيامها) فيم أنت من ذكراها (أي لست في شيء من علمها وذكراها حتى تهتم لها وتذكر وقتها) إلى ربك منتهاها (أي منتهى علمها لا يعلم متى تقوم الساعة إلا هو.

(خازن ج4ص378)

☼ امام حسین بن مسعود البغوی (م516ھ) اپنی تفسیر معالم التنزیل میں فرماتے ہیں:

{يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا} متى ظهورها و ثبوتها {فِيمَ أَنتَ مِن ذِكْرَاهَا} ليست في شئى من علمها و ذكرها اى لا تعلمها.(معالم التنزیل المعروف بہ تفسیر بغوی ج4ص445)

☼ علامہ عبید اللہ بن احمد النسفی الحنفی (م710ھ) اپنی تفسیر مدارک میں فرماتے ہیں:

{إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا} منتهى علمها متى تكون لا يعلمها غيره.(تفسیر مدراک ج2ص775)

☼ امام فخر الدین الرازی (م604ھ) تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

{إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا} أي منتهى علمها لم يؤته أحداً من خلقه.(تفسیر کبیر ج31ص48)

آیت نمبر7:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ.(سورۃ الاعراف187)

☼ اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین مکہ نے سوال کیا کہ قیامت کب قائم ہو گی تو اس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔(در منثور:ص275)

☼ امام ابن جریر طبری (م310ھ) اپنی کتاب تفسیر طبری میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

قال ابن عباس: لما سأل الناسُ محمدًا صلى الله عليه وسلم عن الساعة، سألوه سؤال قوم كأنهم يرون أن محمدًا حفي بهم، فأوحى الله إليه: إنما علمها عنده، استأثر بعلمها، فلم يطلع عليها ملكًا ولا رسولا.(تفسیر طبری ج6ص169)

☼ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (م604ھ) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

{قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي} أي لا يعلم الوقت الذي فيه يحصل قيام القيامة إلا الله سبحانه ونظيره قوله سبحانه: {إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ}(سورہ لقمان34)

وقوله: {وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا}(سورہ الحج آیت7)

وقوله: {إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا}(سورہ طہ آیت15)

ولما سأل جبريل رسول الله صلى الله عليه وسلّم وقال: متى الساعة فقال عليه السلام: "ليس المسؤول عنها بأعلم من السائل.(تفسیر کبیر ج15ص66)

☼ علامہ علی بن محمد ابراہیم الخازن (م701ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ} يعني عن خبر القيامة.{أَيَّانَ مُرْسَاهَا} اى متى وقوعها {قُلْ} أي قل لهم يا محمد {إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

رَبِّي} أي لا يعلم الوقت الذي تقوم فيه إلا الله استأثر الله بعلمها فلم يطلع عليه أحدا {لا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ} يعني ثقل أمرها وخفي علمها على أهل السموات والأرض فكل شيء خفي فهو ثقيل شديد {لا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً} يعني فجأة على حين غفلة من الخلق {يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ} يعني يا محمد {إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ} يعني استأثر الله بعلمها فلا يعلم متى الساعة إلا الله عز وجل {وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُونَ} يعني لا يعلمون أن علمها عند الله وأنه استأثر بعلم ذلك حتى لا يسألوا عنه. (تفسیر خازن ج2ص144،145)

☼ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (م774ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فهذا النبي الأمي سيد الرسل وخاتمهم صلوات الله عليه وسلامه نبي الرحمة، ونبي التوبة، ونبي الملحمة، والعاقب والمُقَفِّي، والحاشر الذي تحشر الناس على قدميه، مع قوله فيما ثبت عنه في الصحيح من حديث أنس وسهل بن سعد، رضي الله عنهما: "بعثت أنا والساعة كهاتين" وقرن بين إصبعيه السبابة والتي تليها. ومع هذا كله، قد أمره الله تعالى أن يَرُد علم وقت الساعة إليه إذا سئل عنها، فقال: {قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُونَ}.

(تفسیر ابن کثیر ج3ص249)

☼ امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ (م911ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{لا يجليها لوقتها إلا هو} يقول: لا يرسلها لوقتها إلا هو {ثقلت في السماوات والأرض} يقول: خفيت في السموات والأرض فلم يعلم قيامها متى تقوم ملك مقرب ولا نبي مرسل! (در منثور: ص275)

آیت نمبر8:

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى. (سورۃ طہ 15)

☼ علامہ ابن جریری طبری رحمہ اللہ (م310ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

يقول تعالى ذكره: إن الساعة التي يبعث الله فيها الخلائق من قبورهم لموقف القيامة جائية (أَكَادُ أُخْفِيهَا) فعلى ضمّ الألف من أخفيها قراءة جميع قرّاء أمصار الإسلام، بمعنى: أكاد أخفيها من نفسي، لئلا يطلع عليها أحد، وبذلك جاء تأويل أكثر أهل العلم. (تفسیر طبری ج9ص164)

پھر آخر میں اس تفسیر کی مزید تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وإنما اخترنا هذا القول على غيره من الأقوال لموافقة أقوال أهل العلم من الصحابة والتابعين، إذ كنا لا نستجيز الخلاف عليهم، فيما استفاض القول به منهم، وجاء عنهم مجيئا يقطع العذر. (ج9ص167)

☼ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م911ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قال ليس من اهل السماوات و الارض احد الا قد اخفى الله عنه علم الساعة. (در منثور ج4ص525)

☼ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (م774ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

هذا كقوله تعالى: {قُلْ لا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ} وقال: {ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لا تَأْتِيكُمْ إِلا بَغْتَةً} أي: ثقل علمها على أهل السموات والأرض. (تفسیر ابن کثیر ج4ص312)

☼ امام بغوی رحمہ اللہ (م516ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وأكثر المفسرين قالوا: معناه: أكاد أخفيها من نفسي، وكذلك في مصحف أبي بن كعب، وعبد الله بن مسعود: أكاد أخفيها من نفسي فكيف يعلمها مخلوق. وفي بعض القراءات: فكيف أظهرها لكم. وذكر ذلك على عادة العرب إذا بالغوا في كتمان

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

الشيء يقولون: كتمت سرك من نفسي، أي: أخفيته غاية الإخفاء، والله عز اسمه لا يخفى عليه شيء. (تفسیر بغوی ج3 ص214)

☼ علامہ علی بن محمد الخازن رحمہ اللہ (م 701ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

إن الساعة آتية أكاد أخفيها (قال أكثر المفسرين: معناه أكاد أخفيها من نفسي فكيف يعلمها مخلوق و كيف أظهرها لكم، ذكر ذلك على عادة العرب إذا بالغوا في الكتمان للشيء يقولون كتمت سرك في نفسي، أي أخفيته غاية الإخفاء، والله تعالى لا يخفى عليه شيء. (تفسیر خازن ج3 ص251)

آیت نمبر9:

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ. (فصلت:47)

☼ امام فخر الدین رحمہ اللہ (م 604ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وكأن سائلاً قال ومتى يكون ذلك اليوم؟ فقال تعالى إنه لا سبيل للخلق إلى معرفة ذلك اليوم ولا يعلمه إلا الله فقال: {إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ} وهذه الكلمة تفيد الحصر أي لا يعلم وقت الساعة بعينه إلا الله، وكما أن هذا العلم ليس إلا عند الله فكذلك العلم بحدوث الحوادث المستقبلة في أوقاتها المعينة ليس إلا عند الله سبحانه وتعالى، ثم ذكر من أمثلة هذا الباب مثالين أحدهما: قوله {وَمَا تَخْرُجُ مِن ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا} والثاني: قوله {وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَى وَلَا تَضَعُ إِلا بِعِلْمِه}

(تفسیر کبیر ج27 ص117)

☼ علامہ علی بن محمد الخازن (م 701ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(إليه يرد علم الساعة (يعني إذا سأل عنها سائل قيل له لا يعلم وقت قيام الساعة إلا الله تعالى.

(تفسیر خازن ج4 ص94)

☼ علامہ نسفی رحمہ اللہ (م 710ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اى علم قيامها يرد اليه اى يجب على المسئول ان يقول: الله يعلم ذلك. (تفسیر مدارک ج2 ص501)

☼ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ} أي: لا يعلم ذلك أحد سواه، كما قال صلى الله عليه وسلم، وهو سيد البشر لجبريل وهو من سادات الملائكة -حين سأله عن الساعة، فقال: "ما المسئول عنها بأعلم من السائل"، وكما قال تعالى: {إِلَى رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا}، وقال {لا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلا هُوَ}. (تفسیر ابن کثیر ج5 ص485)

☼ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (م 685ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ} يعنى اذا سال عنها اذ لا يعلمها الا هو. (تفسیر بیضاوی ج2 ص356 بیروت)

اہل بدعت کے چند اشکالات کے جوابات:

اشکال نمبر1:

ذاتی اور عطائی کا فرق

جواب:

حالانکہ ذمہ دار مفسرین سے یہ بات نقل ہو کر آتی ہے کہ "لم يطلعنى عليه" اور "لم يطلع عليه ملكا مقربا ولا نبيا مرسلا"، تو یہ عطائی کا بھی انکار ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

پیر مہر علی شاہ صاحب لکھتے ہیں: یہ جو لکھا ہے کہ قیامت سات ہزار سال سے پہلے نہیں آسکتی میں کہتا ہوں یہ سات ہزار کی تحدید جو ایک نے (مرزا صاحب) لگائی ہے یہ منافی ہے۔" لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ " کے اور ان احادیث کے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لاعلمی بیان فرمائی ہے۔ (شمس الہدایہ ص66)

معلوم ہوا کہ یہ ڈھکوسلہ نہیں چلے گا کہ ذاتی اور عطائی کا فرق ہے۔

اشکال نمبر2:

بعض لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ یہ تو معلوم ہو گیا کہ خدا کو معلوم ہے مگر یہ تو کہیں نہیں آیا کہ علم قیامت کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا؟

جواب:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سرخ رنگ کے خیمہ میں تشریف فرما تھے ایک شخص گھوڑی پر سوار ہو کر آیا اور دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا میں خدا تعالیٰ کا رسول ہوں اس نے دریافت کیا قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا یہ غیب کی بات ہے اور اللہ کے بغیر اسے کوئی نہیں جانتا۔ (در منثور ج5 ص170)

تو اب بتایئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب خود ہی ارشاد فرمائیں پھر کیا ماننے کے لیے آپ تیار ہیں؟

اشکال نمبر3:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا ذکر فرما رہے تھے تو آپ نے صحابہ سے پوچھا یہ کون سا دن ہے تو انہوں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ تو اس معلوم ہوا کہ صحابہ کو پتہ تھا کہ قیامت کے وقت مقررہ کا آپ کو پتا ہے۔

جواب:

یہ واقعات آپ نے قیام ساعت مقررہ کے بعد کے بیان کیے ہیں، مقررہ وقت کی بات نہیں کی صرف یہ ہی پوچھا کہ کون سا دن ہو گا صحابہ کرام نے ادب سے کہا باقی آپ نے خود ہی بتا رکھا ہے کہ جمعہ کا دن ہو گا۔ مگر یہ تو کسی کو معلوم نہیں وہ جمعہ کس سال کا ہو گا یہ کب آئے گا وغیرہا۔ اس روایت سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ آپ کو مقررہ وقت کا پتہ ہے یہ بالکل غلط ہے۔

اشکال نمبر4:

سب نشانیاں تو بتا دیں پھر وقت مقررہ کیوں نہیں پتہ ہو گا؟

جواب:

سب نشانیاں تو ارشاد فرد یں مگر وقت مقررہ ان نشانیوں کا آپ کو بھی معلوم نہیں کیونکہ مشکوٰۃ ج2 ص472 پر روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ايهما ما كنت قبل صاحبتيها فالاخرىٰ علىٰ اثرها. یعنی طلوع آفتاب اور دابۃ الارض ان میں سے پہلی جو ظاہر ہو گی تو دوسری اس کے بعد ظاہر ہو جائیگی۔ باقی قیامت کا مقررہ وقت مقررہ لمحہ وہ کسی کے علم میں نہیں سوائے خدا تعالیٰ کے۔

آیت نمبر10:

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔ (سورۃ لقمان:34)

☼ علامہ علی بن محمد بن ابراہیم الخازن (م701ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال ابن عباس: هذه الخمسة لا يعلمها ملك مقرب ولا نبي مصطفى فمن ادعى أنه يعلم شيئاً من هذه الأمور فإنه كفر

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بالقرآن لأنه خالفه. (تفسیر خازن ج3ص475)

✿ امام عبداللہ بن احمد النسفی رحمہ اللہ (م710ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما: من ادّعی علم هذه الخمسة فقد كذب. ورأى المنصور فی منامه صورة ملك الموت وسأله عن مدة عمره فأشار بأصابعه الخمس فعبرها المعبرون بخمس سنوات وبخمسة أشهر وبخمسة أيام فقال أبو حنيفة رضی اللہ عنه: هو إشارة إلى هذه الآية، فإن هذه العلوم الخمسة لا يعلمها إلا الله {إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ} بالغيوب {خَبِيرٌ} بما كان ويكون.
(تفسیر مدارک ج2ص324)

✿ امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ (م911ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

عن علی بن أبی طالب رضی اللہ عنه قال لم يعم على نبيكم صلی اللہ علیه وسلم إلا الخمس من سرائر الغيب هذه الآية فی آخر لقمان إلى آخر السورة. (تفسیر در منثور ج5ص326)

✿ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م911ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{إن الله عنده علم الساعة} متى تقوم {وينزل} بالتخفيف والتشديد {الغيث} بوقت يعلمه {ويعلم ما فی الأرحام} أذكر أم أنثى ولا يعلم واحدا من الثلاثة غير الله تعالى {وما تدري نفس ماذا تكسب غدا} من خير أو شر ويعلمه الله تعالى {وما تدري نفس بأي أرض تموت} ويعلمه الله تعالى {إن الله عليم} بكل شيء {خبير} بباطنه كظاهره. (تفسیر جلالین ص348)

✿ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (م774ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال قتادة: أشياء استأثر الله بهن، فلم يُطلع عليهن مَلَكا مقربًا، ولا نبيا مرسلا {إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ}، فلا يدري أحد من الناس متى تقوم الساعة، في أي سنة أو في أي شهر، أو ليل أو نهار، {وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ}، فلا يعلم أحد متى ينزل الغيث، ليلا أو نهارًا، {وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ}، فلا يعلم أحد ما في الأرحام، أذكر أم أنثى، أحمر أو أسود، وما هو، {وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا}، أخير أم شر، ولا تدري يا ابن آدم متى تموت؟ لعلك الميت غدا، لعلك المصاب غدا، {وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ} ليس أحد من الناس يدري أين مضجعه من الأرض، أفي بحر أم بر، أو سهل أو جبل؟ (تفسیر ابن کثیر ص124)

اشکال نمبر 1:

تفاسیر میں ہے: من ادعى انه يعلم شيا من هذه فقد كفره بالقرآن العظيم لانه خالفه. (تفسیر خازن ج5ص183)

حالانکہ بعض روایات دال ہیں ان جزئیات کو مخلوق جانتی ہیں۔

جواب:

"شیئاً من هذه" کا مطلب یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں میں سے کسی ایک چیز کا دعویٰ کرے کہ کہ مجھے یا کسی اور کو بجز خدا تعالی کے اس کا کلی طور پر علم ہے تو وہ کافر بالقرآن ہے۔

اشکال نمبر 2:

بعض صلحاء کی باتوں اور آثار سے معلوم ہو تا ہے کہ اولیاء کرام وغیر ہم کو بھی بعض ان میں سے جزئیات کا علم ہے مگر روایات میں یوں بھی ہے ان پانچ باتوں کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا

جواب:

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وفي شرح المناوي الكبير للجامع الصغير في الكلام على حديث بريدة السابق خمس لا

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

يعلمهن إلا الله على وجه الإحاطة والشمول كليا وجزئيا فلا ينافيه إطلاع الله تعالى بعض خواصه على بعض المغيبات حتى من هذه الخمس لأنها جزئيات معدودة. (تفسیر روح المعانی ج21ص100)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فإن قلت قد أخبر الأنبياء والأولياء بشيء كثير من ذلك فكيف الحصر قلت الحصر باعتبار كلياتها دون جزئياتها.

(مرقات:ج1ص66)

آیت نمبر11:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلاَّ هُوَ. (سورۃ مدثر آیت 31)

☼ علامہ بغوی رحمہ اللہ اس آیت کی تفصیل میں فرماتے ہیں:

(وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلاَّ هُوَ) قال مقاتل: هذا جواب أبي جهل حين قال: أما لمحمد أعوان إلا تسعة عشر؟ قال عطاء: {وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلا هُوَ} يعني من الملائكة الذين خلقهم لتعذيب أهل النار، لا يعلم عدتهم إلا الله، والمعنى إن تسعة عشر هم خزنة النار، ولهم من الأعوان والجنود من الملائكة ما لا يعلم إلا الله عز وجل. (تفسیر بغوی ج4ص417)

☼ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (م774ھ) اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلاَّ هُوَ) ای ما يعلم عددهم و كثرتهم الا هو تعالیٰ. (تفسیر ابن کثیر ج6ص345)

☼ علامہ عبداللہ احمد النسفی رحمہ اللہ (م710ھ) اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلاَّ هُوَ) لفرط كثرتها (إِلاَّ هُوَ) فلا يعز عليه تتميم الخزنة عشرين و لكن في هذا العدد الخاص حكمة لا تعلمونها. (تفسیر المدارک:ج2ص749)

☼ امام فخر الدین رحمہ اللہ (م604ھ) اس آیت کی تفسیر میں چند وجوہ لکھی ہیں جن میں سے پہلی وجہ جو ان کے نزدیک راجح ہے وہ یہ ہے کہ:

أن القوم استقبلوا ذلك العدد، فقال تعالى: {وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلا هُوَ} فهب أن هؤلاء تسعة عشر إلا أن لكل واحد منهم من الأعوان والجنود ما لا يعلم عددهم إلا الله. (تفسیر کبیر ج30ص183)

گھر کی گواہی:

مدعیان علم جمیع ماکان ومایکون کے راس ورئیس مولوی احمد رضاخان فاضل بریلوی کی زبانی:

زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک پچاس ہزار برس کی راہ ہے اس سے آگے مستوی اس کے بعد اللہ جانے۔ اس سے آگے عرش کے ستر ہزار حجاب ہیں ہر حجاب سے دوسرے حجاب تک پانچ سو برس کا فاصلہ اور اس سے آگے عرش اور ان تمام وسعتوں میں فرشتے بھرے ہیں حدیث پاک میں ہے آسمان چار انگل جگہ نہیں جہاں فرشتے نے سجدے میں پیشانی نہ رکھی ہو فرمایئے کس قدر فرشتے ہیں "ومایعلم جنود ربک الا ھو" اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (ملفوظات حصہ چہارم ص340)

آیت نمبر12:

فَلا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ. (الم سجدہ آیت 17)

☼ امام بخاری رحمہ اللہ (م256ھ) اس آیت کی تشریح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارکہ نقل کی ہے:

يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى أَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ ذُخْرًا من بَلْهِ مَا أُطْلِعْتُمْ عَلَيْهِ ثُمَّ قَرَأَ {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ}. (صحیح البخاری: کتاب التفسیر ج2ص704)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

۞ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفیٰ774ھ) نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کتاب مسند احمد سے نقل کیا ہے:

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

شهدت من رسول الله صلى الله عليه وسلم مجلسا وصف فيه الجنة، حتى انتهى، ثم قال في آخر حديثه: "فيها ما لا عين رأت، ولا أذن سمعت، ولا خطر على قلب بشر"، ثم قرأ هذه الآية: {تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ،إلى قوله: {يَعْمَلُونَ}.

(تفسیر ابن کثیر ج5ص134)

۞ امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ (متوفیٰ911ھ) نے اس آیت کے تحت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

انه لمكتوب في التوراة (لقد أعد الله للذين تتجافى جنوبهم عن المضاجع ما لم تر عين ولم تسمع أذن ولم يخطر على قلب بشر ولا يعلم ملك مقرب ولا نبي مرسل وانه لفي القرآن! <فلا تعلم نفس ما أخفي لهم من قرة أعين>

(تفسیر الدر المنثور: ج5ص339)

۞ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفیٰ911ھ) نے حضرت عبد اللہ بن عباس کی تفسیر نقل کی ہے:

قال كان عرش الله على الماء فاتخذ جنة لنفسه ثم اتخذ دونها أخرى ثم أطبقهما لؤلؤة واحدة ثم قال: ومن دونهما جنتان لم يعلم الخلق ما فيهما وهي التي قال الله! {فلا تعلم نفس ما أخفي لهم من قرة أعين جزاء بما كانوا يعملون}.

(در منثور ج5ص338)

۞ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ متوفیٰ685ھ نے اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے:

{فَلا تَعْلَمُ نَفْسٌ} لا ملك مقرب و لا نبي مرسل. (تفسیر انوار التنزیل ص235)

آیت نمبر13:

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلاَّمُ الْغُيُوبِ. (سورہ مائدہ آیت109)

سوال:

حضرات انبیاء کرام کو اپنی امتوں کے جواب کا فی الجملہ علم ضرور ہے تو پھر اللہ پاک کے سامنے انہوں مطلقاً علم کی نفی کیوں کر دی۔

جواب:

اس کی چند توجیہیں ہیں اور چونکہ ان میں سے اکثر میں تعارض نہیں ہے اس لیے ہو سکتا ہے سب اپنی جگہ درست ہوں ایک قول جس کو امام خازن رحمہ اللہ اور امام رازی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے:

معناه لا علم لنا كعلمك فيهم لأنك تعلم ما أضمروا وما أظهروا ونحن لا نعلم إلا ما أظهروا فعلمك فيهم أنفذ من علمنا وأبلغ. (تفسیر خازن ج1ص537)

۞ امام رازی رحمہ اللہ اس قول کے نقل کر کے فرماتے ہیں: هو الاصح وهو الذي اختاره ابن عباس. (تفسیر کبیر ج11ص102)

۞ علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (م310ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

يقولون للرب عز وجل: لا علم لنا، إلا علمٌ أنت أعلَمُ به منّا. (تفسیر طبری ج5ص154)

۞ اور علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں:

رواه ابن جرير. ثم اختاره على هذه الأقوال الثلاثة (1) ولا شك أنه قول حسن، وهو من باب التأدب مع الرب، عز وجل، أي: لا علم لنا بالنسبة إلى علمك المحيط بكل شيء، فنحن وإن كنا قد أجبنا وعرفنا من أجابنا، ولكن منهم من كنا إنما نطلع

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

على ظاهره، لا علم لنا بباطنه، وأنت العليم بكل شيء، المطلع على كل شيء. فعلمنا بالنسبة إلى علمك كلا عِلْم، فإنك { أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ }. (تفسیر ابن کثیر ج2ص643)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دور میں اقوال میں صرف اجمال وتفصیل کا فرق ہے۔

☼ علامہ خطیب شربینی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے:

{قالوا لا علم لنا} أي : لا علم لنا بما أنت تعلمه {إنك أنت علام الغيوب} فتعلم ما أجابونا وأظهروا لنا وما لم نعلم مما أضمروا في قلوبهم. (تفسیر سراج منیر ج1ص402)

☼ علامہ نسفی حنفی رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا:

{قَالُوا لا عِلْمَ لَنَا} باخلاص قولنا و دليله {إِنَّكَ أَنْتَ عَلاَّمُ الْغُيُوبِ}. (مدارک التنزیل ج1ص350)

آیت نمبر14:

وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلاَّ كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (سورۃ نمل:77)

☼ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (م604ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

{وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ} يفيد الحصر معناه ان العلم بهذه الغيوب ليس الا لله تعالىٰ. (تفسیر کبیر ج20ص71)

☼ علامہ نسفی حنفی رحمہ اللہ مدارک التنزیل میں فرماتے ہیں:

{ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ } اى يختص به علم ما غاب فيهما عن العباد و خفى عليهم علمه او اراد بغيب السماوات والارض يوم القيامة على ان علمه غائب عن اهل السماوات والارض لم يطلع عليه احد منهم. (تفسیر مدارک ج1ص690)

☼ علامہ علی بن محمد الخازن رحمہ اللہ نے اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

(أخبر الله عز وجل في الآية عن كمال علمه, وأنه عالم بجميع الغيوب, فلا تخفى عليه خافية ولا يخفى عليه شيء منها, وقيل الغيب هنا هو علم قيام الساعة. (تفسیر خازن ج3ص136)

☼ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

{ولله غيب السموات والأرض} يختص به علمه لا يعلمه غيره وهو ما غاب فيهما عن العباد بأن لم يكن محسوسا ولم يدل عليه محسوس وقيل يوم القيامة فإن علمه غائب عن أهل السموات والأرض. (تفسیر بیضاوی ص685)

☼ علامہ خطیب شربینی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

{ولله} أي : لا لغيره {غيب السموات والأرض} وهو ما غاب فيهما عن العباد بأن لم يكن محسوساً و لم يدل عليه محسوس، وقيل: الغيب هنا هو قيام الساعة فإن علمه غائب عن أهل السموات والأرض. (تفسیر سراج منیر ج2ص250)

آیت نمبر15:

قُلْ لا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعاً وَلا ضَرّاً إِلاَّ مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلاَّ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ. (سورۃ الاعراف:188)

☼ علامہ بغوی رحمہ اللہ نے آیت مذکورہ کا شان نزول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے:

إن أهل مكة قالوا: يا محمد، ألا يخبرك ربك بالسعر الرخيص قبل أن يغلو فتشتريه وتربح فيه عند الغلاء؟ وبالأرض التي يريد أن تجذب فترتحل منها إلى ما قد أخصبت؟ فأنزل الله تعالى "قل لا أملك لنفسي نفعا. (تفسیر بغوی ج2ص220)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

✿ علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ) أي: من المال. وفي رواية: لعلمت إذا اشتريت شيئًا ما أربح فيه، فلا أبيع شيئًا إلا ربحت فيه، وما مسني السوء، قال: ولا يصيبني الفقر. (تفسیر ابن کثیر ج3ص249)

✿ امام بغوی رحمہ اللہ (م510ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

أي: لو كنت أعلم الخصب والجدب لاستكثرت من الخير، أي: من المال لسنة القحط {وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ} أي: الضر والفقر والجوع. (تفسیر بغوی ج2ص220)

✿ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

ولو كنت أعلمه لخالفت حالي ما هو عليه من استكثار المنافع واجتناب المضار حتى لا يمسني سوء.

(تفسیر بیضاوی: ج1ص370)

✿ علامہ معین بن صفی اپنی تفسیر جامع البیان میں آیت کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں:

{وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ} اى لكانت حالى من استكثار الخير و استغرار المنافع و اجتناب السوء على خلاف ما هى عليه فلم اكن غالبا مرة و مغلوبا باخرىٰ و رابحاً و خاسرا فى التجارة. (جامع البیان ص144)

اہلِ بدعت کے چند اشکالات کے جوابات:

اشکال نمبر1:

چونکہ قرآن نے کہا کہ "اگر علم غیب دان ہوتا تو میں خیریں حاصل کرلیتا"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "خیر کثیر" عطا کی گئی کیونکہ بقول قرآن کریم "ومن يؤت الحكمة فقد اوتي خيراً كثيرا" جس کو حکمت عطا کی گئی تو اسے بہت ساری خیریں دی گئیں ہیں۔

اور مصیبت سے بھی رب نے بچایا "والله يعصمك من الناس" معلوم ہوا کہ علم غیب تھا جبھی یہ سب کچھ ملا۔

جواب:

اس آیت میں "خیر" سے مراد تجارت کا نفع، مال وغیرہ ہے اور سوء سے مراد فقر، تجارت میں نقصان کا ہونا ہے یہ مراد ہے اور آپ کی پیش کردہ آیات میں خیر سے مراد علم وحکمت اور عصمت من الناس سے مراد جان سے مارنا ہے۔

اشکال نمبر2:

آپ تو رحمۃ اللعالمین ہیں پھر آپ کو تکلیف ہو تو یہ زحمت ورحمت کا اجتماع کیسے ممکن ہوا؟

جواب:

آپ علیہ السلام چہرہ مبارک زخمی ہونا، دانت مبارک کا شہید ہونا، زہر خورانی کا واقعہ پیش آنا، آپ علیہ السلام کا سواری سے گر پڑنا ٹانگ مبارک کا زخمی ہوجانا حتی کہ آپ نے نماز بھی بیٹھ کر پڑھائی۔ (صحیح البخاری جلد1ص96)

کا انکار کرنا ایک کھلی ہوئی جہالت ہے۔ "رحمة للعٰلمين" یہ "ارسلناك" کا مفعول لہ جس کا معنی یہ ہے آپ کو اس لیے بھیجا کہ آپ کے ذریعے سے تمام جہانوں پر رحمت فرمائے۔ یہ رحمت خدا کی صفت ہے اور تکالیف ومصائب تو آپ کی ذات پر آئے تو اجتماع نقیضین کیسے ہوا؟!!

اشکال نمبر3:

"الخیر" سے مراد اطاعت خداوندی، سخاوت، عمل صالح مراد ہیں اور السوء سے مراد بدکاری برے کام مراد ہیں۔ تو خیر پر آپ کا عمل تھا

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اور سوء سے آپ محفوظ و معصوم تھے تو جب یہ چیزیں آپ کے پاس نہیں تھیں یعنی خیر پر عمل اور شر سے بچنا تو لا محالہ علم غیب تو ہوا۔

جواب:

اس آیت میں "الخیر" سے مراد اور "السوء" سے مراد دینی طور پر خیر اور سوی ہر گز نہیں بلکہ الخیر سے یہاں مال فتح اور نفع وغیرہ ہے اور السوء سے فقر و شکست اور خسارہ وغیرہ ہے۔

آیت نمبر16:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِيلاً ۔ (پارہ نمبر 15 بنی اسرائیل آیت 85)

☼ علامہ عمادالدین بن کثیر رحمہ اللہ (م 744ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقوله: { قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي } أي: من شأنه، ومما استأثر بعلمه دونكم؛ ولهذا قال: { وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلا قَلِيلا } أي: وما أطلعكم من علمه إلا على القليل، فإنه لا يحيط أحد بشيء من علمه إلا بما شاء تبارك وتعالى.

(تفسیر ابن کثیر ج4 ص179)

☼ علامہ علی بن محمد ابراہیم الخازن رحمہ اللہ (م 701ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

وأولى الأقاويل أن يوكل علمه إلى الله عز وجل هو قول أهل السنة قال عبد الله بن بريدة: إن الله لم يطلع على الروح ملكاً مقرباً ولا نبياً مرسلاً بدليل قوله: قل الروح من أمر ربي أي من علم ربي الذي استؤثر به)۔ (تفسیر خازن ج3 ص190)

☼ علامہ نسفی حنفی رحمہ اللہ م 710ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الروح قُلِ الروح مِنْ أَمْرِ رَبّي} أي من أمر يعلمه ربي، الجمهور على أنه الروح الذي في الحيوان، سألوه عن حقيقته فأخبر أنه من أمر الله أي مما استأثر بعلمه. وعن أبي هريرة: لقد مضى النبي صلى الله عليه وسلم وما يعلم الروح، وقد عجزت الأوائل عن إدراك ماهيته بعد إنفاق الأعمار الطويلة على الخوض فيه. والحكمة في ذلك تعجيز العقل عن إدراك معرفة مخلوق مجاور له ليدل على أنه عن إدراك خالقه أعجز۔ (تفسیر مدارک ج1 ص726)

☼ اکابر صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ عوارف المعارف کے حوالہ سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

أنه قال الروح استأثر الله تعالى بعلمه ولم يطلع عليه أحدا من خلقه۔ (فتح الباری ج8 ص 531)

☼ علامہ معین بن صفی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي} مما استاثر به۔ (تفسیر جامع البیان ص235)

آیت نمبر17:

وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔ (سورۃ التوبۃ: 101)

☼ علامہ علی بن محمد خازن رحمہ اللہ (م 201ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لا تعلمهم (يعني أنهم بلغوا في النفاق إلى حيث أنك لا تعلمهم يا محمد مع صفاء خاطرك واطلاعك على الأسرار)

(تفسیر خازن ج2 ص276)

☼ علامہ نسفی رحمہ اللہ (م 710ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{لاَ تَعْلَمُهُمْ} أي يخفون عليك مع فطنتك وصدق فراستك لفرط تنوقهم في تحامي ما يشككك في أمرهم. ثم قال {نَحْنُ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نَعۡلَمُهُمۡ} أي لا يعلمهم إلا الله ولا يطلع على سرهم غيره، لأنهم يبطنون الكفر في سويداء قلوبهم ويبرزون لك ظاهراً كظاهر المخلصين من المؤمنين. (تفسیر مدارک ج2ص516)

☼ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (م685ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{لا تعلمهم} لا تعرفهم بأعيانهم {نحن نعلمهم} ونطلع على أسرارهم إن قدروا أن يلبسوا عليك لم يقدروا أن يلبسوا علينا. (تفسیر بیضاوی ج1ص419)

☼ قریب قریب یہی مطلب علامہ معین بن حنفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ (دیکھیے: تفسیر جامع البیان ص164)

☼ شاہ عبد القادر محدث دہلوی رحمہ اللہ (م1230ھ) اس آیت کی تحت فرماتے ہیں:

"(ترجمہ) اور بعضے مدینہ والے اڑ رہے ہیں نفاق پر آپ ان کو نہیں جانتے ہم کو معلوم ہے۔

(تشریح) اس آیت میں مدینہ کے بعض نہایت گہرے منافقین کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان کی منافقت اتنی گہری ہے کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ان کا پتہ نہیں بس ہم ہی ان کو جانتے ہیں۔" (موضح القرآن: ص262)

معلوم ہوا کہ جمیع ماکان ومایکون کا دعوی اور علم غیب کلی کا دعوی ٹوٹ گیا۔

اہل بدعت کے چند اشکالات کے جوابات:

اشکال نمبر1:

جیسے کوئی دوست کے مقابلے میں اس کے دشمن کو ضروری سزا دینی ہو تو دوست کی طرف مخاطب ہو کر اور دشمن کی طرف تہدیدی نظر اٹھا کر کہا جاتا ہے کہ تو نہیں جانتا یہ منکر بڑا بے ایمان ہے میں جانتا ہوں۔۔۔ الخ

جواب:

یہ قرآن پاک کی تحریف ہے تفسیر نہیں کیونکہ ذمہ دار مفسرین نے بات ہمارے حق میں لکھی ہے بریلوی حضرات کے حق میں بات نہی کی۔ مفسیرین تو لکھ رہے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا نفاق اور ان کا باطن معلوم نہ تھا جب کہ رضاخانی تفسیر ہی جدا ہے۔

اشکال نمبر2:

منافقین کے متعلق قرآن کہتا ہے "فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمۡ مَرَضٌ" کہ آپ ان کے دلوں کو نہیں دیکھتے۔

جواب:

"الذین" یہ "فتری" کا مفعول ہے "فی قلوبھم" مفعول نہیں۔ اب معنی یہ ہیں کہ آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں مرض ہے۔ دلوں میں دیکھنے والی تو بات ہی نہیں ہے۔

اشکال نمبر3:

"ولتعرفنھم فی لحن القول" سے یہ آیت منسوخ ہے یعنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کی باتوں کو پہچان لیتے ہیں۔ اس آیت نے آ کر تمہاری دلیل کو منسوخ کر دیا۔

جواب:

اولاً...... ہماری پیش کردہ آیت آخر میں نازل ہوئی اور آپ کی پیش کردہ آیت پہلے نازل ہوئی تو یہ مقدم ناسخ کیسے بن سکتی ہے۔

ثانیاً...... تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ ان میں منافات نہیں ہے، اس لیے کہ سورت محمد کی آیت میں پہچان سے مراد ان کے چہروں، علامات اور

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بات کے انداز سے پہچانا ہے یہ مطلب نہیں کہ آپ تمام منافقین اور مشکوک لوگوں کو علی وجہ التعیین جانتے ہیں۔

اشکال نمبر 4:

سیدنا عبد اللہ بن عباس اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایتیں ہیں کہ آپ علیہ السلام نے منافقوں کا نام لے کر مسجد نبوی سے نکال دیا تھا۔

جواب:

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بات عقائد کی ہے اس میں خبرِ واحد نہیں چل سکتیں بلکہ متواتر روایت چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان روایات کو صحیح بھی مان لیا جائے تو مدعا فریق مخالف کا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان سے تو صرف اتنا ثابت ہو رہا ہے کہ 36 منافقین تھے، اس سے یہ تو ثابت نہیں ہو رہا کہ اس کے علاوہ کوئی اور منافق نہ تھے۔ خطبہ جمعہ کے موقع پر مسجد سے 36 آدمیوں کو نکال دینے سے یہ کیسے لازم آگیا کہ مدینہ طیبہ میں اور منافق تھا ہی نہیں، کیا یہ بھی ضروری ہے کہ سارے منافق مسجد میں تھے ؟!

تیسری بات یہ ہے کہ یہ روایات جرح سے خالی نہیں جیسا کہ عاقل پر مخفی نہیں، یہ دونوں روایتیں متکلم فیہا ہیں۔ تفصیل کے لیے ازالۃ الریب لامام اہل السنۃ والجماعۃ شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ (ص 313 تا ص 320) کا مطالعہ فرمائیں۔

آیت نمبر 18:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ • (سورۃ التوبۃ: 43)

☼ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م 911ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وكان صلى الله عليه وسلم أذن لجماعة في التخلف باجتهاد منه فنزل عتاباً له وقدم العفو تطمينا لقلبه { عفا الله عنك لم أذنت لهم } في التخلف وهلا تركتهم { حتى يتبين لك الذين صدقوا } في العذر { وتعلم الكاذبين } فيه • (تفسیر جلالین ص 160)

☼ علامہ ابو السعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قيل لم سارعت إلى الإذن لهم وهلا تأنيت حتى ينجلي الأمر كما هو قضية الحزم • (تفسیر ابو السعود ج 5 ص 133)

☼ علامہ نسفی رحمہ اللہ 710ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ومعناه مالك أذنت لهم في القعود عن الغزو حين استأذنوك واعتلّوا لك بعللهم وهلا استأنيت بالإذن! •

(تفسیر مدارک ج 1 ص 499)

☼ علامہ بغوی رحمہ اللہ (م 516ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

قال ابن عباس رضي الله عنه: لم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم يعرف المنافقين يومئذ. (تفسیر بغوی ج 2 ص 297)

یہ آیت سن 9ھ کی ہے کیونکہ غزوہ تبوک اسی سن 9ھ میں پیش آیا۔

غزوہ تبوک پر آپ جب جانے لگے تو منافقین نے دیکھا کہ فصل کی کٹائی کا وقت بھی آگیا اور موسم بھی بڑا گرم ہے اور لڑائی مسلح فوجوں سے ہو گئی تو انہوں نے بہانے بنانے اور اجازت مانگنے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کے بہانوں میں صادق تصور فرمانے لگے اور اجازت عطا فرمادی تو یہ ایک گونہ عتاب تھا مگر نہایت پیارے الفاظ میں کہ آپ نے ان کے اعذار کے سچ یا جھوٹ واضح ہونے سے پہلے رخصت کیوں دی۔

اشکال:

آپ علیہ السلام نے تو ان کی پردہ پوشی فرمائی تھی ان کو رسوا نہ کیا عتاب تو غلطی پر ہوتا ہے یہاں غلطی کیا تھی ؟

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب:

"حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِیْنَ" سے معلوم ہو رہا ہے کہ پردہ پوشی والا قول غلط ہے۔

جلالین میں صراحۃً عتاب کا لفظ موجود ہے اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس جگہ لکھا ہے کیا تم نے اس سے بہتر عتاب سنا ہے کہ عتاب سے عفو کا پروانہ دیا جائے۔ عتاب تو لغزش اور خطاء اجتہادی پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ مفسرین کرام سے یہ بات ثابت ہوئی۔

آیت نمبر19:

أَلَمْ یَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا یَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللّٰهُ ۔ (سورۃ ابراہیم:9)

☼ اس آیت کی تفسیر میں علامہ علی بن محمد الخازن رحمہ اللہ (م701ھ) فرماتے ہیں:

وعن عبد الله بن عباس أنه قال: بین إبراهیم وعدنان ثلاثون قرناً لا یعلمهم إلا الله۔ (تفسیر خازن ج3ص76)

☼ علامہ بغوی رحمہ اللہ (م516ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وعن عبد الله بن عباس رضی الله عنهما قال: بین إبراهیم وبین عدنان ثلاثون قرنا لا یعلمهم إلا الله تعالی۔ (تفسیر بغوی ج3ص27)

☼ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م911ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

قال رجل لعلی بن أبی طالب رضی الله عنه: أنا أنسب الناس قال: إنك لا تنسب الناس قال: بلی فقال له علی رضی الله عنه أرأیت قوله تعالی: (وعادا وثمودا وأصحاب الرس وقرونا بین ذلك كثیرا) قال: أنا أنسب ذلك الكثیر قال: أرأیت قوله: !{ألم یأتكم نبأ الذین من قبلكم قوم نوح وعاد وثمود والذین من بعدهم لا یعلمهم إلا الله}! فسكت۔

(تفسیر در منثور ج4ص134)

☼ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (604ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وعن ابن عباس: بین عدنان وبین إسماعیل ثلاثون أباً لا یعرفون۔ (تفسیر کبیر ص70)

آیت نمبر20:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۔ (سورۃ البقرۃ:204)

☼ علامہ علی بن محمد الخازن رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

نزلت فی الأخنس بن شریق...... وكان یأتی رسول الله (صلی الله علیه وسلم) ویجالسه ویظهر الإسلام ویقول: إنی لأحبك ویحلف بالله علی ذلك وكان رسول الله (صلی الله علیه وسلم) یدنی مجلسه وكان الأخنس منافقاً فنزل فیه, ومن الناس من یعجبك قوله, أی یروقك وتستحسنه ویعظم فی قلبك فی الحیاة الدنیا۔ (تفسیر خازن ص144)

☼ علامہ بغوی رحمہ اللہ (م516) اس آیت کی تفسیر میں بالکل یہی الفاظ ارشاد فرماتے ہیں۔ (دیکھیے: تفسیر بغوی ص179)

☼ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وهو الأخنس بن شریق كان منافقا حلو الكلام للنبی صلی الله علیه و سلم یحلف أنه مؤمن به ومحب له فیدنی مجلسه فأكذبه الله فی ذلك۔ (تفسیر جلالین ص30)

☼ علامہ نسفی رحمہ اللہ اس آیت کے تفسیر میں لکھتے ہیں:

{وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا} یروقك ویعظم فی قلبك۔ (تفسیر نفسی ص115)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

احادیث مبارکہ اور نفی علم غیب

حدیث نمبر1:

عن جابر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول قبل أن یموت بشهر تسألونی عن الساعة ؟ وإنما علمها عند الله۔

(مشکاۃ المصابیح: باب قرب الساعۃ)

1: ملا علی القاری (م1014) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وهمزة الإنکار مقدرة أی أتسألونی (عن الساعة) أی القيامة وهی النفخة الأولی أو الثانية (وإنما علمها عند الله) أی لا یعلمها إلا هو۔ (مرقاۃ المفاتیح: باب قرب الساعۃ)

2: شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

گفت جابر شنیدم آنحضرت را فرمود پیش از رحلت خود بیک ماه (تسألوني عن الساعة؟) می پرسید مرا از وقت قیام قیامت (وإنما علمها عند الله) و نیست علم به تعیین وقت آں مگر ترو خداوند یعنی از وقوع قیامت کبریٰ پرسید آں خود معلوم من نیست و آں جز خدائے تعالیٰ نداند• (اشعۃ اللمعات: ج4 ص377)

حدیث نمبر2:

وعن جابر قال مرفوعاً: قال: لعلی لا أرا کم بعد عامی هذا. (مشکاة المصابیح: ج1 ص23)

کہ شائد میں آئندہ سال تمہیں نہ دیکھ سکوں۔

حدیث نمبر3:

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّاعَةِ فَقَالَ { عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ } وَلَكِنْ أُخْبِرُكُمْ بِمَشَارِيطِهَا وَمَا يَكُونُ بَيْنَ يَدَيْهَا إِنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا فِتْنَةً وَهَرْجًا۔

(مسند احمد: ج5 ص389، تفسیر ابن کثیر: ص248)

حدیث نمبر4:

عن أبی موسی الأشعری قال: سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الساعة وأنا شاهد فقال لا یعلمها إلا الله ولا یجلیها لوقتها إلا هو ولکن سأخبرکم بمشاریطها ما بین یدیها من الفتن والهرج.

(رواہ الطبرانی بحوالہ الدر المنثور: ج3 ص274)

حدیث نمبر5:

عن ابن مسعود رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: لقیت لیلة أسری بی إبراهیم وموسی وعیسی علیهم السلام فتذاکروا أمر الساعة فردوا أمرهم إلی إبراهیم فقال لا علم لی بها فردوا أمرهم إلی موسی فقال: لا علم لی بها فردوا أمرهم إلی عیسی فقال: أما وجبتها فلا یعلم بها أحد إلا الله تعالی۔ (تفسیر الدر المنثور: ج4 ص280)

اور امام حاکم کی روایت میں یوں ہے:

فقال عیسی: عهد الله إلی فیما دون وجبتها فلا نعلمها۔ (مستدرک الحاکم: ج4 ص488)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس حدیث کو امام احمد کی سند سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فهؤلاء أكابر أولى العزم من المرسلين، ليس عندهم علم بوقت الساعة على التعيين۔

(تفسیر ابن کثیر: ج4ص115)

اشکال:

یہ جو انبیاء علیہم السلام نے ایک دوسرے پر ڈالا وہ اس لیے تھا کہ راز فاش نہ ہو۔

جواب:

روایات میں صاف آ رہا ہے کہ ہم نہیں جانتے، ان کے پاس وقت مقررہ کا علم نہیں تو یہ بات کیسے نکل آئی کہ وہ راز فاش نہیں کرنا چاہتے۔ یہ تحریف فی معنی الحدیث ہے۔

حدیث نمبر6:

عن الشعبي قال: لقي عيسى جبريل فقال: السلام عليك يا روح الله قال: وعليك يا روح الله قال: يا جبريل متى الساعة فانتفض جبريل في أجنحته ثم قال: ما المسؤول عنها بأعلم من السائل ثقلت في السموات والأرض لا تأتيكم إلا بغتة۔ (تفسیر الدر المنثور: ج3ص274)

حدیث نمبر7:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللَّهُ لَا يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ إِلَّا اللَّهُ وَلَا يَعْلَمُ مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ إِلَّا اللَّهُ وَلَا يَعْلَمُ مَتَى يَأْتِي الْمَطَرُ أَحَدٌ إِلَّا اللَّهُ وَلَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ وَلَا يَعْلَمُ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللَّهُ۔ (صحیح البخاری: تفسیر سورۃ الرعد)

حدیث نمبر8:

عن سلمة بن الأكوع رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في قبة حمراء اذ جاء رجل على فرس فقال: من أنت قال أنا رسول الله قال: متى الساعة قال: غيب وما يعلم الغيب إلا الله قال: ما في بطن فرسي قال: غيب وما يعلم الغيب إلا الله: فمتى تمطر قال: غيب وما يعلم الغيب إلا الله۔ (الدر المنثور: ج5ص326)

حدیث نمبر9:

عن الربيع بنت معوذ رضي الله تعالى عنها قالت: دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم صبيحة عرسي وعندي جاريتان تغنيان وتقولان: وفينا نبي يعلم ما في غد فقال: أما هذا فلا تقولاه لا يعلم ما في غد إلا الله۔

(الدر المنثور: ج5ص326)

حدیث نمبر10:

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتى المقبرة فقال * السلام عليكم دار قوم مؤمنين وإنا إن شاء الله بكم لاحقون وددت أنا قد رأينا إخواننا قالوا أولسنا إخوانك يا رسول الله قال أنتم أصحابي وإخواننا الذين لم يأتوا بعد فقالوا كيف تعرف من لم يأت بعد من أمتك يا رسول الله فقال أرأيت لو أن رجلا له خيل غر محجلة بين ظهري خيل دهم بهم ألا يعرف خيله قالوا بلى يا رسول الله قال فإنهم يأتون غرا محجلين من الوضوء وأنا فرطهم على الحوض ألا ليذادن رجال عن حوضي كما يذاد البعير الضال أناديهم ألا هلم فيقال إنهم قد بدلوا بعدك فأقول سحقا سحقا۔ (صحیح مسلم: باب استحباب إطالة الغرة والتحجيل في الوضوء)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حدیث نمبر 11:

عن حذيفة رضى الله عنه قال : كنا جلوسا عند النبى صلى الله عليه و سلم فقال إنى لا أدرى ما بقائى فيكم فاقتدوا بالذين من بعدى وأشار إلى أبى بكر و عمر. (جامع الترمذی: ج2 ص207، مشکاۃ: ج2 ص560، ابن ماجۃ: ص60)

حدیث نمبر 12:

(حدیث میں ہے) قیامت کے دن اللہ مجھے ایسی تعریفیں الہام کرے گا جو مجھے معلوم نہیں۔ (صحیح البخاری: ج2 ص118)

حدیث نمبر 13:

فتحِ خیبر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو دعوت میں ایک یہودیہ عورت نے زہر دیا۔ کچھ اثرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر چلے گئے۔ بہر حال کھانے نے بول کر بتادیا کہ مجھ میں زہر ہے۔ آپ نے ساتھیوں کو روک دیا۔ ایک صحابی بشر بن براء نے کچھ کھالیا تو ان کی وفات واقع ہوگئی۔ (مشکاۃ: ج2 ص542)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت فرمایا: میں زہر کے علاوہ کوئی اور سبب نہیں سمجھتا، اس وقت میری رگِ جان کٹتی معلوم ہوتی ہے۔ (مستدرک الحاکم: ج3 ص219)

حدیث نمبر 14:

ایک آدمی نے آپ کے گھر میں سوراخ سے اندر جھانکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو دیکھ رہا ہے تو میں ضرور تیری آنکھ میں چونکا مارتا۔ (صحیح البخاری: ج2 ص922، صحیح مسلم: ج2 ص213)

حدیث نمبر 15:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن کہا جائے گا:

انك لا تدرى ما احدثوا بعدك. (صحیح البخاری: ج2 ص966)

حدیث نمبر 16:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں گھر کی طرف جاتا ہوں اور بستر پر کھجور پڑی ہوئی پاتا ہوں، اس لیے رکھ دیتا ہوں کہ کہیں صدقہ کی نہ ہو۔ (صحیح البخاری، صحیح مسلم، مشکاۃ المصابیح)

حدیث نمبر 17:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں ہے کہ یہ (گوہ) ان امتوں میں سے ہے جو مسخ کی گئی ہیں۔ (صحیح مسلم: ج2 ص151)

حدیث نمبر 18:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے بارے میں فرمایا:

ما المسئول عنها باعلم من السائل. (صحیح البخاری، صحیح مسلم، مشکاۃ المصابیح)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نفی علم غیب

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

هذه الخمسة لا يعلمها ملك مقرب ولا نبي مصطفى فمن ادعى أنه يعلم شيئاً من هذه الأمور فإنه كفر بالقرآن لأنه خالفه۔ (تفسیر الخازن: ج3 ص475)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ فَقَدْ كَذَبَ ثُمَّ قَرَأَتْ {وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا}۔

(صحیح البخاری: ج2 ص720)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

أوتي نبيكم صلى الله عليه وسلم علم كل شيء سوى هذه الخمس۔ (فتح الباری: ج8 ص653)

حضرات فقہاء کرام اور نفی علم غیب

1: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

ورأى المنصور في منامة صورة ملك الموت وسأله عن مدة عمره فأشار بأصابعه الخمس فعبرها المعبرون بخمس سنوات وبخمسة أشهر وبخمسة أيام فقال أبو حنيفة رضي الله عنه: هو إشارة إلى هذه الآية، فإن هذه العلوم الخمسة لا يعلمها إلا الله۔ (تفسیر المدارک: ج2 ص324)

2: امام قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ

أشياء استأثر الله بهن، فلم يُطلع عليهن مَلَكا مقربًا، ولا نبيا مرسلا {إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ}، فلا يدري أحد من الناس متى تقوم الساعة، في أي سنة أو في أي شهر، أو ليل أو نهار، {وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ}، فلا يعلم أحد متى ينزل الغيث، ليلا أو نهارًا، {وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ}، فلا يعلم أحد ما في الأرحام، أذكر أم أنثى، أحمر أو أسود، وما هو، {وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا}، أخير أم شر، ولا تدري يا ابن آدم متى تموت؟ لعلك الميت غدا، لعلك المصاب غدا۔ (تفسیر ابن کثیر: ج5 ص124)

3: امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ

مَا كَانَ فِي الْقُرْآنِ {مَا أَدْرَاكَ} فَقَدْ أَعْلَمَهُ وَمَا قَالَ {وَمَا يُدْرِيكَ} فَإِنَّهُ لَمْ يُعْلِمْهُ۔ (صحیح البخاری: ج1 ص270)

4: امام شافعی رحمہ اللہ

ان الله استأثر بعلم الغيب۔ (کتاب الام: ج2 ص203)

5: امام مجاہد بن جبر

وهي (3) مفاتيح الغيب التي قال الله تعالى: {وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لا يَعْلَمُهَا إِلا هُوَ}۔ (تفسیر ابن کثیر: ج5 ص124)

6: حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ

الروح استأثر الله تعالى بعلمه ولم يطلع عليه أحدا من خلقه۔ (فتح الباری: ج8 ص513)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

فتاویٰ جات فقہاء کرام اور نفی علم غیب

[1]: امام حسن بن منصور المعروف بقاضی خان فرماتے ہیں:

رجل تزوج امراۃ بغیر شھود فقال الرجل والمراۃ خدارا وپیغمبر راہ گواہ کردیم قالوا یکون کفر لانہ اعتقد ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھو ما کان لعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔

(فتاوی قاضی خان ج4ص469،468)

[2]: علامہ عبد الرشید ابو الفتح ظہیر الدین الولوالجی الحنفی تحریر فرماتے ہیں:

تزوج امراۃ ولم یطھر شاھد فقال: تزوجتك بشھادۃ اللہ ورسولہ کفر لانہ یعتقد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب اذ لا شھادۃ لمن لا علم لہ بہ ومن اعتقد ھذا کفر۔ (فتاویٰ ولوالجیہ بحوالہ ازالۃ الریب)

[3]: ابو حنیفہ ثانی علامہ ابن جنیم المصری رقمطراز ہیں:

وفی الْخَانِیَّۃِ وَالْخُلَاصَۃِ لو تَزَوَّجَ بِشَھَادَۃِ اللّٰہِ وَرَسُولِہٖ لَا یَنْعَقِدُ وَیَکْفُرُ لِاعْتِقَادِہٖ أَنَّ النبی یَعْلَمُ الْغَیْبَ۔

(البحر الرائق: ج2ص155 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[4]: فتاویٰ عالمگیری میں موجود ہے:

رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَأَۃً ولم یَحْضُرْ الشُّھُودُ قال خدایرا وَرَسُول را کواہ کردم أو قال خدای راوفرشتکان را کواہ کردم کَفَرَ وَلَوْ قال فَشَتّہ دَسَّتْ رَاسَتْ را کواہ کردم وفرشتہ دَسَّتْ جُبْ را کواہ کردم لَا یَکْفُرُ۔ (فتاویٰ عالمگیریہ: ج2ص288 قدیمی کتب خانہ)

[5]: علامہ ابن الھمام فرماتے ہیں:

علم المغیبات الا ما اعلمہ اللہ تعالیٰ بہ احیاناً وذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالی قل لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا اللہ کذا فی المامرۃ۔

(المسامرۃ شرح المسایرۃ فی العقائد: ص197، ص198)

[6]: ملا علی القاری فرماتے ہیں:

ثم اعلم ان الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمھم اللہ تعالیٰ احیاناً وذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالی قل لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا اللہ کذا فی المامرۃ۔ (شرح فقہ اکبر ص151)

[7]: علامہ محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری البزازی لکھتے ہیں:

تزوجھا بشھادۃ اللہ ورسولہ علیہ الصلاۃ والسلام لا ینعقد ویخاف علیہ الکفر لانہ یوھم انہ الصلاۃ والسلام یعلم الغیب۔ (فتاویٰ بزازیہ: ج1ص107، 108 قدیمی کتب خانہ)

[8]: امام عالم بن علائی الحنفی لکھتے ہیں:

تزوجھا بشھادۃ اللہ ورسولہ لا یجوز وعن شیخ الاسلام الامام ابی القاسم الصفار انہ قال: یکفر من فعلہ ھذا لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ: ج2ص453، 454 قدیمی کتب خانہ)

[9]: قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

اگر کسے بدون شہود نکاح کرد و گفت خدا ورسول گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر شود۔

(مالا بد منہ: 176)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نیز ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

اگر کوئی کہے خدا اور رسول اس پر گواہ ہیں وہ کافر ہو جاتا ہے۔(ارشاد الطالبین: ص20)

[10]: ملا علی القاری لکھتے ہیں:

ومن اعتقد تسوية علم الله ورسوله يكفر اجماعا كما لا يخفیٰ۔

(الموضوعات الکبیر: ص162 بحث حرف الیاء آخر الحروف فصل 13)

[11]: علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

تزوج بشهادة الله ورسوله لم يجز بل قيل يكفر (قيل يكفر) لأنه اعتقد أن رسول الله عالم الغيب۔

(رد المحتار علی الدر المختار: ص106 کتاب النکاح)

[12]: خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

رجل تزوج ولم يحضر شاهدا فقال خدائرا ورسول خدائرا گواه كردم وفرشتگانرا گواه كردم يكفر فی الفتاویٰ لأنه يعتقد أن الرسول والملك عالم الغيب۔ (ج4 ص385 کتاب الحظر والاباحۃ)

[13]: علامہ عبد الحئی لکھنوی لکھتے ہیں:

در فتاویٰ می نویسند: تزوجها بلا شهود وقال خدائی و رسول خداو فرشتگان را گواه كردم يكفر لانه اعتقد ان الرسول والملك يعلمان الغيب۔ (مجموعۃ الفتاویٰ: ص331 کتاب الکراہیۃ)

مسئلہ علم غیب پر دلائل اہل بدعت اور ان کے جوابات

دلیل نمبر 1:

قرآن پاک میں قرآن ہی کے متعلق ہے تبيانا لكل شيئ۔

یعنی ہر شے کا اس میں مفصل بیان ہے الخ

جواب نمبر 1:

آپ کا استدلال درست نہیں کیونکہ یہ قطعی الدلالۃ نہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ لفظ کل ہمیشہ عام ہو کر استعمال نہیں ہوتا بلکہ خاص معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

جواب نمبر 2:

اگر واقعۃً قرآن ہر شے کا بیان ہے تو فقہاء کرام کو اجماع و قیاس واجتہاد کی کیا ضرورت پیش آئی۔

جواب نمبر 3:

قرآن مقدس میں ہے لم نقصص عليك۔

یعنی بعض انبیاء کے قصے ہم نے آپ کو بیان نہیں کیے۔ کیا وہ ہر شے سے خارج ہیں یا داخل ہیں اگر داخل ہیں تو قرآن کی بات درست نہیں رہتی اور یہ بات سچی ہے تو کل شے سے مراد ہر ایک شے کا علم نہیں۔ تو پھر کل شی عام نہ رہا اسی طرح علم شعر اور ملکہ شعر گوئی اور علم غیر نافع کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ یہ کل شے میں داخل ہیں یا نہیں اگر ہیں تو یہ علوم سرکار طیبہ ﷺ کی شان کے لائق نہیں اور اگر نہیں تو کل شیٔ عام نہ رہا بلکہ خاص ہو گیا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر4:

قرآن پاک میں علی کل جبل بھی ہے اور اس سے مراد چند پہاڑ ہیں نہ کہ سارے عالم کے۔

اوتیت من کل شئ بھی ہے اور اس سے مراد وہی سامان ہیں جو ان کے مناسب تھا۔کیا ملکہ بلقیس کو نبوت ورسالت ملک سیلمان، مردانہ خصوصیات مثلاداڑھی وغیرہ مل گئی تھی؟

اگر نہیں تو آپ کا اصول ٹوٹ گیا کہ لفظ کل عام ہی ہوتا ہے۔

جواب نمبر5:

اب مطلب سنئے کہ کل شے کا اس آیت میں مطلب ہے کہ قرآن پاک میں امور دین کی ہر ایسی چیز کا بیان کر دیا گیا جسکی لوگوں کو حاجت پڑتی ہے دیکھئے تفاسیر

جواب نمبر6:

یہی دلیل شیعہ حضرات نے اصول کافی ص140 پر ائمہ کے علم ماکان ومایکون جاننے پر دی ہے تو پتہ چلا عقیدہ بھی انہی سے لیا دلائل بھی انہی سے۔

دلیل نمبر2:

وعلم آدم الاسمآء کلھا ۔القرآن. جب آدم علیہ السلام کو تمام ناموں اور ہر شے کا علم دیا تو سرکار طیبہ ﷺ کو بطریق اولی ملا ہو گا۔

جواب نمبر1:

عقائد قیاس سے ثابت نہیں ہوتے۔

جواب نمبر2:

دلیل قطعی الدلالۃ نہیں کیونکہ ناموں کی بات ہے نہ کہ ہر ہر ذرے کا علم۔

جواب نمبر3:

اگر سیدنا آدم علیہ السلام کو علم غیب مل چکا ہوتا شیطان کیسے آپ کو پھسلاتا۔

جواب نمبر4:

صاف مطلب یہ ہے کہ آپ کو ہر شے کے نام بتلا دیے گئے۔

دلیل نمبر3:

عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا ۔القرآن.

اللہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے پسندیدہ رسولوں کے۔تو معلوم ہوا کہ سب علم عطا فرما دیا۔

جواب نمبر1:

یہ قطعی الدلالۃ نہیں۔

جواب نمبر2:

یہ آیت مکی ہے جب کہ آپ کے نزدیک ہر شے کا علم تو نزول قرآن پر مکمل ہوا دلیل پہلے کی دعوی بعد کا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر3:

اسی آیت سے پہلے والی آیت میں علم قیامت سے سرکار طیبہ ﷺ نفی فرمارہے ہے تو یہ عموم آپ کا قرآن نے ہی توڑ دیا ہے۔

جواب نمبر4:

اس سے مراد بعض غیب کی خبریں ہیں جس سے اہل السنۃ کو انکار نہیں۔

دلیل نمبر4:

وما ھو علی الغیب بضنین۔ (القرآن)

آپ غیب بتانے پر بخیل نہیں۔ معلوم ہوا کہ تمام غیب ہی جانتے ہیں۔

جواب نمبر1:

یہ آپ کے دعوی پر قطعی الدلالۃ نہیں ہے۔

جواب نمبر2:

یہ آیت مکی ہے جو کہ آپ کے دعوی پر دلیل نہیں بن سکتی۔

جواب نمبر3:

بعض مفسرین نے ھو سے مراد قرآن لیا ہے دیکھیے تفسیر عزیزی، تفسیر حقانی۔ تو قطعی الدلالۃ نہیں لہذا اس مسئلہ میں مفید نہیں۔

جواب نمبر4:

ابن کثیر میں ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن نبی پاک ﷺ پر اتارا آپ اس قرآن کے سنانے پر بخل نہیں کرتے تھے۔

جواب نمبر5:

مقصد یہ ہے کہ جو اللہ تعالی نے آپ کو علم دیا آپ نے نہیں چھپایا بلکہ امت کو بتلا دیا ہے اور یہ علم وہی ہے جو آپکی شان کے لائق ہے۔

جواب نمبر6:

بضنین کو بعض نے بظنین بھی پڑھا ہے جسکا معنی تفسیر عزیزی میں ہے اے لوگوں جب نبی پاک ﷺ پر تم چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگاسکتے تو اتنی بڑی بات وحی غیب یعنی نبوت پر کس طرح جھوٹ کی تہمت لگاتے ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ بریلوی دعوی کیلئے قطعی الدلالۃ نہیں ہے اس لیے مفید نہیں۔

دلیل نمبر5:

وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ۔القرآن۔

یعنی اللہ تعالی اپنے رسولوں کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔

جواب نمبر1:

یہ آپ پر غزوہ احد میں نازل ہوئی اور آپ کا دعوی کلی کا، وفات سے کچھ پہلے پر ہے تو پہلے 3 ھجری میں دعوی کیسے ثابت کر رہے ہو۔

جواب نمبر2:

اس سے مفسرین نے بعض غیب کی بات کی ہے نہ کہ کلی وجمیع کی، اس سے بھی تمہارا دعوی ثابت نہیں ہوا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر 3:

یہ اطلاع علی الغیب ہے اس پر جھگڑا ہی نہیں۔ جھگڑا تو علم غیب پر ہے۔

دلیل نمبر 6:

وعلمك ما لم تكن تعلم ۔القرآن۔

ماعام ہے وہی ہے جو لہ ما فی السموت وما فی الارض میں ہے۔

جوب نمبر 1:

یہ آیت تو 4ہجری میں نازل ہوئی جو آپ کے دعوی کیلئے مفید نہیں۔ کما مر

جواب نمبر 2:

اگر ما عام ہے تو یعلمکم مالم تکونوا تعلمون میں بھی عام ہوا۔ پھر تو سب صحابہ کرام اور آپ ﷺ کو علم برابر ہوا۔ اور عام لوگوں کو بھی فرمایا۔ وعلمکم مالم تعلموا انتم ولا آباؤکم۔ پھر تو سب ہی نبی پاک ﷺ کے برابر علم والے جا ٹھہرے۔

اگر ما وہی ہے جو لہ ما فی السموت میں ہے تو پھر تم نے سرکار طیبہ ﷺ برابر کر دیا خدا کے۔ حالانکہ خدا کی مثال تو لانی ہی نہیں چاہیئے مخلوق کیلئے۔

جواب نمبر 3:

بعضوں نے اس سے مراد علم غیب لیا ہے مگر قیل کے ساتھ جو ضعیف کی طرف اشارہ ہے۔

جواب نمبر 4:

اس سے مراد قرآن و سنت کا علم اور بعض امور غیبہ اور مخفی کئی اشیاء کا آپ علیہ السلام کو علم عطا کیا گیا۔ تو اس سے آپ کا دعوی ثابت نہیں۔

جواب نمبر 5:

اس آیت کی مختلف تفسریں ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ قطعی الدالالۃ نہیں۔

دلیل نمبر 7:

علمه البیان ۔القرآن۔

آپ کو ماکان ومایکون کا علم دیا۔

جواب نمبر 1:

اول تو یہ قطعی الدلالۃ نہیں۔

جواب نمبر 2:

یہ آیت مکی ہے جو آپ کو مفید نہیں۔ کما مر

جواب نمبر 3:

کئی حضرات نے جنس انسان مراد لیے ہیں نہ کہ نبی پاک ﷺ ہی مراد لیے ہیں جیسے جلالین وغیرہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر4:

اگر آپ کی بات درست ہو تو تب بھی مراد اس میں سے جمیع ماکان وما یکون نہیں۔ بلکہ آپ علیہ السلام نے ہونے والی اور گذری ہوئی اخبار وواقعات میں سے کتنوں کو بیان کیا ہے۔ مگر بریلوی مسلک اس سے ثابت نہیں ہوتا۔

جواب نمبر5:

بریلوی مسلک کے معتمد علیہ بزرگ مولانا کرم دین دبیر فرماتے ہیں: علم ماکان وما یکون خاصہ ذات باری تعالی ہے۔

(آفتاب ہدایت ص185)

دلیل نمبر8:

قام فینا رسول اللہ ﷺ مقاما ماترک شیاء یکون فی مقامہ ذلك الی قیام الساعۃ الا حدث بہ۔ (متفق علیہ)

یعنی آپ علیہ السلام نے ایک مرتبہ ہم میں کھڑے ہو کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب بیان کر دیا کسی کو نہیں چھوڑا۔

ایک روایت یوں بھی ہے:

فاخبرنا بما ھو کائن الی یوم القیامۃ۔ (مسلم شریف)

یعنی جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا سب بیان فرمادیا۔

جواب نمبر1:

یہ خبر واحد ہیں جو کہ عقیدہ کے اثبات میں مفید نہیں۔

جواب نمبر2:

سیدنا حذیفہؓ سے پہلی روایت مروی ہے اور دوسری روایت کے الفاظ جیسی مسلم شریف میں ہے:

فاخبرنی رسول اللہ ﷺ بما ھو کائن الی ان تقوم الساعۃ۔

اور وہ خود ہی اس کی وضاحت فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار ﷺ سے کوئی ایسی بات نہیں جو نہ پوچھی ہو یعنی جو باتیں وہ پوچھتے رہے آپ بتاتے رہے تو معلوم ہوا کہ اس سے مراد وہی باتیں ہیں جو انہوں نے سرکار طیبہ ﷺ سے پوچھیں تھیں اور وہ تھیں کیا؟ اسی روایت کے آخر سے پتہ چلتا ہے کہ وہ فتنوں کے بارے میں تھیں۔ کیونکہ سیدنا حذیفہؓ فرماتے ہیں: میں وہ فتنہ نہیں پوچھ سکا جو اہل مدینہ کو مدینہ سے نکال دے گا۔

پتہ چلتا ہے کہ وہ گفتگو فتنوں کے بارے میں تھی۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان فتنوں کی بھی کئی باتیں بیان نہیں فرمائی۔

جواب نمبر3:

علامہ ابن خلدون کہتے ہیں ان جیسی سب احادیث کا مطلب یہ کہ فتنوں اور علامات قیامت کو بیان کرتی ہیں۔ (مقدمہ ص333)

جواب نمبر4:

کیا بریلوی حضرات کا ضمیر گوارا کرتا ہے کہ نبی پاک علیہ السلام نے ہر زمانے کے انسانوں کی تعداد، کافروں مسلمانوں، حیوانوں، جانوروں، چرند، پرند، کیڑے، مکوڑے، سب کی گنتی، تفصیل، مکمل حالات بتائے ہوں۔

جواب نمبر5:

ان احادیث کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے امور دین، کلیات دین اہم فتنے کئی واقعات وغیرہا بیان فرمائے ہوں اس سے بریلویوں کا دعوی ثابت نہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر 6:

ملا علی قاری فرماتے ہیں مراد دینی باتیں اور وہ باتیں ہیں جو ضروری ہیں۔ (مرقاۃ)

دلیل نمبر 9:

رب تبارک و تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی پشت پر دست قدرت رکھا تو آپ فرماتے ہیں:

فتجلی لی کل شیء۔

مجھ پر ہر شے روشن ہو گئی۔

جواب نمبر 1:

یہ خبر واحد ہے جو عقائد میں مفید نہیں۔

جواب نمبر 2:

جتنے وقت تک آپ کی پشت مبارک پر دست قدرت رہا ہر شے آپ اجمالی صورت میں منکشف ہو گئی جب دست اٹھا کیا گیا تو وہ کیفیت بھی جاتی رہی۔

جواب نمبر 3:

کیا خدا تعالیٰ کی حقیقت بھی آپ پر منکشف ہو گئی اگر نہیں تو عموم ٹوٹ گیا اگر ہاں تو اس پر دلیل چاہیے۔

جواب نمبر 4:

روایت کے آخر میں ہے: فعلمت ما فی السموت والارض۔

وہ اشیاء جو آسمانوں اور زمینوں سے وراء ہیں وہ بھی اس سے خارج ہو گئی ہیں۔ اور لفظ "ما" پر بحث پیچھے ہم کر چکے ہیں اور لفظ "کل" پر بھی پیچھے بحث ہو چکی ہے۔

دلیل نمبر 10:

ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذہ۔

یعنی میں دنیا کو اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے اسے ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو۔

جواب نمبر 1:

یہ روایت صحیح نہیں۔ اسکی سند میں ضعف ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھیے ازالۃ الریب 535)

جواب نمبر 2:

خبر واحد سے یہ عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔

جواب نمبر 3:

یہ قطعی الدلالۃ بھی نہیں کیونکہ "ما" عموم اور خصوص دونوں کیلئے ہو سکتا ہے۔

رد علمِ غیب پر کچھ دلائل بریلوی اکابر کے قلم سے

[1]: مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں:

جو علم عطاء ہو وہ غیب ہی نہیں کہا جاتا غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں۔ (جاء الحق ص 97)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

معلوم ہوا کہ علم غیب صرف خدا کے علم کو کہیں گے۔

[2]: پیر مہر علی شاہ صاحب لکھتے ہیں:

وہ خبر جو پیغمبر ﷺ دیتے ہیں وہ یا تو بذریعہ وحی حاصل ہوتی ہے یا اللہ تعالی اس کا علم ضروری نبی کے اندر پیدا فرمادیتے ہیں یا نبی کی حس پر حوادث کا انکشاف فرمادیتے ہیں تو یہ علم غیب میں داخل نہیں۔(اعلاء کلمۃ اللہ ص114)

[3]: مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی لکھتے ہیں:

علم غیب خدا کی سوا کوئی نہیں جانتا اور رسول وہی غیب جانتے ہیں جو اللہ بتائے۔(جاء الحق ص122)

[4]: بریلوی علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: اللہ تعالی کے غیر کیلئے علم غیب کا اطلاق کرنا اس لیے جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ علم کا تعلق ابتداء ہے تو یہ قرآن مجید کے خلاف ہو جائے گا لیکن جب اس کو مقید کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ اسکو اللہ تعالی نے غیب کی خبر دی ہے یا اس کو غیب پر مطلع فرمایا تو پھر اسمیں کوئی حرج نہیں۔(نعمۃ الباری ج1 ص273)

موصوف ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: علامہ نووی، علامہ کرمانی، علامہ عسقلانی، علامہ عینیؒ، اور دیگر علماء نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ جو بہ تقاضا بشریت غیب کا علم نہیں تھا۔(شرح مسلم م5 ص108)

[6]: مولانا عبد الحی لکھنویؒ (جن کو بریلوی اکابر اپنا عالم کہتے ہیں دیکھئے تنبیہات ص124) لکھتے ہیں:

علم غیب صفت مختصہ ہے اللہ تعالی کی جیسا کہ کتب عقائد میں تصریح موجود ہے۔(مجموعۃ الفتاوی ج1 ص146 ایچ ایم سعید)

[7]: عبد الحکیم شرف قادری لکھتے ہیں:

بغیر کسی شک وشبہ کے ہمارا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ غیب کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے نبی اکرم ﷺ یا کسی دوسری مقبول ہستی کی زبان پر جس غیب کا اظہار ہوا ہے یا تو وحی کے ذریعے ہے یا الہام سے نبی اکرم ﷺ نے غیب کی جتنی خبریں دی ہیں وہ اللہ تعالی کے بتانے سے اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت ورسالت کے طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔

(اسلامی عقائد ص113 مصدقہ، شاہ احمد نورانی، عبد القیوم ہزاروی، عبد الستار نیازی، سید احمد رضوی)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صفت نور و بشر

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

چند تمہیدی باتیں:

[۱]: بحث نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود پر ہو گی نہ کہ آپ کی روح مبارکہ پر اس لیے وہ دلائل پڑھے جائیں جو اس وجود مبارکہ سے متعلق ہوں۔

[۲]:

اس مسئلہ پر بریلوی حضرات چونکہ بشر کہنے اور ماننے والوں کو کافر کہتے ہیں اس لئے اس پر دلائل قطعیہ درکار ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

1: مولوی عبدالرشید رضوی لکھتے ہیں: اب جو نبی کو بشر کہے وہ نہ تو خدا ہے اور نہ ہی نبی۔ لہذا وہ کفار میں ہی داخل ہوا۔ (رشد الایمان ص45)

2: مولوی نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں: قرآن پاک میں جابجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا۔ (خزائن العرفان ص5)

3: مفتی احمد یار خان نعیمی نے بھی مثل عبدالرشید رضوی لکھا ہے دیکھیئے۔ (نور العرفان ص448،636)

4: ایک جگہ یوں لکھتے ہیں: انکو بشر ماننا ایمان نہیں۔ (تفسیر نعیمی ج1 ص100)

اس طرح کئی دلائل دیے جاسکتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ بریلوی عقیدہ قطعی ہے کہ نبی پاک علیہ السلام بشر نہیں ہیں اور صرف نور ہیں۔

بریلوی دعوی

نبی پاک علیہ السلام نور ہیں اور بشری لباس میں تشریف لائے۔

تنقیحات

تنقیح نمبر 1:

لباس بشری میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا آپ کی بشریت کی نفی ہے۔ کیونکہ لباس بشریت تو وہ پہنے گا جو بشر نہیں ہو گا جیسے جبرائیل امین بشر نہیں تو انکو لباس بشر میں آنا پڑتا تھا۔ تو وہ بشر نہیں تھے اس لیے تو لباس بشر میں تشریف لاتے اگر بشر ہوتے تو لباس بشریت میں آنیکی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس بشریت میں ماننا انکار بشریت ہے۔ کیونکہ بریلوی مسلک کے علامہ سعیدی لکھتے ہیں:

بعض لوگ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان اور بشر نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ آپکی حقیقت نور ہے اور بشریت آپکی صفت یا آپ کا لباس۔ (تبیان القرآن ج2 ص453)

نوٹ: لباس بشریت ہو اور ہوں نور تو پھر نورانی مخلوق فرشتہ ہوئے جبکہ یہ قرآن کے خلاف ہے۔

معلوم ہو گیا کہ لباس بشریت کہنا انکار بشریت جا نکلتا ہے۔ (بریلوی مسلک کی روشنی) اور بریلوی مشائخ و علماء نے یوں بھی لکھا ہے:

1)۔ جو شخص انبیاء و رسل کی بشریت کا انکار کرتا ہے وہ ان کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

(انوار رضا ص148۔ انوار کنز الایمان ص851۔ جمال کرم ج1 ص737)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

2)۔ اشرف جلالی کہتاہے بشریت ہمارے نزدیک قطعی عقیدہ ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ (نورانیت مصطفیٰ سے انکار کیوں؟ص9)

3)۔ مفتی صدیق ہزاروی لکھتاہے: انبیاء کرام بشر تھے اور ان کے بشر ہونے کا انکار کفر ہے۔ (عقائد وعبادات ص12)

ملاحظہ کیجیے! اہلِ بدعت اپنے ہی اصول و تحقیق کی بنیاد پر کیا ٹھہرے؟!

تنقیح نمبر2:

اگر بریلوی یوں کہیں کہ ہم آپکی بشریت کو مانتے ہیں اور اس دعوی سے اقرار بشریت ہو رہا ہے نہ کہ انکار۔ تو پھر ہماری طرف سے عرض یہ ہے کہ آپ کے علماء نے یہ جو لکھا ہے انکو بشر ماننا ایمان نہیں۔ (تفسیر نعیمی ج1ص100 مکتبہ اسلامیہ)

اور یہ جو لکھا ہے کہ جو ذات اقدس سب سے پہلے بشر (ابولبشر) سے بھی پہلے موجود ہو اس مقدس ومطہر ہستی کو بشر کہنا یا ماننا کس طرح صحیح ہے۔(انوار قمریہ ص94)

اور یہی بات مولوی عبد المجید خان سعیدی نے مصلحانہ کاوش(ص151) میں بھی نقل کی ہے۔ تو آپ اگر "بشر" مانتے بھی ہیں تو بات تو پھر بھی وہیں ٹھہری۔

تنقیح نمبر3:

کیا آپ کو "بشر" کہا جاسکتا ہے؟ تو بریلوی اس دعوی کی بنیاد پر جھٹ سے کہہ دیں گے نہیں کیوں؟ تو وہ جواب میں کہیں گے کہ کسی شے کا ہونا اور بات ہے اور اس پر کسی شے کا اطلاق نہ ہونا اور بات ہے مثلا اللہ تعالی کائنات کی ہر شے کا خالق ہے یہاں تک کہ خنزیر کتے بلے الخ۔

(ابلیس تا دیوبند ص46 رسائل اولیہ ج5)

اشرف جلالی صاحب کہتے ہیں: کوئی لفظ ہوتا ہے لیکن بولا نہیں جاتا کیا یہ سب کا عقیدہ نہیں کہ خنزیر کا خالق بھی اللہ ہے؟

(مفہوم قرآن بدلنے کی واردات ص187)

یہ بات جلالی صاحب نے بشر کہنے پر کہی ہے تو جب اتنی رذائل چیزوں سے تشبیہ دی جائے تو اس پر فتویٰ بھی تو ہونا چاہیئے تو مولوی حشمت علی کی کتاب الصوارم الہندیہ میں ہے:

جب رذائل کے ساتھ کسی چیز کو تشبیہ دی جاتی ہے تو اس سے توہین و تنقیص کے معنی نکلتے ہیں۔ (الصوارم الہندیہ: ص7)

اور مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: حضور کی شان میں ہلکے لفظ استعمال کرنا ہلکی مثالیں دینا کفر ہے۔ (نور لعرفان ص345)

اور مفتی حنیف قریشی کہتاہے: جانوروں کے ساتھ کسی جنس کا ذکر کیا جائے تو یہ اسکی توہین ہے۔ (مناظرہ گستاخ کون ص54)

تو بریلوی اپنے ہی اصول سے کیا ٹھہرے؟ فیصلہ خود کر لیجیے۔

تنقیح نمبر4:

اسی دعوی کے مطابق آپ علیہ السلام کا مادہ خلقت کیا ہے؟ اگر بریلوی کہیں کہ مادہ خلقت مٹی ہے نور نہیں تو پھر دعوی ٹھیک نہیں کہ کیوں کہ جس کا مادہ خلقت مٹی ہو وہ لباس بشریت میں نہیں ہوتا بلکہ حقیقی بشر ہوتا ہے۔ اور اگر کہیں کہ مادہ خلقت مٹی نہیں نور ہے تو یہ صراحۃ فاضل بریلوی کے خلاف ہے کیونکہ فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

میں اور ابو بکر وعمر ایک مٹی سے بنے اسی میں دفن ہونگے۔ (فتاوی افریقیہ: ص90)

اور یہ بھی بریلوی ضابطہ ہے کہ؛ جو احمد رضا خان کا ہم عقیدہ نہ ہو وہ کافر ہے۔

(دیکھئے: انوار شریعت ج1ص140، الصوارم الہندیہ ص138، فتاوی صدر لافاضل1ص134)

قارئین! خود فیصلہ کر لیجیے کہ اس اعتبار سے بھی یہ لوگ کیا ٹھہرے؟

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تنقیح نمبر5:

یہ جو آپ نے اپنے دعوی میں لباس بشریت کی بات کی ہے کیا آپکو معلوم ہے کہ لباس انسانی اور لباس بشریت کی بات سب سے پہلے مشرکین مکہ نے کی تھی جیسا کہ بریلوی جید عالم لکھتے ہیں:

جب کفر نے دیکھا کہ ......تو کہا اے لوگو محمد بشر ہر گز نہیں محمد کے روپ میں ہمارا خدا ہی ہمارے سامنے آگیا بلکہ یوں کہو کہ محمد دراصل خدا ہیں جو بدنِ انسانی میں ہمارے پاس آگئے ہیں جس نے بشری پیکر میں جلوہ نمائی کی جنھوں نے آدمی کا لباس اختیار کر کے ہماری زمین پر تشریف ارزانی کی ہے۔ (تحفظ عقائد اہل سنت ص 681)

معلوم ہو گیا کہ لباس انسانی کا قول سب سے پہلے مشرکین مکہ نے کیا اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہو گئی یہ بات بھی کفر کی ہے کہ خدا آپ علیہ السلام کی صورت میں انسانی لباس میں ظاہر ہوا، اور یہی بات بریلوی اکابرین بھی کہتے ہیں۔ مثلاً مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں:

لباس آدمی پہنا جہاں نے آدمی جانا
مزمل بن کے آئے تھے تجلی بن کے نکلیں گے

(مواعظ نعیمیہ حصہ اول ص119 وعظ نمبر 23)

مفتی فیض احمد اویسی لکھتے ہیں:

بجاتے تھے جو انی عبدہ کی بانسری ہر دم
خدا کے عرش پر انی انا اللہ بن کے نکلیں گے

(شہد سے میٹھا نام محمد ص205)

مولوی محمد یار فریدی لکھتے ہیں:

حقیقت جن کی مشکل تھی تماشا بن کے نکلیں گے
جسے کہتے ہیں بندہ قل ہو اللہ بن کے نکلیں گے

(دیوان محمدی ص149)

فیصلہ خود کر لیجیے کہ یہ حضرات کس کے نقش قدم پر ہیں؟!

تنقیح نمبر6:

معلوم ہو گیا کہ بریلوی بشریت کے منکر ہیں جو کہ اس دعوی سے بھی ثابت ہے اور در حقیقت یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کا منکر ہونا ہے کیونکہ مفتی احمد یار نعیمی صاحب لکھتے ہیں انبیاء کی بشریت ان کا کمال ہے تو یہ سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کا انکار کرنا ہے۔

تنقیح نمبر7:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے بشر کا لفظ پسند فرمایا۔ خود بھی اپنے کو بشر کہا اور صحابہ کرامؓ میں سے بھی کتنوں نے۔

(دیکھیے ابوداؤد ج2 باب کتابۃ العلم)

تو جو اس لفظ کو ناپسند کرے وہ اپنی خیر منائے کیونکہ سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کو ناپسند کرنے والا کافر ہے۔

(غازی ممتاز حسین قادری ص291)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلائل اہل بدعت کے جوابات

دلیل نمبر 1:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ. (سورۃ المائدۃ:15)

جواب نمبر 1:

یہاں "نور" سے مراد "نور ہدایت" ہے جیسا کہ سعیدی صاحب لکھتے ہیں کہ سید نعیم الدین مراد آبادی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہدایت ہونیکی تصریح کی ہے، زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سید عالم کو نور فرمایا کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔ (تبیان القرآن ج3ص139)

اور سعیدی نے اسی جلد میں لکھا ہے کہ اکثر مفسرین نے اس نور سے مراد نور ہدایت ہونا مراد لیا ہے۔

جواب نمبر 2:

بعضوں نے نور سے "قرآن" اور بعضوں نے "اسلام" مراد لیا ہے اور اکثر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا "نور ہدایت" ہونا مراد لیا ہے اس لیے یہ آیت قطعی الدلالۃ نہیں ہے۔ جو آپ کے لئے مفید ہو۔ کیونکہ قطعی عقیدہ دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے۔

جواب نمبر 3:

قرآن مقدس میں کئی جگہ قرآن مقدس کو بھی نور کہا گیا ہے۔ مثلاً

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا. (سورۃ النساء:174)

وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ. (سورۃ الاعراف:157)

وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ. (سورۃ الشوریٰ:52)

فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا. (سورۃ التغابن:8)

ان آیات میں قرآن مقدس کو بھی "نور" کہا گیا جو کہ یقیناً ہدایت ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے ہی نور ہیں مگر رضاخانی کہتے ہیں کہ جیسے جبرئیل علیہ السلام نور تھے ویسے ہی سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ تو جواباً گزارش ہے کہ قرآن نے کہہ دیا کہ آپ علیہ السلام فرشتہ نہیں ہیں۔ اور بریلوی اکابر نے بھی لکھا ہے فرشتہ ہوتا آپ کی ہتک تھی۔ (مقیاس نور ص304)

تو جب فرشتہ ہونا ہتک تھی تو اس کی طرح ہونا بھی تو ہتک ہوگی لہذا آپ قرآن مقدس کی طرح نور ہدایت ہیں۔

جواب نمبر 4:

آپ کے جسم مبارک کو نور ماننا اور بشر نہ ماننا یہ آپ کا کمال نہیں کیونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اگر محض نور مانا جائے تو یہ آپکی شان وکمال کو گھٹانے والی بات ہے۔

جواب نمبر 5:

اس آیت کی تفسیر میں کسی معتبر مفسر نے اگر بریلوی حضرات کا دعوی لکھا ہو تو پیش کرو؟

دلیل نمبر 2:

اول ما خلق اللہ نوری یا جابر ان اللہ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نورہ. الحدیث

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر1:

یہ احادیث قطعی تو در کنار صحیح بھی نہیں ورنہ انکی اسناد پیش کر کے رواۃ کی توثیق پیش کی جائے؟

جواب نمبر2:

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

اول ما خلق اللہ نوری وفی روایۃ روحی ومعناھما واحد الخ۔ (مرقات ج1 ص167)

تو معلوم ہوا کہ اس سے مراد صرف یہ ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا باقی "من نورہ" سے "نور من نور اللہ" ہونا مراد نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ اللہ تعالی کی طرف نسبت تعظیمی و تشریفی ہے۔ جیسا کہ بیت اللہ اور روح اللہ اور کلمۃ اللہ میں نسبت تعظیم و تکریم کیلئے ہے۔

جواب نمبر3:

اس دلیل میں یہ تو کہیں بھی نہیں کہ آپ کا مادہ خلقت نور ہے اور بشریت صرف لباس ہے۔

جواب نمبر4:

سیدنا جابر کی روایت سے صرف نبی پاک علیہ السلام کا نور ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ ساری کائنات کا نوری ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے یا تو سب کو نور مانو یا پھر نبی پاک علیہ السلام کا بھی جسم وجود کے اعتبار سے نور ہونا یعنی مادہ خلقت نور ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور پہلی حدیث کے آگے بھی بعض جگہ یوں ہے:

المؤمنون من نوری۔

کہیں ہے:

المؤمنون منی۔

اور کہیں ہے:

ومن نوری خلق کل شیء۔

سب کا مقصد یہ ہے کہ مخلوق میرے نور سے بنی ہے تو کیا اسے ماننے کیلئے بریلوی تیار ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام کیطرح ساری مخلوق نور ہے؟

جواب نمبر5:

"انا من اللہ والمؤمنون منی" کو محدثین نے موضوع من گھڑت قرار دیا ہے:

قال العسقلانی: انہ کذب مختلف فیہ وقال زرکشی لا یعرفہ وقال ابو تیمیۃ موضوع وقال السخاوی ھو عند الدیلمی بلا اسناد۔ (موضوعات کبیر: ص40)

دلیل نمبر3:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ان کی عمر پوچھی تو انہوں نے فرمایا: اس کے علاوہ میں نہیں جانتا کہ ایک ستارہ ستر ہزار سال بعد طلوع ہوتا تھا، میں نے اسے بہتر ہزار بار طلوع ہوتے دیکھا ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: یا جبرائیل! وعزۃ ربی جل جلالہ انا ذلك الکوکب۔ (تفسیر روح البیان بحوالہ رشد الایمان)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب:

اولاً۔۔۔۔یہ روایت درجہ صحت تک ہی نہیں پہنچتی۔

ثانیاً۔۔۔۔عقائد کے باب میں یہ کیونکر چل سکتی ہے۔

ثالثاً۔۔۔۔بات تو جسد مبارک کی چل رہی ہے، زیادہ سے زیادہ اس سے روح پاک کی تخلیق کا ذکر ہے جو کہ تمہیں مفید نہیں۔

دعویٰ اہل السنت والجماعت دیوبند

آپ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا مادہ خلقت مٹی ہے نور نہیں اور نبی پاک علیہ السلام صفات کریمہ کے اعتبار سے نور علی نور ہیں۔

دلائل اہل السنت والجماعت

دلیل نمبر1:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى۔ (یوسف:109)

ترجمہ: آپ سے پہلے ہم نے جتنے (پیغمبر) بھیجے وہ مرد ہی تھے کہ جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے (اور وہ) بستیوں کے رہنے والے تھے۔

دلیل نمبر2:

اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىۡ خَالِـقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِيۡنٍ۔ (سورۃ ص:71)

ترجمہ: جب تیرے رب نے فرشتوں کو کہا کہ میں مٹی سے بشر پیدا کرنے والا ہوں۔

دلیل نمبر3:

قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّىۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا. (سورۃ بنی اسرائیل:93)

ترجمہ: فرمادیجئے سبحان اللہ! میں تو آدمی ہوں بھیجا ہوا۔

دلیل نمبر4:

اَللّٰهُ يَصۡطَفِىۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔ (سورۃ الحج:75)

ترجمہ: اللہ، فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول منتخب کرتا ہے۔

دلیل نمبر5:

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ (سورۃ الکہف:110)

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ میں بشر ہوں جیسے تم بشر ہو، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔

دلیل نمبر6:

قُلۡ لَّوۡ كَانَ فِى الۡاَرۡضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّيۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَـكًا رَّسُوۡلًا. (بنی اسرائیل:95)

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ زمین میں اگر فرشتے مطمئن ہو کر چلتے تو ہم آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔

دلیل نمبر7:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کان بشرا من البشر۔ (شمائل ترمذی ص23 باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ کی آخری حدیث)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر8:

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا مربوعا۔ (شمائل ترمذی:ص1) کہ آپ میانے قد آدمی تھے۔

دلیل نمبر9:

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ۔ (صحیح البخاری:ج1ص519، 520)

ترجمہ: کیا تم اس آدمی کو قتل کرنا چاہتے جو یہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔

دلیل نمبر10:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قلنا اما الرجل الصالح فرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (المشکوۃ:ج2ص563)

ترجمہ: ہم (صحابہ) نے کہا: "رجل صالح" سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دلیل نمبر11:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنتا' لکھ لیا کرتا' تو قریش نے مجھے روکا اور کہا کہ تو ہر چیز لکھ لیتا ہے جو سنتا ہے:

وَرَسُوْلُ اللّٰهِ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَآءِ۔ (سنن ابی داود:ج2ص568)

ترجمہ: حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو بشر ہیں، غصہ اور رضاء کی حالت میں کلام کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔

دلیل نمبر12:

فرشتہ کہتا ہے: ما کنت تقول فی ھذا الرجل لمحمد۔ (صحیح البخاری:ج1ص184)

فرشتہ قبر میں سوال کرتا ہے کہ تو اس آدمی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

چند دلائل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ ہونے پر

دلیل نمبر1:

امام حاکم ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحافظ (م405ھ) اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، پھر پیچھے ہٹا لیا۔ ہم نے کہا: یا رسول اللہ ہم نے آپ کو اس نماز میں ایسی کارروائی کرتے دیکھا ہے جو آپ نے اس سے قبل نہیں کی۔ فرمایا: ہاں بلاشبہ مجھ پر جنت پیش کی گئی تو میں نے اس میں اونچے درخت دیکھے جن کے گچھے نیچے کو جھکے ہوئے تھے تو میں نے ارادہ کیا کہ ان سے کچھ لے لوں، پس میری طرف وحی آئی یہ کہ پیچھے ہٹ جا، سو میں پیچھے ہٹ گیا اور مجھ پر دوزخ بھی پیش کی گئی جو میرے اور تمہارے درمیان تھی یہاں تک اس کی آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا، پس میں نے تمہیں اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹ جاؤ، سو میری طرف وحی آئی کہ ان کو ان کی جگہ پر ٹکا رہنے دے کیونکہ تو نے اسلام

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

قبول کیا اور انہوں نے بھی، تو نے ہجرت کی اور انہوں نے بھی، تو نے جہاد کیا اور انہوں نے بھی، پس میں تیری ان پر بجز نبوت کے اور کوئی فضیلت نہیں دیکھتا، پس میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ میری امت میرے بعد فتنوں میں مبتلا ہو گی۔

(مستدرک الحاکم: ج4 ص456 قال الحاکم والذہبی: صحیح)

دلیل نمبر2:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے اور اس سفر میں بعض دیگر ازواجِ مطہرات بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ کا اونٹ بیمار ہو گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اونٹ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ صفیہ کا اونٹ بیمار ہے اے زینب! اگر اسے اپنا فالتو اونٹ دے دے تو بہتر ہو گا۔ انہوں نے کہا: کیا میں اس یہود یہ کو اونٹ دے دوں؟ ان کے اس نامناسب جواب سے آپ ناراض ہو گئے اور آپ نے ذوالحجہ، محرم دو یا تین ماہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جانا ہی ترک کر دیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ سے ناامید ہو گئی اور میں نے اپنی چارپائی وہاں سے ہٹا دی، فرماتی ہیں کہ میں اسی حالت میں تھی کہ اچانک ایک دن دوپہر کے وقت میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھا جو میری طرف آرہا تھا۔

(طبقات ابن سعد: ج8 ص126)

اس حدیث کے کے راوی یہ ہیں:

(1): عفان بن مسلم رحمہ اللہ:

آپ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام عجلی رحمہ اللہ ان کو ثقہ اور ثبت کہتے ہیں، امام ابو حاتم رحمہ اللہ ان کو ثقہ، امام اور متقن کہتے ہیں، علامہ ابن سعد رحمہ اللہ ان کو ثقہ، کثیر الحدیث، ثبت اور حجت کہتے ہیں، امام ابن خراش ان کو ثقہ من خیار المسلمین اور محدث ابن قانع ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ امام ابن حبان ان کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ج7 ص231 تا234)

(2): حماد بن سلمہ رحمہ اللہ:

علامہ ذہبی ان کو الامام، الحافظ اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ: ج1 ص189)

(3): ثابت بنانی رحمہ اللہ:

یہ بھی صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں۔ امام نسائی اور امام عجلی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ علامہ ابن سعد ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ محدث ابن حبان ان کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ج3 ص3)

(4): شمیسہ رحمہا اللہ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مقبولۃ من الثالثۃ۔ (تقریب التہذیب: ص473) کہ یہ تیسرے طبقے کے راویوں میں سے ہے اور مقبول ہے اور ان پر کسی کی کوئی جرح منقول نہیں ہے۔

(5): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا:

غرضیکہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں اور یہ روایت مسند احمد اور مجمع الزوائد میں بھی ہیں، اس کے الفاظ آخر میں یوں ہیں:

"یعنی جب ربیع الاول کا مہینہ آیا تو آپ میرے پاس آئے، فرماتی ہیں کہ جب میں نے آپ کا سایہ دیکھا تو میں نے کہا: یہ سایہ تو مرد کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آتے نہیں تو یہ کون ہے؟! اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہو گئے۔

(مسند احمد: ج6 ص336، مجمع الزوائد: ج4 ص323)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

سایہ نہ ہونے والی روایت اور اس کا جواب

اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ {صلی اللہ علیہ وسلم} لم یکن یری لہ ظل فی شمس ولا قمر۔
(الخصائص الکبریٰ: ج1 ص68)

جواب:

حکیم ترمذی ایک صوفی منش بزرگ تھے جن کی تالیفات میں رطب ویابس موجود ہے۔ اس حکیم ترمذی کی کتاب "نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول" ہے، انہوں نے اس کتاب میں روایت کو مرسلاً ذکر کیا ہے، پھر اسی روایت کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الخصائص الکبریٰ" میں نقل کیا ہے لیکن اگر اس روایت پر غور کیا جائے اور محدثانہ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت سراسر غلط اور بے اصل ہے کیونکہ اس روایت کو عبدالرحمن بن قیس الزعفرانی اور عبدالملک بن عبداللہ الولید، ذکوان کے واسطے سے بیان کرتے ہیں جو دونوں غیر معتبر ہیں۔ اب ان دونوں راویوں پر بحث کرلی جائے، اگر یہ راوی ثقہ اور معتبر ہیں تو روایت قابلِ قبول ہے ورنہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

چنانچہ پہلا راوی "عبدالرحمن بن قیس الزعفرانی" ہے۔ اس کے بارے میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ھو کذاب وضاع" یعنی وہ جھوٹا اور جھوٹی من گھڑت روایتیں بنانے والا تھا۔ (مناہل الصفافی تخریج احادیث الشفاء: ص7)

اور علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ دونوں کے متعلق فرماتے ہیں:

اما ذکرہ الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول عن عبدالرحمن بن قیس مطعون عن عبدالملک بن عبداللہ بن الولید وھو مجھول۔ (شرح الشفاء بر حاشیہ خفاجی: ج3 ص682)

ملا علی قاری رحمہ اللہ کے نزدیک نوادر الاصول کی زیر بحث روایت کے دونوں روای مجروح ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عبدالرحمن بن قیس الضبی أبو معاویۃ الزعفرانی متروک کذبہ أبو زرعۃ وغیرہ۔

(تقریب التہذیب: رقم الترجمہ 3989)

کہ عبدالرحمن بن قیس الضبی ابو معاویہ متروک ہے (جس سے روایت لینا جائز نہیں) اور ابو زرعہ نے اسے جھوٹا کہا ہے۔

چنانچہ نوادر الاصول کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نوادر الاصول اکثر احادیث غیر معتبر دارد۔ (بستان المحدثین ص68)

ترجمہ: نوادرالاصول کی اکثر حدیثیں غیر متعبر ہیں۔

نیز یہ روایت مشاہدہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ آپ کے بشر ہونے میں تو فریق مخالف کو بھی اختلاف نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری جسم کے مرئی ہونے کا فریق مخالف بھی غالباً انکار نہ کر سکے گا ۔ جیسے بقیہ انسان مرئی اور جسم دار ہیں اور ان کے سائے بھی ہیں اسی طرح سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی جسم تھا پھر سایہ نہ ہونا چہ معنیٰ دارد؟!! الّا یہ کہ جب تک کوئی یقینی اور قطعی دلیل اس عام لازم سے آپ کو مخصوص اور مستثنیٰ نہ کردے اور یہ ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک فریق مخالف ثابت نہ کر سکے گا۔ اس لیے سایہ نہ ہونے کا عقیدہ لغو اور باطل ہے اور اس کے بطلان پر واضح احادیث موجود ہیں۔ بریلوی حضرات کے بہت بڑے عالم مولوی عبدالدائم دائم صاحب نے سیر سید الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں 50 سے زیادہ صفحات پر یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا اور اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عباراتِ اکابر

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْدُ!

تمہیدی معروضات:

حضرات اکابرین رحمہم اللہ کی عبارات پر مخالفین کی طرف سے کئے گئے اعتراضات اور ان کے جوابات شروع کرنے سے پہلے چند باتیں عرض خدمت ہیں۔

[۱]: امن وسکون کو برقرار رکھنے کے لیے یہ اصول اپنایا جائے کہ عبارت کا مطلب مصنف خود ہی بیان کرے۔

مگر فاضل بریلوی اور اس کے چاہنے والوں نے اس اصول کو یکسر نظر انداز کر کے عبارت کسی کی اور مطلب اپنی طرف سے بنا کر وار کیے بلکہ بعض موقعوں پر تو فاضل بریلوی وغیرہ سے یوں بھی ہوا ہے جسے شہید اسلام مصلح الامۃ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے، موصوف لکھتے ہیں:

”راقم الحروف غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ جناب مولانا احمد رضا خان صاحب کا قلم اور حجاج بن یوسف کی تلوار توام (جڑواں) پیدا ہوئے تھے۔ ان کے قلم کو تکفیر کا وہی چسکا تھا جو حجاج کی تلوار کو خون آشامی کا۔ وہ فطرتاً مجبور تھے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو تیغ تکفیر سے نیم بسمل کریں، اگر کسی کی کوئی عبارت یا عبارت کا نا تمام جملہ انہیں ایسا مل جاتا جو ان کے ذوق کافر گری کی تسکین کا سامان بن جاتا تو وہ اسے کافی سمجھتے تھے اور اس کی دوسری تحریروں سے آنکھیں بند کر لینا فرض سمجھتے تھے اور اگر خدانخواستہ انہیں ایک آدھ جملہ بھی میسر نہیں آتا تو وہ اپنے ذوق کی تسکین کے لیے خود ہی ایک عبارت بنا کر کسی صاحب سے منسوب کر دیتے اور اس کی بنیاد پر انہیں کافر گری کا جواز مل جاتا، وہ شخص ہزار چیخے، چلائے، شور مچائے کہ یہ عبارت میری نہیں، میں ایسی عبارت لکھنے پر لعنت بھیجتا ہوں مگر خان صاحب فرماتے ہیں کہ یہ عبارت ہم نے تمہارے نام سے چھاپی ہے اور اتنی مدت سے چھاپ رہے ہیں، لہٰذا تمہیں تسلیم کرنا ہوگا کہ عبارت تمہاری ہے اور اس لیے تم کافر ہو۔

میں نے یہ جو کچھ لکھا ہے یہ ظرافت نہیں بلکہ واقعہ ہے۔ خان صاحب کو دو بزرگ ایسے ملے جن کی تحریر میں ان کو کوئی کلمہ کفر نہیں مل سکا جس کی بنیاد پر انہیں کافر بناتے، اس لیے خان صاحب نے ایک صاحب کی طرف تو خود ایک عبارت بنا کر منسوب کر دی اور ان پر کفر کا فتویٰ صادر کر کے اکابر حرمین سے ان کو رجسٹری کروایا۔ یہ شخصیت قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ کی تھی... اس فتوے کی جس پر خان صاحب نے تکفیر کی بنیاد رکھی ہے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی اور جب اس کا علم ہوا تو اس سے براءت کا اظہار فرمایا اور ایسا لکھنے والے کو ملعون قرار دیا۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص208 الجنۃ لاھل السنۃ: ص93)

مگر جناب خان صاحب کا اصرار مدت العمر یہی رہا کہ چونکہ ہم آپ کی طرف اس عبارت کو منسوب کر کے کفر کا فتویٰ رجسٹری کروا چکے ہیں لہٰذا یہ عبارت یقیناً آپ ہی کی ہے اور ہونی چاہیے اور لطف یہ کہ آج تک حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے انکار کے باوجود خان صاحب اور ان کی جماعت کا اصرار باقی ہے۔

کچھ اسی قسم کا حادثہ خان صاحب کو حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ قدس سرہ کے بارے میں پیش آیا، خان صاحب کا قلم حضرت مرحوم کو کافر بنانے کے لیے بے تاب تھا مگر مشکل یہ تھی کہ حضرت رحمہ اللہ کے دفتر تحریر میں خان صاحب کو ایک فقرہ بھی ایسا نہ مل پاتا تھا جس کی بنیاد پر ان کی تیغ تکفیر نیام سے باہر نکل آتی، اس مشکل کا حل خان صاحب نے یہ تلاش کیا کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی اس کتاب

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

سے جو صرف مسئلہ ختم نبوت پر لکھی گئی اور جن میں منکرینِ ختم نبوت کو صاف الفاظ میں "کافر" کہا گیا ہے، تین جملے تلاش کیے اور ان کو آگے پیچھے جوڑ کر مربوط اور مسلسل عبارت بناڈالی۔ پس خان صاحب کی تکفیر کے لیے جواز پیدا ہو گیا۔ خان صاحب نے جس چابکدستی سے تین الگ الگ جگہ سے تحذیر الناس کے ناتمام جملوں کو ملا کر ایک مکمل عبارت تیار کرائی وہ ان کی مہارت فن کا شاہکار ہے۔

(تحفہ قادیانیت از شہیدِ اسلام: ج2 ص132 تا134)

بریلویوں کے بڑے عالم مولوی خلیل احمد برکاتی نے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ فاضل بریلوی کو عباراتِ غیر میں تحریف کا چسکا تھا۔

اب آیئے عبارات کی طرف! ہم صرف حسام الحرمین میں اکابر دیوبند پر کیے گئے اعتراضات کا جائزہ مختصراً عرض کرتے ہیں۔

الزام بر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

حضرت نانوتوی کی عبارات کو سمجھنے سے پہلے تھوڑی سی تمہید:

اس کے لیے ہم حضرت العلامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے چند باتیں عرض کر رہے ہیں:

یوں سمجھیے ایک کمرے میں 10 آدمی یکے بعد دیگرے داخل ہوئے، کیا کوئی بھی یہ کہے گا کہ آخری آدمی ان سب سے افضل ہے کیونکہ وہ آخر میں آیا؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح سیدنا علیؓ کا زمانہ خلافت بعد میں ہے مگر افضل پہلے خلفاء ہیں۔ تو معلوم ہوا محض آخر میں آنے کی وجہ سے آدمی افضل نہیں ہوتا۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن نے تو خاتم الانبیاء کی اسی وصف کی وجہ سے تعریف کی ہے۔ جب محض آخر میں آنا افضلیت کی بات اور دلیل نہیں تو اس آیت سے تعریف کیونکر ثابت ہو گی؟!

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ہمارے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اعلیٰ اور مقام و مرتبہ سب سے بلند بالا ہے اس لیے آپ کو آخر میں مبعوث کیا گیا۔ تو آپ کے آخری نبی ہونے کی وجہ اور علت یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی شان و مقام و مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے۔ یہیں ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ کیا یہ ضروری ہے کہ جس کی شان سب سے زیادہ ہو اس کو آخر میں بھیجا جائے؟ تو ہم اس کے متعلق یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے بھیج دیا جاتا تو آپ کے بعد آنے والے نبی مقام میں کم ہونے کی وجہ سے ان کے لائے ہوئے احکامات بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکامات سے مقام میں کم ہوتے۔ یہاں قرآن تھا وہاں صحائف یا دیگر کتب ہوتیں، تو پھر اعلیٰ احکام کو ادنیٰ کے ذریعے منسوخ کر دیا جاتا۔

اور اگر درمیان میں بھی آتے تو بھی یہی صورت بنتی کہ نسخ اعلیٰ بالادنیٰ ہوتا یعنی کم مقام والے احکامات کے ذریعے اعلیٰ شان و مقام والے احکام منسوخ ہو جاتے جو کہ حکمت خداوندی کے خلاف ہے۔ کیونکہ حکمت تو یہ ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا الایۃ یعنی جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسی جیسی (آیت) لے آتے ہیں۔

تو نہ تو آپ علیہ السلام کے برابر کوئی تھا اور نہ افضل، اسی وجہ سے آپ کا آخر میں آنا آپ کا کمال ہے۔ اب سوال پیدا ہوا کہ آپ علیہ السلام کے برابر یا افضل کیوں کوئی نہیں ہو سکتا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوصاف کی دو قسمیں ہیں؛ ذاتی اور عرضی۔ ذاتی اس وصف کو کہتے ہیں جو اپنے موصوف کے لیے شروع ہی سے ثابت ہو اور عرضی کہتے ہیں کہ جو اپنے موصوف کے لیے شروع ہی سے تو نہ ہو، البتہ بعد میں ثابت ہو یا ذاتی اس وصف کو کہتے ہیں کہ یہ وصف اس کا اپنا ہوتا ہے یعنی کسی ذریعے سے نہیں ملتا اور عرضی اس وصف کو کہتے ہیں جو اپنا نہیں ہوتا بلکہ کسی کے ذریعے سے ملتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ درو دیوار روشن ہیں، ان پر روشنی سورج کی ہے۔ تو درو دیوار کی روشنی عرضی ہے ذاتی نہیں، اس لیے رات کو یہ روشن نہیں اور سورج کی روشنی

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ذاتی ہے، وہ کبھی بھی اس سے جدا نہیں ہوتی۔ اسی طرح چاند کی روشنی اپنی نہیں بلکہ اس میں روشنی سورج سے آرہی ہے۔ تو چاند کی روشنی جن چیزوں پر پڑتی ہے ان کو روشنی چاند کی وجہ سے ملی۔ اب سلسلہ چلا کہ رات کو مختلف اشیاء روشن ہیں چاند کی وجہ سے اور چاند روشن ہے سورج کی وجہ سے۔ تو روشنی کا سلسلہ یہاں سورج پر آکر ختم ہوا۔ اسی طرح دیکھیے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کو جب پیدا کیا گیا تو اسے نبوت سے سرفراز کیا گیا اور باقی نبیوں کو نبوت بعد میں ملی۔ گویا آپ علیہ السلام موصوف بالذات ہوئے وصف نبوت سے اور باقی انبیاء موصوف بالعرض ہوئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا تو اپنی حکمت کاملہ سے آپ کی یادداشت کے اوپر حکمت کے پردے لٹکا دیئے، آپ علیہ السلام کو پچھلا منظر یاد نہ رہا۔ جب آپ کی عمر مبارک 40 سال کو پہنچی تو پھر آگاہ فرمایا کہ اپنی نبوت کا اعلان فرمادیں۔ القصہ آپ علیہ السلام اس وصفِ نبوت سے موصوف بالذات ہیں تبھی تو آپ ارشاد فرمارہے ہیں کہ:

کنت نبیا و آدم بین الروح و الجسد کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم روح اور جسد کے مابین تھے۔

اب دیکھیے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے رات کو روشنی جو مختلف چیزوں پر ہے یہ آتی ہے چاند سے اور چاند کی روشنی آئی سورج سے اور یہاں سورج پر پہنچ کر سلسلہ ختم ہو گیا۔ اسی طرح تمام انبیاء کی نبوت آپ علیہ السلام کے وسیلے سے ان کو ملی ہے اور آپ علیہ السلام کی نبوت بالذات ہے یعنی کسی کے وسیلے سے نہیں ملی تو یہ سلسلہ آپ علیہ السلام پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔ یعنی آپ علیہ السلام پر تمام کمالات کو، تمام محاسن و فضائل کو ختم کر دیا گیا۔ اس کو "ختم نبوت مرتبی" کہتے ہیں۔ یہ مقام و مرتبہ اس وقت سے ملا جب آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے لیکن اس ختم نبوت مرتبی کے باوجود انبیاء تشریف لاتے رہے اور سلسلہ نبوت چلتا رہے اور جب آپ اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ نے اعلان فرمادیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ تو پھر ختم نبوت زمانی کہ آپ کے زمانہ کے بعد کوئی نبی نیا نہیں آئے گا، بھی آپ کو حاصل ہو گئی۔ اب دو قسم کی ختم نبوت ہوئیں:

1۔ ختم نبوت مرتبی

2۔ ختم نبوت زمانی

پہلی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے سب کو عزت و عظمت اور کمال نصیب ہوا، آپ تمام مراتب و مقامات میں آخری ہیں۔

دوسری کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری پر نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا کہ اب کوئی نبی پیدا نہ ہو گا۔

ہمارے نزدیک دونوں قسم کی ختم نبوت پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔

ایک دوسری طرح سے دیکھتے ہیں:

ایک "نقطہ" ہوتا ہے اور اسے مرکزِ دائرہ بھی کہتے ہیں اور ایک اس کے گرد دائرہ ہوتا ہے اس کو "محیط" کہتے ہیں۔ اب دائرہ کا اس مرکز سے پورا تعلق ہوتا ہے اور دائرہ اسی مرکز کی وجہ سے بنتا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مرکزِ نبوت ہیں اور باقی انبیاء دائرہ نبوت ہیں۔ مرکز نہ ہو تو دائرہ کہاں؟ تو یہ دائرہ اسی مرکز کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تو تمام انبیاء کو نبوت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ملی اور سارے انبیاء کا سلسلہ نبوت آکر آپ علیہ السلام پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کو "ختمِ نبوت زمانی" کہتے ہیں اور اللہ نے شان و مرتبہ و مقام و منصب کو بھی آپ پر ہی ختم فرمادیا، تو اسی کو "ختم نبوت مرتبی" کہتے ہیں۔

القصہ سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں قسم کی ختم نبوت حاصل ہے۔ قادیانی صرف ایک مانتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم ختم نبوت مرتبی مانتے ہیں اور یہ مسلمان صرف ختم نبوت زمانی مانتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھیے کہ قادیانی سے برسوں پہلے خدا تعالیٰ نے مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کو پیدا کیا اور ان سے یہ جواب دلوا دیا کہ ہم مسلمان دونوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس طرح قادیانیوں کا منہ بند کر دیا۔

اس بات کو دوبارہ ذہن نشین فرمالیں کہ مولانا نانوتوی نے یہ نہیں فرمایا کہ آخر میں آنے میں کوئی فضیلت نہیں بلکہ آپ نے یہ فرمایا ہے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

کہ آخر میں آنے میں بالذات فضیلت نہیں یعنی بالعرض تو فضیلت ہے اور وہ ہم عرض کر چکے ہیں۔ (ماخوذ از مناظرے مباحثے بتغیر یسیر)

اب دیکھیے اصل عبارات کو: "اگر آپ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی بالفرض نبی موجود ہو تو بھی ختم نبوت میں فرق نہیں پڑتا۔"

تو اس سے مراد حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کی یہ ہے کہ "خاتمیت مرتبی" میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ تو آپ کو شروع ہی سے حاصل تھی اور دیگر انبیاء تشریف لاتے رہے تو فرق نہ پڑا۔ اب اگر بالفرض والمحال کوئی نبی آجائے تو کیسے فرق پڑے گا؟ سوال ہو گا کہ خاتم زمانی میں تو فرق پڑے گا۔ جواب یہ ہے کہ بالکل پڑے گا، اسی لیے تو حجۃ الاسلام نے "بالفرض" اور "اگر" جیسے لفظ استعمال کیے ہیں کہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ آپ علیہ السلام کے بعد کوئی نیا نبی آئے۔ یہ عبارت تو صرف خاتمیت مرتبی کو ہی سامنے رکھتے ہوئے حضرت نے فرمائی ہے۔ اگر آپ رحمۃ اللہ علیہ نبی کے آنے کو جائز مانتے ہوتے تو آپ "فرض" کیوں کرتے اور یہ بات تو فاضل بریلوی بھی لکھتے ہیں کہ فرض محالات جائز ہے۔

(اللہ جھوٹ سے پاک ہے ص139)

تو اعتراض کیوں؟ باقی ختم نبوت زمانی کا خیال کر کے اسے محال سمجھا کہ آپ کے بعد کوئی نبی آئے تبھی تو فرض کیا۔ جیسے بریلویوں نے لکھا ہے کہ اگر مرزا قادیانی نبی ہوتا تو سیدنا ابراہیم کی اولاد سے ہوتا۔ تو جیسے یہ "اگر" کہنے سے نبی بن نہیں گیا تو یہاں بھی "بالفرض" اور "اگر" کہنے سے نئے نبی کے آنے کو ممکن نہیں مانا جارہا بلکہ محال ہی مانا جارہا ہے کیونکہ محال کو ہی فرض کیا جاتا ہے نہ کہ ممکن کو۔ بعض لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ خاتم زمانی کو خاتم مرتبی کے لیے لازم مانتے ہو، جب نیا نبی آجائے خاتم زمانی ٹوٹ گیا اور جب وہ نہ رہا تو ملزوم بھی نہ رہا۔

تو جواباً عرض ہے کہ اسی لیے تو حجۃ الاسلام نے "بالفرض" اور "اگر" کا لفظ کہا ہے یعنی ایسا ہونا محال ہے نا کہ ممکن، اور محال کو فرض کرنا جرم نہیں۔ قرآن مقدس میں بھی محالات کو فرض کیا گیا ہے جیسے اگر رحمن کا بیٹا ہوتا...الخ، اور اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا دوسرے خدا ہوتے الخ...

ایک اور بات بھی ملحوظ رہے کہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی ختم نبوت زمانی کے قائل ہیں اور منکر کو کافر کہتے ہیں۔ دیکھیے شیخ العرب و العجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاتم زمانی ہونے کی پانچ دلیلیں ذکر فرمارہے ہیں۔ تین دلیلیں آیتِ قرآنی سے، ایک حدیث سے اور ایک اجماع اُمت سے۔ آیت قرآنی اس بارے میں ہے "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ"

[**دلیل نمبر1**] پس لفظ "خاتم النبیین" یا تو عام مانا جائے کہ جس کے دو افراد ہوں؛ ایک خاتم مرتبی اور دوسرا خاتم زمانی اور لفظ "خاتم" کا دونوں پر اطلاق اس طرح کیا جاتا ہے جیسے کہ مشترک معنوی اپنے متعدد افراد پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ (جیسے لفظ "عین" کئی معنوں میں مشترک ہے، ہر ایک پر برابری کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ از ناقل) پس اس دلیل سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر دو وصف اس آیت سے ثابت ہوں گے۔ (اور یہ دلالت مطابقی ہے کہ لفظ اپنے کل موضوع لہٗ پر دلالت کرے۔ از ناقل) یہ دلیل اول کی اجمالاً تقریر ہوئی۔

[**دلیل نمبر2**] اور دلیل ثانی کی تقریر یہ ہے کہ لفظ "خاتم" کے معنی حقیقی خاتمیت مرتبی کے لیے جاویں اور خاتمیت زمانی معنی حقیقی نہ ہوں بلکہ مجازی ہوں لیکن آیت میں مراد ایسے معنی ہوں کہ جو معنی حقیقی اور مجازی دونوں کو شامل ہوں بطریق عموم مجاز کے۔ اس صورت میں ہر دو وصف کا ثبوت آپ کی ذات پاک کے لیے ظاہر ہے۔

[**دلیل نمبر3**] اور دلیل ثالث یہ ہے کہ معنی حقیقی خاتم کے خاتمیت مرتبی کے ہیں لیکن خاتمیت مرتبی کو خاتمیت زمانی لازم ہے۔ (تاکہ نسخ الاعلی بالادنی لازم نہ آئے، اسی لیے یہ ختم زمانی ختم مرتبی کو لازم ہے۔ از ناقل) اس لیے بدلالت التزامی آیت خاتمیت زمانی پر دلالت کرے گی اور اس آیت سے خاتمیت مرتبی اور زمانی کا ثبوت لازم آئے گا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

[**دلیل نمبر4**] دلیل چہارم یہ کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہوگیا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، اس لیے ثبوت خاتمیت زمانی کا ضرور ہوگا اور منکر اس کا اسی طرح کافر ہو جیسے کہ منکر احادیث متواترہ کا لیکن ان احادیث کا تواتر لفظی نہیں تواتر معنوی ہے۔

[**دلیل نمبر5**] دلیل پنجم یہ ہے کہ اجماع اُمت کا منعقد ہوگیا ہے کہ آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم الانبیاء زماناً ہیں اور اقرار اجماع کا کرنا ضروری ہے اور منکر اس کا کافر ہے۔" (الشہاب الثاقب ص73،74)

خان صاحب کے "کارنامے"

فاضل بریلوی نے عبارتوں کو نقل کرنے میں قطع وبرید سے کام لیا۔ وضاحت پیشِ خدمت ہے:

نمبر1:

1۔ تین عبارتوں کو ایک بنادیا مثلاً عربی عبارت جو بنائی وہ یہ ہے:

ولو فرض فی زمنه صلی الله علیه وسلم بل لوحدث بعده صلی الله علیه وسلم نبی جدید لم یخل ذالك بخاتمیته وانما یتخیل العوام انه صلی الله علیه وسلم خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین مع انه لا فضل فیه اصلا عند اهل الفهم.

(حسام الحرمین عربی اردو، ص19)

ولو فرض فی زمنه صلی الله علیه وسلم (ایک ٹکڑا)، بل لوحدث بعده صلی الله علیه وسلم نبی جدید لم یخل ذالك بخاتمیته (دوسرا ٹکڑا)، وانما یتخیل العوام سے آخر تک۔ (تیسرا ٹکڑا)

پہلا ٹکڑا: تحذیر الناس کے ص14 کا ہے۔ اس کے شروع اور آخر سے عبارت کو کاٹ دیا۔

دوسرا ٹکڑا: ص28 کا اس کے ساتھ بھی یہی حشر کیا

تیسرا ٹکڑا: پھر ص3 کا ٹکڑا لے آئے اور اس کے ساتھ بھی یہی حشر کیا۔

ہمارا سوال ہے بریلوی حضرات سے کہ اگر تمہارے بقول تینوں ٹکڑے کفر تھے تو یہ بتاؤ کہ سیاق وسباق کے کاٹنے کی ضرورت کیا تھی اور عبارات میں تقدیم وتاخیر کہ پہلے والی عبارت کو آخر میں لانے اور آخر والی عبارت کو درمیان میں لانے کی اور درمیان والی عبارت کو شروع میں لانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ عبارات کفریہ ہوتیں تو فاضل بریلوی کو اس دوڑ دھوپ کی ضرورت نہ تھی؟

پھر فاضل بریلوی نے یہ بھی نہیں بتایا کہ عبارات تین ہیں بلکہ ایک ہی بنا کر دکھائی۔ پھر درمیان میں کچھ فاصلہ بھی نہیں رکھا اور تو اور ترتیب بھی بہت ہی خاص انداز میں بنائی: پہلے ص14 پھر ص28 پھر ص03

یعنی ترتیب کو نہ شروع سے کیا کہ چلو ص03 پھر ص14 پھر ص28 ہو یا اُلٹ کر کے ص28، ص14، ص3 ہوتے۔ خدا برا کرے اس تعصب کا۔

بہر حال سیاق وسباق سے عبارات کو کاٹ کر ان عبارات کو پیش کیا جو کہ کبھی بھی تکفیر کے لیے مفید نہیں کیونکہ بریلوی مناظر علامہ اشرف سیالوی صاحب، پیر نصیر الدین گولڑوی صاحب کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

آپ نے بندہ کے مقالہ میں سے صرف ایک عبارت سیاق وسباق سے کاٹ کر اور پورے مضمون ومفہوم اور بنیادی مطلب ومقصد کو قارئین سے پوشیدہ رکھ کر جس تحکم اور سینہ زوری اور ظلم اور تعدی اور ناانصافی وبے اعتدالی کا مظاہرہ کیا اور باری تعالیٰ کی مشکلات سے سبکدوشی کا عنوان قائم کر کے اس کو میرا عقیدہ قرار دے دیا ہے۔ اور کفر کا فتویٰ پھر جڑ دیا۔ (ازالۃ الریب ص71)

یہی بات ہم کہہ رہے ہیں کہ فاضل بریلوی نے ظلم وتعدی کر کے سیاق وسباق کو کاٹ کر ناانصافی کر کے ہمارے بنیادی مقصد کو چھپا کر

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تحکم اور سینہ زوری سے ہماری عبارات کا مطلب گھڑا ہے ہم اس خود کشیدہ مطلب سے بری ہیں۔ خود کشیدہ مطلب سے اگر سیالوی صاحب کافر نہیں ٹھہرتے تو ہم کو کیوں کافر ٹھہرایا جاتا ہے؟

نمبر2:

مرزا قادیانی کے اقوال نقل کر کے آگے لکھا ہے: منھم الوھابیہ (حسام الحرمین)

یعنی یہ وہابیہ مرزائیوں سے ہیں حالانکہ دنیا جانتی ہے یہ مرزائی نہ تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ فتویٰ ہمارے اکابر کو مرزائی بتلا کر لیا گیا ہے اس لیے اس فتوے کی کوئی حیثیت نہیں۔

نمبر3:

حسام الحرمین میں عبارات عربی میں بنائی گئیں حالانکہ ہماری کتب اردو میں تھیں اور حرمین شریفین کے علماء اُردو نہ جانتے تھے۔ فاضل بریلوی نے علمائے دیوبند کی اردو عبارات کو غلط انداز میں عربی میں نقل کر کے دھوکہ دہی سے کام لیا اور بقول بریلویہ کے محض مخالف کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے بلا تحقیق فیصلہ صادر کر دینا نہ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول وپسندیدہ ہے اور نہ ہی اسے اہل علم و دانش قبول کر سکتے ہیں۔
(البریلویہ کا تحقیقی جائزہ ص62)

جب کنز الایمان پر سعودی حکومت نے پابندی لگائی بلکہ جلانے کا فتوی دیا تو یہی بات صاحبزادہ حمید الدین سیالوی نے حکومت سعودیہ کو لکھی، ملاحظہ فرمائیں:

اس میں شک نہیں ہے کہ ترجمہ و حواشی اُردو زبان میں ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ادارہ البحوث العلمیہ (جس نے کنز الایمان کو جلانے کا فتویٰ دیا) کے اکثر ارکان اردو زبان نہیں جانتے ایک خاص گروہ نے اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو کبھی قبول نہ کرے اس ترجمہ اوران کے حواشی کو جھوٹے رنگ میں رنگ کر ادارۃ البحوث العلمیہ کے اراکین کے سامنے پیش کیا اور اپنی چرب زبانی اور عیاری کے باعث ان سے یہ فتویٰ صادر کرانے میں کامیاب ہو گئے۔

ہم کہتے ہیں اور جو ہم کہتے ہیں اس کے سچائی پر اللہ تعالیٰ کو گواہ پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے شر، کفر اور آیات کے معانی میں تحریف کا بہتان ایسے ربانی عالموں پر لگایا ہے جنہوں نے اپنی زندگیوں کا ایک ایک لمحہ اپنا علم، اپنی دانش اور اپنی قابلیت اللہ کی بات کو بلند کرنے کے لیے اور ہندوستان میں بسنے والے بت پرستوں کو دعوت توحید پہنچانے کے لیے صرف کی اور وہ بہت سے بت پرستوں کو شرک کے گھپ اندھیروں سے نکال کر اسلام کے نور کی طرف لانے میں کامیاب ہو گئے اس مخصوص گروہ نے اپنے دل سے جھوٹی تہمتیں اور ظلم و کذب بیانی سے ان پاک نفوس پر الزام لگایا۔ (انوار کنز الایمان ص846،847)

یہی کچھ ہم اپنے اکابرین کی صفائی میں کہتے ہیں۔ عبارات کا مطلب وہ گھڑا جو ان اکابرین کے ذہن و خیال میں بھی نہیں آیا۔

بریلوی مناظر لکھتے ہیں:

بزرگوں کے کلام کا ان کی مراد کے خلاف مطلب نکال کر مراد لینا سراسر جہالت ہے۔ (میٹھی میٹھی سنتیں اور دعوت اسلامی ص74)

مولوی اشرف سیالوی جو بریلوی ملت کے "مناظر اعظم" اور "قائد" شمار ہوتے ہیں، لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ صحیح سوچ اور فکر نصیب فرمائے اور مقصودِ متکلم بھی سمجھنے کی توفیق بخشے۔ (تحقیقات ص62)

معلوم ہوا متکلم کی مراد نہ سمجھنا الٹی سوچ و فکر ہے جو فاضل بریلوی اور دیگر بریلوی علماء میں ہے۔

قارئین کرام! آپ نے عربی عبارت میں اتنی خیانتیں ملاحظہ فرمالیں، اب اردو والوں کو بھی دیکھیے:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نمبر4:

"حسام الحرمین" مکتبہ نبویہ والوں نے جب اردو میں شائع کی تو پہلے ٹکڑے میں فاضل بریلوی نے جتنا حصہ کتاب کا لیا تھا انہوں نے دیکھا کہ عام قاری بھی یہ غلطی اور خیانت پکڑ لے گا تو انہوں نے عبارت کو کچھ بڑھا دیا۔

پہلا ٹکڑا فاضل بریلوی نے یوں لکھا تھا:

ولو فرض فی زمنہٖ صلی اللہ علیہ وسلم

"اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کوئی نبی فرض کر لیا جائے۔"

مگر مکتبہ نبویہ والوں نے اس کے ساتھ ایک جملہ اور بڑھا دیا اور شروع میں بلکہ کا اضافہ بھی کر دیا اور یوں لکھا:

"بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو۔ جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔"

یہ اس لیے کیا گیا کہ فاضل بریلوی کی خیانت پکڑی نہ جائے مگر عربی خواں تو جانتے ہیں بہر حال یہ اردو خواں لوگوں کی بھی خیانت معلوم ہو گئی کہ اُردو والی حسام الحرمین میں ایک ٹکڑے کا اضافہ کر دیا۔

نمبر5:

کچھ مکتبے اور آگے نکلے انہوں نے حسام الحرمین کی عبارت کہ "عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے" کو یوں کر دیا "عوام کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بے ایمانی ہے۔"

(تمہید ایمان مع حسام الحرمین ص70، مطبوعہ اکبر بک سیلرز لاہور، تمہید ایمان مع حسام الحرمین ص53، مطبوعہ مکتبہ غوثیہ کراچی، تمہید ایمان مع حسام الحرمین ص70، مطبوعہ مکتبہ المدینہ کراچی)

ان تینوں مکتبوں نے خیانت کے ریکارڈ توڑ دیے۔ اس پر انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

نمبر6:

تحذیر الناس ص 3 کی جب عبارت نقل کی گئی تو اس میں ایک جملہ چھوڑ دیا گیا جو کہ "بایں معنی ہے کہ" کے بعد موجود تھا یعنی یہ جملہ "آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد" (تحذیر الناس ص3)

پوری عبارت یہ ہے:

"سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔" (تحذیر الناس ص3)

مزید "کرم فرمائیاں"

اُردو والوں نے کہیں "بلکہ" کا لفظ چھوڑ دیا، کہیں "سو" کا لفظ نہیں لائے، کہیں "اگر" کا لفظ بھی چھوڑ گئے اور خیر سے فاضل بریلوی نے بھی "بلکہ" وغیرہا کئی جملوں کا عربی میں ترجمہ ہی نہیں کیا۔

اصل کتاب تحذیر الناس میں یوں تھا کہ "اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔" (تحذیر الناس ص3)

مگر عربی میں ترجمہ کرتے وقت یوں لکھا گیا: انہ لا فضل فیہ اصلاً عند اہل الفہم.

بالذات کا ترجمہ ہی نہیں کیا گیا۔

اب بریلوی کہتے ہیں "بالذات" کا ترجمہ لفظ "اصلاً" میں آ گیا تو پھر جواباً عرض یہ ہے کہ "اصلاً" کا مطلب یہ بنتا ہے کہ بالکل کوئی فضیلت ہی نہیں؛ نہ ذاتی نہ عرضی جو کہ متکلم کے الفاظ و معانی و مراد کے بالکل خلاف ہے کیونکہ متکلم بالعرض فضیلت کا قائل ہے۔ بہر کیف یہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

فاضل بریلوی کی "امانت" و "دیانت" کا مجموعہ ہے۔

بریلویوں کو یہ تو ماننا پڑے گا موصوف نے دھوکہ دہی وخیانت سے کام لیا ہے۔ باقی بحث بعد کی بات ہے اور جب حسام الحرمین کذبات، خیانات، دھوکہ جات کا مجموعہ ہو تو پھر اس کا جواب دینے کی ضرورت بھی باقی نہ رہے گی۔ فاضل بریلوی نے مزید دھوکہ دینے کے لیے مولانا محمد علی بانی ندوہ کا ذکر بھی کیا کہ وہ بھی ان کی تعریفیں کرتے ہیں، چونکہ ندوہ پر پہلے وہاں سے فتویٰ لگا چکے تھے اس لیے کام کو مزید آسان کرنے کے لیے ان کا ذکر کر دیا۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ نے "خاتم النبیین" کا معنی "آخری نبی" کرنے کو عوام کا خیال بتایا ہے تو گزارش یہ ہے کہ حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ نے "خاتم النبیین" کا معنی "آخری نبی" کرنے کو عوام کا خیال نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ عوام کے خیال میں تو "خاتم النبیین" کا معنی صرف یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آخر میں آنے کو ہی افضل اور اعلیٰ ہونے کی وجہ قرار دیتے ہیں جبکہ راسخ فی العلم حضرات جانتے ہیں کہ پہلے یا بعد میں آنے میں ذاتی طور پر کوئی فضیلت نہیں ہے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل، اعلیٰ اور افضل الانبیاء ہیں اس وجہ سے آپ کو سب سے آخر میں بھیجا گیا۔ تو جس طرح "خاتم النبیین" کے لفظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل اور اعلیٰ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ چونکہ عوام کی سمجھ یہاں تک نہیں پہنچی تھی اس لیے حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ نے صرف ایک معنی مراد لینے کو عوام کا خیال بتلایا ہے، اس معنی (یعنی آخری ہونا) کا انکار نہیں کیا۔

الزام بر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

قطب الارشاد گنگوہی پر فاضل بریلوی نے یہ الزام لگایا:

اس نے یہ افتراء باندھا کہ اللہ کا جھوٹا ہونا بھی ممکن ہے۔ (حسام الحرمین ص14)

آگے لکھتے ہیں:

ظلم و گمراہی میں یہاں تک بڑھا کہ اپنے فتوے میں جو اس کا مہری دستخطی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا جو بمبئی وغیرہ میں بارہا مع رد کے چھپا، صاف لکھ دیا کہ جو اللہ سبحانہ کو بالفعل جھوٹا مانے اور تصریح کرے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا اور یہ بڑا عیب اس سے صادر ہو چکا تو اسے کفر بالائے طاق گمراہی درکنار فاسق بھی نہ کہو۔...الخ (حسام الحرمین ص15)

الجواب: ہم بریلویوں سے گزارش کرتے ہیں کہ ہمیں بھی وہ قلمی فتوی دکھاؤ کہ کہاں ہے؟ یہ فاضل بریلوی کا اتنا بڑا جھوٹ ہے جس کی توقع کسی عام مسلمان سے بھی نہیں کی جا سکتی۔

قطب الارشاد کی اپنی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

ذات پاک حق جل جلالہ کی پاک و منزہ ہے اس سے کہ متصف بصفت کذب کیا جاوے معاذ اللہ اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں: قال اللہ تعالیٰ و من اصدق من اللہ قیلا. جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے وہ کذب بولتا ہے، وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے اور مخالف قرآن وحدیث کا اور اجماع امت کا ہے، وہ ہرگز مومن نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص90)

اب بھی کوئی کہے کہ نہیں جی میں تو نہیں مانتا تو ہم اسے اتنا کہیں گے کہ خدا تعالیٰ کی عدالت میں پیشی کے لیے تیار رہے۔ بعض رضاخانی یہ کہہ دیا کرتے ہیں: جی انہوں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں نے یہ تحریر نہیں لکھی۔ تو جواباً عرض ہے استفتاء میں اگر یہ پوچھا جاتا کہ آپ نے ایسی تحریر لکھی ہے تو آپ اس کا جواب دے دیتے کہ میں نے نہیں لکھی جب پوچھا نہیں گیا تو یہ جواب دینے کی کیا معنی، جیسے کوئی کہے کہ فتاویٰ مہریہ میں پیر مہر علی شاہ نے مرزا قادیانی پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا؟ تو یہی کہا جائے کہ بھائی اس کے کفر کا سوال ہی نہیں کیا گیا تو جواب کہاں ہوتا۔ جو سوال ہو جواب

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اس کے موافق ہوتا ہے۔

سوال تھا کہ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ذات باری تعالیٰ عزاسمہ موصوف بصفت کذب ہے یا نہیں؟ اور خدا تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص خدا تعالیٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے وہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص90)

توجواب حضرت نے وہی دیا جو نقل کیا جاچکا ہے۔

مولانا خلیل احمد خان قادری برکاتی بریلوی لکھتے ہیں: فاضل بریلوی نے اپنے رسالہ "از کی الہلال" میں دربارہ رویت ہلال خط وغیرہ تحریرات کو ناقابل اعتماد فرمایا ہے، پھر تکفیر مسلم کے بارے میں مجرد قلمی تحریر پر کیوں اعتماد کر کے احکام کفر وارتداد جاری کیے؟

(انکشاف حق ص210)

یعنی چاند کے دیکھنے کے بارے میں کسی کے خط اور تحریر پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ تحریر کسی اور نے لکھی ہو یعنی یہ ہو سکتا ہے لکھی کسی نے ہو اور نام کسی کے لگائی ہو۔

جب چاند دیکھنے کے معاملے میں کسی کی تحریر جو موصول ہو اس پر فیصلہ نہیں ہوسکتا تو اتنے بڑے تکفیر کے مسئلے میں کیونکر کسی کی تحریر پر تکفیر ہو۔ ہاں اگر صاحب تحریر قبول کرے کہ یہ میری تحریر ہے، پھر بات اور ہے۔ جب حضرت گنگوہی خود کہہ رہے ہیں کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بری ہے۔ تو پھر کیونکر یہ بات ان کے ذمے لگائی جائے۔ ہداہم اللہ۔

اور یہ بات فاضل بریلوی نے بھی کہی ہے کہ: خط خود کب معتبر تمام کتابوں میں تصریح ہے کہ الخط یشبہ الخط او الخط لا یعمل بہ۔

(ملفوظات ص203)

یعنی خط معتبر نہیں، اس کو بنیاد بنا کر عمل نہیں کیا جائے گا

سوال یہ ہے کہ فاضل بریلوی نے خود عمل کیوں کیا؟

الزام بر فخر المحدثین مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے اور یہ اس کا برا قول خود اس کے بدالفاظ میں ص47 پر یوں ہے: شیطان وملک الموت کی یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جسے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

(حسام الحرمین ص15)

الجواب: حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی کتاب "براہین قاطعہ" پر اعتراض ہے جو کہ "انوارِ ساطعہ" کے جواب میں لکھی گئی۔ اس میں خود رضاخانی حضرات نے فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان پر قیاس کیا تو حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ نے جواب دیا۔ ہم حیران ہیں کہ شیطان پر قیاس خود مولوی عبدالسمیع رامپوری نے اپنی اس کتاب "انوار ساطعہ" میں کیا جس پر تقریظ فاضل بریلوی کی ہے اور نام ہمارا لگا دیا۔ اس سے بڑھ کر کیا شاطرانہ چال ہوسکتی ہے؟!

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان پر قیاس کرنا، کیا یہ تعظیم نبوی ہے؟ بریلوی اس بات کا ہمیں جواب دیں کہ شیطان پر قیاس تو رامپوری صاحب اور فاضل بریلوی کریں، قصور وار ہم ٹھہریں، کیوں؟ کیا بریلویوں کے ہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان پر قیاس کرنا درست ہے؟

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

رامپوری صاحب لکھتے ہیں:

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت ہر جگہ حاضر ہے بھلا ملک الموت علیہ السلام تو ایک فرشتہ مقرب ہے۔ دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے۔ در مختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے مگر جس کو اللہ نے بچالیا بعد اس کے لکھا ہے۔ **واقدرہ علی ذالك كما اقدر ملك الموت علی نظیر ذالك** یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا... پس اسی طرح سمجھو کہ جب سورج سب جگہ یعنی اقالیم سبعہ میں موجود ہو کہ وہ چوتھے آسمان پر ہے، روحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ساتویں آسمان پر علیین میں موجود ہے اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک کل زمینوں کے چند مواضع ومقامات پر پڑ جائے اور ترشح انوار فیضان احمدی سے کل مجالس مطہرہ کو ہر طرف سے مثل شعاع شمس محیط ہو جائے کیا محال اور کیا بعید ہے۔ (انوار ساطعہ ص357)

حضرت سہارنپوری نے اس کے جواب میں لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے: تمام مسلمان بشمول مصنف شیطان سے افضل ہیں، تو کیا اپنا علم شیطان کے دائرہ کار کے علم سے زائد مانتے ہیں؟ مؤلف کے ایسے جہل پر تعجب بھی ہوتا ہے اور رنج بھی ہوتا ہے کہ ایسی نالائق بات منہ سے نکال کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان پر قیاس کیا، یہ کس قدر دوراز علم وعقل ہے۔

حضرت نے تو اس پر خوب خبر لی کہ تم نے آپ علیہ السلام کو شیطان پر قیاس کر کے کیوں ایسی غلط بات کہی، اُلٹا بریلویوں نے ہمیں کوسنا شروع کر دیا۔

اب مولوی اشرف سیالوی کی سنیے، وہ لکھتے ہیں: انبیاء واولیاء کو اصنام واوثان پر قیاس کرنا اور ان کے متبعین اور اطاعت گزاروں کو بت پرستوں پر قیاس کرنا یہ خالص خارجیت ہے اور مخلوقات میں بدترین مخلوق ہونے کی دلیل۔ (گلشن توحید ورسالت ص139، ج2)

جب بتوں پر قیاس کرنا خارجیت اور بدترین مخلوق ہونے کی دلیل ہے تو شیطان پر قیاس کرنا اور وہ بھی انبیاء علیہم السلام کو، یہ تو بدرجہ اولیٰ بدترین مخلوق ہونے کی دلیل ہے۔

دوسری جگہ یہی مولوی صاحب لکھتے ہیں: اوثان پر اللہ تعالیٰ کے تقرب اور فضل کے وسائل وذرائع کو قیاس کرنا سراسر محرومی اور بدنصیبی ہے اور بے دینی والحاد اور منصب نبوت ورسالت کی توہین وتحقیر ہے۔ (گلشن توحید ورسالت ص164، ج2)

یعنی انبیاء واولیاء کو بتوں پر قیاس کرنا، یہ بدنصیبی، محرومی، بے دینی، الحاد اور منصب نبوت ورسالت کی توہین وتحقیر ہے۔ غور کیجیے کہ شیطان تو ان بتوں سے بھی گیا گزرا ہے، اس پر قیاس کرنا تو اس سے بڑا جرم ہوگا۔

مفتی حنیف قریشی صاحب کہتے ہیں:

جانوروں کے ساتھ کسی جنس کا ذکر کیا جائے تو یہ اس جنس کی توہین ہے۔ (مناظرہ گستاخ کون ص54)

تو کیا شیطان پر قیاس کیا جائے تو یہ درست مانو گے؟

مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں:

حضور کی شان میں ہلکے لفظ استعمال کرنے، ہلکی مثالیں دینا کفر ہے۔ (نور العرفان ص345، کتب خانہ نعیمی لاہور)

اس سے گھٹیا مثال کیا ہوگی کہ سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان پر قیاس کیا جائے؟! القصہ یہ بریلوی اصول کی روشنی میں رامپوری صاحب اور فاضل بریلوی کی جانب سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین بنتی ہے۔ مگر ہم بریلویوں پر حیران ہیں کہ ان کو تو کچھ نہ کہا اور جس آدمی نے اس کو نالائق حرکت قرار دیا ہے اس کو گستاخ رسول کہنا شروع کر دیا۔ اصل عبارت پر گفتگو شروع کرنے سے پہلے چند باتیں ذہن میں رکھیں۔

1۔ عقائد قیاس سے ثابت نہیں ہوتے۔

2۔ ہم اہل حق اہلسنت شیطان لعین کے دائرہ کار کا علم جو اس کی گندی سوچ پر مشتمل ہے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں مانتے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

3۔ ملک الموت کی معلومات کہ فلاں کی روح قبض کرنی ہے یہ ایسی معلومات ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام کو ان کی حاجت نہیں ہے۔

4۔ اللہ تعالیٰ نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان تمام باتیں بتادی ہیں۔

5۔ اگر کوئی کہے رقص وغیرہ کا علم فاضل بریلوی کو نہیں لہٰذا فاضل بریلوی صاحب کا علم رقاصہ اور سینما والے سے کم ہے تو بریلوی کہیں گے کہ یہ غلط ہے بلکہ اس کی نسبت ہی بریلوی حضرات فاضل بریلوی کی طرف کرنا توہین سمجھیں گے۔

6۔ دنیا کی بعض باتیں جو علم دین سے متعلق نہیں ان کو اگر انبیاء علیہم السلام نہ جانیں تو یہ ان کے لیے عیب نہیں۔

7۔ اگر بعض جزوی باتوں کا علم کسی کو ہو اور نبی کو نہ ہو تو اس سے وہ نبی سے بڑھ نہیں جائے گا جیسے ہدہد نے آکر سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا کہ میں ایسی خبر لایا ہوں جو آپ کو نہیں۔

8۔ سیدنا علیؓ کو حضرت مابورؓ کے قتل کے لیے بھیجا وہ کنوئیں میں چھپے تھے جب حضرت علیؓ نے نکالا اور قتل کرنے لگے وہ گر پڑے اور ان کی چادر (تہبند) کھل گئی۔ سیدنا علیؓ کی اچانک نظر ان کے ستر پر پڑی وہ تو نامرد تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل نہ کیا۔ واپس آئے اور آپ علیہ السلام سے سارا واقعہ عرض کر دیا۔ تو سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الشاهد يرى ما لا يرى الغائب. (مسند احمد)

اب کیا کوئی سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کہے گا؟ ہر گز نہیں۔

اب عبارت کو دیکھیے! جہاں حضرت نے اس شیطانی قیاس کا جواب دیا ہے جس کو اہل بدعت اچھا نہیں سمجھتے، وہ عبارت یہ ہے:

"الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر (یعنی ان کو جو بعض جزئیات حادثہ دنیا و یہ کا علم ہے کہ جن سے ان کا مقصد اغواء اور قبض ارواح ہے۔ وہ ان کو حاصل ہو گیا ہے اور یہ پیدا ابھی اسی کے لیے گئے ہیں ان پر قیاس کر کے) علم محیط زمین فخر عالم کو (یعنی علم غیر عطائی ذاتی آپ علیہ السلام کو مانا جائے تاکہ روئے زمین میں جہاں بھی مجلس موجود ہو وہیں آپ تشریف لائیں۔ ہم نے علم محیط زمین کا مطلب ذاتی علم اس لیے کیا ہے کہ آگے حضرت سہارنپوری نے ص 57 پر خود لکھا ہے یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کے لیے کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ رکھے جیسا جہلاء کا یہ عقیدہ ہے۔ اگر یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں مگر بدون ثبوت شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں۔) خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ (یعنی ذاتی علم کو بغیر کسی دلیل کے نبی محترم کیلئے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟ یعنی ذاتی علم کو بغیر کسی دلیل کے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا شرک ہی ہے جیسا کہ فاضل بریلوی نے خود ملفوظات ص 317 میں کہا ہے کہ غیر خدا کے لیے کی ایک ذرہ ذاتی علم ماننا کفر ہے۔) شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت (کہ ملک الموت کا روحوں کو قبض کرنا اور شیطان کا بھاگ دوڑ کر کے لوگوں کو گمراہ کرنا جس کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں) نص سے ثابت ہوئی (وہ آپ بھی مانتے ہیں اور آپ نے بھی یہ باتیں لکھی ہیں کہ ان کاموں کے لیے ان کو وسعت دی گئی ہے۔) فخر عالم کی وسعت علم کی (یعنی ذاتی علم جو محیط ہو علم زمین پر) کون سے نص قطعی سے ثابت ہے؟ (براہین قاطعہ ص55)

اس میں کیا گستاخی ہے؟

1۔ اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم محیط ذاتی ماننا شرک قرار دیا ہے۔ وہ آپ کو بھی مسلم ہے اور یہ قید ہماری نہیں بلکہ حضرت نے اس بحث کے آخر میں خود لکھی ہے کہ یہ بحث اس صورت میں ہے جب علم ذاتی مانا جائے۔

2۔ آپ علیہ السلام کے علوم عالیہ و کمالیہ کی بات نہیں ہو رہی بلکہ شیطان و ملک الموت کے دائرہ کار کی بات ہو رہی ہے۔

3۔ نصوص قطعیہ میں تو ایسے علوم کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق نہیں کہا گیا ہے جیسے شعر گوئی وغیرہ، اس لیے شیطانی سوچ و فکر پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو محیط ماننا نصوص قطعیہ کا رد کرنے کے مترادف ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

4۔ اور مولانا کے یہ الفاظ کہ "یہ وسعت" یہ اس بات پر مشیر ہے کہ ان ملک الموت اور شیطان کے دائرہ کار کی بات ہو رہی ہے نہ کہ مطلق اور جمیع علوم کی۔

5۔ یہ بات کہ شیطان کے دائرہ کار کا علم نبی کو ہوتا ہے ہمیں مسلَّم نہیں بریلویوں کو مسلَّم ہے۔ مثلاً جاء الحق میں مفتی احمد یار نعیمی نے لکھا ہے۔ حضور علیہ السلام کو تمام جہان والوں کا علم دیا گیا اور جہان والوں میں شیطان بھی شامل ہے۔ (جاء الحق ص77)

اس لیے بریلویوں کو تکلیف ہے کہ یہ گستاخی ہے۔ ہم کہتے ہیں ان گندی باتوں کا علم "ماننا" گستاخی ہے نہ کہ "انکار کرنا" گستاخی ہے! اس لیے کہ آپ کے جید عالم مولوی اللہ دتہ صاحب لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو وہ امور غیبیہ جن کا علم ان کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ ان کا علم عطا فرماتا ہے اور کسی کے لیے غیر ضروری معلومات مہیا کرنا حکیم اور علیم کی شان نہیں۔ (تنویر الخواطر ص48)

آپ کی معتبر کتاب روضۃ القیومیہ میں ہے: ہزارہا علوم و معارف اس قسم کے ہیں کہ انہیں انبیاء سے منسوب کرنے سے عار آتی ہے۔ (ج1 ص160)

تو یہ بات ہمیں تو اچھی نہیں لگتی البتہ بریلوی حضرات کو اچھی لگتی ہے تو ان کی قسمت۔ الزام کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ شیطان کے علم کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ مانتے ہیں جبکہ یہ بات چور مچائے شور کے مترادف ہے۔ کیونکہ یہ بات تو تم نے ہی لکھی ہے اور اپنے آپ کو چھپانے کے لیے ان حضرات کے نام لگادی جن کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں گزرا تھا۔ اب سنیے! فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اوروں سے زائد ہے۔ ابلیس کا علم معاذ اللہ علم اقدس سے ہر گز وسیع تر نہیں۔ (خالص الاعتقاد ص6)

یہی بات اویسی بہاولپوری نے عقائد صحابہ ص5، رسائل اویسیہ ج2 اور الیاس عطار قادری نے کفریہ کلمات کے بارے میں سوال و جواب کے ص245 اور نعیم اللہ خان قادری نے شرک کی حقیقت کے ص132 پر نقل کی ہے۔ جس کا مطلب صاف یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کا علم اوروں سے تو زائد ہے مگر ابلیس کا علم آپ کے علم مبارک سے وسیع تو ہے مگر وسیع تر نہیں۔

2۔ مفتی احمد یار نعیمی نے معلم التقریر ص95 پر سیدنا آدم کو ابلیس کا شاگرد بنایا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ استاد کا علم طالب علم کم مان کر نہیں آتا زیادہ مانتا ہے تب ہی پڑھنے کے لیے آتا ہے۔

3۔ یہی مفتی صاحب نور العرفان ص730 پیر بھائی کمپنی لاہور پر لکھتے ہیں: شیطان نے کہا میں پرانا صوفی عابد عالم فاضل اور آدم علیہ السلام نے نہ ابھی کچھ سیکھا نہ عبادت کی۔ یعنی علم و عمل میں جناب آدم علیہ السلام سے شیطان زیادہ تھا۔

4۔ اب آپ بتائیں کہ بریلوی حضرات شیطان کے علم کو انبیاء سے زیادہ مانتے ہیں یا کم؟! مگر بدنامی کے ڈر سے یہ جرم ہم پر دھر دیا۔

ہم آخر میں اپنا نقطہ نظر "المہند علی المفند" سے عرض کر دیتے ہیں جو عرب و عجم کی مصدقہ ہے۔

"سوال: کیا تمہاری یہ رائے ہے کہ ملعون شیطان کا علم سید الکائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے زیادہ اور مطلقاً وسیع تر ہے؟ اور کیا یہ مضمون تم نے اپنی کسی تصنیف میں لکھا ہے اور جس کا یہ عقیدہ ہو اس کا حکم کیا ہے؟

جواب: اس مسئلہ کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام کا علم حِکَم و اسرار وغیرہ کے متعلق مطلقاً تمامی مخلوقات سے زیادہ ہے اور ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلم ہے، وہ کافر ہے اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کے فتویٰ دے چکے ہیں جو یوں کہے کہ شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جا سکتا ہے؟ ہاں کسی جزئی حادثہ حقیر کا حضرت کو اس لیے معلوم نہ ہونا کہ آپ نے اس کی جانب توجہ نہیں فرمائی آپ کے اعلم ہونے میں کسی قسم کا نقصان نہیں پیدا کر سکتا۔ جبکہ ثابت ہو چکا کہ آپ ان شریف علوم میں جو آپ کے منصب اعلیٰ کے مناسب ہیں ساری مخلوق سے بڑھے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ شیطان کو

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بہتیرے حقیر حادثوں کی شدت التفات کے سبب اطلاع مل جانے سے اس مردود میں کوئی شرافت اور علمی کمال حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ان پر فضل اور کمال کا مدار نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یوں کہنا کہ شیطان کا علم سیدنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے، ہرگز صحیح نہیں۔ جیسا کہ کسی ایسے بچے کو جسے کسی جزئی کی اطلاع ہو گئی ہے، یوں کہنا صحیح نہیں کہ فلاں بچہ کا علم اس متبحر و محقق مولوی سے زیادہ ہے جس کو جملہ علوم وفنون معلوم ہیں مگر یہ جزئی معلوم نہیں اور ہم ہُدہُد کا سیدنا سلیمان علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والا قصہ بتا چکے ہیں اور یہ آیت پڑھ چکے ہیں کہ مجھے وہ اطلاع ہے جو آپ کو نہیں۔ اور کتب حدیث و تفسیر اس قسم کی مثالوں سے لبریز ہیں۔ نیز حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ افلاطون و جالینوس وغیرہ بڑے طبیب ہیں جن کو دواؤں کی کیفیت و حالات کا بہت زیادہ علم ہے حالانکہ یہ بھی معلوم ہے کہ نجاست کے کیڑے نجاست کی حالتوں اور مزے اور کیفیتوں سے زیادہ واقف ہیں تو افلاطون و جالینوس کا ان ردی حالت سے ناواقف ہونا ان کے اعلم ہونے کو مضر نہیں اور کوئی عقلمند بلکہ احمق بھی یہ کہنے پر راضی نہ ہو گا کہ کیڑوں کا علم افلاطون سے زیادہ ہے۔ حالانکہ ان کا نجاست کے احوال سے افلاطون کی بہ نسبت زیادہ واقف ہونا یقینی امر ہے اور ہمارے ملک کے مبتدعین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام شریف و ادنیٰ و اعلیٰ و اسفل علوم ثابت کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق سے افضل ہیں، تو ضرور سب ہی کے علوم جزئی ہوں یا کلی، آپ کو معلوم ہوں گے اور ہم نے بغیر کسی معتبر نص کے محض اس فاسد قیاس کی بناء پر اس علم کلی و جزئی کے ثبوت کا انکار کیا ہے۔ ذرا غور تو فرمائیے کہ ہر مسلمان کو شیطان پر فضل و شرف حاصل ہے۔ پس اس قیاس کی بناء پر لازم آئے گا کہ ہر اُمتی بھی شیطان کے ہتھکنڈوں سے آگاہ ہو اور لازم آئے گا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر ہو اس واقعہ کی جسے ہدہد نے جانا اور افلاطون و جالینوس واقف ہوں کیڑوں کی تمام واقفیتوں سے اور سارے لازم باطل ہیں چنانچہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔ یہ ہمارے قول کا خلاصہ ہے جو براہین قاطعہ میں بیان کیا گیا ہے جس نے کند ذہن بددینوں کی رگیں کاٹ دیں اور دجال و مفتری گروہ کی گردنیں توڑ دی ہیں۔ سو اس میں ہماری بحث صرف بعض حادثات جزئی میں تھی اسی لیے اشارہ کا لفظ ہم نے لکھا تھا تاکہ دلالت کرے کہ نفی و اثبات سے مقصود صرف یہ ہی جزئیات ہیں لیکن مفسدین کلام میں تحریف کیا کرتے ہیں اور شاہنشاہی محاسبہ سے ڈرتے نہیں اور ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس کا قائل ہو کہ فلاں کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ وہ کافر ہے چنانچہ اس کی تصریح ایک نہیں ہمارے بہترے علماء کر چکے ہیں اور جو شخص ہمارے بیان کے خلاف ہم پر بہتان باندھے اس کو لازم ہے کہ شاہنشاہ روز جزاء سے خائف بن کر دلیل بیان کرے اور اللہ ہمارے قول پر وکیل ہے۔"

(المہند علی المفند ص57 تا60)

مزید سنئے! بریلوی عالم دین مفتی خلیل احمد خان قادری برکاتی لکھتے ہیں:

رہی مولوی خلیل احمد صاحب سہارنپوری مرحوم کی عبارت براہین قاطعہ جس کو مختلف جگہ کے فقروں اور ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک کفری مضمون بنایا ہے یہ آپ کی (اعلیٰ حضرت) دستکاری کا ایک نمونہ ہے۔ کہیں کا فقرہ کہیں کاٹ کر لگا دیا اس کا سیاق و سباق غائب پھر اس میں بھی اپنی تصنیف شامل۔

آگے لکھتے ہیں:

مولوی نذیر احمد خان صاحب مدرس مدرسہ طیبہ احمد آباد گجرات نے اول رد براہین قاطعہ کا لکھا تھا جس کا نام بوارق لامعہ ہے جو 1309ء بمبئی مطبع دت پرشاد سے شائع ہوا اس میں براہین قاطعہ کی اس عبارت کا انہوں نے یہ مطلب کہیں نہ بتایا نہ اس پر حکم کفر بیان کیا۔

(انکشاف حق 132)

آگے لکھتے ہیں: کیا وہ ہندوستانی زبان اور اس کے محاورات کو نہ جانتے تھے یا وہ کفر و اسلام کو بھی نہ پہنچانتے تھے۔ ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک براہین قاطعہ کی عبارت کا یہ مطلب ہی نہیں تھا جو آپ نے بیان فرمایا ہے۔ ورنہ وہ اس پر ضرور رد بلیغ فرماتے اور اسے احکام کفر بتاتے۔

(انکشاف حق ص133)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مولوی عبد السمیع رامپوری کی سنیے ! رامپوری صاحب سے جب کہا گیا کہ براہین قاطعہ کا جواب لکھیں تو انہوں نے کئی عذر کیے اور یہ بھی عذر کیا کہ مؤلف براہین قاطعہ نے بہت سے مضامین ایسے لکھ دیئے ہیں جس سے اکثر اہل اسلام متوحش اور نفوز ہو گئے اور آگے مختلف باتیں لکھیں مگر اس عبارت کا نام ونشان نہیں۔ معلوم ہوتا ہے اس وقت کے اہل اسلام نے اس عبارت کو قابلِ گرفت نہ سمجھا۔ (دیکھیے انوار ساطعہ ص32)

آگے ''نظر ثانی''کا عنوان قائم کر کے اس میں لکھتے ہیں: ہاں جو کوئی شبہ صاحب براہین قاطعہ کا واجب الدفع سمجھا جائے گا اب نظر ثانی (انوار ساطعہ) کی کر رہا ہوں خاص اپنی (انوار ساطعہ) میں اس شبہ کو لکھ کر حل کر دیا جائے گا۔ (انوار ساطعہ 34)

اگر یہ عبارت کفریہ ہوتی تو وہ ضرور اس کو بھی واجب الدفع سمجھتے مگر انہوں نے کئی مقامات پر جوابات دینے کے باوجود اس مقام پر عبارت کو بالکل رد نہیں کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہندوستان کے علماء نے بشمول رامپوری صاحب یہ عبارت قابل ردوتردید نہ سمجھی، اس لیے اس کو نہ رد کیا۔ یہ صرف فاضل بریلوی صاحب کی مہربانی اور عنایت ہے کہ انہوں نے اس عبارت کی بنا پر تکفیر کر ڈالی۔

الزام بر حکیم الامت مجدد ملت الشاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

اسی گنگوہی کے دم چھلوں میں سے اشرف علی تھانوی کہتے ہیں اس نے ایک چھوٹی سے رسلیا تصنیف کی کہ چار ورق کی بھی نہیں اور اس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چار پائے کو حاصل ہے۔ اس کی ملعون عبارت یہ ہے کہ آپ کی ذات مقدمہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ (حسام الحرمین ص18)

الجواب:

بریلویوں سے ہمارا یہ سوال ہے کہ اس میں گستاخی کیا ہے؟

وہ جواب میں لکھتے ہیں:

تھانوی صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو ہر کس وناکس، زید وعمرو بکر بلکہ مجنون، پاگلوں اور جانوروں کے علم سے تشبیہ دی یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو ان کے مساوی بتایا اور اس پر فریقین کا اتفاق ہے کہ ان دونوں باتوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی توہین اور تحقیر ہے۔ (مسئلہ تکفیر اور امام احمد رضا ص34)

خلاصۃ الکلام یہ ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گھٹیا تشبیہ دینا یا آپ کے علم کو گھٹیا چیزوں کے برابر کہنا توہین وگستاخی ہے۔ اب ہم سے سنیئے! حضرت حکیم الامت کی عبارت میں نہ تو آپ علیہ السلام کے علم مبارک کو جانوروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور نہ ہی ان کے برابر کیا گیا ہے۔

آیئے! بریلویوں کے جید عالم مفتی خلیل احمد خان قادری برکاتی کی سنیے، وہ اسی عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جناب ابھی تک آپ یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ اس عبارت میں آپ کے نزدیک تشبیہ ہے یعنی معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو ان مذکورہ اشیاء کے علم کے ساتھ تشبیہ ہے یا برابری (کیونکہ ابھی گزر چکا ہے کہ بریلوی کہتے ہیں یا تشبیہ ہے یا برابری)

فاضل بریلوی نے تو برابری کے معنی متعین کیے ہیں۔ چنانچہ اس کا ترجمہ عربی میں مثل کے ساتھ کیا ہے۔

مگر جناب کو ان کے بیان کئے ہوئے معنی میں تردد ہے جب ہی تو یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ تشبیہ دی یا برابر کر دیا۔ نعوذ باللہ۔ حقیقت تو یہ ہے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

کہ مولوی اشرف علی صاحب کی عبارت میں نہ تشبیہ ہے نہ برابری، لفظ "ایسا" نہ تشبیہ کے لیے متعین ہے نہ برابری کے لیے، یہ فاضل بریلوی کی خوبی فہم ہے کہ اپنی رائے سے مقرر کرکے اس پر احکام کفر لگا دیے۔

سنیئے! اہل زبان ہندوستان کے یہاں لفظ "ایسا" ہر جگہ تشبیہ کے لیے ہی نہیں بولا جاتا ہے۔ ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ زید نے ایسا گھوڑا خریدا ہے جو اس کو پسند آیا یا زید نے ایسا کام کیا جس سے سب لوگ خوش ہو گئے۔ کہیے کہاں دونوں مثالوں میں لفظ ایسے کے معنی تشبیہ یا برابری کے لیے کب ہوئے؟

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

اگر مولوی شریف الحق صاحب کے بقول تشبیہ ہے تو تشبیہ میں مشبہ و مشبہ بہ میں برابری کیا لازم ہے؟ اہل فن کا مقررہ قاعدہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے اقویٰ ہوتا ہے۔ خلیفہ معتمد باللہ کی مدح میں جو اس مداح حسان مصیصی شاعر اندلس نے کہا تھا۔

کان ابوبکر ابو بکر الرضی

وحسان حسان وانت محمد

یعنی اے ممدوح! تیرا وزیر ابو بکر ابن زیدون ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مانند ہے اور تیرا مداح شاعر حسان مصیصی حسان بن ثابت مداح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند ہے اور تو خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند ہے۔

اس پر بعض شارحین شفاء نے کہا تھا کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر معتمد باللہ کو حسان شاعر نے کہہ دیا ہے۔ اس پر علامہ خفاجی نے شرح شفاء میں اور علامہ علی قاری نے اپنی شرح شفاء میں اعتراض فرمایا اور تشبیہ کی بناء پر دعویٰ برابری کو خلاف قاعدہ مقررہ اہل فن قرار دیا۔

علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں فرمایا کہ ان شارحین کے کلام کو نہ ذکر کرنا ہی بہتر ہے۔ علامہ علی قاری نے فرمایا یعنی اس شعر حسان مصیصی پر شارحین نے مصنف کی تبعیت میں طویل کلام کیا ہے لیکن کلام اشکال سے خالی نہیں اس لیے کہ تشبیہ سے مشبہ بہ کے ساتھ کمال میں برابری لازم نہیں آتی بلکہ قاعدہ مقرر ہے کہ مشبہ بہ اقویٰ ہوتا ہے۔ سارے حالات میں۔ الخ

اس میں تصریح ہے کہ تشبیہ میں برابری نہیں ہوتی۔ اگر کسی اعلیٰ درجہ کی چیز کو کسی ادنیٰ درجہ کی چیز سے بغرض سمجھانے مخاطب کو تشبیہ دے دی جائے تو اس کو توہین و تنقیص نہیں کہا جا سکتا۔

صحیح بخاری شریف میں حدیث موجود تھی:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ پر وحی کس طور سے آتی ہے؟ تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی کبھی مجھ پر وحی مثل گھنٹہ کے آواز کے آتی ہے۔

غور کیجئے کہ اس حدیث شریف میں وحی الٰہی کے نزول کو گھنٹہ کی آواز کے مثل فرمایا یعنی گھنٹہ کی آواز سے تشبیہ دی ہے حالانکہ گھنٹہ کی آواز کو حدیث شریف میں شیطانی آواز فرمایا گیا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

جس قافلہ میں گھنٹہ ہوتا ہے اس قافلے میں رحمت کے فرشتے نازل نہیں ہوتے۔ کیا - معاذ اللہ - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توہین وحی فرمائی؟ (انکشاف حق ص128 تا130)

پھر آگے لکھتے ہیں: جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم کی پیدائش اور تمام عالم کی بقا کا سبب مان رکھا ہے اور تمام علوم عالیہ شریفہ لوازم نبوت کا جامع مان رہا ہے۔ کیا معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کی برابری زید عمرو مجانین و بہائم وحیوانات کے علم

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

سے کرے گا؟

افسوس عقل و انصاف کو ترک کر دینا اور اپنی انفرادی رائے کو تمام اہل علم کی رائے پر ترجیح دے دینا جبکہ مصنف خود اپنی عبارت کے لیے اس مضمون کا انکار صریح کر رہا ہے اور دوسرے اہل علم بھی اس خبیث مضمون کو اس عبارت کے لیے نہیں مانتے اس پر بھی وہی کہنا دین و دیانت کے خلاف نہیں تو اور کیا ہے؟ (انکشاف حق ص131)

قارئین ذی وقار! مفتی خلیل احمد صاحب قادری برکاتی نے صاف کہہ دیا ہے کہ اس عبارت میں حکیم الامت نے نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک علم کو چوپاؤں کے برابر کہا ہے اور نہ ہی تشبیہ دی ہے۔

اور ہم بھی یہی کہتے ہیں اور یہی بات حکیم الامت نے بھی ارشاد فرمائی کہ لفظ ''ایسا'' مطلق بیان کے لیے بھی آتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ''اللہ ایسا قادر ہے'' اب یہاں نہ تشبیہ ہے اور نہ برابری۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ گفتگو حکیم الامت رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم مبارکہ کے متعلق نہیں کر رہے بلکہ وہ تو لفظ ''عالم الغیب'' پر گفتگو کر رہے ہیں کہ اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب بعض علم کی وجہ سے کہا جاتا ہے تو پھر تو ہر ایک کو کہنا چاہیے کیونکہ ہر ایک کے پاس کچھ نہ کچھ معلومات ہوتی ہے جو کہ ''بعض علم'' کہلاتی ہے۔ آخری جملہ جو فاضل بریلوی نے اڑا دیا اس سے یہ بات مفہوم ہو رہی تھی وہ ٹکڑا یہ ہے: ''کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہوتی ہے۔'' اگر یہ ٹکڑا لکھ دیا جاتا تو ہر آدمی اس ٹکڑے کو دیکھ کر بات سمجھ لیتا ہے کہ لفظ ''ایسا علم'' سے نبی پاک علیہ السلام کے علم مبارک کی طرف اشارہ نہیں بلکہ اس آخری ٹکڑے والے علم کی طرف اشارہ ہے۔ مگر فاضل بریلوی تو ''فاضل'' تھے۔

اور دوسرا ''کارنامہ'' فاضل بریلوی نے یہ سر انجام دیا کہ ایک ٹکڑا اور عبارت کا آخر سے اُڑا دیا جو یہ تھا کہ ''تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے''... یہ کارنامہ موصوف نے اس لیے سر انجام دیا تاکہ لوگوں کا دماغ اس طرف نہ جائے کہ بات اس پر ہو رہی ہے کہ آپ علیہ السلام کو عالم الغیب کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اب ٹکڑا اُڑانے سے لوگوں کو دھوکہ دیا کہ بات آپ علیہ السلام کے علم مبارک کی ہو رہی ہے۔

القصہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے مشورہ دیا کہ بے دین لوگ آپ کی تحریر کی وجہ سے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں، عبارت اگرچہ ٹھیک ہے مگر اس کو بدل دیا جائے تو کیا حرج ہے؟! تو آپ نے اس مشورہ کو قبول کر کے عبارت کو بدل دیا، اب عبارت یوں ہے:

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کیا تخصیص؟ مطلق بعض علوم تو غیر انبیاء کو بھی حاصل ہیں تو چاہیے سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔

(تغیر العنوان ص13)

مگر بریلویت وہیں کھڑی ہے۔ اب بریلویت کے گھر میں چلتے ہیں۔ انہوں نے لفظ ''ایسا'' سے دو الزام لگائے۔

1۔ تھانوی صاحب نے آپ کے علم مبارک کو جانوروں کے علم سے تشبیہ دی۔

2۔ ان کے برابر علم کہا۔

اب ہم بھی بریلوی لوگوں کے گھر سے ایسے الفاظ لاتے ہیں اور پھر دنیا کے غیر جانبدار اور سمجھ دار لوگوں کو دعوت فکر دیں گے کہ اگر ہمارے لیے یہ اصول ہے تو ان کے لیے کیوں نہیں؟!

1۔ مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں:

کسی کو الو گدھا کہہ دو تو وہ رنجیدہ ہو جاتا ہے اور حضرت قبلہ و کعبہ کہہ دو تو خوش ہوتا ہے حالانکہ الو گدھا بھی مخلوق ہیں اور قبلہ و کعبہ بھی، ایسے ہی خالق کے مختلف ناموں میں مختلف تاثیریں ہیں۔ (اسرار الاحکام ص52)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اب دیکھیے لفظ "ایسے ہی "کووہ کہہ رہے ہیں جیسے کسی کو الو گدھا کہہ دیا جائے تو اثر پڑتا ہے ایسے ہی خدا کے ناموں سے دم وغیرہ کرنے میں بھی اثر ہے۔اب سوال یہ ہے کہ کیا انہوں نے اثر میں خدا کے نام اور اُلو گدھا کے ناموں کو برابر نہیں کیا اور کیا ایسی گھٹیا چیز سے تشبیہ دے کر ان کا ایمان باقی رہا۔ مگر بریلویت کو سانپ سونگھ جائے جو اس عبارت کا جواب دینے کی کوشش کریں۔

2۔ یہی مفتی صاحب اور جگہ لکھتے ہیں:

انبیاء نے اپنے آپ کو ظالم ضال خطاوار وغیرہ فرمایا ہے اگر ہم یہ لفظ ان کی شان میں بولیں تو کافر ہو جائیں ایسے ہی حضور سے فرمایا گیا اپنے کو بشر کہو۔ (نور العرفان ص802، کتب خانہ نعیمی لاہور)

تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مفتی احمد یار نعیمی نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو ظلم اور گمراہی کے برابر کہا ہے یا اس سے تشبیہ دی ہے؟جو فتویٰ حکیم الامت حضرت تھانوی پر لگاتے ہو وہ مفتی احمد یار نعیمی پر بھی لگاؤ!

3۔ یہی مفتی اور جگہ لکھتے ہیں:

جب لاٹھی سانپ کی شکل میں ہو گی تو کھائے گی، پیے گی مگر ہو گی لاٹھی، یہ کھانا پینا اس کی اس شکل کا اثر ہو گا، ایسے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور ہیں جب بشری لباس میں آئے تو نوری بشر تھے، یہ کھانا پینا، نکاح وفات اسی بشریت کے احکام ہیں۔

(نور العرفان ص805 کتب خانہ نعیمی لاہور)

کیوں شریف الحق امجدی صاحب! یہاں بھی لفظ "ایسے" آیا ہوا ہے تو کیا آپ کے اصول سے یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو سانپ سے تشبیہ نہیں دی جا رہی؟ کیا یہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت مبارک کو سانپ کے برابر نہیں کہا جا رہا؟ یہاں آپ خاموش کیوں ہیں؟ کیا وہ فتوے اور اصول ہمارے لیے ہی ہیں یا یہاں بھی کچھ توجہ فرمائیں گے؟!

اور یہ بات گزر چکی ہے کہ حفظ الایمان کی عبارت پر سب سے پہلے مناظرہ مولوی احمد رضا اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے مابین ہوا۔ جس میں بڑی ذلت سے فاضل بریلوی کو دوچار ہونا پڑا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے انوار مظہریہ ص292

اس وقت حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب نے حامد رضا کے اعلان پر کہ اگر یہ ہمارے متعلق ہوتی تو ہم اس پر عدالت میں درخواست دائر کرتے اور ہتک عزت کا پرچہ ان پر کروایا جاتا۔یہی عبارت حامد رضا خان کے نام سے لے کر اپنے رسالے میں چھاپ دی مگر بریلویت کو سانپ سونگھ گیا۔

4- مولوی اشرف سیالوی لکھتے ہیں:

وہاں سب لوگوں نے اللہ رب العزت کے سوال الستُ بربّکم کے جواب میں بلیٰ کہا تھا لیکن یہاں کوئی شداد کوئی فرعون کوئی ہامان اور ابولہب بن گئے اس کی وجہ یہی ہے کہ عالم ارواح و عالم اجساد کا معاملہ مختلف ہے، اسی طرح نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں ملائکہ و انبیاء کے نبی تھے لیکن یہاں نہ کوئی ملک نہ نبی پھر آپ نبی کس کے تھے؟ (نبوت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ص62)

بریلوی حضرات سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا یہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تمثیل فرعون وہامان سے نہیں دی جا رہی؟ اس عبارت پر تو خود بریلوی مسلک کے لوگ بھی کہہ اُٹھے:

آپ نے بڑی دیدہ دلیری سے اور بے باکی سے سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم ارواح میں نبی ہونے اور بقول آپ کے عالم اجساد میں تقریباً 40 سال تک نبی نہ ہونے کا موازنہ حکم خداوندی کے مطابق جانوروں سے بھی بدتر کفار بلکہ کفار کے سرداروں کے کفر سے کر دیا۔ (نبوت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن لحظہ ص62،63)

اس تشبیہ وبرابری پر کیا بریلوی علماء نے اس کو کافر کہا؟ اگر نہیں تو کیوں؟

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

5- فاضل بریلوی سے ایک سوال ہوا کہ ایک عالم نے اپنے وعظ میں کہا: "اے مسلمانو! آپ لوگوں کو سمجھانے کے لیے ایک مثال دیتا ہوں، اس کے بعد آپ لوگ خیال کریں کہ قوت ایمانی میں کہاں تک ضعف ہو گیا ہے۔ دیکھو کسی حاکم کا چپراسی سمن لے کر آتا ہے تو اس کا کس کا قدر خوف ہوتا ہے حالانکہ حاکم ایک بندہ مثل وشما سمن آدھے پیسے کا کاغذ جس میں معمولی مضمون ہوتا ہے، چپراسی 5،6 روپے کا ملازم ہوتا ہے مگر حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کے خوف کے مارے لوگ روپوش ہو جاتے ہیں، لاچاری سے لیناہی پڑتا ہے بعدہ وکیل کی تلاش اور روپے کا صرف کرنا کذا و کذا اور اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کہ وہم بھر میں تہہ وبالا کر سکتا ہے۔ اس کا حکم نامہ قرآن پاک ومقدس کہ جس کے ایک ایک حرف پر دس بیس تیس نیکی کا وعدہ ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے۔ الخ........

الجواب: حاش للہ اس میں نہ تشبیہ ہے نہ تمثیل نہ اصلا معاذ اللہ توہین کی بو۔ (فتاویٰ رضویہ ج15، ص150)

اب دیکھیے! مولوی واعظ صاحب کہہ بھی رہے ہیں کہ ایک مثال دیتا ہوں اور اس میں اس نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال چپراسی سے دی ہے۔ مگر فاضل بریلوی نے چونکہ اپنا آدمی تھا، اس لیے یہ کہہ دیا کہ کوئی تشبیہ و تمثیل نہیں حالانکہ وہ کہہ رہا ہے کہ میں مثال دیتا ہوں۔ اس آدمی نے تمثیل مانی بھی ہے مگر نہ اس مثال میں چپراسی سے آپ علیہ السلام کی برابری تسلیم کی جاتی ہے اور نہ تشبیہ۔

تو ہم بھی یہی کہتے ہیں ہماری مثال میں اس قسم کی گفتگو نہیں۔ اگر یہ گستاخی نہیں تو پھر ہماری کیوں ہے؟ کیا اسی وجہ سے ہے کہ ہم نے دین خالص لوگوں کو سنایا جس سے تمہیں تکلیف ہوئی!

اصل میں ایسی عبارات بریلویت میں بہت ہیں مگر انہوں نے اپنی ان عبارات پر عشق و محبت کے مدعی ہونے کی چادر اوڑھ رکھی ہے۔ اس لیے ان کی کتب کو پڑھیں اور پھر فیصلہ فرمائیں کہ ان لوگوں کا عشق کا دعویٰ کہاں تک درست ہے؟

ایک اور طرز سے:

بریلوی حضرات حفظ الایمان کی اس عبارت پر اعتراض کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کو تشبیہ دی گئی ہے جانوروں کے علم کے ساتھ، تو یہ بات برابری کو لازم کرنے والی ہے یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کو جانوروں کے علم سے تشبیہ دینے کی وجہ سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا علم مبارک جانوروں کے علم کے برابر ہے۔ تو جواباً عرض یہ ہے کہ ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی اور خلیل احمد رانا جیسے بریلوی اسکالر کا عقیدہ و نظریہ تو یہ ہے کہ:

مشابہت سے مساوات بھی لازم نہیں آتی چہ جائے کہ مشبّہ کی برتری کا قول کیا جائے۔ (افضلیت غوث اعظم دلائل وشواہد ص86)

تو معلوم ہو گیا کہ فاضل بریلوی نے بہت بڑی زیادتی کی ہے جو کہ قابل معافی جرم نہیں اور اسی جرم کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود اپنے فتویٰ تکفیر میں بری طرح پھنس گیا جیسا کہ آپ اجمالی نظر میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

مفتی عبد المجید خان سعیدی لکھتے ہیں: مثال محض تفہیم کے لیے ہوتی ہے مساوات کے لیے نہیں۔ (کنز الایمان پر اعتراضات کا آپریشن ص186)

مفتی حنیف قریشی کہتے ہیں:

تشبیہ اور استعارہ سے مشبہ ومشبہ بہ کی برابری سمجھنا پرلے درجے کی حماقت وجہالت ہے۔ (ص539، روئیداد مناظرہ گستاخ کون)

مولوی ابو کلیم محمد صدیق فانی لکھتے ہیں:

مثال کے بیان سے مقصد کسی بات کو عام فہم انداز میں بیان کرنا مقصود ہوتا ہے یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ جس چیز کے لیے مثال دی جا رہی ہے مثال اس کا عین ہے اور ہوبہو اس پر صادق آتی ہے۔ محدث حافظ ابن قیم جوزی لکھتے ہیں: انه لا يلزم تشبيه الشیء بالشیء مساواته له۔ (المنار المنیف ص60 طبع بیروت)

یعنی کسی شے کو کسی سے تشبیہ دی جائے تو یہ لازم نہیں آتا کہ یہ شے اس کے برابر ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: تشبیہ اور استعارہ سے مشبہ اور مشبہ بہ سے برابری سمجھنا پرلے درجے کی حماقت (بے وقوفی) ہے۔ (آئینہ اہلسنت ص390)

مولوی اشرف سیالوی لکھتے ہیں:

مثال میں صرف وجہ تمثیل کا لحاظ ہوتا ہے جملہ امور میں اشتراک نہیں ہوتا۔ (حاشیہ مناظرہ جھنگ ص52)

بلکہ مولانا لکھنوی نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ کبھی تشبیہ ناقص کے ساتھ مجرد تفہیم کے واسطے ہوتی ہے۔ (مجموعہ فتاوی اردو ج1 ص20)

ایک اور طرز سے بریلوی عالم کا اعتراض:

بریلوی علامہ سردار احمد فیصل آبادی لکھتے ہیں:

اس ناپاک عبارت میں حضور پرنور شافع یوم النشور کے علم شریف کو بچوں، پاگلوں، جانوروں چارپاؤں کے علم سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس میں حضور علیہ اصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں صریح توہین اور کھلی گستاخی ہے۔ (دیوبندی سے لاجواب سوالات ص184، 183)

یعنی گھٹیا اشیاء کے ساتھ تشبیہ دینا گستاخی و توہین و کفر ہے۔ جیسا کہ جید بریلوی عالم اور بریلویوں کے حکیم الامت مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں:

آپ کی شان میں ہلکی مثالیں دینا کفر ہے۔ (ملخصاً نور العرفان ص345)

اب آیئے دوسری طرف:

ہم پہلے بھی چند مثالیں لکھ آئے ہیں کچھ اور بھی عرض کر دیتے ہیں۔ بریلویت ملت کے "قائد" مولوی اشرف سیالوی نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی مثال کافروں سے دیتے ہیں اور ان کی اس بات پر بریلوی علماء بھی بہت نالاں ہوتے ہیں۔

مثلاً مفتی عبد المجید خان سعیدی لکھتے ہیں:

مصنف تحقیقات نے جو حدیث لا یقاس بنا احد سے انحراف کرتے ہوئے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت والا معاملہ کافروں، مشرکوں اور منافقوں سے ملا کر جس سوئے ادبی کا ارتکاب کیا ہے وہ اس پر مستزاد ہے حالانکہ نبوت جب سلب سے پاک ہے اور سلب نبوت محال ہے تو اسے غیر نبی اور وہ کافر، مشرک اور منافق کے کفر و شرک اور نفاق سے ملا دینا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ سلب نبوت کے قائل نہ ہوتے تو یہ بات کبھی منہ سے نہ نکالتے اور گندی تشبیہ سے پرہیز کرتے۔ (سندیلوی کا چیلنج منظور ہے ص34)

مولوی اشرف سیالوی لکھتے ہیں:

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس بشری نسبتاً کثیف تھا اس لیے اس کثافت کو بار بار کے شق صدر اور چلہ کشی وغیرہ کے ذریعے جب لطیف کر دیا گیا تب آپ کو یہ منصب سونپا گیا۔ اس حقیقت کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ دوپہر کے سورج کے آگے سیاہی مائل اور دبیز تہہ والا بادل۔
(ملخصاً تحقیقات ص204)

اس پر تبصرہ کر کے سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

مصنف تحقیقات نے حضور کے چالیس سال کی عمر شریف تک بالقوہ بمعنی صلاحیت و استعداد نبی ہونے سے بھی صاف انکار کیا ہے اور آپ کی بشریت مقدسہ و مطہرہ منورہ از کی واطیب کو کثیف قرار دے کر اسے موٹی تہہ والے سیاہ بادل سے تشبیہ دی ہے جو سخت سوء ادبی ہے۔
(سندیلوی کا چیلنج منظور ہے: ص 47)

مفتی احمد یار نعیمی کو بھی دیکھیے اور اس کی دلیری کو بھی مدنظر رکھیے کہ ام البشر سیدہ حواء علیہا السلام کے متعلق کیا تشبیہ دیتا ہے؟ کہتا ہے:

حضرت حوا کو حضرت آدم کے جسم سے بغیر نطفہ بنایا دیکھو انسان کے جسم سے بہت سے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں مگر وہ اس کی اولاد نہیں کہلاتے۔
(نور العرفان ص93، النساء آیت نمبر 1)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

ظاہری صورت کی یکسانیت دیکھ کر اولیاء انبیاء کو اپنا مثل نہ سمجھو نیم اور بکائن کا درخت یکساں معلوم ہوتا ہے مگر پھلوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ (نور العرفان ص169، سورۃ الانعام آیت نمبر99)

یہاں انبیاء و اولیاء کو تشبیہ بکائن جیسے کڑوے درخت سے دی ہے ۔

ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

بھڑ اور شہد کی مکی ایک ہی پھول چوستی ہیں مگر یہ پھول کا رس بھڑ کے پیٹ میں پہنچ کر زہر اور شہد کی مکھی کے پیٹ میں پہنچ کر شہد بنتا ہے ایسے ہی ہمارا کھانا غفلت کا باعث ہے اور انبیاء کی خوراک نورانیت کے ازدیاد کا ذریعہ ہے۔ (نور العرفان ص414، سورۃ المومنون آیت نمبر32)

لفظ ”ایسے ہی“ بھی موجود ہے جو بریلوی اصول میں برابری اور تشبیہ دونوں کے لیے آتا ہے اور جن بریلویوں کے نزدیک صرف تشبیہ کے لیے آتا ہے وہ بھی دیکھیں کہ انبیاء کرام کو شہد کی مکھی سے تشبیہ دی گئی ہے جو کہ بریلوی اصول سے گستاخی بنتی ہے۔ آگے چلئے:

مفتی صاحب لکھتے ہیں :سانپ اور بھینس اگرچہ اللہ کی مخلوق ہے اس کی روزی کھاتے پیتے ہیں، مگر سانپ کے پاس زہر ہے اور بھینس کے پاس دودھ، اس لیے آپ سانپ کو مارتے ہیں اور بھینس کی خدمت کرتے ہیں۔ ایسے ہی کفار کے پاس کفر کا زہر ہے اور حضرات انبیاء، اولیاء، علماء کے پاس ایمان کا دودھ۔ (تفسیر نعیمی ج3، ص364، سورۃ آل عمران آیت نمبر33)

مفتی صاحب کا ایک اور ظلم ملاحظہ فرمائیں: جیسے ایک ہی رحم سے مختلف اولاد پیدا ہوتی ہے ایسے ہی ایک ہی تعلیم سے مریدین کے مختلف حالات ہوتے ہیں، نگاہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی تھی مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درجات مختلف۔

(تفسیر نعیمی ج3، ص243، سورۃ آل عمران آیت نمبر6)

ایک جگہ یوں لکھتے ہیں: سچے مرید کا قلب گویا رحم ہے اور شیخ کامل کی نگاہ گویا نطفہ۔

اتنی حقیر چیزوں سے نبی پاک اور انبیاء علیہم السلام کو تشبیہ دینے والا کیا بریلوی اُصول کی رو سے گستاخ نہیں؟!

ہم بریلوی مناظرین سے پوچھتے ہیں کہ سیالوی صاحب کی تشبیہات کا گھٹیا ہونا آپ بھی مانتے ہو، کیا فاضل بریلوی کے فتویٰ سے اسے کافر و گستاخ کہتے ہو یا نہیں؟

اور اگر اس اصول سے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو معافی نہیں تو مفتی احمد یار نعیمی کو معافی کیوں؟ جو انبیاء کو تشبیہ کبھی بھینس سے اور کبھی کسی سے دیتا ہے، اسے معافی کیوں ہے؟ بریلوی اکابرین نے اس کے خلاف کتنی کتابیں لکھی ہیں؟ آخر کیوں معافی دی؟ بریلوی حضرات شیر مادر سمجھ کر اور گیارہویں کا ٹھنڈا میٹھا دودھ سمجھ کر ان سوالات کو ہضم تو کر سکتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔

اب اصل عبارت کو دیکھیں:

”آپ کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہوتی ہے۔“

عبارت میں ”ایسا علم“ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کی طرف اشارہ نہیں بلکہ ”مطلق بعض علم“ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ عبارت کے آخری ٹکڑا اسے معلوم ہو رہا ہے یعنی اگر بعض علم کی وجہ سے عالم الغیب کہتے ہو تو پھر ہر ایک کو بعض علم تو ہے یعنی کچھ نہ کچھ تو پتہ ہے، لہٰذا ان کو بھی عالم الغیب کہو۔ تو حضرت تھانوی نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ سرکار والا علم مبارک سب کو ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ تقلید

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

ابتدائیہ:

1: شریعت کے دو اجزاء ہیں؛(1)عقائد (2)مسائل

عقائد میں بنیادی عقیدہ "توحید" ہے جبکہ مسائل میں بنیادی مسئلہ "تقلید" ہے۔

2: سورۃ الفاتحہ ام الکتاب یعنی قرآن مجید کا خلاصہ ہے۔ اس میں بنیادی دو مسئلے ہیں، آدھی میں توحید اور آدھی میں تقلید۔

مسئلہ تقلید کو سمجھنے کیلئے چار چیزوں کا سمجھنا ضروری ہے:

نمبر1: تعریف تقلید

نمبر2: دلائل تقلید

نمبر3: تقلید پر ہونے والے شبہات کے جوابات

نمبر4: ترک تقلید کے نقصانات

فائدہ: تقلید کی اہمیت

اہمیت نمبر1: تمام اختلافی مسائل کی بنیاد تقلید اور ترک تقلید ہے۔ اگر یہ حل ہو جائیں تو تمام مسائل حل ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اہمیت نمبر2: اگر تقلید (بڑوں پر اعتماد) والا مزاج بن جائے تو امت میں اتحاد ہو سکتا ہے۔

اہمیت نمبر3: اس دور میں منکرین تقلید نے تقلید کو عقیدہ کی حیثیت دی ہے، مقلدین پر کفر و شرک کے فتوے لگائے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس مسئلہ میں تیاری عقیدے کی حیثیت سے کرنی چاہیے۔

واقعہ شیخوپورہ: ایک بچہ جس نے اپنی ممانی غیر مقلدن سے مناظرہ کیا کہ تقلید ایمان ہے یا شرک؟ اگر ایمان ہے تو تمہارا نظریہ ختم، اگر شرک ہے تو میرے ماموں سے نکاح ختم، کیونکہ وہ مقلد ہے۔

ان تین اہمیتوں کی وجہ سے سب سے پہلے مسئلہ تقلید کو ذکر کرنا چاہیے۔

نمبر۱: تعریف تقلید

تقلید کا لغوی معنی:

1: القلادۃ التی فی العنق...ومنہ التقلید فی الدین. (مختار الصحاح لمحمد بن ابی بکر الرازی ص560)

2: التقلید لغۃً جعل القلادۃ فی العنق. (کشاف اصطلاحات الفنون ج2ص1178)

فائدہ:

قلادہ کا معنی "پٹہ" بھی ہے اور "ہار" بھی۔

1: قلادہ بمعنی "پٹہ"

قَالَتْ عَمْرَۃُ فَقَالَتْ عَائِشَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا... أَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَ ھَدْیِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدَیَّ ثُمَّ قَلَّدَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ بِیَدَیۡہِ. (صحیح البخاری ج1 ص230 باب من قلد القلائد بیدہ)

عَنۡ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہَا قَالَتۡ کُنۡتُ أَفۡتِلُ قَلَائِدَ الۡغَنَمِ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ الحدیث. (صحیح البخاری: ج1 ص230 باب تقلید الغنم)

2: قلادہ بمعنی "ہار"

عَنۡ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہَا قَالَتۡ هَلَکَتۡ قِلَادَةٌ لِأَسۡمَاءَ فَبَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فِی طَلَبِہَا رِجَالًا فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَیۡسُوا عَلَی وُضُوءٍ وَلَمۡ یَجِدُوا مَاءً فَصَلَّوۡا وَهُمۡ عَلَی غَیۡرِ وُضُوءٍ فَذَکَرُوا ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَأَنۡزَلَ اللّٰہُ آیَةَ التَّیَمُّمِ زَادَ ابۡنُ نُمَیۡرٍ عَنۡ هِشَامٍ عَنۡ أَبِیۡہِ عَنۡ عَائِشَةَ اسۡتَعَارَتۡ مِنۡ أَسۡمَاءَ. (صحیح البخاری: ج2 ص874 باب استعارۃ القلائد)

ان میں سے پہلی دو روایتوں میں قلادہ "پٹہ" کے معنی میں اور آخری روایت میں "ہار" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا اس کا معنی صرف پٹہ کرنا دجل اور بد دیانتی ہے۔ حجۃ اللہ فی الارض رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ تقلید "قلادہ" سے ہے۔ اگر جانور کے گلے میں ہو تو "پٹہ" اور اگر انسان کے گلے میں ہو تو "ہار" کہلاتا ہے۔ اب جانور جانوروں والا معنی کرتے ہیں اور انسان انسانوں والا۔ ع پسند اپنی اپنی نظر اپنی اپنی

فائدہ نمبر 1:

اگر تقلید کا معنی "پٹہ" ہی لیا جائے تو لفظِ تقلید باب تفعیل سے ہے جو کہ متعدی ہے، جس کا معنی ہے "پٹہ ڈالنا" اور پٹہ آدمی ہمیشہ دوسرے کے گلے میں ڈالتا ہے، اپنے گلے میں کبھی نہیں ڈالتا۔ تو ہم مقلد غیر مقلدین کے گلے میں پٹہ ڈالنے والے ہیں اور ہار بندہ کبھی دوسرے کے گلے میں ڈالتا ہے اور کبھی اپنے گلے میں۔

عرف عام میں انسان کے اوصاف کو بیان کرنے کیلئے کسی جانور سے تشبیہ دی جاتی ہے؛ بہادر کو شیر، تیز کو چیتا، سست کو گینڈا، سست رفتار کو کچھوا، تیز رفتار اور اچھلنے والے کو خرگوش، چالاک کو لومڑی، بزدل کو گیدڑ اور بے وقوف کو گدھا کہتے ہیں۔ غیر مقلدین بے وقوف یعنی گدھے ہیں۔

وجہ تشبیہ: قرآن کریم میں ہے:

الَّذِیۡنَ هُمۡ فِی صَلَاتِہِمۡ خَاشِعُوۡنَ (المؤمنون: 2)

اس کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مخبتون متواضعون لا یلتفتون یمیناً ولا شمالاً ولا یرفعون ایدیہم فی الصلوٰۃ (تفسیر ابن عباس: ص212)

یعنی نماز میں رفع یدین کرنا خشوع کے خلاف ہے اور دوسری آیت میں ہے:

وَإِنَّہَا لَکَبِیۡرَةٌ إِلَّا عَلَی الۡخَاشِعِیۡنَ (البقرہ: 45)

نماز خاشعین کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بھاری ہے۔

(1): گدھے کی ٹانگیں ٹھیک ہوتی ہیں، جب پیٹھ پر وزن آئے تو ٹانگیں چوڑی ہو جاتی ہیں اور کھل جاتی ہیں۔ غیر مقلدین کی ٹانگیں ٹھیک ہوتی ہیں لیکن جب رفع الیدین والی نماز کا بوجھ آتا ہے تو ٹانگیں کھل جاتی ہیں۔

(2): گدھے کی پشت پر پانچ من گندم لادو تو وہ اٹھالے گا لیکن اگر سر پر ایک چھوٹا سا کپڑا رکھ دو تو فوراً سر جھٹک کر گرا دے گا۔ غیر مقلد چار پانچ کپڑے جسم پر اٹھالے گا مگر سر پر ایک چھوٹی سی ٹوپی بھی نہ رکھے گا۔

فائدہ نمبر 2:

غیر مقلد "قلادہ" کے ایک معنی پر زور دیتا ہے، دوسرا معنی جہالت کی وجہ سے جانتا نہیں یا ضد کی وجہ سے مانتا نہیں۔ بالکل اسی طرح منکر

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی موت کے ایک ہی معنی "خروج روح" پر زور دیتا ہے دوسرا معنی "حبس روح" والا جہالت کی وجہ سے جانتا نہیں یا ضد کی وجہ سے مانتا نہیں اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ دونوں معنی جانتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں۔ موت کا معنی قبض ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: إِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِينَ شَاءَ (صحیح البخاری: رقم الحدیث 595) اور قبض کی دو صورتیں ہیں؛ (1) حبس اور (2) خروج، نبی کے لیے "حبس روح" اور امتی کے لیے "خروج روح"۔

تقلید کا اصطلاحی معنیٰ:

1: التقليد اتباع الانسان غيره فيما يقول او يفعل معتقدا للحقية من غير نظر الى الدليل كأنّ هذا المتّبِعَ جعل قولَ الغير او فعلَه قلادةً في عنقه من غيرِ مطالبةِ دليل.

(کشاف اصطلاحات الفنون ج2 ص1178، التعاریف للمناوی ص199)

2: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلادے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔

(الاقتصاد از حضرت تھانوی رحمہ اللہ ص10)

3: متکلم اسلام حضرت مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ تقلید کا معنی یہ بیان فرماتے ہیں:

مسائل اجتہادیہ میں غیر مجتہد کا ایسے مجتہد کے مفتیٰ بہ مسائل کو بلا مطالبہ دلیل مان لینا جس کا مجتہد ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہو اور اس کا مذہب اصولاً و فروعاً مدون ہو کر مقلد کے پاس تواتر کے ساتھ پہنچا ہو۔

فوائد قیود:

نمبر 1: مسائل شرعیہ دو قسم کے ہیں:

(1): واضح، (2): غیر واضح (اجتہادی)

غیر واضح کی کئی اقسام ہیں:

قسم نمبر 1: غیر منصوصہ

مثال نمبر 1: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. (المائدہ: 90)

یہاں شراب منصوص ہے اور بھنگ غیر منصوص۔

مثال نمبر 2: مکھی کھانے میں گر جائے تو کیا کریں؟ یہ حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ ثُمَّ لِيَطْرَحْهُ فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ شِفَاءً وَفِي الْآخَرِ دَاءً.

(صحیح البخاری: کتاب الطب باب إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي الْإِنَاءِ ج2 ص860)

لیکن اگر مچھر وغیرہ گر جائے تو اس کا حکم مذکور نہیں، لہٰذا مچھر کا حکم یہاں غیر منصوص ہے۔

قسم نمبر 2: منصوصہ متعارضہ

مثال نمبر 1: بیوہ کی عدت

1: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (البقرۃ: 234)

2: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ (البقرۃ: 240)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مثال نمبر2: مسئلہ آمین

1: عن وائل بن حجر قال: سمعت النبی صلی اللہ علیہ و سلم قرأ (غیر المغضوب علیھم ولا الضالین) فقال آمین ومد بھا صوتہ.

(جامع الترمذی: ج1 ص57 باب ماجاء فی التامین)

2: عن علقمۃ بن وائل عن أبیہ أن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قرأ (غیر المغضوب علیھم ولا الضالین) فقال آمین وخفض بھا صوتہ. (جامع الترمذی: ج1 ص58 باب ماجاء فی التامین)

قسم نمبر3: مسائل منصوصہ مجملہ

مثال نمبر1:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ الآیۃ. (المائدۃ:6)

مثال نمبر2:

عن ابن مسعود: أن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال إذا رکع أحدکم فقال فی رکوعہ سبحان ربی العظیم ثلاث مرات فقد تم رکوعہ وذلک أدناہ وإذا سجد فقال فی سجودہ سبحان ربی الأعلی ثلاث مرات فقد تم سجودہ وذلک أدناہ.

(جامع الترمذی: ج1 ص60 باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود)

قسم نمبر4: مسائل منصوصہ محتملۃ المعانی

مثال نمبر1: معنی قروء

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ. (البقرۃ:228)

مثال نمبر2:

عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وأبی بکر وسنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ فقال عمر بن الخطاب إن الناس قد استعجلوا فی أمر قد کانت لھم فیہ أناۃ فلو أمضیناہ علیھم فأمضاہ علیھم.

(صحیح مسلم ج1 ص477 باب طلاق الثلاث)

قال النووی: فالأصح أن معناہ أنہ کان فی أول الأمر اذا قال لھا أنت طالق أنت طالق ولم ینو تأکیداً ولا استئنافاً یحکم بوقوع طلقۃ لقلۃ ارادتھم الاستئناف بذلک فحمل علی الغالب الذی ھو ارادۃ التأکید. (شرح النووی: ج1 ص478)

قسم نمبر5: مسائل منصوصہ غیر متعینۃ الاحکام

یعنی مسئلہ نص میں ہو مگر اس کا حکم (فرض، واجب وغیرہ) نص میں نہ ہو، مجتہد حکم بیان کرتا ہے اور مقلد اس حکم میں تقلید کرتا ہے۔

مثال نمبر1:

(1) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ. (سورۃ المائدۃ:6)

(2) وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا. (سورۃ المائدۃ:2)

مثال نمبر2:

(1) إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا...... وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ.

(صحیح البخاری: ج:1: ص:101 باب إِيجَابِ التَّكْبِيرِ وَافْتِتَاحِ الصَّلَاةِ)

(2) سَوُّوا صُفُوفَكُم. (صحیح البخاری: ج1 ص100 باب اقامۃ الصف من تمام الصلاۃ)

تو تقلید ان پانچ قسم کے مسائل اجتہادیہ میں ہوگی۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نمبر2: تقلید غیر مجتہد کرتا ہے، مجتہد پر کسی کی تقلید واجب نہیں۔ جس طرح نبی پر کسی کا کلمہ پڑھنا فرض نہیں ہوتا کیونکہ وہ خود نبی ہوتا ہے۔

نمبر3: تقلید ایسے مجتہد کی ہوگی جس کا مجتہد ہونا دلیل شرعی (قرآن، حدیث، اجماع) سے ثابت ہو۔

قرآن: جیسے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا مجتہد ہونا۔

وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ. فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا. (الانبیاء:78،79)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بدر کے موقع پر اجتہادی رائے دینا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ. (الانفال:67)

قال عمر: وافقت ربي في ثلاث في مقام إبراهيم وفي الحجاب وفي أساري بدر. (صحیح مسلم: باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ)

عن أنس بن مالك قال قال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: وافقت ربي في ثلاث قلت يا رسول الله هذا مقام إبراهيم لو اتخذناه مصلى فأنزل الله تعالى ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ وقلت يا رسول الله لو حجبت نساءك فإنه يدخل عليك البر والفاجر فأنزل الله آية الحجاب ﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾ وقلت في أساري بدر اضرب أعناقهم فاستشار أصحابه فأشاروا عليه بأخذ الفداء فأنزل الله ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ﴾ الآية.

(المعجم الصغیر للطبرانی: ج2 ص110)

حدیث: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا مجتہد ہونا، چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجا تو فرمایا:

كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ أَقْضِي بِكِتَابِ اللَّهِ. قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَلاَ فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي وَلاَ آلُو. فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم صَدْرَهُ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللَّهِ. (سنن ابی داود: باب اجتہاد الرای فی القضاء)

اجماع: ائمہ اربعہ کا مجتہد ہونا۔

نمبر4: تقلید مفتیٰ بہا مسائل واقوال میں ہوگی، غیر مفتی بہا کا احترام ضروری مگر تقلید مفتیٰ بہا میں ہی میں ہوگی۔ جس طرح ضعیف احادیث کا احترام ضروری مگر ضعیف کے مقابلے میں عمل صحیح پر، منسوخ احادیث کا احترام ضروری مگر عمل ناسخ پر۔

نمبر5: بلا مطالبہ دلیل تسلیم کرنا۔ تقلید نام ہے بادلیل بات کو بلا مطالبہ دلیل مان لینا۔ یعنی مجتہد کے پاس دلیل موجود ہوتی ہے لیکن مقلد دلیل کا مطالبہ نہیں کرتا۔

نمبر6: تقلید ایسے مجتہد کی ہوگی جس کا مذہب اصولاً وفروعاً مدون ہو، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بہت سارے حضرات مجتہد تھے مگر ان کا مذہب مدون نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تقلید نہیں کی جاتی۔

نمبر7: مجتہد کا مذہب تواتر کے ساتھ مقلد کے پاس پہنچا ہو اور تواتر میں سند کی ضرورت نہیں ہوتی۔

1: قال الحافظ ابن حجر: والمتواتر لا يبحث عن رجاله، بل يجب العمل به من غير بحث. (شرح نخبۃ الفکر: ص29)

2: قال السيوطي: المتواتر فإنه صحيح قطعا ولا يشترط فيه مجموع هذه الشروط. (تدریب الراوی: ص34)

3: قال محمد بن ابراهيم الشهير بابن الحنبلي الحنفي: ومن شانه ان لا يشترط عدالة رجاله بخلاف غيره. (قفو الاثر: ص46)

فقہ کو بھی تواتر کا درجہ حاصل ہے، لہٰذا اس کی سند کا مطالبہ کرنا اصول سے جہالت کی دلیل ہے کیونکہ تواتر کے بعد سند کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نمبر۲: دلائل تقلید

تقلید مطلق کے دلائل

آیات قرآنیہ:

آیت نمبر 1:

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ. صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ. (سورۃ الفاتحۃ)

کہ اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔

☆ صراط مستقیم کی تفسیر "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" سے کی ہے نہ کہ "صراط القرآن والحدیث" سے، "صراط اهل العلم و العمل" سے کی ہے نہ کہ "صراط العلم" سے اور یہی تقلید ہے۔

☆ "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" میں چار شخصیات ہیں کما قال تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾ (سورۃ النساء:69)

آیت نمبر 2:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ الآیۃ (سورۃ النساء:59)

اولی الامر سے مراد "فقہاء" ہیں۔

1: روی عن جابر بن عبداللہ و ابن عباس روایۃ، و الحسن و عطاء و مجاهد انهم اولو الفقه والعلم.

(احکام القرآن للجصاص ج2 ص298)

2: عن معاویۃ بن صالح، عن علی بن أبی طلحۃ، عن ابن عباس قوله: وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ یعنی: اهل الفقه والدین

(تفسیر ابن ابی حاتم ج3 ص69)

فائدہ: قال الحاکم: تفسیر الصحابی الذی شهد الوحی و التنزیل عند الشیخین حدیث مسند. (مستدرک الحاکم: ج2 ص383)

اعتراض: آیت کا یہ حصہ ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ تقلید کی تردید کرتا ہے۔

جواب:

امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و قوله تعالی عقیب ذلك ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ یدل علی ان اولی الامر هم الفقهاء لانه امر سائر الناس بطاعتهم ثم قال: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ﴾ فامر اولی الامر برد المتنازع فیه الی کتاب اللہ و سنة نبیه اذا کانت العامة و من لیس من اهل العلم لیست هذه منزلتهم لانهم لا یعرفون کیفیة الرد الی کتاب اللہ و السنة و وجوہ دلائلهما علی احکام الحوادث فثبت انه خطاب للعلماء

(احکام القرآن للجصاص ج2 ص299)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

و الظاهر انه خطاب مستقل موجه للمجتهدین. (تفسیر فتح البیان ج2 ص308 بحوالہ تقلید کی شرعی حیثیت ص18)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

آیت نمبر 3:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ. (سورۃ النساء:83)

امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أن العامی علیه تقلید العلماء فی أحکام الحوادث (احکام القرآن للجصاص ج2ص305)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

فی الآیة اشارة الی جواز القیاس (فتح البیان ج2ص330)

سوال: یہ آیت جنگ کے بارے میں ہے۔

جواب: العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب. (کشف الاسرار: باب حکم الاجماع 3/ 376، تفسیر القرطبی: سورۃ الاعراف، الایۃ 31)

کہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہو گا نہ کہ سببِ نزول کے خاص واقعہ کا۔

آیت نمبر 4:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ. (التوبہ:122)

امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فأوجب الحذر بإنذارهم وألزم المنذرين قبول قولهم. (احکام القرآن للجصاص ج2ص304)

آیت نمبر 5:

فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل:43)

علامہ آلوسی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

واستدل بها أيضا على وجوب المراجعة للعلماء فيما لا يعلم وفى الإكليل للجلال السيوطى أنه استدل بها على جواز تقليد العامى فى الفروع (روح المعانی ج8ص148)

احادیث مبارکہ:

حدیث نمبر 1:

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ. (صحیح البخاری: ج2ص1092 باب أجر الحاکم إذا اجتھد فأصاب أو أخطأ)

حدیث نمبر 2:

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي عَوْنٍ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أَخِي الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أُنَاسٍ مِنْ أَهْلِ حِمْصَ مِنْ أَصْحَابِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ أَقْضِي بِكِتَابِ اللَّهِ. قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَلاَ فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي وَلاَ آلُو. فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم صَدْرَهُ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللَّهِ. (سنن ابی داؤد ج2ص149 باب اجتھاد الرای فی القضاء)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تصحیح الحدیث:

1: قال ابن عبد البر: وحدیث معاذ صحیح مشهور (جامع بیان العلم: ج2ص94)

2: قال ابن تیمیة: بإسناد جید. (مقدمہ فی التفسیر لابن تیمیہ: ص93)

3: قال ابن القیم: وھذا إسناد متصل ورجاله معروفون بالثقة (اعلام الموقعین: ج1ص202)

فوائد حدیث:

نمبر1: حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجا، معلوم ہوا کہ ہر بندہ قرآن وحدیث خود نہیں سمجھ سکتا۔

نمبر2: "فان لم تجد" اور "فان لم یکن" میں فرق۔

نمبر3: اس میں پرویزیت اور غیر مقلدیت کی تردید ہے۔

نمبر4: اس حدیث میں اجتہاد کے جواز کی دلیل ہے۔

نمبر5: "فضرب رسول الله صلی الله علیه وسلم صدره" آپ نے بغیر کسی واسطہ سینے پر ہاتھ مارا اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی چادر پر ہاتھ لگایا جیسا کہ روایت میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنْسَاهُ قَالَ ابْسُطْ رِدَاءَكَ فَبَسَطْتُهُ قَالَ فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ ضُمَّهُ فَضَمَمْتُهُ فَمَا نَسِيتُ شَيْئًا بَعْدَهُ. (صحیح البخاری: باب حفظ العلم)

اور ان دونوں میں فرق واضح ہے۔

نمبر6: اجتہاد پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا شکر ادا فرمایا۔

حدیث نمبر3:

قَالَ الْعِرْبَاضُ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ قَائِلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا فَقَالَ « أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِى فَسَيَرَى اخْتِلاَفًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِى وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ ».

(سنن ابی داؤد: کتاب السنۃ - باب فی لزوم السنۃ)

تحقیق السند:

1: قال الترمذی: هذا حديث صحيح (جامع الترمذی: باب ماجاء فی الاخذ بالسنۃ واجتناب البدع)

2: قال الحاکم: هذا حديث صحيح ليس له علة (مستدرک الحاکم: ج1ص177 رقم الحدیث329)

3: قال الذهبی: صحيح ليس له علة (التلخیص علی المستدرک: ج1ص177 رقم الحدیث329)

چند فوائد:

1: خلیفہ راشد کی سنت اور اجتہاد میں فرق

2: بیک وقت خلیفہ راشد ایک ہوتا ہے

3: "تمسکوا بها" فرمایا "تمسکوا بهما" نہیں فرمایا

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حدیث نمبر4:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي.

(جامع الترمذی: باب ماجاء فی افتراق الامۃ)

تحقیق السند:

1: قال الترمذی: هذا حديث حسن غريب مفسر. (جامع الترمذی: ج ص باب ماجاء فی افتراق الامۃ)

2: قال الالبانی: حسن (جامع الترمذی باحکام الالبانی: تحت ح2641)

حدیث نمبر5:

عن علی قال قلت: يا رسول الله إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولا نهي فما تأمرنا قال تشاورون الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأی خاصة.

(المعجم الاوسط للطبرانی: ج2 ص172 رقم الحدیث1618)

تحقیق السند:

قال الطبرانی: لم يرو هذا الحديث عن الوليد بن صالح إلا نوح. (المعجم الاوسط للطبرانی: ج2 ص172 رقم الحدیث1618)

اما الوليد بن صالح فقد ذكره ابن حبان فی الثقات (کتاب الثقات: ج5 ص491، ج7 ص551)

واما نوح بن قيس فقد وثقه يحيى بن معين (لسان المیزان: ج7 ص415)

ولذا قال الهيثمی بعد ان اورده: رواه الطبرانی فی الأوسط ورجاله موثقون من أهل الصحيح. (مجمع الزوائد: ج1 ص179)

حدیث نمبر6:

عَنْ كَثِيرِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ إِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَدِينَةِ الرَّسُولِ -صلى الله عليه وسلم- لِحَدِيثٍ بَلَغَنِي أَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ. قَالَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ «مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلاَئِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الأَرْضِ وَالْحِيتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلاَ دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ».

(سنن ابی داؤد: کتاب العلم - باب الحث علی طلب العلم)

تحقیق السند:

1: قال المناوی: هو حديث صحيح. (فیض القدیر: ج4 ص504)

2: قال ابن الملقن: هَذَا الحَدِيث صَحِيح (البدر المنیر: ج7 ص687)

3: قال الهيثمی: رجاله موثقون (مجمع الزوائد: ج1 ص335)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تقلید شخصی کے دلائل

آیت کریمہ:

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (لقمان:15)

﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ أى اتبع دين من أقبل إلى طاعتى وهو النبى صلى الله عليه وسلم وأصحابه وقيل من أناب إلى يعنى أبا بكر الصديق. (تفسیر الخازن ج3ص 471)

فائدہ: سبیل صیغہ واحد ہے، جو کہ تقلید شخصی پر دال ہے۔

احادیث مبارکہ:

حدیث نمبر1:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَتْ امْرَأَةٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْهِ قَالَتْ أَرَأَيْتَ إِنْ جِئْتُ وَلَمْ أَجِدْكَ كَأَنَّهَا تَقُولُ الْمَوْتَ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ لَمْ تَجِدِينِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ.

(صحیح البخاری ج1ص 516 باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذا خلیل)

حدیث نمبر2:

عَنْ هُزَيْلَ بْنِ شُرَحْبِيلَ قَالَ سُئِلَ أَبُو مُوسَى عَنْ بِنْتٍ وَابْنَةِ ابْنٍ وَأُخْتٍ فَقَالَ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِلْأُخْتِ النِّصْفُ وَأْتِ ابْنَ مَسْعُودٍ فَسَيُتَابِعُنِي فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَأُخْبِرَ بِقَوْلِ أَبِي مُوسَى فَقَالَ لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنْ الْمُهْتَدِينَ أَقْضِي فِيهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلِابْنَةِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ ابْنٍ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ فَأَتَيْنَا أَبَا مُوسَى فَأَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ لَا تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هَذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ. (صحیح البخاری ج2 ص997 باب المیراث ابنۃ ابن مع ابنۃ)

حدیث نمبر3:

عُلَيِّ بْنِ رَبَاحٍ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ فِي الْجَابِيَةِ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنِ الْقُرْآنِ فَلْيَأْتِ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ، عَنِ الْفَرَائِضِ فَلْيَأْتِ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ، عَنِ الْفِقْهِ فَلْيَأْتِ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ، عَنِ الْمَالِ فَلْيَأْتِنِي فَإِنَّ اللهَ جَعَلَنِي خَازِنًا وَقَاسِمًا.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج17 ص484 باب ما قالوا فیمن یبدا بہ فی الاعطیۃ، اسنادہ صحیح)

نمبر۲: تقلید پر ہونے والے شبہات کے جوابات

شبہ نمبر1: قرآن کریم میں ہے: الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا. (المائدۃ:3)

توجب دین مکمل ہو گیا تو تقلید کی کیا ضرورت ہے؟ نیز فقہ حنفی تکمیل دین کے خلاف ہے۔

جواب:

1: مراد اصول کی تکمیل ہے۔

2: تکمیل کا عرفی معنیٰ مراد ہے، جس طرح کے الیوم کا عرفی معنیٰ مراد ہے۔

3: اگر تکمیل ہو گئی تو جو آیات اس کے بعد نازل ہوئیں اور جو ارشادات پیغمبر علیہ السلام نے فرمائے کیا وہ دین کا حصہ نہیں ہوں گے ؟!

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

شبہ نمبر2: قرآن کریم میں لفظ "تقلید" نہیں، اگر تقلید واجب ہوتی تو یہ لفظ قرآن میں ضرور ہوتا۔

جواب: قرآن مجید میں "تقلید" کا لفظ نہیں تقلید کا معنیٰ ہے، جس طرح "توحید" کا لفظ نہیں توحید کا معنیٰ ہے۔ جب فن ایجاد ہوتا ہے تو اصطلاحات ایجاد ہوتی ہیں جس طرح اصطلاحات نحو وصرف وغیرہ۔

شبہ نمبر3: قرآن کریم کی کئی آیات میں بڑوں کی تقلید سے روکا گیا اور اس کی مذمت کی گئی ہے۔ مثلاً

1: وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا (البقرۃ:170)

2: وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا (الاحزاب:67)

جواب:

[۱]: پوری آیت یوں ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾

اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آباء واجداد اگر علم وفہم سے عاری اور راہِ ہدایت سے بھٹکے ہوئے ہوں تو ان کے راستے کی اتباع مذموم ہے جبکہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ علم وعقل سے متصف اور راہِ ہدایت پر تھے۔

[۲]: تقلید کی دو قسمیں ہیں: 1: تقلید محمود 2: تقلید مذموم

قرآن وحدیث سمجھنے کے لیے آباء کی بات ماننا یہ تقلید "محمود" ہے اور قرآن وحدیث کے مقابلے میں آباء کی بات ماننا یہ تقلید "مذموم" ہے۔ اس طرح کی آیات میں تقلید مذموم کی تردید کرتی ہیں نہ کہ تقلید محمود کی۔

شبہ نمبر4: کیا تقلید خیر القرون میں تھی؟ اگر تھی تو کس امام کی تھی؟

جواب: اعلام الموقعین میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تقریباً 130 حضرات مجتہد تھے، باقی ان کے بتائے ہوئے اجتہادی مسائل کی تقلید کرتے تھے۔

شبہ نمبر5: قرآن کریم میں ہے: هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا (الحج:78) تم کہتے ہو ہم حنفی شافعی وغیرہ ہیں۔

جواب:

[1]: کفار کے مقابلہ میں ہم "مسلمان"، اہل بدعت کے مقابلے میں ہم "اہلسنت والجماعت" اور اجتہادی اختلاف میں ہم "حنفی" ہیں۔ جس طرح بیرون ملک میں ہم پاکستانی ہیں اور اندرون ملک میں پنجابی، سندھی، بلوچی، اور صوبائی سطح پر ضلع وغیرہ کا نام۔ تو قرآن مجید میں "مسلمین" بمقابلہ "کافرین" ہے نہ کہ بمقابلہ حنفی وشافعی۔

[2]: اگر خود کو حنفی کہنا غلط ہے تو محمدی، سلفی، اثری کیوں کہتے ہو!

شبہ نمبر6: ایک مسئلہ میں چار ائمہ کا اختلاف ہو جائے تو چاروں حق پر کیسے ہوتے ہیں؟ حالانکہ حق ایک ہوتا ہے۔

جواب:

[۱]: یہ حق بمقابلہ "خطاء" ہے نہ کہ بمقابلہ "باطل" جس میں حق پر اجران اور خطاء پر اجر واحد ملتا ہے۔ کما جاء فی الحدیث:

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ (صحیح البخاری: باب أجر الحاکم إذا اجتھد فأصاب أو أخطأ)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

[۲]: عنداللہ حق ایک ہے اور عندالناس چاروں حق ہیں۔ مثال: تحری قبلہ۔

[۳]: یہ اختلاف اجتہادی مسائل میں ہے جو معیوب نہیں۔ اسکی مثالیں:

مثال 1: وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ. فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا. (الانبیاء: 78،79)

مثال 2: غزوہ خندق کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ فَأَدْرَكَ بَعْضُهُمْ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا نُصَلِّي حَتَّى نَأْتِيَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ نُصَلِّي لَمْ يُرِدْ مِنَّا ذَلِكَ فَذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِنْهُمْ. (صحیح البخاری: ج2 ص591 باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب ومخرجہ الی بنی قریظۃ الخ)

مثال 3: عن أبي سعيد: أن رجلين تيمما وصليا ثم وجدا ماء في الوقت فتوضأ أحدهما وعاد لصلاته ما كان في الوقت ولم يعد الآخر فسألا النبي صلى الله عليه و سلم فقال للذي لم يعد أصبت السنة وأجزأتك صلاتك وقال للآخر أما أنت فلك مثل سهم جمع. (سنن النسائی ج2 ص74،75 باب التیمم لمن یجد الماء بعد الصلوٰۃ)

شبہ نمبر 7: فقہ حنفی کے بہت سارے مسائل ایسے ہیں جن میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا ہے۔

جواب:

[۱]: ایک مجتہد دوسرے مجتہد سے اختلاف کرے یہ جائز ہے جس طرح حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما الصلوٰۃ والسلام کا اجتہادی اختلاف۔ غیر مجتہد کا مجتہد سے اختلاف کرنا جائز نہیں۔

[۲]: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول حقیقت میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے رد المحتار کے مقدمہ میں فرمایا کہ ایک مسئلہ میں امام صاحب کا ایک قول ہو اور آپ کے شاگردوں کا کوئی دوسرا قول اس کے خلاف ہو تو وہ شاگردوں کا قول دراصل آپ ہی کا قول ہوتا ہے، شاگردوں کی طرف نسبت محض رائے کی موافقت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ مِنْ كِتَابِ الْجِنَايَاتِ قَالَ أَبُو يُوسُفَ: مَا قُلْت قَوْلًا خَالَفْت فِيهِ أَبَا حَنِيفَةَ إلَّا قَوْلًا قَدْ كَانَ قَالَهُ...

وَفِي آخِرِ الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ: وَإِذَا أَخَذَ بِقَوْلِ وَاحِدٍ مِنْهُمْ يَعْلَمُ قَطْعًا أَنَّهُ يَكُونُ بِهِ آخِذًا بِقَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ، فَإِنَّهُ رَوَى عَنْ جَمِيعِ أَصْحَابِهِ مِنْ الْكِبَارِ كَأَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَزُفَرَ وَالْحَسَنِ أَنَّهُمْ قَالُوا: مَا قُلْنَا فِي مَسْأَلَةٍ قَوْلًا إلَّا وَهُوَ رِوَايَتُنَا عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَقْسَمُوا عَلَيْهِ أَيْمَانًا غِلَاظًا فَلَمْ يَتَحَقَّقْ إذًا فِي الْفِقْهِ جَوَابٌ وَلَا مَذْهَبٌ إلَّا لَهُ كَيْفَ مَا كَانَ.

(رد المحتار: ج1 ص159 مطلب صح عن الامام انہ قال اذا صح الحدیث فھو مذہبی)

شبہ نمبر 8: قرآن کریم میں ہے: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: 7)

اگر تقلید بھی ضروری ہوتی تو اس میں مجتہدین کی بات ماننے کا بھی حکم ہوتا۔

جواب:

1: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُم الآية (النساء: 59) اور وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (لقمان: 15) میں مجتہدین کی بات ماننے کا بھی حکم ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

:2 نیز جس پیغمبر کی بات ماننے کا حکم اسی آیت میں ہے اسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

عن علی قال قلت: یارسول اللہ إن نزل بنا أمر لیس فیه بیان أمر ولا نهی فما تأمرنا قال تشاورون الفقهاء والعابدین ولا تمضوا فیه رأی خاصة (المعجم الاوسط للطبرانی: ج1 ص441 رقم الحدیث 1618)

شبہ نمبر 9: قرآن کریم میں ہے: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران:103) چار ائمہ نے دین کو چار ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے، ایک اسلام کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ تقسیم تقلید ہی کا ثمرہ ہے۔

جواب: تمام ائمہ کی منزلِ مقصود اسلام ہے۔ یہ چار فقہیں تو بمنزلہ راستہ کے ہیں۔ منزل تک پہنچنے کے چار راستے ہیں۔ نیز اگر ان چار ائمہ کی تقلید سے آزادی دیدی جائے تو پھر ہر بندہ مستقل فرقہ ہو گا۔

شبہ نمبر 10: کیا قرآن وحدیث میں ان چار ائمہ کی متعلق کہا گیا ہے کہ ان کی تقلید کرو؟

جواب:

:1 نفس تقلید کا حکم ہے جو بھی مجتہد میسر ہو جیسے جماعت کا حکم ہے جو بھی امام میسر ہو، قراءت کا حکم ہے جو بھی قاری میسر ہو۔

:2 ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم کہاں ملا ہے اور سات قراتوں میں سے ایک قرأت پر تلاوت کرنے کا حکم کہاں ہے؟

شبہ نمبر 11: ان چار ائمہ سے پہلے لوگ کس کے مقلد تھے؟

جواب: مکہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی، مدینہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی، کوفہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی، بصرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اور یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی تقلید ہوتی تھی۔ اس دور میں مقلد تھے تقلید کا لفظ نہیں تھا۔

شبہ نمبر 12: جب مجتہدین کئی گزرے ہیں تو تقلید ان چار ہی کی کیوں؟

جواب: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تقلید کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ. (لقمان:15)

اتباعِ سبیل کیلئے علمِ سبیل ضروری ہے اور ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی مجتہد کے مسائل جزئیات وفروعات مدون نہیں۔

شبہ نمبر 13: ان چار میں سے صرف ایک ہی کی تقلید کیوں؟

جواب: تاکہ مذہبی آزادی کے نام پر فساد نہ ہو اور عبادات میں خلل نہ آئے۔ مثال ایک بندہ کے جسم سے خون نکل آئے اور وہ کہے کہ میں اس مسئلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول لیتا ہوں، اسکے بعد عورت کو چھوئے اور کہے کہ میں اس مسئلے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول لیتا ہوں۔

شبہ نمبر 14: ان چار ائمہ میں سے صرف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کیوں کرتے ہو جبکہ حق سب کو کہتے ہو؟

جواب:

:1 امام صاحب نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا، روایات سنی۔

:2 آپ کی فقہ شورائی ہے۔

:3 آپ مدونِ اول ہیں۔

:4 آپ عجمی ہونے کے ساتھ ماہرِ عربی ہیں۔

:5 عرب وعجم کے سنگم "کوفہ" میں ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

شبہ نمبر15: شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والانصاف ان الترجیح للشافعی فی هذه المسئلة ونحن مقلدون یجب علینا تقلید امامنا ابی حنیفة. (تقریر ترمذی:ص36)

جواب:

1: حق کبھی بمقابلہ باطل ہوتا ہے اور کبھی بمقابلہ خطاء، یہاں بمقابلہ خطاء ہے جس میں ایک اجر ضرور ہے۔

2: عقیدت میں اجر کو اجر ان پر ترجیح دی ہے۔ مثال مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے اور مسجد نبوی میں پچاس ہزار نماز کے برابر۔ لیکن بندہ مسجد نبوی میں جاتا ہے اور عقیدت کی وجہ سے اجر ان کو چھوڑ دیتا ہے۔

شبہ نمبر16: غیر مقلدین کہتے ہیں کہ شوافع بھی رفع یدین کرتے ہیں ہم بھی کرتے ہیں، آپ کہتے ہیں کہ شوافع کو اجر ملے گا غیر مقلدین کو نہیں ملے گا۔ رفع یدین تو دونوں کا ایک ہے، ایک درست دوسرا غلط کیوں؟

جواب:

1: ماہر غیر ماہر کا فرق ہے۔ مثلاً ایک ڈاکٹر ماہر ہے اور ایک عطائی ہے۔ اگر ماہر آپریشن کرے اور مریض ٹھیک ہو جائے تو اس کے لیے اجر ان ہیں اور اگر ٹھیک نہ ہو تو اجر کا مستحق بہر حال ہے بخلاف عطائی کے کہ اگر اس کا آپریشن ناکام ہو جائے تو اس کو سزا ملتی ہے اور اگر ٹھیک بھی ہو جائے تب بھی قابل گرفت ہے۔ یہی حال شوافع اور غیر مقلدین کا ہے۔ شوافع ماہر مجتہد کے اجتہاد پر عمل پیرا ہیں جن کے لیے اجر تو بہر حال ہے اور غیر مقلدین کا مسئلہ اگر ظاہرا شوافع سے ملتا ہے لیکن عطائی ڈاکٹر کی طرح قابل مواخذہ ہیں۔

2: شوافع دیانت دار ہیں جبکہ غیر مقلد بددیانت ہیں۔

اصول: ایک مسئلہ میں دو حدیثیں ہوں اور فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں تو مسئلہ حدیث کا اور فیصلہ نبی کا ورنہ مسئلہ فقہ کا اور فیصلہ مجتہد کا۔

شبہ نمبر17: احناف حضرات کہتے ہیں رفع یدین منسوخ ہے۔ جب منسوخ ہے تو شوافع کو منسوخ پر عمل کرنے سے اجر کیوں ملتا ہے؟

جواب: منسوخ کی دو قسمیں ہیں: (1): منسوخ منصوص، (2): منسوخ اجتہادی

منسوخ منصوص: جیسے كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها (سنن ابن ماجہ ص112 باب ماجاء فی زیارۃ القبور)

منسوخ اجتہادی: جیسے الوضوء مما مست النار.

اگر منسوخ منصوص ہو تو عمل کرنے پر اجر نہیں، اگر اجتہادی ہو تو دو شرطوں کے ساتھ اجر ہے:

1: عمل کرنے والا مجتہد ہو 2: مقلد ہو

شبہ نمبر18: فقہ بدعت ہے کیونکہ بعد کی پیداوار ہے۔

جواب: دورِ نبوت میں موجود تھی مگر ظاہر امام صاحب کے دور میں ہوئی۔

نمبر۴: ترک تقلید کے نقصانات

دنیاوی: تقلید نہ کریں تو دنیا میں دین پر عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔

1: بیمار کو خون دینا قرآن وحدیث میں نہیں ہے، تقلید کرے گا تو ایمان جائے گا نہ کرے گا تو باپ جائے گا۔

2: ٹیلی فون پر نکاح قرآن وحدیث میں نہیں، تقلید کرے گا تو ایمان جائے گا نہ کرے گا تو جان (لڑکی) جائے گی۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

قبر:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتُوُلِّيَ وَذَهَبَ أَصْحَابُهُ حَتَّى إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَأَقْعَدَاهُ فَيَقُولَانِ لَهُ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ فَيُقَالُ انْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ أَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا وَأَمَّا الْكَافِرُ أَوِ الْمُنَافِقُ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ فَيُقَالُ لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ ثُمَّ يُضْرَبُ بِمِطْرَقَةٍ مِنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً بَيْنَ أُذُنَيْهِ فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ (صحیح البخاری ج 1 ص 178 باب المیت یسمع خفق النعال)

قوله لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ ای لا علمت بنفسك بالاستدلال و لا تلوت القرآن او المعنی لا اتبعت العلماء بالتقلید فیما یقولون (حاشیۃ صحیح البخاری: ج 1 ص 178)

اخروی عذاب وعتاب:

قال اللہ تعالیٰ: وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ (سورۃ الملک: 10)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (م 1239ھ) فرماتے ہیں: بعض حضرات مفسرین کرام نے نسمع کو تقلید پر اور نعقل کو تحقیق واجتہاد پر محمول کیا ہے۔ ان دونوں لفظوں سے یہی مراد ہے کہ یہ دونوں نجات کے ذریعے ہیں۔ (تفسیر عزیزی اردو ج 3 ص 23)

تقلید شخصی کو ترک کرنے کے نقصانات:

ووجهه انه لو جاز اتباع أی مذهب شاء لا فضى إلى ان يلتقط رخص المذاهب متبعا هواه ويتخير بين التحليل والتحريم والوجوب والجواز وذلك يؤدي إلى انحلال ربقة التكليف بخلاف العصر الاول فانه لم تكن المذاهب الوافية بأحكام الحوادث مهذبة وعرفت: فعلى هذا يلزمه ان يجتهد فی اختيار مذهب يقلده على التعيين.

(المجموع شرح المہذب ج 1 ص 498، 499 فصل۔ فی آداب المستفتی وصفتہ واحکامہ)

اب اگر تقلید مطلق کا دروازہ کھول دیا جائے اور لوگ مجتہدین کے ایسے ایسے مسائل تلاش کر کے ان کی تقلید شروع کر دیں تو اس کا نتیجہ بلاشبہ وہی ہو گا جسے علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرعی احکام کی پابندیوں کے بالکل اٹھ جانے سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً:

[1]: امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ کے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

(شرح مسلم للنووی: ج 1 ص 158 باب الوضوء من لحوم الابل)

جبکہ احناف کے ہاں وضوء نہیں ٹوٹتا۔

[2]: امام شافعی کے نزدیک (ایک قول کے مطابق) بیوی کو مطلقاً ہاتھ لگانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ (بذل المجہود للسہارنفوی: ج 1 ص 107)

جبکہ احناف کے ہاں نہیں ٹوٹتا۔

[3]: جسم سے خون نکل کر بہہ پڑے تو احناف کے نزدیک وضوء ٹوٹ جاتا ہے جبکہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک وضوء نہیں ٹوٹتا۔

(بذل المجہود: ج 1 ص 121)

[4]: امام احمد بن حنبل کے نزدیک ذکر کو ہاتھ لگانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

(الحاشیۃ الشریفیۃ علی المشکوٰۃ للسید الشریف الجرجانی: ج 1 ص 277 مکتبۃ البشریٰ)

جبکہ احناف کے ہاں وضوء نہیں ٹوٹتا۔

[5]: احناف کے ہاں نماز میں قہقہہ لگانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے جبکہ شوافع کے ہاں نہیں ٹوٹتا۔ (المنتقی شرح المؤطا لابی الولید الباجی: ج 1 ص 51)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ترک رفع الیدین فی الصلوۃ

از افادات: متکلمِ اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت والجماعت احناف:

نماز پنجگانہ شروع کرتے وقت صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا جائے، اس کے علاوہ باقی پوری نماز میں نہ کیا جائے۔ رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا خلاف سنت ہے۔

(بدائع الصنائع ج1 ص208 فَصْلٌ وَأَمَّا سُنَنُهَا فَكَثِيرَةٌ، فتاویٰ عالمگیری ج1 ص72 الْفَصْلُ الثَّالِثُ فِي سُنَنِ الصَّلَاةِ وَآدَابِهَا وَكَيْفِيَّتِهَا)

مذہب غیر مقلدین:

نماز شروع کرتے ہوئے تکبیر تحریمہ کے وقت، رکوع کو جاتے ہوئے، رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرنا فرض یا واجب ہے۔

(رفع یدین فرض ہے از مسعود احمد غیر مقلد، فتاوی رفیقیہ از محمد رفیق پسروری حصہ چہارم ص153، مسئلہ رفع یدین از پروفیسر عبد اللہ، اثبات رفع یدین از خالد گھرجاکھی، نور العینین از زبیر علی زئی, مجموعہ مقالات پر سلفی تحقیقی جائزہ از رئیس ندوی غیر مقلد ص246)

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ احناف

قرآن مع التفسیر

قال اللہ تعالیٰ: قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۔ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ۔ (سورۃ المؤمنون: 1،2)

تفسیر نمبر1:

قال الامام ابو طاهر محمد بن يعقوب الفيروزآبادي: اخبرنا عبد الله الثقة ابن المامور الهَرَوِي قال اخبرنا ابي قال اخبرنا ابو عبد الله قال اخبرنا ابو عبيد الله محمود بن محمد الرازي قال اخبرنا عمار بن عبد المجيد الهَرَوِي قال اخبرنا علي بن إسحاق السمرقندي عن محمد بن مروان عن الكلبي عن أبي صالح عن ابن عباس رضی الله عنهما قال : { الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ} مخبتون متواضعون لا يلتفتون يمينا ولا شمالا ولا يرفعون ايديهم في الصلاة.(تفسیر ابن عباس ص212)

اعتراض:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ تفسیر ابن عباس کی سند میں محمد بن مروان السدی، محمد بن سائب الکلبی اور ابو صالح باذام سخت ضعیف ہیں۔

جواب:

ایسا ممکن ہے کہ ایک آدمی ایک فن میں ماہر اور ثقہ نہ ہو لیکن دوسرے فن کا امام ہو۔ اسی حقیقت کے پیش نظر محدثین نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ بعض ائمہ فن حدیث میں تو نا قابل اعتبار ہیں لیکن فن تفسیر میں ان کی روایات قابل قبول ہوتی ہیں۔ مثلاً۔۔۔

قال الامام البيهقي : قال يحيى بن سعيد يعني القطان تساهلوا في التفسير عن قوم لا يوثقونهم في الحديث ثم ذكر ليث بن ابي سليم و جُوَيْبِرِ بن سعيد والضحاك ومحمد بن السائب يعني الكلبي وقال هولاء لا يحمد حديثهم ويكتب التفسير عنهم۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج1 ص33، میزان الاعتدال للذہبی ج1 ص391 فی ترجمۃ جویبر بن سعید، التہذیب لابن حجر ج1 ص398 ترجمۃ جویبر بن سعید)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مذکورہ رواۃ کا تذکرہ ائمہ نے مفسرین کے طور پر کیا ہے لہذا اصولی طور ان کی تفسیری روایات مقبول ہیں، رہا ان پر کلام تو وہ فن حدیث کے بارے میں ہے۔ ائمہ کرام کی تصریحات ان رواۃ کے بارے میں ملاحظہ ہوں۔

محمد بن مروان السدی:

1: قال الامام بدر الدین محمود بن أحمد العینی: وصاحب التفسیر، محمد بن مروان الکوفی وهو أیضًا یعرف بالسدی

(مغانی الأخیار فی شرح أسامی رجال معانی الآثار أبی محمد للغیتابی ج3ص416)

2: قال الحافظ ابن حجر العسقلانی: محمد بن مروان بن عبد الله بن إسماعیل الکوفی السدی الصغیر صاحب التفسیر عن محمد بن السائب الکلبی۔ (لسان المیزان لابن حجرج7ص375)

3: قال الامام عبد الحی بن أحمد العکری الدمشقی: محمد بن مروان السدی الصغیر الکوفی المفسر صاحب الکلبی

(شذرات الذهب لعبد الحي العكري ج1ص318)

محمد بن السائب الکلبی:

1: قال الامام ابن عدی: [محمد بن سائب الکلبی] وهو رجل معروف بالتفسیر ... وحدث عن الکلبی الثوریؒ وشعبةُ ... ورضُوْه بالتفسیر (الکامل لابن عدی ج6ص2132)

2: قال الذهبی: محمد بن السائب الکلبی، أبو النضر الکوفی المفسر النسابة الاخباری. (میزان الاعتدال ج3ص556)

3: قال الحافظ ابن حجر العسقلانی: وهو معروف بالتفسیر ولیس لاحد أطولُ من تفسیره وحدث عنه ثقاتٌ من الناس ورضُوْه فی التفسیر. (تہذیب التہذیب ج9ص157)

ابو صالح باذام:

1: قال العِجلی: باذام أبو صالح روی عنه إسماعیل بن أبی خالد فی التفسیر، ثقةٌ وهو مولی أم هانئ۔ (معرفة الثقات للعجلی ج1ص242)

2: قال یحیی بن سعید: لم ار احدا من اصحابنا ترك ابا صالح مولی ام هانئ لاشعبة ولا زائدة. (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ج1ص135)

لہذا ان رواۃ پر اعتراض باطل ہے۔

تفسیر نمبر2:

قال الحسن البصری رحمه الله: خاشعون الذین لایرفعون ایدیهم فی الصلوة الا فی التکبیرة الاولی۔ (تفسیر السمرقندی ج2ص408)

احادیث مبارکہ:

احادیث مرفوعہ:

دلیل نمبر1:

قال الامام الدارقطنی م385ھ: [رَوی عَبدالرَّحِیمِ بن سُلَیمان عَن أَبِی بَکرٍ النَّهشَلِیّ عَن عاصِمِ بنِ کُلَیبٍ، عَن أَبِیه] عَن عَلِیٍّ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَیه وسَلم: أَنَّهُ کان یَرفَعُ یَدَیهِ فِی أَوَّلِ الصَّلاَةِ ثُمَّ لا یَعُودُ.

اسنادہ صحیح ورواتہ ثقاۃ

(کتاب العلل للدارقطنی ج4ص106 سوال457)

اعتراض:

یہ حدیث مرفوع نہیں ہے کیونکہ امام دارقطنی نے اسے نقل کرکے فرمایا ہے: وَخالَفَهُ [عَبدَ الرَّحِیمِ بن سُلَیمان] جَماعَةٌ مِن

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

الثِّقاتِ... فَرَووهُ عَن أَبِي بَكرٍ النَّهشَلِيِّ مَوقُوفًا عَلَى عَلِيٍّ. (کتاب العلل للدار قطنی ج4 ص106 سوال 457)

جواب نمبر 1:

اس حدیث کو مرفوع بیان کرنے والے امام عبد الرحیم بن سلیمان ہیں۔ آپ صحیحین اور سنن اربعہ کے ثقہ راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب: ص354)

ان کا اس روایت کو مرفوع بیان کرنا ایک زیادت ہے اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک ثقہ کی زیادتی مقبول ہے؛

1: والزيادة مقبولة. (صحيح البخاري ج1 ص201 باب العشر فيما يسقى من ماء السماء والماء الجاري)

2: أن الزيادة من الثقة مقبولة (المستدرك على الصحيحين للحاكم ج1 ص307 كتاب العلم)

جواب نمبر 2:

اگر حدیث کے موقوف اور مرفوع ہونے میں اختلاف ہو جائے تو فقہاء اور محدثین خصوصا امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کے نزدیک حدیث مرفوع قرار دی جاتی ہے۔

قال الامام النووي: والصحيح طريقة الاصوليين والفقهاء و البخاري ومسلم و محققي المحدثين انه يحكم بالرفع والاتصال لانها زيادة ثقة (شرح مسلم للنووی ج1 ص282، 256)

حدیث علی رضی اللہ عنہ مرفوع ہے اور یہ اعتراض باطل ہے۔

دلیل نمبر 2:

روى الامام الحافظ المحدث أحمد بن شعيب أبو عبد الرحمن النسائي م 303ھ: قال أخبرنا سويد بن نصر حدثنا عبد الله بن المبارك عن سفيان عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الأسود عن علقمة عن عبد الله قال ألا أخبركم بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فقام فرفع يديه أول مرة ثم لم يعد

تحقيق السند: اسناده صحيح على شرط البخاري ومسلم

(سنن النسائی ج1 ص158 باب ترک ذلک، السنن الکبری للنسائی ج1 ص351، 350 رقم 1099 باب ترک ذالک)

دلیل نمبر 3:

روى الامام الحافظ المحدث أحمد بن شعيب أبو عبد الرحمن النسائي م 303ھ: قال اخبرنا محمود بن غيلان المروزي حدثنا وكيع حدثنا سفيان عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمة عن عبد الله انه قال الا اصلي بكم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى فلم يرفع يديه الا مرة واحدة.

تحقيق السند: اسناده صحيح على شرط البخاري ومسلم

(سنن النسائی ج1 ص162، 161 باب الرخصۃ فی ترک ذلک، السنن الکبری للنسائی ص221 رقم 645 باب الرخصۃ فی ترک ذلک)

دلیل نمبر 4:

روى الامام أبو عيسى محمد بن عيسى الترمذي م 279ھ قال: حدثنا هناد نا وكيع عن سفيان عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمة قال قال عبد الله بن مسعود رضي الله عنه: الا اصلي بكم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى فلم يرفع يديه الا في اول مرة

قال [ابو عيسى] وفي الباب عن البراء بن عازب

قال ابو عيسى حديث ابن مسعود رضي الله عنه حديث حسن وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

وسلم والتابعین وھو قول سفیان [الثوری] واھل الکوفۃ ۔

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم تغلیباً۔ (جامع الترمذی ج 1 ص 59 باب رفع الیدین عند الرکوع)

وفی نسخۃ الشیخ صالح بن عبد العزیز ص71 باب ماجاء ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع الا فی اول مرۃ رقم الحدیث 257 ، مختصر الاحکام للطوسی ص109 رقم 218 طبع مکۃ مکرمۃ و فی سنن ابی داؤد ج1ص116 باب من لم یذکر الرفع عندالرکوع

اعتراض نمبر 1 :

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کے بارے میں امام عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا:

قد ثبت حدیث من یرفع یدیہ وذکر حدیث الزھری عن سالم عن أبیہ ولم یثبت حدیث ابن مسعود أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع [یدیہ] إلا فی أول مرۃ (جامع الترمذی ج 1 ص 59 باب رفع الیدین عند الرکوع) کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔

جواب نمبر 1:

حدیث ابن مسعود کے تمام روات ثقہ ہیں۔ اس کے بارے میں امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی یہ جرح غیر مفسر اور غیر مبین السبب ہے۔ اصول حدیث کے اعتبار سے ایسی جرح قابل قبول نہیں۔

1: لا یقبل الجرح الا مفسرا (الکفایہ فی علم الروایۃ للخطیب ص:101)

2: إذا کان الجرح غیر مفسر السبب فإنہ لا یعمل بہ (صیانۃ صحیح مسلم لابن الصلاح ص96)

3: ولا یقال إن الجرح مقدم علی التعدیل لأن ذلک فیما إذا کان الجرح ثابتا مفسر السبب وإلا فلا یقبل الجرح إذا لم یکن کذلک

(توجیہ النظر إلی أصول الأثر لطاھر الجزائري ج2 ص550)

جواب نمبر2:

حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ مختلف الفاظ سے مروی ہے۔

1: عن عبد اللہ قال ألا أخبرکم بصلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: فقام فرفع یدیہ أول مرۃ ثم لم یعد،

(سنن النسائی ج 1 ص 158 باب ترک ذلک)

2: قال عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ

(جامع الترمذی ج 1 ص 59 باب رفع الیدین عند الرکوع)

3: عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم : أنہ کان یرفع یدیہ فی أول تکبیرۃ ثم لا یعود

(سنن الطحاوی ج 1 ص 162 باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع)

حدیث کے وہ الفاظ جو امام ابن مبارک کی جرح میں مذکور ہیں وہ سنن طحاوی کی روایت سے ملتے جلتے ہیں، باقی روایات سے اس جرح کا کوئی تعلق نہیں۔ رہی یہ جرح تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ امام ابن مبارک نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کو روایت کیا ہے (سنن النسائی ج 1 ص 158 باب ترک ذلک) اس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز کا نقشہ لوگوں کو پڑھ کر دکھایا، لیکن سنن طحاوی میں نماز کا نقشہ نہیں صرف زبانی بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی مرتبہ رفع یدین کرتے تھے بعد میں نہیں کرتے تھے۔ چونکہ ابن مبارک رحمہ اللہ نے یہ روایت اس طرح سنی تھی (یعنی ابن مسعود کے عمل کے ساتھ) اس لیے اس حدیث پر اعتراض کر دیا جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ سے قولا مروی ہے۔ حقیقتا دیکھا جائے تو یہ اعتراض بنتا نہیں۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نماز پڑھ کر دکھانے اور اس کو زبانی بیان کرنے میں کوئی تضاد نہیں، اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ راوی ایک مرتبہ حدیث کو عملا بیان کرے اور دوسری مرتبہ اسے قولا بیان کردے، یہ حدیث کے غیر ثابت ہونے کی دلیل نہیں۔

جواب نمبر3:

بالفرض یہ جرح اگر فعلی روایت پر بھی ہو تو ہم کہتے ہیں کہ امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے اس اعتراض کو نقل کرنے والے ان کے شاگرد سفیان بن عبد الملک المروزی ہیں۔ (جامع الترمذی ج1ص59باب رفع الیدین عند الرکوع)

اور یہ آپ کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں جیسا کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے:

من کبار اصحاب ابن المبارك(تقریب التہذیب لابن حجر ص:278)

لیکن ان کے ایک اور شاگرد سوید بن نصر المروزی نے اسی حدیث کو آپ ہی سے بلا اعتراض نقل کیا ہے۔(سنن النسائی ج1ص158باب ترک ذلک)

اور یہ آپ کے آخری عمر کے شاگرد ہیں جیسا کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے:

كان راوية ابن المبارك (تہذیب التہذیب لابن حجر ج:3،ص:110)

معلوم ہوا کہ یہ اشکال آپ کو اول عمر میں تھا جسے آپ نے اپنے قدیمی شاگردوں کو نقل کرایا تھا لیکن آخر عمر میں جب آپ نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے یہ روایت سنی تو اپنے صغیر شاگرد سوید بن نصر المروزی کو بلا اعتراض املاء کرائی جیسا کہ سنن النسائی (ج:1ص:157) میں یہ حدیث بلا اعتراض موجود ہے معلوم ہوا کہ آپ نے اس اعتراض سے رجوع فرمالیا تھا۔

جواب نمبر4:

اس حدیث کو کئی شمار فقہاء اور محدثین نے صحیح اور حسن قرار دیا ہے۔

1:امام ترمذی م279ھ: حسن۔۔وفی نسخۃ: حسن صحیح (جامع الترمذی ج1ص159، شرح سنن ابی داؤد ج2ص346)

2: امام دار قطنی م385ھ:اسنادہ صحیح (کتاب العلل للدار قطنی ج5ص172سوال804)

3: امام ابن حزم م456ھ:صَحَّ خَبَرُ ابْنِ مَسْعُودٍ (المحلی بالآثار ج2ص578)

4: امام ابن القطان الفاسی م628ھ: والحديث عندي-لعدالة رواته-أقرب إلى الصحة (بیان الوھم والإیھام للفاسی ج5ص367)

5: امام زیلعی م762ھ: و الرجوع الی صحة الحديث لوروده عن الثقات (نصب الرایۃ للزیلعی ج1ص396)

6: امام عینی م855ھ: قد صح (شرح سنن ابی داؤد ج2ص346)

7: علامہ محمد انور شاہ کشمیری م1350ھ: رواه الثلاثة و هو حديث صحيح۔(نیل الفرقدین ص56)

حتی کہ مشہور غیر مقلدین نے بھی اس کے صحیح ہونے کی تصریح کی ہے:

1:احمد شاکر المصری غیر مقلد: الحق انه حديث صحيح و اسناده صحيح على شرط مسلم (شرح الترمذی ج2ص43)

2: ناصر الدین البانی:والحق انه حديث صحيح و اسناده صحيح على شرط مسلم (مشکوۃ المصابیح بتحقیق الالبانی ج1ص254)

لہذا حدیث بالکل صحیح اور ثابت ہے۔

اعتراض نمبر2:

حدیث ابن مسعود صحیح نہیں ہے کیونکہ اس پر امام ابو داؤد نے اعتراض کیا ہے:قال ابو داؤد: هذا حديث مختصر من حديث طويل وليس هو بصحيح على هذا اللفظ(ابو داؤد ص117 باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع-رقم الحدیث 748 طبع دارالسلام)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر 1:

سنن ابی داؤد کے کئی نسخے ہیں جن میں سے پانچ بہت مشہور ہیں۔

1: نسخہ ابو علی اللؤلوی ۔۔۔(مکتبہ امدادیہ پاکستان) یہ نسخہ امام ابو داؤد کی وفات والے سال کا ہے اور تمام نسخوں میں سے سب سے زیادہ صحیح ہے، جیسا کہ محشی سنن ابی داؤد نے تصریح کی ہے:

الامام الحافظ ابوعلی محمد بن احمد بن عمرو اللؤوی البصری روی عن ابی داؤد هذا السنن فی المحرم سنة خمس وسبعين وماتين وروايته من اصح الروايات لانها من آخر ما املى ابو داؤد وعليها مات (حاشیہ ابی داؤد: ج1 ص2)

اس نسخہ میں یہ اعتراض موجود نہیں ہے۔

2: نسخہ ابن داسۃ۔۔۔ یہ نسخہ امام ابو سلیمان خطابی نے خود ابو بکر بن داسہ سے روایت کیا ہے اور اس کی شرح "معالم السنن" کے نام سے لکھی ہے جو کہ مطبوع ہے۔ یہ اعتراض اس نسخہ میں بھی موجود نہیں ہے۔

3: نسخہ ابو عیسی الرملی۔۔۔ یہ نسخہ ابن داسہ کے نسخہ سے ملتا جلتا ہے جیسا کہ أبو المنذر خالد بن إبراهيم المصري نے تصریح کی ہے:

ورواية ابن داسة أكمل الروايات، ورواية الرملي تقاربها (مقدمۃ التحقیق شرح سنن ابی داؤد للعینی ج1 ص33)

جب نسخہ داسہ میں یہ اعتراض نہیں ہے تو نسخہ رملی میں بھی نہ ہو گا۔

4: نسخہ ابن الاعرابی۔۔۔ یہ نسخہ نامکمل ہے، بہت سی کتب اس میں نہیں ہیں۔

قال أبو المنذر خالد بن إبراهيم المصري: رواية ابن الأعرابي يسقط منها كتاب الفتن والملاحم والحروف والخاتم ونحو النصف من كتاب اللباس وفاته أيضاً من كتاب الوضوء والصلاة والنكاح أوراق كثيرة. (مقدمۃ التحقیق شرح سنن ابی داؤد للعینی ج1 ص33)

5: نسخہ ابن العبد۔۔۔ ان کا نام ابو الحسن ابن العبد الانصاری ہے۔ یہ بھی سنن کا ایک نسخہ روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج3 ص9)

مندرجہ بالا پانچ نسخوں میں سے یہ اعتراض صرف نسخہ ابن العبد میں ہے جیسا کہ امام مغلطائی نے تصریح کی ہے:

اعترض على هذا بما ذكره أبو داؤد في رواية ابن العبد قال: هذا حديث مختصر من حديثه، وليس بصحيح على هذا اللفظ. (شرح سنن ابن ماجہ للمغلطائی: ص1467)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ اعتراض امام ابو داؤد کو اول عمر میں تھا جسے آپ کے شاگرد ابن العبد نے نقل کیا ہے لیکن بعد میں آپ نے اس اعتراض سے رجوع فرما لیا۔ اس لیے باقی نسخوں خصوصا نسخہ ابو علی اللؤلوی میں (جو وفات والے سال کا نسخہ ہے) یہ اعتراض موجود نہیں ہے۔

جواب نمبر 2:

اگر اس جرح کو مان بھی کیا جائے تب بھی یہ مبہم ہے اور مبہم جرح قابل قبول نہیں (جیسا کہ حوالہ جات گزر چکے ہیں)

جواب نمبر 3:

امام ابو داؤد نے زیر بحث حدیث کو جس طویل حدیث کا اختصار قرار دیا ہے وہ جزء رفع الیدین للبخاری میں موجود ہے:

حدثنا الحسن بن الربيع، حدثنا ابن إدريس، عن عاصم بن كليب، عن عبد الرحمن بن الأسود، حدثنا علقمة أن عبد الله رضي الله عنه قال: «علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة: فقام فكبر ورفع يديه، ثم ركع، فطبق يديه جعلهما بين ركبتيه فبلغ ذلك سعدا فقال: صدق أخي قد كنا نفعل ذلك في أول الإسلام ثم أمرنا بهذا». قال البخاري: «وهذا المحفوظ عند أهل النظر من حديث عبد الله بن مسعود (جزء رفع الیدین للبخاری ص292 رقم الحدیث 33)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث کو اس طویل حدیث کا اختصار بھی قرار دیا جائے تو بھی یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا، کیونکہ اگر اس مختصر حدیث میں جو الفاظ (لم یعد وغیرہ) ہیں وہ طویل حدیث میں نہیں تو یہ زیادت ثقہ ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے [حوالہ جات گزر چکے ہیں]

محدث کبیر مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لو سلم انه مختصر من هذا الحديث الطويل ففي المختصر زيادة لفظ ليس في الطويل و زيادة ثقة مقبولة عند اهل الحديث (بذل المجہود ج2 ص22 باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع)

پس یہ اعتراض درست نہیں اور حدیث صحیح ہے۔

فائدہ: سنن ابی داؤد کا نسخہ عرب ممالک میں پہلے دار الفکر بیروت بتحقیق عبد الحمید طبع ہوا تھا، اس میں بریکٹ لگا کر اس اعتراض کو لکھا گیا تھا لیکن اس کے بعد دار السلام کے غیر مقلدین نے بریکٹ کو ہٹا کر اسی اعتراض کو متن میں لگا دیا ہے۔

اعتراض نمبر 3:

غیر مقلدین خصوصا زبیر علی زئی کہتا ہے کہ حدیث ابن مسعود کی سند میں سفیان ثوری ہے جو کہ غضب کا مدلس ہے اور مدلس کا حکم یہ ہے کہ اس کی صرف وہی روایت قبول کی جائے گی جس میں وہ سماع کی تصریح کرے یا اس کی کوئی معتبر متابعت موجود ہو اور یہاں سماع کی تصریح نہیں ہے، نیز اس روایت میں یہ عاصم بن کلیب سے منفرد بھی ہے، کوئی معتبر متابعت نہیں ہے۔ لہذا یہ سند ضعیف ہے۔ (نور العینین: ص118 تا 128)

جواب نمبر 1:

امام سفیان ثوری صحیح البخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے ثقہ بالاجماع راوی ہیں اور عند الجمہور یہ طبقہ ثانیہ کے مدلس ہیں جیسا کہ ائمہ حضرات نے ان کو طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ (جامع التحصیل فی احکام المراسیل لابی سعید العلائی ص113، طبقات المدلسین لابن حجر ص64، التعلیق الامین علی کتاب التبیین لاسماء المدلسین لابن العجمی ص92، جزء منظوم فی اسماء المدلسین لبدیع الدین غیر مقلد ص89)

اور طبقہ ثانیہ کی تدلیس عند المحدثین صحت حدیث کے منافی نہیں ہے۔ پس یہ حدیث صحیح ہے۔

جواب نمبر 2:

امام سفیان ثوری اس روایت میں متفرد نہیں بلکہ دیگر ثقات بالاجماع رواۃ نے ان کی متابعت تامہ کر رکھی ہے، مثلاً۔۔۔

1: امام ابو بکر النہشلی (م ت س ق)

وَرَوَاهُ أَبُو بَكْرٍ النَّهْشَلِيُّ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، وعَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ الله.

(کتاب العلل للدار قطنی ج5 ص172 سوال 804)

2: امام وکیع بن الجراح (ع)

حدثنا عبد الوارث بن سفيان قال حدثنا قاسم بن أصبغ قال حدثنا عبد الله بن أحمد بن حنبل قال حدثني أبي قال حدثنا وكيع عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الأسود عن علقمة قال قال ابن مسعود (التمہید لابن عبد البر ج4 ص189)

لہذا تفرد کا اعتراض باطل ہے، اور حدیث ابن مسعود صحیح ہے۔

دلیل نمبر 5:

روى الامام ابوبكر اسماعيلى قال حدثنا عبد الله بن عبد الله بن صالح بن عبد الله أبو محمد صاحب البخاری صدوق ثبت قال: حدثنا إسحاق بن إبراهيم الْمَرْوَزِيُّ، حدثنا محمد بن جابر السُّحَيْمِيُّ، عن حماد، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، قال:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر ،فلم يرفعوا أيديهم إلا عند افتتاح الصلاة۔

اسناد صحيح ورواته ثقات۔

(کتاب المعجم لابی بکر الاسماعیلی ج2ص693،692رقم154،مسند ابی یعلی ص922رقم5037)

اعتراض:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن جابر ہیں، ان پر ائمہ نے جرح کی ہے۔ نیز آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور اختلاط کا شکار بھی تھے۔ ان کی کتابیں ضائع ہو گئیں تھیں اور یہ تلقین کو قبول کرنے لگے تھے۔ لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب:

محمد بن جابر یمانی عند الجمہور ثقہ وصدوق ہیں، درج ذیل ائمہ نے ان کی توثیق و مدح فرمائی ہے:

امام عمرو بن علی الفلاس:

قال الفلاس: صدوق كثير الوهم (شرح سنن ابن ماجۃ للمغلطائی: ج1ص435،الجرح والتعدیل ج7ص219،)

امام ابو حاتم الرازی:

قال عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی: وسئل ابی عن محمد بن جابر وابن لهيعة فقال محلهما الصدق ومحمد بن جابر احب إلي من ابن لهيعة. (الجرح والتعدیل ج7ص219،220)

ابو زرعہ الرازی وامام ابو حاتم الرازی:

قال ابن ابي حاتم الرازي: وسمعت أبي وأبا زرعة يقولان من كتب عنه باليمامة وبمكة فهو صدوق (تہذیب التہذیب ج9ص77)

امام نور الدین الہیثمی:

محمد بن جابر السحيمي وفيه كلام كثير وهو صدوق في نفسه صحيح الكتاب ولكنه ساء حفظه (مجمع الزوائد: ج2ص479،ج3ص349)

امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی:

قال الامام أبو أحمد عبد الله بن عدي الجرجاني: وعند إسحاق بن أبي إسرائيل عن محمد بن جابر كتاب أحاديث صالحة وكان إسحاق يفضل محمد بن جابر على جماعة شيوخ هم أفضل منه وأوثق وقد روى عن محمد بن جابر كما ذكرت من الكبار أيوب وابن عون وهشام بن حسان والثوري وشعبة وابن عيينة وغيرهم ممن ذكرتهم ولولا أن محمد بن جابر في ذلك المحل لم يروعنه هؤلاء الذين هو دونهم وقد خالف في أحاديث ومع ما تكلم فيه من تكلم يكتب حديثه (الکامل لابن عدی ج6ص153)

امام ذہلی:

وقال الذهلي لا بأس به (تہذیب التہذیب ج9ص75)

امام ابو الولید:

قال ابو الوليد: نحن نظلم محمد ابن جابر بامتناعنا من التحديث عنه. (تہذیب التہذیب ج9ص78)

لہذا محمد بن جابر یمانی سے مروی روایت کم از کم حسن درجہ کی ہے۔ رہا اختلاط اور کتب کے ضائع ہونے کی وجہ سے تلقین قبول کرنے کا اعتراض تو ائمہ اصول ان جیسے رواۃ کے متعلق ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں:

امام نووی: وحكم المختلط أنه لا يُحتج بما روى عنه في الاختلاط أو شك في وقت تحمله، ويحتج بما روى عنه قبل الاختلاط

(تہذیب الاسماء واللغات للنووی ج1ص242)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

امام خطیب بغدادی: محمد بن خلاد الاسکندرانی کے تذکرہ میں ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں:

کل من سمع منه قديما قبل ذهاب كتبه فحديثه صحيح ومن سمع منه بعد ذلك فليس حديثه بذاك (الکفایۃ: ص153)

اور امام ابو زرعہ اور امام ابو حاتم الرازی نے تصریح فرمائی ہے کہ محمد بن جابر سے جس نے یمامہ اور مکہ میں روایت لی ہے وہ اس وقت صدوق تھے۔

و قال عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی: وسمعت أبي وأبا زرعة يقولان من كتب عنه باليمامة وبمكة فهو صدوق

(تہذیب التہذیب ج9 ص77)

اور ہماری پیش کردہ روایت میں بھی امام اسحاق بن ابراہیم المروزی نے ان سے یمامہ میں روایت کی ہے جیسا کہ ائمہ نے تصریح کی ہے:

1: قال الامام محمد بن سعد فی ترجمة اسحاق بن ابراهيم المروزى : وكان رحل الى محمد بن جابر باليمامة فكتب كتبه ،وقدم البصرة من اليمامة بعد موت ابى عوانة بيومين او ثلاثة (طبقات ابن سعد: ج7 ج7 ص353)

2: قال أبو يعقوب إسحاق بن أبي إسرائيل لما انصرفت من اليمامة من عند هذا الشيخ يعني محمد بن جابر الخ (تاریخ بغداد ج5 ص357)

3: قال الامام أبو أحمد عبدالله بن عدى الجرجاني: وعند إسحاق بن أبي إسرائيل عن محمد بن جابر كتاب أحاديث صالحة وكان إسحاق يفضل محمد بن جابر على جماعة شيوخ هم أفضل منه وأوثق الخ (الکامل لابن عدی ج6 ص153)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ محمد بن جابر الیمامی سے اسحاق المروزی کا سماع قبل الاختلاط کا ہے اور انہوں نے سماع حدیث کتاب سے کی ہے۔ پس اعتراض باطل ہے۔

دلیل نمبر 6:

روى الامام الاعظم ابوحنيفة رحمه الله يقول سمعت الشعبى يقول سمعت البراء بن عازب رضى الله عنه يقول كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا افتتح الصلوة رفع يديه حتى يحاذى منكبيه لايعود برفعهما حتى يسلم من صلوته.

اسناده صحيح على شرط البخارى ومسلم

(مسند ابی حنیفۃ بروایۃ ابی نعیم ص344 رقم 225 وفی نسخۃ ص156 طبع الریاض)

دلیل نمبر 7:

روى الامام أبو داؤد السجستاني :قال حدثنا محمد بن الصباح البزاز نا شريك عن يزيد بن ابى زياد عن عبد الرحمن بن ابى ليلىٰ عن البراء ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا افتتح الصلوة رفع يديه الى قريب من اذنيه ثم لايعود.

اسناده صحيح على شرط المسلم

(سنن ابی داؤد ج1 ص116 باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع، مسند ابی یعلیٰ ص400 رقم الحدیث 1690، 1691، 1692)

اعتراض:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس حدیث میں یزید بن ابی زیاد کوفی راوی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا اور یہ تلقین کو قبول کرتا تھا۔ یہ حدیث تغیر حفظ کے بعد کی ہے نیز ثم "لایعود" کا جملہ ان کے قدماء اصحاب نے بیان نہیں کیا ہے۔ پس یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب:

امام یزید بن ابی زیاد کوفی صحیح البخاری تعلیقاً، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں۔ ایک جماعت محدثین نے ثقہ، صدوق، عدل قرار دیا ہے مثلاً:

امام جرير بن عبد الوليد: يزيد احسنهم استقامة فى الحديث (الجرح والتعدیل ج9 ص327)

امام أبو داؤد: لا أعلم أحدا ترك حديثه (سیر اعلام النبلاء ج5 ص381)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

امام ترمذی: یزید بن ابی زیاد سے مروی کئی روایات کو "حسن صحیح" اور کئی جگہ "حسن" قرار دیا۔

(باب ماجاء فی المنی والمذی، باب ماجاء من الرخصۃ فی ذلک [ای الحجامۃ للصائم]، باب ماجاء فی مواقیت الإحرام لأهل الآفاق، باب مناقب العباس بن عبد المطلب)

امام احمد بن حنبل: قال کما قال جریر (الجرح والتعدیل ج9 ص327)

احمد بن صالح: يزيد بن أبي زياد ثقة لا يعجبني قول من يتكلم فيه (تاریخ الثقات لابن شاہین ص256، معرفۃ الثقات للعجلی ج2 ص364)

امام سفيان الثوری: فهو على العدالة والثقة وإن لم يكن مثل منصور والحكم والأعمش فهو مقبول القول ثقة.

(المعرفۃ والتاریخ للفسوی ج3 ص175)

امام الشيخ ابن دقيق العيد: ويزيد بن أبي زياد معدود في أهل الصدق، كوفي، يكنى أبا عبد الله (نصب الرایۃ ج1 ص477)

امام ابو الحسن: يزيد بن أبي زياد، جيد الحديث (نصب الرایۃ ج1 ص477)

امام الذهبی: [يزيد بن أبي زياد] الامام المحدث أبو عبد الله، الهاشمي (سیر اعلام النبلاء ج5 ص380)

مشہور غیر مقلد احمد محمد شاکر شرح ترمذی میں یزید کی کافی توثیق نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: و الحق انه ثقة

پھر امام شعبہ سے توثیق نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

و هذا نهاية التوثيق من شعبة و هو امام الجرح و التعديل ... فقد اصاب الترمذی فی تصحيحه (شرح الترمذی ج1 ص195)

مزید آگے جا کر لکھتے ہیں:

فمدار الحديث على يزيد ابن ابی زياد و هو ثقة صحيح الحديث و قد تكلمنا عليه تفصيلا فيما مضى (شرح الترمذی ج2 ص409)

لہٰذا عند الجمہور یزید ثقہ، صدوق، عادل ہے، رہا تغیر حفظ اور تلقین قبول کرنے کا اعتراض تو امام ابن حبان نے تصریح کی ہے:

وكان يزيد صدوقا إلا أنه لما كبر ساء حفظه وتغير، فكان يتلقن ما لقن، فوقع المناكير في حديثه ... فسماع من سمع منه قبل دخوله الكوفة في أول عمره سماع صحيح (کتاب المجروحین لابن حبان ج3 ص100)

اس روایت میں آپ کے شاگرد شریک آپ سے "ثم لا يعود" وغیرہ کا جملہ نقل کیا ہے اور یہی جملہ آپ کے کبار اصحاب نے بھی نقل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جملہ آپ نے تغیر حفظ سے پہلے نقل کیا ہے، مثلاً:

امام سفیان الثوری:

حدثنا أبو بكرة قال ثنا مؤمل قال ثنا سفيان قال ثنا يزيد بن أبي زياد عن بن أبي ليلى عن البراء بن عازب رضي الله عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا كبر لافتتاح الصلاة رفع يديه حتى يكون إبهاماه قريبا من شحمتي أذنيه ثم لا يعود.

(سنن الطحاوی ج1 ص162)

امام ہشیم بن بشیر:

حدثنا إسحاق حدثنا هشيم عن يزيد بن أبي زياد عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن البراء قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم حين افتتح الصلاة كبر ورفع يديه حتى كادتا تحاذيان أذنيه ثم لم يعد. (مسند ابی یعلی ص400 رقم الحدیث 1691)

امام ابن عیینہ:

عبد الرزاق عن بن عيينة عن يزيد عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن البراء بن عازب مثله وزاد قال مرة واحدة ثم لا تعد لرفعها في تلك الصلاة (مصنف عبد الرزاق ج2 ص45 رقم الحدیث 2534)

امام اسماعیل بن زکریا:

حدثنا يحيى بن محمد بن صاعد نا محمد بن سليمان لوين ثنا إسماعيل بن زكريا ثنا يزيد بن أبي زياد عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

البراء أنه : رأى رسول الله صلى الله عليه و سلم حين افتتح الصلاة رفع يديه حتى حاذى بهما أذنيه ثم لم يعد إلى شيء من ذلك حتى فرغ من صلاته (سنن الدارقطني ص196 رقم الحديث 1116)

امام ابن ادریس:

حدثنا إسحاق حدثنا ابن إدريس قال : سمعت يزيد بن أبي زياد عن ابن أبي ليلى عن البراء قال : رأيت رسول الله صلى الله عليه و سلم رفع يديه حين استقبل الصلاة حتى رأيت إبهاميه قريبا من أذنيه ثم لم يرفعهما (مسند ابی یعلی ص400 رقم الحدیث 1692)

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ "ثم لایعود" کا جملہ تغیر حفظ سے پہلے کا جسے آپ کے کبار اصحاب نے بھی ذکر کیا ہے، اسے تلقین کا نتیجہ قرار دینا غلط ہے، پس حدیث صحیح ہے۔

دلیل نمبر 8:

روى الامام أبو بكر عبدالله بن الزبير الحميدى: قال [حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قال] ثنا الزهري قال اخبرني سالم بن عبدالله عن ابيه قال رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا افتتح الصلوة رفع يديه حذو منكبيه واذا اراد ان يركع وبعد ما يرفع راسه من الركوع فلا يرفع ولا بين السجدتين،

تحقيق السند: اسناده صحيح على شرط البخاري ومسلم

(مسند الحمیدی ج2 ص277 رقم 614 طبع بیروت، مسند ابی عوانہ ج1 ص334 باب بیان افتتاح الصلوۃ)

اعتراض:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ روایت اثبات رفع الیدین کی تھی مگر حنفیوں نے تحریف کر کے ترک رفع الیدین کی بنادی۔ نسخہ ظاہریہ دمشقیہ میں اثبات ہی کی ہے۔ (نور العینین ص68 و ص71 وغیرہ)

جواب اول:

یہ روایت "الحمیدی عن سفیان بن عیینہ" کے طریق سے مروی ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو اس طریق سے تخریج نہیں کیا۔ اپنے "جزء رفع الیدین" میں امام حمیدی کے طریق سے موقوف روایت کو تو نقل کیا ہے لیکن مرفوع روایت کو تخریج نہیں کیا، حالانکہ امام بخاری کا ضابطہ ہے:

قال الحاكم كان البخاري اذا وجد الحديث عند الحميدي لا يعوده الى غيره۔

(تقریب التہذیب: ج1 ص288، تہذیب التہذیب: ج3 ص142، جزء رفع الیدین ص272 رقم 15)

اگر الحمیدی عن سفیان ابن عیینۃ کے طریق والی روایت اثبات رفع الیدین عند الرکوع کی ہوتی تو امام بخاری اس کو ضرور تخریج کرتے۔ ثابت ہوا کہ بالیقین یہ روایت ترک رفع الیدین ہی کی ہے۔ پس تحریف والا اعتراض باطل ہے۔

جواب نمبر 2:

تحریف والا اعتراض اس لیے بھی باطل ہے کہ امام ابو عوانہ نے بھی من طریق سفیان عند الرکوع ترک رفع کی حدیث بھی نقل کی ہے۔

(مسند ابی عوانہ ج1 ص334)

نیز امام محمد بن حارث القیروانی اور امام بیہقی نے حضرت ابن عمر ہی سے دیگر طرق سے ترک رفع الیدین عند الرکوع کی سنداً صحیح حدیثیں نقل کی ہیں۔ (اخبار الفقہاء ص214، مسند ابی عوانہ: ج1 ص334، خلافیات البیہقی بحوالہ شرح سنن ابن ماجہ للمغلطائی: ج5 ص1472)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر9:

روی الإمام أبو عوانة يعقوب بن إسحاق الاسفرائنی: قال حدثنا عبدالله بن ایوب الْمُخَرِّمِيُّ و سَعْدان بن نصر وشعيب بن عمر وفی آخَرِينَ قالوا حدثنا سفيان بن عيينة عن الزهری عن سالم عن ابيه قال رايت رسول الله صلی الله عليه وسلم اذا افتتح الصلوة رفع يديه حتی يحاذی بهما وقال بعضهم حذو منكبيه واذا اراد ان يركع وبعد ما يرفع راسه من الركوع لايرفعهما وقال بعضهم ولايرفع بين السجدتين،

اسنادہ صحيح علی شرط البخاری ومسلم

(مسند ابی عوانۃ ج1ص334 بیان رفع الیدین فی افتتاح الصلاۃ قبل التکبیر بحذاء منکبیہ وللرکوع ولرفع رأسہ من الرکوع وأنہ لا یرفع بین السجدتین، رقم 1251، الخلافیات للبیھقی بحوالہ شرح سنن ابن ماجہ لمغلطائی ج5ص1472 باب رفع الیدین اذارکع واذارفع راسہ من الرکوع)

وقال الامام ابو عبدالله المغلطائی: حديث لاباس به۔ (شرح سنن ابن ماجہ لمغلطائی ج5ص1472)

دلیل نمبر10:

روی الامام الحافظ ابوعبدالله محمد بن الحارث الخشنی القيروانی : قال حدثنی عثمان بن محمد قال قال لی عبيدالله بن يحيی حدثنی عثمان بن سوادة ابن عباد عن حفص بن ميسرة عن زيد بن اسلم عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما قال كنا مع رسول الله صلی الله عليه وسلم بمكة نرفع ايدينا فی بدء الصلوة وفی داخل الصلوة عندالركوع فلما هاجر النبی صلی الله عليه وسلم الی المدينة ترك رفع اليدين فی داخل الصلوة عندالركوع وثبت علی رفع اليدين فی بدء الصلوة۔

اسنادہ صحيح ورواته ثقات۔

(اخبار الفقہاء والمحدثین للقیروانی: ص214 تحت رقم الترجمۃ 378 طبع بیروت)

اعتراض:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس روایت کے راوی محمد بن حارث نے روایت ذکر کرنے سے پہلے تصریح کی ہے:

وهو من غرائب الحديث واراه من شواذها (اخبار الفقہاء والمحدثین ص214)

یعنی یہ حدیث غریب بلکہ شاذ ہے۔ لہذا ضعیف و ناقابل استدلال ہے۔

جواب اول:

غرابت وجہ ضعف نہیں ہے۔ ایسا ممکن ہے کہ حدیث غریب ہو اور صحیح بھی ہو۔ چنانچہ امام حاکم ایک حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

رواه البخاری فی الجامع الصحيح ... وهو من غرائب الصحيح (معرفت علوم الحدیث: ص:94)

آگے لکھتے ہیں:

رواه مسلم فی المسند الصحيح عن أبی بكر بن أبی شيبة وغيره عن سفيان وهو غريب صحيح (معرفت علوم الحدیث: ص95)

جواب ثانی:

غیر مقلدین اگر یہ کہیں کہ عثمان بن سوادہ (جس کا ترجمہ امام قیروانی لائے ہیں) غریب حدیث لاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری و مسلم کے بہت سے راوی غریب الحدیث ہیں: مثلاً

1: امام احمد بن صباح النهشلی .. ثقه، حافظ، له غرائب۔ (تقریب ج1ص16)

2: امام ابراهيم بن اسحاق البنانی .. صدوق، يَغْرُبُ (تقریب ص25ج1)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

3:امام اسباط بن نصر۔۔۔صدوق، کثیر الخطاء، یَغْرُبُ (تقریب ص40ج1)

4ابراهیم بن طهمان الخراسانی۔۔۔ثقه، یَغْرُبُ(تقریب ص29ج1)

5:حکام بن سلم۔۔۔ثقه،له غرائب(تقریب ص132ج1)

لہذا یہ اعتراض باطل ہے۔

جواب ثالث:

شاذ کی دو تعریفیں کی گئیں ہیں :

1:فأما الشاذ فإنه حديث يتفرد به ثقة من الثقات۔(معرفت لعلوم الحدیث للحاکم ص119)

یعنی تفرد من الثقات کو شاذ کہا جاتا ہے لیکن یہ تعریف مرجوح ہے،راجح تعریف یہ ہے:

2: قال الشافعي ليس الشاذ من الحديث أن يروي الثقة ما لا يرويه غيره هذا ليس بشاذ إنما الشاذ أن يروي الثقة حديثا يخالف فيه الناس هذا الشاذ من الحديث (معرفت لعلوم الحدیث للحاکم ص119، مقدمۃ ابن الصلاح ص76 وغیرہ)

اسی کو حافظ ابن حجر نے راجح فرمایا ہے:

وهذا هو المعتمد في تعريف الشاذ بحسَبِ الاصطلاح (نزہۃ النظر ص213، الشرح للقاری ص336)

مخالفت ثقات والی تعریف جو کہ راجح ہے حدیث ابن عمر پر صادق نہیں آتی کیونکہ کسی ثقہ راوی نے ایسی کوئی صحیح حدیث بیان نہیں کی جس میں وفات تک کے الفاظ مروی ہوں۔لہذا یہ حدیث تفرد من الثقات کے قبیل سے ہے جو جمہور ائمہ فقہاء و محدثین کے ہاں بالاتفاق مقبول ہے:

قال الجمهور من الفقهاء وأصحاب الحديث زيادة الثقة مقبولة إذا انفرد بها (الکفایہ ص365)

لہذا شاذ و غریب ہونے کی جرح مردود ہے اور یہ حدیث صحیح اور حجت ہے۔

دلیل نمبر 11:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ اَنَّهُ كَانَ جَالِسًا مَعَ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه و سلم فَذَكَرْنَا صَلٰوةَ النَّبِيِّ صلى الله عليه و سلم فَقَالَ اَبُوْ حُمَيْدِ السَّاعِدِيُّ رضى الله عنهما اَنَا كُنْتُ اَحْفَظُكُمْ لِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه و سلم رَاَيْتُهُ اِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَاِذَا رَكَعَ اَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهٗ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ اِسْتَوٰى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَّكَانَهٗ وَاِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَّلَا قَابِضِهِمَا الخ

(صحیح البخاری: ج1ص114، صحیح ابن خزیمۃ؛ ج1ص298)

اعتراض:

عدم ذکر سے نفی ذکر لازم نہیں آتا۔ محمد قاسم نانوتوی (بانی مدرسہ دیوبند) نے لکھا: "مذکور نہ ہونا معدوم ہونے کی دلیل نہیں۔" اور سنن ابی داؤد میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والے رفع یدین کا ذکر موجود ہے۔

جواب:

اولاً: ہمارا موقف یہ ہے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا جائے،اس کے علاوہ پوری نماز میں رفع یدین نہ کیا جائے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث میں حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا ذکر کرتے ہیں،باقی مقامات کا ذکر نہیں کرتے۔اس سے ہمارا موقف ثابت ہے۔ نیز حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا قول اس استدلال کے خلاف نہیں،اس لیے کہ اصول ہے:

السكوت في معرض البيان بيان (مرعاۃ المصابیح لعبید اللہ المبارکپوری ج3 ص385،روح المعانی ج18ص7)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

وہ مقام جہاں ایک شے کو بیان کرنا چاہیے، وہاں اس کے بیان کو چھوڑنے کا مطلب اس شے کا عدم بیان کرنا ہوتا ہے۔

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نماز کے اس نقشہ کو بیان فرمارہے ہیں جو دیکھنے سے نظر آتا ہے کمافی الحدیث "رایتہ" (میں نے انھیں دیکھا)۔ اگر رفع الیدین عند الرکوع وبعد الرکوع ہوتا تو ضرور بیان کرتے۔ معلوم ہوا کہ یہ رفع یدین نہیں ہوتا تھا۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا قاعدہ مطلق ہے اور ہمارا بیان کردہ اصول ایک قید "فی معرض البیان" کے ساتھ مقید ہے۔ دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔

ثانیاً: ابو داؤد کی محولہ روایت کا تفصیلی جواب تو غیر مقلدین کی دلیل نمبر 5 کے تحت آئے گا۔ مختصراً عرض ہے کہ اس روایت میں ایک راوی عبد الحمید بن جعفر ہے جو کہ ضعیف، خطاکار اور قدری ہے۔ امام نسائی، امام ابو حاتم، امام سفیان ثوری، امام یحیٰ بن سعید القطان، امام یحیٰ بن معین، امام ابن حبان، امام ترمذی، امام طحاوی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اس پر جرح کی ہے۔ نیز یہ روایت منقطع بھی ہے کہ محمد بن عمرو بن عطاء کا سماع حضرت ابو قتادہ سے نہیں اور سنداً متناً بھی یہ روایت مضطرب ہے۔ لہٰذا یہ روایت ناقابلِ احتجاج ہے۔

دلیل نمبر 12:

روی الامام الحافظ المحدث مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری: حدثنا أبو بکر بن أبی شیبة وأبو کریب قالا حدثنا أبو معاویة عن الأعمش عن المسیب بن رافع عن تمیم بن طرفة عن جابر بن سمرة قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مالی أراکم رافعی أیدیکم کأنها أذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلاة

(صحیح مسلم ج 1 ص 181 باب الامر بالسکون فی الصلوۃ، السنن الکبری للبیہقی ج 2 ص 280 جماع ابواب الخشوع فی الصلوۃ والاقبال علیہا، صحیح ابن حبان ص 584 رقم 1878 باب ذکر ما یستحب للمصلی رفع الیدین، سنن ابی داؤد ج 1 ص 150 باب فی السلام، سنن النسائی ج 1 ص 176 باب السلام بالایدی فی الصلوۃ)

اعتراض:

غیر مقلدین کہتے ہیں حدیث جابر بن سمرہ میں اشارہ عند السلام فی التشہد سے منع کیا گیا ہے، ترک رفع الیدین سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی لیے علماء نے اسے باب السلام میں ذکر کیا ہے نہ کہ باب رفع الیدین میں۔ نیز علماء دیوبند سے پہلے کسی نے بھی اس حدیث سے نفی اور منع رفع یدین پر استدلال نہیں کیا۔

جواب شق 1:

اس حدیث کا ترک رفع الیدین سے تعلق ہے، کیونکہ اس میں "اسکنوا فی الصلاۃ" کے الفاظ ہیں اور علامہ بدر الدین عینی اور امام زیلعی نے اس حدیث کے متعلق تصریح کی ہے: انما یقال ذلك لمن یرفع یدیه فی اثناء الصلوة وهو حالة الرکوع او السجود ونحو ذلك

(شرح سنن ابی داؤد للعینی ج 3 ص 297، نصب الرایہ ج 1 ص 472)

لہٰذا اس کا تعلق منع رفع یدین کے ساتھ ہے نہ کہ تشہد کے ساتھ۔

جواب شق 2:

علماء نے اس حدیث کو رفع یدین یا ترک رفع یدین کے باب میں بھی ذکر فرمایا ہے، مثلاً:-

1: علامہ زمخشری نے اس حدیث کو "باب لا ترفع الایدی فی الصلوۃ الا عند افتتاح الصلوۃ" میں ذکر کیا ہے۔

(رؤوس المسائل الخلافیہ بین الحنفیۃ والشافعیۃ ج 1 ص 156)

3: امام ابو محمد علی بن زکریا المنبجی نے اس حدیث کو "باب لا ترفع الایدی عند الرکوع ولا بعد الرفع منہ" میں ذکر کیا ہے۔

(اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب ج 1 ص 256)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

4:امام ابوالحسن القدوری اس حدیث کو "باب لا ترفع الیدین فی تکبیر الرکوع" میں لائے ہیں۔(التجرید للقدوری ج2ص519)

جواب شق3:

علماء وفقہاء نے اس حدیث سے نفی اور منع رفع یدین پر استدلال کیا ہے۔مثلاً:

1: قال الامام النووی: وقال أبو حنیفة والثوری وابن ابی لیلی وسائر اصحاب الرأی لا یعرف یدیه فی الصلاة الا لتکبیرة الاحرام وهی روایة عن مالك واحتج لهم بحدیث البراء بن عازب رضی الله تعالی عنهما... وعن جابر بن سمرة رضی الللہ عنه قال " قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مالی اراکم رافعی ایدیکم

(المجموع شرح المهذب ج3ص400فصل في مسائل مهمة تتعلق بقراءة الفاتحة)

2: قال الامام ابن عبد البر: وقد احتج بعض المتأخرین للکوفیین ومن ذهب مذهبهم فی رفع الیدین بما حدثنا... عن جابر بن سمرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مالی أراکم (التمهید لابن عبد البر ج4ص194)

3: امام ابو الحسن القدوری:(التجرید للقدوری ج2ص519 باب لاترفع الیدین فی تکبیر الرکوع)

4: علامه زمخشری: (روس المسائل الخلافیه بین الحنفیة والشافعیة ج1ص156 باب لاترفع الایدی فی الصلوة الا عند افتتاح الصلوة)

5: امام ابو محمد علی بن زکریا المنبجی: (اللباب فی الجمع بین السنة والکتاب ج1ص256 باب لاترفع الایدی عند الرکوع ولا بعد الرفع منه)

6: علامه زیلعی۔(نصب الرایہ ج1ص472)

7:علامه عینی۔ (شرح سنن ابی داود ج3ص29)

8:ملا علی قاری۔(فتح باب العنایہ ج1ص258)

دلیل نمبر13:

روی الامام الحافظ المحدث أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوی: قال حدثنا ابن ابی داؤد قال حدثنا نعیم بن حماد قال ثنا الفضل بن موسی قال ثنا ابن ابی لیلی عن نافع عن ابن عمر وعن الحکم عن مقسم عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ترفع الایدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلوة وعند البیت وعلی الصفا والمروة وبعرفات وبمزدلفة عند الجمرتین۔

وبه قال حدثنا فهد ثنا الحمانی قال المحاربی عن ابن ابی لیلی عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم مثله۔

(سنن الطحاوی ج1ص416 باب رفع الیدین عند رؤیة البیت، المعجم الکبیر للطبرانی ج5ص428رقم الحدیث 11904، صحیح ابن خزیمة ج4ص209رقم2703 باب کراهیة رفع الیدین عند رؤیة البیت)

اعتراض:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ابن عباس اور ابن عمر کی سند میں قاضی ابن ابی لیلی ہے، اور یہ ضعیف ہے۔

جواب:

امام ابن ابی لیلی کی جمہور ائمہ نے تعدیل وتوثیق کی ہے، مثلاً

1: امام احمد بن یونس [شیخ البخاری]: کان أفقه أهل الدنیا. (میزان الاعتدال ج4ص175، تذکرۃ الحفاظ ج1ص129)

2: امام زائدۃ: کان أفقه أهل الدنیا.(سیر اعلام النبلاء ج6ص311)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

3: امام أحمد بن عبد اللہ العجلی: کان فقیہا صدوقا، صاحب سنة، جائز الحدیث، قارئا عالما، قرأ علیہ حمزة الزیات
(میزان الاعتدال ج4ص175، تہذیب التہذیب)

4: امام ابو یوسف القاضی: ما ولی القضاء أحد أفقہ فی دین اللہ، ولا أقرأ لکتاب اللہ، ولا أقول حقا باللہ، ولا أعف عن الاموال - من ابن أبی لیلی. (میزان الاعتدال ج4ص176)

5: امام ابو حاتم الرازی: محلہ الصدق کان سیئ الحفظ (الجرح والتعدیل ج7ص322)

6: امام ابوزرعہ الرازی: ھو صالح لیس باقوی ما یکون (الجرح والتعدیل ج7ص322)

7: امام عطاء بن ابی رباح: قال ابن أبی لیلی: دخلت علی عطاء، فجعل یسألنی، فکأن أصحابہ أنکروا علیہ ذلك، وقالوا: تسألہ؟ قال: وما تنکرون؟ ھو أعلم منی. (میزان الاعتدال ج4ص176)

8: حافظ ابن حجر: لہ ذکر فی الاحکام من صحیح البخاری قال أول من سأل علی کتاب القاضی البینة ابن أبی لیلی وسوار.
(تہذیب التہذیب ج5ص706)

9: امام سفیان الثوری: فقہاؤنا ابن أبی لیلی وابن شبرمة (تہذیب التہذیب ج5ص707)

10: امام ترمذی: کئی مقامات پر اس کی حدیث کو حسن صحیح فرمایا ہے۔
(باب ماجاء فی الرجل یقرأ القرآن علی کل حال مالم یکن جنبا، باب ماجاء متی تقطع التلبیة فی العمرة، باب ماجاء فی کراھیة الشرب فی آنیة الذھب والفضة وغیرہ)

11: امام ذہبی: حدیثہ فی وزن الحسن (تذکرۃ الحفاظ ج1ص128)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ابن ابی لیلی عند الجمہور فقیہ، ثقہ، صدوق اور عادل ہے۔ چونکہ ان پر کچھ جرح بھی ہے (کمامر) اس لیے اصولاً یہ حسن الحدیث درجے کا راوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ذہبی نے تصریح کی ہے کہ امام ابن ابی لیلی حسن الحدیث ہیں اور جب دیگر احادیث اس کی روایت کی متابعت کریں تو یہ درجہ صحیح کو پہنچ جائے گی۔ یہی بات علامہ شاکر غیر مقلد نے لکھی ہے:

و مثل ھذا [ابن ابی لیلی] لا یَقِلُّ حدیثُہ عن درجة الحسن المحتج بہ و اذا تابعہ غیرہ کان الحدیث صحیحا
(شرح جامع الترمذی لاحمد محمد شاکر غیر مقلد بحوالہ نور الصباح ج1ص166،167)

لہذا یہ اعتراض باطل ہے اور حدیث حسن درجہ کی ہے اور حجت ہے۔

احادیث موقوفہ

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ترک رفع یدین:

دلیل نمبر 1:

روی الامام الحافظ المحدث ابویعلی أحمد بن علی بن المثنی الموصلی التمیمی: قال حدثنا اسحاق بن ابی اسرائیل حدثنا محمد بن جابر عن حماد عن ابراھیم عن علقمہ عن عبداللہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر فلم یرفعوا ایدیھم الا عند افتتاح الصلوۃ وقد قال محمد فلم یرفعوا ایدیھم بعد التکبیرۃ الاولی۔

تحقیق السند: اسنادہ حسن و رواتہ ثقات

(مسند ابی یعلی ص922رقم الحدیث 5036، کتاب المعجم لابی بکر اسماعیلی ج2ص693،692رقم154، الکامل لابن عدی ج7ص337رقم الترجمۃ 1646)

ملحوظہ: اس روایت کے ایک راوی محمد بن جابر پر غیر مقلدین اعتراض کرتے ہیں۔ اس کا جواب احادیث مرفوعہ دلیل نمبر 5 کے تحت گزر چکا ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر2:

روی الامام الحافظ الفقیہ ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی: قال اخبرنا ابوبکر بن عبداللہ النہشلی عن عاصم بن کلیب الجرمی عن ابیہ وکان من اصحاب علی ان علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولیٰ التی یفتتح بہا الصلوۃ ثم لایرفعھما فی شیئ من الصلوۃ

تحقیق السند: اسنادہ صحیح و رواتہ ثقات۔

(موطاامام محمد ص94باب افتتاح الصلوۃ، کتاب الحجۃ: ج1ص76باب افتتاح الصلوۃ وترک الجہر، المدونۃ الکبری ج1ص166 باب فی رفع الیدین فی الرکوع والاحرام)

اعتراض :

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ روایت منکر ہے، کیونکہ امام بخاری نے عبد الرحمن بن مہدی کا قول نقل فرمایا ہے:

قال عبدالرحمن بن مھدی ذکرت للثوری حدیث النھشلی عن عاصم بن کلیب فانکرہ (جزء رفع الیدین ص267)

نیز ابو بکر النہشلی ضعیف راوی ہے۔

جواب نمبر1:

امام بخاری نے امام سفیان ثوری سے اس جرح کی سند متصل بیان نہیں کی ،لہذا اس جرح کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے یہ جرح ناقابل قبول ہے۔مزید یہ کہ امام عبد الرحمن بن مہدی سے امام بخاری کی ملاقات ثابت نہیں۔کیونکہ امام بخاری کی پیدائش سن 194ھ میں بخارا میں ہوئی اور امام عبد الرحمن بن مہدی کی وفات سن 198ھ میں بصرہ میں ہوئی۔

جواب نمبر2:

اس حدیث کا مدار امام ابو بکر النہشلی کوفی پر ہے جو عند الجمہور ثقہ ،صالح ،حافظ ،صدوق ،ثبت ،حسن الحدیث ہیں۔آپ صحیح مسلم کے راوی ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج6ص315، تاریخ الثقات للعجلی ص493،المعرفت والتاریخ ج3ص237، صحیح مسلم ج1ص213،الجرح والتعدیل ج9ص407)

لہذا حدیث علی صحیح اور حجت ہے۔

جواب نمبر3:

امام سفیان ثوری کوفی م 161ھ خود ترک رفع الیدین پر عامل ہیں۔(فقہ سفیان ثوری ص560، عمدۃ القاری ج4ص380)

اور ترک کی روایت عاصم بن کلیب سے نقل کرتے ہیں۔(سنن النسائی ج1ص162،161باب الرخصۃ فی ترک ذلک)

امام ابو بکر نہشلی کوفی (م166ھ) بھی ترک کی روایت عاصم بن کلیب سے ہی نقل کرتے ہیں (موطاامام محمد ص94)

تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جس روایت کو امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب کی بنیاد بناتے ہیں اس کا انکار کر بیٹھیں ؟!!پس یہ جرح باطل ہے۔

دلیل نمبر3:

روی الامام زید بن علی بن الحسین بن علی الھاشمی عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ عن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ انہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولی الی فروع اذنیہ ثم لایرفعھما حتی یقضی صلوٰتہ۔

تحقیق السند: اسنادہ صحیح وراتہ ثقاۃ

(مسند الامام زید ص89باب التکبیر فی الصلوۃ، ص149باب الصلوۃ علی المیت وکیف یقال ذلک)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دیگر صحابہ کرام اور ترک رفع یدین :

دلیل نمبر 1:

روی الامام الاعظم ابوحنیفة التابعی الکوفی : عن حماد عن ابراھیم عن الاسود ان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کان یرفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لایعود لشیئ من ذالك.

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین۔

(مسند ابی حنیفۃ بروایۃ الحارثی ج2ص502رقم الحدیث 801، جامع المسانید بروایۃ الخوارزمی ج1ص355رقم 1867، مختصر خلافیات البیہقی لاحمد بن فرح ج2ص77)

دلیل نمبر 2:

روی الامام أبو بکر عبداللہ بن محمد بن أبي شیبۃ العبسی الکوفی : قال حدثنا ابوبکر بن عیاش عن حصین عن مجاھد قال ما رایت ابن عمر یرفع یدیہ الا فی اول ما یفتتح.

تحقیق

السند: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج1ص268رقم 13باب من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود)

فائدہ: یہ طریق صحیح بخاری میں بھی موجود ہے: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ [بن عیاش] الخ

(ج1ص274باب الاعتکاف فی العشر الاوسط من رمضان)

دلیل نمبر 3:

روی الامام ابوجعفر أحمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی : قال حدثنا ابن ابی داؤد قال ثنا احمد بن یونس قال ثنا ابوبکر بن عیاش عن حُصَيْنٍ عن مجاھد قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیہ الا فی التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوۃ.

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین

(سنن الطحاوی ج1ص163باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود)

فائدہ: یہ طریق صحیح بخاری میں بھی موجود ہے: أَبُو بَكْرٍ [ابْنِ عَيَّاشٍ] عَنْ حُصَيْنٍ الخ (ج2ص725باب قولہ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ)

اعتراض:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک راوی ابو بکر بن عیاش ہے۔ اس کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا اور یہ اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔

جواب نمبر 1:

امام ابو بکر بن عیاش صحیح بخاری، صحیح مسلم (مقدمہ) اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور عند الجمہور ثقہ ہیں۔ مثلاً:

امام عبداللہ بن مبارک: أثنی علیہ۔

امام احمد بن حنبل: صدوق صالح صاحب قرآن وخبر.. ثقة

امام بخاری: اخرج عنہ فی صحیحہ

امام مسلم: اخرج عنہ فی صحیحہ

امام ابن خزیمۃ: اخرج عنہ فی صحیحہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

عثمان الدارمی: من أهل الصدق والامانة

امام ابو حاتم الرازی: أصح كتابا... أبو بكر أحفظ منه [ای من عبد الله بن بشر] وأوثق

امام ابن حبان: ذكره فی الثقات

امام عبد اللہ بن عدی: لم أجد له حديثا منكرا

امام العجلی: كان ثقة قديما صاحب سنة وعبادة

امام ابن سعد: وكان ثقة صدوقا عارفا بالحديث والعلم

امام ثوری، امام ابن المبارک، امام ابن مہدی: يثنون عليه

امام یعقوب بن شیبۃ: شيخ قديم معروف بالصلاح البارع وكان له فقه كثير وعلم بأخبار الناس ورواية للحديث

امام الساجی: صدوق يهم۔ (تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی: ج7 ص308 تا ص311)

نیز آپ اس روایت کے بیان کرنے میں منفرد نہیں بلکہ امام محمد حسن بن الشیبانی ثقہ وصدوق نے ان کی متابعت معنوی کی ہے۔ مثلاً:

قال محمد اخبرنا محمد بن اابان بن صالح عن عبد العزيز بن حكيم قال رايت ابن عمر يرفع يديه حذاء اذنيه فی اول تكبيرة افتتاح الصلوة ولم يرفعهما فيما سوى ذلك۔ (موطا امام محمد ص93 باب افتتاح الصلوۃ، کتاب الحجہ لامام محمد ج1 ص76 باب افتتاح الصلوۃ)

پس الزام اختلاط باطل ہے۔

جواب نمبر2:

امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ مختلط راوی کے متعلق ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں:

وحكم المختلط أنه لا يُحتج بما روى عنه فی الاختلاط أو شك فی وقت تحمله، ويحتج بما روى عنه قبل الاختلاط، وما كان فی الصحيحين عنه محمول على الأخذ عنه قبل اختلاطه۔ (تہذیب الاسماء واللغات للنووی ج1 ص242)

یعنی جو راوی اختلاط کا شکار ہو گئے ہوں تو امام بخاری ومسلم ان کے ایسے شاگردوں کی روایتیں تخریج کرتے ہیں جن کا سماع قبل الاختلاط والتغیر ہوتا ہے۔ ہماری پیش کردہ روایت "ابن أبي شيبة عن ابی بكر بن عياش" اور "احمد بن يونس عن ابی بكر بن عياش" کے طریق سے مروی ہے اور یہی طریق صحیح بخاری میں موجود ہیں۔

1: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ [بن عياش] الخ (ج1 ص274 باب الاعتکاف فی العشر الاوسط من رمضان)

2: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ [بن عياش] الخ (ج2 ص725 باب قولہ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ)

لہذا یہ بات بالتحقیق ثابت ہوئی کہ حدیث ابن عمر من طریق ابی بکر بن عیاش قبل الاختلاط والتغیر کی ہے، پس اعتراض باطل ہے۔

دلیل نمبر4:

قال الامام محمد الشيبانی: ان فقيههم [اهل المدينة] مالك بن انس قد روى عن نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُجْمِرِ وابی جعفر القاری انهما اخبراه ان ابا هريرة رضی الله عنه كان يصلی بهم فيكبر كلما خَفَضَ ورفع، قالا: وكان يرفع يديه حين يكبر ويفتتح الصلوة۔ فهذا حديثكم [يا اهل المدينة] موافق لعلی وابن مسعود رضی الله عنهما لا حاجة بنا معهما الى قول ابی هريرة ونحوه ولكنا احتججنا عليكم بحديثكم۔ (کتاب الحجۃ للامام محمد ج1 ص75 باب افتتاح الصلوۃ وترک الجہر ببسم اللہ، وموطا الامام محمد ص90 باب افتتاح الصلوۃ)

تحقيق السند: اسناده صحيح على شرط الشيخين

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر5:

قد روی الامام الحافظ المحدث أبو بکر عبد اللہ بن محمد بن أبی شیبۃ العبسی الکوفی : قال حدثنا ابن فضیل عن عطاء عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لاترفع الایدی الافی سبع مواطن اذا قام الی الصلوۃ واذا رای البیت وعلی الصفا والمروۃ وفی عرفات وفی جمع وعند الجمار ،

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج1 ص268،267رقم الحدیث 11 باب من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود،)

1500 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ترک رفع الیدین:

کوفہ وہ اسلامی شہر ہے جسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آباد کیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دارالخلافہ بنایا تھا۔ اس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد آکر قیام پذیر ہوئی۔ مؤرخین نے ان کی تعداد 1500 بیان کی ہے۔ چنانچہ امام احمد بن عبد اللہ بن صالح العجلی الکوفی م 261ھ فرماتے ہیں:

نزل الکوفۃ الف وخمس مائۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (تاریخ الثقات للعجلی ص517 باب فیمن نزل الکوفۃ وغیرھا من الصحابۃ)

اور کوفہ میں قیام پذیر تمام حضرات نے شروع نماز کے علاوہ رفع یدین چھوڑ دیا تھا، جیسا کہ ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے:

1: قال ابن عبد البر م463ھ : قال الامام ابوعبداللہ محمد بن نصر الْمَرْوَزِیُّ فی کتابہ فی رفع الیدین من الکتاب الکبیر: لانعلم مصرا من الامصار یُنسَب الی اھلہ العلمُ قدیماً ترکوا باجماعھم رفع الیدین عند الخفض والرفع فی الصلوۃ الا اھل الکوفۃ

(التمہید لابن عبد البر ج4 ص187، الاستذکار لابن عبد البر ج1 ص408 باب افتتاح الصلوۃ)

2: قال الامام المحدث ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذی : وبہ [ترک رفع الیدین]یقول غیرواحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول سفیان واھل الکوفۃ،

(جامع الترمذی ج1 ص59 باب رفع الیدین عند الرکوع، مختصر الاحکام للطوسی ج2 ص104)

احادیث مقطوعہ

دلیل نمبر1:

قد روی الامام الحافظ المحدث أبو بکر عبد اللہ بن محمد بن أبی شیبۃ العبسی الکوفی : قال حدثنا ابن مبارک عن اشعث عن الشعبی انہ کان یرفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لا یرفعھما

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط مسلم

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج1 ص267 باب من کان یرفع یدیہ فی اول التکبیرۃ ثم لا یعود، سنن الطحاوی ج1 ص164 باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود)

دلیل نمبر2:

روی الامام الحافظ المحدث أبو بکر عبد اللہ بن محمد بن أبی شیبۃ العبسی الکوفی : قال حدثنا یحیی بن سعید عن اسماعیل قال کان قیس [بن ابی حازم البجلی الکوفی] یرفع یدیہ اول مایدخل فی الصلوۃ ثم لا یرفعھما،

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج1 ص267 باب من کان یرفع یدیہ فی اول التکبیرۃ ثم لا یعود، رقم10)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر3:

روی الامام الفقیه محمد بن الحسن الشیبانی: قال اخبرنا محمد بن ابان بن صالح عن حماد عن ابراهیم النخعی قال لاترفع یدیك فی شیئ من الصلوة بعد التکبیرة الاولی

تحقیق السند: اسنادہ صحیح رواته ثقات۔

(موطاالامام محمد ص92 باب افتتاح الصلوۃ)

دلیل نمبر4:

روی الامام الحافظ المحدث أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسی الكوفي: عن الحجاج عن طلحة عن خَيْثَمَةَ وابراهیم قال کانا لایرفعان ایدیهما الا فی بدء الصلوۃ،

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط مسلم

(مصنف ابن ابی شیبہ ج1 ص267 باب من کان یرفع یدیہ فی اول التکبیرۃ ثم لا یعود)

دلیل نمبر5:

روی الامام ابن ابی شیبة: قال حدثنا معاوية بن هشيم عن سفيان بن مسلم الْجُهَنِيّ قال کان ابن ابی لیلی یرفع یدیه اول شیئ اذا کبر،

تحقیق السند: اسنادہ جید

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج1 ص268 باب من کان یرفع یدیہ فی اول التکبیرۃ ثم لا یعود)

دلیل نمبر6:

روی الامام ابن ابی شیبة قال حدثنا وکیع وابو اسامة عن شعبة عن ابی اسحاق قال کان اصحاب عبدالله واصحاب علی لایرفعون ایدیهم الا فی افتتاح الصلوۃ، قال وکیع ثم لایعودون

اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج1 ص267 باب من کان یرفع یدیہ فی اول التکبیرۃ ثم لا یعود،،الاوسط فی السنن لابن المنذر ج3 ص149،148، رقم الحدیث 1391 باب ذکر رفع الیدین عند الرکوع وعند الرفع)

بلاد اسلامیہ اور ترک رفع الیدین

اہل مدینہ اور ترک رفع الیدین:

امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ مدینہ منورہ کے فقیہ ہیں، آپ فرماتے ہیں:

لا اعرف رفع الیدین فی شیئ من تکبیر الصلوۃ، لا فی خفض ولا فی رفع الا فی افتتاح الصلوۃ۔۔۔قال ابن القاسم: وکان رفع الیدین عند مالك ضعیفا الا فی تکبیرۃ الاحرام۔

(المدونۃ الکبری للامام مالک ج1 ص165 باب فی رفع الیدین فی الرکوع والاحرام، التمہید لابن عبد البر ج4 ص187)

اہل کوفہ اور ترک رفع الیدین:

1: قال الامام الحافظ ابن عبد البر القرطبی م463ھ: قال الامام ابوعبدالله محمد بن نصر الْمَرْوَزِيُّ فی کتابه فی رفع الیدین من الکتاب الکبیر: لانعلم مصرا من الامصار یُنسَب الی اهله العلمُ قدیماً ترکوا باجماعهم رفع الیدین عند الخفض والرفع فی

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

الصلوۃ الا اھل الکوفۃ (التمہید لابن عبد البر ج4 ص187، الاستذکار لابن عبد البر ج1 ص408 باب افتتاح الصلوۃ)

2: وقال ایضاً: فقال مالك فیما روی عنه ابن القاسم یرفع للإحرام عند افتتاح الصلاۃ ولا یرفع فی غیرها... وھو قول الکوفیین ابی حنیفة وسفیان الثوری والحسن بن حُیّیٍ وسائر فقهاء الکوفة قدیماً وحدیثاً۔

(الاستذکار لابن عبد البر ج1 ص408 باب افتتاح الصلوۃ، التمہید لابن عبد البر ج4 ص187)

ائمہ مجتہدین اور ترک رفع الیدین

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ م150ھ:

قال ابو حنیفة رضی الله عنه اذا افتتح الرجل الصلوۃ کبر ورفع یدیه حذو اذنیه فی افتتاح الصلوۃ ولم یرفعهما فی شیئ من تکبیر الصلوۃ غیر تکبیرۃ الافتتاح

(کتاب الحجۃ للامام محمد ج1 ص74 باب افتتاح الصلوۃ وترک الجہر ببسم اللہ، سنن الطحاوی ج1 ص165 باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود الخ)

امام سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ م161ھ:

قال الامام سفیان الثوری: ویرفع یدیه الی حذاء اذنیه مع هذه التکبیرۃ ثم لا یرفعهما ابدا مع غیر هذه التکبیرۃ

(فقہ سفیان الثوری ص560، جزء رفع الیدین للبخاری ص128 رقم الحدیث 133)

امام مالک بن انس المدنی م179ھ:

قال الامام الفقیه مالك بن انس المدنی :لا اعرف رفع الیدین فی شیئ من تکبیر الصلوۃ لا فی خفض ولا فی رفع الا فی افتتاح الصلوۃ...قال ابن القاسم: وکان رفع الیدین عند مالك ضعیفا الا فی تکبیرۃ الاحرام

(المدونۃ الکبری للامام مالک ج1 ص165 باب فی رفع الیدین فی الرکوع والاحرام، التمہید لابن عبد البر ج4 ص187)

امام ابو یوسف القاضی م181ھ:

[ترك رفع الیدین مع تکبیرۃ النهوض وتکبیرۃ الرکوع] وهو قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد رحمهم الله تعالی

(سنن الطحاوی ج1 ص165 باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع الخ)

امام محمد بن حسن الشیبانی م189ھ:

قال الامام ابو سلیمان الجوزجانی رحمه الله: قلت: أرأیت الرجل اذا صلی هل یرفع یدیه فی شیئ من تکبیرۃ الصلوۃ حین یرکع او حین یسجد او حین یرفع راسه من الرکوع او حین یرفع راسه من السجود ؟ قال: [الامام محمد بن الحسن الشیبانی] لا یرفع یدیه فی شیئ من ذلك الا فی التکبیرۃ التی یفتتح بها الصلوۃ۔

(کتاب الاصل المعروف بالمبسوط للامام محمد ج1 ص13 باب افتتاح الصلوۃ وما یصنع الامام، موطا امام محمد ص90، 91، سنن الطحاوی ج1 ص165 باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع الخ

غیر مقلدین کے دلائل کے جوابات

دلیل نمبر 1:

وَحَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظُ إِمْلاَءً حَدَّثَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ : عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ حَمْدَانَ الْجَلاَّبُ بِهَمَذَانَ حَدَّثَنَا أَبُو حَاتِمٍ : مُحَمَّدُ بْنُ إِدْرِيسَ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ أَبِي مَرْحُومٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ بْنُ حَاتِمٍ عَنْ مُقَاتِلِ بْنِ حَيَّانَ عَنِ الأَصْبَغِ بْنِ نُبَاتَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ -صلی الله علیه وسلم- (إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) قَالَ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِجِبْرِيلَ :« مَا هَذِهِ النَّحِيرَةِ الَّتِي أَمَرَنِي بِهَا رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ. قَالَ : إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَحِيرَةٍ ، وَلَكِنَّهُ يَأْمُرُكَ إِذَا تَحَرَّمْتَ لِلصَّلاَةِ أَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ إِذَا كَبَّرْتَ ، وَإِذَا رَكَعْتَ ، وَإِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ ، فَإِنَّهَا صَلاَتُنَا وَصَلاَةُ الْمَلاَئِكَةِ الَّذِينَ فِي السَّمَوَاتِ السَّبْعِ. (السنن الکبری للبیہقی ج2ص76، 75 باب رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ رَفْعِ الرَّأْسِ مِنْهُ)

جواب نمبر1:

یہ روایت موضوع ہے، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی "اسرائیل بن حاتم الرازی" ہے۔ اس کے متعلق امام ابن حبان نے تصریح کی ہے کہ یہ موضوع روایات بیان کیا کرتا تھا:

روی عن مقاتل الموضوعات والاوابد والطامات(میزان الاعتدال ج1ص229رقم الترجمہ 977)

اور موضوع روایات کی مثال میں یہی روایت پیش کی ہے۔

امام مطہر بن طاہر المقدسي فرماتے ہیں: إسرائيل بن حاتم ومقاتل بن حبان والإصبع بن نباتة لا تقوم بهم حجة.

(کتاب معرفۃ التذکرۃ لابن طاهر المقدسي ص50)

دوسرا راوی "اَصْبَغ بْن نُبَاتَة" ہے، یہ بھی سخت مجروح ہے۔ مثلاً:

كذاب،ليس بثقة،ليس بشيء،متروك، كان يقول بالرجعة،فتن بحب علي،فأتي بالطامات،فاستحق من أجلها الترك.

(میزان الاعتدال ج1ص285رقم الترجمہ 1188)

جواب نمبر2:

محققین نے بھی اسے باطل اور ناقابل اعتبار قرار دیا۔ امام بیہقی نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد فرمایا:

وَقَدْ رُوِيَ هَذَا وَالاِعْتِمَادُ عَلَى مَا مَضَى (السنن الکبری للبیہقی: ج2ص76)

کہ روایت مروی تو ہے لیکن اعتماد اس روایت پر ہے جو پہلے بیان ہو چکی۔ (یعنی اس روایت پر اعتماد نہیں کیا)

امام ابن حبان اور علامہ ابن الجوزی نے بھی اس روایت کو موضوع اور باطل قرار دیا ہے۔

(کتاب المجروحین لابن حبان ج1ص200، الموضوعات لابن جوزی ج2ص24)

دلیل نمبر2:

عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّهُ رَأَى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلَّى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ هَكَذَا (صحیح البخاری ج1ص102 باب رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ)

جواب نمبر1:

حضرت مالک بن الحویرث سے سجدوں کی رفع یدین بھی مروی ہے:

اذا سجد و اذا رفع راسه من السجود حتى يحاذي بهما فروع اذنيه

(سنن النسائی ج1ص165 باب رفع الیدین للسجود، سنن النسائی ج1ص172 باب رفع الیدین عند الرفع من السجدۃ الاولی، مسند احمد بن حنبل ج3ص533 رقم الحدیث 15606، 15610، السنن الکبری للنسائی ج1ص228 باب رفع الیدین للسجود رقم الحدیث 672، 673، 674، مسند ابی عوانہ ج1ص336، رقم الحدیث 1263، مشکل الآثار للطحاوی ج2ص29، رقم الحدیث 631، 632، 633)

غیر مقلدین خود اس روایت پر پورا عمل نہیں کرتے اور سجدوں کی رفع یدین چھوڑ دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ان کے ہاں بھی معمول بہا نہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر2:

حضرت مالک بن الحویرث سن 9ھ میں 20 دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ کر اپنے وطن چلے گئے۔

(صحیح البخاری ج1 ص87،88 مع فتح الباری ج2ص145،ج8ص138)

مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلسل رہنے والے صحابہ کرام سیدنا علی، سیدنا ابن مسعود، سیدنا ابن عمر، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہم وغیرہم نے واضح گواہی دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شروع نماز میں تکبیر تحریمہ کی رفع یدین کے علاوہ تمام نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔(دلائل احناف میں ان کے حوالہ جات گزر چکے ہیں)

جواب نمبر3:

اس روایت میں رفع یدین کا ثبوت تو ہے لیکن دوام ثابت نہیں، آپ کا مقصد دوام کو ثابت کرنا ہے۔

دلیل نمبر3:

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ أَيْضًا وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُودِ (صحیح البخاری ج1 ص102 باب رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مَعَ الِافْتِتَاحِ سَوَاءً)

جواب نمبر1:

حضرت عبد اللہ بن عمر سے سجدوں کی رفع یدین، دو سجدوں کے درمیان کی رفع الیدین بلکہ ہر اونچ نیچ کی رفع الیدین بھی مروی ہے:

یرفع یدیہ فی الرکوع و السجود۔ کان یرفع یدیہ فی کل خفض ورفع و رکوع و سجود و قیام و قعود بین السجدتین۔۔۔ اذا رکع و اذا سجد۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج1 ص266 باب من کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوۃ، مشکل الآثار للطحاوی ج2ص20رقم الحدیث 24، جزء رفع الیدین للبخاری ص48رقم 83، المعجم الاوسط للطبرانی ج1ص83)

غیر مقلدین خود اس روایت پر پورا عمل نہیں کرتے کیونکہ باقی مقامات کی رفع یدین چھوڑ دیتے ہیں۔ تو یہ ان کے ہاں بھی معمول بہا نہیں۔

جواب نمبر2 :

حضرت عبد اللہ بن عمر سے ترک رفع الیدین عند الرکوع والسجود کی حدیث سندا صحیح موجود ہے(دلائل احناف میں ان کے حوالہ جات گزر چکے ہیں)

معلوم ہوا کہ رفع یدین ترک ہو چکی تھی اسی لیے تو ترک کی احادیث روایت کی ہیں۔

جواب نمبر3:

اس روایت میں رفع یدین کا ثبوت تو ہے لیکن دوام ثابت نہیں، آپ کا مقصد دوام کو ثابت کرنا ہے۔

جواب نمبر4:

یہ حدیث غیر مقلدین کے پورے عمل کی دلیل نہیں۔ اس لیے کہ اس میں ان کے قول و فعل کی یہ باتیں نہیں ہیں:

(1):دس مرتبہ کی نفی اور اٹھارہ کا ثبوت

(2) اس رفع الیدین کی فرض یا واجب ہونے کی تصریح

(3):وفات تک کے لفظ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

(4): حدیث کی صحت آپ کی دو دلیلوں یعنی قرآن و حدیث سے

(5): یہ حکم کہ جو یہ رفع یدین نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی

دلیل نمبر 4:

حدثنا زهير بن حرب حدثنا عفان حدثنا همام حدثنا محمد بن جحادة حدثني عبد الجبار بن وائل عن علقمة بن وائل ومولى لهم أنهما حدثاه عن أبيه وائل بن حجر أنه: رأى النبي صلى الله عليه وسلم رفع يديه حين دخل في الصلاة كبر وصف همام حيال أذنيه ثم التحف بثوبه ثم وضع يده اليمنى على اليسرى فلما أراد أن يركع أخرج يديه من الثوب ثم رفعهما ثم كبر فركع فلما قال سمع الله لمن حمده رفع يديه فلما سجد سجد بين كفيه۔

(صحیح مسلم ج1 ص173 باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری بعد تکبیرۃ الإحرام، رفع الیدین للبخاری ص30، سنن ابی داوٗد ج1 ص112 باب رَفْعِ الْيَدَيْنِ)

جواب نمبر 1:

حضرت وائل بن حجر سے ہر تکبیر کے ساتھ اور سجدوں کی رفع یدین کا ثبوت بھی صحیح حدیث میں ہے:

و اذا رفع راسه من السجود ایضاً رفع يديه حتى فرغ من صلوته ... واذا ركع و اذا سجد ... رفع يديه مع كل تكبيرة

(سنن ابی داوٗد ج1 ص112 باب رَفْعِ الْيَدَيْنِ، الآحاد و المثانی لابن ابی عاصم ص78، 79 رقم الحدیث 2619، المعجم الکبیر للطبرانی ج9 ص150 رقم الحدیث 17529)

غیر مقلدین خود اس روایت پر پورا عمل نہیں کرتے کیونکہ باقی مقامات کی رفع یدین چھوڑ دیتے ہیں۔ تو یہ ان کے ہاں بھی معمول بہا نہیں۔

جواب نمبر 2:

حضرت وائل بن حجر جب حجۃ الوداع کے موقع پر تشریف لائے تو واپس جانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند نمازیں پڑھی ہیں۔ ان نمازوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ صرف شروع کے رفع الیدین کی تصریح تو کرتے ہیں لیکن باقی مقامات کا رفع الیدین بیان نہیں کرتے۔ اگر باقی مقامات کا رفع الیدین باقی رہا ہوتا تو ضرور بیان کرتے۔ ثابت ہوا کہ باقی مقامات کا رفع الیدین ترک ہو چکا تھا۔ چنانچہ سنن ابی داوٗد میں ہے:

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- حِينَ افْتَتَحَ الصَّلاَةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيَالَ أُذُنَيْهِ - قَالَ - ثُمَّ أَتَيْتُهُمْ فَرَأَيْتُهُمْ يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إِلَى صُدُورِهِمْ فِي افْتِتَاحِ الصَّلاَةِ وَعَلَيْهِمْ بَرَانِسُ وَأَكْسِيَةٌ۔ (سنن ابی داوٗد ج1 ص112 باب رَفْعِ الْيَدَيْنِ)

جواب نمبر 3:

حضرت وائل بن حجر کے وطن واپس جانے کے 80 یا 90 دن بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔

(رسول اکرم کی نماز از اسماعیل سلفی ص53)

لہٰذا ان تین مہینوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالیقین رکوع اور سجود کی رفع یدین ترک کر دی تھی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلسل رہنے والے صحابہ کرام سیدنا علی، سیدنا ابن مسعود، سیدنا ابن عمر، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہم وغیر ہم سے بسند صحیح مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شروع نماز میں تکبیر تحریمہ کی رفع یدین کے علاوہ تمام نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ (دلائل احناف میں ان کے حوالہ جات گزر چکے ہیں)

دلیل نمبر 5:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى وَهَذَا حَدِيثُ أَحْمَدَ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حُمَيْدٍ السَّاعِدِيَّ فِي عَشْرَةٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم مِنْهُمْ أَبُو قَتَادَةَ قَالَ أَبُو حُمَيْدٍ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلاَةِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم. قَالُوا فَلِمَ فَوَاللَّهِ مَا كُنْتَ بِأَكْثَرِنَا لَهُ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تَبَعًا وَلاَ أَقْدَمَنَا لَهُ صُحْبَةً. قَالَ بَلَى. قَالُوا فَاعْرِضْ. قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلاَةِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يُكَبِّرُ حَتَّى يَقِرَّ كُلُّ عَظْمٍ فِي مَوْضِعِهِ مُعْتَدِلاً ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ يُكَبِّرُ فَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَاحَتَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَعْتَدِلُ فَلاَ يَصُبُّ رَأْسَهُ وَلاَ يُقْنِعُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ فَيَقُولُ « سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ». ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ مُعْتَدِلاً ثُمَّ يَقُولُ « اللَّهُ أَكْبَرُ ». ثُمَّ يَهْوِي إِلَى الأَرْضِ فَيُجَافِي يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَثْنِي رِجْلَهُ الْيُسْرَى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا وَيَفْتَحُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ إِذَا سَجَدَ وَيَسْجُدُ ثُمَّ يَقُولُ « اللَّهُ أَكْبَرُ ». وَيَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَثْنِي رِجْلَهُ الْيُسْرَى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا حَتَّى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ إِلَى مَوْضِعِهِ ثُمَّ يَصْنَعُ فِي الأُخْرَى مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلاَةِ ثُمَّ يَصْنَعُ ذَلِكَ فِي بَقِيَّةِ صَلاَتِهِ حَتَّى إِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ الَّتِي فِيهَا التَّسْلِيمُ أَخَّرَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَقَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلَى شِقِّهِ الأَيْسَرِ. قَالُوا صَدَقْتَ هَكَذَا كَانَ يُصَلِّي صلى الله عليه وسلم (سنن ابی داؤد ج1 ص113 باب افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ.)

جواب نمبر1:

اس کی سند میں ایک راوی عبد الحمید بن جعفر ہے۔ ائمہ نے اس پر کلام کیا ہے:

امام ابو حاتم الرازی: لا يحتج به (میزان الاعتدال للذہبی ج2 ص539)

امام ابن حبان: ربما أخطأ (کتاب الثقات لابن حبان ج7 ص122)

امام یحیی بن سعید القطان: يضعفه (الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي ج2 ص84)

امام سفیان الثوری: يضعفه (الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي ج2 ص84)

علامہ ابن حجر: رمي بالقدر وربما وهم (تقریب التہذیب ص333)

امام نسائی: ليس بالقوی (الضعفاء والمتروكين للنسائی ص211)

امام یحی بن معین: وكان يرى القدر (تہذیب الکمال للمزي ج6 ص30)

یہ تقدیر کا منکر بدعتی راوی ہے۔

اور قدریوں کے متعلق امام مالک بن انس رحمہ اللہ علیہ کا فیصلہ ہے:

لا يصلى خلف القدرية ولا يحمل عنهم الحديث. (الکفایہ فی علم الروایہ ص124)

پس روایت ضعیف ہے۔

جواب نمبر2:

ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح البخاری میں موجود ہے (دلائل اہل السنت احناف میں دلیل نمبر 11 کے تحت موجود ہے)
لیکن اس میں شروع نماز میں رفع الیدین کا تو ذکر ہے بعد والی رفع الیدین کا ذکر نہیں۔ کیونکہ اس میں عبد الحمید بن جعفر موجود نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ یہ تکبیر تحریمہ والا رفع الیدین عبد الحمید بن جعفر کی خطاء کی وجہ سے زائد ہوا ہے، پس نا قابل حجت ہے۔

دلیل نمبر6:

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْهَاشِمِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْفَضْلِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الأَعْرَجِ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ - رضى الله عنه - عَنْ رَسُولِ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - أَنَّهُ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلاَةِ الْمَكْتُوبَةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَيَصْنَعُ مِثْلَ ذَلِكَ إِذَا قَضَى قِرَاءَتَهُ وَأَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ وَيَصْنَعُهُ إِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ وَلاَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلاَتِهِ وَهُوَ قَاعِدٌ وَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

رَفَعَ يَدَيْهِ كَذَلِكَ وَ كَبَّرَ۔(سنن ابی داؤد ج1ص115،116)

جواب:

اس روایت کی سند میں ایک راوی "عبد الرحمن بن ابی الزناد" ہے جو کہ خطاکار، مضطرب الحدیث، ضعیف اور مجروح عند الجمہور ہے۔ ائمہ کی تصریحات:

امام احمد بن حنبل: مضطرب الحديث (الجرح والتعدیل ج5ص252)

امام یحییٰ بن معین: لا يحتج بحديثه، ضعيف. (الجرح والتعدیل ج5ص252، کتاب المجروحین لابن حبان ج2ص56)

امام نور الدین الہیثمی: ضعفه الجمهور (مجمع الزوائد ج4ص406)

امام ابو حاتم الرازی: يكتب حديثه ولا يحتج به (الجرح والتعدیل ج5ص252)

امام النسائی: ضعيف (الضعفاء والمتروکین للنسائی ص207)

امام ابن حبان: كان ممن ينفرد بالمقلوبات عن الاثبات، وكان ذلك من سوء حفظه و كثرة خطئه (کتاب المجروحین: ج2ص56)

امام علی بن المدینی: كان عند أصحابنا ضعيفا (تاریخ بغداد ج10ص228)

امام عبد الرحمن بن المہدی: خطط على أحاديث عبد الرحمن بن أبي الزناد (تاریخ بغداد ج10ص228)

امام محمد بن سعد: كان يضعف لروايته عن أبيه (تاریخ بغداد ج10ص228)

امام صالح بن محمد: قد روى عن أبيه أشياء لم يروها غيره (تاریخ بغداد ج10ص228)

امام زکریا بن یحیی الساجی: فيه ضعف (تاریخ بغداد ج10ص228)

علامہ ابن حجر: صدوق، تغير حفظه لما قدم بغداد (تقریب لابن حجر)

پس روایت ضعیف ہے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع صحیح السند روایت میں صرف تکبیر تحریمہ کی رفع یدین کا ذکر ہے (دلائل احناف میں دلیل نمبر 1) معلوم ہوا کہ اس میں رفع یدین کا ذکر کرنا عبد الرحمن بن ابی الزناد کی خطا کی وجہ سے ہے جو نا قابل حجت ہے۔

دلیل نمبر 7:

حضرت عبد اللہ بن زبیر فرماتے ہیں:

صليت خلف أبي بكر الصديق رضى الله عنه فكان يرفع يديه إذا افتتح الصلاة، وإذا ركع، وإذا رفع رأسه من الركوع، وقال أبو بكر: صليت خلف رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فكان يرفع يديه إذا افتتح الصلاة، وإذا ركع، وإذا رفع رأسه من الركوع. (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص73)

جواب نمبر 1:

اولاً......... حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے باسندِ حسن ترک رفع یدین ثابت ہے۔ (دیکھیے دلائل اہل السنت والجماعت؛ مرفوع دلیل نمبر 5)

ثانیاً......... اس کی سند میں ایک راوی ابو النعمان محمد بن فضل سدوسی المعروف "عارم" ہے۔ تقریباً 213ھ میں اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا [المیزان للذہبی: ج4ص7 وغیرہ] جس کی وجہ سے یہ اختلاط کا شکار ہو گیا تھا اور اس کی عقل زائل ہو گئی تھی۔ اس لیے اس راوی پر امام بخاری رحمہ اللہ اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ سمیت دیگر بہت سے محدثین نے یہی جرح کی ہے۔ مثلاً:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

1: امام بخاری م 652:

محمد بن الفضل ابو النعمان السدوسی البصری یقال لہ عارم تغیر بآخرہ۔ (تاریخ الکبیر للبخاری ج 1 ص 208 رقم الترجمۃ 654)

2: امام ابو داود م 275ھ (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج 4 ص 122، 121)

3: امام ابو حاتم الرازی م 277ھ (الجرح والتعدیل للرازی ج 8 ص 70، 69، سیر اعلام النبلاء للذھبی ج 7 ص 464)

4: امام موسی بن حماد (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج 4 ص 122، الکفایہ فی علم الروایہ للخطیب ص 136)

5: امام ابراھیم الحربی م 285ھ (الکفایہ فی علم الروایہ للخطیب 136، الکواکب النیرات لابن الکیال ص 99)

6: امام عقیلی م 322ھ (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج 4 ص 121 وغیرہ)

7: امام ابن ابی حاتم الرازی م 327ھ (الجرح والتعدیل للرازی ج 8 ص 69)

8: امام امیۃ الاھوازی (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج 4 ص 123 وغیرہ)

9: امام ابن حبان م 354ھ (تہذیب التہذیب لابن حجر ج 5 ص 258، سیر اعلام النبلاء للذھبی ج 7 ص 465، الضعفاء والمتروکین لابن جوزی ج 2 ص 91-92)

11: امام ابو الولید الباجی م 474ھ (التعدیل والتجریح للباجی ج 2 ص 676، 675)

12: امام ابن الجوزی م 598ھ (الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج 3 ص 92، 91)

13: امام ابن الصلاح م 642ھ (مقدمۃ ابن الصلاح ص 368)

14: امام نووی 676 (تقریب مع التدریب ج 2 ص 329، 323)

15: امام ابو الحجاج المزی م 742ھ (تہذیب الکمال للمزی ج 9 ص 273، 272)

16: امام ذھبی م 748ھ (العبر للذھبی ج 1 ص 195، تذکرۃ الحفاظ للذھبی ج 1 ص 301)

17: امام ابن کثیر الدمشقی م 774ھ (اختصار علوم الحدیث: ص 239)

18: امام عراقی م 804ھ (فتح المغیث للعراقی ص 460، 459، 454)

19: امام ابن حجر عسقلانی م 852ھ (تقریب لابن حجر ج 2 ص 547، تہذیب لابن حجر ج 5 ص 258)

20: امام ابو بکر سیوطی م 911ھ (تدریب الراوی للسیوطی ج 2 ص 323، 329)

21: امام احمد بن عبد اللہ الخزرجی م 923ھ (خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال للخزرجی ص 356)

22: امام محمد بن احمد الکیال م 926ھ (الکواکب النیرات فی معرفۃ من اختلط من الرواۃ الثقات لابن الکیال ص 98، 97)

23: امام ابن العماد الحنبلی م 1089ھ (شذرات الذھب لابن العماد ج 2 ص 159)

مندرجہ بالا ائمہ کے نزدیک محمد بن فضل سدوسی مختلط اور متغیر الحافظہ راوی ہے اور اس مختلط راوی [محمد بن فضل] کے بارے میں امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے:

اختلط فی آخر عمرہ حتی کان لا یدری ما یحدث بہ فوقع فی حدیثہ المناکیر الکثیرۃ فیجب التنکب عن حدیثہ فیما رواہ المتأخرون فان لم یعلم ھذا من ھذا ترك الکل ولا یحتج بشیٔ منھا۔ (تہذیب التہذیب لابن حجر ج 5 ص 258)

اس قاعدے سے معلوم ہوا کہ محمد بن فضل کا جو شاگرد قدماء [اول عمر کے شاگرد] میں سے نہ ہو بلکہ متاخرین شاگردوں میں سے ہو تو اس سے مروی روایت متروک قرار پائے گی۔ زیر بحث روایت میں ان سے روایت کرنے والے محمد بن اسماعیل السلمی قدماء شاگردوں میں سے نہیں ہیں بلکہ متاخرین شاگردوں میں سے ہیں۔ چنانچہ مشہور محدث علامہ نیموی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

فیہ النعمان محمد بن فضل السدوسی و ھو ثقۃ تغیر بآلآخرۃ رواہ عنہ ابو اسماعیل السلمی و ھو لیس من اصحابہ القدماء۔ (التعلیق الحسن: ص114)

لہذا یہ روایت ضعیف اور نا قابلِ حجت ہے۔

جواب نمبر2:

غیر مقلد تیسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کرتے ہیں۔[نماز نبوی ص206، آپ کے مسائل اور ان کا حل از مبشر ربانی غیر مقلد: ص120]

اور اس ضعیف روایت کا متن دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تین مقام کی رفع یدین تو موجود ہے، چوتھے مقام (تیسری رکعت کے شروع میں) کی رفع یدین کا نام ونشان تک نہیں۔

معلوم ہوا یہ روایت خود غیر مقلدین کے "عمل" کو بھی ثابت نہیں کرتی۔ پس اسے پیش کرنا اپنے موقف اور عمل سے جہالت کی دلیل ہے۔

دلیل نمبر8:

عن أنس أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کان یرفع یدیہ إذا دخل فی الصلاۃ وإذا رکع (سنن ابن ماجۃ ج1 ص62)

جواب نمبر1:

اس کی سند میں ایک راوی "حمید الطویل" ہے جو کہ مدلس ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صیغہ "عن" سے روایت کر رہا ہے۔ علامہ ابن حجر نے اس کو طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔ (طبقات المدلسین لابن حجر ص86 رقم الترجمہ 71)

اور مدلس کا عنعنہ غیر مقلدین کے نزدیک صحت حدیث کے منافی ہوتا ہے۔

جواب نمبر2:

یہ روایتِ مدلس ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت انس پر موقوف ہے۔ امام الدارقطنی لکھتے ہیں:

لم یروہ عن حمید مرفوعاً غیر عبد الوھاب والصواب من فعل أنس

(سنن الدارقطنی ص290 باب ذکر التکبیر ورفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والرفع منہ)

امام طحاوی لکھتے ہیں:

وأما حدیث أنس بن مالك رضی اللہ عنہ فھم یزعمون أنہ خطأ وأنہ لم یرفعہ أحد إلا عبد الوھاب الثقفی خاصۃ والحفاظ یوقفونہ علی أنس رضی اللہ عنہ (سنن الطحاوی ج1 ص باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود)

جبکہ غیر مقلدین کے نزدیک صحابی کا قول و عمل حجت نہیں ہے:

1: افعال الصحابۃ رضی اللہ عنھم لا تنتھض للاحتجاج بھا۔ (فتاوی نذیریہ بحوالہ مظالم روپڑی: ص58)

2: صحابہ کا قول حجت نہیں۔ (عرف الجادی: ص101)

3: صحابی کا کردار کوئی دلیل نہیں اگرچہ وہ صحیح طور پر ثابت ہوں۔ (بدور الاہلہ: ج1 ص28)

4: آثار صحابہ سے حجیت قائم نہیں ہوتی۔ (عرف الجادی: ص80)

5: خداوند تعالی نے اپنے بندوں میں سے کسی کو صحابہ کرام کے آثار کا غلام نہیں بنایا ہے۔ (عرف الجادی: ص80)

6: موقوفات صحابہ حجت نہیں۔ (بدور الاہلہ: ص129)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر 3:

اس روایت کے دیگر طرق میں "اذا قام بین الرکعتین"، "کل خفض ورفع"، "واذا سجد وفی السجود" کے الفاظ موجود ہیں جن میں دو رکعتوں کے درمیان، ہر اٹھنے اور بیٹھنے کی حالت میں، سجدوں میں جاتے اور سجدوں سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کرنے کا ذکر اور ثبوت موجود ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج1 ص266، مسند ابی یعلی ج6 ص399 رقم 3752، سنن دار قطنی ج1 ص292 رقم 1104، معجم الشیوخ ابن الاعرابی ج2 ص326 رقم 1997، المحلی بالآثار ج3 ص9، الاحادیث المختارہ لمقدسی ص52، 51 رقم 2026، 2025، معجم الاوسط للطبرانی ج1 ص19)

اور غیر مقلدین ان پر عمل پیرا نہیں ہیں۔ لہذا جب یہ روایت ان کے ہاں بھی معمول بھا نہیں تو ہمارے لیے حجت کیوں بنا رہے ہیں؟

فما ھو جوابکم فھو جوابنا

دلیل نمبر 9:

نا محمد بن عصمة، نا سوار بن عمارة، نا رُدَيْحُ بْنُ عَطِيَّةَ، عن أبي زرعة بن أبي عبد الجبار بن معج قال رأيت أبا هريرة فقال لأصلين بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم لا أزيد فيها ولا أنقص فأقسم بالله إن كانت لهي صلاته حتى فارق الدنيا قال: فقمت عن يمينه لأنظر كيف يصنع، فابتدأ فكبر، ورفع يده، ثم ركع فكبر ورفع يديه، ثم سجد، ثم كبر، ثم سجد وكبر حتى فرغ من صلاته قال: أقسم بالله إن كانت لهي صلاته حتى فارق الدنيا (معجم الشیوخ لابن الاعرابی ج1 ص131، 130 رقم 144)

جواب نمبر 1:

اولاً:۔۔۔ اس کی سند میں ایک راوی "محمد بن عصمۃ" ہے، اس کے حالات معلوم نہیں ہوئے اور نہ ہی اس کی ثقاہت وعدالت ثابت ہے۔ جہالت وجہ ضعف ہے۔ اور بتصریح امام نووی: لا یقبل روایة المجهول (مقدمہ مسلم ص11) مجہول کی روایت حجت نہیں ہے حتی کہ علی زئی صاحب نے خود اس کی تصریح کی ہے: "مجھے اس کے حالات نہیں ملے۔" (نور العینین از زبیر علی زئی ص338)

ثانیاً:۔۔۔ اس میں دوسرا راوی "سوار بن عمارۃ" ہے۔ اسے اگرچہ بعض نے ثقہ کہا ہے لیکن ابن حبان نے فرمایا ہے: ربما خالف۔

(کتاب الثقات لابن حبان ج8 ص302، تہذیب التہذیب ج2 ص454)

ثالثاً:۔۔۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی "رُدَیح بن عطیہ" ہے۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: لا یتابع فیما یروی (تہذیب التہذیب ج2 ص161) کہ اس کی کوئی راوی متابعت نہیں کرتا۔

جواب نمبر 2:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح سے مروی ہے کہ آپ شروع والا رفع یدین تو کرتے تھے، باقی ہر اٹھنے بیٹھنے میں تکبیر تو کہتے تھے لیکن رفع یدین مروی نہیں ہے۔ (احناف کے دلائل میں "دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ترکِ رفع یدین" کے تحت دلیل نمبر 4)

لہذا آپ کی پیش کردہ ضعیف روایت اس صحیح کے سامنے مرجوح ہے۔

جواب نمبر 3:

اس ضعیف روایت میں رکوع سے اٹھنے اور تیسری رکعت کے شروع کا رفع یدین موجود نہیں ہے جبکہ غیر مقلدین ان مقامات کا رفع الیدین کرتے ہیں۔ تو یہ روایت ضعیف ہونے کے باوجود غیر مقلدین کے عمل کی دلیل ہرگز نہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر10:

حدثنا الحمیدی، أنبأنا الولید بن مسلم، قال سمعت زید بن واقد یحدث عن نافع أن ابن عمر، «کان» إذا رأی رجلا لا یرفع یدیه إذا رکع، وإذا رفع رماہ بالحصی (جزء رفع الیدین للبخاری ص10 رقم15)

جواب نمبر1:

غیر مقلدین کے ہاں قول صحابی حجت نہیں ہے۔ (حوالہ جات گزر چکے ہیں)

جواب نمبر2:

اس کی سند میں ولید بن مسلم ہے جو کہ طبقہ رابعہ کا مدلس ہے (طبقات المدلسین لابن حجر ص134 رقم الترجمہ 127)

اور حضرات ائمہ نے ان پر جرح بھی کی ہے: مثلاً:

وکان الولید کثیر الخطاء، اختلطت علیه أحادیث ما سمع وما لم یسمع وکانت له منکرات (تہذیب لابن حجر ج6 ص99،98)

وذکرہ ابن الجوزی والذھبی فی الضعفاء (الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج3 ص187، المغنی فی الضعفاء للذہبی ج2 ص501 رقم6888)

لہذا یہ روایت ان وجوہات کی بناء پر ضعیف ومتروک ہے، حجت نہیں۔

جواب نمبر3:

اس روایت میں ہر اونچ پنچ کی رفع یدین کا بھی ثبوت ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں سجدوں کی رفع یدین بھی ہے۔

(مسند الحمیدی ج2 ص278،277 رقم615، سنن دار قطنی ج1 ص292 رقم1105)

اس پر آپ کا بھی عمل نہیں۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا

دلیل نمبر11:

حدثنا مسدد، حدثنا عبد الواحد بن زیاد، عن عاصم الأحول قال: رأیت أنس بن مالك رضی الله عنه «إذا افتتح الصلاۃ کبر، ورفع یدیه، ویرفع کلما رکع ورفع رأسه من الرکوع» (جزء رفع الیدین للبخاری ص43، رقم الحدیث66)

جواب:

اولاً۔۔۔ غیر مقلدین کے ہاں قول صحابی حجت نہیں ہے۔ (حوالہ جات گزر چکے ہیں)

ثانیاً۔۔۔ اس موقوف روایت میں سند صحیح کے ساتھ سجدوں کی رفع یدین کا ذکر بھی آیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج1 ص304 رقم2 باب فی رفع الیدین بین السجدتین، جزء رفع الیدین ص60 رقم106)

آپ کا اس پر عمل نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ موقوف اثر حدیث مرفوع کے مقابلے میں مرجوح ہے۔

دلیل نمبر12:

رواہ البیہقی فی سننه من جهة بن عبد الله بن حمدان الرقی ثنا عصمة بن محمد الأنصاری ثنا موسی بن عقبة عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان إذا افتتح الصلاۃ رفع یدیه، وإذا رکع، وإذا رفع رأسه من الرکوع، وکان لا یفعل ذلك فی السجود، فما زالت تلك صلاته حتی لقی الله تعالی انتھی. رواہ عن أبی عبد الله الحافظ عن جعفر بن محمد بن نصر عن عبد الرحمن بن قریش بن خزیمة الھروی عن عبد الله بن أحمد الدمجی عن الحسن به.

(بحوالہ نصب الرایہ ص483، صلوۃ الرسول ص201، اثبات رفع یدین لخالد گھر جاکھی ص87،86،84، رسول اکرم ﷺ کا صحیح طریقہ نماز: ص331 ط صہیب اکیڈمی شیخوپورہ، حدیثِ نماز از عبد المتین میمن جوناگڑھی: ص125 ط مکتبہ عزیزیہ لاہور)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر 1:

اس کی سند میں ایک راوی "امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ" ہیں جو کٹر شافعی مقلد ہیں، اور مقلد آپ کے ہاں مشرک ہوتا ہے۔

دوسرا راوی عبد اللہ بن احمد الدمجی ہے یہ مجہول ہے۔

تیسرا راوی حسن بن عبد اللہ الرقی یہ بھی مجہول العین ہے۔

کتب اسماء الرجال میں ان کی تعدیل ثابت ہے نہ توثیق اور مجہول راوی کی روایت نا قابل قبول ہوتی ہے۔ ائمہ کی تصریحات:

امام شافعی: لم یکلف اللہ أحدا أن یأخذ دینه عن من لا یعرفه (کتاب القراءۃ خلف الامام للبیہقی ص129)

امام بیہقی: ولسنا نقبل دین اللہ تعالی عمن لا یعرفه أهل العلم بالحدیث بالعدالة (کتاب القراءۃ خلف الامام للبیہقی ص157)

امام نووی: لا یقبل روایة المجهول (شرح مسلم مقدمہ مسلم ص11)

لہذا یہ روایت بوجہ جہالت رواۃ غیر مقبول ہے۔

جواب نمبر 2:

یہ روایت موضوع، من گھڑت اور کذب محض ہے کیونکہ اس میں دو راوی ہیں جو سخت مجروح اور حدیث گھڑنے والے ہیں۔ ان رواۃ کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل کی آراء ملاحظہ فرمائیں:

راوی نمبر ۱: عبد الرحمٰن بن قریش ابن خزیمۃ الہروی

[۱]: ابو الفضل احمد بن علی بن عمرو السلیمانی: اتهمه السلیمانی بوضع الحدیث۔ (میزان الاعتدال: ج2 ص513 رقم الترجمہ 4692)

[۲]: ابو بکر الخطیب البغدادی (قال): فی حدیثه غرائب۔ (تاریخ بغداد ج8 ص300)

راوی نمبر ۲: عصمہ بن محمد انصاری

[۱]: ابن سعد (قال): وکان عندهم ضعیفا فی الحدیث۔ (طبقات ابن سعد ج7 ص239، تاریخ بغداد ج10 ص210)

[۲]: یحیی ابن معین (قال): کان کذاباً یروی احادیث کذبا... من اکذب الناس... یضع الحدیث۔

(تاریخ بغداد ج10 ص210، میزان الاعتدال ج3 ص75، الضعفاء الکبیر للعقیلی ج3 ص340)

[۳]: ابو حاتم الرازی (قال): لیس بالقوی۔ (میزان الاعتدال ج3 ص75)

[۴]: العقیلی (قال): یحدث بالاباطیل عن الثقات۔ (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج3 ص340، میزان الاعتدال ج3 ص75)

[۵]: ابن عدی (قال): کل حدیثه غیر محفوظ وهو منکر الحدیث۔ (الکامل لابن عدی ج7 ص89، میزان الاعتدال ج3 ص76)

[۶]: الدار قطنی (قال): متروك۔ (تاریخ بغداد ج10 ص210، میزان الاعتدال ج3 ص75)

جواب نمبر 3:

اس روایت کو محققین اور خود غیر مقلدین علماء نے موضوع قرار دیا ہے۔

1: قال الامام محمد بن علی النیموی م1322ھ: رواه البیهقی وهو حدیث ضعیف بل موضوع (آثار السنن للنیموی ص118)

2: مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کذب [یہ روایت جھوٹی ہے] (نیل الفرقدین: ص36)

3: عطاء اللہ حنیف غیر مقلد: وحدیث البیهقی ما زالت... ضعیف جداً (تعلیقات سلفیہ علی النسائی: ج1 ص104)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترک قراءت خلف الامام

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت والجماعت احناف:

مقتدی کے لیے امام کے پیچھے سورت فاتحہ اور اس کے بعد والی سورت کی قراءت کرنا مکروہ تحریمی ہے، خواہ نماز جہری ہو یا سری بلکہ اسے خاموش رہنے کا حکم ہے۔

الدر المختار میں ہے: (وَالْمُؤْتَمُّ لَا يَقْرَأُ مُطْلَقًا) وَلَا الْفَاتِحَةَ فِي السِّرِّيَّةِ اتِّفَاقًا...... (فَإِنْ قَرَأَ كُرِهَ تَحْرِيمًا) ......(بَلْ يَسْتَمِعُ) إذَا جَهَرَ (وَيُنْصِتُ) إذَا أَسَرَّ۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج2 ص326، 327، کذا فی اللباب فی شرح الکتاب للمیدانی ج1 ص39)

مذہب غیر مقلدین:

امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، بغیر سورت فاتحہ پڑھے نماز نہیں ہوتی اور اس کے بعد والی سورت پڑھنا منع ہے۔

☆ محمد رئیس ندوی۔ جامعہ سلفیہ بنارس (انڈیا):

"امام کے پیچھے مقتدی کو صرف سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، اس سے زیادہ ممنوع ہے۔" (مجموعہ مقالات پر تحقیقی سلفی جائزہ: ص388)

☆ حافظ محمد گوندلوی۔ شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ گوجرانوالہ:

"اور ہماری تحقیق میں فاتحہ خلف الامام ہر نماز میں جہری ہو یا سری، فرض ہے اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔"

(خیر الکلام فی وجوب الفاتحۃ خلف الامام: ص33)

☆ ڈاکٹر شفیق الرحمٰن:

"جو شخص نماز میں اکیلا ہو یا جماعت کے ساتھ، امام ہو یا مقتدی، مقیم ہو یا مسافر، فرض پڑھ رہا ہو یا نوافل، امام سورۃ فاتحہ پڑھ رہا ہو یا کوئی اور سورۃ، بلند آواز پڑھ رہا ہو یا آہستہ اگر اسے سورۃ فاتحہ آتی ہو یا پھر بھی نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہو گی۔" (نمازِ نبوی: ص150)

☆ فتاویٰ علماءِ حدیث؛ ترتیب و تالیف ابو الحسنات علی محمد سعید:

"امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے نماز نہیں ہوتی۔" (ج3 ص112)

دلائل اہل السنت والجماعت

قرآن کریم مع التفسیر:

قال اللہ عزوجل: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۔ (سورۃ الاعراف: 204)

اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔

قال أحمد: فالناس على أن هذا فى الصلاة وعن سعيد بن الْمُسَيَّبِ و الحسن و إبراهيم و محمد بن كعب و الزهرى أنها نزلت فى شأن الصلاة وقال زيد بن أسلم و أبو العالية كانوا يقرأُون خلف الإمام فنزلت : (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ) وقال أحمد فى رواية أبى داؤد : أجمع الناس على أن هذه الآية فى الصلاة ولأنه عام فيتناول بعمومه الصلاة. (المغنی لابن قدامۃ ج2 ص117، مجموع الفتاوی لابن تیمیہ ج22 ص150)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تفسیر نمبر 1:

قَدْ اخرج الامام المحدث أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي م 458ھ :أخبرنا أبو الحسن علي بن أحمد بن عبدان أنا أحمد بن عبيد الصَّفَّارُ، نا عبيد بن شَرِيكٍ، نا ابن أبي مريم، نا ابن لَهِيعَةَ، عن عبد الله بن هُبَيْرَةَ، عن عبد الله بن عباس، «أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ في الصلاة فقرأ أصحابه وراءه فخلطوا عليه فنزل (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا) فهذه في المكتوبة» ثم قال ابن عباس: «وإن كنا لا نستمع لمن يقرأ إنا إذًا لأجفى من الحمير» (کتاب القراءۃ للبیہقی ص109 رقم الحدیث:255)

تحقيق السند: اسناده حسن ورواته ثقات۔

اعتراض :

اس کی سند میں ایک راوی عبد اللہ بن لھیعہ بن عقبہ ضعیف و مجروح ہے۔لہذا یہ روایت حجت نہیں۔

جواب:

اولاً۔۔۔امام عبد اللہ بن لھیعہ بن عقبہ بن فرحان (م174ھ) صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع الترمذی، سنن ابن ماجہ وغیرہ کے راوی ہیں، یہ مختلف فیہ راوی ہیں۔ بعض حضرات نے اگرچہ ان پر کلام کیا ہے لیکن بہت سے ائمہ نے ان کو الحافظ،الامام الکبیر، عالم، محدث، العلامۃ، محدث الدیار المصریۃ قرار دیا ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: لم يكن بمصر مثل ابن لهيعة وكثرت حديثه و ضبطه واتقانه

(العِبَر فی خبر مَنْ غَبَر للذهبی ج؛1؛ص؛135، تذکرۃ الحفاظ للذهبی؛ج؛1 ص؛174، سیر اعلام النبلاء للذهبی ج؛6؛ص284، التھذیب لابن حجر؛ج3 ص622 رقم الترجمہ 4134، التقریب لابن حجر: ص353 رقم الترجمہ 3563)

محدثین کے ہاں جو راوی مختلف فیہ ہو اس کی روایات حسن درجہ کی ہوتی ہیں۔(فتح المغیث للسخاوی: ج۳ ص۳۵۹، قواعد فی علوم الحدیث: ص75)

لہذا یہ روایت حسن ہے۔

امام ابو عیسی ترمذی رحمہ اللہ ایک حدیث کی سند نقل کرتے ہیں:

حدثنا قتيبة ثنا ابن لهيعة عن يزيد بن ابی حبيب عن ابی الخير عن عقبة بن عامر قال الخ

(جامع الترمذی؛ج1 ص؛288 باب ماجاء مایحل من اموال اھل الذمۃ)

اس کے بعد فرماتے ہیں: " هذا حديث حسن "اور اس میں ابن لھیعۃ موجود ہے۔

اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کئی مقامات پر ابن لھیعۃ کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ مثلاً

:1 وعن جابر رضي الله عنه قال: أمر النبي صلى الله عليه وسلم ﷺ أَنْ يُؤَذِّنَ في الناس أن " لا يدخل الجنة إلا مؤمن "

رواه أحمد وفيه ابن لهيعة وإسناده حسن (ج1 ص213 باب فی الاسلام والایمان)

:2 وعن عبد الله بن الحارث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لوددت أن بيني وبين أهل نجران حجابا من شدة ما كانوا يجادلونه.

رواه البزار والطبراني في الكبير وفيه ابن لهيعة وحديثه حسن (ج1 ص387 باب فی المعضلات والمشکلات)

:3 وعن معاوية بن خديج قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: غدوة في سبيل الله أو روحة خير من الدنيا وما فيها۔

رواه أحمد والطبراني وفيه ابن لهيعة وهو حسن الحديث وبقية رجاله ثقات (ج3 ص428 باب فضل الغدوۃ والروحۃ فی سبیل اللہ)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ثانیاً۔۔۔حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الحسن وهو فى الاحتجاج كالصحيح عند الجمهور

(اختصار فی علوم الحدیث لابن کثیر: ص39 النوع الثانی)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح موقوفاً روایت مروی ہے جو اس کی موید ہے۔

أخبرنا أبو زكريا بن أبي إسحاق المزكي، أنا أبو الحسن أحمد بن محمد بن عَبْدُوس، نا عثمان بن سعيد نا عبد الله بن صالح، حدثني معاوية بن صالح، عن علي بن أبي طلحة، عن ابن عباس، في قوله: «(وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا) يعني في الصلاة المفروضة»

(کتاب القراءۃ للبیہقی: ص109 رقم الحدیث 254)

ایک مقام پر زبیر علی زئی غیر مقلد نے مرفوع ضعیف کو بوجہ موقوف صحیح کے حسن قرار دیا ہے (نور العینین لعلی زئی ص333) جبکہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً ضعیف نہیں بلکہ حسن ہے تو یہ موقوف صحیح کی وجہ سے مزید قوی بن جائے گی۔لہذا یہ روایت حسن لذاتہ ہے اور ترک قراءت خلف الامام پر واضح دلیل ہے۔

فائدہ: خود غیر مقلد عالم زبیر علی زئی صاحب نے جامع الترمذی کی ایک حدیث کو "صحیح" کہاہے اور اس میں یہی ابن لھیعہ موجود ہے۔

(دیکھیے جامع الترمذی باحکام علی زئی: رقم1589 ص505)

تفسیر نمبر2:

قال الامام الحافظ أبو محمد عبد الرحمن بن محمد أبي حاتم بن إدريس بن المنذر التميمي الحنظلي الرازي م 327ھ: حدثنا يونس بن عبد الاعلى انبا ابن وهب، ثنا أبو صخر عن محمد بن كعب القرظي: قال كان رسول الله (صلى الله عليه وسلم) إذا قرا في الصلاة اجابه من وراءه إن قال بسم الله الرحمن الرحيم قالوا مثل ما يقول حتى تنقضي الفاتحة والسورة فلبث ما شاء الله ان يلبث ثم نزلت: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ فقرا وانصتوا.

(تفسیر ابن ابی حاتم الرازی ج4 ص259 رقم 9493)

تحقيق السند: اسناده صحيح على شرط مسلم

اعتراض:

یہ روایت مرسل ہے کیونکہ محمد بن کعب القرظی (م40ھ علی الاصح) تابعی ہیں صحابی نہیں، اور مرسل حجت نہیں۔

جواب:

مرسل عند الجمہور حجت اور قابل قبول ہے۔

1: قال الامام أبو جعفر مُحَمَّدُ بْنُ جَرِيرٍ الطَّبَرِيُّ م 310ھ: واجمع التابعون بأسرهم على قبول المرسل ولم يات عنهم انكاره ولا عن احد من الائمة بعدهم الى راس الماتين (قواعد فی علوم الحدیث للعثمانی: ص146، ص147)

2: قد قال الامام عبد الرحمن الشهير بابن رجب الحنبلي م795ھ: قد استدل كثير من الفقهاء بالمرسل.... وحُكِيَ الاحتجاج بالمرسل عن اهل الكوفة وعن اهل العراق جملةً وحكاه الحاكم عن ابراهيم النخعي وحماد بن ابي سليمان وابي حنيفة وصاحبيه (شرح علل الترمذي لابن رجب ص244)

3: وقال الامام المحدث ظفر احمد العثماني م1394ھ: اما الاجماع فهو ان الصحابة والتابعين اجمعوا على قبول المراسيل من العدل (قواعد في علوم الحديث ص؛140)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نیز اس مرسل کی تائید حدیث ابن عباس متصل مرفوع سے بھی ہوتی ہے [جو تفسیر نمبر 1 کے تحت گزر چکی ہے] لہٰذا یہ مرسل حجت ہے۔

اعتراض:

عبدالرحمن مبارکپوری صاحب نے لکھا ہے کہ آیت "واذا قرء القراٰن" مکی ہے اور امام کے پیچھے قراءۃ کرنے کا حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہوا ہے۔ لہٰذا متقدم حکم سے متاخر حکم کے خلاف استدلال درست نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی روایات موجود ہیں جو مدینہ میں قراءۃ خلف الامام کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً:

1: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی (مؤطا امام مالک ص67)
اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ 7ھ میں مسلمان ہوئے تھے (تلخیص الحبیر ص114)
حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ مدنی ہیں اور انہوں نے قراءۃ خلف الامام کا ذکر کیا ہے (تحقیق الکلام ج2 ص28 ملخصاً)

جواب:

یہ اعتراض درحقیقت کوئی وزن نہیں رکھتا۔

اولاً:۔۔۔ آپ کا عمل قراءت خلف الامام پر اس وجہ سے ہے کہ اس کے راوی صحابہ مدنی ہیں تو پھر وہ کثیر صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت انس بن مالک، حضرت زید بن ثابت، رضی اللہ عنہم جو مدنی ہیں ان سے (اور خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی) ترک قراءۃ خلف الامام کی روایتیں مروی ہیں ان پر آپ کا عمل کیوں نہیں؟

ثانیاً:۔۔۔ سورہ اعراف مدنی ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر ج4 ص254 میں اور نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی تفسیر فتح البیان ج3 ص393 میں لکھتے ہیں کہ سورہ اعراف مدنی ہے۔ کیونکہ اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت یہود کا واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور ظاہر ہے کہ یہود کا مرکز مدینہ طیبہ میں تھا نہ کہ مکہ مکرمہ میں۔

نیز اس آیت کا شان نزول بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (مدنی صحابی) سے یہی مروی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔ پس ترک قراءت خلف الامام کا حکم مدنی ہی ہے۔

ثالثاً۔۔۔ لیجیے ہم یہ بھی تصریح پیش کر دیتے ہیں کہ خاص یہی آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے ایک روایت نقل کرتے ہیں:

أخبرنا أبو عبد الله محمد بن عبد الله الحافظ رحمه الله أنا عبد الرحمن بن الحسن القاضي، نا إبراهيم بن الحسين، نا آدم بن أبي إياس، نا ورقاء، عن ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عن مجاهد، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الصلاة فسمع قراءة فتى من الأنصار فنزل وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا (کتاب القراءۃ للبیھقی؛ ص107 رقم الحدیث 248)

اس روایت میں ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب قراءت فرما رہے تھے تو ایک انصاری نوجوان کی قراءت سنی تب یہ آیت نازل ہوئی اور یہ بات واضح ہے کہ انصار مدینہ منورہ ہی میں تھے۔

رابعاً۔۔۔ اگر آیت کو مکی بھی قرار دیا جائے تب بھی ہمارے مدعی پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ کئی آیات ایسی ہیں جن کا نزول مکرر ہوا ہے یعنی جو مکہ و مدینہ دونوں میں نازل ہوئیں اور مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیت مکہ و مدینہ دونوں میں نازل ہوئی، اس لیے کہ نماز جس طرح مدینہ میں مشروع تھی اسی طرح ابتداء اسلام میں مکہ میں بھی تو مشروع تھی۔ مکہ میں ترک قراءت کا مسئلہ سمجھانے کے لیے یہ آیت پہلی مرتبہ نازل ہوئی اور مدینہ میں یہی مسئلہ سمجھانے کے لیے دوبارہ نازل ہوئی [جیسا کہ مدنی صحابی سے مروی ہے]

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

احادیث مبارکہ

احادیث مرفوعہ:

دلیل نمبر 1:

حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة حدثنا أبو أسامة حدثنا سعيد بن أبي عروبة ح وحدثنا أبو غسان المسمعي حدثنا معاذ بن هشام حدثنا أبي ح وحدثنا إسحاق بن إبراهيم أخبرنا جرير عن سليمان التيمي كل هؤلاء عن قتادة في هذا الإسناد [عن يونس بن جبير عن حطان بن عبد الله الرقاشي] بمثله [إن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبنا فبين لنا سنتنا وعلمنا صلاتنا فقال إذا صليتم فأقيموا صفوفكم ثم ليؤمكم أحدكم فإذا كبر فكبروا وإذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين] وفي حديث جرير عن سليمان عن قتادة من الزيادة وإذا قرأ فأنصتوا

[حاصل السند و المتن: حدثنا إسحاق بن إبراهيم أخبرنا جرير عن سليمان التيمي عن قتادة عن يونس بن جبير عن حطان بن عبد الله الرقاشي قال صليت مع أبي موسى الأشعري صلاة...... فقال أبو موسى أما تعلمون كيف تقولون في صلاتكم إن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبنا فبين لنا سنتنا وعلمنا صلاتنا فقال إذا صليتم فأقيموا صفوفكم ثم ليؤمكم أحدكم فإذا كبر فكبروا وإذا قرأ فأنصتوا وإذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين]

(صحیح مسلم ج1 ص174 باب التشہد فی الصلاۃ)

اعتراض نمبر 1:

اس کی سند ایک راوی سلیمان التیمی ہے جو کہ "مدلس" ہے اور مدلس کا عنعنہ صحت حدیث کے منافی ہوتا ہے۔

جواب 1:

امام سلیمان التیمی م 143ھ صحیح البخاری و صحیح مسلم کے ثقہ بالاجماع، حافظ، متقن اور ثبت راوی ہیں۔ ان کی تدلیس کی وجہ سے اس روایت کو نا قابل قبول قرار دینا درست نہیں۔ اس لیے کہ:

اولاً: اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ صحیحین کے مدلس کی تدلیس عند المحدثین صحت حدیث کے منافی نہیں کیونکہ وہ دوسری جہت سے سماع پر محمول ہوتی ہیں۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واعلم أن ما كان في الصحيحين عن المدلسين بعن ونحوها فمحمول على ثبوت السماع من جهة أخرى.

(مقدمہ شرح صحیح مسلم للنووی ج1 ص18)

اور یہ روایت صحیح مسلم کی ہے، لہذا تدلیس مضر نہیں۔

ثانیاً: امام سلیمان التیمی نے "حدثنا قتادة" کے الفاظ سے سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ دیکھیے۔۔۔

1: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ النَّضْرِ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي (سليمان التيمي) حَدَّثَنَا قَتَادَةُ... (سنن ابی داؤد: ج1 ص148 باب التشہد)

2: حدثنا سليمان بن الأشعث السجستاني قال ثنا عاصم بن النضر قال ثنا المعتمر قال سمعت أبي (سليمان التيمي) قال ثنا قتادة... (مسند ابی عوانہ: ج1 ص360 رقم الحدیث 1339)

ثالثاً: عند الاحناف خیر القرون کی تدلیس صحتِ حدیث کے منافی نہیں۔ (قواعد فی علوم الحدیث: ص159)

لہذا اعتراض باطل ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اعتراض نمبر2:

اس روایت میں "واذاقرءفانصتوا " کی زیادت سلیمان التیمی کے علاوہ کسی اور راوی سے مروی نہیں، لہذا یہ زیادتی شاذ ہے۔ پس یہ روایت ناقابل قبول ہے۔

جواب:

یہ اعتراض بھی چند وجوہ سے باطل ہے۔

اولاً: امام سلیمان التیمی بالاجماع ثقہ ہیں اور "وإذا قرأ فأنصتوا" کے بیان کرنے میں یہ جماعتِ ثقات کی مخالفت نہیں کر رہے بلکہ ایک زائد چیز کو بیان کر رہے ہیں جو کہ "شاذ" نہیں بلکہ زیادتی ثقہ ہے اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک زیادتی ثقہ مقبول ہے۔

1: والزيادة مقبولة.(صحیح البخاری ج1 ص201 باب العشر فیما یسقی من ماء السماء والماء الجاری)

2: أن الزيادة من الثقة مقبولة (مستدرک علی الصحیحین للحاکم ج1 ص307 کتاب العلم)

لہذا امام سلیمان التیمی کا "واذاقرءفانصتوا" کی زیادت روایت کرنا ان کے ثقہ ہونے کی وجہ سے مقبول ہے، پس اعتراض باطل ہے۔

ثانیاً: "واذاقرءفانصتوا " کی زیادت بیان کرنے میں امام سلیمان التیمی منفرد نہیں بلکہ دیگر روات نے بھی ان کی متابعت تامہ کر رکھی ہے۔ مثلاً

امام ابوعبیدہ الحداد:

روى الإمام أبو عوانة يعقوب بن إسحاق الاسفرائني م316ھ :حدثنا سهل بن بحر الجُنْدَيْسابُورِي قال ثنا عبد الله بن رشيد قال ثنا ابوعبيدة عن قتادة عن يونس بن جبير عن حطان بن عبد الله الرقاشي عن أبي موسى الأشعري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (إذا قرأ الإمام فأنصتوا وإذا قال: (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) فقولوا أمين)

(مسند ابی عوانہ ج1 ص360 رقم 1341 بیان اجازۃ القراءۃ الخ،)

عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ:

حدثنا أبو حامد محمد بن هارون الحضرمي ثنا محمد بن يحيى القطعي ثنا سالم بن نوح ثنا عمر بن عامر وسعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن يونس بن جبير عن حطان بن عبد الله الرقاشي قال صلى بنا أبو موسى فقال أبو موسى: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعلمنا إذا صلى بنا قال إنما جعل الإمام ليؤتم به فإذا كبر فكبروا وإذا قرأ فأنصتوا.

(سنن الدار قطنی: ص217 رقم الحدیث 1235، السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص155 باب من قال یترک المامون القراءۃ الخ)

لہذا شاذ ہونے والا یہ اعتراض باطل ہے۔

اعتراض نمبر3:

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی سند میں دوسرا راوی "قتادہ" ہے جو کہ مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے، مدلس کا عنعنہ صحت حدیث کے منافی ہوتا ہے۔

جواب:

امام قتادہ بن دعامہ م117ھ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے ثقہ بالاجماع راوی ہیں۔ ان کی تدلیس کی وجہ سے اس روایت کو ناقابل قبول قرار دینا درست نہیں۔ چند وجوہ سے:

اولاً: اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ صحیحین کے مدلس کی تدلیس عند المحدثین صحت حدیث کے منافی نہیں کیونکہ وہ دوسری جہت سے سماع پر

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

محمول ہوتی ہیں۔(امام نووی رحمہ اللہ کا حوالہ گزر چکا ہے) اور یہ روایت صحیح مسلم کی ہے،لہذا تدلیس مضر نہیں۔

ثانیاً: امام قتادہ بن دعامہ نے حدیث ابی موسی اشعری میں تحدیثاً سماع کی تصریح کی ہے۔دیکھیے۔۔۔

حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ النَّضْرِ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَبِي غَلاَّبٍ يُحَدِّثُهُ عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الرَّقَاشِيِّ بِهَذَا الْحَدِيثِ زَادَ «فَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا». (سنن ابی داوٗد ج1 ص147 باب التشہد، صحیح ابی عوانہ ج1 ص360 رقم الحدیث 1339)

ثالثاً: امام قتادہ کا شمار ان مدلسین میں ہوتا ہے جن کی تدلیس کسی بھی کتاب میں صحت حدیث کے منافی نہیں۔امام حاکم فرماتے ہیں:

فمن المدلسين من دلس عن الثقات الذين هم في الثقة مثل المحدث أو فوقه أو دونه إلا أنهم لم يخرجوا من عداد الذين يقبل أخبارهم فمنهم من التابعين أبو سفيان طلحة بن نافع و قتادة بن دعامة وغيرهما ۔ (معرفت علوم الحدیث:ص103)

علامہ ابن حزم محدثین کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے ان مدلسین کی فہرست بتاتے ہیں جن کی روایتیں باوجود تدلیس کے صحیح ہیں اور ان کی تدلیس سے صحت حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔چنانچہ لکھتے ہیں:

منهم كان جلة أصحاب الحديث وأئمة المسلمين كالحسن البصري وأبي إسحاق السبيعي وقتادة بن دعامة وعمرو بن دينار وسليمان الأعمش وأبي الزبير وسفيان الثوري وسفيان بن عيينة ۔ (الاحکام لابن حزم ج2، ص141،142 فصل من یلزم قبول نقلہ الاخبار)

لہذا حدیث ابی موسی اشعری رضی اللہ عنہ بالکل صحیح اور حجت ہے۔

فائدہ: زبیر علی زئی غیر مقلد نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:((صحیح))۔(نصر الباری از علی زئی ص283)

حدیث نمبر2:

قد روى الامام أبو عبدالله محمد بن يزيد ابن ماجة القزويني م 273ھ:حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة . حدثنا أبو خالد الأحمر عن ابن عجلان عن زيد بن أسلم عن أبي صالح عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم (إنما جعل الإمام ليؤتم به .فإذا كبر فكبروا .وإذا قرأ فأنصتوا .وإذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين.

تحقيق السند: اسناده صحيح على شرط البخاري ومسلم

(سنن ابن ماجۃ:ص61 باب اذا قرء الامام فانصتوا،، سنن النسائی ج1 ص146 باب تاویل قولہ عزوجل وذا قرء القران فاستمعوا لہ وانصتوا)

اعتراض:

اس کی سند میں ایک راوی محمد بن عجلان ہے جو کہ مدلس ہے اور یہ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں اختلاط کا شکار ہو گیا تھا، نیز ایک راوی ابوخالد الاحمر "فاذا قرء فانصتوا" کی زیادتی نقل کرنے میں منفرد ہے۔لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

شق اول(تدلیس)کا جواب:

امام محمد بن عجلان المدنی م148ھ صحیح بخاری معلقاً، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں۔ ثقہ عند الجمہور، فقیہ، صدوق اور کثیر الحدیث ہیں۔(تہذیب لابن حجر ج5، ص442،443)ان کی تدلیس صحت حدیث کے منافی نہیں،چند وجوہ سے:

وجہ اول: امام بخاری رحمہ اللہ اور امام ابوداوٗد رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کیا اور صرف ابوخالد الاحمر کے تفرد کا تذکرہ تو کیا ہے لیکن محمد بن عجلان کی تدلیس کی وجہ سے حدیث کے ضعیف ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

قال البخاري :ولا يعرف هذا[فانصتوا]من صحيح حديث ابي خالد الاحمر (جزء القراءۃ للبخاری ص59 رقم 267)

قال ابوداؤد:وهذه الزيادة "واذا قرء فانصتوا" ليست بمحفوظة.الوهم عندنا من ابي خالد. (سنن ابی داوٗد ج1 ص96)

اگر محمد بن عجلان کی تدلیس صحت حدیث کے منافی ہوتی تو یہ حضرات اس کو ضرور ذکر فرماتے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

وجہ ثانی: علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ م748ھ محمد بن عجلان کی متعدد معنعن روایتوں کی تصحیح کرتے ہیں، مثلاً

1:حدثنی ابن عجلان عن القعقاع.(تعلیقات الذہبی فی التلخیص ج1ص43)

2:ثنا ابن عجلان عن سعید المقبری.(تعلیقات الذہبی فی التلخیص ج1ص131،185)

3:عن محمد بن عجلان عن سمی.(تعلیقات الذہبی فی التلخیص ج1ص352)

4:عن ابن عجلان عن عیاض بن عبداللہ(تعلیقات الذہبی فی التلخیص ج1ص382)

شقِ ثانی(اختلاط)کا جواب:

جہاں تک اختلاط کے اعتراض کا تعلق ہے، تو یہ بھی چند وجوہ سے قابل التفات نہیں۔

وجہ اول:

اس لیے کہ اگرچہ بعض حضرات نے محمد بن عجلان کی ان روایات پر کچھ کلام کیا ہے جو بطریق سعید المقبری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہیں اور ان روایات کی وجہ سے ہی ان کے اختلاط کا قول کیا ہے۔(کتاب العلل للترمذی ج2ص716، تہذیب التہذیب ج5ص742)

لیکن امام ابن حبان اور علامہ ذہبی رحمہما اللہ نے اس کی پر زور تردید فرمائی ہے۔

(تہذیب التہذیب ج5ص742، میزان الاعتدال ج4ص204)

بلکہ امام ابن حبان نے تو تصریح کی ہے:فهذا مما حمل عنه قديما قبل اختلاط صحيفته.(تہذیب التہذیب ج5ص742)

کہ ابن عجلان عن سعید عن ابیہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایات اس کے صحیفہ کے اختلاط سے پہلے کی ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اختلاط صحیفہ کا اعتراض سعید مقبری کے طریق پر تھا جس کا جواب ائمہ نے دیا۔ لیکن ہماری پیش کردہ روایت تو سعید مقبری کے طریق سے نہیں بلکہ زید بن اسلم کے طریق سے ہے۔لہذا اعتراض باطل ہے۔

وجہ ثانی :

امام محمد بن عجلان المدنی کے دو متابع موجود ہیں:

1:خارجہ بن مصعب:

وَقَدْ رَوَاهُ خَارِجَةُ بْنُ مُصْعَبٍ أَيْضًا يَعْنِي عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ.(السنن الکبری للبیہقی ج2ص157)

2: یحیی بن العلاء الرازی:

وَقَدْ رَوَاهُ يَحْيَى بْنُ الْعَلَاءِ الرَّازِيُّ كَمَا رَوَيَاهُ.(السنن الکبری للبیہقی ج2ص157)

وجہ ثالث:

امام نووی رحمہ اللہ مختلط راوی کے متعلق ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں :

وحكم المختلط أنه لا يُحتج بما روى عنه فى الاختلاط أو شك فى وقت تحمله، ويحتج بما روى عنه قبل الاختلاط، وما كان فى الصحيحين عنه محمول على الأخذ عنه قبل اختلاطه.(تہذیب الاسماء واللغات للنووی:ج1ص242)

ہماری پیش کردہ روایت ابو خالد الاحمر عن ابن عجلان کے طریق سے ہے اور یہی طریق صحیح مسلم ج1ص216 پر موجود ہے۔، جو دلیل ہے کہ ابن عجلان کی وہ روایات جو ابو الاحمر سے مروی ہیں، قبل الاختلاط مروی ہیں۔لہذا اعتراض باطل ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

شق ثالث (تفرد) کا جواب:

اس روایت کے راوی ابو خالد الاحمر "فاذا قرء فانصتوا" کے جملے میں متفرد بھی ہوں تب بھی روایت قابل قبول ہے، اس لیے کہ ابو خالد الاحمر صحاح ستہ کے ثقہ بالاتفاق راوی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج3ص20)

لہذا اصول حدیث کی رو سے ان کی زیادتی قابل قبول ہے (حوالہ جات پہلے گزر چکے ہیں۔)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابو خالد الاحمر اس زیادتی کے نقل کرنے میں متفرد نہیں، بلکہ محمد بن سعد الانصاری الاشہلی جو ثقہ ہیں، وہ بھی اس زیادتی کو نقل فرماتے ہیں:

أخبرنا محمد بن عبد الله بن المبارك قال حدثنا محمد بن سعد الأنصاري قال حدثني محمد بن عجلان عن زيد بن أسلم عن أبي صالح عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما الإمام ليؤتم به فإذا كبر فكبروا وإذا قرأ فأنصتوا قال أبو عبد الرحمن كان المخرمي يقول هو ثقة يعني محمد بن سعد الأنصاري (سنن النسائی ج1 ص146 باب تاویلہ قولہ عزوجل وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ)

حدیث نمبر 3:

اخرج الامام المحدث أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي م 458ھ: أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، أنا أبو بكر بن إسحاق الفقيه، أنا أحمد بن بشر بن سعد المرثدي، نا فضيل بن عبد الوهاب، نا خالد يعني الطحان، ح قال أبو عبد الله: وأخبرني أبو بكر بن عبد الله، نا الحسن بن سفيان، نا محمد بن خالد بن عبد الله الواسطي، نا أبي، عن عبد الرحمن بن إسحاق، عن سعيد المقبري، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «كل صلاة لا يقرأ فيها بأم الكتاب فهي خداج إلا صلاة خلف إمام»

(کتاب القراءۃ للبیہقی: ص195 رقم 433)

تحقيق السند: اسناده صحيح ورواته ثقات

اعتراض:

اصل روایت میں "إلا صلاة خلف إمام" کے الفاظ نہیں ہیں، جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے عبد الرحمن بن یعقوب سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا موقوف اثر نقل کیا ہے:

عن أبي هريرة قال: كل صلاة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب فهي خداج فقلت: وإن كنت خلف إمام؟ فقال: اقرأ في نفسك. (کتاب القراءۃ للبیہقی: ص195 رقم الحدیث 429)

اور اس میں یہ جملہ مذکور نہیں۔ یہ جملہ خالد الطحان کی خطا کی وجہ سے زائد ہو گیا ہے، لہذا قابل حجت نہیں۔

جواب اول:

امام خالد الطحان صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے ثقہ بالاجماع راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب لابن حجر: ص224 رقم 1647)

ان کا "إلا صلاة خلف إمام" کے الفاظ نقل کرنا خطا نہیں بلکہ زیادتی ثقہ ہے اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔ (حوالہ جات گزر چکے ہیں) پس حدیث کا یہ جملہ قابل حجت ہے۔

جواب ثانی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث "إلا صلاة خلف إمام" کے کئی مرفوع اور موقوف شواہد دیگر اسانید و کتب میں موجود ہیں۔ مثلاً....

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

1: رواه الخلال بإسناده عن جابر أن النبی صلی الله علیه و سلم قال: [كل صلاة لا يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج إلا أن تكون وراء الإمام] وقد روى أيضا موقوفا عن جابر (المغنی لابن قدامہ:ج:2:ص:118 مسألۃ القراءۃ خلف الإمام)

2: عن جابر مرفوعاً۔ (سنن الطحاوی:ج1،ص:159،الفوائد لابن مندہ:ج:2:ص:143)

3: عن جابر موقوفاً۔ (موطاامام مالک:ص66،مؤطاامام محمد:ص:95،مسائل احمد بروایت عبد اللہ:ص78، سنن الترمذی:ج:1:ص:71،و قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح)

لہذا ثابت ہوا کہ حدیث ابی ہریرہ میں ”الا صلاۃ خلف امام“ کے الفاظ صحیح وثابت ہیں۔

فائدہ: ہماری پیش کردہ مرفوع روایت میں ”الا صلاۃ خلف امام“ کے الفاظ ثابت ہیں وللہ الحمد، رہا مخالفین کی طرف سے پیش کردہ موقوف اثر اور اس میں یہ الفاظ ”اقرء في نفسك“ کی مراد تو یہ غیر مقلدین کے دلائل کے جوابات کے تحت (دلیل نمبر 3 کے ذیل میں) آرہا ہے۔

حدیث نمبر 4:

روى الامام ابو محمد يوسف بن يعقوب: عن ابيه [ابی یوسف] عن ابی حنيفة عن موسى بن ابى عائشة عن عبد الله بن شداد بن الهاد الليثي ابي الوليد عن جابر بن عبد الله ان رجلا قرء خلف النبي صلى الله عليه وسلم في الظهر او العصر قال قال: فاوما اليه رجل فنهاه فابى فلما انصرف قال اتنهانی ان اقرء خلف النبي صلى الله عليه وسلم فتذاكرنا ذالك حتى سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال النبي صلى الله عليه وسلم من صلى خلف امام فان قراءة الامام له قراءة.

(مسند ابی حنیفہ بروایۃ القاضی ابی یوسف:ص23رقم الحدیث 113)

تحقيق السند: اسناده صحيح على شرط البخاري ومسلم.

اعتراض:

یہ روایت موصول نہیں ہے بلکہ مرسل ہے۔ اس لیے کہ دیگر محدثین مثلاً جریر، سفیان اور شریک وغیرہ اسے مرسل روایت کرتے ہیں (یعنی عن جابر بن عبد اللہ کے واسطے کے بغیر) صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی اسے موصولاً بیان کرتے ہیں۔ نیز حافظ ابن الہمام نے مسند احمد بن منیع کے جس نسخہ سے یہ روایت نقل کی ہے (فتح القدیر:ج1ص346) اس میں کاتب کی غلطی کی وجہ سے عبد اللہ بن شداد کے بعد ”عن جابر“ کا جملہ زیادہ ہو گیا ہے، حقیقتہً یہ روایت مرسل ہے۔

جواب شق اول:

یہ دعوی کہ دیگر محدثین اس روایت کو مرسل بیان کرتے ہیں اور صرف امام ابو حنیفہ ہی اسے موصولاً بیان کرتے ہیں، باطل ہے۔ اس لیے کہ:

اولاً...... امام سفیان ثوری اور خود امام شریک نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی متابعت تامہ کر رکھی ہے۔

قَالَ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ: أَنبَأَنَا إِسْحَاقُ الأَزْرَقُ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ وَشَرِيكٌ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وسَلَّم: مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ.

وقال الامام البوصيري صحيح على شرط الشيخين

(اتحاف الخیرہ المھرۃ للبوصیری ج:2،ص216 حدیث نمبر1832، فتح القدیر لابن الہمام:ج:1:ص:346)

لہذا یہ دعویٰ کرنا کہ اس روایت کو تنہا امام ابو حنیفہ ہی موصولاً بیان کرتے ہیں اور اس میں ان کا کوئی ساتھی نہیں ہے، محض باطل ہے۔

ثانیاً...... امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس روایت کو نقل کرنے والے بھی اس کو موصول ہی بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هذا حديث رواه جماعة من أصحاب أبي حنيفة رحمه الله عنه موصولا۔ (کتاب القراءۃ للبیہقی ص333)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: هٰكَذَا رَوَاهُ جَمَاعَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ مَوْصُولاً.(السنن الکبری للبیہقی ج2ص159)

لہذا مرسل ہونے کا اعتراض باطل ہے۔

جواب شق ثانی:

اس روایت میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ صحیح اسانید میں موجود ہے، جیسا کہ امام احمد بن ابی بکر بوصیری م840ھ اور امام ابن الہمام م861ھ نے ذکر فرمایا ہے۔ ان کے دور سے اب تک کسی مشہور محدث نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔ لہذا محض تخمینہ و گمان سے محدثین پر یہ الزام کہاں درست ہے کہ انہوں نے یہ الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیے ہیں۔

احادیث موقوفہ

حدیث نمبر1:

عبد الرزاق عن عبد الرحمن بن زيد بن أسلم عن أبيه قال...أخبرني أشياخنا أن عليا قال من قرأ خلف الإمام فلا صلاة له قال [عبد الرزاق] وأخبرني موسى بن عقبة أن رسول الله صلى الله عليه و سلم وأبو بكر وعمر وعثمان كانوا ينهون عن القراءة خلف الإمام۔ (مصنف عبد الرزاق ج2ص90،91رقم2813باب القراءة خلف الامام)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح و رواتہ ثقات

حدیث نمبر2:

روى الامام الحافظ المحدث أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي م235ھ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَصْبَهَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بن الأصبهاني، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَقَدْ أَخْطَأَ الْفِطْرَةَ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج3ص278رقم الحدیث3802باب من کرہ القراءۃ خلف الامام)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح و رواتہ ثقات

حدیث نمبر3:

عبد الرزاق عن منصور عن أبي وائل قال جاء رجل إلى عبد الله فقال: يا أبا عبد الرحمن! أقرأ خلف الإمام؟ قال: أنصت للقرآن فإن في الصلاة شغلا وسيكفيك ذلك الإمام. (مصنف عبد الرزاق ج2ص89،90رقم2806باب القراءة خلف الامام)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

اعتراض:

یہ اثر مطلق ہے اس میں فاتحہ کا بالخصوص ذکر نہیں۔

جواب:

مطلق کی نفی سے مقید کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے۔ لہذا جب قراءت کی نفی ہو گئی تو فاتحہ اور فاتحہ کے بعد والی سورۃ کی نفی ہو گئی۔

حدیث نمبر4:

مَالِك عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا وَرَاءَ الْإِمَامِ. (مؤطا امام مالک ص66باب ماجاء فی ام القران، مؤطا امام محمد ص95باب القراءۃ فی الصلوۃ خلف الامام)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حدیث نمبر 5:

مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ إِذَا سُئِلَ هَلْ يَقْرَأُ أَحَدٌ خَلْفَ الْإِمَامِ قَالَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ خَلْفَ الْإِمَامِ فَحَسْبُهُ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ وَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيَقْرَأْ، قَالَ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لَا يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ

(مؤطاامام مالک ص68 باب ترک القراءہ خلف الامام، مؤطاامام محمد ص95 باب القراءۃ فی الصلوۃ خلف الامام)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

اعتراض:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اُس اثر سے تعارض ہے جس میں انہوں نے امام کے پیچھے قراءت کی اجازت دی ہے، چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنت کے زیادہ بڑے عالم تھے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر پر ترجیح ہو گی۔

جواب:

اگر تعارض کا یہی مفہوم ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لاکھوں بلکہ کروڑوں درجے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنت کے زیادہ عالم تھے، اس لیے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے قراءت سے منع فرمایا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ترجیح ہو گی۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کا جواب آگے آرہا ہے۔

حدیث نمبر 6:

قال الامام الحافظ المحدث أبو محمد بدر الدين محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد العينى م855ھ: وذكر الشيخ الإمام عبد الله بن يعقوب الحارثى السيذمونى فى كتاب (كشف الأسرار) عن عبد الله بن زيد بن أسلم عن أبيه قال كان عشرة من أصحاب رسول الله ينهون عن القراءة خلف الإمام أشد النهى أبو بكر الصديق وعمر الفاروق وعثمان بن عفان وعلى بن أبى طالب وعبد الرحمن بن عوف وسعد ابن أبى وقاص وعبد الله بن مسعود وزيد بن ثابت وعبد الله بن عمر وعبد الله بن عباس رضى الله تعالى عنهم. (عمدۃ القاری للعینی ج4 ص449 باب وجوب القراءۃ للامام والماموم)

احادیث مقطوعہ

حدیث نمبر 1:

عن أبى إسحاق أن علقمة بن قيس قال وددت أن الذى يقرأ خلف الإمام ملىء فوه قال أحسبه قال ترابا أو رَضْفًا.

(مصنف عبد الرزاق ج2 ص90 رقم 2811 باب القراءۃ خلف الامام، کتاب الحجۃ لمحمد ج1 ص90 باب القراءۃ خلف الامام، مؤطاامام محمد ص100 باب القرءۃ فی الصلوۃ خلف الامام)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم۔

حدیث نمبر 2:

روى الامام الحافظ المحدث أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبى شيبة العبسى الكوفى م235ھ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ وَبَرَةَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّهُ قَالَ: وَدِدْتُ أَنَّ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ مُلِئَ فُوهُ تُرَابًا.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج3 ص279 رقم 3810 من کرہ الْقِرَاءَۃَ خَلْفَ الْإِمَامِ، مصنف عبد الرزاق ج2 ص90 رقم 2810 باب القراءۃ خلف الإمام)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حدیث نمبر3:

روی الامام الحافظ المحدث أبو بکر عبداللہ بن محمد بن أبی شیبة العبسی الکوفی م235ھ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ أَشْعَثَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ عُمَارَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ، لاَ أَدْرِي، كَمْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ عَبْدِ اللهِ كُلُّهُمْ يَقُولُ: لاَ يُقْرَأُ خَلْفَ إِمَامٍ، مِنْهُمْ عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ. (مصنف ابن ابی شیبۃ ج3 ص280 رقم الحدیث 3819 من کرہ القِرَاءَة خَلْفَ الإِمَام. ،التعلیق الحسن للنیموی ص108)

تحقیق السند: اسنادہ حسن

جمہور کا موقف اور اجماع امت

1: روی الامام الحافظ المحدث أبو داؤد سلیمان بن الأشعث السجستانی م 275ھ: حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ أُكَيْمَةَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم انْصَرَفَ مِنْ صَلاَةٍ جَهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ «هَلْ قَرَأَ مَعِي أَحَدٌ مِنْكُمْ آنِفًا». فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ «إِنِّي أَقُولُ مَا لِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ». قَالَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- فِيمَا جَهَرَ فِيهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْقِرَاءَةِ مِنَ الصَّلَوَاتِ حِينَ سَمِعُوا ذَلِكَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم

(سنن ابی داؤد ج1 ص127 باب من کرہ القرءۃ بفاتحۃ الکتاب اذا جہر الامام)

2: قال الامام الحافظ المحدث الفقیہ ابو الحسن علی بن أبی بکر بن عبد الجلیل المرغینانی م593ھ: ولنا قوله علیه الصلاة والسلام من کان له إمام فقراءة الإمام له قراءة وعلیه إجماع الصحابة رضی الله عنهم۔

(الہدایۃ شرح البدایۃ ج1 ص121، 122 فصل فی القراءۃ)

صاحب ہدایہ کے اس قول پر امام ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی م855ھ فرماتے ہیں:

قال صاحب (الهداية) من أصحابنا وعلى ترك القراءة خلف الإمام إجماع الصحابة فسماه إجماعاً باعتبار اتفاق الأكثر ومثل هذا يسمى إجماعا عندنا۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للعینی ج4 ص449 باب وجوب القراءۃ)

ائمہ مجتہدین اور ترک قراءۃ خلف الامام

1: امام اعظم فی الفقہاء ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی م150ھ:

قال محمد رحمه الله: لا قراءة خلف الامام فیما جهر فیه ولا فیما لم یجهر بذلك جاءت عامة الآثار و هو قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی۔ (مؤطا امام محمد: ص96، 97 باب القراءۃ فی الصلوۃ خلف الامام، کتاب الحجۃ لمحمد ج1 ص87 باب القراءۃ خلف الامام)

2: امام سفیان الثوری م161ھ:

قال الثوری رحمه الله: ولا یقرء المأموم خلف الامام شیئا لا الفاتحة ولا السورة۔

(فقہ سفیان الثوری ص562 تحت لفظ: صلاۃ، المغنی لابن قدامۃ ج2 ص118 مسئلۃ نمبر 183)

3: امام مالک بن انس المدنی م179ھ:

جہری نمازوں میں قراءۃ خلف الامام کے قائل نہیں تھے اور سری نمازوں میں وجوب کے قائل نہیں تھے۔

وقال مالك: الامر عندنا انه لا یقرء مع الامام فیما جهر فیه الامام بالقراءة۔

(التمہید لابن عبد البر ج4 ص439 تحت رقم الحدیث 236، مؤطا امام مالک ص68 باب ترک القراءۃ خلف الامام فیما جہر فیہ)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

قال محمد عبد الرحمن المبارکفوری: و کذلك الامام مالك و الامام احمد لم یکونوا قائلین بوجوب قراءۃ الفاتحة خلف الامام فی جمیع الصلوات۔ (تحفۃ الاحوذی ج2 ص251 باب ماجاء فی ترک القراءۃ خلف الامام)

4: امام ابو یوسف یعقوب القاضی م182ھ:

[ترك القراءۃ خلف الامام]وھو قول ابی حنیفة و ابی یوسف و محمد رحمهم الله تعالی۔

(سنن الطحاوی ج1 ص159 باب القراءۃ خلف الامام، فتح الملہم ج2 ص20 المسئلۃ الثانیۃ)

5: امام محمد بن الحسن الشیبانی م189ھ:

قال محمد رحمه الله: لا قراءۃ خلف الامام فیما جهر فیه ولا فیما لم یجهر بذلك جاءت عامة الآثار۔

(مؤطاامام محمد ص97 باب القراءۃ فی الصلوۃ خلف الامام، سنن الطحاوی ج1 ص159 باب القراءۃ خلف الامام)

5: امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل البغدادی م241ھ:

جہری نمازوں میں قراءۃ خلف الامام کے قائل نہیں تھے اور سری نمازوں میں وجوب کے قائل نہ تھے۔

قال الامام عبد الله بن احمد بن حنبل: سمعت ابی سئل عن الرجل یصلی خلف الامام فلا یقرأ خلفه قال اعجب الی ان یقرا فإن لم یقرأ یجزئه۔

و قال ایضاً: سمعت ابی یقول اذا قرأ الامام فأنصت قلت فالرکعتین الاخریین اذا لم یسمع الامام یقرأ فقرأ ھو فی نفسه قال نعم ان شاء قرأ وان شاء لم یقرأ۔ (مسائل احمد بروایۃ عبد اللہ ص78، المغنی ج2 ص118)

ابواب محدثین اور ترک قراءۃ خلف الامام

ائمہ محدثین رحمہم اللہ کی یہ عادت ہے کہ وہ پہلے ان احادیث کو ذکر کرتے ہیں جو ان کے نزدیک منسوخ ہوتی ہیں، پھر ان احادیث کو ذکر کرتے ہیں جو ان کے ہاں ناسخ ہوتی ہیں۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ م676ھ اس قاعدہ کو یوں ذکر کرتے ہیں:

ذکر مسلم فی ھذاالباب الاحادیث الواردۃ بالوضوء مما مست النار ثم عقبها بالاحادیث الواردۃ بترك الوضوء مما مست النار فکانه یشیرالی ان الوضوء منسوخ وھذہ عادۃ مسلم وغیرہ من ائمة الحدیث یذکرون الاحادیث التی یرونها منسوخة ثم یعقبونها بالناسخ۔ (شرح مسلم للنووی ج1 ص156 باب الوضوء مما مست النار)

محدثین کرام رحمہم اللہ تعالی نے قرءات کے مسئلہ میں بھی یہی اسلوب اختیار فرمایا ہے کہ پہلے قراءت خلف الامام کی احادیث لائے ہیں اور بعد میں ترک قراءت خلف الامام کی، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ قراءت خلف الامام منسوخ ہے۔

1: امام مالک بن انس المدنی م179ھ نے پہلے "القراءۃ خلف الامام فیما لا یجهر فیه بالقراءۃ" اور بعد میں "ترك القراءۃ خلف الامام فیما جهر فیه" کا باب باندھا ہے (مؤطاامام مالک ص66، 68)

2:۔ امام محمد بن حسن الشیبانی م189ھ نے پہلے اثبات قراءۃ کی احادیث کو اور بعد میں ترک قراءۃ کی احادیث کو بیان کیا۔

(مؤطاامام محمد: ص94 تا ص102 باب القراءۃ فی الصلوۃ خلف الامام)

3: امام عبد الرازاق بن الہمام م211ھ نے پہلے قراءۃ خلف الامام کی احادیث اور بعد میں ترک کی احادیث کو ذکر کیا۔

(مصنف عبد الرازاق: ج2 ص82 الی ص92 باب القراءۃ خلف الامام)

4: امام ابو بکر ابن ابی شیبہ م235ھ نے پہلے "من رخص فی القراءۃ خلف الامام" کا باب باندھا اور بعد میں "من کرہ القراءۃ خلف الامام" کا باب باندھا۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج3 ص267، 273)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

5:امام محمد بن اسمعیل البخاری م؛256ھ نے اپنے جزء "القراءۃ" میں پہلے قراءۃ خلف الامام کی احادیث کو ذکر کیا اور آخر میں ترک قراءۃ کی احادیث کو بیان کیا۔

6:امام ابن ماجہ القزوینی م 273ھ نے پہلے "باب القراءۃ خلف الامام" باندھا اور قراءۃ کی احادیث کو ذکر کیا، بعد میں "باب اذا قرء الامام فانصتوا" باندھا اور ترک قراءت کی احادیث کو بیان کیا۔(سنن ابن ماجہ؛ج؛1ص60،61)

7:امام ابو داؤد و سلیمان الاشعث م 275ھ نے پہلے "باب من رای القراءۃ اذا لم یجهر "باندھا اور قراءۃ کی احادیث کو ذکر کیا، پھر "باب من لم یر القراءۃ اذا لم یجهر "باندھا اور احادیث ترک کو بیان کیا۔(سنن ابی داؤد؛ج1؛ص127)

8:امام ابو عیسی الترمذی م؛279ھ نے پہلے "باب ما جاء فی القراءۃ خلف الامام "باندھا اور قراءت کی احادیث کو ذکر کیا، بعد میں "باب ما جاء فی ترك القراءۃ خلف الامام اذا جهر بالقراءۃ "ترک کا باب باندھا اور احادیث کو بیان کیا۔ (جامع الترمذی؛ج1ص69، ص71)

9:امام ابو عبد اللہ عبد الرحمن النسائی م 303ھ نے پہلے "ایجاب قراءۃ فاتحة الکتاب فی الصلوۃ" کا باب باندھا اور قراءت کرنے کی احادیث کو ذکر کیا، بعد میں" ترك القراءۃ خلف الامام فیما لم یجهر فیه" اور " ترك القراءۃ خلف الامام فیما جهر به" کے ابواب باندھے اور احادیث ترک قراءت کو بیان فرمایا۔(سنن النسائی ج؛1ص؛145،146)

10:امام ابو جعفر الطحاوی م؛321ھ نے پہلے قراءت کی احادیث کو ذکر کیا، بعد میں ترک قراءت کی احادیث کو بیان کیا۔

(سنن الطحاوی؛ج؛1ص157 تا160 باب القراءۃ خلف الامام)

<u>سوال:</u> منسوخ حکم پر تو عمل جائز نہیں، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر فقہاء تو اس کے قائل گزرے ہیں۔ اس کا مطلب کہ وہ ایک ناجائز کام کرتے تھے۔

<u>جواب:</u> اگر نسخ منصوص ہو تو اس پر عمل گناہ ہے اور اگر نسخ اجتہادی ہو تو مجتہد کے لیے گناہ نہیں بلکہ اجر واحد ہے، اور یہ نسخ بھی نسخ اجتہادی کی قسم میں سے ہے لہذا ان مجتہدین کے لیے گناہ نہیں۔

غیر مقلدین کے دلائل کے جوابات

<u>دلیل نمبر1:</u>

قال تعالیٰ: وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ۔(سورۃ الاعراف:205)

حضرت زید بن اسلم تابعی نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے ہو تو سورۃ فاتحہ کی قراءۃ آہستہ کرے۔

عبد العزیز بن محمد قال : سمعت زید بن أسلم یقول : فی قوله (وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا) قال : « الذی یکون خلف الإمام قال الله : (واذکر ربك فی نفسك) » قال : « یقول : اذکر ربك وأنصت فی نفسك » فأخبر بأنه مأمور بالإنصات والذکر معا فیکون الأمر بالإنصات راجعا إلی ترك الجهر دون ترك الذکر فی النفس الذی هو دون الجهر من القول

(کتاب القراءۃ للبیہقی ص:121،122 رقم الحدیث 293)

<u>جواب اول:</u>

اولاً:...... اس آیت سے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے پر استدلال کرنا باطل ہے۔ اس لیے کہ یہ تفسیر صحیح حدیث، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور محمد بن کعب القرظی کی صحیح تفسیر [جو کہ ماقبل میں گزر چکی ہیں] کے مخالف ہے۔ نیز اس آیت میں امام کا لفظ ہے نہ مقتدی کا، اسی طرح نہ قراءۃ کا اور نہ سورۃ فاتحہ کا۔ تو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے پر استدلال کیسے درست ہوا؟؟

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ثانیاً:...... حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ کا استدلال ذکر فی النفس کے متعلق ہے، اس میں فاتحہ کا ذکر ہی نہیں تو اس سے استدلال کیسے ؟!

جواب ثانی:

اس روایت کی سند یوں ہے: أخبرنا أبو عبد الله الحافظ أنا أبو علي الحافظ نا أبو عمرو الحَرَشِيّ نا الفضل بن محمد الشعرانی نا إبراهيم بن حمزة نا عبد العزيز بن محمد قال: سمعت زيد بن أسلم الخ

اس سند میں ایک راوی فضل بن محمد شعرانی ہے۔ ائمہ نے ان پر جرح کی ہے: تکلموا فیه. فرماه بالکذب. انه کان غالیاً فی التشیع.

(میزان الاعتدال للذہبی: ج3 ص356 رقم 6378، المغنی فی الضعفاء للذہبی ج:2: ص:195 رقم 4940)

دوسرا راوی عبد العزیز بن محمد ہے۔ گو بعض نے انکو ثقہ کہا ہے، لیکن بہت سے ائمہ نے ان پر جرح بھی کی ہے۔ مثلاً:

اذا حدث من حفظه یهم. لیس هو بشئی. اذا حدث من حفظه جاء ببواطیل. لا یحتج به. سیئی الحفظ. وربما قلب. فربما حدث من حفظه الشئی فیخطی. لیس بالقوی. وکان یخطئی. انه کثیر الوهم فجعل یلحن لحناً منکراً.

(میزان الاعتدال للذہبی: ج2 ص553 رقم الترجمة 4781، تہذیب لابن حجر: ج4 ص204 رقم الترجمہ 4830)

لہذا یہ روایت ضعیف ہے، قابل استدلال نہیں۔

دلیل نمبر 2:

حدیث: عبادہ بن صامت مرفوعاً: لا صلوة لمن لم يقراء بفاتحة الكتاب (بخاری و مسلم)

اس حدیث کا عموم ہر اس نماز کو شامل ہے جو کوئی شخص اکیلے پڑھتا ہے، یا امام کے پیچھے پڑھتا ہے، اس کا امام قراءت بالسر کر رہا ہو یا قراءت بالجہر کرے۔ (نصر الباری از علی زئی غیر مقلد ص45، فاتحہ خلف امام از علی زئی غیر مقلد ص34)

لفظ من عام ہے جس میں امام، منفرد اور مقتدی سب داخل ہیں۔ (ابکار المنن ص120، تحقیق الکلام ج1 ص11)

جواب اول:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: الحديث اذا لم تجمع طرقه لم تفهمه والحديث يفسر بعضها بعضاً

(الجامع لاخلاق الراوی للخطیب: ص370 رقم 1651)

کہ جب تک حدیث کے طرق جمع نہ کرلیں اس وقت تک حدیث کا معنی نہیں سمجھ سکتے، کیونکہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تشریح کرتی ہے۔

اس اصول کے تحت ہم نے حدیث عبادہ کے مختلف طرق جمع کیے، جن میں یہ الفاظ آئے ہیں:

" لا صلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب فصاعداً " (خلق افعال العباد للبخاری ص67، صحیح مسلم ج1 ص169، سنن ابی داود: ج1 ص126)

نیز اس روایت کے کئی شواہد بھی موجود ہیں۔

1: عن ابی هريرة مرفوعًا: لا صلوة الا بقرءاة فاتحة الكتاب فما زاد.

(سنن ابی داود: ج1 ص126 باب من ترک القرءاۃ فی صلوتہ، صحیح ابن حبان: 560 رقم الحدیث 1788، کتاب القراءۃ للبیہقی: ص14، 13)

2: عن ابی سعيد الخدری مرفوعاً: امرنا ان نقرء بفاتحة الكتاب وما تيسر.

(سنن ابی داود: ج1 ص 126 باب من ترک القراءۃ فی صلوتہ، صحیح ابن حبان: 560 رقم الحدیث 1788، کتاب القراءۃ للبیہقی: ص15 رقم الحدیث 32-35)

3: عن أبي سعيد مرفوعا: لا صلاة لمن لم يقرأ في كل ركعة بالحمد لله وسورة في فريضة أو غيرها

(سنن ابن ماجۃ ص60 باب القراءۃ خلف الامام، کتاب القراءۃ للبیہقی: ص:16، رقم الحدیث 36، 37)

تمام طرق جمع کرنے سے معلوم ہوا کہ اس روایت کا مخاطب وہ شخص ہے جو دونوں سورتیں [یعنی سورۃ فاتحہ اور دوسری سورت] پڑھتا

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ہے اور وہ امام یا منفرد ہوتا ہے مقتدی نہیں، لہذا مقتدی اس کا مخاطب نہیں۔ پس یہ روایت مقتدی پر وجوب قرءاۃ کی دلیل نہیں۔

جواب ثانی:

اولاً کلمہ "من" کے متعلق علماء اصول مثلاً امام سرخسی وغیرہ فرماتے ہیں:

وھی عبارۃ عن ذات من یعقل وھی تحتمل الخصوص والعموم۔ (اصول السرخسی: ج1ص155، نور الانوار: ص84)

قرآن مجید میں بھی لفظ "من" کئی مقامات پر خصوص کے لیے آیا ہے۔ مثلاً۔۔

1: قال عز وجل: وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ۔ (سورۃ الشوریٰ:5)

اور دوسرے مقام پر تصریح فرمادی کہ فرشتے صرف مومنین کے لیے ہی دعا کرتے ہیں:

وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا الآیۃ۔ (سورۃ المؤمن:7)

معلوم ہوا کہ یہاں من یہاں عموم کے لیے نہیں بلکہ خصوص کے لیے ہے۔

2: قال عز وجل: أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ (الملک:16، 17)

یہاں مَنْ ہے اور مراد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

لہذا اس حدیث میں لفظ "مَنْ" بھی خصوص کے لیے ہے جیسا کہ مشہور محدث علامہ ابن عبد البر نے "التمہید" میں اس کی تصریح فرمائی ہے:

عن عبادۃ رضی اللہ عنہ وھو محتمل للتاویل...... خاص وواقع علی من صلی وحدہ او کان اماماً۔ (ج:4ص449، 448)

لہذا لفظ "مَنْ" کو عام سمجھ کر اس سے مقتدی پر قرءات واجب کرنا باطل ہے۔

جواب ثالث:

اس حدیث کی مراد دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم وائمہ حضرات سے یہی منقول ہے کہ یہ حدیث منفرد کے لیے ہے۔ مثلاً:

1: قال جابر بن عبد اللہ: اذا کان وحدہ۔ (جامع الترمذی: ج1ص71 باب ماجاء فی ترک القراءۃ خلف الامام)

2: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ یہ حکم اکیلے آدمی کیلئے ہے۔ (مؤطا امام مالک بحوالہ احسن الکلام: ج2ص39)

3: ۔امام سفیان بن عیینہ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں: لمن یصلی وحدہ

(تفسیر سفیان بن عیینہ: ص202، سنن ابی داود: ج1ص126، التمہید لابن عبد البر: ج4ص449)

4: قال امام احمد بن حنبل: اذا کان وحدہ۔ (جامع الترمذی: ج1ص71 باب ماجاء فی ترک قرءۃ خلف الامام)

5: امام ابو بکر اسماعیلی فرماتے ہیں: کان وحدہ۔ (بذل المجہود الشیخ سہارنپوری: ج2ص54)

6: امام ابن عبد البر فرماتے ہیں: عن عبادۃ رضی اللہ عنہ وھو محتمل للتاویل.... خاص وواقع علی من صلی وحدہ او کان اماماً۔

(التمہید لابن عبد البر: ج4ص449، 448، الاستذکار: ج1ص470)

7: قال الامام ابن قدامۃ المقدسی: فھو محمول علی غیر الماموم۔ (المغنی لابن قدامہ: ج2ص118)

8: شیخ محدث سہارنپوری نے بھی اس کی مراد: اذا کان وحدہ بیان فرمائی ہے۔ (بذل المجہود: ج2ص52)

9: امام اہل السنہ شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے اس کی مراد اکیلا آدمی بیان کی ہے۔ (احسن الکلام: ج2ص40)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر3:

عن أبی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال من صلی صلاة لم يقرأ فيها بأم القرآن فهی خداج ثلاثا غير تمام فقيل لأبی هريرة إنا نكون وراء الإمام فقال اقرأ بها فی نفسك. (صحیح مسلم وغیرہ)

جواب حصہ اول:

اس حدیث کے مرفوع حصہ میں "مقتدی" کے لفظ نہیں ہیں، اور ائمہ حضرات نے تصریح کی ہے:

و كذلك حديث ابی هريرة [فهو محمول علی غير المأموم]۔(المغنی لابن قدامۃ ج2ص118)

کہ یہ حدیث مقتدی کے علاوہ پر محمول ہے۔ نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دیگر مفسر روایات میں بھی اس بات کی تصریح ہے کہ امام کی قراءت کے وقت مقتدی خاموش رہے۔ مثلاً

1: عن أبی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم (إنما جعل الإمام ليؤتم به. فإذا كبر فكبروا. وإذا قرأ فأنصتوا. وإذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين

(سنن ابن ماجۃ: ص61 باب اذا قرء الامام فانصتوا)

2: عن أبی هريرة، قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: « كل صلاة لا يقرأ فيها بأم الكتاب فهی خداج إلا صلاة خلف إمام »(کتاب القراءۃ للبیہقی ص170، 171، رقم404)

قاعدہ ہے کہ مبہم کے مقابلے میں مفسر حدیث کو دیکھا جائے گا۔

قال الامام البخاری: والمفسر يقضی علی المبهم (صحیح البخاری: ج1ص 201)

قال ابن حجر العسقلانی: لا يقبل الحديث المبهم۔(شرح نخبۃ الفکر: ص98)

لہذا یہ روایت قراءت خلف الامام کی دلیل نہیں۔

جواب حصہ ثانی:

اولاً:۔۔۔اس حدیث میں "اقرء بها فی نفسك" حضرت ابو ہریرہ کا موقوف قول ہے، جیسا کہ امام بخاری اور امام بیہقی رحمہما اللہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

فقلت [أبو السائب]: يا أبا هريرة: فإنی أكون أحيانا وراء الإمام قال: فغمز ذراعی ثم قال: اقرأ بها يا فارسی فی نفسك۔ (جزء القرءۃ مترجم للبخاری: ص:80)

وقال: يا ابن الفارسی: اقرأ بها فی نفسك. (کتاب القرءۃ للبیہقی: ص196 رقم 431)

جبکہ غیر مقلدین کے نزدیک صحابی کا قول و عمل حجت نہیں ہے:

1: افعال الصحابة رضی الله عنهم لا تنتهض للاحتجاج بها۔ (فتاوی نذیریہ بحوالہ مظالم روپڑی: ص58)

2: صحابہ کا قول حجت نہیں۔(عرف الجادی: ص101)

3: صحابی کا کردار کوئی دلیل نہیں اگرچہ وہ صحیح طور پر ثابت ہوں۔(بدور الاہلہ: ج1ص28)

4: آثار صحابہ سے حجیت قائم نہیں ہوتی۔(عرف الجادی: ص101)

5: خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو صحابہ کرام کے آثار کا غلام نہیں بنایا ہے۔(عرف الجادی: ص80)

6: موقوفات صحابہ حجت نہیں۔(بدور الاہلہ: ص129)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ثانیاً:۔۔۔فی نفسك کا معنی قرآن وحدیث میں منفرد واکیلے کے لئے بھی آیا ہے۔ مثلا۔۔۔

1: قال عز وجل: وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا (النساء:63)

قال الامام المفسر أبو الفضل محمود الألوسی البغدادی: وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ أی قل لهم خالیا لا یکون معهم أحد

(روح المعانی ج3ص69)

قال الامام المفسر علاء الدین علی بن محمد بن إبراهیم البغدادی الشهیر بالخازن: وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ إذا خلوت بهم قَوْلًا بَلِيغًا (تفسیر خازن ج1ص398)

قال الامام المفسر أبو العباس أحمد بن محمد بن المهدی الشاذلی الفاسی: (وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ)، أی: خالیًا بهم (قَوْلًا بَلِيغًا) یبلغ إلی قلوبهم.

(البحر المدید للفاسي ج2ص62)

2: حضرت ابو ہریرہ سے حدیث قدسی مروی ہے:

فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ.

(صحیح البخاری: ج:2: ص:1101 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ، صحیح مسلم: ج:2: ص:343 باب فضل الذکر والدعاء والتقرب إلی اللہ تعالی)

لہذا حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث میں کا معنی "اکیلا و منفرد" ہے، یعنی حضرت ابو ہریرہ نے اپنے شاگرد ابو السائب کو فرمایا جب تم اکیلے ہو تو قرءاۃ کر لیا کرو۔ اس معنی سے یہ حدیث دیگر تفاسیر واحادیث سے متعارض نہیں ہوتی۔ اگر غیر مقلدین والا معنی مراد لیں تو ان میں باہم تعارض لازم آتا ہے۔ پس اس روایت سے غیر مقلدین کا استدلال باطل ہے۔

ثالثاً۔۔۔ اقرء بها فی نفسك کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ دل میں غور و فکر کر لیا کرو۔

دلیل نمبر 4:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ « لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُونَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ ». قُلْنَا نَعَمْ هَذَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ. قَالَ « لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا ». (سنن ابی داود ج1ص127 باب مَنْ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِي صَلَاتِهِ، جامع الترمذی ج1ص70 باب ما جاء فی القراءۃ خلف الإمام)

جواب نمبر 1:

اس کی سند میں ایک راوی محمد بن اسحاق بن یسار ہے، جو عند الجمہور ضعیف، مجروح، کذاب، دجال، شیعہ، معتزلی اور قدری تھا۔

(میزان الاعتدال للذہبی: ج3ص152 تاص458، تہذیب التہذیب لابن حجر: ج5ص439، تقریب التہذیب لابن حجر: ج2ص498)

نیز محمد بن اسحاق بن یسار مدلس بھی تھا۔ (طبقات المدلسین: ص:132 الطبقۃ الرابعہ، الفتح المبین لعلی زئی ص:72)

اور بتصریح علی زئی غیر مقلد مدلس کا عنعنہ صحت حدیث کے منافی ہوتا ہے (نور العینین لعلی زئی ص:148)

لہذا یہ روایت ضعیف و ناقابل حجت ہے۔

جواب نمبر 2:

اس میں دوسرا راوی "مکحول" ہے۔ بتصریح ائمہ یہ بھی مدلس ہے (طبقات المدلسین ص:113 المرتبۃ الثالثۃ، الفتح المبین لعلی زئی ص64)

نیز امام ابن سعد فرماتے ہیں: ضعفه جماعة (میزان الاعتدال ج4ص378)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

علامہ ذہبی فرماتے ہیں: قلت: ھو صاحب تدلیس و قد رمی بالقدر ۔(میزان الاعتدال ج4ص378)

پس روایت ضعیف ہے۔

جواب نمبر3:

اس کی ایک دوسری سند میں ایک راوی نافع بن محمود بن الربیع ہے، ان سے خلف الامام کی روایت کے علاوہ کوئی روایت مروی نہیں۔ امام ابن حبان نے انھیں ثقات میں شمار تو کیا ہے لیکن ساتھ یہ تصریح بھی کر دی ہے: حدیثه معلل. (میزان الاعتدال للذہبی ج5ص7)

کہ اس کی حدیث معلول ہے۔

قال الطحاوی: لا یعرف فکیف یصح او یکون سنده حسنا. (الجوہر النقی علی البیہقی ج2ص165)

قال ابن عبد البر: نافع مجھول. (تہذیب التہذیب ج6ص519)

قال ابن قدامة: فانه غیر معروف. (المغنی لابن قدامۃ ج2ص118)

قال ابن حجر: مستور من الثالثة. (التقریب لابن حجر ص588)

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ یہ راوی مجہول ہے۔ اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ مجہول کی روایت سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔ چنانچہ مجہول کے متعلق امام نووی نے تصریح کی ہے: فالجمھور علی انه لا یحتج به. (مقدمہ شرح صحیح مسلم للنووی: ص17)

امام بیہقی رحمہ اللہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

ولم یکلفنا الله تعالی أن نأخذ دیننا عمن لا نعرفه. (کتاب القراءۃ للبیہقی: ص395)

لہذا یہ روایت قابل استدلال نہیں۔

جواب نمبر4:

یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا، بعد میں اس سے منع کر دیا گیا، جیسا کہ ہمارے دلائل میں محمد بن کعب القرظی کی تفسیر گزر چکی ہے۔

دلیل نمبر5:

حدثنا محمود قال: حدثنا البخاری قال: حدثنا یحیی بن یوسف، قال: أنبأنا عبد الله، عن أیوب، عن أبی قلابة، عن أنس، رضی الله عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم صلی بأصحابه، فلما قضی صلاته أقبل علیهم بوجهه، فقال: «أتقرءون فی صلاتکم والإمام یقرأ؟» فسکتوا فقالها ثلاث مرات، فقال قائل أو قائلون: إنا لنفعل قال: «فلا تفعلوا ولیقرأ أحدکم بفاتحة الکتاب فی نفسه» (جزء القراءۃ للبخاری مترجم: ص182 رقم الحدیث 255، السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص166، کتاب القراءۃ للبیہقی: ص58،57)

جواب اول:

اس کی سند میں ایک راوی ابو قلابہ ہے۔ گو ثقہ تھا لیکن غضب کا مدلس تھا۔ (طبقات المدلسین لابن حجر 39، الفتح المبین لعلی زئی ص20)

قال العجلی: فیه نصب یسیر (تقریب لابن حجر ص339) یعنی یہ ناصبی تھا۔

قال العلامة الذهبی: ثقه فی نفسه الا انه یدلس عمن لحقهم و عمن لم یلحقهم و کان له صحف یحدث منها و یدلس.

(میزان الاعتدال للذہبی: ج2ص383)

اور بتصریح علی زئی غیر مقلد مدلس کا عنعنہ صحت کے منافی ہوتا ہے (نور العینین ص:148)

لہذا یہ روایت ضعیف و ناقابل حجت ہے۔

فائدہ: بعض الناس کا یہ کہنا کہ "یہ پہلے طبقے کا مدلس ہے جس کی تدلیس کو برداشت کیا گیا ہے" قطعاً باطل ہے، اس لیے کہ ابو قلابہ جب "عمن

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

لم یلحقھم" سے بھی تدلیس کرتے ہیں تو پھر کسی طبقہ میں بھی ہوں تو کس طرح قابل برداشت ہوں گے ؟! اس صریح عبارت کو بھی دیکھا جائے، نرا طبقہ ہی نہ دیکھا جائے۔

جواب ثانی:

اس کی سند میں اضطراب ہے۔ مثلاً:

1: عن ابی قلابة عن انس. (جزء القراءة للبخاری مترجم ص؛182 رقم الحدیث 255)

2: عن ابی قلابة عن النبی صلی الله علیه و سلم. (جزء القراءة للبخاری مترجم: ص183 رقم الحدیث 256، السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص166)

3: عن أبی قلابة عن محمد بن أبی عائشة عن رجل من أصحاب رسول الله صلی الله علیه و سلم.

(سنن الدار قطنی: ص223، السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص166)

4: عن أبی قلابة عن ابی هریرة. (سنن الدار قطنی: ص223)

امام سیوطی فرماتے ہیں: الاضطراب یوجب الضعف. (تدریب الراوی للسیوطی: ج1 ص223)

لہذا یہ روایت ضعیف اور ناقابل حجت ہے۔

جواب ثالث:

"فی نفسه" کا مطلب یہ ہے کہ جب اکیلے نماز پڑھو تو اسے پڑھا کرو۔ (اس معنی پر شواہد از قرآن و حدیث ماقبل میں گزر چکے ہیں)

دلیل نمبر 6:

حدثنا محمود قال: حدثنا البخاری قال، وقال لنا آدم: حدثنا شعبة، حدثنا سفیان بن حسین، سمعت الزهری، عن ابن أبی رافع، عن علی بن أبی طالب، رضی الله عنه أنه كان یأمر ویحب أن یقرأ خلف الإمام فی الظهر والعصر بفاتحة الكتاب، وسورة سورة وفی الأخریین بفاتحة الكتاب.

(جزء القراءة للبخاری مترجم ص67 رقم الحدیث 54، سنن الدار قطنی ص214 رقم الحدیث 1217، السنن الکبری للبیہقی ج2 ص168)

جواب نمبر 1:

اولاً۔۔۔ دلائل اہل السنت والجماعت احناف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ گزر چکا ہے کہ آپ قراءت خلف الامام سے منع فرماتے تھے۔

ثانیاً۔۔۔ اس اثر کی سند میں سفیان بن حسین ہے۔ ائمہ نے ان پر کلام کیا ہے۔ مثلاً۔۔

قال أحمد: لیس بذاك فی الزهری.

وقال عثمان ابن سعید: سألت یحیی عنه فقال: ثقة، وهو ضعیف الحدیث عن الزهری.

وروی ابن أبی خیثمة، عن ابن معین: ثقة فی غیر الزهری

وقال عثمان بن أبی شیبة: ثقة، لكنه مضطرب فی الحدیث قلیلا.

وقال ابن سعد: ثقة یخطئ فی حدیثه كثیرا.

وقال أبو حاتم: صالح الحدیث یكتب حدیثه، ولا یحتج به

وقال النسائی: لیس به بأس إلا فی الزهری.

وقال ابن حبان: یروی عن الزهری المقلوبات

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

وقال ابن عدی: هو... فی الزهری روی أشیاء خالف الناس.

قال ابن معین: لم یکن بالقوی.

(میزان الاعتدال ج2 ص157)

قال ابن حجر: ثقة فی غیر الزهری.

(تقریب التہذیب لابن حجر ص277)

اور یہ روایت بھی سفیان بن حسین عن الزہری کے طریق سے مروی ہے۔ لہذا ضعیف اور نا قابل حجت ہے۔

جواب نمبر2:

اس روایت میں سورۃ فاتحہ اور دوسری سورت دونوں کے پڑھنے کا ذکر ہے۔ لہذا یہ اثر فریق مخالف کے لیے سود مند نہیں۔

دلیل نمبر7:

وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ، أنا أبو بکر بن إسحاق، أنا عبد الله بن محمد، نا عمرو بن زرارة، نا إسماعیل، عن لیث، عن عبد الرحمن بن ثروان، عن الهذیل بن شرحبیل، عن ابن مسعود، رضی الله عنه أنه «قرأ فی العصر خلف الإمام فی الرکعتین الأولیین بأم القرآن وسورة» (کتاب القراءۃ للبیہقی ص196)

جواب1:

یہ اثر ضعیف ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے۔ اس پر ائمہ نے جرح کی ہے۔ مثلاً۔۔

قال أحمد: مضطرب الحدیث

وقال یحیی والنسائی: ضعیف.

وقال ابن حبان: اختلط فی آخر عمره.

وقال ابن معین: لیث أضعف من عطاء بن السائب.

وقال مؤمل بن الفضل: سألت عیسی بن یونس عن لیث بن أبی سلیم، فقال: قد رأیته وکان قد اختلط.

(میزان الاعتدال ج3 ص413،414)

جواب نمبر2:

اس کی سند میں ایک راوی عبد الرحمن بن ثروان ہے۔ اس پر امام احمد نے جرح کی ہے۔

قال عبد الله بن أحمد: سألت أبی عنه فقال: هو کذا و کذا - وحرك یده، وهو یخالف فی أحادیث.

عن أحمد قال: لا یحتج به.

وقال أبو حاتم: لین.

(میزان الاعتدال ج2 ص490)

پس اثر ضعیف ہے۔

جواب نمبر3:

یہ اثر خود غیر مقلدین کے عمل کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اس میں ظہر عصر کی نماز کی تخصیص ہے اور وہ بھی صرف پہلی دو رکعتوں میں اور فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت کا بھی ذکر ہے جو غیر مقلدین کو کسی طرح بھی سود مند نہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل 8:

عن یزید بن شریك سالت عمر بن الخطاب: أأقرءُ خلف الامام؟ قال: نعم. قال: انْ قرأتَ یا امیرَ المؤمنین؟ قال: وان قراءتُ.

(جزء القراءۃ للبخاری ص 65)

جواب نمبر 1:

دلائل احناف کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر گزر چکا ہے کہ وہ قراءت سے منع فرماتے تھے۔ اگر یہ پیش کردہ اثر صحیح بھی ہو جائے تب بھی غیر مقلدین کو سود مند نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر مختلف الفاظ سے کتب میں مذکور ہے۔ ان میں سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن کریم کے کسی حصہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ مثلاً۔۔

فاتحة الکتاب وشیئا (کتاب القراءۃ للبیہقی ص 620)

بفاتحة الکتاب ومعها (کتاب القراءۃ ص 61، السنن الکبریٰ للبیہقی ج 2 ص 167)

بفاتحة الکتاب وشیئ معها (کتاب القراءۃ ص 61)

بفاتحة الکتاب ومعها شیئ (جامع المسانید ج 1 ص 346)

ظاہر بات کہ غیر مقلد صرف فاتحہ کے وجوب کے قائل ہیں، مازاد کے جواز کے بھی قائل نہیں۔ لہذا یہ اثر انھیں سود مند نہیں۔

جواب 2:

اس اثر میں قراءت کی صرف اجازت واختیار کا ذکر ہے جبکہ فریق مخالف اسے واجب سمجھتا ہے۔

جواب 3:

قراءۃ خلف الامام کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہی بھی ثابت ہے (کما مر) اور یہاں فاتحہ ومازاد علی الفاتحہ کی اجازت بھی ثابت ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ یہ حکم آپ منفرد کو دینا چاہتے تھے، راوی سے غلطی ہوئی کہ اسے مقتدی کے حق میں نقل کر دیا۔

غیر مقلدین کے چند شبہات کے جوابات

شبہ نمبر 1:

زبیر علی زئی غیر مقلد نے ملاجیون الحنفی رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ اس آیت "فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ" (سورۃ المزمل: 20) کے عموم سے مقتدی پر قراءت واجب ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

"اس آیت کے بارے میں ملاجیون حنفی (متوفی ۱۱۳۰ھ) لکھتے ہیں:

فان الاول بعمومه یوجب القراءۃ علی المقتدی۔

پس بے شک پہلی آیت (آیت مذکورہ بالا) اپنے عموم کے ساتھ مقتدی پر قراءت واجب کرتی ہے۔"

(فاتحہ خلف الامام از زبیر علی زئی: ص: 32)

جواب:

اولاً۔۔۔ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ والی آیت اور اس کے تحت تفاسیر صحیحہ، احادیث مبارکہ، فقہاء کرام خصوصاً فقہاء احناف اور اجماع امت اکثری سے واضح ہوا ہے کہ مقتدی کو قراءۃ خلف الامام سے منع کر دیا گیا ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ثانیاً۔۔۔فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ کا شان نزول نماز تہجد ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے:

قَالَ فِي الْمُزَّمِّلِ (قُمِ اللَّيْلَ إِلاَّ قَلِيلاً نِصْفَهُ) نَسَخَتْهَا الآيَةُ الَّتِي فِيهَا (عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ) وَنَاشِئَةُ اللَّيْلِ أَوَّلُهُ وَكَانَتْ صَلاَتُهُمْ لأَوَّلِ اللَّيْلِ يَقُولُ هُوَ أَجْدَرُ أَنْ تُحْصُوا مَا فَرَضَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ

(سنن ابی داود ج:1 ص192 باب نَسْخِ قِيَامِ اللَّيْلِ وَالتَّيْسِيرِ فِيهِ، اعلام الموقعین لابن القیم ج:2 ص327، نیل الاوطار للشوکانی ص:243)

اور نماز تہجد اکیلے پڑھی جاتی ہے، جماعت کے ساتھ نہیں، لہٰذا فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ سے مقتدی پر قراءت واجب کرنا باطل و مردود ہے۔

ثالثاً۔۔۔ملاجیون رحمہ اللہ م:1130ھ حنفی مقلد ہیں مطلق مجتہد نہیں۔ یہ شیخ ملاجیون رحمہ اللہ کا ذاتی تفرد، سہو یا وہم ہے جو تفاسیر صحیحہ، احادیث مبارکہ، فقہاء کرام خصوصا فقہاء احناف کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ خود زبیر علی زئی نے ایک مقام پر لکھا: "ہم ان حوالوں سے بری ہیں اور یہ حوالے ہمارے مفتی بہا نہیں ہیں" (الحدیث ش86 ص36 جولائی 2011ء)

شبہ نمبر2:

فاتحہ قراءۃ نہیں، بلکہ قراءۃ فاتحہ کے بعد والی سورتوں کی ہوتی ہے۔ لہٰذا فاتحہ پڑھنے سے ان احادیث کی مخالفت لازم نہیں آتی جن میں قراءت سے منع کیا گیا ہے۔

جواب:

فاتحہ قراءت ہے، احادیث ملاحظہ ہوں:

1: عن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ إِسْكَاتَةً ۔۔۔۔ فَقُلْتُ بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ مَا تَقُولُ قَالَ أَقُولُ اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ۔

(صحیح البخاری ج1 ص103 باب بَاب مَا يَقُولُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ)

غیر مقلدین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ دعا تکبیر تحریمہ اور فاتحہ کے درمیان پڑھی جاتی ہے۔ لہٰذا یہاں فاتحہ ہی کو قراءت کہا گیا ہے۔ اگر غیر مقلد اس پر مصر ہوں کہ فاتحہ کے بعد والی سورت ہی قراءت ہے تو انہیں چاہیے کہ فاتحہ ختم کر کے تکبیر کہیں، پھر اللھم باعد والی دعا پڑھیں۔

2: امام بخاری رحمہ اللہ نے بَاب وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ قائم فرمایا ہے اور اس کے تحت لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ والی حدیث ذکر کی ہے۔ معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہاں فاتحہ قراءت ہے۔

3: عن أنس قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم وأبو بكر وعمر رضى الله عنهما يستفتحون القراءة بالحمد لله رب العالمين۔

(سنن النسائی ج1 ص143 باب البداءۃ بفاتحۃ الکتاب قبل السورۃ)

4: عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستفتح الصلاة بالتكبير والقراءة بالحمد لله رب العالمين۔

(صحیح مسلم ج1 ص194 باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر)

شبہ نمبر3:

فاتحہ قرآن نہیں ہے۔ دلیل آیت: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ (الحجر:87) [ہم نے آپ کو سبع مثانی یعنی سورۃ فاتحہ اور قرآن عظیم عطاء کیا] غیر مقلدین کہتے ہیں کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے فاتحہ اور قرآن دونوں الگ الگ ہیں۔ لہٰذا قرآن کی قراءۃ کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے نہ کہ فاتحہ کی قراءت کے وقت۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب 1:

اگر فاتحہ کو قرآن نہ مانا جائے تو قرآن کی سورتوں کی تعداد 114 نہیں رہے بلکہ 113 ہو جائے گی۔

حالانکہ قرآن کی 114 سورتیں ہونے پر اجماع ہے۔

1: امام بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی رحمہ اللہ م 794ھ لکھتے ہیں:

واعلم أن عدد سور القرآن العظيم باتفاق أهل الحل والعقد مائة وأربع عشرة سورة كما هي في المصحف العثماني أولها الفاتحة وآخرها الناس۔

(البرهان في علوم القرآن ص 251)

2: امام سیوطی رحمہ اللہ م 911ھ لکھتے ہیں:

أما سوره فمائة وأربع عشرة سورة بإجماع من يعتد به. (الاتقان فی علوم القرآن ج 1 ص 64)

3: علامہ عبد الرحمن بن محمد بن قاسم حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: أجمعوا على أنّ القُرآنَ: مِئَةٌ وأربَعَ عَشَرَةَ سُورَةً (مقدمۃ التفسیر ص 2)

اگر فاتحہ کو قرآن کی سورۃ شمار نہ کیا جائے تو اجماع کی مخالفت لازم آئیگی۔

جواب 2:

سبعاً من المثانی (سورہ فاتحہ) قرآن مجید میں داخل تھی لیکن اسے علیحدہ ذکر کرنے کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس کی عظمت وشان اجاگر ہو جائے یہی اسلوب قرآن کریم میں دیگر مقامات پر ہے مثلاً:

قال تعالی: تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ (القدر: 4)

یہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام ملائکہ میں داخل تھے لیکن انہیں علیحدہ ذکر صرف مرتبہ و مقام بتانے کے لیے کیا۔

شبہ نمبر 4:

اگر امام کا قرآن پڑھنا مقتدیوں کے لئے کافی ہے اور مقتدیوں کو قراءۃ منع ہے، تو پھر تشہد میں " رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ" امام بھی پڑھتا ہے اور مقتدی بھی پڑھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی تو قرآن ہے ؟

جواب :

تشہد میں "رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ" پڑھنے کی دو حیثیتیں ہیں :

(1) یہ قرآن ہے۔

(2) یہ دعا ہے۔

امام و مقتدی "رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ " دعا ہونے کی حیثیت سے پڑھتے ہیں، نہ کہ قرآن و قراءۃ ہونے کی حیثیت سے۔

شبہ نمبر 5:

امام کی قراءت کے وقت اگر خاموش رہنا اور امام کی قراءۃ کو غور سے سننا ضروری ہے، تو آپ لوگ فجر کی جماعت کے وقت سنتیں کیوں پڑھتے ہیں؟ اس وقت بھی تو امام کی قراءۃ ہو رہی ہوتی ہے اور آپ لوگ سن رہے ہوتے ہیں۔

جواب:

امام کی قرءۃ کے وقت خاموش رہنا اور غور سے سننا ان نمازیوں کے لئے ضروری ہے جو اس امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہوں، ہر نمازی کے لئے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ضروری نہیں۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی تفسیر منقول ہے۔ چنانچہ امام عبد اللہ بن احمد نسفی م710ھ فرماتے ہیں:

وجمهور الصحابة على انه في استماع المؤ تم. (مدارک التنزیل للنسفی: ج2ص133)

باقی رہا فجر کی سنتیں پڑھنے والا نمازی، تو وہ امام کی اقتداء نہیں کر رہا ہوتا۔

شبہ نمبر6:

فاتحہ دعا ہے۔ جب نمازی فاتحہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالی سے دعا کرتا ہے، لیکن آپ لوگوں کا امام تو فاتحہ پڑھتا ہے مقتدی نہیں پڑھتے۔ ان کی نماز اس دعا اور مناجات سے خالی ہوتی ہے؟

جواب:

قاعدہ ہے کہ انسان انفراداً انفراداً کسی کی خدمت میں حاضر ہوں تو اپنا مدعا انفراداً بیان کرتے ہیں اور جب وفد کی صورت میں کسی کی خدمت میں اپنا مدعا بیان کریں تو ایک کو اپنا نمائندہ بنادیتے ہیں۔ وہی نمائندہ عرض ومعروض کرتا ہے۔ بعینہ اسی طرح جب نمازی الگ الگ نماز پڑھتے ہیں تو ہر ایک فاتحہ پڑھتا ہے اور جب جماعت سے پڑھتے ہیں تو ایک کو نمائندہ (امام) بنادیتے ہیں۔ اس کا عرض ومعروض کرنا (فاتحہ پڑھنا) سب کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس لئے ہر ایک کو علیحدہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا

از افادات: متکلمِ اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت والجماعت احناف:

نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔(الھدایہ ج1 ص 100،101)

مذہب غیر مقلدین:

نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا سنت ہے۔(نماز نبوی للالبانی ص77،بارہ مسائل از عبد الرحمن خلیق ص52)

اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے نماز نہیں ہوتی۔(قول حق از مولوی محمد حنیف فرید کوٹی ص21 بحوالہ مجموعہ رسائل ج1 ص325)

فائدہ:

اہل السنت والجماعت احناف کے ہاں ہاتھ باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر، انگوٹھے اور چھنگلیا سے بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑتے ہوئے تین انگلیاں کلائی پر بچھا کر ناف کے نیچے رکھتے ہیں۔کتاب الآثار میں ہے:

قال محمد: و یضع بطن کفہ الایمن علی رسغہ الایسر تحت السرۃ فیکون الرسغ فی وسط الکف۔[کتاب الآثار بروایۃ محمد: جزء اول ص321 رقم120]

وقال العینی: واستحسن کثیر من مشایخنا......بأن یضع باطن کفہ الیمنی علی کفہ الیسری ویحلق بالخنصر والإبھام علی الرسغ۔

[عمدۃ القاری: ج4 ص389 باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلاۃ]

یہ موقف ان دلائل سے ثابت ہے:

1: عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ النَّاسُ یُؤْمَرُوْنَ اَنْ یَّضَعَ الرَّجُلُ الْیَدَ الْیُمْنٰی عَلٰی ذِرَاعِہِ الْیُسْریٰ فِی الصَّلٰوۃِ۔

(صحیح البخاری ج1 ص102 باب وضع الیمنی علی الیسریٰ)

2: عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: لَاَ نْظُرَنَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کَیْفَ یُصَلِّیْ؟ قَالَ فَنَظَرْتُ اِلَیْہِ قَامَ فَکَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی حَاذَتَا اُذُنَیْہِ ثُمَّ وَضَعَ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی ظَھْرِ کَفِّہِ الْیُسْریٰ وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ۔

(صحیح ابن حبان: ص577 رقم الحدیث 1860، سنن النسائی: ج1 ص141، سنن ابی داؤد ج1 ص105 باب تفریع استفتاح الصلوٰۃ)

3: عَنِ ابْنِ عَبَّاس رضی اللہ عنھما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّا مَعْشَرُ الْاَنْبِیَاءِ اُمِرْنَا اَنْ نُؤَخِّرَ سُحُوْرَنَا وَنُعَجِّلَ فِطْرَنَا وَاَنْ نُّمْسِكَ بِاَیْمَانِنَا عَلٰی شَمَائِلِنَا فِیْ صَلٰوتِنَا۔(صحیح ابن حبان ص554.555 ذکر الاخبار عما یستحب للمرء، رقم الحدیث 1770)

4: عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَضَعَ یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ فِی الصَّلٰوۃِ تَحْتَ السُّرَّۃِ۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج3 ص322،321، وضع الیمین علی الشمال، رقم الحدیث 3959)

دلائل اہل السنت والجماعت

قرآن مع التفسیر:

روی الامام الحافظ ابو بکر الاثرم قال حدثنا ابو الولید الطیالسی قال حدثنا حماد بن سلمۃ عن عاصم الجحدری عن عقبۃ بن صبہان سمع علیا یقول فی قول اللہ عزوجل ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قال: وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ تحت السرۃ۔

(سنن الاثرم بحوالہ التمہید لابن عبد البر: ج8 ص164 تحت العنوان: عبد الکریم بن ابی المخارق)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

توثیقِ رواۃ:

1:امام ابو بکر الاثرم احمد بن محمد بن ہانی(م273ھ): ثقة، حافظ، له تصانیف.(تقریب التہذیب ص122رقم الترجمہ 103)

2:امام ابوالولید ہشام بن عبد الملک الباھلی الطیالسی (م227ھ): آپ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔" ثقة، ثبت"

(تقریب التہذیب ص603،رقم الترجمہ 7301)

3:حماد بن سلمہ (م167ھ): آپ صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں۔"شیخ الاسلام الحافظ صاحب السنة"

(تذکرۃ الحفاظ ج1ص151،رقم الترجمہ 197)

4:امام عاصم الجحدری (م129ھ): ثقة. (الجرح والتعدیل للرازی ج6ص؛456،رقم الترجمہ 11176)

5:امام عقبہ بن صہبان(م75ھ او82ھ): آپ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے راوی ہیں۔" ثقة".(تقریب التہذیب ص425رقم4640)

6:سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: صحابی رسول وداماد رسول ہیں۔

7:امام ابن عبد البر المالکی (م463ھ) آپ مشہور مالکی امام ہیں۔" شیخ الاسلام حافظ المغرب" (تذکرۃ الحفاظ ج3ص217)

تو یہ روایت "ثقة عن ثقة" سے مروی ہے۔لہذا اصول کی رو سے یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

اعتراض:

امام ابن عبد البر کی ولادت تقریباً سن 370 ہجری میں ہے اور امام ابو بکر الاثرم کی وفات سن 273 ہجری میں ہے، دونوں کے درمیان تقریباً 100 سال کا فاصلہ ہے تو یہ روایت منقطع ہوئی، لہذا حجت نہیں ؟

جواب:

اولاً...... امام ابن عبد البر نے یہ روایت امام ابو بکر الاثرم کی کتاب سے نقل کی ہے اس کے لئے اتصال ضروری نہیں جس طرح آج کوئی شخص صحیح البخاری سے دیکھ کر روایت ذکر کرے۔

ثانیاً...... امام ابن عبد البر نے اپنی کتاب "التمہید" میں کئی مقامات پر امام ابو بکر الاثرم تک سند کو ذکر فرمایا ہے۔ مثلا ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں:

اخبرنی عبد الله ابن محمد یحیی قال حدثنا عبد الحمید ابن احمد البغدادی قال حدثنا الخضر بن داؤد قال حدثنا ابو بکر الاثرم الخ

(التمہید لابن عبد البر: ج1ص78تحت باب الف فی اسماء شیوخ مالک الذین روی عنہم حدیث النبی علیہ السلام–ابراہیم بن عقبۃ)

تو امام ابن عبد البر سے لے کر امام ابو بکر الاثرم تک سند کا اتصال بھی موجود ہے۔لہذا یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

احادیث مرفوعہ:

حدیث نمبر1:

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُمَيْرٍ ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلاَةِ تَحْتَ السُّرَّةِ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج3ص321،322،وضع الیمین علی الشمال،رقم الحدیث3959)

اعتراض:

اس روایت میں تحت السرہ کا لفظ مدرج ہے، احناف نے خود یہ لفظ بڑھایا ہے ابن ابی شیبہ کے کئی نسخوں میں یہ لفظ نہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب:

تحت السرہ کا لفظ کئی نسخوں میں موجود ہے۔

1: نسخہ امام قاسم بن قطلوبغا الحنفی (درہم الصرہ ص82)

2: نسخہ شیخ محمد اکرم نصر پوری (درہم الصرہ ص82)

3: نسخہ شیخ عبد القادر مفتی مکہ مکرمہ (درہم الصرہ ص82)

4: نسخہ شیخ عابد سندھی: اس کا عکس مصنف ابن ابی شیبہ بتحقیق عوامہ ج3 میں موجود ہے۔

5: نسخہ قبہ محمودیہ (در الغرۃ ص24 بحوالہ تجلیات ج4 ص4)

6: امام محمد ہاشم سندھی فرماتے ہیں:

منها لفظة "تحت السرة" وقد وجدت هي في ثلاث نسخ من مصنف ابي بكر بن ابي شيبة (ترصیع الدرۃ ص4 و مصنف ابن ابی شیبہ بتحقیق عوامہ)

ترجمہ: ان میں ایک لفظ "تحت السرۃ" ہے، میں نے خود یہ لفظ مصنف ابن ابی شیبہ کے تین نسخوں میں پایا ہے۔

7: شیخ محمد عوامہ کی زیر نگرانی مدینہ منورہ سے 26 جلدوں میں طبع ہونے والی مصنف ابن ابی شیبہ میں "تحت السرۃ" کے الفاظ موجود ہیں۔

(دیکھیے مصنف ابن ابی شیبۃ: ج3 ص320 تا 322)

8: نسخہ شیخ محمد مرتضیٰ الزبیدی: اس کا عکس ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ بتحقیق عوامہ ج3

9: نسخہ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ فیصل آباد: (ج1 ص427 رقم 6 باب وضع الیمین علی الشمال)

لہٰذا "تحت السرۃ" کا لفظ مدرج نہیں بلکہ ابن ابی شیبہ کے اکثر نسخوں میں ثابت ہے۔

حدیث نمبر 2:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ ثَلَاثٌ مِّنْ اَخْلَاقِ الْاَنْبِيَاءِ- صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ- تَعْجِيْلُ الْاِفْطَارِ وَ تَاخِيْرُ السُّحُوْرِ وَوَضَعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ. (مسند زید بن علی ص: ص219 باب الافطار. رقم الحدیث 300)

فائدہ: یہ سند اہل بیت کی سند ہے۔

حدیث نمبر 3:

حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ زَيْدٍ السُّوَائِيِّ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: مِنْ سُنَّةِ الصَّلَاةِ وَضْعُ الْأَيْدِي عَلَى الْأَيْدِي تَحْتَ السُّرَرِ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج3 ص324، وضع الیمین علی الشمال، رقم الحدیث 3966)

فائدہ: صحابی جب "سنت" کا لفظ مطلق بولے تو مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوتی ہے۔ تصریحات ملاحظہ ہوں:

1: قال ابن الصلاح: وهكذا قول الصحابي: (من السنة كذا) فالأصح أنه مسند مرفوع لأن الظاهر أنه لا يريد به إلا سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم. (مقدمۃ ابن الصلاح: ص28)

2: قال الشافعي رضى الله عنه: واصحاب النبى صلى الله عليه وسلم لا يقولون بالسنةِ والحقِّ الا لسُنةِ رسولِ لله صلى الله عليه وسلم. (کتاب الام ج1 ص479)

3: وقال العيني: قول على (ان من السنة) هذا اللفظ يدخل فى المرفوع عندهم وقال أبو عمر فى التفصى واعلم أن الصحابى إذا أطلق اسم السنة فالمراد به سنة النبى صلى الله عليه وسلم. (عمدۃ القاری ج4 ص389)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

4: قال جمال الدین الزیلعی: وَاعْلَمْ أَنَّ لَفْظَةَ السُّنَّةِ يَدْخُلُ فِي الْمَرْفُوعِ عِنْدَهُم (نصب الرایۃ: ج1 ص393 باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلاۃ)

5: مبشر احمد ربانی غیر مقلد لکھتے ہیں: اور یہ بات اصول حدیث میں واضح ہے کہ جب صحابی کسی امر کے بارے میں کہے کہ یہ سنت ہے تو اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی ہوتی ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ج2 ص142)

شبہ:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی عبد الرحمن بن اسحاق الکوفی ہے جو کہ ضعیف ہے۔

جواب نمبر1:

محدثین کا اصول ہے کہ اگر کسی حدیث سے مجتہد استدلال کرلے وہ حدیث صحیح شمار ہوتی ہے:

1: علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

المجتهد اذا استدل بحديث كان تصحيحاً له. (التحریر لابن الہمام بحوالہ رد المحتار: ج7 ص83)

2: علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقد احتج بهذا الحديث احمد وابن المنذر وفي جزمهما بذالك دليل على صحته عندهما.

(التلخیص الجبیر لابن حجر، ج2، ص143 تحت رقم الحدیث 807)

3: محدث وفقیہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

في جزم كل مجتهد بحديث دليل على صحته عنده. (قواعد فی علوم الحدیث، ص58)

اس اصول کے تحت درج ذیل ائمہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جو دلیل ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

1: امام اسحاق بن راہویہ م238ھ (الاوسط لابن المنذر ج3 ص94)

2: امام احمد بن حنبل م241ھ (مسائل احمد بروایۃ ابی داود ص31)

3: امام ابو جعفر الطحاوی م321ھ (احکام القرآن للطحاوی ج1 ص187)

4: امام ابو بکر الجصاص الرازی م370ھ (احکام القرآن ج3 ص476)

5: امام ابو الحسین القدوری م428ھ (التجرید للقدوری ج1 ص479 باب وضع الیدین فی الصلاۃ)

6: امام ابو بکر السرخسی م490ھ (المبسوط للسرخسی ج1 ص24)

7: امام ابو بکر الکاسانی م578ھ (بدائع الصنائع ج1 ص469)

8: امام المرغینانی م593ھ (الہدایہ ج1 ص86)

9: علامہ ضیاء الدین المقدسی م643ھ (الاحادیث المختارہ ج3 ص387،386)

10: امام ابو محمد المنبجی م686ھ (اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب: ج1 ص247)

11: علامہ ابن القیم م751ھ (بدائع الفوائد: ج3 ص73)

جواب نمبر2:

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں: روایت کی تصحیح وتحسین اس کے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ (مقدمہ جزء رفع یدین: ص14 مترجم)

ہم ان محدثین وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے ان احادیث کو "صحیح" یا "حسن" کہا ہے جن میں راوی مذکور عبد الرحمن بن اسحاق ہے، تو مذکورہ قاعدہ کی رو سے یہ اس راوی کی توثیق ہوگی۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

1: امام ترمذی:حسن (جامع الترمذی رقم 3563)

2: امام حاکم:صحیح الاسناد (مستدرک حاکم رقم 1973 کتاب الدعاء والتکبیر)

3: امام ذہبی: صحیح الاسناد (مستدرک حاکم رقم 1973 کتاب الدعاء والتکبیر)

4: امام ضیاء الدین مقدسی: اخرج عنه (الاحادیث المختارہ ج3 ص387،386)

تنبیہ: علی زئی صاحب کے نزدیک ضیاء مقدسی کا کسی حدیث کی تخریج کرنا اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے۔(تعداد رکعت قیام رمضان ص23)

5:ناصر الدین البانی غیر مقلد: حسن (جامع الترمذی رقم 3563، باحکام الالبانی)

6:خود زبیر علی زئی نے عبد الرحمٰن بن اسحاق کی ایک روایت کو "حسن" کہا ہے۔ (جامع الترمذی: تحت رقم 3563، باحکام علی زئی)

جواب نمبر 3:

غیر مقلدین حضرات امام عبد الرحمٰن بن اسحاق پر جرح تو نقل کرتے ہیں لیکن جن محدثین نے ان کی تعدیل و توثیق کی ہے ان کا ذکر نہیں کرتے، لیجیے ان کی تعدیل و توثیق پیش خدمت ہے:

1:امام احمد بن حنبل:صالح الحدیث۔(مسائل احمد بروایۃ ابی داؤد ص31)

یاد رہے کہ "صالح الحدیث" الفاظِ تعدیل میں شمار کیا گیا ہے (قواعد فی علوم الحدیث ص249)

2:امام عجلی: ذکرہ فی الثقات۔(معرفۃ الثقات ج2 ص72)

3:امام ترمذی:اس کی حدیث کو "حسن" کہا۔(ترمذی رقم 3563)

4:امام مقدسی:اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا۔(الاحادیث المختارہ ج3 ص387،386)

5:امام بزار:صالح الحدیث (مسند بزار تحت حدیث رقم 696)

6:محدث عثمانی:اس کی حدیث "حسن" درجہ کی ہے۔(اعلاء السنن ج2 ص193)

یاد رہے کہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس راوی پر جرح بھی ہو اور محدثین نے اس کی تعدیل و توثیق بھی کی ہو تو اس کی حدیث "حسن" درجہ کی ہوتی ہے۔(قواعد فی علوم الحدیث: ص75)

تو اصولی طور پر یہ راوی حسن الحدیث درجے کا ہے، ضعیف نہیں۔ لہذا یہ روایت صحیح و حجت ہے اور اعتراض باطل ہے۔

حدیث نمبر 4:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ ثَلَاثٌ مِّنْ اَخْلَاقِ النُّبُوَّةِ تَعْجِیْلُ الْاِفْطَارِ وَ تَاْخِیْرُ السُّحُوْرِ وَوَضَعُ الْیَدِالْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی فِی الصَّلٰوۃِ تَحْتَ السُّرَّۃِ۔ (الجوہر النقی علی البیہقی ج2 ص32)

شبہ:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی سعید بن زَرْبی پر جرح ہے۔ لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب:

اولاً...... سعید بن زَرْبی پر اگرچہ کلام کیا گیا ہے لیکن شاہد اور مؤیدات کی بناء پر یہ روایت صحیح شمار ہوگی۔

شاہد: عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ: قَالَ ثَلَاثٌ مِّنْ اَخْلَاقِ الْاَنْبِیَاءِ - صَلَوَاتُ اللہِ وَسَلَامُہُ عَلَیْہِمْ - تَعْجِیْلُ الْاِفْطَارِ وَ تَاْخِیْرُ السُّحُوْرِ وَوَضَعُ الْکَفِّ عَلَی الْکَفِّ تَحْتَ السُّرَّۃِ۔ (مسند زید بن علی ص204،205، باب الافطار)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ثانیاً....... اس روایت کی معنوی تائید حدیثِ علی رضی اللہ عنہ اور حدیثِ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے بھی ہوتی ہے۔

(دیکھیے: مصنف ابن ابی شیبۃ، باب وضع الیمین علی الشمال، رقم الحدیث 3966، رقم الحدیث 3959)

ثالثاً....... جامع الترمذی کی ایک روایت کو ناصر الدین البانی صاحب غیر مقلد نے "صحیح" قرار دیا ہے اور اس میں یہی سعید بن زربی موجود ہے۔

(دیکھیے جامع الترمذی باحکام الالبانی: رقم 3544، باب خلق اللہ مائۃ رحمۃ، مکتبہ شاملہ)

خلاصہ یہ کہ یہ روایت مؤیدات اور شاہد کی بناء پر صحیح ہے۔ وللہ الحمد

احادیث موقوفہ:

1: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ زِيَادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ أَنَّ عَلِيًّا رضی اللہ عنہ قَالَ السُّنَّةُ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔

(سنن ابی داؤد: ج 1 ص 117 باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلوۃ)

2: عن ابی جحیفۃ عن علی قال ان من السنۃ فی الصلوۃ المکتوبۃ وضع الایدی علی الایدی تحت السرۃ۔

(الاحادیث المختارہ ج 2 ص 387 رقم الحدیث 772)

3: عن ابی جحیفۃ عن علی قال ان من السنۃ فی الصلوۃ وضع الاکف علی الاکف تحت السرۃ۔

(الاحادیث المختارہ ج 2 ص 386، 387 رقم الحدیث 771)

4: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ الْكُوفِيِّ عَنْ سَيَّارٍ أَبِي الْحَكَمِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَخْذُ الْأَكُفِّ عَلَى الْأَكُفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔

(سنن ابی داود ج 1 ص 117، التمہید لابن عبد البر: ج 8 ص 164)

احادیث مقطوعہ:

1: امام ابراہیم نخعی کے متعلق آتا ہے کہ:

انہ کان یضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری تحت السرۃ۔

(کتاب الآثار بروایۃ الامام محمد: جزء 1 ص 323 رقم الحدیث 121، مصنف ابن ابی شیبہ ج 3 ص 322 رقم 3960)

2: امام ابو مجلز:

حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ حَسَّانَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا مِجْلَزٍ، أَوْ سَأَلْتُهُ، قَالَ: قُلْتُ: كَيْفَ أَصْنَعُ؟ قَالَ: يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّ يَمِينِهِ عَلَى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهِ، وَيَجْعَلُهَا أَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 3 ص 323 رقم الحدیث 3963)

ائمہ مجتہدین:

1: امام اعظم فی الفقہاء امام ابو حنیفہ تابعی رحمہ اللہ (کتاب الآثار بروایت امام محمد ص 24)

2: امام سفیان ثوری: ثم یضع یدہ الیمنی علی رسغ الید الیسریٰ تحت السرۃ۔ (فقہ سفیان ثوری ص 561)

3: امام ابو یوسف القاضی (احکام القرآن للطحاوی ج 1 ص 185)

4: امام محمد بن حسن الشیبانی فرماتے ہیں:

ینبغی للمصلی اذا قام فی صلواتہ ان یضع باطن کفہ الیمنی علی رسغ الیسریٰ تحت السرۃ۔ (موطا امام محمد ص 160)

5: امام اسحاق بن راہویہ (شرح مسلم للامام النووی ج 1 ص 173)

6: امام احمد بن حنبل: وان کانت تحت السرۃ فلا باس بہ۔ (التمہید ج 8 ص 162 تحت العنوان: عبد الکریم بن ابی المخارق)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

غیر مقلدین کا ایک عمومی شبہ:

احناف ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو سنت کہتے ہیں لیکن ان کی عورتیں خلاف سنت نماز پڑھتی ہیں کیونکہ وہ سینہ پر ہاتھ باندھتی ہیں۔

جواب:

عورت کے بارے میں فقہاء کا اجماع ہے کہ وہ قیام کے وقت اپنے ہاتھ سینہ پر رکھے گی اور اجماع مستقل دلیل شرعی ہے۔

1: امام ابو القاسم ابراہیم بن محمد القاری الحنفی السمرقندی (م بعد 907) لکھتے ہیں:

وَالْمَرْاَۃُ تَضَعُ [یَدَیْہَا] عَلٰی صَدْرِھَا بِالْاِتِّفَاقِ. (مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق: ص 153)

2: سلطان المحدثین ملا علی قاری رحمہ اللہ (م 1014ھ) فرماتے ہیں:

وَالْمَرْاَۃُ تَضَعُ [یَدَیْہَا] عَلٰی صَدْرِھَا اِتِّفَاقًا لِاَنَّ مَبْنٰی حَالِہَا عَلَی السَّتْرِ۔ (فتح باب العنایۃ: ج1 ص 243 سنن الصلوۃ)

3: علامہ عبد الحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ (م 1304ھ) لکھتے ہیں:

وَاَمَّا فِیْ حَقِّ النِّسَاءِ فَاتَّفَقُوْا عَلٰی اَنَّ السُّنَّۃَ لَہُنَّ وَضْعُ الْیَدَیْنِ عَلَی الصَّدْرِ لِاَنَّہَا مَا اَسْتَرُ لَہَا۔ (السعایۃ ج2 ص 156)

غیر مقلدین کے دلائل کا علمی جائزہ

[۱]: عن ابی الْحُرَیْشِ الْکِلَابِیُّ حَدَّثَنَا شَیْبَانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَۃَ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ الْجَحْدَرِیُّ عَنْ أَبِیہِ عَنْ عُقْبَۃَ بْنِ صُھْبَانَ کَذَا قَالَ إِنَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ فِی ھٰذِہِ الآیَۃِ (فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ) قَالَ: وَضْعُ یَدِہِ الْیُمْنٰی عَلٰی وَسْطِ یَدِہِ الْیُسْرٰی، ثُمَّ وَضْعُھُمَا عَلٰی صَدْرِہِ.
(السنن الکبریٰ للبیہقی ج2 ص 30)

جواب:

اس روایت کی سند میں ایک راوی ابو الحریش الکلابی ہے جو کہ مجہول ہے اسی وجہ سے زبیر علی زئی نے لکھا ہے:

”ابو الحریش کا ثقہ و صدوق ہونا ثابت نہیں ہماری تحقیق میں یہ روایت بلحاظ سند ضعیف ہے۔“ (الحدیث شمارہ نمبر 7 ص 33)

[۲]: أَخْبَرَنَا أَبُو زَکَرِیَّا بْنُ أَبِی إِسْحَاقَ أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ بْنُ یَعْقُوبَ بْنِ الْبُخَارِیِّ أَخْبَرَنَا یَحْیَی بْنُ أَبِی طَالِبٍ أَخْبَرَنَا زَیْدُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ الْمُسَیَّبِ قَالَ حَدَّثَنِی عَمْرُو بْنُ مَالِکٍ النُّکْرِیُّ عَنْ أَبِی الْجَوْزَاءِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا فِی قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ (فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ) قَالَ: وَضْعُ الْیَمِینِ عَلَی الشِّمَالِ فِی الصَّلَاۃِ عِنْدَ النَّحْرِ۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص 31)

جواب:

اس روایت کی سند میں کئی راوی ایسے ہیں جو سخت ضعیف و مجروح ہیں:

1: یحییٰ بن ابی طالب

ان کے متعلق ائمہ کے اقوال درج ذیل ہیں:

1: قال موسی بن ھارون: اشھد انه یکذب۔ (تاریخ بغداد ج12 ص 203 رقم الترجمہ 7513)

2: قال الآجری: خط ابو داود سلیمان بن الاشعث علی حدیث یحییٰ بن ابی طالب۔

(تاریخ بغداد ج12 ص 203، لسان المیزان ج6 ص 263)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

2: روح بن المسیب

ان کے متعلق ائمہ کی آراء یہ ہیں:

1: قال ابن حبان: یروی عن الثقات الموضوعات ویقلب الاسانید ویرفع الموضوعات لاتحل الروایة عنه۔

(کتاب الضعفاء والمتروکین ابن جوزی ج1ص289 رقم الترجمہ 1251)

2: قال ابن عدی: احادیث غیر محفوظ۔ (الکامل فی الضعفاء ج3ص58 رقم الحدیث 664)

3: عمرو بن مالک النکری

اس کے متعلق ائمہ کی یہ آراء ہیں:

1: قال ابن عدی: منکر الحدیث عن الثقات ویسرق الحدیث ضعفه ابو یعلی الموصلی۔

(کتاب الضعفاء والمتروکین ابن جوزی ج2ص231 رقم الترجمہ 2575)

2: قال الحافظ ابن حجر: عمرو بن مالك یخطی ویغرب۔ (تہذیب التہذیب ج5ص86، رقم الترجمہ 6014)

3: ذکرہ الذہبی فی الضعفاء۔ (المغنی فی الضعفاء ج2ص151)

4: قال ابن عدی: ولعمرو غیرہ ذکرت احادیث منا کیر بعضها سرقها من قوم ثقات۔ (الکامل لابن عدی ج6ص258-259)

لہذا یہ روایت سخت ضعیف ہے جو کہ صحیح روایات کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

[۳]: أخبرنا أبو طاهر نا أبو بكر نا أبو موسى نا مؤمل نا سفيان عن عاصم بن كليب عن أبيه عن وائل بن حجر قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه و سلم ووضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره.

(صحیح ابن خزیمہ: ج1ص272، رقم الحدیث 479 باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ)

جواب نمبر 1:

اس کی سند میں ایک راوی "مؤمل بن اسماعیل" ہے جن پر بہت سارے ائمہ جرح وتعدیل نے کلام کیا ہے۔ ائمہ کی آراء ملاحظہ ہوں:

1: امام بخاری: منکر الحدیث۔

(المغنی فی الضعفاء للذھبی: ج2ص446، میزان الاعتدال للذھبی: ج4ص417، تہذیب التہذیب لابن حجر: ج6ص489)

2: امام ابوزرعہ الرازی: فی حدیثه خطاء کثیر۔ (میزان الاعتدال: ج4ص417 رقم 8445)

3: امام ابن حبان: ربما اخطأ۔ (تہذیب التہذیب: ج6ص489 رقم 2877)

4: امام ابن سعد: کثیر الغلط۔ (الطبقات الکبریٰ: ج5ص501)

5: امام عبد الباقی بن قانع البغدادی: یخطی۔ (تہذیب التہذیب: ج6 ص 490 رقم 8277)

6: امام ذہبی: ذکرہ فی الضعفاء۔ (المغنی فی الضعفاء ج2ص446)

7: امام ابو حاتم الرازی: صدوق کثیر الخطاء۔ (الجرح والتعدیل: ج8ص427 رقم 15016)

8: امام زکریا بن یحییٰ الساجی: کثیر الخطاء له اوهام یطول ذکرها۔ (تہذیب التہذیب: ج6 ص 490 رقم 8277)

9: امام محمد بن نصر المروزی: فإن هذا حديث لم يروه عن حماد بن زيد غير المؤمل وإذا انفرد بحديث وجب أن توقف ويتثبت فيه لأنه كان سيئ الحفظ كثير الغلط۔ (تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی: ص574)

10: یعقوب بن سفیان الفارسی: أن حديثه لا يشبه حديث أصحابه، حتى ربما قال: كان لا يسعه أن يحدث وقد يجب على أهل

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

العلم أن يقفوا عن حديثه، ويتخففوا من الرواية عنه، فإنه منكر يروي المناكير عن ثقات شيوخنا، وهذا أشد۔

(کتاب المعرفۃ والتاریخ: ج3 ص492)

11: امام دار قطنی: کثیر الخطاء۔ (سوالات الحاکم للدار قطنی: 492)

12: امام احمد بن حنبل: مؤمل کان یخطئ (سوالات المروزی: 53)

13: حافظ ابن حجر العسقلانی: صدوق سیئ الحفظ۔ (تقریب التہذیب: 7029 رقم 584)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: مؤمل بن إسماعيل في حديثه عن الثوري ضعف۔ (فتح الباری: ج9 ص297) کثیر الخطأ۔ (ج13 ص42)

اور یہ روایت بھی مؤمل عن الثوری کے طریق سے مروی ہے۔

14: علامہ ابن الترکمانی: دفن كتبه فكان يحدث من حفظه فكثر خطاءه۔ (الجوہر النقی: ج2 ص30)

15: علامہ نور الدین الہیثمی: آپ نے مجمع الزوائد میں مختلف مقام پر مؤمل پر کلام کیا ہے، چند یہ ہیں:

ضعفه البخاري۔ (تحت ح6532 باب کراہیۃ شراء الصدقۃ لمن تصدق بھا)

ضعفه البخاري وغيره۔ (تحت ح7385 باب نکاح المتعۃ)

ضعفه الجمهور۔ (تحت ح8068 باب فی حمر الاھلیۃ)

ضعفه جماعة۔ (تحت ح8563 باب ماجاء فی الصباغ)

ضعفه البخاري وغيره۔ (تحت ح8917 باب الخلفاء الاربعۃ)

علامہ الہیثمی کے اس مجموعی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مؤمل بن اسماعیل "ضعیف عند الجمہور" ہے۔

حتی کہ خود غیر مقلدین نے بھی اس پر کلام کیا یا دیگر حضرات کا کلام نقل کیا۔ چنانچہ ناصر الدین البانی صاحب نے اس پر جرح کی اور کہا:

ضعيف لسوء حفظه و كثرة خطإه۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ج2 ص293)

اور اس سند کے بارے میں کہا: اسناده ضعيف لان مؤملا وهو ابن اسماعيل سيئ الحفظ.

(حاشیہ ابن خزیمہ ج1 ص272 باب فی الخشوع فی الصلاۃ)

نیز محمد عبد الرحمٰن مبارکپوری غیر مقلد نے امام بخاری اور حافظ ابن حجر کا کلام نقل کر کے اس کا مؤمل کا ضعیف ہونا ثابت کیا۔

(دیکھیے تحفۃ الاحوذی: ج6 ص67)

عبد الرؤف بن عبد الحنان سندھو غیر مقلد نے لکھا:

"یہ سند ضعیف ہے کیونکہ مؤمل بن اسماعیل سئ الحفظ ہے جیسا کہ ابن حجر نے تقریب (۲/ ۹۰) میں کہا ہے۔ ابو زرعہ نے کہا ہے کہ یہ بہت غلطیاں کرتا ہے۔ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حافظ عالم ہے مگر غلطیاں کرتا ہے۔ میزان (۴/ ۲۲۸)"

(القول المقبول فی شرح و تعلیق صلاۃ الرسول از عبد الرؤف بن عبد الحنان غیر مقلد: ص340)

جواب نمبر 2:

اس روایت کے راوی امام سفیان ثوری ہیں جو خود ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں۔ (فقہ سفیان الثوری ص 561)

اور جب راوی کا اپنا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت قابل عمل نہیں ہوتی کیونکہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے:

عمل الراوي بخلاف روايته بعد الرواية مما هو خلاف بيقين يسقط العمل به عندنا۔ (المنار مع شرحہ ص190)

لہذا یہ روایت ساقط العمل ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

[۴]: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي سِمَاكٌ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ وَرَأَيْتُهُ قَالَ يَضَعُ هَذِهِ عَلَى صَدْرِهِ. (مسند احمد ج16 ص152 رقم 21864)

جواب نمبر 1:

اولا......... اس میں ایک راوی سماک بن حرب ہے جس پر بہت سارے ائمہ نے کلام کیا ہے۔

1: امام شعبہ بن الحجاج: کان شعبۃ یضعفہ۔ (تاریخ بغداد: ج7 ص272 رقم الترجمۃ 4791)

2: امام احمد بن حنبل: سماك مضطرب الحدیث۔ (الجرح والتعدیل: ج4 ص279)

3: امام صالح جزرہ: یضعف۔ (میزان الاعتدال ج2 ص216)

4: محمد بن عبد اللہ بن عمار الموصلی: یقولون انہ کان یغلط ویختلفون فی حدیثہ۔ (تاریخ بغداد: ج7 ص272 رقم 4791)

5: امام عبد اللہ بن المبارک: سماك ضعیف فی الحدیث۔ (تہذیب الکمال: ج8 ص131، تہذیب ج3 ص67)

6: امام عبد الرحمٰن بن یوسف بن خراش: فی حدیثہ لین۔ (تاریخ بغداد: ج7 ص272 رقم 4791)

7: امام ابن حبان: یخطئ کثیراً۔ (تہذیب ج3 ص67-68، کتاب الثقات: ج4 ص339)

8: امام سفیان الثوری: کان الثوری یضعفہ بعض الضعف۔ (تاریخ الثقات: رقم 621، تاریخ بغداد: ج9 ص216)

9: امام بزار: وکان قد تغیر قبل موتہ۔ (تہذیب ج3 ص68)

10: امام عقیلی: ذکرہ فی الضعفاء۔ (الضعفاء الکبیر للبیہقی ج2 ص178)

11: امام ذہبی: ذکرہ فی الضعفاء۔ (المغنی للذہبی ج1 ص448)

12: امام ابن الجوزی: ذکرہ فی الضعفاء۔ (الضعفاء والمتروکین لابن جوزی ج2 ص26)

13: امام نسائی: وَسِمَاكٌ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ وَكَانَ يَقْبَلُ التَّلْقِينَ۔ (سنن النسائی: تحت ح5693 باب ذکر الأخبار التي اعتل بها من أباح شراب السکر)
ایک مقام پر فرمایا: اذا انفرد بأصل لم یکن بحجۃ لانہ کان یلقن فیتلقن۔

(میزان الاعتدال ج2 ص216، تحفۃ الاشراف للمزی: ج5 ص137، 138)

14: امام ابو القاسم الکعبی م319ھ نے سماک کو "باب فیہ ذکر من رموہ بانہ من اھل البدع واصحاب الاھواء" کے تحت ذکر کیا ہے۔
(دیکھئے قبول الاخبار ومعرفۃ الرجال ج2 ص381-390)

ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ سماك بن حرب جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

ثانیاً......... علی زئی غیر مقلد نے ایک مقام پر لکھا:

"جو راوی کثیر الخطاء، کثیر الاوہام، کثیر الغلط اور سیئ الحفظ ہو اس کی منفرد حدیث ضعیف ہوتی ہے۔" (نور العینین: ص63)

اور سماک بن حرب بھی ضعیف، مضطرب الحدیث، خطاکار، لیس بالقوی (کما تقدم) ہونے کے ساتھ ساتھ بقول امام نسائی جب کسی روایت میں منفرد ہو تو حجت نہیں۔ (میزان الاعتدال ج2 ص216، تحفۃ الاشراف للمزی: ج5 ص137، 138)

اور اس روایت میں یہ منفرد ہے۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے اور تحت السرہ والی صحیح روایات کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

جواب نمبر 2:

حدیث ھلب طائی درج ذیل کتب میں کئی طرق سے موجود ہے:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

1: مصنف ابن ابی شیبہ (ج3 ص317 باب وضع الیمین علی الشمال. رقم الحدیث 3955)

2: مسند احمد بن حنبل (ج16 رقم الحدیث 21865، 21866، 21868، 21871، 21872، 21873)

3: مسند احمد بن منیع (بحوالہ اتحاف الخیرۃ المہرۃ: ج2 ص402 رقم الحدیث 1803)

4: سنن الترمذی (ج1 ص59 باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ)

5: مختصر الاحکام للطوسی (ص107 باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ)

6: سنن ابن ماجہ (ج1 ص58 باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ)

7: سنن الدارقطنی (ج1 ص288 باب فی اخذ الشمال بالیمین فی الصلاۃ)

8: السنن الکبریٰ للبیہقی (ج2 ص29 باب وضع الید الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ)

9: التمہید لابن عبد البر (ج8 ص160 تحت العنوان: عبد الکریم بن ابی المخارق)

10: الاستذکار لابن عبد البر (ج2 ص290)

11: شرح السنۃ للبغوی (ج2 ص193 رقم الحدیث 571)

12: التحقیق لابن الجوزی (ج1 ص338 رقم الحدیث 435)

لیکن ان میں کسی بھی طریق میں "علی صدرہ" کے الفاظ نہیں ہیں۔ ثابت ہوا کہ مسند احمد کی مذکورہ روایت میں یہ الفاظ سماک بن حرب (ضعیف) کی وجہ سے زائد ہوئے ہیں جو کہ صحیح روایات کے مقابلے میں حجت نہیں۔

[۵]: عَنْ طَاوُسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى ثُمَّ يَشُدُّ بَيْنَهُمَا عَلَى صَدْرِهِ وَهُوَ فِي الصَّلاَةِ.

(صلاۃ الرسول از صادق سیالکوٹی: ص188، رسول اکرم کی نماز از اسماعیل سلفی: ص67 بحوالہ مراسیل ابی داؤد)

جواب نمبر 1:

اس کی سند میں ایک راوی "سلیمان بن موسیٰ" ہے۔ اس پر بہت سے ائمہ نے زبردست جرح کی ہے۔

1: امام بخاری: عندہ مناکیر۔ (الضعفاء الصغیر للبخاری ص55، 56)

2: امام نسائی: لیس بالقوی فی الحدیث (الضعفاء والمتروکین للنسائی ص186)

3: امام عقیلی: ذکرہ فی الضعفاء۔ (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج2 ص140)

4: امام ابو حاتم الرازی: فی حدیثہ بعض الاضطراب۔ (الجرح والتعدیل: ج4 ص135 رقم 5734)

5: امام ذہبی: ذکرہ فی الضعفاء۔ (المغنی فی الضعفاء ج1 ص445)

6: حافظ ابن حجر: فی حدیثہ بعض لین وخولط قبل موتہ بقلیل (تقریب: ص289 رقم 2616)

7: امام علی بن المدینی: سلیمان بن موسی مطعون علیہ (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج2 ص140)

لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب نمبر 2: (الزامی) یہ روایت مرسل ہے اور مرسل غیر مقلدین کے ہاں ضعیف ہوتی ہے۔ لہذا اس کو پیش کرنا خود غیر مقلدین کے اصول پر بھی درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زبیر علی زئی غیر مقلد نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے: "ہمارے نزدیک یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔" (نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام: ص24 از علی زئی)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ آمین بالسر

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت والجماعت:

جب کوئی شخص سورۃ فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہو جائے تو آمین کہے ۔ آمین آہستہ کہنا سنت ہے، چاہے وہ شخص امام ہو، مقتدی ہو یا منفرد۔
(الدر المختار علی حامش رد المحتار ج2 ص237، فتاوی العالمگیریہ ج1 ص82)

مذہب غیر مقلدین:

آمین سورۃ فاتحہ کے تابع ہے۔ جب فاتحہ آہستہ پڑھی جائے تو آمین بھی آہستہ کہی جائے اور جب فاتحہ بلند آواز سے پڑھی جائے تو آمین بھی بلند آواز سے کہی جائے۔ امام اور مقتدی کا یہی حکم ہے، البتہ اکیلے نماز پڑھنے والا آمین آہستہ کہے گا۔ لہذا ظہر اور عصر میں آمین آہستہ کہی جائے اور فجر، مغرب اور عشاء میں بلند آواز سے۔ آہستہ آمین کہنے کی کوئی صحیح صریح حدیث نہیں۔
(صلاۃ الرسول از صادق سیالکوٹی ص158، 164، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز از ابو حمزہ ص183، صلاۃ المصطفیٰ از محمد علی جانباز ص171 وغیرہ)

فائدہ: بعض غیر مقلدین نے اپنی کتب میں بلند آواز سے آمین کہنے کا اثبات کرتے ہوئے باقاعدہ عنوان قائم کیے ہیں کہ "یہودی آمین سے چڑتے ہیں۔" (صلاۃ المصطفیٰ از محمد علی جانباز ص169)

دلائل اہل السنت والجماعت

قرآن کریم:

دلیل: آمین دعا ہے یا اللہ تعالیٰ کا نام، ہر دو صورت میں آہستہ کہنا چاہیے۔

☆ آمین دعا ہے:

(1): قال عزوجل: قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَانِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ (سورۃ یونس:89)

تفسیر: اخرج ابو الشیخ عن ابی ہریرۃ قال کان موسیٰ علیہ السلام اذا دعا امن ھارون علیہ السلام علیٰ دعائہ یقول اٰمین۔
(تفسیر الدر المنثور للسیوطی ج3 ص567)

(2): قال عطا, آمین دعا (صحیح البخاری ج1 ص107)

اور دعا میں اصل یہ ہے کہ آہستہ کی جائے:

قال عزوجل: اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً۔ (سورۃ الاعراف:55)

☆ "آمین" اللہ تعالیٰ کا نام ہے:

عن ابی ھریرۃ و مجاھد وحکیم ابن جعفر وھلال بن یساف قالوا اٰمین اسم من اسما, اللہ تعالیٰ,
(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2 ص316 رقم:15، 16، 17، 18 ماذکروا فی آمین ومن کان یقولھا، مصنف عبد الرزاق ج2 ص64 رقم:2652، 2653، باب آمین)

ذکر اللہ میں اصل سر ہے:

قال عزوجل: وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ۔ (سورۃ الاعراف:205)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

فائدہ: جو بات ہم نے بیان کی ہے یہی بات امام فخر الدین الرازی الشافعی رحمہ اللہ م606ھ نے فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

قال ابوحنيفة رحمة الله عليه اخفاء التأمين افضل ،وقال الشافعي رحمة الله عليه اعلانه افضل ،واحتج ابوحنيفة رحمة الله عليه علیٰ صحة قوله قال فی قوله اٰمین وجهان ؛احدهما : انه دعاء ،والثانی: انه من اسماء الله تعالیٰ ،فان کان دعاء وجب اخفاءه لقوله تعالیٰ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً الخ وان کان اسما من اسماء الله تعالیٰ وجب اخفاءه لقوله تعالیٰ: وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً الاية فان لم يثبت الوجوب فلا اقل من الندبية ونحن نقول بهذا القول.

(التفسیر الکبیر: ج14 ص131 تحت قولہ: اُدْعُوا رَبَّكُمْ)

احادیث مبارکہ

احادیث مرفوعہ:

دلیل 1:

قد روى الامام الحافظ المحدث ابوداؤد الطيالسي م204ه قال : حدثنا شعبة ، قال : أخبرني سلمة بن كهيل ، قال : سمعت حجرا أبا العنبس ، قال : سمعت علقمة بن وائل ، يحدث عن وائل ، وقد سمعته من وائل ، أنه صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم فلما قرأ (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) قال : « آمين » خَفَضَ بها صوته.

(مسند ابوداؤد الطیالسی ج1 ص577 رقم: 1117، مسند احمد ج14 ص285 رقم: 18756)

وقال الحاکم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه.

قال الذهبي: على شرط البخاري ومسلم.

(مستدرک علی الصحیحین ج2 ص608 رقم: 2968 باب قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اعتراض:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ، امام ابوزرعہ رازی، امام دار قطنی، امام بیہقی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ امام شعبہ اس حدیث میں غلطی کا شکار ہوئے ہیں کہ اس میں راوی حجر ابو السکن ہے لیکن امام شعبہ رحمہ اللہ نے حجر ابو العنبس بیان کیا ہے۔ هکذا قال الترمذی فی جامعه (ج1 ص168 باب ماجاء فی التامین)

جواب نمبر 1:

امام شعبہ صحیحین اور سنن اربعہ کے حافظ، متقن، امیر المؤمنین فی الحدیث اور ثقہ بالاجماع راوی ہیں۔

(التقریب لابن حجر ص301 رقم الترجمہ 2790 وغیرہ)

اور ثقہ راوی کی زیادتی فی السند والمتن عند الجمہور فقہاء ومحدثین مقبول ہے۔

والزیادۃ مقبولۃ، (صحیح البخاری ج1 ص201 باب العشر فیما یسقی من ماء السماء والماء الجاری)

أن الزیادۃ من الثقة مقبولة (مستدرک علی الصحیحین ج1 ص307 کتاب العلم)

لہذا امام شعبہ رحمہ اللہ کا حجر ابو العنبس کہنا زیادتی ثقہ ہونے کی وجہ سے مقبول ہے، غلطی نہیں ہے۔

جواب نمبر 2:

امام حجر ابو العنبس الکوفی رحمہ اللہ کی دو کنیتیں ہیں۔ 1: ابو العنبس 2: ابو السکن

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

(1)قال الامام ابن ابی حاتم رازی م 327ھ: حجر بن عنبس ابو السکن ویقال ابو العنبس شیخ کوفی مشھور.

(الجرح والتعدیل: ج3ص278رقم الترجمہ 3483)

(2)قال الامام ابن حبان م354ھ: حجر بن العنبس ابوالسکن الکوفی وھو الذی یقال لہ حجر ابو العنبس یروی عن علی ووائل بن حجر روی عنہ سلمۃ بن کھیل۔ (کتاب الثقات لابن حبان ج4ص177)

(3)قال الامام ابن حجر العسقلانی م852ھ: حجر بن العنبس الحضرمی ابو العنبس ویقال ابو السکن الکوفی۔

قلت[ابن حجر]: وبھذا جزم ابن حبان فی الثقات ان کنیتہ کاسم ابیہ ولکن قال البخاری ان کنیتہ ابوالسکن ،ولا مانع ان یکون لہ کنیتان۔ (تہذیب التہذیب ج1ص677، التلخیص الجبیر ج1ص237)

لہذا امام شعبہ پر وہم کا اعتراض باطل ہے۔

جواب نمبر3:

امام شعبہ "حجر ابو العنبس" کہنے میں منفرد نہیں بلکہ امام سفیان ثوری بھی ان کی متابعت تامہ کر رہے ہیں۔امام سفیان الثوری بھی سلمۃ بن کھیل سے روایت کرتے ہوئے حجر ابو العنبس کہتے ہیں۔امام ابو داؤد رحمہ اللہ سند بیان کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ حُجْرٍ أَبِي الْعَنْبَسِ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ.

(سنن ابی داؤد ج1ص141،142باب التامین وراء الامام)

تنبیہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے امام داؤد والی سند سے اس حدیث کو تخریج کیا ہے جو ایک طریق سے سفیان ثوری سے روایت ہے۔لیکن یہاں پر انہوں نے تدلیساً ابو العنبس کو گرا دیا ہے۔چنانچہ بیان کرتے ہیں: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ و قبیصۃ قالا حدثنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ حُجْرٍ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ الخ (جزء القراۃ للبخاری مترجم از مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی ص171رقم الحدیث 235)

لہذا یہ اعتراض باطل ہے۔

دلیل2:

وقد روی الامام الحافظ المحدث ابوداؤد السجستانی م 275ھ قال حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ سَمُرَةَ بْنَ جُنْدُبٍ وَعِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ تَذَاكَرَا فَحَدَّثَ سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ أَنَّهُ حَفِظَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلی اللہ علیہ وسلم- سَكْتَتَيْنِ سَكْتَةً إِذَا كَبَّرَ وَسَكْتَةً إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ)

(سنن ابی داؤد: ج1ص113باب السکتۃ عند الافتتاح، جامع الترمذی ج1ص59باب ماجاء فی السکتتین، سنن ابن ماجہ ص61باب ماجاء فی سکتتی الامام)

اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین۔

احادیث موقوفہ ومقطوعہ:

دلیل نمبر1:

قد روی الامام الحافظ المحدث الفقیہ ابوجعفر الطحاوی م321ھ: قال حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ شُعَيْبٍ الْكَيْسَانِيُّ قَالَ: ثنا عَلِيُّ بْنُ مَعْبَدٍ قَالَ: ثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا لَا يَجْهَرَانِ بِـ {بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} وَلَا بِالتَّعَوُّذِ وَلَا بِالتَّأْمِينِ.

(سنن الطحاوی ج1ص150باب قراءۃ بسم اللہ فی الصلاۃ، تہذیب الآثار لابن جریر بحوالہ الجوہر النقی علی سنن البیہقی ج2ص58باب جہر الامام بالتامین)

اسنادہ حسن ورواتہ ثقات۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر 2:

عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ وَابْنُ مَسْعُودٍ لا يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَلا بِالتَّعَوُّذِ وَلا بِآمِينَ.

(المعجم الکبیر ج4ص566،567،رقم 9201،،الجوہر النقی علی سنن البیہقی ج2ص58باب جہر الامام بالتامین، المحلی بالآثار ج2ص280مسئلہ نمبر 363)

اسنادہ حسن ورواتہ ثقات۔

دلیل 3:

قد روی الامام الحافظ المحدث الفقیہ محمد بن حسن الشیبانی قال اخبرنا ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم النخعی قال: اربع يُخَافِتُ بِهِنَّ الامامُ؛ سبحانك اللهم وتعوذ من الشيطان وبسم الله وآمين۔

(کتاب الآثار بروایۃ محمد ج1ص162رقم83باب الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم، کتاب الآثار بروایۃ ابی یوسف ص21،22رقم106باب افتتاح الصلوٰۃ، مصنف عبد الرزاق ج2ص57رقم2599باب ما یخفی الامام)

اسنادہ صحیح ورواتہ ثقات۔

اکثر صحابہ کا عمل:

قد قال الامام الحافظ المحدث علاء الدين بن علي بن عثمان ابن التركماني م745ھ : والصواب ان الخبر بالجهر بها والمخافة صحيحان وعمل بكل مِّنْ فِعْلَيْهِ جماعةٌ من العلماء وان كنتُ مختاراً خفضَ الصوتِ بها إذ كان اكثرُ الصحابةِ والتابعينَ على ذلك۔ (الجوہر النقی علی سنن البیہقی: ج2ص58باب جہر الامام بالتامین)

ائمہ مجتہدین:

یہ حضرات مجتہدین رحمہم اللہ آمین بالسر کے قائل تھے۔

1:امام اعظم ابو حنیفہ 150ھ:

اربع يخافت بهن الامام سبحانك اللهم ،وتعوذ من الشيطان ،وبسم الله وآمين قال محمد: وبه نأخذ وهو قول ابي حنيفة رحمه الله.

(کتاب الآثار بروایۃ محمد ج1ص162رقم83باب الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم)

2:امام سفیان الثوری م161ھ:

قال الامام سفيان الثوری رحمه الله:ثم يقول آمين سراً سواء كان اماماً اومأموماً او منفرداً.

(فقہ سفیان الثوری ص561باب افعال الصلوٰۃ)

3:امام محمد بن الحسن الشیبانی م189ھ:

اربع يخافت بهن الامام سبحانك اللهم ،وتعوذ من الشيطان ،وبسم الله وآمين قال محمد: وبه نأخذ.

(کتاب الآثار بروایۃ محمد ج1ص162رقم83باب الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم)

4: امام محمد بن ادریس الشافعی م204ھ:

قال الشافعي في الجديد ان المنفرد والامام والمأموم كل منهم يسر بآمين جهريةً كانت الصلوة اوسريةً.

(السعایۃ بحوالہ اوجز المسالک ج2ص145 باب ماجاء فی التامین خلف الامام)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلائلِ غیر مقلدین اور ان کا جواب

دلیل 1:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ حُجْرٍ أَبِي الْعَنْبَسِ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ. (سنن ابی داؤد ج1 ص134، 135 باب التامین)

جواب 1:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی سفیان ثوری ہے جو کہ بقول زبیر علی زئی غضب کا مدلس ہے اور مدلس کا عنعنہ صحت حدیث کے لئے مانع ہے۔ اور مدلس کا حکم یہ ہے کہ اس کی روایت بغیر تصریح سماع کے قابل عمل نہیں (نور العینین ص138، 139، 148)

لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب 2:

اس روایت کے ایک راوی امام سفیان ثوری ہیں اور آپ اخفاءِ آمین کے قائل تھے۔ (فقہ سفیان الثوری: ص561)

اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے:

عمل الراوی بخلاف روایته بعد الروایة مما هو خلاف بیقین یسقط العمل به عندنا۔ (المنار مع شرحہ ص194)

کہ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس روایت سے عمل کو ساقط کر دیتا ہے۔ لہٰذا یہ روایت منسوخ ہے۔

جواب 3:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل برائے تعلیم تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی عادت نہ تھی، جیسا کہ اس روایت سے واضح ہوتا ہے:

روی الامام الحافظ المحدث ابو بشر الدولابی الحنفی م **310ھ**: قال حدثنا الحسن بن علی بن عفان قال حدثنا الحسن بن عطیة قال أنبأنا یحییٰ بن سلمة بن کهیل عن ابیه عن ابی السکن حجر بن عنبس الثقفی قال سمعت وائل بن حجر الحضرمی یقول رأیت رسول الله ﷺ حین فرغ من الصلوة حتی رأیت خده من هذا الجانب ومن هذا الجانب وقرأ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقال اٰمین یمد بها صوته ما اراه الا یعلمنا۔ (الکنیٰ والاسماء للدولابی ج1 ص441، 442 رقم: 1558)

اسناده حسن ورواته ثقاة۔

جواب 3 پر اعتراض:

اس کی سند میں یحییٰ بن سلمة بن کهیل ضعیف راوی ہے۔

جواب:

امام یحییٰ بن سلمة بن کهیل الکوفی م172 او 179ھ جامع الترمذی اور صحیح ابن خزیمہ کا مختلف فیہ راوی ہے۔ بعض ائمہ نے جرح کی ہے تو بعض نے ان کی توثیق و تعدیل بھی کی ہے۔ تعدیل و توثیق پیش خدمت ہے:

1: امام ابن حبان: ذکرہ فی الثقات۔ (کتاب الثقات لابن حبان ص655 رقم الترجمہ 11630)

2: امام ابن خزیمہ: "صحیح ابن خزیمہ" میں ان کے طریق سے مروی روایت سے وضع الیدین قبل الرکبتین کے نسخ پر احتجاج کیا ہے۔
(صحیح ابن خزیمہ ج1 ص243 رقم 628 باب ذکر الدلیل علی أن الأمر بوضع الیدین قبل الرکبتین عند السجود منسوخ)

معلوم ہوا کہ یہ راوی امام ابن خزیمہ کے ہاں بھی ثقہ ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

3: امام حاکم: قال هذا حديث صحيح الاسناد. (وفیہ یحیی بن سلمۃ بن کھیل). (المستدرک علی الصحیحین: ج2ص608 تحت رقم الحدیث 2928)

☆ خود غیر مقلدین کے ناصر الدین الالبانی نے ترمذی کی ایک روایت کو "صحیح" کہاہے اور اس میں یہی "یحیی بن سلمۃ بن کھیل" موجود ہے۔ (راجع جامع الترمذی باحکام الالبانی: تحت رقم الحدیث 3805)

محدثین کے ہاں جو راوی مختلف فیہ ہو اس کی روایات حسن درجہ کی ہوتی ہیں۔ (فتح المغیث: ج3ص359، قواعد فی علوم الحدیث: ص75)

لہذا یہ روایت حسن ہے۔

دلیل 2:

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْحَكَمِ عَنْ شُعَيْبٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي هِلَالٍ عَنْ نُعَيْمٍ الْمُجْمِرِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَرَأَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ثُمَّ قَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ حَتَّى إِذَا بَلَغَ { غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ فَقَالَ النَّاسُ آمِين.

(سنن النسائی ج1ص144 قِرَاءَةُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)

جواب 1:

اس کی سند میں محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم ہے، امام ربیع بن سلیمان الشافعی نے اسے "کذاب" کہاہے۔ (تہذیب التہذیب: ج5ص671)

جواب 2:

اس روایت میں جہر کے الفاظ نہیں اور "قال"، "قیل" اور "قول" وغیرہ سے جہر ثابت نہیں ہوتا۔ اگر ان الفاظ سے جہر ثابت ہوتا تو کیا:

أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ مِنْ الْمَكْتُوبَةِ وَغَيْرِهَا فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ فَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَقُولُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ. (صحیح البخاری: ج1ص110 بَاب يَهْوِي بِالتَّكْبِيرِ حِينَ يَسْجُدُ)

اس روایت سے جہر ثابت ہوتاہے، کیا غیر مقلدین "ربنا لك الحمد" میں جہر کرتے ہیں؟ لہذا یہ روایت آمین بالجہر کی دلیل نہیں۔

دلیل 3:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ رَافِعٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَمِّ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ تَرَكَ النَّاسُ التَّأْمِينَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ { غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ } قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَهَا أَهْلُ الصَّفِّ الْأَوَّلِ فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدُ. (سنن ابن ماجہ: ص62 باب الجہر بآمین)

کہ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ عوام الناس نے آمین چھوڑ دی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" کہتے تو آمین اتنی بلند آواز سے کہتے کہ پہلی صف کے نمازی آپ کی آواز سن لیتے۔ پس مسجد اس آواز سے گونج اٹھتی۔

جواب 1:

اس کی سند میں ایک راوی بشر بن رافع ہے، ائمہ حدیث نے اسے ضعیف و مجروح قرار دیاہے۔ مثلاً:

يحدث بالمناكير ، ليس بشئي ،ضعيف في الحديث ،لا يتابع في حديثه ،يضعف في الحديث ،منكر الحديث، لا نرىٰ له حديثاً قائماً، اتفقوا علىٰ انكار حديثه،طرح ما رواه، ترك الاحتجاج به، لا يختلف علماءُ الحديث في ذلك.

اور بتصریح ابن حبان ان سے موضوع حدیث بھی آئی ہے۔ (تہذیب لابن حجر: ج1ص421 رقم الترجمہ 825)

لہذا یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب 2:

مسجد نبوی کی چھت چھڑیوں کی تھی اور ایسی مسجد میں آواز گونجا نہیں کرتی۔ تو یہ الفاظ بھی اس کے ضعف پر دلالت کرتے ہیں۔

جواب 3:

اس روایت میں "ترك الناس التامين" کا جملہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ آمین بالجہر متروک ہے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی سنت کو صحابہ اور تابعین کیسے چھوڑ سکتے تھے؟! رہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو پیش کرنا تو یہ بیان واقعی کے لیے تھا اور اس میں بھی جو آمین جہراً کا ذکر ہے وہ بطور تعلیم کے ہے۔ (جیسا کہ الکنیٰ والاسماء للدولابی کے حوالے سے گزر چکا ہے)

دلیل 4:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَهُوَ ابْنُ الْعَلَاءِ الزُّبَيْدِيُّ، حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَالِمٍ، عَنِ الزُّبَيْدِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، وَسَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ أُمِّ الْقُرْآنِ رَفَعَ صَوْتَهُ، قَالَ: آمِينَ.»۔ (صحیح ابن خزیمہ: ج1 ص313 باب الجہر بآمین عند انقضاء فاتحۃ الکتاب)

جواب 1:

اس روایت میں ایک راوی اسحاق بن ابراہیم الزبیدی ہے۔ ائمہ نے اس پر جرح کی ہے۔ مثلاً:

ليس بثقه، يكذب، ليس بشئ، كذبه محدث حمص محمد بن عوف الطائی۔

(تہذیب التہذیب: ج1 ص205 رقم الترجمہ 406، میزان الاعتدال: ج1 ص190 رقم الترجمہ 691، المغنی فی الضعفاء: ج1 ص106 رقم الترجمہ 540)

لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب 2:

اس روایت کی سند میں دوسرا راوی امام زہری ہے جو کہ بقول زبیر علی زئی کے مدلس ہے۔ (نور العینین: ص118، الحدیث ش32 ص23)

اور مدلس بھی طبقہ ثالثہ کا ہے۔ (طبقات المدلسین لابن حجر: ص:109)

اور زبیر علی زئی نے تصریح کی ہے کہ مدلس کا عنعنہ صحت حدیث کے منافی ہوتا ہے۔ (نور العینین: ص:168)

خود زبیر علی زئی نے اس حدیث کے تحت لکھا: "میری تحقیق میں راجح یہی ہے کہ امام زہری مدلس ہیں۔ لہٰذا یہ سند ضعیف ہے" (القول المتین: 26)

جواب 3:

صحیح ابن خزیمہ کے حاشیہ پر مشہور غیر مقلد ناصر الدین البانی کے حوالہ سے لکھا ہے: اسناده ضعيف۔

(صحیح ابن خزیمہ: ج1 ص313 باب الجہر بآمین عند انقضاء فاتحۃ الکتاب)

دلیل نمبر 5:

أخبرنا أبو طاهر نا أبو بكر نا محمد بن يحيى نا أبو سعيد الجعفي حدثني ابن وهب أخبرني أسامة - وهو ابن زيد - عن نافع عن ابن عمر كان: إذا كان مع الإمام يقرأ بأم القرآن فأمن الناس أمن ابن عمر ورأى تلك السنة۔

(صحیح ابن خزیمہ: ج1 ص313، ص314 رقم الحدیث 572)

جواب 1:

اس روایت کی سند میں راوی ابو سعید یحییٰ بن سلیمان الجعفی ہے. اس پر ائمہ نے جرح کی ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

قال النسائی: لیس بثقة ،و قال ابن حبان: ربما اغرب، و قال ابن حجر :صدوق یخطی وله احادیث منا کیر

(تہذیب لابن حجر: ج7ص54رقم الترجمہ 8858، تقریب لابن حجر: ص620رقم الترجمہ 7564، المغنی فی الضعفا: ج2ص518رقم الترجمہ 6984)

اور دوسرا راوی اسامہ بن زید اللیثی ہے۔ یہ بھی مجروح ہے۔

قال الامام احمد بن حنبل: لیس بشی ،احادیثه منا کیر ، وقال یحیی بن معین : ضعیف ،وقال ابو حاتم: لا یحتج به، وقال النسائی: لیس بقوی ،وقال ابن حبان : یخطیء ،وتر که ابن القطان .(تہذیب لابن حجر: ج1 ص199رقم الترجمہ 392)

لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب 2:

مشہور غیر مقلد ناصر الدین البانی نے حاشیہ ابن خزیمہ پر تصریح کی ہے:

قال الألبانی : إسناده ضعیف أبو سعید الجعفی اسمه یحیی بن سلیمان صدوق یخطئ وأسامة بن زید إن کان العدوی فضعیف وإن کان اللیثی فهو صدوق یهم و کلاهما یروی عن نافع وعنهما ابن وهب(حاشیہ ابن خزیمہ: ج:2:ص:287)

خلاصہ یہ کہ روایت ضعیف ہے۔

جواب 3:

یہ روایت موقوف بھی ہے اور موقوفات صحابہ غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں۔

1: وقول صحابی حجت نباشد (عرف الجادی: ص38، فتاوی نذیریہ: ج:1: ص:340، 622)

2: وفعل الصحابی لا یصلح للحجة (التاج المکلل از نواب صدیق حسن خان: ص:207)

3: افعال الصحابة رضی الله عنهم لا تنتهض للاحتجا ج بها . (فتاوی نذیریہ بحوالہ مظالم روپڑی: ص58)

4: صحابہ کا قول حجت نہیں۔ (عرف الجادی: ص101)

5: صحابی کا کردار کوئی دلیل نہیں اگرچہ وہ صحیح طور پر ثابت ہوں۔ (بدور الاہلہ: ج1ص28)

6: آثار صحابہ سے حجیت قائم نہیں ہوتی۔ (عرف الجادی: ص80)

7: خداوند تعالی نے اپنے بندوں میں سے کسی کو صحابہ کرام کے آثار کا غلام نہیں بنایا ہے۔ (عرف الجادی: ص80)

8: موقوفات صحابہ حجت نہیں۔ (بدور الاہلہ: ص129)

دلیل نمبر 6:

حدثنا العباس بن الولید الخلال الدمشقی. حدثنا مروان بن محمد وأبو مهر قالا حدثنا خالد بن یزید بن صبیح المرمی حدثنا طلحة بن عمرو عن عطاء عن ابن عباس قال : - قال رسول الله صلی الله علیه و سلم (ما حسدتکم الیهود علی شیء ما حسدتکم علی آمین. فأکثروا من قول آمین) (سنن ابن ماجہ: ص:62 باب الجہر بآمین)

جواب 1:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی طلحہ بن عمرو المکی جو عند الجمہور سخت ضعیف ہے ائمہ نے اسے "لا شی، مترك الحدیث، لیس بشی، ضعیف، لیس بالقوی عندهم، لیس بالحافظ، وعامة ما یرویه لا یتابعه علیه، وکان ممن روی عن الثقات ما لیس من حدیثهم لا یحل کتب حدیثهم من روایته عنه الا علی جهة التعجب" قرار دیا ہے۔

(تہذیب التہذیب: ج3ص300رقم الترجمۃ 3522، میزان الاعتدال: ج2ص311رقم الترجمہ 3812، المغنی فی الضعفاء: ج1ص502رقم الترجمۃ 2975)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب2:

سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مرفوعاً صحیح سند کے ساتھ یوں الفاظ بھی آئے ہیں:

ان الیہود قوم حسد وھم لا یحسدون علیٰ شئی کما یحسدون علی السلام وعلیٰ آمین۔

(صحیح ابن خزیمہ: ج1ص315رقم الحدیث:574 باب الجہر بآمین عند انقضاء فاتحۃ الکتاب فی الصلاۃ)

اور ایک روایت میں "اللھم ربنا لك الحمد" پر حسد کے جملے بھی آئے ہیں، مثلاً:

عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی الله علیه وسلم: لَمْ يَحْسُدُونَا الْيَهُودُ بِشَيْءٍ مَا حَسَدُونَا بِثَلَاثٍ: التَّسْلِيمِ، وَالتَّأْمِينِ، وَاللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج:2:ص:56 باب التَّأمِينِ)

توکیا سارے غیر مقلدین مخالفت یہود کرتے ہوئے نماز میں "اللھم ربنا لك الحمد" اور "السلام علیکم ورحمۃ الله" جہراً کہتے ہیں؟

دلیل7:

أَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَرَاءَهُ حَتَّى إِنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً (صحیح البخاری: ج1ص107باب جَهْرِ الْإِمَامِ بِالتَّأْمِينِ)

جواب1:

امام بخاری نے اس کی سند بیان نہیں کی بلکہ ترجمۃ الباب میں لائے ہیں اور بقول زبیر علی زئی کے "بے سند بات قابل حجت نہیں۔"

(الحدیث شمارہ59:ص:33)

جواب2:

یہ روایت ان کتب میں موجود ہے:

[۱]: مصنف عبد الرزاق میں "عن ابن جریج عن عطاء" کے طریق سے

اس میں پہلا راوی عبد الرزاق ہے۔ زبیر علی زئی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اور مصنف عبد الرزاق والی روایت میں عبد الرزاق مدلس اور روایت معنعن...... لہذا یہ سند بھی ضعیف ہے" (ضرب حق: ش33ص16)

اور خیر سے عبد الرزاق کی یہ روایت بھی معنعن ہے۔

[۲]: مسند الشافعی میں "مسلم بن خالد عن ابن جریج عن عطاء" کے طریق سے

اولاً..... اس میں پہلا راوی امام شافعی ہے، آپ خود فرماتے ہیں:

وَلَا أُحِبُّ أَنْ يَّجْهَرُوْا بِهَا۔ (کتاب الام: ج1ص277باب التامین عند الفراغ من قراءۃ ام القرآن)

میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ (مقتدی) بلند آواز سے آمین کہیں۔

جب راوی کا عمل وفتویٰ اپنی مروی کے خلاف ہو تو یہ اس کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے:

عمل الراوی بخلاف روایتہ بعد الروایۃ مما ھو خلاف بیقین یسقط العمل بہ عندنا۔ (المنار مع شرحہ ص194)

لہذا یہ روایت ساقط العمل ہے۔

ثانیاً..... دوسرا راوی امام شافعی کا استاذ "مسلم بن خالد" ہے۔ یہ ضعیف عند الجمہور ہے:

1: امام ابو داؤد: ضعفہ لکثرۃ غلطہ۔ (الکاشف للذہبی: ج3ص121رقم5480)

2: امام ابو حاتم الرازی: لیس بذاك القوی، منکر الحدیث..... لا یحتج بہ۔ (الجرح والتعدیل: ج8ص210رقم800)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

3:امام بخاری:منکر الحدیث۔(التاریخ الکبیر:ج7ص138رقم1097،الضعفاء الصغیر:ص485)

4:امام نسائی:مسلم بن خالد الزنجی ضعیف.(الضعفاء المتروکین للنسائی:ص219)

وقال ایضاً:لیس بالقوی فی الحدیث.(تسمیۃ فقہاء الامصار:ص127)

5:امام علی بن المدینی:لیس بشئی. (الجرح والتعدیل:ج8ص210رقم800)

وقال ایضاً:منکر الحدیث.(الکامل لابن عدی:ج8ص7)

6:امام ساجی: کثیر الغلط. کان یری القدر (میزان الاعتدال:ج4ص323)

7:امام ابن سعد:وکان کثیر الغلط و الخطاء فی حدیثه(الطبقات الکبریٰ:ج5ص449)

8:امام ابن حبان:کان مسلم یخطئی احیاناً(کتاب الثقات:ج7ص448)

9:امام عثمان الدارمی:لیس بذاك فی الحدیث(تہذیب التہذیب:ج6ص256)

10:امام یحیٰ بن معین:فما انکروا علیه حدیثه عن ابن جریج عن عطاء۔(تہذیب التہذیب:ج6ص256)

کہ اس کی روایت "عن ابن جریج عن عطاء" منکر ہوتی ہے اور زیر نظر روایت بھی اسی طریق سے ہے۔

11:علامہ عینی:ضعیف(البنایۃ شرح الہدایۃ:ج1ص635)

12:امام ابوزرعہ الرازی:منکر الحدیث(الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی:ج3ص117)

☆حتیٰ کہ زبیر علی زئی نے لکھا ہے:"مسلم بن خالد عند الجمہور ضعیف تھے " (القول المتین:ص48)

لہذا یہ سند ضعیف ہے۔

جواب3:

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور دیگر لوگ سب امتی ہیں اور غیر مقلدین کے نزدیک ان کے افعال واقوال حجت نہیں ۔ (کمامر)

جواب4:

اس اثر میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ سورۃ فاتحہ کے بعد والی آمین ہے۔ ممکن ہے کہ یہ آمین قنوت نازلہ فی الفجر والی ہو۔ چنانچہ خاتم المحدثین علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولعله حین کان یقنت فی الفجر علی عبد الملك وکان هو یقنت علی ابن زبیر وفی مثل هذه الایام تجری المبالغات.

(فیض الباری ج2ص290باب جہر الامام بالتامین)

جواب5:

صحیح بخاری کے اس اثر میں أَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ (فعل ماضی) کا ذکر ہے،اس سے دوام اور تکرار ثابت نہیں ہوتا۔

جواب6:

حضرت ابن زبیر صغار صحابہ میں سے ہیں۔ ہجرت کے بعد اول مولود فی المدینۃ کہلائے۔ آپ نے آمین بالجہر کا عمل کیا جبکہ کبار صحابہ مثلاً حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت علی کے ہاں اس طرح کی آمین کا ثبوت نہیں ملتا۔اس سے صاف معلوم ہوا کہ ان تمام حضرات کے خلاف یہ عمل اختیار کرنے میں ضرور کوئی مصلحت ہے اور وہ تعلیم ہی ہو سکتی ہے۔ مثلاً حضرت عبد اللہ بن زبیر ہی سے بسم اللہ الرحمن الرحیم جہراً پڑھنے کا اثر منقول ہے۔علامہ زیلعی نے اس کی مصلحت یہ بیان فرمائی ہے:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْهَادِي: إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ، لَكِنَّهُ يُحْمَلُ عَلَى الْإِعْلَامِ بِأَنَّ قِرَاءَتَهَا سُنَّةٌ. فَإِنَّ الْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِينَ كَانُوا يُسِرُّونَ بِهَا، فَظَنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ أَنَّ قِرَاءَتَهَا بِدْعَةٌ، فَجَهَرَ بِهَا مَنْ جَهَرَ مِنَ الصَّحَابَةِ لِيُعْلِمُوا النَّاسَ أَنَّ قِرَاءَتَهَا سُنَّةٌ، لَا أَنَّهُ فِعْلُهُ دَائِمًا

(نصب الرایۃ: ج1 ص435 باب صفۃ الصلاۃ)

یہی بات ہم آمین بالسر میں کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن زبیر نے آمین جہراً کہہ کر لوگوں کو تعلیم دی کہ اس مقام پر آمین کہنا سنت ہے۔

دلیل نمبر 8:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ آمِينَ۔ (صحیح البخاری: بَاب جَهْرِ الْإِمَامِ بِالتَّأْمِينِ)

غیر مقلد کہتے ہیں کہ مقتدی کو پابند کیا گیا ہے کہ جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو۔ ظاہر ہے مقتدی کو آمین کا پتا اس وقت چلے گا جب امام زور سے آمین کہے۔

جواب 1:

یہ بات طے شدہ ہے کہ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پر آمین کہنا ہے۔ اس لیے جب مقتدی غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ سنتا ہے تو اس کو علم ہو جاتا ہے کہ امام اب آمین کہے گا، لہذا اس سے جہر ثابت نہیں ہوتا۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں:

موضعہ معلوم فلا یستلزم الجہر بہ. (بذل المجہود ج2 ص105 باب التامین وراء الامام)

جواب 2:

دیگر روایات (مثلاً: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ {غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ} فَقُولُوا آمِينَ۔ صحیح البخاری ج1 ص108)

میں مقتدی کے "آمین" کہنے کو امام کے غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کہنے پر معلق کیا گیا ہے کہ جب مقتدی "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" سنے تو آمین کہے، تو یہ دلیل ہے کہ آمین آہستہ کہی جائے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں:

بل ہو یدل علی الاسرار و الا فلا یحتاج الی التقدیر ولا الضالین۔ (حاشیۃ بذل المجہود ج2 ص104 باب التامین وراء الامام)

جواب 3:

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے آمین کہتے ہیں لیکن ان کی آمین ہمیں سنائی نہیں دیتی۔ لہذا ان کی موافقت اسی صورت میں ہے کہ جب آمین آہستہ کہی جائے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا

از افادات متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

اہل السنت والجماعت کا موقف:

اہل السنت والجماعت کے ہاں نماز پڑھتے وقت سر کو ڈھانپنا چاہیے، چاہے پگڑی کے ذریعے ہو یا ٹوپی کے ذریعے۔ ہاں اگر مجبوری ہو مثلاً کپڑا نہ مل رہا ہو تو الگ بات ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اہل السنت والجماعت بغیر سر ڈھانپے نماز کو بالکل باطل قرار نہیں دیتے (جیسا کہ بعض غیر مقلدین یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اہل السنت والجماعت کے ہاں ننگے سر نماز پڑھنے سے نماز باطل ہوتی ہے) بلکہ اسے خلافِ ادب، خلاف سنت، مکروہ اور ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں۔

غیر مقلدین کا موقف:

غیر مقلدین کے اکابر کا موقف یہی ہے کہ سر ڈھانپ کر نماز پڑھی جائے، ننگے سر نماز پڑھنا جیسا کہ آج کل یہ رسم عام پھیل رہی ہے، اسے غیر مقلد اکابرین نے بھی بد رسم، ہر لحاظ سے ناپسندیدہ اور مکروہ لکھا ہے۔ (ان کے اقوال آگے آرہے ہیں) لیکن موجود غیر مقلدین کا ایک بہت بڑا طبقہ ننگے سر نماز پڑھتا نظر آرہا ہے اور طرفہ تماشہ یہ کہ اسے "سنت" سے تعبیر کرتا ہے۔ اس موقف پر ان کے عمل کے علاوہ کتب بھی ہیں جیسا کہ حال ہی میں شائع ہونے والی ایک کتاب "کون کہتا ہے کہ ننگے سر نماز نہیں ہوتی" مؤلفہ عبدالرحمٰن صاحب غیر مقلد کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

1 ننگے سر نماز پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ (ص14)

2 چاہیے یہ تھا کہ حنفی علماء بھی کبھی کبھی سر ننگے جماعت کرایا کریں تاکہ لوگوں کو اس سنت صحیحہ کا علم ہو جائے۔(ص15)

3 اس مسئلہ میں وسعت ہے، سر ڈھانکنا بھی سنت ہے اور نہ ڈھانکنا بھی سنت ہے۔ (ص23)

دلائل اہل السنت والجماعت:

اہل السنت والجماعت کا موقفِ مذکور مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت ہے۔

دلیل نمبر 1:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔

(الاعراف:31)

ترجمہ: ہر نماز کے وقت خوبصورت لباس پہنو۔

آیت کی تفسیر و تشریح:

1: علامہ ابن تیمیہ الحنبلی رحمہ اللہ (م728ھ) لکھتے ہیں:

وَاللّٰهُ تَعَالَى أَمَرَ بِقَدْرٍ زَائِدٍ عَلَى سَتْرِ الْعَوْرَةِ فِي الصَّلَاةِ، وَهُوَ أَخْذُ الزِّينَةِ، فَقَالَ: (خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ) فَعَلَّقَ الْأَمْرَ بِاسْمِ الزِّينَةِ لَا بِسَتْرِ الْعَوْرَةِ۔

(الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیہ: ج5 ص326)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے ستر عورت (اعضاء ستر کے ڈھانپنے) کے علاوہ ایک زائد حکم بھی دیا ہے اور وہ ہے اچھا لباس پہننا، چنانچہ فرمایا کہ ہر نماز کے وقت خوبصورت لباس پہنو۔

اور اس کی تشریح خود حنبلی مذہب میں یوں ہے:

قال التميمي الثوب الواحد يجزئ والثوبان أحسن والأربع أكمل: قميص وسراويل وعمامة وإزار.

(المغنی لابن قدامہ: ج2ص136)

ترجمہ: ابوالحسن التمیمی فرماتے ہیں: ایک کپڑا نماز کے جواز کے لیے کافی ہے دو کپڑے بہتر ہیں چار کپڑے ہوں تو نماز اور زیادہ کامل ہو گی، چار کپڑے یہ ہیں قمیض، پاجامہ، پگڑی اور تہبند۔

2: شیخ الاسلام الشیخ محمد زاہد بن الحسن الکوثری رحمۃ اللہ علیہ (م 1371ھ) فرماتے ہیں:

ولا شك ان الفظ الزينة يتناول غطاء الروؤس تناولا اوليا فيكون مامورابه في الآية وتوهم اقتصار الآية على سبب نزولها من زجر اهل الجاهلية الذين كانوا يطوفون بالكعبة وهم عراة من جميع ملابسهم ابتعاد عن منهج اهل الاستنباط من ان العبر بشمول اللفظ لا بخصوص السبب ولذا ترى اهل المذاهب مجمعين على استحباب لبس القلنسوة والرداء والازار في الصلاة كما شرح المنية 349 ومجموع النووى ص3-173 وغيرهما.

(مقالات الکوثری: ص171)

ترجمہ: اور یہ وہم کرنا کہ ''یہ آیت تو جاہلیت کے لوگوں کو کعبے کا تمام کپڑے اتار کا ننگا طواف کرنے پر تنبیہ کرنے کے لیے نازل ہوئی تھی لہذا اس کا حکم ننگے طواف کرنے کے ساتھ خاص رہے گا'' یہ استنباط کے بنیادی اصول سے بہت دور کی بات ہے، کیونکہ اعتبار لفظ کے شامل ہونے کا ہوتا ہے نہ کہ سبب کے خاص ہونے کا اور اسی وجہ سے آپ دیکھتے ہیں کہ تمام مسالک کے حضرات ٹوپی، قمیص اور پائجامہ میں نماز پڑھنے کے مستحب ہونے پر متفق ہیں، جیسے کہ منیہ کی شرح: ص349 اور مجموع النووی: ج3ص173 وغیرہ میں مذکور ہے۔

3: شیخ محمد بن صالح بن محمد عثیمین لکھتے ہیں:

والذى جاء في القرآن (يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ)(اعراف) فامر الله تعالى باخذ الزينة عند الصلاة واقل ما يمكن لباس يوارى السواة وما زاد على ذالك فهو فضل والسنة بينت ذلك على سبيل التفصيل واذا كان الانسان يستحى ان يقابل ملكا من الملوك بثياب لاتستر اونصف بدنه ظاهر فكيف لا يستحى ان يقف بين يدى ملك الملوك عزوجل بثياب غير مطلوب منه ان يلبسها ولهذا قال عبد الله بن عمر تخرج الى الناس وانت حاسر الراس؟ قال: لا، قال: فالله احق ان تتجمل له هذا صحيح لمن عادتهم انهم لا يحسرون عن رؤوسهم.

(الشرح الممتع علی زادا لمستقنع للعثیمین باب شروط الصلاۃ منھا العورۃ)

ترجمہ: اور قرآن مجید میں ارشاد ہے: اے بنی آدم! ہر سجدہ کے وقت (یعنی نماز) اپنی زینت لے لیا کرو۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نماز کے وقت زینت اختیار کرنے کا حکم فرمایا جس کا کم از کم درجہ ایسا لباس ہے جس سے ستر چھپ جائے اور اس سے زیادہ لباس کی فضیلت ہے اور سنت نے اس کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے اور جب انسان اس بات سے شرم کرتا ہے کہ وہ بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کے سامنے ایسے کپڑوں میں آئے جو ستر کو چھپائے ہوئے نہ ہو یا اس کے بدن کا آدھا حصہ کپڑوں سے چھپا ہوا نہ ہو تو انسان کو اس بات سے کیوں نہیں شرم آنی چاہیے کہ وہ تمام بادشاہوں کے بادشاہ اللہ عزوجل کے سامنے ایسے کپڑوں میں کھڑا ہو جس کا پہننا اس کی طرف سے مطلوب نہیں۔ اور اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام حضرت نافع سے جب انہیں ننگے سر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا، فرمایا تھا کہ اپنا سر ڈھانک لیجئے کیا آپ لوگوں کے سامنے ننگے سر جانا گوارہ کریں گے؟ نافع نے کہا کہ نہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو دوسروں کے مقابلے میں جمال

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

وزینت کے زیادہ مستحق ہیں۔اور یہ بات ان لوگوں کے لیے صحیح ہے جن کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنے سر ننگے نہیں کرتے اور لوگوں کے سامنے ننگے سر جانا گوارہ نہیں کرتے۔

4: غیر مقلد عالم جناب سید نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں:

اس آیت﴿یَا بَنِی آدَمَ خُذُوا زِینَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ﴾ سے ثابت ہوا کہ ٹوپی اور عمامہ سے نماز پڑھنا اولیٰ ہے، کیونکہ لباس سے زینت ہے اگر عمامہ یا ٹوپی رہتے ہوئے تکاسلا۔(سستی کی وجہ سے) برہنہ (سر) نماز پڑھے تو مکروہ ہے۔

(فتاویٰ نذیریہ ج1ص240)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

احکم الحاکمین نے اپنے دربار میں حاضر ہونے کی نسبت یہ حکم کیا ہے کہ﴿یَا بَنِی آدَمَ خُذُوا زِینَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ﴾یعنی تم لوگ ہر نماز کے وقت اپنے کپڑے لے لیا کرو یعنی کپڑے پہن کر نماز پڑھا کرو اور کپڑے میں عمامہ بھی داخل ہے کیونکہ عمامہ ایک مسنون کپڑا ہے۔

(فتاویٰ نذیریہ ج3ص373)

5: غیر مقلد عالم عبید اللہ خان عفیف لکھتے ہیں:

یَا بَنِی آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُوَارِی سَوْآتِکُمْ وَرِیشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَی الآیۃ۔ یَا بَنِی آدَمَ خُذُوا زِینَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ الآیۃ۔

کوئی ان دونوں آیات کی جو بھی تفسیر کرے مگر ان دونوں کے اطلاق اور عموم سے علی الاقل الحکم لعموم اللفظ لا بخصوص السبب پورا لباس زیب تن نماز پڑھنا نماز کی شان اور اس کے آداب میں شامل ہے اور ہمارے عرف میں تین کپڑے پگڑی، تہبند اور قمیض پورا لباس کہلاتے ہیں۔

(فتاویٰ محمدیہ ترتیب غیر مقلد عالم مولوی مبشر احمد ربانی ج1ص379)

دلیل نمبر2:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَہُ فِی الشِّتَاءِ فَرَأَیْتُہُمْ فِی الْبَرَانِسِ وَالأَکْسِیَۃِ وَأَیْدِیہِمْ فِیہَا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی: ج9ص157 حدیث نمبر17564)

ترجمہ: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سردی کے موسم میں حاضر ہوا تو میں نے ان کو دیکھا کہ وہ لمبی ٹوپیوں اور چادروں میں (نماز پڑھتے) تھے اور ان کے ہاتھ چادروں کے اندر رہتے تھے۔

دلیل نمبر3:

حضرت فَلْتان بن عاصم الجرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرأیتہم یصلون فی الأکسیۃ و البرانس وأیدیہم فیہا من البرد۔

(معجم الصحابۃ لابن قانع: ج2ص152 رقم الحدیث1372)

ترجمہ: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام) کو دیکھا کہ وہ چادریں اوڑھے اور ٹوپیاں پہنے نماز پڑھ رہے تھے اور ان کے ہاتھ سردی کی وجہ سے چادروں کے اندر تھے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر 4:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ دَهْنَ رَأْسِهِ وَتَسْرِيحَ لِحْيَتِهِ، وَيُكْثِرُ الْقِنَاعَ حَتّٰى كَأَنَّ ثَوْبَهُ ثَوْبُ زَيَّاتٍ.

(شمائل الترمذی: ص4- باب ماجاء فی ترجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک پر کثرت سے تیل لگایا کرتے تھے اور داڑھی مبارک میں کثرت سے کنگا کیا کرتے تھے اور سر پر کثرت سے کپڑا اوڑھے رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ کا وہ کپڑا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا تیلی کا کپڑا ہے۔

دلیل نمبر 5:

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ہے:

ما رایت احدا ادوم قناعا من رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى كَأَنَّ مِلْحَفتَه مِلْحَفةُ زيَّات.

(تاریخ بغداد: ج5 ص372 تحت ترجمۃ بکر بن السَّمَیْدَع ابو الحسن)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو ہمیشگی کے ساتھ سر ڈھانپتے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ آپ کا رومال تیلی کے رومال کی طرح ہوتا تھا۔

دلیل نمبر 6:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكثر القناع ويكثر الدهن راسه ويسرح لحيته بالماء.

(شعب الایمان للبیہقی: ج5 ص226 فصل فی اکرام الشعر)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر کثرت سے رومال اوڑھ رکھتے تھے اور سر مبارک پر کثرت سے تیل لگایا کرتے تھے اور اپنی داڑھی کو پانی سے صاف فرمایا کرتے تھے۔

فائدہ: اس روایت میں سر ڈھانکے جانے والے کپڑے کے بارے میں تیل کے اثرات کا ذکر نہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ کے معمول میں یہ تین کام مستقلاً تھے یعنی [1] ہمیشہ سر ڈھانپنا [2] تیل لگانا [3] داڑھی کو پانی سے صاف کرنا۔ لہذا یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا صرف اس لیے رکھتے تھے کہ چونکہ آپ ہمیشہ تیل لگایا کرتے تھے" اس لیے کہ اس روایت میں یہ کام مستقلاً ثابت ہو رہا ہے۔

نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب خارجِ صلاۃ سر ڈھانپنے کا اتنا اہتمام فرماتے تھے تو داخلِ صلاۃ (جو کہ احکم الحاکمین کے سامنے حاضری کی حالت ہے) اس کا کس قدر اہتمام فرماتے ہوں گے۔ فتفکر

دلیل نمبر 7:

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَحْسِرِ الْعِمَامَةَ عَنْ جَبْهَتِهِ. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج2 ص500 باب من کرہ السجود علی کور العمامۃ)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک نماز پڑھے تو اپنی پیشانی سے پگڑی کو ہٹائے۔

دلیل نمبر 8:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، أَنَّهُ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ حَسَرَ الْعِمَامَةَ عَنْ جَبْهَتِهِ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص499 باب من کرہ السجود علی کور العمامۃ)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنی پیشانی سے پگڑی ہٹا لیتے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر 9:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَقَالَ الْحَسَنُ كَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُونَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِي كُمِّهِ.

(صحیح البخاری: ج 1 ص 56 باب السجود علی الثوب فی شدۃ الحر)

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قوم (یعنی صحابہ کرام زمین کے گرم ہونے کی وجہ سے) عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عَنِ الْحَسَنِ ، قَالَ : إِنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَسْجُدُونَ وَأَيْدِيهِمْ فِي ثِيَابِهِمْ ، وَيَسْجُدُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ عَلَى عِمَامَتِهِ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج 2 ص 497 باب فی الرجل یسجد ویداہ فی ثوبہ)

ترجمہ: امام حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نماز میں سجدہ کرتے تھے ان کے ہاتھ کپڑوں میں ہوتے اور ان میں سے کوئی آدمی اپنی ٹوپی اور پگڑی پر سجدہ کرتا تھا۔

دلیل نمبر 10:

حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ الأَسْوَدَ يُصَلِّي فِي بُرْنُسٍ طَيَالِسِهِ، يَسْجُدُ فِيهِ، وَرَأَيْتَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ، يَعْنِي ابْنَ يَزِيدَ، يُصَلِّي فِي بُرْنُسٍ شَامِيٍّ يَسْجُدُ فِيهِ.

مصنف ابن ابی شیبہ: ج 2 ص 495، 496 باب فی الرجل یسجد ویداہ فی ثوبہ

ترجمہ: میں نے حضرت اسود کو دیکھا کہ وہ اپنی چادر کے ساتھ جڑی ہوئی ٹوپی میں نماز پڑھ رہے تھے اور سجدہ بھی اسی میں کر رہے تھے اور میں نے عبد الرحمن بن یزید کو شامی لمبی ٹوپی میں نماز پڑھتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔

مذاہبِ اربعہ کے حوالہ جات:

مذہبِ حنفی:

1: والمستحب أن يصلي في ثلاثة ثياب من أحسن ثيابه قميص وأزرار وعمامة.

(مراقی الفلاح لحسن بن عمار الشرنبلالی: ص 124)

ترجمہ: مستحب یہ ہے کہ خوبصورت کپڑوں میں نماز ادا کی جائے یعنی قمیص، تہبند اور پگڑی میں۔

2: لو صلى مكشوف الرأس، وهو يجد ما يستر به الرأس، إن كان تهاوناً بالصلاة يكره.

(المحیط البرہانی: ج 5 ص 137)

ترجمہ: اگر سر ڈھانپنے کے لیے کپڑا موجود ہو اس کے باوجود اسے محض اہمیت نہ دیتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھے تو یہ مکروہ ہے۔

مذہبِ مالکی:

والسنة في حق الرجل ان يستر جميع جسده على الوجه المشروع فيه فهو مطلوب بذلك لاجل الامتثال ثم العمامة على صفتها كما تقدم ذكره. (المدخل لابن الحاج: ج 1 ص 142 فصل فی اللباس)

ترجمہ: مرد کے حق میں سنت یہ ہے کہ وہ شرعی طریقہ کے مطابق اپنے جسم کو ڈھانپے اور اللہ کے احکام کی بجا آوری کے پیشِ نظر یہی بات مطلوب ہے، پھر بیان کردہ طریقہ کے مطابق پگڑی باندھ کر سر کو ڈھانپا جائے جیسا کہ اس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مذہبِ شافعی:

1: قال أصحابنا يستحب ان يصلي الرجل في أحسن ثيابه المتيسرة له ويتقمص ويتعمم.

(المجموع شرح المهذب للنووی: ج4ص196 باب ستر العورة)

ترجمہ: ہمارے حضرات شوافع کہتے ہیں کہ آدمی کو جو خوبصورت لباس میسر ہو وہ پہن کر نماز پڑھے، قمیض بھی پہنے اور پگڑی بھی باندھے۔

2: وَيُسَنُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَلْبَسَ لِلصَّلَاةِ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ وَيَتَقَمَّصَ وَيَتَعَمَّمَ.

(تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج: ج6ص265 باب شروط الصلاۃ)

ترجمہ: آدمی کے لیے نماز میں اچھے سے اچھا لباس پہننا سنت ہے، قمیص پہنے، پگڑی کے ساتھ سر کو ڈھانپے۔

3: ويسن لرجل والإمام أبلغ أن يصلي في ثوبين مع ستر رأسه ولا يكره في ثوب واحد يستر ما يجب ستره.

(الاقناع لمحمد الشربینی: ج1ص88)

ترجمہ: آدمی کے لیے سنت یہ ہے کہ دو کپڑوں میں نماز پڑھے اور سر بھی ڈھانپے، اور امام کے لیے تو یہ حکم اور بھی زیادہ تاکید رکھتا ہے اور ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جس سے واجب ستر ڈھانکا جاسکے، مکروہ نہیں ہے۔

مذہبِ حنبلی:

ويستحب للرجل حرا كان أو عبدا أن يصلي في ثوبين ذكره بعضهم إجماعا. قال ابن تميم وغيره مع ستر رأسه بعمامة.

(المبدع شرح المقنع لبرہان الدین ابراہیم بن محمد: ج1ص312)

ترجمہ: آزاد یا غلام کے لیے دو کپڑوں میں نماز پڑھنا مستحب ہے اور بعض علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ابن تمیم وغیرہ نے کہا ہے کہ پگڑی کے ساتھ سر کو چھپانے کے علاوہ دو کپڑے مراد ہیں۔

غیر مقلدین کے اکابر کی تصریحات:

[1]: سید نذیر حسین دہلوی صاحب:

آپ لکھتے ہیں:

اس میں کلام نہیں کہ عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ وصحابہ کرام ﷺ ومن بعد ھم عام طور عمامہ کی موجودگی میں عمامہ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں:

ادركتُ في مسجدِ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم سبعين مُحَنَّكًا وإنَّ احدَهم لَوِ ائْتُمِنَ على بيت المال لَكان به اميناً.

ترجمہ: حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ستر کے قریب آدمی دیکھے جنہوں نے سر پر پگڑیاں باندھ رکھی تھی اوران میں سے ایک اس درجہ کا آدمی تھا کہ اگر اس بیت المال پر امین بنایا جائے تو امین ثابت ہو، علما نے بھی یہ لکھا ہے کہ نماز باعمامہ مستحب وافضل ہے۔

"رفع الالتباس عن مسائل اللباس" میں ہے: شک نہیں کہ نماز باعمامہ کو بے عمامہ پر فضیلت ہے باعتبار وقار وسکینہ واتباع سنت کے، حدیث عبادہؓ میں فرمایا ہے کہ:

عليكم بالعِمامة فانها سِيْمَاءُ الملائكة.

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: پگڑی سر پر رکھا کرو کیونکہ یہ فرشتوں کا لباس ہے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اور حدیث رکانہ میں فرمایا ہے:

فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس (رواہ الترمذی)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے اور مشرکین کے درمیان یہ فرق ہے کہ ہمارے عماموں کے نیچے ٹوپیاں ہوتی ہیں......

ایک اور فتویٰ میں لکھا ہے کہ: جمعہ کی نماز ہو یا کوئی اور نماز رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ عمامہ باندھ کر نماز پڑھتے تھے اور عمامہ باندھنا دربار شاہی کے منافی نہیں ہے بلکہ اسی شہنشاہ احکم الحاکمین نے اپنے دربار میں حاضر ہونے کی نسبت یہ حکم کیا ہے کہ ﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ یعنی تم لوگ ہر نماز کے وقت اپنے کپڑے لے لیا کرو یعنی اپنے کپڑے پہن کر نماز پڑھا کرو اور کپڑے میں عمامہ بھی داخل ہے کیونکہ عمامہ ایک مسنون کپڑا ہے۔

(فتاویٰ نذیریہ: ج3 ص372، 373)

[2]: ثناء اللہ امرتسری صاحب:

موصوف لکھتے ہیں:

صحیح مسنون طریقہ نماز کا وہی ہے جو آنحضرت ﷺ سے بالدوام ثابت ہوا ہے یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہوا ہو پگڑی سے یا ٹوپی سے۔

(فتاویٰ ثنائیہ: ج1 ص522 تا 523)

[3]: سید محمد داؤد غزنوی صاحب:

آپ نے اپنے والد بزرگوار امام عبد الجبار کا ننگے سر نماز کے خلاف فتویٰ نقل کر کے آخر میں اپنی رائے کا یوں اظہار کیا ہے:

ابتداء عہد اسلام کو چھوڑ کر جب کہ کپڑوں کی قلت تھی اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گذری جس میں باصراحت یہ مذکور ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام نے مسجد میں اور وہ بھی نماز باجماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو چہ جائیکہ معمول بنالیا ہو، اس لیے اس بدرسم کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہیے۔

اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی، اگر تعبد اور خضوع وخشوع وعاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہوگا، اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے تعبد یا خضوع وخشوع کی علامت نہیں اور اگر کسل وسستی کی وجہ سے ہے تو منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔ وَلَا يَأْتُونَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالىٰ (نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر) غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔

(ہفت روزہ الاعتصام ج11 شمارہ نمبر18 و فتاویٰ علمائے حدیث: ج4 ص291)

[4]: عبد المجید سوہدروی صاحب:

لکھتے ہیں: بطور فیشن لاپرواہی اور تعصب کی بناء پر مستقل اور ابدالآباد کے لیے یہ (ننگے سر نماز پڑھنے والی) عادت بنالینا جیسا کہ آج کل دھڑلے سے کیا جارہا ہے ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے نبی ﷺ نے خود یہ عمل نہیں کیا۔

(اہلحدیث سوہدرہ ج15 شمارہ22 و فتاوی علمائے حدیث: ج4 ص281)

[5]: ابوسعید شرف الدین دہلوی:

آپ لکھتے ہیں: بحکم ﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ اور رسول اللہ ﷺ کا سر پر عمامہ رکھنے سے عمامہ سنت ہے اور ہمیشہ ننگے سر کو نماز کا شعار بنانا بھی ایجاد بندہ ہے (یعنی بدعت ہے) اور خلاف سنت ہے گاہے چنیں جس کا حکم اور ہے شعار کا اور پس اول جائز ثانی ایجاد۔

(فتاویٰ ثنائیہ: ج1 ص590)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مزید لکھتے ہیں:

بعض کا شیوہ ہے کہ گھر سے ٹوپی یا پگڑی سر پر رکھ کر آتے ہیں اور ٹوپی یا پگڑی قصداا تار کر ننگے سر نماز پڑھنے کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور پھر اس کو سنت کہتے ہیں بالکل غلط ہے یہ فعل سنت سے ثابت نہیں ہاں اس فعل کو مطلقاناجائز کہنا بھی بیوقوفی ہے۔[ہم بھی مطلقاًعدم جواز کے قائل نہیں کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے جائز ہے۔ناقل] ایسے ہی برہنہ سر کو بلاوجہ شعار بنانا بھی خلاف سنت ہے اور خلاف سنت بے وقوفی ہی تو ہوتی ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ: ج1ص521)

[6]: مولوی محمد اسماعیل سلفی:

موصوف نے ننگے سر نماز کی عادت کے خلاف بڑا طویل، مدلل، زوردار اور فکر انگیز فتویٰ دیا ہے، چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

ننگے سر نماز کی عادت عقل اور فہم کے خلاف ہے عقل مند اور متدین آدمی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

آنحضرت ﷺ صحابہ کرامؓ اور اہل علم کا طریقہ وہی ہے جو اب تک مساجد میں متوارث اور معمول بہا ہے کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گزری جس سے اس عادت کا جواز ثابت ہو خصوصاًباجماعت فرائض میں بلکہ عادت مبارک یہی تھی کہ پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے عام ذہن کے لوگوں کو(في ثوب واحد)اس قسم کی احادیث سے غلطی لگی ہے کہ ایک کپڑے میں نماز(ادا)کی جائے تو سر ننگا رہے گا حالانکہ ایک کپڑے کو اگر پوری طرح لپیٹا جائے تو سر ڈھکا جاسکتا ہے۔غرض کسی حدیث سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کو عادت اختیار کرنا ثابت نہیں محض بے عملی یا بد عملی یا کس کی وجہ سے یہ رواج پڑ رہا ہے بلکہ جہلا تو اسے سنت سمجھنے لگے ہیں العیاذ باللہ کپڑا موجود ہو تو سر ننگے نماز ادا کرنا یا ضد سے ہوگا یا قلت عقل سے نیز یہ ثابت ہوتا ہے کہ اچھے کپڑوں کے ساتھ تجمل سے نماز پڑھنا مستحب اور مسنون ہے آیت ﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ﴾ کے مضمون سے بھی اسی سے وضاحت ہو جاتی ہے۔ان تمام گزارشات سے مقصد یہ ہے کہ سر ننگا رکھنے کی عادت اور بلاوجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں یہ عمل فیشن کے طور پر روز بروز بڑھ رہا ہے یہ اور بھی نامناسب ہے۔۔

ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل و فراست سے متعلق ہے اگر اس جنس لطیف سے طبعیت محروم نہ ہو تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔

(فتاویٰ علماء حدیث ج4ص286تا289)

[7]: مولوی عبد الستار:

نائب مفتی محکمۃ القضاء الاسلامیہ، جماعت غرباء اہلحدیث لکھتے ہیں:

ٹوپی یا عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنی اولیٰ وافضل ہے کیونکہ ٹوپی اور عمامہ باعث زیب وزینت ہے۔

(فتاویٰ ستاریہ ج3ص59)

[8]: سید محب اللہ شاہ راشدی:

سید محب اللہ شاہ راشدی غیر مقلد نے حافظ نعیم الحق نعیم کے فتویٰ کہ ننگے سر نماز ہو جاتی ہے، کا رد بڑے پر زور انداز اور تحقیقی لب ولہجہ سے کیا ہے فتوی بڑا طویل ہے، چند اقتباسات حاضر خدمت ہیں:

”یہ کہنا کہ سر ڈھانپنے پر پسندیدہ ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے، اس سے راقم الحروف کو اختلاف احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر وبیشتر اوقات آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ سر پر عمامہ باندھے رہتے یا ٹوپیاں ہوتی تھیں اور راقم الحروف کے علم کی حد تک سوائے حج وعمرہ کوئی ایسی صحیح حدیث دیکھنے میں نہیں آئی جس میں یہ ہو کہ آنحضرت ﷺ ننگے سر گھومتے پھرتے تھے یا کبھی سر مبارک پر عمامہ وغیرہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تھا لیکن مسجد میں آکر عمامہ وغیرہ اتار کر رکھ لیا اور ننگے سر نماز پڑھنی شروع کی۔

اگر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ معمول نہ ہوتا تو جس طرح سر پر عمامہ یا ٹوپی کا ثبوت مل رہا ہے اس طرح ننگے سر چلتے پھرتے رہنے یا ننگے سر نماز پڑھنے کے متعلق بھی روایات ضرور مل جاتیں لیکن اس قسم کی ایک روایت بھی میرے علم میں نہیں آئی، جب یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ معمول ہوا تو یہ عمل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا پسند ہو گا۔ سر ڈھانپ کر چلتے پھرتے یا نماز وغیرہ پڑھنے کو پسندیدہ قرار نہ دینا صحیح معلوم نہیں ہوتا اسی طرح ہم نے بڑے بڑے علماء وفضلاء کو دیکھا کہ وہ اکثر وبیشتر سر ڈھانپ کر چلتے پھرتے اور نماز پڑھتے ہیں یہ آج کل جو نئی نسل خصوصا اہل حدیث جماعت کے افراد کا معمول بنا رکھا ہے اسے چلتے ہوئے فیشن کا اتباع تو کہا جا سکتا ہے۔ مسنون نہیں یا کسی چیز کے جائز ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مندوبات ومستحبات کو بالکل ترک کر دیا جائے لیکن آج کل کے معمول سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ کتب احادیث میں جو جو مندوبات ومستحبات، سنن ونوافل کے ابواب موجود ہیں یہ سراسر فضول ہیں اور ہمیں صرف جواز اور رُخص پر ہی عمل کرنا ہے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان (یعنی حنفیوں) کے لیے مستحبات کا خاتمہ بھی کر دیں اور ننگے سر نماز پڑھنے کا کوئی دائمی معمول بنالیں پھر اگر یہی مقصود تھا تو گھر سے ہی ننے سر آتے اور نماز پڑھ لیتے لیکن یہ عجیب طرفہ تماشا ہے کہ گھر سے تو ٹوپی وغیرہ سر پر رکھ آتے ہیں لیکن مسجد میں داخل ہو کر سر سے ٹوپی وغیرہ اتار کر ایک طرف رکھ دیتے ہیں۔ اور نماز شروع کر دیتے ہیں۔ اب عوام میں یہ غلط فہمی پھیلتی جاتی ہے کہ گھر سے تو ٹوپی وغیرہ سر پر رکھ کر آنا چاہیے لیکن مسجد میں آکر اس کو اتار دینا چاہیے اور ننگے سر ہی نماز پڑھنی چاہیے۔ کیونکہ یہی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس لیے کہ اہلحدیث جماعت کے بہت سے افراد کا اس پر عمل ہے۔ اب آپ ہی سوچیں کہ یہ کتنی بڑی غلطی ہے اور یہ محض اہلحدیثوں کے طرز عمل سے ہی پیدا ہو رہی ہے حالانکہ صحیح تو کجا مجھے تو ایسی ضعیف حدیث بھی نہیں ملی جس میں یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے تو اس حال میں نکلے کہ سر پر عمامہ وغیرہ تھا لیکن مسجد میں آتے ہی اس کو اتار لیا اور ننگے سر نماز پڑھی، پھر اس کو دائمی اور مستمرہ معمولات میں سے بنانے کی وجہ سے لوگوں کو کیا یہ خیال نہ گزرتا ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے تو اس غلط فہمی کے دور کرنے کے لیے بھی کیا یہ اہم وپسندیدہ بات نہیں کہ اکثر وبیشتر سر ڈھانپ دیا جائے خواہ نماز میں خواہ اس سے باہر تاکہ یہ غلطی رفع ہو جائے۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے جواز کے ثبوت سے اس کا نزلہ یہ حضرات صرف اسی بیچاری ٹوپی وغیرہ پر ہی کیوں گرانے پر مصر ہیں۔ اگر ننگے سر نماز پڑھنے کے مسنون ہونے کا مدار آپ حضرات ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی حدیث پر ہی رکھتے ہیں تو بسم اللہ آپ گھر سے ہی ایک کپڑے میں آئیں اور نماز بھی پڑھ لیں اور یہ اچھی ستم ظریفی ہے کہ گھر سے تو قمیض، شلوار، کوٹ، وغیرہ پہن کر آتے ہیں اور مسجد میں دخول کے بعد صرف پگڑی یا ٹوپی اتار کر نماز پڑھنی شروع کر دی، یاللعجب۔

مجھے تو سر ڈھانپنا ہر حال میں بہتر اولی اور مستحب ومندوب نظر آتا ہے۔

(الاعتصام، مجریہ 22 دسمبر 1989ء ج45 شمارہ 27)

[10]: مولوی عبید اللہ عفیف:

موصوف لکھتے ہیں:

قرآن مجید کے اطلاق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد، صحابہ کرامؓ کی تصریحات، شارحین حدیث کی تحقیقات اور شیخ امام ابن تیمیہ ودیگر مفتیان عظام کے فتاویٰ جات زیب قرطاس کرنے کے بعد اتمام حجت کے طور پر عملی توارث بھی پیش کر دینا نامناسب نہ ہو گا۔ سو واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سلف صالحین اور اہل علم کا طریق وہی رہا ہے جو شروع سے اب تک مساجد میں متوارث ومعمول بہا چلا آرہا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کی عادت یہی تھی کہ پگڑی یا ٹوپی سمیت پورے لباس میں نماز ادا فرماتے تھے لیجیے پڑھیے اور اس غلط رواج پر کچھ غور فرمائیے!

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

خلاصہ کلام یہ ہے اس (ننگے سر نماز پڑھنے) کو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور عادت مبارک سمجھنا صحیح نہیں بلکہ اس جواز کو شعار بنالینا بد رسم اور ایجاد بندہ (یعنی بدعت) ہے اور عافیت اس کے ترک ہی میں ہے۔ پس پورا لباس قمیض، تہبند اور پگڑی وغیرہ پہن کر اور بن ٹھن کر نماز پڑھنی چاہیے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مستمرہ اور سلف وخلف اہل علم کا متواتر عمل یہی رہا ہے کہ وہ پگڑی اور ٹوپیوں کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اور یہی طریق سنت اور افضل ہے۔ کوئی ایسی مرفوع حدیث صحیح اور صریح میرے ناقص علم ومطالعہ میں نہیں گزری جس سے اس عادت اور فیشن کا ثبوت ملتا ہو چہ جائے کہ اس رواج اور بدرسم کو سنت کہا جائے یا اس کو سنت باور کرانے کے لیے اشہب قلم کو مہمیز کی جائے اور اضطراب کا باب اس سے الگ ہے۔

(فتاویٰ محمدیہ بترتیب مبشر احمد ربانی: ج1ص385)

غیر مقلدین کے شبہات

غیر مقلدین اس مسئلہ میں چند شبہات پیش کرتے ہیں اور احادیث وآثار سے غلط استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً

شبہ نمبر 1:

حضرت عمرو بن ابی سلمہ سے روایت ہے:

رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی ثوب واحد مشتملاً بہ فی بیت ام سلمۃ۔

(بخاری ومسلم)

غیر مقلدین کہتے ہیں: عربی میں "اشتمال" کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک چادر بدن پر اس طرح لپیٹی جائے کہ دائیں طرف کا کنارہ بائیں طرف کے کندھے پر لے جا کر گردن کے پیچھے سے دونوں کونوں کو باندھ دیتے ہیں۔ اس صورت میں ضرور دونوں بازو اور سر بھی ننگا ہوتا ہے۔

(کون کہتا ہے؟: ص15)

جواب نمبر 1:

اس حدیث کا مطلب سمجھنے کے لیے ایک اور حدیث دیکھی جائے گی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رأیتہ یصلی فی ثوب واحد مُتَوَشِّحًا بہ۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 518)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک کپڑے کے دونوں کنارے اپنے اوپر الٹ پلٹ کیے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

اس حدیث کے لفظ "توشیح" کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ پورے بدن کو لمبے کپڑے سے اس طرح ڈھانپا جائے کہ سر پر بھی یہ کپڑا آجائے۔ چنانچہ البحر الرائق میں ہے:

التَّوَشِیحُ أَنْ یَکُونَ الثَّوْبُ طَوِیلًا یَتَوَشَّحُ بِهِ فَیَجْعَلُ بَعْضَهُ علی رَأْسِهِ وَبَعْضَهُ علی مَنْکِبَیْهِ وَعَلَی کل مَوْضِعٍ من بَدَنِهِ

(البحر الرائق: ج2ص44باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا)

ترجمہ: "توشیح" کا مطلب یہ ہے کہ ایک لمبے کپڑے کو اس طرح لپیٹا جائے کہ اس کا کچھ حصہ سر پر ہو، کچھ دونوں کندھوں پر ہو اور (جہاں تک ممکن ہو) بدن کے ہر حصہ پر ہو۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

المحیط البرہانی میں ہے:

قال نجم الدين في «كتاب الخصائل»: قلت لشيخ الإسلام: إن محمداً يقول في «الكتاب» لا بأس بأن يصلي في ثوب واحد متوشحاً به، وقال: مراد محمد أن يكون ثوباً طويلاً يتوشح به فيجعل بعضه على رأسه وبعضه على منكبيه، وعلى كل موضع من بدنه أما ليس فيه تنصيص على إعراء الرأس والمنكبين.

(المحیط البرہانی: کتاب الصلاۃ، فی الفصل بین الاذان والاقامۃ)

ترجمہ: امام نجم الدین النسفی اپنی تالیف "کتاب الخصائل" میں لکھتے ہیں: میں نے شیخ الاسلام ابو الحسن السُّغدی البخاری سے پوچھا کہ امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ نے اپنی تالیف "الکتاب" میں لکھا ہے کہ اگر نمازی ایک کپڑے کو توشیحاً لپیٹ کر نماز پڑھے تو کوئی حرج نہیں (اس کا مطلب کیا ہے؟) تو انہوں نے جواب دیا کہ امام محمد رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ ایک لمبے کپڑے کو اس طرح لپیٹا جائے کہ اس کا کچھ حصہ سر پر ہو، کچھ دونوں کندھوں پر ہو اور (جہاں تک ممکن ہو) بدن کے ہر حصہ پر ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سر اور کندھے ننگے ہوں۔

لہٰذا اس دوسری حدیث سے معلوم ہو گیا کہ ایک کپڑے میں نماز اس طرح نہیں تھی کہ سر ننگا رہے جیسا کہ غیر مقلدین نے سمجھ رکھا ہے بلکہ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے سر بھی ڈھانپا جا سکتا ہے جیسا کہ توشیح کے معنی سے واضح ہوتا ہے۔

جواب نمبر 2:

یہ بیان جواز کے لیے ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وهذا كله دليل لبيان الجواز.

(شرح مسند ابی حنیفۃ لعلی القاری ج1 ص164)

ترجمہ: یہ بیان جواز کے لیے ہے۔

جواب نمبر 3

یہ مجبوری کی حالت تھی کہ اس وقت کپڑوں کی قلت تھی لوگ غریب تھے۔ چنانچہ مسند احمد میں حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے:

الصَّلَاةُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ سُنَّةٌ كُنَّا نَفْعَلُهُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُعَابُ عَلَيْنَا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ إِنَّمَا كَانَ ذَاكَ إِذْ كَانَ فِي الثِّيَابِ قِلَّةٌ فَأَمَّا إِذْ وَسَّعَ اللَّهُ فَالصَّلَاةُ فِي الثَّوْبَيْنِ أَزْكَى.

(مسند احمد بن حنبل: ج15 ص472 رقم الحدیث 21173)

ترجمہ: ایک کپڑے میں نماز ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پڑھتے تھے لیکن اس وقت ہم پر کوئی بھی عیب نہ دھرتا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ اس لیے تھا کہ اس وقت کپڑوں کی قلت تھی (لوگ غریب تھے) لیکن آج کے دور میں اللہ نے ہمیں وسعت دی ہے تو نماز دو کپڑوں میں بہتر ہے۔

معلوم ہوا کہ اس مسئلے کا تعلق سر ڈھانپنے سے نہیں بلکہ اس کا تعلق وسعت کے ساتھ ہے۔

جواب نمبر 4:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود غیر مقلد عالم سے اس حدیث کا طلب بیان کر دیا جائے ممکن ہے گھر کی گواہی کے سامنے سر تسلیم خم ہو جائے۔ مولوی محمد اسماعیل سلفی لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ اور اہل علم کا طریقہ وہی ہے جو اب تک مساجد میں متوارث اور معمول بہا ہے کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گزری جس سے اس عادت کا جواز ثابت ہو خصوصاً باجماعت فرائض میں بلکہ عادت مبارک یہی تھی کہ پورے لباس سے نماز

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ادا فرماتے تھے عام ذہن کے لوگوں کو (فی ثوب واحد) اس قسم کی احادیث سے غلطی لگی ہے کہ ایک کپڑے میں نماز (ادا) کی جائے تو سر ننگا رہے گا حالانکہ ایک کپڑے کو اگر پوری طرح لپیٹا جائے تو سر ڈھکا جاسکتا ہے۔ غرض کسی حدیث سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کی عادت اختیار کرنا ثابت نہیں محض بے عملی یا بد عملی یا کس کی وجہ سے یہ رواج پڑ رہا ہے بلکہ جہلا تو اسے سنت سمجھنے لگے ہیں۔

(فتاویٰ علماء حدیث ج4ص286تا289)

شبہ نمبر2:

زیارت بیت اللہ کے وقت سر ننگا رکھنا ضروری ہوتا ہے جو دلیل خشوع ہے اور نماز میں بھی خشوع و خضوع مطلوب ہے۔ لہذا نماز میں بھی سر ننگا رکھنا جائز ہے۔

جواب:

اس کے جواب میں ہم ناصر الدین البانی صاحب کی عبارت پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں:

وأما استدلال بعض إخواننا من أنصار السنة فی مصر علی جوازہ قیاسا علی حسر المحرم فی الحج فمن أبطل قیاس قرأته عن هؤلاء الإخوان کیف والحسر فی الحج شعیرة إسلامیة ومن مناسکه التی لا تشارکه فیها عبادة أخری ولو کان القیاس المذکور صحیحا للزم القول بوجوب الحسر فی الصلاة لأنه واجب فی الحج وهذا إلزام لا انفکاك لهم عنه إلا بالرجوع عن القیاس المذکور ولعلهم یفعلون

(تمام المنۃ فی التعلیق علی فقہ السنۃ: ج1ص165)

ترجمہ: اور رہا مصر میں ہمارے سنت کے پیروکار بھائیوں کا ننگے سر کے جواز کو حج میں احرام والے شخص کے ننگے سر ہونے پر قیاس کرنا جو میں نے پڑھا ہے، بالکل باطل ہے اور یہ قیاس صحیح کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ حج میں ننگے سر رہنا اسلامی شعار ہے اور حج کے ان مناسک میں سے ہے کہ جن میں کوئی دوسری عبادت شریک نہیں۔ اور اگر مذکورہ قیاس صحیح ہوتا تو پھر نماز میں سر ننگا کرنے کا قول لازم ہوگا (نہ کہ محض جائز) کیونکہ حج میں (بحالت احرام) یہ واجب ہے اور یہ ایسا الزام ہے کہ ان لوگوں کے لیے اس سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں سوائے اس کے کہ وہ اپنے مذکورہ قیاس سے رجوع کریں اور شائد کہ وہ اپنے قیاس سے رجوع کرلیں۔

شبہ نمبر3:

خود فقہ کی کتابوں میں ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا اگر خشوع کے ارادے سے ہو تو درست ہے۔ مثلاً منیۃ المصلی میں ہے:

وان یصلی حاسرا راسه تکاسلاً ولا باس اذا فعله تذللاً وخشوعاً۔

(منیۃ المصلی فصل کراھیۃ الصلاۃ)

ترجمہ: ننگے سر نماز پڑھنا اگر سستی کی وجہ سے ہے تو مکروہ ہے اور اگر عاجزی وخشوع کے ارادے سے پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔

جواب:

غیر مقلدین فقہاء کرام کی ان عبارات کا مطلب نہیں سمجھے اس لیے اس غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ہم شیخ ابراہیم حلبی (م956ھ) کی حلبی کبیر شرح منیۃ المصلی سے اس کا مطلب پیش کرتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں: (ولا باس اذا فعله) ای کشف الراس (تذللاً وخشوعاً) لان ذلك هو المقصود الاصلی فی الصلوٰۃ وفی قوله: له باس به اشارۃ الی ان الاولی ان لا یفعله وان یتذلل ویخشع بقلبه فانهما من افعال القلب۔

(حلبی کبیر ص349 کراھیۃ الصلاۃ)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: اور اگر عاجزی اور خشوع کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھے تو حرج نہیں اس لیے کہ عاجزی اور خشوع ہی نماز میں مقصود اصلی ہے اور یہ جو فرمایا کہ حرج نہیں اس کہنے میں اشارہ ہے کہ افضل یہی ہے کہ عاجزی وخشوع کی صورت میں بھی سر ننگا نہ کرے اور عاجزی وخشوع اپنے دل میں اختیار کرے کیونکہ یہ دونوں دل کے اعمال ہیں۔

منیۃ المصلی کی شرح حلبی صغیر میں ہے: وفی قوله لاباس اشارۃ الی ان الاولیٰ ان لا یفعله لان فیه ترك اخذ الزینة المأمور بها مطلقاً فی الظاهر۔

(حلبی صغیر: فصل کراھیۃ الصلاۃ)

ترجمہ: اور یہ جو فرمایا کہ "حرج نہیں" اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ افضل یہی ہے کہ عاجزی وخشوع کی صورت میں بھی سر ننگا نہ کرے کیونکہ سر ننگا کرنے میں اس زینت کو چھوڑنا لازم آتا ہے جس کا شریعت کی طرف سے بظاہر ہر حال میں حکم دیا گیا ہے (یعنی خواہ خشوع ہو یا نہ ہو)۔

مطلب یہ ہے کہ خواہ کسی کی عاجزی یا خشوع کی نیت ہو بھی تب بھی افضل یہی ہے کہ نماز ننگے سر نہ پڑھے بلکہ سر ڈھانپ کر پڑھے تاکہ زینت جس کا حکم خدا تعالیٰ نے دیا ہے کو ترک کرنا لازم نہ آئے۔

تنبیہ:

یہاں تو غیر مقلدین خشوع کا بہانہ کرکے ننگے سر نماز کے دعوے کر رہے ہیں لیکن قرآن کی آیت "الذین هم فی صلاتهم خٰشعون" میں جب خشوع کا حکم ہوتا ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری اس کی تفسیر عدم رفع یدین فی الصلاۃ سے کرتے ہیں تو غیر مقلدین رفع یدین کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ کیسی دورخی پالیسی ہے؟

غیر مقلدین کا ایک عمومی وعوامی اشکال:

اگر ننگے سر نماز پڑھنا بے ادبی ہے تو پھر حج وعمرہ کرنے والے کو بھی بے ادب کہو کیونکہ وہ بھی ننگے سر ہوتا ہے۔

جواب:

شریعت اعمال بجالانے کا نام نہیں بلکہ اداء پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ اگر اعمال اداءِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہیں تو دین ہیں اور اگر اداء پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نہ ہوں تو یہ دین نہیں ہے۔ مثلاً:

(1): رمضان المبارک کے دنوں میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک نہ کھانے کا نام روزہ ہے۔ اگر کوئی بندہ غروب آفتاب کے بعد بھی کھانے سے رک جائے تو یہ دین نہیں بلکہ موجبِ گناہ ہے، کیونکہ اداء پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔

(2): 29 یا 30 رمضان تک روزے رکھنا اداء پیغمبر کے مطابق ہے اس لیے مطابق شریعت ہے۔ اگر کوئی شخص یکم شوال کو بھی روزہ رکھے تو یہ خلافِ شریعت ہے اس لیے کہ اداء پیغمبر نہیں۔

اب اداء پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سر ڈھانپنا اور عمرہ میں سر ننگا رکھنا ہے۔ لہٰذا نماز میں سر ڈھانپنا اور حج وعمرہ میں سر ننگا رکھنا ہی عین ادب ہے کیونکہ اداءِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے۔ واللہ اعلم

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیس رکعات تراویح

از افادت: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت والجماعت:

تراویح بیس رکعت سنت مؤکدہ ہے۔

(ردالمحتار: ج2ص496،597، بدایہ المجتہد ج1ص214، قیام اللیل ص159، جامع الترمذی: ج1ص166 باب ماجاء فی قیام شہر رمضان)

مذہب غیر مقلدین:

تراویح کی تعداد آٹھ رکعت ہے۔ (تعداد رکعات قیام رمضان از زبیر علی زئی، آٹھ رکعت نماز تراویح از غلام مصطفیٰ ظہیر وغیرہ)

دلائل اہل السنت والجماعت

احادیث مرفوعہ

دلیل نمبر1: قال الامام الحافظ المحدث أبو بکر عبد اللہ بن محمد بن أبي شیبۃ العبسي الکوفی (م 235 ھ) : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2ص284 باب کم یصلي فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ، المعجم الکبیر للطبرانی ج5ص433رقم11934، المنتخب من مسند عبد بن حمید ص218رقم 653، السنن الکبری للبیہقی ج2ص496 باب مَا رُوِيَ فِي عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ.)

تحقیق السند: اسنادہ حسن و قد تلقتہ الامۃ بالقبول فھو صحیح.

اعتراض: اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ ہے جو عند المحدثین ضعیف ہے۔

جواب 1: ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ پر بعض ائمہ نے جرح کی تو ہے لیکن یہ اتنا بھی ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو چھوڑ دیا جائے، کیونکہ کئی محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔

1: امام شعبہ بن الحجاج م160ھ نے ابوشیبہ سے روایت لی ہے۔ (تہذیب الکمال للمزی: ج1 ص268، تہذیب التہذیب: ج1ص136)

اور غیر مقلدین کے ہاں اصول ہے کہ امام شعبہ اس راوی سے روایت لیتے ہیں جو ثقہ ہو اور اس کی احادیث صحیح ہوں۔

(القول المقبول فی شرح صلوۃ الرسول: ص386، نیل الاوطار: ج1ص36)

2: امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ الاساتذہ حضرت یزید بن ہارون رحمہ اللہ، ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کے زمانۂ قضاۃ میں ان کے کاتب تھے اور ان کے بڑے مداح تھے، فرماتے ہیں: "ماقضی علی الناس یعنی فی زمانہ اعدل فی قضاء منہ"۔ (تہذیب الکمال ج1ص270)

3: امام ابن عدی فرماتے ہیں: لہ احادیث صالحۃ (تہذیب الکمال ج1ص270)

مزید فرماتے ہیں: وھو وإن نسبوہ إلی الضعف خیر من إبراھیم بن أبي حیۃ. (تہذیب الکمال ج1ص270)

اور ابراہیم بن ابی حیہ کے بارے میں امام یحیٰ بن معین فرماتے ہیں: شیخ ثقۃ کبیر. (لسان المیزان ج1ص53، رقم الترجمۃ 127)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

لہذا جب ابراہیم بن ابی حیہ ثقہ ہے تو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ بدرجہ اولی ثقہ ہونا چاہیے۔

جواب 2: اس روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو روایت صحت کا درجہ پالیتی ہے۔ مثلاً

1: قال السیوطی: قال بعضھم یحکم للحدیث بالصحۃ اذا تلقاہ الناس بالقبول وان لم یکن لہ اسناد صحیح. (تدریب الراوی ص29)

2: قال الشیخ العلامۃ محمد انور شاہ الکشمیری: و ذھب بعضھم الی ان الحدیث اذا تاید بالعمل ارتقی من حال الضعف الی مرتبۃ القبول۔ قلت: و ھو الاوجہ عندی. (فیض الباری شرح البخاری: ج3، ص:409 کتاب الوصایا، باب الوصیۃ لوارث)

3: غیر مقلد عالم ثناء اللہ امر تسری نے اعتراف کیا: "بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں"
(اخبارِ اہل حدیث مورخہ 19 اپریل 1907 بحولہ رسائل اعظمی ص 331)

لہذا تلقی بالقبول ہونے کی وجہ سے یہ روایت بھی صحیح و حجت ہے۔

جواب نمبر 3: اس حدیث کو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ سے روایت کرنے والے چار محدث ہیں:

1: یزید بن ہارون: (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5 ص225)

2: علی بن جعد: (المعجم الکبیر للطبرانی: ج5 ص433 رقم 11934)

3: ابو نعیم فضل بن دکین: (المنتخب من مسند عبد بن حمید: ص218 رقم 653،)

4: منصور بن ابی مزاحم: (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص496)

اور یہ چاروں حضرات ثقہ ہیں:

1: یزید بن ہارون: ثقہ، متقن۔ (تقریب التہذیب ص637)

2: علی بن جعد: ثقہ، صدوق۔ (سیر اعلام النبلاء للذہبی: ج7 ص579)

3: ابو نعیم فضل بن دکین: ثقہ ثبت۔ (تقریب التہذیب ص475)

4: منصور بن ابی مزاحم: ثقہ۔ (تقریب التہذیب ص576)

ان ثقہ و عظیم محدثین کا ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ سے بیس رکعت نقل کرنے میں متفق ہونا قوی تائید ہے کہ یہ حدیث ثابت و صحیح ہے ورنہ یہ ثقہ حضرات اس طرح متفق نہ ہوتے۔

دلیل نمبر 2:

روی الامام المورخ أبو القاسم حمزۃ بن یوسف السھمی الجرجانی (م427ھ): حدثنا أبو الحسن علی بن محمد بن أحمد القصری الشیخ الصالح رحمہ اللہ حدثنا عبد الرحمن بن عبد المؤمن العبد الصالح قال أخبرنی محمد بن حمید الرازی حدثنا عمر بن ھارون حدثنا إبراھیم بن الحناز عن عبد الرحمن عن عبد الملک بن عتیک عن جابر بن عبد اللہ قال خرج النبی صلی اللہ علیہ و سلم ذات لیلۃ فی رمضان فصلی الناس أربعۃ وعشرین رکعۃ وأوتر بثلاثۃ.

(تاریخ جرجان للسہمی ص317، فی نسخۃ 142)

اسنادہ حسن و رواتہ ثقات۔

فائدہ: اس روایت میں چار رکعت فرض، بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اعتراض: اس میں دو راوی ہیں؛ محمد بن حمید الرازی اور عمر بن ہارون البلخی اور دونوں ضعیف ہیں۔

جواب: یہ حسن الحدیث درجہ کے راوی ہیں۔

محمد بن حمید الرازی: (م248ھ)

آپ ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ج5ص547)

اگرچہ بعض محدثین سے جرح منقول ہے لیکن بہت سے جلیل القدر ائمہ محدثین نے آپ کی تعدیل و توثیق اور مدح بھی فرمائی ہے مثلاً:

1: امام فضل بن دکین (م218ھ): عَدَّلَہٗ. (تاریخ بغداد: ج2ص74)

2: امام یحییٰ بن معین (م233ھ): ثقة، لیس به باس، رازی کیس. (تاریخ بغداد: ج2ص74، تہذیب الکمال للمزی: ج8ص652)

3: امام احمد بن حنبل (م241ھ): وثقه (طبقات الحفاظ للسیوطی ج1ص40)

وقال ایضاً: لایزال بالری علم مادام محمد بن حمید حیاً. (تہذیب الکمال للمزی: ج8ص652)

4: امام محمد بن یحییٰ الذہلی (م258ھ): عَدَّلَہٗ. (تاریخ بغداد: ج2ص73)

5: امام ابوزرعہ الرازی (م263ھ): عَدَّلَہٗ. (تاریخ بغداد: ج2ص73)

6: امام محمد بن اسحاق الصاغانی (م271ھ): عَدَّلَہٗ. (سیر اعلام النبلاء: ج8ص293)

7: امام جعفر بن ابی عثمان الطیالسی (م282ھ): ثقة. (تہذیب الکمال: ج8ص653)

8: امام ابونعیم عبد الملک بن محمد بن عدی الجرجانی (م323ھ): لان ابنَ حمیدٍ من حفاظِ اهلِ الحدیثِ. (تاریخ بغداد: ج2ص73)

9: امام الدارقطنی (م385ھ): اسنادہ حسن. [وفیہ محمد بن حمید الرازی]. (سنن الدارقطنی: ص27 رقم الحدیث 27)

10: امام خلیل بن عبد اللہ بن احمد الخلیلی (م446ھ): کان حافظاً عالماً بهذا الشان، رضیه احمد و یحییٰ. (تہذیب التہذیب: ج5ص550)

11: علامہ شمس الدین ذہبی (م748ھ): العلّامة، الحافِظ الکبِیر. (سیر اعلام النبلاء: ج8ص292)

وقال ایضاً: الحافظ و کان من اوعیة العلم. (العبر فی خبر من غبر: ج1ص223)

12: علامہ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی (807): " وفی اسناد بزار محمد بن حمید الرازی وهو ثقة. (مجمع الزوائد: ج9ص475)

13: حافظ ابن حجر (م852ھ): حافظ ضعیف و کان ابن مَعین حسنَ الرای فیه. (تقریب التہذیب: ص505)

14: علامہ جلال الدین سیوطی (م911ھ): وثقه احمد و یحییٰ و غیر واحد. (طبقات الحفاظ للسیوطی: ص216 رقم 479)

15: امام احمد بن عبد اللہ الخزرجی (م923ھ): الحافظ، و کان ابن مَعین حسنَ الرای فیه. (خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال للخزرجی: ص333)

چونکہ اس پر کلام ہے اور اس کی توثیق بھی کی گئی ہے، لہٰذا اصولی طور پر یہ حسن درجہ کا راوی ہے۔

عمر بن ہارون البلخی: (م294ھ)

آپ ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں۔ بعض حضرات نے جرح کی ہے لیکن بہت سے ائمہ نے آپ کی تعدیل و توثیق اور مدح و ثناء میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں:

الحافظ، الامام، المکثر، عالم خراسان، من اوعیة العلم، کثیر الحدیث، وارتحل، ثقة، مقارب الحدیث.

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ج1ص249، 248، سیر اعلام النبلاء: ج7ص148 تا 152، تہذیب التہذیب: ج4ص762 تا 765)

لہٰذا اصولی طور پر آپ بھی حسن الحدیث درجہ کے راوی ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

احادیث موقوفہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی تراویح کی رکعات کی تعداد بیان کرنے والے سات حضرات ہیں۔ یہ تمام حضرات بیس رکعات ہی روایت کرتے ہیں (مضطرب وضعیف روایات کا کوئی اعتبار نہیں) ذیل میں روایات پیش خدمت ہیں:

1: حضرت ابی بن کعب:

عن أبي بن كعب أن عمر أمر أبيا أن يصلي بالناس في رمضان فقال إن الناس يصومون النهار ولا يحسنون أن يقرؤا فلو قرأت القرآن عليهم بالليل فقال: يا أمير المؤمنين هذا شيء لم يكن فقال قد علمت ولكنه أحسن فصلى بهم عشرين ركعة.

(مسند احمد بن منیع بحوالہ اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری: ج2 ص424 باب فی قیام رمضان وماروی فی عدد رکعاتہ)

اسنادہ صحیح و رواتہ ثقات.

اعتراض:

آل حدیث نے لکھا: ''یہ روایت اتحاف الخیرۃ المھرۃ للبوصیری میں بغیر کسی سند کے احمد بن منیع کے حوالے مذکور ہے۔ سر فراز صفدر دیوبندی لکھتے ہیں کہ ''بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی'' (تعداد رکعات قیام رمضان ص74 از علی زئی غیر مقلد)

ایک اور صاحب نے بازاری زبان استعمال کرتے ہوئے لکھا: ''بے سند روایات وہی پیش کرتے ہیں جنکی اپنی کوئی سند نہ ہو۔''

(آٹھ رکعت نماز تراویح ص8)

جواب:

اولاً... الاحادیث المختارہ للمقدسی میں یہ روایت سند کے ساتھ موجود ہے جو کہ پیشِ خدمت ہے:

أخبرنا أبو عبدالله محمود بن أحمد بن عبدالرحمن الثقفي بأصبهان أن سعيد بن أبي الرجاء الصيرفي أخبرهم قراءة عليه أنا عبدالواحد بن أحمد البقال أنا عبيدالله بن يعقوب بن إسحاق أنا جدي إسحاق بن إبراهيم بن محمد بن جميل أنا أحمد بن منيع أنا الحسن بن موسى نا أبو جعفر الرازي عن الربيع بن أنس عن أبي العالية عن أبي بن كعب أن عمر أمر أبيا أن يصلي بالناس في رمضان الحديث. [الاحادیث المختارۃ للمقدسی ج3 ص367 رقم 1161]

ثانیاً:... علامہ ابن تیمیہ حضرت ابی بن کعب کے بیس رکعت پڑھانے کو ثابت مانتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

قد ثبت ان ابي بن كعب كان يقوم بالناس عشرين ركعة ويوتر بثلاث فرأى اكثر من العلماء ان ذلك هو السنة لانه قام بين المهاجرين والانصار ولم ينكره منكر. (فتاویٰ ابن تیمیہ قدیم: ج1 ص186، فتاویٰ ابن تیمیہ جدید: ج23 ص56)

2: حضرت سائب بن یزید:

1: عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون على عهد عمر في شهر رمضان بعشرين ركعة وإن كانوا ليقرءون بالمئين من القرآن.

(مسند ابن الجعد ص413 رقم الحدیث 2825، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج2 ص305 باب قیام رمضان رقم الحدیث 1365، السنن الکبری للبیہقی ج2 ص496 باب مَا رُوِيَ فِي عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ.)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری.

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

2: روی مالك من طريق يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد عشرين ركعة. (نیل الاوطار للشوکانی ج3 ص57)

فائدہ: یہ طریق صحیح البخاری (ج1 ص312) پر موجود ہے۔

3: عن السائب بن يزيد قال...القيام على عهد عمر ثلاثة وعشرين ركعة. (مصنف عبد الرزاق ج4 ص201، حدیث نمبر7763)

4: عن السائب بن يزيد قال: كنا نقوم فى زمان عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر.

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج2 ص305 باب قیام رمضان رقم الحدیث1365)

تصحیح روایت سائب بن یزید:

1: نیز امام نووی نے اس کی سند کو "صحیح" کہا ہے۔ (مرقات المفاتیح: ج3 ص345)

2: علامہ نیموی نے فرمایا: یہ حدیث "صحیح" ہے (التعلیق الحسن علی آثار السنن: ص222)

3: حضرت محمد بن کعب القرظی:

قال محمد بن كعب القرظى كان الناس يصلون فى زمان عمر بن الخطاب فى رمضان عشرين ركعة. (قیام اللیل للمروزی ص157)

شبہ:

یہ روایت مرسل ہے، کیونکہ محمد بن کعب القرظی کی حضرت عمر بن الخطاب سے ملاقات ثابت نہیں۔

جواب:

محمد بن کعب القرظی [م120ھ] خیر القرون کے ثقہ محدث ہیں۔ (تقریب التہذیب ص534)

اور خیر القرون کا ارسال جمہور محدثین خصوصاً احناف و موالک کے ہاں صحت حدیث کے منافی نہیں۔

4: حضرت یزید بن رومان:

عن يزيد بن رومان انه قال كان الناس يقومون فى زمان عمر بن الخطاب فى رمضان بثلث وعشرين ركعة.

(موطا امام مالک ص98)

اسناده صحيح على شرط البخاري و مسلم.

شبہ:

غیر مقلد شبہ کرتے ہیں کہ یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا، اس لئے یہ سند منقطع ہے۔ (تعداد رکعات قیام رمضان ص77)

جواب نمبر1:

یہ اثر موطا امام مالک (ص98) میں موجود ہے اور موطا امام مالک کے متعلق محدثین کی رائے یہ ہے:

قال الشافعي : أصح الكتب بعد كتاب الله موطأ مالك، واتفق أهل الحديث على أن جميع ما فيه صحيح على رأي مالك ومن وافقه، وأما على رأي غيره فليس فيه مرسل ولا منقطع إلا قد اتصل السند به من طرق أخرى، فلا جرم أنها صحيحة من هذا الوجه، وقد صنف فى زمان مالك موطآت كثيرة فى تخريج أحاديثه ووصل منقطعه، مثل كتاب ابن أبي ذئب وابن عيينة والثوري ومعمر. (حجۃ اللہ البالغۃ: ص281، باب طبقات کتب الحدیث، وفی نسخۃ: ج1 ص305 قدیمی کتب خانہ)

جواب نمبر2:

یزید بن رومان م130ھ ثقہ راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب ص632) اور خیر القرون کے ثقہ محدث ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اور جمہور محدثین خصوصاً احناف وموالک کے ہاں خیر القرون کا ارسال وانقطاع مضر صحت نہیں۔(قواعد فی علوم الحدیث للعثمانی ص138وغیرہ) پس اعتراض باطل ہے۔

جواب نمبر3:

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

وقال الشافعي: يُقْبَلُ إن اعْتَضَد بمجيئه مِن وجهٍ آخرَ يُبايِنُ الطريقَ الأُولى، مسنَداً أو مرسَلاً.

(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر: ص101، فی نسخۃ: ص86 مکتبہ رحمانیہ)

اور یزید بن رومان کے اثر کو دیگر کئی مرسلوں سے تائید حاصل ہے (جن کا بیان آگے آرہا ہے) پس یہ اثر بالاتفاق مقبول ہے۔

5:حضرت یحیٰ بن سعید:

عن يحيى بن سعيد ان عمر بن الخطاب امر رجلا يصلي بهم عشرين ركعة. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5ص223)

شبہ:

بعض آل حدیث نے لکھا: یحی بن سعید نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں پایا، لہذا یہ روایت منقطع ہے۔(ملخصاً مقدار قیام رمضان ص76)

جواب:

امام یحی بن سعید م144ھ خیر القرون کے ثقہ ونیک محدث ہیں۔(تقریب التہذیب ص622)

اور پہلے وضاحت سے گزر چکا ہے کہ خیر القرون کا انقطاع وارسال عند الجمہور خصوصاً عند الاحناف صحت حدیث کے منافی نہیں۔ پس اثر صحیح ہے۔

6: حضرت عبد العزیز بن رفیع

آپ رحمہ اللہ مشہور تابعی ہیں۔ حضرت انس، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ کے شاگرد ہیں، صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ج4ص189، 190)

آپ فرماتے ہیں:

كَانَ أُبَيّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فِي رَمَضَانَ بِالْمَدِينَةِ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5ص224 کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

اسناده صحيح ورواته ثقات

فائدہ: مشہور قول کے مطابق حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب: ج1ص178) گویا عبد العزیز بن رفیع نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی تراویح کو ذکر کیا ہے، اس لیے ہم ان کی روایت اس باب میں لائے ہیں۔

7: حضرت حسن بصری:

عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس على ابي بن كعب في قيام رمضان فكان يصلي بهم عشرين ركعة.

(سنن ابی داؤد ج1ص203 باب القنوت فی الوتر)

اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

شبہ:

بعض الناس نے لکھا: "عشرین رکعة" کے الفاظ دیوبندی تحریف ہے۔ محمود الحسن دیوبندی (1268-1339) نے یہ تحریف کی ہے، "عشرین لیلة" بیس راتیں کی بجائے "عشرین رکعة" بیس رکعتیں کر دیا۔ (آٹھ رکعت نماز تراویح ص9)

بعض نے یوں لکھا: یہ بات سفید جھوٹ ہے۔ (مقدار رکعات قیام رمضان ص30)

جواب:

اولاً:.... حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ ایک غیر مقلد سلطان محمود جلالپوری کے جواب میں فرماتے ہیں:

" ابو داؤد کے دو نسخے ہیں، بعض نسخوں میں عشرین رکعة اور بعض میں عشرین لیلة ہے۔ جس طرح قرآن پاک کی دو قرأتیں ہوں تو دونوں کو ماننا چاہیے، ہم دونوں نسخوں کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن حیلہ بہانے سے انکار حدیث کے عادی سلطان محمود جلالپوری نے اس حدیث کا انکار کر دیا اور الٹا الزام علماء دیوبند پر لگا دیا۔" (تجلیات صفدر ج3 ص316)

ثانیاً:.... جلیل القدر محدثین و محققین نے اس روایت کو "عشرین رکعة" کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے، مثلاً:

1: علامہ ذہبی نے ابو داؤد کے حوالے سے "عشرین رکعة" نقل کیا۔ (سیر اعلام النبلاء ج3 ص177، 176 تحت ترجمہ ابی بن کعب)

2: علامہ ابن کثیر۔ (جامع المسانید والسنن ج1 ص55)

3: الشیخ محمد علی الصابونی۔ (الهدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح ص56)

4: شیخ الہند مولانا محمود حسن۔ (سنن ابی داؤد بتحقیق شیخ الہند ج1 ص211)

5: نسخہ مطبوع عرب۔ (ص1429 بحوالہ تجلیات صفدر ج3 ص316)

یہ 5 حوالہ جات لاعلم لوگوں کو چپ کرانے کے لیے کافی ہیں۔

فائدہ: حضرت عمر کے زمانے میں پڑھی جانے والی تراویح کے چھ راوی گزر چکے ہیں جو "عشرین رکعة" نقل کرتے ہیں، یہ زبردست تائید ہے کہ "عشرین رکعة" والا نسخہ ابی داؤد بھی صحیح و ثابت ہے۔ والحمد للہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَكَانُوا يَقْرَءُونَ بِالْمِئِينِ ، وَكَانُوا يَتَوَكَّئُونَ عَلَى عُصِيِّهِمْ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ.

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص496 باب مَارُوِيَ فِي عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بیس تراویح کو روایت کرنے والے تین حضرات ہیں۔ ان کی مرویات پیشِ خدمت ہیں:

1: حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما:

حدثني زيد بن علي عن ابيه عن جده عن علي انه امر الذي يصلي بالناس صلاة القيام في شهر رمضان ان يصلي بهم عشرين ركعة يسلم في كل ركعتين ويراوح مابين كل اربع ركعات فيرجع ذوالحاجة ويتوضأ الرجل وان يوتر بهم من آخر الليل حين الانصراف. (مسند الامام زید ص159، 158، فی نسخۃ: ص155)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

2:حضرت ابو عبد الرحمن السلمی:

عن ابی عبدالرحمن السلمی عن علی قال دعا القراء فی رمضان فأمر منهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة وکان علی یوتر بهم. (السنن الکبری للبیہقی ج2ص496)

شبہ نمبر1:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس میں ایک راوی حماد بن شعیب ضعیف ہے۔

جواب:

اولاً:... اگرچہ حماد بن شعیب کی بعض ائمہ نے تضعیف کی ہے لیکن دیگر ائمہ نے اس کی توثیق بھی کی ہے مثلاً:

1: امام ابن عدی فرماتے ہیں: یکتب حدیثه مع ضعفه (لسان المیزان: ج2ص348)

یعنی اس کی حدیث اس کے ضعف کے باوجود لکھی جا سکتی ہے۔

ارشاد الحق اثری کے نزدیک "یکتب حدیث" کا جملہ الفاظ تعدیل میں شمار ہوتا ہے۔(توضیح الکلام ج1ص547، فی نسخۃ: ص496)

2: امام ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے۔(تہذیب الکمال: ج8ص378)

3: علامہ ابن تیمیہ نے اسی حماد بن شعیب والی روایت سے استدلال کیا ہے۔ (منہاج السنہ ج2ص224)

4: امام بیہقی نے اس اثر علی کو اثر شتیر بن شکل کی قوت کے لیے روایت کیا ہے جو دلیل ہے کہ یہ امام بیہقی کے نزدیک قوی ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص496)

5: علامہ ذہبی جیسے ناقد فن نے اس پر المنتقیٰ ص542 پر سکوت فرمایا ہے۔ (تجلیات صفدر ج3ص323)

6: امام ترمذی حضرت علی سے مروی اس بیس رکعت والی روایت کو صحیح مانتے ہیں جب ہی تو استدلال کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں: واکثر اهل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة۔(سنن الترمذی ج1ص166)

لہذا اصولی طور پر حماد بن شعیب حسن الحدیث درجہ کا راوی ہے اور حدیث مقبول ہے۔

ثانیاً:.... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کی تراویح کے راوی حضرت حسین اور ابو الحسناء بھی ہیں۔ لہذا اس سند میں اگر ضعف ہو (جبکہ یہ حسن درجہ کی روایت ہے) تو ان مویدات کی وجہ سے ختم ہو جائے گا۔

شبہ نمبر2:

عطاء بن السائب "مختلط راوی ہے، حماد بن شعیب ان لوگوں میں سے نہیں جنہوں نے اس سے قبل الاختلاط سنا ہے۔ (آٹھ رکعت نماز تراویح ص13)

جواب:

اولاً:.... عطاء بن السائب اگر آخر عمر میں مختلط ہو گئے تھے لیکن اتنے بھی نہیں کہ ان کی احادیث ضعیف قرار دی جائیں بلکہ باجود اختلاط کے محدثین کے ہاں ان کی احادیث کم از کم "حسن" درجہ کی ضرور ہیں۔ مثلاً:

1: قال الہیثمی تحت حدیث: "وفیه عطاء بن السائب وفیه کلام وهو حسن الحدیث" (مجمع الزوائد ج3ص142، باب التکبیر علی الجنازۃ)

2: علامہ ذہبی: تابعی مشهور حسن الحدیث (المغنی فی الضعفاء ج2ص59، رقم الترجمۃ 4121)

3: امام حاکم عطاء بن السائب کی ایک روایت جسے جریر بن عبد الحمید نے روایت کیا ہے، کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: صحیح الاسناد۔ (المستدرک للحاکم ج5ص350، 351 کتاب التوبۃ والانابۃ)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حالانکہ جریر کا سماع بعد الاختلاط کا ہے۔(الشذا الفیاح من علوم ابن الصلاح: ج 1 ص 453. طبع دار ابن حزم)

معلوم ہوا آپ اختلاط کے باوجود ''حسن الحدیث'' ہیں۔

4: حافظ ابن حجر: وکان اختلط بآخرہ ولم یفحش حتی یستحق ان یعدل بہ عن مسلك العدول۔(تہذیب التہذیب ج4ص493) کہ عطاء بن السائب آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے لیکن اتنے فاحش اور زیادہ مختلط بھی نہیں ہوئے کہ وہ اختلاط کی وجہ سے عادل (وثقہ) ہیں راویوں کی راہ سے تجاوز کر جائیں۔

5: امام مسلم: انہوں نے عطاء بن السائب کو مقدمہ مسلم میں قابل اعتماد اور طبقہ ثانیہ کا راوی شمار کیا ہے جن سے صحیح مسلم میں روایت لی ہے۔(مقدمہ مسلم: ص3)

لہذا یہ حسن الحدیث راوی ہے اور روایت حسن درجہ کی ہے۔

ثانیاً:.... اس روایت کی مؤید دیگر روایات بھی ہیں جن میں حضرت حسین اور حضرت ابو الحسناء کے طریق ہیں۔ پس یہ روایت مؤیدات کی وجہ سے حجت و قابل اعتماد ہے۔

3: حضرت ابو الحسناء:

عَنِ أَبِي الْحَسْنَاءِ: أَنَّ عَلِيًّا أَمَرَ رَجُلاً يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5 ص223، السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص497)

اسنادہ حسن

فائدہ: اس روایت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ''حکم'' دینے کا ذکر ہے۔

شبہ: غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ابو الحسناء مجہول ہے، لہذا روایت ضعیف ہے۔

جواب: اولاً:۔۔۔ عند الاحناف خیر القرون کی جہالت، تدلیس اور ارسال جرح ہی نہیں اور شوافع کے ہاں متابعت سے یہ جرح ختم ہو جاتی ہے۔ اس روایت میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعت تراویح روایت کرنے میں ابو الحسناء اکیلے نہیں بلکہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور امام ابو عبد الرحمن سلمی بھی یہی روایت کرتے ہیں۔(تجلیات صفدر ج3 ص324)

ثانیاً:۔۔۔ ابو الحسناء سے دو راوی یہ روایت نقل کر رہے ہیں:

1: عمرو بن قیس۔(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5 ص223)

2: ابو سعید البقال۔(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص497)

اور یہ دونوں بالترتیب ثقہ اور صدوق ہیں۔(تقریب التہذیب ص456 وص299)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: من روی عنہ اکثر من واحد ولم یوثق الیہ الاشارۃ بلفظ مستور او مجھول الحال.(تقریب التہذیب ص111)

یہاں ابو الحسناء سے بھی دو راوی یہ روایت کر رہے ہیں۔ لہذا اصولی طور پر یہ مجہول نہیں بلکہ مستور راوی بنتا ہے۔ غیر مقلدین کا اسے مجہول العین کہہ کر روایت کو رد کرنا شرمناک ہے۔

الحاصل ابو الحسناء مستور راوی ٹھہرتا ہے اور محدثین کے ہاں قاعدہ ہے کہ مستور کی متابعت کوئی دوسرا راوی کرے جو مرتبہ میں اس سے بہتر یا برابر ہو تو اس کی روایت حسن ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

'' ومتی توبع السئی الحفظ بمعتبر کان یکون فوقہ او مثلہ لا دونہ وکذا المختلط الذی لا یتمیزوا المستور والاسناد المرسل وکذا المدلس صار حدیثھم حسنا لا لذاتہ بل وصفہ باعتبار المجموع'' (نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر: ص120)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: جب سئ الحفظ راوی کی متابعت کسی معتبر راوی سے ہو جائے جو مرتبہ میں اس سے بہتر یا برابر ہو کم نہ ہو۔ اسی طرح مختلط راوی جس کی روایت میں تمیز نہ ہو سکے اور اسی طرح مستور، مرسل اور مدلس کوئی تائید کر دے تو ان سب کی روایات حسن ہو جائیں گی اپنی ذات کی وجہ سے بلکہ مجموعی حیثیت کے اعتبار سے۔

ابو الحسناء کی متابعت ابو عبد الرحمن نے کی ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص496)

اور یہ ابو الحسناء سے بڑھ کر ثقہ راوی ہے۔ اس لئے ابو الحسناء کی یہ روایت جمہور کے نزدیک بھی مقبول ہے۔

دیگر صحابہ کرام و تابعین عظام

1: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

كان ابن مسعود رضى الله عنه يصلى بنا فى شهر رمضان فينصرف وعليه ليل قال الاعمش كان يصلى عشرين ركعة ويوتر بثلاث. (قیام اللیل للمروزی ص157)

فائدہ: اس روایت کی مکمل سند عمدۃ القاری شرح البخاری للعلامۃ العینی میں ہے جو کہ یہ ہے:

رواه محمد بن نصر المروزی قال أخبرنا يحيى بن يحيى أخبرنا حفص بن غياث عن الأعمش عن زيد بن وهب قال كان عبد الله بن مسعود. (عمدۃ القاری ج8 ص246 باب فضل من قام رمضان)

اسناده صحيح على شرط البخاری و مسلم.

2: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:

حضرت عبد العزیز بن رفیع رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

كان ابى بن كعب يصلى بالناس فى رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويوتر بثلاث۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج2 ص224 کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

اسناده صحيح و رواته ثقات.

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ:

آپ فرماتے ہیں:

ادركت الناس وهم يصلون ثلاثا وعشرين ركعة بالوتر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج5 ص224)

اسناده صحيح على شرط البخاری و مسلم.

امام ابراہیم النخعی:

آپ فرماتے ہیں:

ان الناس كانوا يصلون خمس ترويحات فى رمضان. (کتاب الآثار بروایہ ابی یوسف ص41 باب السہو)

اسناده صحيح على شرط الشيخين

سیدنا شتیر بن شکل:

عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ: أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5 ص222)

اسناده حسن و رواته ثقات

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

سیدنا ابو البختری :

عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ: أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ فِي رَمَضَانَ وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5ص224 باب کم یصلی فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ)

اسنادہ حسن و رواتہ ثقات

سیدنا سوید بن غفلہ:

وَأَخْبَرَنَا أَبُو زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ : مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ أَخْبَرَنَا أَبُو الْخَصِيبِ قَالَ: كَانَ يَؤُمُّنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ فِي رَمَضَانَ فَيُصَلِّي خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ عِشْرِينَ رَكْعَةً.

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص496 باب مَا رُوِيَ فِي عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ)

سیدنا ابن ابی ملیکہ:

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يُصَلِّي بِنَا فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5 ص223، 224. باب کم یصلی فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

سیدنا سعید بن جبیر:

عن إسماعيل بن عبد الملك قال كان سعيد بن جبير يؤمنا في شهر رمضان فكان يقرأ بالقراءتين جميعا يقرأ ليلة بقراءة بن مسعود فكان يصلي خمس ترويحات. (مصنف عبد الرزاق ج4ص204 باب قیام رمضان)

سیدنا علی بن ربیعہ:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ عُبَيْدٍ: أَنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبِيعَةَ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5ص224 باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

اسنادہ حسن و رواتہ ثقات.

سیدنا حارث:

عَنِ الْحَارِثِ: أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِي رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5ص224 باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

جمہور علماء کا موقف اور اجماع امت

(1)۔۔ملا علی قاری فرماتے ہیں: اجمع الصحابه على ان التراويح عشرون ركعة. (المرقات ج3ص346)

وقال ايضاً: فصار اجماعا لما روى البيهقي باسناد صحيح انهم كانو يقيمون على عهد عشرين ركعة وعلى عهد عثمان وعلى رضی الله عنه.(شرح نقایه: ج1ص342)

(2)۔۔علامہ سید محمد بن محمد الزبیدی المعروف مرتضیٰ بلگرامی فرماتے ہیں:

وبالاجماع الذي وقع في زمن عمر اخذ ابو حنيفة والنووي والشافعي واحمد والجمهور واختاره ابن عبد البر.

(اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین للبلگرامی: ج3ص422)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

(3)۔۔امام ترمذی فرماتے ہیں:

واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة.

(سنن الترمذی ج1ص166)

(4)۔۔مشہور فقیہ، ملک العلماء علامہ ابو بکر الکاسانی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب بدائع الصنائع میں اس اجماع کا تذکرہ ان الفاظ سے کرتے ہیں:

والصحیح قول العامة لماروی ان عمر رضی الله عنه جمع ابی بن کعب فصیلی بهم فی کل لیلة عشرین رکعة ولمینکر علیه احدفیکون اجماعامنهم علی ذلك.

(بدائع الصنائع ج1ص644)

(5)۔۔مشہور محدث علامہ ابوزکریا یحیی بن شرف نووی مشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اعلم ان صلاة التراویح سنة باتفاق العلماء وهی عشرون رکعة. (کتاب الاذکارص226)

(6)۔۔علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وهوقول جمهور العلماء وبه قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقهاء وهوالصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابة.

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج8ص246)

(7)۔۔خاتمہ المحققین وسیع النظر عالم علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(وهی عشرون رکعته)هوقول الجمهور وعلیه عمل الناس شرقا وغربا. (رد المحتار لابن عابدین الشامی: ج2ص599)

(8)۔۔استاذ المحدثین فقیہ النفس، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ اپنے رسالہ الحق الصریح میں فرماتے ہیں:

الحاصل ثبوت بست رکعت باجماع صحابه رضی الله عنه درآخر زمان عمر رضی الله عنه ثابت شد پس سنت باشد وکسیکه از سنت آه انکار دار وخطاست۔ (الحق الصریح ص14)

خلاصہ یہ کہ بیس رکعات کا ثبوت اجماع صحابہ سے آخر عہد فاروقی میں ثابت شدہ ہے لہذا یہی سنت ہے اور جو شخص اس کے سنت ہونے کا انکار کرے وہ غلطی پر ہے۔

بلاد اسلامیہ میں تعداد تراویح

اہل مکہ:

1: قال الامام مالک بن انس: وبمکة بثلاث وعشرین (نیل الاوطار ج3ص57)

2: قال الامام عطاء بن ابی رباح المکی التابعی: ادرکت الناس وهم یصلون ثلاث وعشرین رکعة بالوتر. (مصنف ابن ابی شیبہ ج5ص224)

3: قال الامام محمد بن ادریس الشافعی: هکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة (جامع ترمذی ج1ص166)

اہل مدینہ:

1: حضرت ابن ابی ملیکہ مشہور تابعی ہیں تیس صحابہ کرام کی زیارت کی ہے آپ مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں (تہذیب ج3ص559)

آپ کے متعلق نافع بن عمر فرماتے ہیں:

کان ابن ابی ملیکه یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج5ص223، 224 باب کم یصلی فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

2:حضرت داؤد بن قیس رحمہ اللہ جو مدینہ کے رہنے والے تھے مشہور محدث وحافظ تھے، فرماتے ہیں:

ادرکت الناس بالمدینة فی زمن عمر بن عبدالعزیز وابان بن عثمان یصلون ستا وثلاثین رکعة ویوترون بثلاث.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج5ص224 باب کم یصلی فِی رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ)

فائدہ: 36رکعات تراویح کیسے بنی؟امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

تشبیها باهل مکة حیث کانوا یطوفون بین کل ترویحتین طوافا ویصلون رکعتیه ولا یطوفون بعد الخامسة فاراد اهل المدینة مساواتهم فجعلوا مکان کل طواف اربع رکعات. (الحاوی للفتاوی ج1ص336)

گویا ان کی اضافی رکعات تراویح کا حصہ نہ تھیں بلکہ درمیان کی نفلی عبادت میں شامل تھیں۔تراویح فقط بیس رکعات تھیں۔

اہل کوفہ:

کوفہ ایک اسلامی شہر ہے جو عہد فاروقی میں 17ھ میں بحکم امیر المومنین تعمیر کیا گیا حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے عظیم المرتبت صحابی کو تعلیم وتدریس کے لیے کوفہ شہر بھیجا گیا۔حضرت علی نے اسے دارالخلافہ بنایا ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس شہر میں چار ہزار حدیث کے طلبہ اور چار سو فقہاء موجود تھے امام بخاری فرماتے کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ کوفہ طلب حدیث کے لیے کتنی مرتبہ گیا ہوں (مقدمہ نصب الرایۃ للکوثری ملخصًا)

1:کوفہ کے مشہور فقیہ ومفتی حضرت ابراہیم بن یزید نخعی فرماتے ہیں:

الناس کانوا یصلون خمس ترویحات فی رمضان. (کتاب الاثار بروایۃ ابی یوسف القاضی:ص41)

2:مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیر جنھوں حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر وغیرہ جیسے القدر صحابہ سے علم حاصل کیا، کوفہ ہی میں شہید کیے گئے، آپ کے بارے میں منقول ہے: عن إسماعیل بن عبد الملك قال كان سعيد بن جبير يؤمنا فی شهر رمضان فكان يقرأ بالقراءتین جمیعا یقرأ لیلة بقراءة بن مسعود فكان يصلي خمس ترويحات. (مصنف عبدالرزاق ج4ص204باب قیام رمضان)

3:حضرت شتیر بن شکل، حضرت علی کے شاگرد تھے کوفہ میں رہائش پذیر تھے آپ کے بارے میں روایت ہے کہ:

عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ: أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ:ج5ص222 باب کم یصلی فِی رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ. اسنادہ حسن ورواتہ ثقات)

4:حارث ہمدانی (م65ھ): حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کے شاگرد تھے، کوفہ میں وفات پائی۔ آپ کے بارے میں روایت ہے:

عَنِ الْحَارِثِ: أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِي رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ. (مصنف ابن ابی شیبۃ ج5ص224)

5:مشہور تابعی امام سفیان ثوری کوفہ کے رہنے والے تھے 161ھ میں وفات پائی آپ بھی بیس رکعات تراویح کے قائل تھے،

قال الترمذی رحمه الله : روی عن عمر و علی وغیرهما من أصحاب النبی صلی الله علیه و سلم عشرین رکعة وهو قول الثوری. (سنن الترمذی ج1ص166 باب ماجاء فی قیام شہر رمضان)

اہل بصرہ:

حضرت یونس بن عبید جو حضرت حسن بصری اور امام ابن سیرین کے شاگرد اور سفیان ثوری وشعبہ کے استاد ہیں، فرماتے ہیں:

ادرکت مسجد الجامع قبل فتنة ابن الاشعث یصلی بهم عبدالرحمن بن ابی بکر وسعید بن ابی الحسن وعمران العبدی کانوا یصلون خمس تراویح. (قیام اللیل للمروزی ص158)

ابن الاشعث کا فتنہ 83ھ میں پید البصرہ میں برپا ہوا تھا گویا کہ 83ھ تک بصرہ میں بھی 20رکعات تراویح کا ہی رواج تھا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور بیس رکعات تراویح

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ:

امام اعظم فی الفقہاء امام ابو حنیفہ اور آپ کے تمام مقلدین بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔

1: علامہ ابن رشد اپنی مشہور کتاب بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

فاختار ۔۔۔ابو حنیفۃ۔۔۔ القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر ۔(ج1ص214)

2: امام فخر الدین قاضی خان حنفی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

عن ابی حنیفۃ: قال القیام فی شہر رمضان سنۃ... کل لیلۃ سوی الوتر عشرین رکعۃ خمس ترویحات. (ج1ص112)

3: علامہ ابن عابدین شامی جو فقہ حنفی کے عظیم محقق ہیں، فرماتے ہیں:

(قولہ وعشرون رکعۃ) وھو قول الجمہور وعلیہ عمل الناس شرقا وغربا. (رد المحتار: ج2ص599)

امام مالک بن انس رحمہ اللہ:

امام مالک نے ایک قول کے مطابق بیس رکعت تراوین کو مستحسن کہا ہے چنانچہ علامہ ابن رشد فرماتے ہیں:

واختار ما لک فی احد قولیہ... القیام بعشرین رکعۃ. (بدایۃ المجتہد: ج1ص214)

دوسرا قول چھتیس رکعت کا ہے جن میں بیس رکعت تراویح اور سولہ نفل تھیں۔ (تفصیل گزر چکی ہے)

امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ:

ائمہ اربعہ میں سے مشہور امام ہیں، آپ فرماتے ہیں:

احب الی عشرون... و کذالک یقومون بمکۃ (قیام اللیل ص159)

وقال ایضاً: وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ. (الترمذی ج1ص166 باب ماجاء فی قیام شہر رمضان)

مشہور شافعی عالم محقق العصر امام نووی دمشقی فرماتے ہیں:

اعلم ان صلوۃ التراویح سنۃ باتفاق العلماء وھی عشرون رکعۃ۔ (کتاب الاذکار ص226)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

آپ مجتہد اور بہت بڑے محدث تھے۔ بیس رکعت تراویح کے قائل تھے۔ چنانچہ فقہ حنبلی کے ممتاز ترجمان امام ابن قدامہ لکھتے ہیں:

والمختار عند ابی عبداللہ (احمد بن حنبل) فیہا عشرون رکعۃ وبہذا قال الثوری وابو حنیفہ والشافعی (المغنی: ج2ص366)

مشائخ کرام اور بیس رکعت تراویح

امت مسلمہ میں جو مشائخ کرام گزرے ہیں ان کا عمل واخلاق حسن کردار اس امت کے لیے قابل اتباع ہے ان کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ بھی بیس رکعت پر عمل پیرا نظر آتے ہیں جو یقیناً رشد وہدایت کی دلیل ہے چند مشہور مشائخ کی تصریحات پیش خدمت ہیں۔

1: شیخ ابو حامد محمد غزالی م505ھ: التراویح وھی عشرون رکعۃ و کیفیتہا مشہورۃ وھی سنۃ موکدۃ. (احیاء العلوم ج1ص242،243)

2: شیخ عبد القادر جیلانی م561ھ: صلوۃ التراویح سنۃ النبی وھی عشرون رکعۃ. (غنیۃ الطالبین ص268،267)

3: شیخ امام عبد الوہاب شعرانی م973ھ: التراویح فی شہر رمضان عشرون رکعۃ (المیزان الکبریٰ: ص217)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حرمین شریفین اور بیس رکعات تراویح

اسلام کے دو مقدس حرم، حرم مکہ وحرم مدینہ میں چودہ سو سال سے بیس رکعت سے کم تراویح پڑھنا ثابت نہیں بلکہ بیس رکعت ہی متوارث ومتواتر عمل رہا ہے۔ چنانچہ مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے سابق قاضی شیخ عطیہ سالم نے مسجد نبوی میں نمازتراویح کی چودہ سوسالہ تاریخ پر "التراویح اکثر من الف عام" کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف فرماکر ثابت کیا ہے کہ چودہ سو سالہ مدت میں بیس رکعت متواتر عمل ہے اس سے کم ثابت نہیں۔ جامعہ ام القری مکہ مکرمہ کی طرف سے کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ مکہ مکرمہ کے استاد شیخ محمد علی صابونی کا ایک رسالہ الھدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح کے نام سے شائع کیا گیا ہے جس میں شیخ صابونی نے عہد خلافت راشدہ سے لے کر عہد حکومت سعودیہ تک مکہ مکرمہ ومسجد حرام میں ہمیشہ بیس رکعات تراویح پڑھے جانے کا ثبوت دیا ہے۔

غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات

نمبر1:

غیر مقلدین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بڑے زور و شور سے پیش کرتے ہیں کہ اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہے۔ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلمہ بن عبدالرحمن نے ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسی ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعاً فلاتسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعاً فلاتسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثاً"

(صحیح بخاری)

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعتیں پڑھے، پس کچھ نہ پوچھو کتنی حسین ولمبی ہوتی تھیں، اس کے بعد پھر چار رکعت پڑھتے، کچھ نہ پوچھو کتنی حسین اور لمبی ہوتی تھیں، پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

جواب نمبر1:

اس روایت سے آٹھ رکعت تراویح پر استدلال باطل ہے، اس لیے کہ:

1: اس میں "رمضان وغیر رمضان" میں ہمیشہ گیارہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے، غیر رمضان میں نہیں۔ حدیث کے جملہ "ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ" سے یہی بات سمجھ میں آ رہی ہے۔

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس سے وہ نماز مراد ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھی جاتی ہے اور وہ نمازِ تہجد ہے نہ کہ نمازِ تراویح[وضاحت آگے آ رہی ہے]

2: اس حدیث میں گیارہ رکعت تنہا پڑھنے کا ذکر ہے نہ کہ جماعت کے ساتھ اور تراویح جماعت سے پڑھی جاتی ہے۔

3: اس میں ایک سلام سے چار رکعت کا ذکر ہے جبکہ تراویح ایک سلام سے دو دو رکعت پڑھی جاتی ہیں۔

جواب نمبر2:

محدثین کے نزدیک بھی یہ حدیث تراویح کے متعلق نہیں۔ کیونکہ عام طور پر حضرات محدثین کا طرز یہ ہے کہ تہجد کے لیے "باب قیام اللیل" اور تراویح کے لیے "باب قیام رمضان" قائم کرتے ہیں۔ مثلاً...

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نام کتاب	باب تہجد	باب تراویح
صحیح البخاری	باب فضل قیام اللیل	باب فضل من قام رمضان
صحیح مسلم	باب صلوۃ اللیل	باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح
سنن ابی داؤد	باب فی صلوۃ اللیل	باب قیام شہر رمضان
سنن ترمذی	باب فی فضل صلوۃ اللیل	باب ماجاء فی قیام شہر رمضان
سنن نسائی	کتاب قیام اللیل	ثواب من قام وصام
سنن ابن ماجہ	باب ماجاء فی قیام اللیل	باب ماجاء فی قیام شہر رمضان
موطا امام مالک	باب فی صلوۃ اللیل	باب فی قیام رمضان
موطا امام محمد	باب فی صلوۃ اللیل	باب قیام شہر رمضان
مشکوۃ شریف	باب فی صلوۃ اللیل	باب قیام شہر رمضان
ریاض الصالحین	باب فضل قیام اللیل	باب استحباب قیام رمضان وھو التراویح
صحیح ابن حبان	فصل قیام اللیل	فصل فی التراویح
مجمع الزوائد	باب فی صلوۃ اللیل	قیام رمضان
سنن کبری للبیہقی	باب فی صلوۃ اللیل	باب فی قیام شہر رمضان
جمع الفوائد	صلوۃ اللیل	قیام رمضان والتراویح وغیر ذالک
قیام اللیل للمروزی	باب فی صلوۃ اللیل	قیام رمضان
بلوغ المرام	صلوۃ التطوع	قیام رمضان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت کو محدثین نے باب صلوۃ اللیل (یعنی تہجد کے باب) میں ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً

صحیح البخاری ج1 ص154 کتاب التہجد

صحیح مسلم ج1 ص254 باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل

سنن ابی داؤد ج1 ص198 باب صلاۃ اللیل

سنن الترمذی ج1 ص99 باب ماجاء فی وصف صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل

مؤطا امام مالک ص102، 103 باب ماجاء فی صلوٰۃ اللیل

سنن النسائی ج1 ص237 کتاب قیام اللیل

زاد المعاد لابن القیم ص127 قیام اللیل

حضرات محدثین کا اس حدیث کو قیام اللیل (یعنی تہجد کے باب) میں ذکر کرنا دلیل ہے کہ یہ تہجد سے متعلق ہے نہ کہ تراویح سے متعلق۔

جواب نمبر 2 پر اعتراض:

اس روایت کو امام بخاری "باب فضل من قام رمضان" اور امام محمد "باب قیام شھر رمضان" میں بھی لائے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ تراویح کے متعلق ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب:

امام بخاری اور امام محمد اس روایت کو تہجد اور قیام رمضان وغیرہ میں لائے تاکہ ثابت کریں کہ تہجد جس طرح غیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے اسی طرح رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے۔

فائدہ: غیر مقلدین کا خود بھی اس روایت پر عمل نہیں، اس لیے کہ اس روایت میں رمضان اور غیر رمضان میں تین رکعات وتر کا ذکر ہے لیکن غیر مقلدین ایک وتر پڑھ کر گھر کی راہ لیتے ہیں۔ ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

نمبر 2:

غیر مقلدین آٹھ رکعت تراویح پر یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں:

عن جابر بن عبداللہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شھر رمضان ثمان رکعات واوتر ،فلما کانت القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج ،فلم نزل فیه حتی اصبحنا ثم دخلنا،فقلنا یا رسول الله اجتمعنا البارحة فی المسجد ورجونا ان تصلی بنا فقال انی خشیت ان یکتب علیکم . (المعجم الصغیر للطبرانی: ج1 ص190)

یہی روایت صحیح ابن خزیمہ (ج1 ص531)، صحیح ابن حبان (ص710 باب الوتر) اور قیام اللیل للمروزی (ص155) میں بھی موجود ہے۔

جواب:

مذکورہ کتب میں یہ روایت دو سندوں سے آتی ہے۔

1: اسحاق - ابو الربیع - یعقوب قمی - عیسی بن جاریۃ - جابر بن عبد اللہ

2: محمد بن حمید الرازی - یعقوب قمی - عیسی بن جاریۃ - جابر بن عبد اللہ

ان دونوں طریق میں درج ذیل رواۃ ضعیف و مجروح ہیں۔

عیسی بن جاریہ:

حضرت جابر بن عبد اللہ سے نقل کرنے والے صرف ایک راوی ہیں عیسی بن جاریہ، انہی پر اس روایت کا مدار ہے، ابن خزیمہ کے حاشیہ پر اس کے بارے میں لکھا ہے: عیسی بن جاریہ فیہ لین (صحیح ابن خزیمۃ ج1 ص531)

دیگر محدثین نے بھی اس پر جروح کی ہیں:

1: امام یحیٰی بن معین: لیس بذاك عندہ مناکیر

2: امام نسائی: منکر الحدیث

3: امام ابو داؤد: منکر الحدیث

4: امام نسائی: متروك الحدیث

5: امام ابن عدی: احادیثه غیر محفوظة

6: امام ساجی: ذکرہ فی الضعفاء

7: امام عقیلی: ذکرہ فی الضعفاء

(میزان الاعتدال ج3 ص312، تہذیب التہذیب ج5 ص193، 192)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

یعقوب قمی:

یہ راوی دونوں سندوں میں موجود ہے۔ اس کا نام یعقوب بن عبد اللہ القمی ہے۔ یہ بھی مجروح راوی ہے۔

امام دار قطنی فرماتے ہیں: لیس بالقوی. (میزان الاعتدال ج5 ص178)

پس یہ روایت ضعیف، متروک اور صحیح روایات کے مقابلے میں نا قابل حجت ہے۔

نمبر3:

حدثنا عبد الاعلی حدثنا یعقوب عن عیسی بن جاریة حدثنا جابر بن عبد اللہ قال جاء ابی ابن کعب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان کان منی اللیلة شئی یعنی فی رمضان قال وما ذاك یا ابی قال: نسوة فی داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی بصلا تك قال فصلیت بهن ثمان رکعات ثم او ترت قال فکان شبه الرضاء ولم یقل شیئاً. (مسند ابی یعلی: ج3 ص336)

جواب نمبر1:

اس سند میں وہی عیسی بن جاریہ اور یعقوب القمی موجود ہیں، جو سخت مجروح اور ضعیف ہیں۔ ان پر جرح ہم ما قبل میں ذکر کر آئے ہیں۔ لہذا یہ روایت سخت ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔

جواب نمبر2:

اس روایت کے تمام طرق جمع کریں تو کئی قرائن ملتے ہیں کہ اس روایت میں اضطراب ہے۔

1: یہ روایت تین کتابوں میں ہے۔ مسند احمد میں سرے سے "رمضان" کا لفظ ہی نہیں، مسند ابی یعلی میں "یعنی رمضان" کا لفظ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فہم راوی ہے نہ کہ روایت، قیام اللیل مروزی میں "فی رمضان" کا لفظ ہے جو یقیناً کسی تحتانی راوی کا ادراج ہے۔ جب اس روایت میں "فی رمضان" کا لفظ ہی مدرج ہے تو اسے تراویح سے کیا تعلق رہا؟

2: مسند ابی یعلی اور قیام اللیل للمروزی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خود حضرت ابی بن کعب کا ہے جبکہ مسند احمد کی روایت میں الفاظ ہیں: عن جابر عن ابی بن کعب قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ و سلم الخ۔ [حضرت جابر حضرت ابی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کسی اور کا ہے، حضرت ابی بن کعب کا نہیں۔

3: سب سے بڑھ کر یہ کہ آٹھ رکعت پڑھنے والا یہ کہتا ہے: "انه کان منی اللیلة شئی" [رات مجھ سے یہ کام سرزد ہو گیا] اور "عملت اللیلة عملاً" [میں نے آج رات ایسا عمل کیا]۔ معلوم ہوا کہ اس نے اسی رات آٹھ پڑھیں تھیں اس سے پہلے معمول آٹھ کا نہیں تھا، اس لئے تو اس نے کہا کہ میں نے یہ انوکھا کام کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کہ جب یہ خود اس کام کو انوکھا سمجھ رہا ہے تو خواہ مخواہ اس کی تردید کیوں کی جائے۔

نمبر4:

سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں۔ (موطا امام مالک: ص98)

جواب 1:

یہاں چند امور قابل غور ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

امر اول: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی تراویح کے ناقل یہ راوی ہیں:

نمبر شمار	راوی	تعداد رکعت	ماخذ
1	السائب بن یزید	تفصیل آگے	----
2	یزید بن رومان	23[مع الوتر]	موطا امام مالک
3	عبد العزیز بن رفیع	20	مصنف ابن ابی شیبہ
4	ابی بن کعب	20	مسند احمد بن منیع
5	یحییٰ بن سعید	20	مصنف ابن ابی شیبہ
6	محمد بن کعب القرظی	20	قیام اللیل للمروزی
7	حسن بصری	20	سنن ابی داؤد

ان میں سے چھ رواۃ تو بیس رکعت تراویح ہی روایت کرتے ہیں، رہے سائب بن یزید تو ان کی روایت کی تفصیل درج ذیل ہے:

سائب بن یزید کے تین شاگرد ہیں:

نمبر شمار	راوی	تعداد رکعت	ماخذ
1	یزید بن خصیفہ	20	السنن الکبریٰ
2	حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب	23[مع الوتر]	مصنف عبد الرزاق
3	محمد بن یوسف	تفصیل آگے	---

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سائب بن یزید کے تین شاگردوں میں سے یزید بن خصیفہ بیس اور حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب تیئس [مع الوتر] نقل کرتے ہیں، البتہ محمد بن یوسف نے دو باتوں میں اختلاف کیا ہے۔

1: یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب قاریوں کی تعداد نہیں بتاتے لیکن محمد بن یوسف نے بتائی ہے کہ دو تھے؛ ابی بن کعب اور تمیم داری۔

2: اول الذکر دو راوی تراویح بیس ہی نقل کرتے ہیں لیکن اس نے تراویح کی تعداد گیارہ، تیرہ اور اکیس نقل کی۔

محمد بن یوسف کے شاگردوں کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

نمبر شمار	راوی	تعداد رکعت	ماخذ
1	امام مالک	11	موطا امام مالک
2	یحییٰ بن سعید القطان	11	مصنف ابن ابی شیبہ
3	عبد العزیز بن محمد الدَّرَاوَرْدِی	11	سعید بن ابی منصور
4	محمد بن اسحاق	13	قیام اللیل للمروزی
5	داؤد بن قیس وغیرہ	21	مصنف عبد الرزاق

اس سے واضح ہوتا ہے کہ محمد بن یوسف کے پانچوں شاگردوں کے بیانات عدد و کیفیت کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں کہ:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

1: پہلے تین شاگرد گیارہ نقل کرتے ہیں اور محمد بن اسحاق تیرہ، جبکہ پانچواں شاگرد داؤد بن قیس اکیس رکعات نقل کرتا ہے۔

2: امام مالک کی روایت میں گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم ہے عمل کا ذکر نہیں، یحییٰ القطان کی روایت میں حکم کا ذکر نہیں، عبد العزیز بن محمد کی روایت میں گیارہ رکعت تو ہیں لیکن نہ حکم ہے اور نہ ابی بن کعب اور تمیم داری کا ذکر۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں تیرہ رکعت کا ذکر ہے لیکن نہ حکم ہے اور نہ ابی و تمیم کا ذکر، اور داؤد بن قیس کی روایت میں حکم تو ہے لیکن گیارہ کی بجائے اکیس کا ذکر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن یوسف کی یہ روایت شدید مضطرب ہے اور اضطراب فی المتن وجہ ضعف ہوتا ہے:

والاضطراب یوجب ضعف الحدیث. (تقریب النووی مع شرحہ التدریب: ص133 النوع التاسع عشر: المضطرب)

لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب 2:

امام مالک کا اپنا عمل اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ بیس کے قائل ہیں۔ علامہ ابن رشد لکھتے ہیں:

واختار مالك فی احد قولیه ..... القیام بعشرین رکعة. (بدایۃ المجتہد: ج1 ص214)

اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ راوی کا عمل اگر اپنی روایت کے خلاف ہو تو اس بات کی دلیل ہے کہ روایت ساقط ہے۔

(المنار مع شرحہ نور الانوار: ص190)

لہذا یہ روایت ساقط العمل ہے۔

جواب 3:

اس روایت کے مرکزی راوی سائب بن یزید کا اپنا عمل اس کے خلاف ہے کیونکہ ان سے بسند صحیح مروی ہے:

عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر.

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی: ج2 ص305 کتاب الصلوۃ)

فائدہ: چونکہ یہ روایت تمام رواۃ کی مرویات کے خلاف تھی اس لیے علماء نے اس کے بارے میں دو موقف اختیار کیے ہیں۔

(۱) ترجیح (۲) تطبیق

ہر ایک کے متعلق محققین کی آراء پیش کی جاتی ہیں:

ترجیح:

اس روایت (گیارہ رکعت) کو راوی کا وہم قرار دے کر مرجوح قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

ان الاغلب عندی ان قوله احدی عشرة وهم (الزرقانی شرح موطا: ج1 ص215)

کہ میرے نزدیک غالب (راجح) یہی ہے کہ راوی کا قول "احدی عشرۃ" [گیارہ رکعت] وہم ہے۔

تطبیق: بعض حضرات نے یوں تطبیق دی ہے۔ مثلاً:

1: قال العینی: لعل هذا کان من فعل عمر اولا ثم نقلهم الی ثلاث وعشرین. (عمدۃ القاری: ج8 ص246)

2: قال علی القاری: وجمع بینهما بانه وقع اولا (ای احدی عشرة رکعة فی زمان عمر) ثم استقر الامر علی العشرین فانه المتوارث

(مرقاۃ المفاتیح: ج3 ص345)

3: قال العلامة محمد بن علی النیموی: وجمع البیهقی بینهما کانوا یقومون باحدی عشرة ثم قاموا بعشرین واوتروا بثلاث وقد عد واما وقع فی زمن عمر کالاجماع. (حاشیۃ آثار السنن ص221)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرد وعورت کی نماز میں فرق

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

دعویٰ اہل السنۃ والجماعۃ:

مرد وعورت کے طریقہ نماز میں فرق؛ احادیث وآثار، اجماع امت اور ائمہ اربعہ کے اقوال سے ثابت ہے۔

دعویٰ غیر مقلدین:

1: یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں:

شریعت محمدیہ میں مرد وعورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں بلکہ جس طرح مرد نماز پڑھتا ہے اسی طرح عورت کو بھی پڑھنا چاہیے۔
(دستور المتقی ص151)

2: حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں:

عورتوں اور مردوں کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں... پھر اپنی طرف سے یہ حکم لگانا کہ عورتیں سینے پر ہاتھ باندھیں اور مرد زیر ناف اور عورتیں سجدہ کرتے وقت زمین پر کوئی اور ہیئت اختیار کریں اور مرد کوئی اور... یہ دین میں مداخلت ہے۔ یاد رکھیں کہ تکبیر تحریمہ سے شروع کر کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے تک عورتوں اور مردوں کے لئے ایک ہیئت اور شکل کی نماز ہے۔ سب کا قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ استراحت، قعدہ اور ہر ہر مقام پر پڑھنے کی دعائیں یکساں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکور واناث کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں بتایا۔ (صلوٰۃ الرسول ص190، ص191)

3: مرد وعورت کے طریقہ نماز میں کوئی فرق نہیں۔ (عورتوں کا طریقہ نماز از صلاح الدین یوسف، عورت اور مرد کے طریقہ نماز میں کوئی فرق نہیں از حافظ محمد ابراہیم سلفی)

دلائل اہل السنت والجماعت

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے میں فرق:

مرد:

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

وَ كَيْفِيَّتُهَا إِذَا أَرَادَ الدُّخُولَ فِى الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ حتى يُحَاذِيَ بِإِبْهَامَيْهِ شَحْمَتَيْ أُذُنَيْهِ وَبِرُءُوسِ الْأَصَابِعِ فُرُوعَ أُذُنَيْهِ. (الفتاویٰ الہندیۃ: ج1 ص80)

کہ مرد تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ کانوں کے برابر اس طرح اٹھائے کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپر والے حصہ کے برابر ہو جائیں۔

اس طرح گٹے بھی کندھوں کے برابر ہو جائیں گے۔

دلائل:

1: عن مالك بن الحويرث رضى الله عنه أنه رأى نبى الله صلى الله عليه وسلم... وقال حتى يحاذى بهما فروع أذنيه.

(صحیح مسلم: ج1 ص168 باب استحباب رفع الیدین فی تکبیرۃ الاحرام)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو (نماز پڑھتے ہوئے) دیکھا۔ (جب آپ نے تکبیر تحریمہ کہی تو) آپ کے دونوں ہاتھ کانوں کے اوپر والے حصے کے برابر ہو گئے۔

2: عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ اِنَّهٗ رَاٰیَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی تَکَادَ اِبْہَامَاہُ تُحَاذِیْ شَحْمَۃَ اُذُنَیْہِ۔ (سنن النسائی ج1 ص141 باب موضع الابھامین عند الرفع)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نماز شروع فرمائی تو دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ آپ کے دونوں انگوٹھے آپ کے کانوں کی لو کے برابر ہو گئے۔

3: فَقَالَ اَبُوْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیُّ رضی اللہ عنہما اَنَا کُنْتُ اَحْفَظُکُمْ لِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم رَاَیْتُہٗ اِذَا کَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ الخ

(صحیح البخاری: ج1 ص114، صحیح ابن خزیمۃ: ج1 ص298)

ترجمہ: حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں تم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کے طریقے کو زیادہ یاد رکھنے والا ہوں۔“ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے طریقے کو بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب تکبیر تحریمہ کہی تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر اٹھایا۔“

فائدہ:

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں کے اوپر والے حصے کے برابر، کانوں کی لو کے برابر اور کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے ہیں۔ مردوں کے ہاتھ اٹھانے کا طریقہ جو احناف بیان کرتے ہیں اس سے تینوں روایات پر یوں عمل ہو جاتا ہے کہ مرد اپنے ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپر والے حصہ کے برابر، انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور گٹے کندھوں کے برابر ہو جائیں۔

عورت:

المرأة ترفع يديها حذاء منكبيها، وهو الصحيح لأنه أسترلها.

(فتح القدیر لابن الہمام: ج1 ص246)

ترجمہ: تکبیر تحریمہ کے وقت عورت اپنے کندھوں کے برابر اپنے ہاتھ اٹھائے، یہ صحیح تر ہے کیونکہ اس میں اس کی زیادہ پردہ پوشی ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے کندھے تک ہو جائیں گے اور گٹے سینے کے برابر، یوں دلائل میں آنے والی روایات میں تطبیق بھی ہو جائے گی۔

روایت نمبر 1:

عَنْ وَائِلِ بن حُجْرٍ، قَالَ: جِئْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ... فَقَالَ لِی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَا وَائِلُ بن حُجْرٍ، إِذَا صَلَّیْتَ فَاجْعَلْ یَدَیْکَ حِذَاءَ أُذُنَیْکَ، وَالْمَرْأَۃُ تَجْعَلُ یَدَیْہَا حِذَاءَ ثَدْیَیْہَا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی: ج9 ص144 رقم 17497، مجمع الزوائد: ج9 ص624 رقم الحدیث 1605، البدر المنیر لابن الملقن: ج3 ص463)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا (درمیان میں طویل عبارت ہے، اس میں ہے کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: اے وائل! جب تم نماز پڑھو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتی کے برابر اٹھائے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اعتراض:

روایت کی سند میں ایک راویہ ام یحییٰ بنت عبد الجبار مجہول ہے کیونکہ امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولم اعرفھا. (کہ میں اس کو نہیں جانتا) (مجمع الزوائد ج2ص103)

جواب:

اولاً: امام ہیثمی رحمہ اللہ کے نہ جاننے سے ام یحییٰ کا مجہول ہونا لازم نہیں آتا۔

ثانیاً: تاریخ دمشق (جزء62ص390) میں "باب وائل بن حجر بن سعد" کے تحت ام یحییٰ کا نام "کبشہ" مذکور ہے۔ وہاں سند یوں ہے: حدثنا میمونة بنت عبد الجبار بن وائل قال سمعت عمتی کبشة ام یحیی ۔۔۔الخ

اور امام ابن مندہ نے حاشیہ اکمال الکمال جزء2ص478 پر فرمایا ہے کہ اس راویہ کی کنیت "ام یحییٰ" ہے اور ان سے میمونہ بنت حجر بن عبد الجبار نے روایت کی ہے۔

لہٰذا ام یحییٰ مجہول راویہ نہیں ہے۔

روایت نمبر2:

حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شَيْخٌ لَنَا ، قَالَ : سَمِعْتُ عَطَاءً ، سُئِلَ عَنِ الْمَرْأَةِ كَيْفَ تَرْفَعُ يَدَيْهَا فِي الصَّلاَةِ ؟ قَالَ : حَذْوَ ثَدْيَيْهَا. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج1ص270 باب فی المرأة إذا افْتَتَحَتِ الصَّلاَةَ ,إلَى أَيْنَ تَرْفَعُ يَدَيْهَا)

ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ عورت نماز میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے؟ فرمایا: اپنے سینے تک۔

اعتراض:

اس روایت کی سند میں حضرت ہشیم نے فرمایا: شیخ لنا، جب کہ شیخ کا نام معلوم نہیں۔

جواب:

مصنف ابن ابی شیبہ میں دوسرے مقام پر حضرت ہشیم فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شَيْخٌ ، يُقَالُ لَهُ : مِسْمَعُ بْنُ ثَابِتٍ الخ (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج2ص254 باب فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ إِذَا فَاتَتْه)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہشیم کے شیخ کا نام "مسمع بن ثابت" ہے۔

روایت نمبر3:

عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ زَيْتُونَ ، قَالَ : رَأَيْتُ أُمَّ الدَّرْدَاءِ تَرْفَعُ يَدَيْهَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهَا حِينَ تَفْتَتِحُ الصَّلاَةَ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج2ص421 باب فی المرءۃ اذا افتتحت الصلوۃ الی این ترفع یدیھا؟)

ترجمہ: عبد ربہ بن زیتون سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ نماز شروع کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتی تھیں۔

نوٹ: حضرت ام الدرداء الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا نام "خیرۃ" ہے اور یہ صحابیات میں سے ہیں۔

(تہذیب التہذیب: ج7ص715 رقم الترجمۃ 12193 تحت ترجمہ ام الدرداء)

ان تین روایات سے عورت کے لیے ہاتھوں کو کندھے اور سینہ تک اٹھانے کا تذکرہ موجود ہے۔ لہٰذا عورت اپنے ہاتھ اس طرح اٹھائے گی کہ ہاتھوں کی انگلیاں کندھوں تک اور ہتھیلیاں سینہ کے برابر آجائیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مرد و عورت کے ہاتھ باندھنے میں فرق:

مرد:

مردوں کے ہاتھ باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر، انگوٹھے اور چھنگلیا سے بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑتے ہوئے تین انگلیاں کلائی پر بچھا کر ناف کے نیچے رکھتے ہیں۔ امام محمد بن حسن الشیبانی فرماتے ہیں:

و یضع بطن کفه الایمن علی رسغه الایسر تحت السرۃ فیکون الرسغ فی وسط الکف. [کتاب الآثار بروایۃ محمد: ج1 ص 321]

ترجمہ: نمازی اپنی دائیں ہتھیلی کا اندرونی حصہ اپنی بائیں کلائی کے اوپر رکھ کر ناف کے نیچے رکھے، اس طرح گٹہ ہتھیلی کے درمیان میں ہو جائے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

واستحسن کثیر من مشایخنا...... بأن یضع باطن کفه الیمنی علی کفه الیسری ویحلق بالخنصر والإبهام علی الرسغ.

[عمدۃ القاری: ج4 ص389 باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلاۃ]

ترجمہ: ہمارے اکثر مشائخ نے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ نمازی اپنی دائیں ہتھیلی کا اندرونی حصہ اپنی بائیں ہتھیلی (کی پشت) پر رکھے اور چھنگلیا اور انگوٹھے کے ساتھ گٹے پر حلقہ بنالے۔

دلائل:

1: عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ.

(صحیح البخاری ج1 ص102 باب وضع الیمنی علی الیسریٰ)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو اس بات کا حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں بازو پر رکھے۔

2: عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی الله عنه قَالَ: لَاَ نْظُرَنَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم كَيْفَ يُصَلِّيْ؟ قَالَ فَنَظَرْتُ اِلَيْهِ قَامَ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى حَاذَتَا اُذُنَيْهِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ.

(صحیح ابن حبان: ص577 رقم الحدیث 1860، سنن النسائی: ج1 ص141، سنن ابی داؤد ج1 ص105 باب تفریع استفتاح الصلوٰۃ)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں (نے ارادہ کیا کہ) دیکھوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیسے پڑھتے ہیں؟ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، تکبیر کہی اور دونوں ہاتھ اپنے دونوں کانوں کے برابر اٹھائے، پھر اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی بائیں ہتھیلی (کی پشت)، گٹے اور بازو پر رکھا۔

3: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ اِنَّا مَعْشَرَ الْاَنْبِيَاءِ اُمِرْنَا اَنْ نُّؤَخِّرَ سُحُوْرَنَا وَنُعَجِّلَ فِطْرَنَا وَاَنْ نُّمْسِكَ بِاَيْمَانِنَا عَلٰى شَمَائِلِنَا فِيْ صَلٰوتِنَا. (صحیح ابن حبان ص554.555 ذکر الاخبار عما یستحب للمرء، رقم الحدیث 1770)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم انبیاء علیہم السلام کی جماعت کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم سحری تاخیر سے کریں، افطار جلدی کریں اور نماز میں اپنے دائیں ہاتھوں سے اپنے بائیں ہاتھوں کو پکڑے رکھیں۔

4: عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی الله عنه قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صلی الله علیه وسلم وَضَعَ يَمِيْنَهٗ عَلٰى شِمَالِهٖ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج3 ص322، 321، وضع الیمین علی الشمال، رقم الحدیث 3959)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

عورت:

عورت کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ قیام کے وقت اپنے ہاتھ سینہ پر رکھے گی اور اجماع مستقل دلیل شرعی ہے۔

1: امام ابو القاسم ابراہیم بن محمد القاری الحنفی السمرقندی (المتوفیٰ بعد 907ھ) لکھتے ہیں:

وَالْمَرْاَۃُ تَضَعُ [یَدَیْہَا] عَلٰی صَدْرِہَا بِالْاِتِّفَاقِ. (مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق: ص153)

ترجمہ: عورت اپنے ہاتھ سینہ پر رکھے گی، اس پر سب فقہاء کا اتفاق ہے۔

2: سلطان المحدثین ملا علی قاری رحمہ اللہ (م1014ھ) فرماتے ہیں:

وَالْمَرْاَۃُ تَضَعُ [یَدَیْہَا] عَلٰی صَدْرِہَا اِتِّفَاقًا لِاَنَّ مَبْنٰی حَالِہَا عَلَی السَّتْرِ. (فتح باب العنایۃ: ج1 ص243 سنن الصلوۃ)

ترجمہ: عورت اپنے ہاتھ سینہ پر رکھے گی، اس پر سب فقہاء کا اتفاق ہے، کیونکہ عورت کی حالت کا دارومدار پردے پر ہے۔

3: علامہ عبد الحئی لکھنوی رحمہ اللہ (م1304ھ) لکھتے ہیں:

وَاَمَّا فِیْ حَقِّ النِّسَاءِ فَاتَّفَقُوْا عَلٰی اَنَّ السُّنَّۃَ لَہُنَّ وَضْعُ الْیَدَیْنِ عَلَی الصَّدْرِ لِاَنَّہَا مَا اَسْتَرُ لَہَا. (السعایۃ ج2 ص156)

ترجمہ: رہا عورتوں کے حق میں [ہاتھ باندھنے کا معاملہ] تو تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان کے لیے سنت سینہ پر ہاتھ باندھنا ہے کیونکہ اس میں پردہ زیادہ ہے۔

مرد و عورت کی طریقہ رکوع میں فرق:

مرد:

مرد رکوع میں اپنی انگلیوں کو کشادہ کرتے ہوئے گھٹنوں کو پکڑے گا، اپنی کہنیوں کو پہلو سے جدا رکھے گا اور پشت کو سیدھا رکھے گا تاکہ اس کا سر اور پشت ایک سیدھ میں آجائیں اور سر کو نہ اونچا کرے گا نہ نیچا بلکہ پشت کی سیدھ میں رکھے گا۔

1: عَنْ سَالِمٍ الْبَرَّادِ قَالَ أَتَیْنَا عُقْبَۃَ بْنَ عَمْرٍو الأَنْصَارِیَّ أَبَا مَسْعُودٍ فَقُلْنَا لَہُ حَدِّثْنَا عَنْ صَلاَۃِ رَسُولِ اللّٰہِ -صلی اللہ علیہ وسلم- فَقَامَ بَیْنَ أَیْدِینَا فِی الْمَسْجِدِ فَکَبَّرَ فَلَمَّا رَکَعَ وَضَعَ یَدَیْہِ عَلٰی رُکْبَتَیْہِ وَجَعَلَ أَصَابِعَہُ أَسْفَلَ مِنْ ذٰلِکَ وَجَافٰی بَیْنَ مِرْفَقَیْہِ.

(سنن ابی داود: ج1 ص125، 126 باب صَلاَۃِ مَنْ لاَ یُقِیمُ صُلْبَہُ فِی الرُّکُوعِ وَالسُّجُودِ)

ترجمہ: حضرت سالم البراد فرماتے ہیں کہ ہم ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ہم نے عرض کیا ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز بیان فرمائیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کے اندر ہمارے سامنے کھڑے ہوئے اور تکبیر تحریمہ کہی۔ جب رکوع کیا تو اپنے ہاتھو گھٹنوں پر رکھے (یعنی انہیں مضبوطی سے پکڑا) اور اپنی انگلیاں گھٹنوں سے نیچے کیں اور اپنی کہنیاں پہلو سے جدا کیں۔

2: عن انس رضی اللہ عنہ (فی حدیث طویل: قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم): یَابُنَیَّ اِذَا رَکَعْتَ فَضَعْ کَفَّیْکَ عَلٰی رُکْبَتَیْکَ وَفَرِّجْ بَیْنَ اَصَابِعِکَ وَارْفَعْ یَدَیْکَ عَنْ جَنْبَیْکَ.

(المعجم الاوسط للطبرانی ج4 ص281 رقم الحدیث 5991، المعجم الصغیر للطبرانی ج2 ص32)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اے میرے بیٹے! جب تم رکوع کرو تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھو اور انگلیوں کو کشادہ رکھو اور اپنے بازؤوں کو پہلو سے جدا رکھو!

3: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ, قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَکَعَ اسْتَوٰی, فَلَوْ صُبَّ عَلٰی ظَہْرِہِ الْمَاءُ لَاسْتَقَرَّ.

(المعجم الکبیر للطبرانی: ج10 ص312)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو پشت مبارک کو اس طرح ہموار

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

کرتے تھے کہ اگر آپ علیہ السلام کی پشت مبارک پر پانی بہا دیا جائے تو وہ ایک جگہ ٹک جائے۔

4: عن عائشة رضی الله عنها قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یستفتح الصلاة بالتکبیر والقراءة بالحمد لله رب العالمین وکان إذا رکع لم یُشْخِصْ رأسه ولم یُصَوِّبْه ولکن بین ذلك.

(صحیح مسلم: ج1ص194)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تکبیر سے اور قراءت کو "الحمد للہ رب العلمین" سے شروع فرماتے تھے اور جب آپ علیہ السلام رکوع فرماتے تھے تو سر مبارک کو نہ (زیادہ) اونچا کرتے اور نہ (زیادہ) نیچا بلکہ اس کے درمیان ہوتا تھا(یعنی پشت مبارک کے برابر)

عورت:

عورت رکوع میں مرد کی بنسبت کم جھکے گی، اپنے ہاتھ بغیر کشادہ کیے ہوئے گھٹنوں پر رکھے گی اور کہنیوں کو پہلو سے ملا کر رکھے گی۔

دلائل:

1: عن عطاء قال تجتمع المراة إذا رکعت ترفع یدیها إلی بطنها وتجتمع ما استطاعت.

(مصنف عبد الرزاق ج3ص50رقم5983)

ترجمہ: حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ عورت سمٹ کر رکوع کرے گی، اپنے ہاتھوں کو اپنے پیٹ کی طرف ملائے گی، جتنا سمٹ سکتی ہو سمٹ جائے گی۔

2: فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

والمرأة تنحنی فی الرکوع یسیرا ولا تعتمد ولا تفرج أصابعها ولکن تضم یدیها وتضع علی رکبتیها وضعا وتنحنی رکبتیها ولا تجافی عضدتیها. (فتاویٰ عالمگیری: ج1ص74)

ترجمہ: عورت رکوع میں کسی قدر جھکے گی، گھٹنوں کو مضبوطی سے نہیں پکڑے گی، اپنی انگلیوں کو کشادہ نہیں کرے گی البتہ ہاتھوں کو ملا کر اپنے گھٹنوں پر جما کر رکھے گی، گھٹنوں کو قدرے ٹیڑھا کرے گی اور اپنے بازو جسم سے دور نہ رکھے گی۔

فریقِ مخالف میں سے غیر مقلد عالم عبد الحق ہاشمی اپنی کتاب "نصب العمود" میں لکھتے ہیں:

عندی بالاختیار قول من قال ان المراءة لا تجافی فی الرکوع.

(نصب العمود فی مسئلۃ تجافی المراءۃ فی الرکوع والسجود والقعود ص52)

ترجمہ: مجھے ان حضرات کی بات پسند ہے جو کہتے ہیں کہ عورت رکوع میں اپنی کہنیاں پہلو سے جدا نہ کرے۔

مرد وعورت کے طریقہ سجدہ میں فرق:

مرد:

مرد سجدہ میں اپنا پیٹ رانوں سے دور رکھیں گے، اپنی کہنیوں کو زمین سے بلند رکھتے ہوئے پہلو سے جدا رکھیں گے اور سرین کو اونچا کریں گے۔

دلائل:

1: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ الْأَسْدِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى نَرَى إِبْطَيْهِ قَالَ وَقَالَ ابْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا بَكْرٌ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ.

(صحیح البخاری: باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحیح مسلم: باب ما یجمع صفۃ الصلاۃ وما یفتتح بہ ویختتم بہ وصفۃ الرکوع والاعتدال منہ والسجود الخ)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مالک بن بحینہ الاسدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے دونوں بازوؤں کو اچھی طرح کھول دیتے (یعنی اپنی پہلو سے جدا رکھتے) یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی۔

2: عن میمونۃ: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان إذا سجد جافی یدیہ حتی لو أن بھمۃ أرادت أن تمر تحت یدیہ مرت.

(سنن النسائی: ج1 ص167 باب التجافی فی السجود)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھ پیٹ سے اتنے دور رکھتے کہ بکری کا چھوٹا بچہ نیچے سے گزرنا چاہتا تو گزر سکتا۔

3: عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ وَصَفَ لَنَا الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فَوَضَعَ يَدَيْهِ وَاعْتَمَدَ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ عَجِيزَتَهُ وَقَالَ هَكَذَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ يَسْجُدُ. (سنن ابی داؤد: ج1 ص130 باب صفۃ السجود)

ترجمہ: حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے ہمیں سجدہ کا طریقہ بتایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں کو (زمین پر) رکھا، اپنے گھٹنوں پر سہارا لیا اور اپنی سرین کو اٹھایا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح سجدہ کرتے تھے۔

عورت:

عورت مرد کی طرح کھل کر سجدہ نہیں کرے گی بلکہ پیٹ کو رانوں سے ملائے گی، بازوؤں کو پہلو سے ملا کر رکھے گی اور کہنیاں زمین پر بچھادے گی۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

والمرأۃ تنخفض فی سجودھا و تلزق بطنھا بفخذیھا لأن ذلك أسترلھا. (الھدایۃ فی فقہ الحنفی: ج1 ص50)

ترجمہ: عورت سجدے میں سکڑ جائے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملادے کیونکہ یہ صورت اس کے لئے زیادہ پردہ والی ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

فأما المرأۃ فینبغی أن تفترش ذراعیھا و تنخفض ولا تنتصب کإنتصاب الرجل و تلزق بطنھا بفخذیھا لأن ذلك أسترلھا. (بدائع الصنائع: ج1 ص210)

ترجمہ: عورت کو چاہیے اپنے بازو بچھادے اور سکڑ جائے اور مردوں کی طرح کھل کر سجدہ نہ کرے اور اپنا پیٹ اپنی رانوں سے چمٹائے رکھے کیونکہ یہ اس کے لئے زیادہ ستر والی صورت ہے۔

دلائل:

1: عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى امْرَأَتَيْنِ تُصَلِّيَانِ، فَقَالَ: إِذَا سَجَدْتُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ إِلَى الْأَرْضِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ لَيْسَتْ فِي ذَلِكَ كَالرَّجُلِ.

(مراسیل ابی داؤد: ص103 باب مِنَ الصَّلاۃِ، السنن الکبری للبیہقی: ج2 ص223، جُمَّاعُ أَبْوَابِ الاسْتِطَابَۃِ)

ترجمہ: حضرت یزید بن ابی حبیب سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ عورت (کا حکم سجدہ کی حالت میں) مرد کی طرح نہیں ہے۔

2: عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا جَلَسَتِ الْمَرْأَةُ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَتْ فَخِذَهَا عَلٰى فَخِذِهَا الْأُخْرٰى فَإِذَا سَجَدَتْ أَلْصَقَتْ بَطْنَهَا فِيْ فَخِذِهَا كَأَسْتَرِمَا يَكُوْنُ لَهَا فَإِنَّ اللهَ يَنْظُرُ اِلَيْهَا وَ يَقُوْلُ يَا مَلَائِكَتِيْ أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهَا.

(الکامل لابن عدی ج2 ص501، رقم الترجمۃ 399، السنن الکبری للبیہقی ج2 ص223 باب ما یستحب للمراۃ الخ، جامع الاحادیث للسیوطی ج3 ص43 رقم الحدیث 1759)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ اپنی رانوں کے ساتھ ملالے جو اس کے لئے زیادہ پردے کی حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں: اے میرے ملائکہ! گواہ بن جاؤ میں نے اس عورت کو بخش دیا۔

3: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ قَالَ... کَانَ یَأْمُرُ الرِّجَالَ اَنْ یَّتَجَافُوْا فِیْ سُجُوْدِھِمْ وَیَأْمُرُ النِّسَاءَ اَنْ یَّتَخَفَّضْنَ. (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص222.223 باب مایستحب للمراۃ الخ)

ترجمہ: صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو حکم فرماتے تھے کہ سجدے میں (اپنی رانوں کو پیٹ سے) جدا رکھیں اور عورتوں کو حکم فرماتے تھے کہ خوب سمٹ کر (یعنی رانوں کو پیٹ سے ملا کر) سجدہ کریں۔

4: عن الحسن وقتادۃ قالا إذا سجدت المرأۃ فإنھا تنضم ما استطاعت ولا تتجافی لکی لا ترفع عجیزتھا.

(مصنف عبد الرزاق ج3 ص49 باب تکبیرۃ المراءۃ بیدیھا وقیام المراءۃ ورکوعھا وسجودھا)

ترجمہ: حضرت حسن بصری اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب عورت سجدہ کرے تو جہاں تک ہو سکے سکڑ جائے اور اپنی کہنیاں پیٹ سے جدا نہ کرے تاکہ اس کی پشت اونچی نہ ہو۔

5: عَنْ مُجَاھِدٍ اَنَّہٗ کَانَ یَکْرَہُ اَنْ یَّضَعَ الرَّجُلُ بَطْنَہٗ عَلٰی فَخِذَیْہِ اِذَا سَجَدَ کَمَا تَضَعُ الْمَرْأَۃُ. (مصنف ابن ابی شیبہ: رقم الحدیث 2704)

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ اس بات کو مکروہ جانتے تھے کہ مرد جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں پر رکھے جیسا کہ عورت رکھتی ہے۔

6: عن عطاء قال... إذا سجدت فلتضم یدیھا إلیھا وتضم بطنھا وصدرھا إلی فخذیھا وتجتمع ما استطاعت.

(مصنف عبد الرزاق ج3 ص50 رقم 5983)

ترجمہ: حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنے بازو اپنے جسم کے ساتھ ملالے، اپنا پیٹ اور سینہ اپنی رانوں سے ملالے اور جتنا ہو سکے خوب سمٹ کر سجدہ کرے۔

مرد وعورت کے بیٹھنے میں فرق:

مرد:

مردوں کے بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں پاؤں کو انگلیوں کے بل کھڑا کرلیں اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں۔

دلائل:

1: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک طویل حدیث ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشہد کا ذکر ان الفاظ میں فرماتی ہیں:

وکان یقول فی کل رکعتین التحیۃ وکان یفرش رجلہ الیسری وینصب رجلہ الیمنی وکان ینھی عن عقبۃ الشیطان.

(صحیح مسلم: ج1 ص194، 195 باب مایجمع صفۃ الصلاۃ ومایفتتح بہ الخ)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر دو رکعت کے بعد "تشہد" ہوتا ہے اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ یہ تھا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں پاؤں کو نیچے بچھاتے تھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرتے تھے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کی بیٹھک سے بھی منع فرماتے تھے (یعنی سرین پر بیٹھ کر دونوں گھٹنے کھڑے کرنا شیطان کی بیٹھک ہے)

2: عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا... وَقَالَ اِنَّمَا سُنَّۃُ الصَّلَاۃِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَکَ الْیُمْنٰی وَتَثْنِیَ الْیُسْرٰی.

(صحیح البخاری: ج1 ص114 باب سنۃ الجلوس فی التشہد، موطا امام مالک: ص93)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں.... نماز میں [مرد کے لیے] بیٹھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھادے (اور اس پر بیٹھ جائے) اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

عورت:

عورت کے بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں پاؤں دائیں جانب نکال کر سرین کے بل اس طرح بیٹھے کہ دائیں ران بائیں ران کے ساتھ ملا دی۔ علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

جلست علی إلیتها الأیسری و أخرجت رجلیها من الجانب الأیمن لأنه أسترلها.

(فتح القدیر لابن الہمام: ج1ص274)

ترجمہ: عورت اپنے بائیں سرین پر بیٹھے اور دونوں پاؤں دائیں طرف باہر نکالے کیونکہ اس میں اس کا ستر زیادہ ہے۔

دلائل:

1: عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا جَلَسَتِ الْمَرْاَةُ فِی الصَّلٰوةِ وَضَعَتْ فَخِذَهَا عَلٰی فَخِذِهَا الْاُخْرٰی فَاِذَا سَجَدَتْ اَلْصَقَتْ بَطْنَهَا فِیْ فَخِذِهَا کَاَسْتَرِمَا یَکُوْنُ لَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ یَنْظُرُ اِلَیْهَا وَ یَقُوْلُ یَا مَلَائِکَتِیْ اُشْهِدُکُمْ اَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهَا۔

(الکامل لابن عدی ج2ص501، رقم الترجمۃ 399، السنن الکبری للبیہقی ج2ص223 باب مایستحب للمراۃ الخ، جامع الاحادیث للسیوطی ج3ص43 رقم الحدیث 1759)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ اپنی رانوں کے ساتھ ملالے جو اس کے لئے زیادہ پردے کی حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں: اے میرے ملائکہ! گواہ بن جاؤ میں نے اس عورت کو بخش دیا۔

2: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ قَالَ... وَکَانَ یَاْمُرُ الرِّجَالَ اَنْ یَّفْرِشُوْا الْیُسْرٰی وَیَنْصَبُوْا الْیُمْنٰی فِی التَّشَهُّدِ وَ یَاْمُرُ النِّسَاءَ اَنْ یَّتَرَبَّعْنَ.

(السنن الکبری للبیہقی ج 2ص222.223 باب ما یستحب للمراۃ الخ، التبویب الموضوعی للاحادیث ص2639)

ترجمہ: صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو حکم فرماتے تھے کہ تشہد میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھیں اور دایاں پاؤں کھڑا رکھیں اور عورتوں کو حکم فرماتے تھے کہ چہار زانو بیٹھیں۔

3: عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ سُئِلَ: کَیْفَ کُنَّ النِّسَاءُ یُصَلِّیْنَ عَلٰی عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ؟ کُنَّ یَتَرَبَّعْنَ، ثُمَّ أُمِرْنَ أَنْ یَحْتَفِزْنَ.

(جامع المسانید از محمد بن محمود خوارزمی ج1ص400، مسند ابی حنیفۃ روایۃ الحصکفی: رقم الحدیث114)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں نماز کس طرح ادا کرتی تھیں۔ انہوں نے فرمایا پہلے تو چہار زانو ہو بیٹھتی تھیں پھر ان کو حکم دیا گیا کہ دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر سرین کے بل بیٹھیں۔

4: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ صَلٰوةِ الْمَرْاَةِ فَقَالَ تَجْتَمِعُ وَتَحْتَفِزُ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2ص505، المراۃ کیف تکون فی سجودھا، رقم الحدیث 2794)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عورت کی نماز سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خوب سمٹ کر نماز پڑھے اور بیٹھنے کی حالت میں سرین کے بل بیٹھے۔

فائدہ: چہار زانو بیٹھنے کا حکم شروع شروع میں تھا لیکن بعد میں یہ حکم تبدیل ہو گیا۔ اب حکم "اِحْتِفَاز" کا ہے یعنی "سرین کے بل بیٹھنا" (بحوالہ المنجد) جیسا کہ دلیل نمبر 3 اور دلیل نمبر 4 سے واضح ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

کون کہاں نماز ادا کرے:

مرد:

عن أبي هريرة يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلاة مع الإمام أفضل من خمس وعشرين صلاة يصليها وحده

(صحیح مسلم ج1 ص231 باب فضل صلوۃ الجماعۃ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ نماز جو امام کے ساتھ پڑھی جائے اس نماز سے جو اکیلے پڑھی ہو پچیس گناہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

عورت:

1: عَنْ أُمِّ حُمَيْدٍ اِمْرَأَةِ أَبِيْ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهَا جَائَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنِّيْ أُحِبُّ الصَّلٰوةَ مَعَكَ. قَالَ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكِ تُحِبِّيْنَ الصَّلٰوةَ مَعِيْ وَصَلٰوتُكِ فِيْ بَيْتِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلَاتِكِ فِيْ حُجْرَتِكِ وَصَلٰوتُكِ فِيْ حُجْرَتِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلٰوتِكِ فِيْ دَارِكِ وَصَلٰوتُكِ فِيْ دَارِكِ خَيْرٌ مِنْ صَلٰوتِكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ وَصَلٰوتُكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلٰوتِكِ فِيْ مَسْجِدِيْ. قَالَ فَأَمَرَتْ فَبُنِيَ لَهَا مَسْجِدٌ فِيْ أَقْصٰى شَيْئٍ مِنْ بَيْتِهَا وَأَظْلَمِهٖ وَكَانَتْ تُصَلِّيْ فِيْهِ حَتّٰى لَقِيَتِ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ.

(الترغیب والترھیب للمنذری ج1 ص225 باب ترغیب النساء فی الصلاۃ فی بیوتھن ولزومھا وترھیبھن من الخروج منھا)

ترجمہ: حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی بیوی ام حمید رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو (لیکن) تیرا اپنے گھر میں نماز پڑھنا تیرے حجرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، تیرا حجرے میں نماز پڑھنا چاردیواری میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے' چاردیواری میں نماز پڑھنا تیری قوم کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور قوم کی مسجد میں نماز پڑھنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہانے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا سمجھ کر) اپنے گھر والوں کو حکم دیا تو ان کے لیے گھر کے ایک کونے اور تاریک ترین گوشہ میں نماز کی جگہ بنادی گئی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا اپنی وفات تک اسی جگہ نماز پڑھتی رہیں۔

2: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا، وَصَلَاتُهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا.

(سنن ابی داؤد: کتاب الصلاۃ-باب التشدید فی ذلک)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کا کمرہ میں نماز پڑھنا گھر (آنگن) میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور (اندرونی) کوٹھڑی میں نماز پڑھنا کمرہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے (یعنی عورت جس قدر بھی پردہ اختیار کرے گی اسی قدر بہتر ہے)

3: عن عبداللہ بن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: صلاۃ المرۃ وحدھا أفضل علی صلواتھا فی الجمع بخمس و عشرین درجۃ.

(التیسیر الشرح الجامع الصغیر للمناوي: ج2 ص195، جامع الاحادیث للسیوطی: ج13 ص497- رقم الحدیث 13628)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کا اکیلے نماز پڑھنا اس کی نماز باجماعت پر پچیس (۲۵) گنا فضیلت رکھتا ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ائمہ اربعہ کے اقوال کی روشنی میں

چاروں ائمہ کرام؛ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت کا طریقہ نماز مرد کے طریقہ نماز سے مختلف ہے۔ چند تصریحات پیش خدمت ہیں:

[۱]: فقہ حنفی

قَالَ الْاِمَامُ الْاَعْظَمُ فِی الْفُقَهَاءِ اَبُوْحَنِیْفَةَ: وَالْمَرْاَةُ تَرْفَعُ یَدَیْهَا حِذَاءَ مَنْکَبَیْهَا هُوَ الصَّحِیْحُ لِاَنَّهٗ اَسْتَرُ لَهَا.

(الهدایة فی الفقه الحنفی ج1 ص84 باب صفة الصلوة)

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورت اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں تک اٹھائے کیونکہ اس میں پردہ زیادہ ہے۔

وَقَالَ اَیْضاً: وَالْمَرْاَةُ تَنْخَفِضُ فِیْ سُجُوْدِهَا وَتَلْزَقُ بَطْنَهَا بِفَخِذَیْهَا لِاَنَّ ذٰلِكَ اَسْتَرُ لَهَا. (الهدایة فی الفقه الحنفی ج1 ص92)

ترجمہ: مزید فرمایا: عورت سجدوں میں اپنے جسم کو پست کرے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ ملائے کیونکہ اس کے جسم کو زیادہ چھپانے والا ہے۔

[۲]: فقہ مالکی

قَالَ الْاِمَامُ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ: وَالْمَرْاَةُ دُوْنَ الرَّجُلِ فِی الْجَهْرِ وَهِیَ فِیْ هَیْاَةِ الصَّلَاةِ مِثْلَهٗ غَیْرَ اَنَّهَا تَنْضَمُّ وَلَا تُفَرِّجُ فَخِذَیْهَا وَلَا عَضُدَیْهَا وَتَکُوْنُ مُنْضَمَّةً مُتَرَوِّیَةً فِیْ جُلُوْسِهَا وَسُجُوْدِهَا وَاَمْرِهَا کُلِّهٖ. (رسالة ابن ابی زید القیروانی المالکی: ص34)

ترجمہ: امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا: عورت کی نماز کی کیفیت مرد کی نماز کی طرح ہے مگر یہ کہ عورت سمٹ کر نماز پڑھے، اپنی رانوں اور بازوؤں کے درمیان کشادگی نہ کرے اپنے قعود، سجود اور نماز کے تمام احوال میں۔

[۳]: فقہ شافعی

قَالَ الْاِمَامُ مُحَمَّدُ بْنُ اِدْرِیْسَ الشَّافِعِیُّ: وَقَدْ اَدَّبَ اللهُ النِّسَاءَ بِالْاِسْتِتَارِ وَاَدَّبَهُنَّ بِذٰلِكَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاُحِبُّ لِلْمَرْاَةِ فِی السُّجُوْدِ اَنْ تَنْضَمَّ بَعْضَهَا اِلٰی بَعْضٍ وَتُلْصِقُ بَطْنَهَا بِفَخِذَیْهَا وَتَسْجُدُ کَاَسْتَرِ مَا یَکُوْنُ لَهَا وَهٰکَذَا اُحِبُّ لَهَا فِی الرُّکُوْعِ وَالْجُلُوْسِ وَجَمِیْعِ الصَّلَاةِ اَنْ تَکُوْنَ فِیْهَا کَاَسْتَرِ مَا یَکُوْنُ لَهَا. (کتاب الام للشافعی ج1 ص286 ص287 باب التجافی فی السجود)

ترجمہ: امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالی نے عورت کو پردہ پوشی کا ادب سکھایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی ادب سکھایا ہے۔ اس ادب کی بنیاد پر میں عورت کے لیے یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ سجدہ میں اپنے بعض اعضاء کو بعض کے ساتھ ملائے اور اپنے پیٹ کو رانوں کے ساتھ ملا کر سجدہ کرے، اس میں اس کے لیے زیادہ ستر پوشی ہے۔ اسی طرح میں عورت کے لیے رکوع، قعدہ اور تمام نماز میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ نماز میں ایسی کیفیات اختیار کرے جس میں اس کے لیے پردہ پوشی زیادہ ہو۔

[۴]: فقہ حنبلی

قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: وَالْمَرْاَةُ کَالرَّجُلِ فِیْ ذٰلِكَ کُلِّهٖ اَنَّهَا تَجْمَعُ نَفْسَهَا فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ وَتَجْلِسُ مُتَرَبِّعَةً اَوْتَسْدُلُ رِجْلَیْهَا فَتَجْعَلُهُمَا فِیْ جَانِبِ یَمِیْنِهَا ..... قَالَ اَحْمَدُ: اَلسَّدْلُ اَعْجَبُ اِلَیَّ. (الشرح الکبیر لابن قدامة ج1 ص599، المغنی لابن قدامة ج1 ص635)

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: سب احکام میں مرد کی طرح ہے مگر رکوع و سجود میں اپنے جسم کو سکیڑ کر رکھے اور آلتی پالتی مار کر بیٹھے یا اپنے دونوں پاؤں اپنی دائیں جانب نکال کر بیٹھے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ''عورت کا اپنے دونوں پاؤں اپنی دائیں جانب نکال کر بیٹھنا میرے ہاں پسندیدہ عمل ہے۔''

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

غیر مقلدین کے ”دلائل“ کا علمی جائزہ

دلیل نمبر 1:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي. (صحیح البخاری)

کہ اس طرح نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔

معلوم ہوا کہ مرد و عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں۔

جواب:

پہلے یہ حدیث مبارک مکمل دیکھ لی جائے تا کہ جواب سمجھنے میں آسانی ہو۔ پوری حدیث یوں ہے۔

حَدَّثَنَا مَالِكٌ أَتَيْنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيمًا رَفِيقًا فَلَمَّا ظَنَّ أَنَّا قَدِ اشْتَهَيْنَا أَهْلَنَا أَوْ قَدِ اشْتَقْنَا سَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا بَعْدَنَا فَأَخْبَرْنَاهُ قَالَ ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَأَقِيمُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ وَذَكَرَ أَشْيَاءَ أَحْفَظُهَا أَوْ لَا أَحْفَظُهَا وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ.

(صحیح البخاری: حدیث نمبر 631)

ترجمہ: حضرت مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چند نوجوان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بیس دن قیام رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے رحم دل اور رقیق القلب تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ ہمیں اپنے گھر جانے کا اشتیاق ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ اپنے گھر کیسے چھوڑ کر آئے؟ ہم نے آپ کی خدمت میں (جو بات تھی) عرض کر دی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھر جاو اور ان کے ساتھ قیام کرو انہیں دین سکھاو اور دین کی باتوں کا حکم کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی چیزوں کا ذکر فرمایا جن کے متعلق حضرت مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ مجھے یاد ہیں یا یہ کہا کہ یاد نہیں اور (پھر) فرمایا اس طرح نماز پڑھنا جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو کوئی ایک اذان دے اور جو تم میں سب سے بڑا ہو وہ نماز پڑھائے۔

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیس دن تک رہے اور جلدی واپس جانے کا اشتیاق ظاہر کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ احکام بیان فرمائے۔ حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو سات احکامات ارشاد فرمائے تھے۔ اگر ان میں سے ایک ایک حکم میں غور کیا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان احکامات کا تعلق صرف مردوں کے ساتھ ہے، عورتوں کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے۔

”صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي“ سے پہلے چار اور اس کے بعد دو احکامات پر غور کریں۔

حکم نمبر 1: ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ [اپنے گھروں کو جاؤ] یہ حکم مردوں کو ہونا واضح ہے۔

حکم نمبر 2: فَأَقِيمُوا فِيهِمْ [ان کے پاس جا کر قیام کرو] اس حکم کا مردوں کے لیے ہونا ظاہر ہے۔

حکم نمبر 3: وَعَلِّمُوهُمْ [ان کو دین سکھاو] یہ حکم بھی ان مرد حضرات کے لیے ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے۔

حکم نمبر 4: وَمُرُوهُمْ [انہیں دن کی باتوں کا حکم دو] اس کا مردوں کے لیے ہونا ظاہر ہے۔

حکم نمبر 6: فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ [کوئی ایک اذان دے] اذان کا حکم بھی بالاتفاق مردوں کے لیے ہے۔ عورت اذان نہیں دے سکتی۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حکم نمبر 7: وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ [تم میں سے جو بڑا ہو وہ نماز پڑھائے] اس قافلے میں مرد تھے اور انہیں خطاب تھا کہ تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔ ظاہر ہے کہ یہ خطاب بھی مردوں کو ہے، کوئی عورت مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ پہلے چار احکامات، اسی طرح چھٹے اور ساتویں حکم کا تعلق بالاتفاق مردوں کے ساتھ ہے اور وہ لوگ جو فرق کے قائل نہیں وہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں...... تو یقینی بات ہے کہ درمیان کے حکم "وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي " [اس طرح نماز پڑھنا جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا] کا تعلق بھی صرف مردوں کے ساتھ ہو گا۔ کیونکہ کوئی وجہ نہیں کہ سات احکامات میں سے چھے احکام تو مردوں کے ساتھ خاص کر لیے جائیں اور ایک حکم میں مرد و عورت دونوں کو شریک سمجھا جائے۔

جو لوگ اس روایت کی بناء پر مرد و عورت کی نماز کو ایک جیسا سمجھتے ہیں وہ خود کئی باتوں میں فرق کرتے ہیں، مثلاً:

[۱]: جناب البانی صاحب غیر مقلد کی کتاب "صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں صفحہ نمبر 165 میں مرد کے لیے نماز میں سر ننگا کرنے کی گنجائش اور سر ڈھانپ کر نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا گیا ہے لیکن صفحہ نمبر 171 پر عورت کے لیے سر ڈھانپ کر نماز پڑھنے کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور بغیر اوڑھنی کے نماز پڑھنے پر "نماز نہ ہونے" کا حکم لگایا گیا ہے۔

[۲]: محمد حنیف منجاکوٹی صاحب غیر مقلد اپنی کتاب "مرد و زن کی نماز میں فرق؟" کے صفحہ نمبر 7، 8 پر رقمطراز ہیں:

"اسی طرح اگر عورت عورتوں کی امامت کرائے تو وہ صف کے درمیان کھڑی ہو گی مردوں کی طرح آگے نہیں۔ (بیہقی ج1 ص 131) لیکن مرد امامت کراتے وقت آگے کھڑا ہو گا۔ (بخاری و مسلم و سنن اربعہ) اسی طرح مرد نماز میں امام کے بھولنے پر سبحان اللہ کہے اور عورت ایک ہاتھ پر دوسرے ہاتھ کی پشت مارے (مسلم ج1 ص180)"

موصوف اپنی اسی کتاب کے صفحہ نمبر 38 پر لکھتے ہیں:

"عورتیں جمعہ کی فرضیت سے مستثنیٰ ہیں"

سوال یہ ہے کہ جب فرق نہیں تو آپ نے خود یہ فرق کیوں کیا؟

لہٰذا روایت "صلّوا کما رایتمونی اُصلّی" سے "مرد و عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں" کا استدلال کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔

دلیل نمبر 2:

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کا اثر بخاری شریف میں موجود ہے:

وَكَانَتْ أُمُّ الدَّرْدَاءِ تَجْلِسُ فِي صَلَاتِهَا جِلْسَةَ الرَّجُلِ وَكَانَتْ فَقِيهَةً. (صحیح البخاری: ج1 ص114 باب سُنَّةِ الْجُلُوسِ فِي التَّشَهُّدِ)

ترجمہ: حضرت ام الدرداء نماز میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں اور آپ فقیہہ تھیں۔

غیر مقلدین حضرات کی طرف سے یہ اثر پیش کیا جاتا ہے کہ اس میں عورت؛ مرد کی طرح بیٹھتی تھی۔ لہٰذا مردوں اور عورتوں کی نماز میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جواب نمبر 1:

"مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں" سے خود معلوم ہو رہا ہے کہ مردوں کے تشہد بیٹھنے کا طریقہ عورتوں سے مختلف تھا۔

جواب نمبر 2:

امام بخاری رحمہ اللہ اس "باب سنة الجلوس في التشهد" میں حضرت ام الدرداء کے عمل کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت لائے ہیں۔ ابواب قائم کرنے میں امام بخاری رحمہ اللہ کا طرز انتہائی عمیق اور دقیق ہوتا ہے۔ اس تبویب کا ایک انداز یہ ہے کہ ایک باب

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

کے تحت جو روایات لاتے ہیں ان میں ترجمۃ الباب سے مناسبت کے ساتھ ساتھ آپس میں بھی قدرِ مشترک مناسبت ہوتی ہے۔ ان دو روایات کے قدرِ مشترک سے معلوم ہو گا کہ خود حضرت ام الدرداء کے اس اثر سے مرد و عورت کی نماز میں فرق ثابت ہوتا ہے۔ پہلے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کا خلاصہ دیکھ لیا جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ ابن عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کرتا تھا کہ آپ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے۔ چنانچہ میں نے بھی چہار زانو بیٹھنا شروع کر دیا تو حضرت ابن عمر نے مجھے اس طرح بیٹھنے سے روکا اور فرمایا کہ تشہد میں بیٹھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ آپ دایاں پاؤں کھڑا رکھیں اور بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھیں۔ حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: آپ خود تو چہار زانوں بیٹھتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے پاؤں کمزور ہیں، ان میں اتنی سکت نہیں ہے اس لیے چہار زانو بیٹھتا ہوں۔

اس روایت کا نتیجہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے تشہد میں بیٹھنے کا سنت طریقہ بتایا البتہ خود اس کے بر خلاف بیٹھنے کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ ان کا عذر تھا۔ واضح رہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فقیہ تھے اور ان کی فقاہت کا تقاضا تھا کہ عذر کی وجہ سے اصل ہیئت کے بر خلاف ہیئت سے بیٹھیں۔

اس نتیجہ کی روشنی میں حضرت ام الدرداء کی روایت پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے بیٹھنے کا طریقہ عورتوں سے یکسر الگ تھا کیونکہ امام بخاری نے روایت لا کر بتا دیا کہ حضرت ام الدرداء مردوں کے طریقہ پر بیٹھتی تھیں۔ نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے "وھی فقیھۃ" کہہ کر بتا دیا کہ ان کا اصل ہیئت کے بر خلاف بیٹھنے کی وجہ ان کا کوئی عذر ہو گا اور عذر کی وجہ سے خلافِ ہیئت بیٹھنا شانِ فقاہت کا تقاضا ہے اسی لیے فرمایا: "وھی فقیھۃ"۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا خلافِ ہیئت بیٹھنا۔

اب مرد و عورت کی نماز میں فرق واضح ہے۔

اشکال:

صحیح بخاری (رقم الحدیث 822) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ.

ترجمہ: تم میں سے کوئی (سجدہ کی حالت میں) اپنے بازوؤں کو کتے کی طرح نہ بچھائے۔

حنفی عورتیں بھی سجدہ میں اپنے بازو زمین پر بچھا دیتی ہیں تو یہ حدیث کی رو سے نائز عمل ہے۔

جواب:

صحیح البخاری کی اس روایت کا تعلق عورتوں کے ساتھ نہیں بلکہ صرف مردوں کے ساتھ ہے کیونکہ عورتوں کے لیے سجدہ میں جسم کو زمین کے ساتھ لگانے کا حکم خود حدیث میں موجود ہے۔ امام ابو دواؤد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

عَنْ يَزِيْدَ بْنِ حَبِيْبٍ رحمہ اللہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّ عَلٰى اِمْرَاَتَيْنِ تُصَلِّيَانِ فَقَالَ اِذَا سَجَدْتُّمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ اِلَى الْاَرْضِ فَاِنَّ الْمَرْاَةَ لَيْسَتْ فِيْ ذٰلِكَ كَالرَّجُلِ. (مراسیل ابی داوٗد: ص28، السنن الکبری للبیہقی ج2 ص223 باب مایستحب للمراۃ الخ)

ترجمہ: حضرت یزید بن حبیب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے قریب سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ عورت کا حکم اس میں مرد کی طرح نہیں ہے۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ عورت کے لیے جسم کا کچھ حصہ لگانے کا حکم خود حدیث سے ثابت ہے۔ لہذا صحیح البخاری کی اس روایت کا تعلق صرف مردوں کے ساتھ ہو گا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جو لوگ مرد و عورت کی نماز میں فرق کے قائل نہیں انہوں نے بھی اس حقیقت کا اقرار کیا ہے کہ عورت کے لیے سجدے کی الگ کیفیت اگر حدیث سے ثابت ہو جائے تو قابل قبول ہے۔ چنانچہ حافظ صلاح الدین یوسف صاحب غیر مقلد صحیح البخاری کی مذکورہ روایت نقل کر کے یوں رقمطراز ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطاب کر کے سجدے کی حالت میں اپنے بازوں کو زمین پر بچھانے سے نہ صرف منع فرمایا بلکہ اس طرح کرنے کو کتے کے ساتھ بیٹھنے کے ساتھ تشبیہ دی۔ آپ کے اس خطاب میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔ ہاں اگر عورتوں کے لیے سجدے کی الگ کیفیت حدیث سے ثابت ہو گی تو پھر عورتیں اس میں شامل نہیں ہوں گی۔

(کیا عورتوں کا طریقہ نماز مردوں سے مختلف ہے؟ ص40)

عرض ہے کہ عورتوں کے لیے سجدے کی الگ کیفیت خود حدیث مذکور سے ثابت ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنتوں کا حکم

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

اہل السنت والجماعت کا مذہب:

اہل السنۃ والجماعۃ احناف کا موقف یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اطمینان ہے کہ وہ سنتیں ادا کرنے کے بعد جماعت کی دوسری رکعت (بلکہ تشہد میں) مل جائے گا تو اسے چاہیے کہ کسی الگ جگہ مثلاً مسجد سے باہر، مسجد کے صحن میں، کسی ستون وغیرہ کی اوٹ میں، جماعت کی جگہ سے ہٹ کر پہلے سنتیں ادا کرے پھر جماعت میں شریک ہو جائے۔ ہاں اگر یہ خیال ہو کہ سنتیں پڑھنے کی صورت میں جماعت فوت ہو جائے گی تو سنتیں نہ پڑھے بلکہ جماعت میں شریک ہو جائے۔

[رد المحتار مع الدر المختار: ج2: ص56، 57 وغیرہ]

غیر مقلدین کا مذہب:

نماز فجر کی اقامت ہو چکنے کے بعد اور اس کے لیے تکبیر تحریمہ کہی جانے سے پہلے جب کہ جماعت بالکل نمازِ فجر پڑھنے کے لیے تیار کھڑی ہو اس وقت بھی سنتِ فجر پڑھنے والے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید نکیر اور زجر و توبیخ کی اور اسے دو رکعت والی نماز کو چار رکعت بنا دینے کا مجرم قرار دیا۔

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقہ نماز: ص216، نزل الابرار 1/ 133، 132، فتاویٰ ستاریہ 3/ 40)

دلائل:

اس مسئلہ میں دو جہتیں ہیں:

جہت نمبر 1: احادیث مبارکہ میں تمام سنتوں میں سب سے زیادہ تاکید فجر کی سنتوں کی وارد ہوئی ہے۔ مثلاً

1: عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی شَیْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تُعَاھَدًا مِنْہُ عَلٰی رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ۔

[صحیح البخاری ج1 ص156 باب تعاھد رکعتی الفجر، صحیح مسلم ج1 ص251 باب استحباب رکعتی الفجر والحث علیھا]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نفل [جو فرضوں سے زائد ہوتی ہیں، مراد سنن ہیں] کی اتنی زیادہ پابندی نہیں فرماتے تھے جتنی فجر کی دو رکعتوں کی کرتے تھے۔

2: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا تَدَعُوْھُمَا وَاِنْ طَرَدَتْکُمُ الْخَیْلُ۔

[سنن ابی داؤد ج1 ص186 باب فی تخفیفھما، شرح معانی الآثار ج1 ص209 باب القراءۃ فی رکعتی الفجر]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فجر کی دو سنتوں کو نہ چھوڑو خواہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔

یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ [اعلاء السنن ج7 ص105]

جہت نمبر 2: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باجماعت نماز کی بھی بہت تاکید فرمائی ہے۔ نیز حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب جماعت ہو رہی ہو تو اس میں شرکت کی جائے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اب ایک شخص ایسے وقت میں آیا کہ فجر کی جماعت کھڑی ہے اور اس نے سنتیں بھی ادا نہیں کیں، تو احناف کا مذکورہ موقف ایسا مستقیم ہے کہ اس سے دونوں فضیلتیں جمع ہو جاتی ہیں یعنی فجر کی سنتوں کا جو تاکیدی حکم ہے اس پر بھی عمل ہو جاتا ہے اور جماعت میں شمولیت کے حکم کی بھی تعمیل ہو جاتی ہے۔ یہ موقف حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے عمل سے ثابت ہے۔ دلائل پیش خدمت ہیں۔

دلیل نمبر 1: عن عبد اللہ بن أبي موسى قال: جاء ابن مسعود والامام يصلي الصبح فصلى ركعتين إلى سارية ولم يكن صلى ركعتي الفجر۔

(المعجم الکبیر: رقم الحدیث 9385)

ترجمہ: عبد اللہ بن ابی موسیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تشریف لائے جبکہ امام نماز پڑھا رہا تھا۔ تو آپ نے ستون کی اوٹ میں دو رکعتیں پڑھیں، آپ نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔

امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ورجاله موثقون [اس کے راوی ثقہ و لائق اعتماد ہیں]

(مجمع الزوائد: رقم الحدیث 2392)

دلیل نمبر 2: مالك بن مغول قال سمعت نافعا يقول: أيقظت بن عمر رضي الله عنهما لصلاة الفجر وقد أقيمت الصلاة فقام فصلى الركعتين۔

(سنن الطحاوی: رقم الحدیث 2042)

ترجمہ: مالک بن مغول سے روایت ہے کہ میں نے حضرت نافع سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو نماز فجر کے لیے اس وقت بیدار کیا جبکہ نماز کھڑی ہو چکی تھی، آپ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور پہلے دو رکعت سنت ادا فرمائی۔

اسنادہ صحیح (آثار السنن ص 202)

تنبیہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما باوجود اقامتِ نماز ہو جانے کے سنتیں ادا فرما رہے ہیں۔

دلیل نمبر 3: عن أبي عثمان الأنصاري قال: جاء عبد الله بن عباس والإمام في صلاة الغداة ولم يكن صلى الركعتين فصلى عبد الله بن عباس رضي الله عنهما الركعتين خلف الإمام ثم دخل معهم۔ (سنن الطحاوی: رقم الحدیث 2040)

ترجمہ: ابو عثمان انصاری فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے جبکہ امام صبح کی نماز پڑھا رہا تھا۔ آپ نے فجر کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔ پس آپ نے امام کے پیچھے [جماعت سے ہٹ کر] یہ دو رکعتیں ادا کیں، پھر ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہو گئے۔

اسنادہ صحیح (آثار السنن ص 204، اعلاء السنن ج 7 ص 100)

دلیل نمبر 4: عن محمد بن كعب قال: خرج عبد الله بن عمر رضي الله عنهما من بيته فأقيمت صلاة الصبح فركع ركعتين قبل أن يدخل المسجد وهو في الطريق ثم دخل المسجد فصلى الصبح مع الناس۔ (سنن الطحاوی: رقم 2041)

ترجمہ: محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے گھر سے نکلے، صبح کی نماز ادا ہو رہی تھی۔ آپ نے مسجد داخل میں ہونے سے پہلے راستہ ہی میں دو رکعت سنت ادا کی۔ پھر مسجد میں داخل ہوئے اور لوگوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔

امام محدث ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسنادہ حسن (اعلاء السنن ج 7 ص 102)

دلیل نمبر 5: عن زيد بن أسلم عن بن عمر رضي الله عنهما: أنه جاء والإمام يصلي الصبح ولم يكن صلى الركعتين قبل صلاة الصبح فصلاهما في حجرة حفصة رضي الله عنها ثم إنه صلى مع الإمام (سنن الطحاوی: رقم الحدیث 2043)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے جبکہ امام صبح کی نماز پڑھا رہا تھا، آپ نے صبح کی دو سنتیں ادا نہیں کی تھیں، تو آپ نے یہ دو رکعتیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کے گھر ادا کیں پھر امام کے ساتھ جماعت میں آملے۔

تنبیہ: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کا گھر ان دنوں مسجد میں داخل تھا۔ (اعلاء السنن ج7 ص102، 103)

اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ (اعلاء السنن ج7 ص102)

دلیل نمبر 6: عن أبي الدرداء: أنه كان يدخل المسجد والناس صفوف في صلاة الفجر فيصلي الركعتين في ناحية المسجد ثم يدخل مع القوم في الصلاة (سنن الطحاوی: رقم الحدیث 2044)

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ جب وہ مسجد میں آتے اور لوگ نماز فجر کی جماعت کی صف میں ہوتے تو یہ مسجد کے کسی گوشہ میں سنتِ فجر پڑھ کر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جایا کرتے تھے۔

اسنادہ حسن (آثار السنن ص203، اعلاء السنن ج7 ص103)

مصنف عبد الرزاق میں یہ الفاظ ہیں: عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ رضی الله عنه اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ: نَعَمْ، وَاللّٰهِ لَئِنْ دَخَلْتُ وَالنَّاسُ فِي الصَّلٰوةِ لَاَعْمَدَنَّ اِلٰى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ لَاَرْكَعَنَّهُمَا ثُمَّ لَاُكْمِلَنَّهُمَا ثُمَّ لَا اَعْجَلُ عَنْ اَكْمَالِهِمَا ثُمَّ امْشِيْ اِلَى النَّاسِ فَاُصَلِّيْ مَعَ النَّاسِ الصُّبْحَ۔ [مصنف عبد الرزاق ج2 ص294، رقم 4033]

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہاں اللہ کی قسم! اگر میں ایسے وقت میں (مسجد میں) داخل ہوں جبکہ لوگ جماعت میں ہوں تو میں مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے پیچھے جا کر فجر کی سنتوں کی دو رکعتیں ادا کرونگا، ان کو کامل طریقہ سے ادا کروں گا اور ان کو کامل کرنے میں جلدی نہ کروں گا۔ پھر جا کر لوگوں کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاؤں گا۔

دلیل نمبر 7: عَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرِّبٍ، أَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ وَأَبَا مُوسَى خَرَجَا مِنْ عِنْدِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ، فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَرَكَعَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلَاةِ، وَأَمَّا أَبُو مُوسَى فَدَخَلَ فِي الصَّفِّ. (مصنف ابن ابی شیبۃ: رقم 6476)

ترجمہ: حارثہ بن مضرب کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکلے تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں ادا کیں اور نماز میں لوگوں کے ساتھ آملے جبکہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ دو رکعتیں پڑھے بغیر آملے۔

اسنادہ صحیح (آثار السنن ص203، اعلاء السنن ج7 ص104)

وفيه ايضاً في طريق اخرى: فجلس عبد الله الى أسطوانة من المسجد فصلى الركعتين ثم دخل في الصلاة۔ (سنن الطحاوی: رقم الحدیث 2037، مصنف عبد الرزاق: رقم الحدیث 4034)

ایک طریق میں ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد کے ایک ستون کی اوٹ میں بیٹھ گئے، دو رکعتیں ادا کیں، پھر نماز میں شامل ہو گئے۔

دلیل نمبر 8: عن أبي عثمان النهدي قال: كنا نأتي عمر بن الخطاب رضي الله عنه قبل أن نصلي ركعتين قبل الصبح وهو في الصلاة فنصلي ركعتين في آخر المسجد ثم ندخل مع القوم في صلاتهم (سنن الطحاوی: رقم الحدیث 2046)

ترجمہ: ابو عثمان النہدی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے جبکہ آپ نماز پڑھا رہے ہوتے تھے اور ہم نے نماز فجر سے پہلے سنتیں ادا نہ کی ہوتی تھیں، تو ہم پہلے مسجد کے کسی کونہ میں سنتیں ادا کرتے پھر لوگوں کے ساتھ نماز (کی جماعت) میں شریک ہو جاتے تھے۔

اسنادہ حسن (آثار السنن ص204، اعلاء السنن ج7 ص104)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تنبیہ: اس روایت میں "کنا نأتی" جمع کا صیغہ دلالت کرتا ہے کہ عہدِ فاروقی میں یہ صورت کثرت سے پیش آتی تھی اور بہت سے حضرات کا عمل اس کے مطابق تھا۔

(نمازِ مدلل از مولانا فیض احمد الملتانی ص208)

دلیل نمبر9: عن الشعبی یقول: کان مسروق یجیء الی القوم وھم فی الصلاۃ ولم یکن رکع رکعتی الفجر فیصلی رکعتین فی المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلاتھم (سنن الطحاوی: رقم الحدیث2048)

ترجمہ: امام شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ امام مسروق (مسجد میں) تشریف لاتے جبکہ لوگ نماز ادا کر رہے ہوتے اور آپ نے صبح کی سنتیں ادا نہ کی ہوتیں تو آپ پہلے دو رکعتیں مسجد میں ادا کرتے، پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے۔

اسنادہ صحیح (آثار السنن ص203، اعلاء السنن ج7 ص105)

دلیل نمبر10: عن یزید بن إبراھیم عن الحسن: أنہ کان یقول إذا دخلت المسجد ولم تصل رکعتی الفجر فصلھما وان کان الإمام یصلی ثم ادخل مع الإمام (سنن الطحاوی: رقم الحدیث2050)

ترجمہ: یزید بن ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تم مسجد میں ایسے وقت میں داخل ہو کہ امام نماز میں ہو اور تم نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو پہلے سنتیں پڑھو، پھر امام کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔

اسنادہ صحیح (آثار السنن ص204)

وفی لفظ لہ: عن یونس قال: کان الحسن یقول یصلیھما فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلاتھم (سنن الطحاوی: رقم الحدیث2051)

اسنادہ صحیح (آثار السنن ص205، اعلاء السنن ج7 ص105)

ترجمہ: ایک روایت میں یوں ہے: حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ شخص (جس نے ابھی سنتِ فجر ادا نہیں کی) ان دو رکعتوں کو مسجد کے کسی کونہ میں پڑھے، پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے۔

دلیل نمبر11: عن الحارث عن علی قال: کان النبی صلی اللہ علیہ و سلم یصلی الرکعتین عند الإقامۃ (سنن ابن ماجۃ: رقم الحدیث 1147)

قال الامام المحدث العثمانی: وفیہ الحارث ضعفہ بعضھم و وثقہ آخرون وھو حسن الحدیث (اعلاء السنن ج7 ص105)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی اقامت کے وقت دو رکعتیں ادا فرماتے تھے۔

تنبیہ: اس میں جواز موجود ہے کہ اقامت کے وقت امام دو رکعتیں ادا کر سکتا ہے، تو مندرجہ بالا آثارِ صحابہ و تابعین اور حدیث "لَا تَدَعُوْهُمَا وَاِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ" کی وجہ سے مقتدی کے لیے بھی ان دو رکعتوں کا جواز ثابت ہوتا ہے جبکہ صفوفِ جماعت میں مخالطہ نہ ہو۔ (اعلاء السنن ج7 ص105)

دلیل نمبر12: عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ الا رکعتی الصبح۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی 2/ 483، باب کراھیۃ الاشتغال بھما بعد ما اقیمت الصلوۃ، اعلاء السنن 7/110 و قال الشیخ العثمانی وھذا الاسناد ایضاً حسن)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز (کی جماعت) کھڑی ہو جائے تو اس وقت کوئی نماز نہ پڑھی جائے، ہاں صبح کی سنتیں پڑھ سکتے ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

خلاصہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہم، ابو عثمان النہدی، امام مسروق، امام حسن بصری رحمہم اللہ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں آنے والے شخص نے اگر سنتیں ادا نہیں کیں تو مسجد سے باہر، مسجد کے صحن میں، کسی ستون وغیرہ کی اوٹ میں، جماعت کی جگہ سے ہٹ کر پہلے سنتیں ادا کرے پھر جماعت میں شریک ہو جائے اور یہی احناف کا موقف ہے۔

غیر مقلدین کے شبہ کا جائزہ:

غیر مقلدین نے شبہ یہ ظاہر کیا کہ حدیث"اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ" کے آخر میں "الا رکعتی الفجر" کا جھوٹا اضافہ کرکے آپ لوگ فجر کی سنتوں کو مستثنیٰ قرار دیتے ہو۔

جواب نمبر 1: اہل السنۃ والجماعۃ احناف کثراللہ سوادھم کا موقف اس روایت پر موقوف نہیں بلکہ ان کا مستدل حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہم، امام مسروق، امام حسن بصری، امام ابو عثمان نہدی وغیرہ کے آثار ہیں، جو سندا صحیح / حسن ہیں۔[ما قبل میں گزر چکے ہیں]

رہا حدیث"اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ" کے آخر میں "الا رکعتی الفجر" کو جھوٹا اضافہ کہنا سو یہ بات بلا دلیل ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ ممکن ہے کہ غیر مقلدین یہ کہہ دیں کہ اس حدیث کے دو روات حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر کے بارے میں امام بیہقی نے کلام کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ

پہلا راوی: حجاج بن نصیر

1: آپ سنن ترمذی کے راوی ہے۔

2: امام ابن معین ان کے بارے میں فرماتے ہیں: کان شیخا صدوق لکنھم اخذوا علیہ اشیاء فی احادیثہ شعبۃ۔[آپ سچے شیخ تھے، البتہ ائمہ نے آپ کی ان احادیث پر گرفت کی ہے جو آپ نے امام شعبہ سے روایت کی ہیں]

3: ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا۔

4: امام ابن عدی اپنی کتاب "الکامل" میں ان کی وہ روایات جو شعبہ سے ہیں لائے ہیں جن پر محدثین نے گرفت کی ہے۔ یہ تین احادیث ہیں اور ان کی سند پر گرفت کی ہے نہ کہ متن میں۔ خود ابن عدی فرماتے ہیں: حجاج کی ان تین روایات کے علاوہ باقی احادیث صالح ہیں۔

امام عجلی فرماتے ہیں: کان معروفا بالحدیث [آپ علم حدیث کے حوالے سے معروف شخصیت ہیں]

(تہذیب التہذیب لابن حجر ج1 ص672، 671 ملخصاً، الکامل لابن عدی: ج2 ص534 رقم الترجمہ 409)

امام ابن عدی نے "الا رکعتی الفجر" کی حدیث ان تین احادیث میں ذکر نہیں کی۔ نیز حجاج بن نصیر یہ روایت شعبہ سے روایت نہیں کر رہے ہیں۔ پس بقول ابن عدی یہ صالح الحدیث ہیں (اعلاء السنن ج7 ص110)

دوسرا راوی: عباد بن کثیر

یہ راوی مختلف فیہ ہے۔

1: امام ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا: لیس بہ باس. [اس راوی میں کوئی حرج نہیں]

2: ابو بکر بن ابی شیبہ: یہ ثقہ تھے۔ (تہذیب التہذیب لابن حجر ج3 ص372)

3: علی بن المدینی: عباد بن کثیر الرملی ثقہ تھے۔ (المیزان للذہبی ج2 ص336)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

امام ابن عدی فرماتے ہیں ھذہ الاحادیث التی ذکرتھا ... ھذا غیر محفوظات وھو خیر من عباد البصری.

(الکامل 5/544 رقم الترجمہ 1166)

ہماری دلیل میں عباد بن کثیر الرملی ہے ان کی بعض ائمہ نے توثیق بیان کی ہے اور عباد البصری پر اکثر نے جرح کی ہے ان کی جروحات کو غیر مقلدین نے اٹھا کر عباد الرملی پر فٹ کر دی ہیں جو کہ سراسر غلط ہے، جھوٹ ہے لہذا یہ روایت کم از کم حسن درجہ کی ہے۔ کما قال الشیخ العثمانی (اعلاء السنن ج7 ص110)

خلاصہ یہ ہے کہ احناف کا موقف جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے عمل مبارکہ سے ثابت ہے جو یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کو زیادہ جانتے تھے۔ لہذا غیر مقلدین کا اپنے آپ کو حدیث پر عمل پیرا اور دوسروں کو مخالفِ حدیث کہنا جہالت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وساوس سے بچا کر صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ آمین

دلائل غیر مقلدین

دلیل نمبر 1:

اذا اقیمت الصلوۃ الا المکتوبۃ۔

(مسلم، ابوداود ترمذی وغیرہ)

جواب:

1: فجر کی سنتیں اس سے مستثنیٰ ہیں کیوں کہ انکی اہمیت بہت زیادہ ہے اگر ہر نماز کے بارے میں یہ روایت ہوتی تو صحابہ اور تابعین فجر کی سنتیں جماعت کھڑی ہونے کے بعد ادا فرماتے۔

2: یہ ممانعت اگر فجر کے متعلق مان بھی لی جائے تو یہ اس صورت میں ہے جب صف کے اندر کھڑے ہو کر ادا کی جائیں اگر صف سے الگ یا باہر ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں پڑھ لینے میں جس پر مذکورہ آثار صحابہ دلائل موجود ہیں۔

دلیل 2:

وہ روایات جن میں ہے کہ صحابہ نے فجر کی سنتیں ادا کرنا چاہیں تو آپ علیہ السلام نے منع کرتے ہوئے فرمایا لاتصلی الصبح اربعاً۔

(ابن خزیمۃ)

جواب:

یہ بھی اس وقت ممنوع ہے جب صف کے اندر ہو اور اس پر قرینہ حدیث انس ہے جس کے آخر میں ہے:

فنھیٰ ان نصلی فی المسجد اذا اقیمت الصلوۃ

غیر مقلد البانی نے کہا ہے: اسنادہ صحیح۔

(صحیح ابن خزیمہ 1/558 رقم الحدیث 1126)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الحدیث اذا لم تجمع طرقہ لم تفھمہ لان الحدیث یفسر بعضہ بعضاً

(الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع للخطیب البغدادی: ج2 ص212 کتب الطرق المختلفۃ)

اگر آپ علیہ السلام نے منع فرمادیا تھا تو صحابہ کرام کیوں پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام کا منع کرنا ایک خاص وجہ سے تھا وہ یہ کہ صف میں نہ پڑھیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل 3:

عن ابی ھریرۃ مرفوعاً اذا اقیمت الصلوۃ فلا صوۃ الا المکتوبۃ قبل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال لا رکعتی الفجر۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی: 2/483)

جواب 1:

امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ عمرو بن دینار سے اس روایت کو ایک جماعت نے کیا لیکن مسلم بن خالد کے علاوہ کسی ایک نے بھی ولا رکعتی الفجر کی زیادتی نقل نہیں کی۔(الکامل للعدی 9/112 رقم الترجمہ 2146، ترجمہ یحییٰ بن نصر)
اسی طرح امام بیہقی نے بھی اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی:2/483)

جواب 2:

صحابی رسول کا "ولا رکعتی الفجر " کہنا ہی اس کے جواز کی دلیل ہے یعنی اگر فجر کی سنتیں اس کی نفی فلا صلوۃ سے ہو گئی تھی تو صحابہ کرام نے ولا رکعتی الفجر کے بارے میں کیوں پوچھا؟ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فجر کی سنتیں اس میں داخل نہیں۔

جواب 3 :

یہ دو روایات ہیں، ولا رکعتی الفجر ، الا رکعتی الفجر ، تعداد واقعہ پر محمول ہیں ہو سکتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے ایک آدمی کو دیکھا ہو جو فرض نماز کھڑی ہونے کے بعد صفوں کے متصل فجر کی سنتیں پڑھ رہا ہو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ہو ولا رکعتی الفجر یعنی صفوں میں کھڑے ہو کر فجر کی سنتیں بھی نہیں پڑھ سکتے۔ دواری مرتبہ کسی کو دیکھا ہو جو کونے میں پڑھ رہا ہو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ہو الا رکعتی الفجر۔
(اعلاء السنن 7/111)

دلیل 4:

حضرت عمر اس آدمی کو مارتے تھے جو فرض نماز کھڑی ہو جانے کے بعد پڑھتا اسی طرح ابن عمر بھی مارا کرتے تھے؟
(اعلاء السنن 2/ 483)

جواب 1 :

حضرت عمر کے اثر کی سند مذکور نہیں اور بقول علی زئی صاحب کے کہ بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی۔
(الحدیث شمارہ 59/ ص:33)

جواب 2:

ان آثار میں صحابہ کا عمل مذکور ہے وھو لیس حجۃ عندہ۔
(عرف الجادی 101، فتاویٰ نذیریہ 1/240)

جواب 3:

حضرت عمر کی موجودگی میں دوسرے لوگ صبح کی سنتیں پڑھ لیتے تھے کما مر اور ابن عمر خود سنتیں پڑھ لیتے تھے کما مر۔

جواب 4:

دیگر آثار کی وجہ سے اور خود ان حضرات کے عمل کی وجہ سے یہ اس بندے کے متعلق ہیں جو صف میں کھڑے ہو کر سنتیں پڑھتے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنتِ فجر کی قضاء کا وقت

از افادات متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت والجماعت:

اگر کسی کی فجر کی سنتیں رہ جائیں فرض کے بعد طلوع شمس سے پہلے نہ پڑھے، سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے۔

چنانچہ صاحب ہدایہ علامہ علی بن ابی بکر المرغینانی فرماتے ہیں: وإذا فاتته رکعتا الفجر لا یقضیھما قبل طلوع الشمس

(الہدایۃ: ج1 ص159 باب ادراک الفریضۃ)

مذہب غیر مقلدین:

فرض فجر کے بعد نصوص صریحہ اور اصول شرعیہ سے سنت فجر کی قضاء کا شرعی ثبوت موجود ہے۔ خواہ طلوع آفتاب سے پہلے قضا کرے خواہ بعد البتہ طلوعِ آفتاب سے پہلے موقع ہو تو طلوع آفتاب سے پہلے سنتِ فجر کی قضاء زیادہ بہتر اور اہم ہے۔...... بلکہ یہی وقت اس کا اصل وقت ہے۔

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقہ نماز ص192)

دلائل اہل السنت والجماعت

دلیل نمبر 1:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ وَعَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ صَلَاتَيْنِ نَهَى عَنْ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ. (صحیح البخاری: ج1 ص82 باب الصلاۃ بعد الفجر حتیٰ ترتفع الشمس)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کی خرید و فروخت سے اور دو قسم کے کپڑوں سے اور دو نمازوں سے منع فرمایا ہے آپ علیہ السلام نے فجر کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک اور عصر کے بعد سورج کے غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

دلیل نمبر 2:

عن بن عباس قال سمعت غير واحد من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم منهم عمر بن الخطاب وكان أحبهم إلى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلاة بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب الشمس

(صحیح مسلم: ج1 275 باب الاوقات التی نہی عن الصلاۃ فیہا)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہ سے سنا ان میں سے ایک حضرت عمر بن خطاب بھی ہیں اور وہ مجھے صحابہ میں سب سے زیادہ محبوب تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک اور عصر کے بعد سورج کے غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

دلیل نمبر 3:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

(صحیح البخاری: ج 1 ص 82، 83 باب لا تتحری الصلاۃ قبل غروب الشمس)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہو سلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ صبح کی نماز کے بعد سورج کے بلند ہونے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج کے غروب ہونے تک کوئی نماز (جائز) نہیں۔

دلیل نمبر 4:

عن أبي أمامة قال قال عمرو بن عبسة السلمي --- فقلت يا نبي الله أخبرني عما علمك الله وأجهله أخبرني عن الصلاة قال صل صلاة الصبح ثم أقصر عن الصلاة حتى تطلع الشمس حتى ترتفع فإنها تطلع حين تطلع بين قرني شيطان

(صحیح مسلم: ج 1 ص 276 باب الاوقات التی نہی عن الصلاۃ فیہا)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی مجھے ان چیزوں کے بارے میں بتلایئے جن کی اللہ نے آپ کو تعلیم دی ہے اور میں ان سے بے خبر ہوں آپ مجھے نماز کے متعلق بھی بتلایئے آپ علیہ السلام نے فرمایا صبح کی نماز پڑھ پھر سورج کے طلوع ہونے کے بعد سے سورج کے بلند ہونے تک رکا رہ، کیونکہ سورج اس وقت شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔

فائدہ:

حدیث "لا صلاة بعد الصبح حتیٰ تطلع الشمس و لا صلاة بعد العصر حتیٰ تغرب الشمس" متواتر ہے۔

(نظم المتناثر من الحدیث المتواتر: ص 111، ص 112 رقم الحدیث 83)

دلیل نمبر 5:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال كان النبي عليه السلام إذا فاتته ركعتا الفجر صلاهما إذا طلعت الشمس

(شرح مشکل الآثار للطحاوی: ج 10 ص 328 رقم الحدیث 4142)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی علیہ السلام سے جب فجر کی دو رکعتیں فوت ہو جاتی تو آپ علیہ السلام انہیں سورج کے طلوع ہونے کے بعد پڑھتے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ (م 321ھ) اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

فهذا الحديث أحسن إسنادا وأولى بالاستعمال مما قد رويناه قبله في هذا الباب

(ایضاً)

دلیل نمبر 6:

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من لم يصل ركعتي الفجر فليصلهما بعد ما تطلع الشمس

(جامع الترمذی: ج 1 ص 96 باب فی اعادتہما [ای رکعتی الفجر])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے فجر کی دو رکعتیں نہیں پڑھی اس کو چاہیے کہ سورج کے طلوع ہونے کے بعد ان کو پڑھے۔

دلیل نمبر 7:

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (من لم يصل ركعتي الفجر فليصليهما إذا طلعت الشمس)

(صحیح ابن حبان: ص 723 رقم الحدیث 2472)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے فجر کی دو رکعتیں نہیں پڑھی اس کو

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

چاہیے کہ سورج کے طلوع ہونے کے بعد ان کو پڑھے۔

قال شعیب الأرنؤوط : إسنادہ صحیح علی شرط البخاری

(صحیح ابن حبان: ص723 رقم الحدیث 2472)

دلیل نمبر8:

عن أبی هريرة : أن النبی صلی الله علیه وسلم قال : من نسی رکعتی الفجر فلیصلهما إذا طلعت الشمس

(المستدرک للحاکم: ج1 ص112 رقم الحدیث 1194 باب فضیلۃ رکعتی سنۃ الفجر)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص فجر کی دو رکعتیں بھول جائے اس کو چاہیے کہ سورج کے طلوع ہونے کے بعد ان کو پڑھ لے۔

قال الحاکم: هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ

قال الذهبی فی التلخیص: علی شرطهما

دلیل نمبر9:

عَنِ الْحَسَنِ وَعَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ قَالَ تَخَلَّفَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- فَذَكَرَ هَذِهِ الْقِصَّةَ. قَالَ فَأَتَيْنَا النَّاسَ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ يُصَلِّي بِهِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا رَأَى النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- أَرَادَ أَنْ يَتَأَخَّرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَنْ يَمْضِيَ -قَالَ- فَصَلَّيْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- خَلْفَهُ رَكْعَةً فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- فَصَلَّى الرَّكْعَةَ الَّتِي سُبِقَ بِهَا وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهَا شَيْئًا. (سنن ابی داود: ج1 ص23 باب المسح علی الخفین)

ترجمہ: حضرت حسن اور زرارہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز سے) سے پیچھے رہ گئے پھر اس قصہ کو بیان فرمایا کہ ہم چند لوگ آئے دیکھا کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ لوگوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا آپ علیہ السلام نے اشارے سے انہیں نماز جاری رکھنے حکم فرمایا حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ میں نے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے ایک رکعت پڑھی جب انہوں نے سلام پھیرا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے چنانچہ آپ علیہ السلام نے وہ رکعت ادا کی جو فوت ہو چکی تھی اور اس پر کسی چیز کا اضافہ نہیں فرمایا۔

نوٹ:

معارف السنن میں ہے کہ اس حدیث سے استدلال حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی جودتِ فکر کا نتیجہ ہے۔

(معارف السنن: ج4 ص97)

دلیل نمبر10:

عن أبی مجلز قال : دخلت المسجد فی صلاة الغداة مع بن عمر وابن عباس رضی الله عنهم والإمام یصلی فأما بن عمر رضی الله عنهما فدخل فی الصف وأما بن عباس رضی الله عنهما فصلی رکعتین ثم دخل مع الإمام فلما سلم الإمام قعد بن عمر مکانه حتی طلعت الشمس فقام فرکع رکعتین فهذا بن عباس صلی رکعتین فی المسجد والإمام فی صلاة الصبح

(شرح معانی الآثار: ج1 ص255، 256 باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلاۃ الفجر)

ترجمہ: حضرت ابو مجلز فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ صبح کی نماز میں مسجد میں

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

داخل ہوا اور امام نماز پڑھا رہا تھا چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صف میں داخل ہو گئے اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے دو رکعت ادا کی پھر امام کے ساتھ شامل ہو گئے جب امام نے سلام پھیرا تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سورج کے طلوع ہونے تک اپنی جگہ پر بیٹھے رہے پھر دو رکعت ادا کی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہمانے اس وقت مسجد میں ادا کر لی تھی جب امام صبح کی نماز پڑھا رہا تھا۔

دلیل نمبر 11:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، أَنَّهُ جَاءَ إِلَى الْقَوْمِ وَهُمْ فِي الصَّلاَةِ، وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ فَدَخَلَ مَعَهُمْ ، ثُمَّ جَلَسَ فِي مُصَلاَّهُ، فَلَمَّا أَضْحَى قَامَ فَقَضَاهُمَا. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج4ص404رقم الحدیث 6506باب فی رکعتی الفجر اذا فاتتہ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ لوگوں کے پاس اس حال میں آئے کہ لوگ نماز میں تھے اور آپ نے دو رکعتیں ادا نہیں کی تھی چنانچہ آپ لوگوں کے ساتھ نماز میں شامل ہو گئے پھر اپنی جائے نماز پر بیٹھے رہے جب سورج بلند ہوا تو کھڑے ہوئے اور فجر کی دو رکعتوں کی قضاء کی۔

دلیل نمبر 12:

عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ فَاتَتْهُ رَكْعَتَا الْفَجْرِ فَقَضَاهُمَا بَعْدَ أَنْ طَلَعَتْ الشَّمْسُ

(موطا مالک: ص112 باب ماجاء فی رکعتی الفجر)

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب فجر کی دو رکعتیں فوت ہو جاتی تو آپ ان کی قضا سورج کے طلوع ہونے کے بعد فرماتے تھے۔

دلیل نمبر 13:

عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ الْقَاسِمَ، يَقُولُ: لَوْ لَمْ أُصَلِّهِمَا حَتَّى أُصَلِّيَ الْفَجْرَ، صَلَّيْتُهُمَا بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج2ص156 باب فی رکعتی الفجر اذا فاتتہ رقم الحدیث 6505)

ترجمہ: حضرت یحیی بن سعید فرماتے ہیں میں نے قاسم کو فرماتے ہوئے سنا اگر میں نے دو سنتیں نہ پڑھی ہوں اور فجر کی نماز پڑھ لی ہو تو میں ان کو سورج نکلنے کے بعد پڑھتا ہوں۔

فائدہ:

اب وہ روایات پیشِ خدمت ہیں جن میں فجر کے بعد طلوع شمس سے پہلے سنتیں پڑھنے کی ممانعت ہے۔

1: عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، قَالَ : صَلَّيْت مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ، وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلاَ صَلاَةَ بَعْدَ الْغَدَاةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5ص116باب من قال لا صلاۃ بعد الفجر رقم الحدیث 7416)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی تو صبح کی نماز کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک کوئی نماز نہیں ہوتی تھی۔

2: عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي عَلَى إِثْرِ كُلِّ صَلاَةٍ مَكْتُوبَةٍ رَكْعَتَيْنِ إِلاَّ الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5ص116باب من قال لا صلاۃ بعد الفجر رقم الحدیث 7417)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے سوائے فجر اور عصر کے۔

3: عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، قَالَ: لاَ تَصلُح الصَّلاَةُ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، قَالَ وَكَانَ عُمَرَ يَضْرِبُ عَلَى ذَلِكَ. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5ص114باب من قال لا صلاۃ بعد الفجر رقم الحدیث 7409)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: حضرت عالیہ فرماتے ہیں عصر کے بعد سورج کے غروب ہونے تک اور صبح کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک کوئی نماز درست نہیں نیز فرماتے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر مارا کرتے تھے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

غیر مقلدین کی دلیل اور اس کے جوابات

عن محمد بن إبراهيم عن جده قيس قال : خرج رسول الله صلى الله عليه و سلم فأقيمت الصلاة فصليت معه الصبح ثم انصرف النبى صلى الله عليه و سلم فوجدنى أصلين فقال مهلا يا قيس ! أصلاتان معا ؟ قلت يا رسول الله إنى لم أكن ركعت ركعتى الفجر قال فلا إذاً (ترمذی جلد ۱ ص96)

جواب نمبر 1:

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "انما یروی ھذا الحدیث مرسلاً" یہ حدیث مرسل ہے۔ واسنا د ھذا الحدیث لیس بمتصل۔

❖ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتا ہے کہ جمہور محدثین کے نزدیک تابعی کی مرسل روایت ہر لحاظ سے مردود ہے۔

(فتاویٰ علمیہ ج2ص290)

نیز نہی والی روایت متواتر ہیں اور یہ مرسل ہے۔ متواتر کے مقابلے میں مرسل کا کوئی مقام نہیں ہے۔

❖ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وهو حديث ضعيف ... واتفقوا على ضعف حديثه المذكور فى الركعتين بعد الصبح، رواه ابوداؤد والترمذى وغيرهما وضعفوه

(تہذیب الاسماء واللغات للنووی ج1ص450، 451رقم الترجمہ 517)

جواب نمبر 2:

اس روایت میں صراحتہً یہ بات مذکور نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو رکعت پڑھنے کی اجازت دی "فلا اذاً" اس کا معنی صرف اجازت نہیں بلکہ انکار بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم (ج2ص37) میں " باب كراهية تفضيل بعض الاولاد فى الهبه" کے تحت حدیث مذکور ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے مال زیادہ دینا چاہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ آپ نے تمام بیٹوں کو اسی طرح مال دیا ہے؟ میرے والد نے کہا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ایسرك "(کیا تو اس بات کو پسند کرتا ہے) ان یکونوا الیك فى البر سواءً قال بلىٰ قال فلا اذاً" فلا اذاً کا معنی غیر مقلد عالم وحید الزمان نے یہ کیا ہے "تو پھر ایسا مت کر" یعنی ایک کو دے ایک کو نہ دے۔

(ترجمہ صحیح مسلم از وحید الزمان غیر مقلد ج4ص232)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسجد میں جماعت ثانیہ کا حکم

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت والجماعت:

وَيُكْرَهُ تَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ فِي مَسْجِدٍ مَحَلَّةٍ لَا فِي مَسْجِدِ طَرِيقٍ أَوْ مَسْجِدٍ لَا إمَامَ لَهُ وَلَا مُؤَذِّنَ.

(الدر المختار مع رد المختار: ج2ص342)

ترجمہ: مسجد محلہ میں اذان و اقامت کے ساتھ دوسری جماعت مکروہ (تحریمی) ہے، البتہ مسجد طریق یا ایسی مسجد جس کا امام و مؤذن مقرر نہ ہو اس میں دوسری جماعت جائز ہے۔

أَيْ تَحْرِيمًا لِقَوْلِ الْكَافِي لَا يَجُوزُ وَالْمَجْمَعُ لَا يُبَاحُ وَشَرْحُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ إنَّهُ بِدْعَةٌ كَمَا فِي رِسَالَةِ السِّنْدِيِّ.

(رد المختار: ج2ص342)

جس مسجد کا امام اور مقتدی متعین ہوں وہاں جب ایک مرتبہ اذان و اقامت سے جماعت ہو جائے تو پھر اس مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے ہاں اگر مسجد طریق ہو تو اس میں دوبارہ جماعت کروانے کی گنجائش ہے۔

علامہ جمال الدین زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ونقل عن ابی حنیفة رحمه الله انه قال لایجوز اعادة فی مسجد له امام راتب. (نصب الرایۃ: ج2ص857 کتاب الصلوۃ باب الامامۃ)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ جس مسجد کا امام متعین ہو اس مسجد میں دوبارہ نماز ناجائز ہے۔

مذہب غیر مقلدین:

(ایک ہی مسجد میں) جماعت ثانیہ بلکہ ثالثہ ورابعہ بھی جائز ہے تکرار جماعت فی مسجد واحد حدیث صحیح سے ثابت ہے اور کراہت بھی اسکی کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ (فتاوی ثنائیہ ج1ص635، فتاوی علماء حدیث ج3ص50)

دلائل اہل السنت والجماعت

دلیل نمبر 1:

عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال والذی نفسی بیده لقد هممت ان امر بحطب ثم امر بالصلوة فیوذن لها ثم امر رجلا فیام الناس ثم اخالف الی رجال فاحرق علیهم بیوتهم.

(صحیح البخاری: ج1ص89 باب وجوب الصلوۃ الجماعۃ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میرا دل چاہتا ہے کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں پھر کسی کو حکم دوں وہ نماز کے لیے اذان کہے پھر کسی اور کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرائے پھر میں ان لوگوں کی طرف (جو نماز سے پیچھے رہ جاتے ہیں) جاؤں پس ان کے گھروں کو جلاڈالوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی جماعت میں شریک ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر دوسری جماعت بلا کراہت جائز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے پر اتنی سختی کا اظہار نہ فرماتے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر 2:

عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل من نواحی المدینۃ یرید الصلوۃ فوجد الناس قد صلوا فمال الی منزلہ فجمع اھلہ فصلی بھم. (المعجم الاوسط للطبرانی: ج3 ص284 رقم 4601)

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب ایک جگہ سے تشریف لائے اور آپ کا ارادہ نماز پڑھنے کا تھا آپ نے لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ نماز پڑھ چکے تھے چنانچہ آپ گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں کو اکٹھا کر کے نماز پڑھائی۔

اگر بلا کراہت نماز جائز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی فضیلت حاصل کرتے۔

اعتراض:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ولید بن مسلم مدلس ہے. لہٰذا اس روایت سے استدلال درست نہیں ہے۔

جواب نمبر 1:

امام طبرانی رحمۃ اللہ نے معجم اوسط میں مذکورہ حدیث دو طریق سے نقل کی ہے اور دونوں میں ولید بن مسلم کی تحدیث اور سماع کی صراحت موجود ہے دونوں طریق ملاحظہ فرمائیں۔

طریق نمبر 1 : حدثنا عبدان بن احمد قال حدثنا ھشام بن خالد الدمشقی قال حدثنا الولید بن مسلم قال اخبرنی ابو مطیع معاویہ بن یحی عن خالد الحذاء عن عبد الرحمٰن بن ابی بکرۃ. (المعجم الاوسط للطبرانی ج3 ص284 من اسمہ عبدان رقم الحدیث 4601)

طریق نمبر 2: حدثنا محمد بن ھارون قال حدثنا ھشام بن خالد الازرق قال حدثنا الولید بن مسلم قال حدثنا معاویہ بن یحی عن خالد الحذاء عن عبد الرحمٰن بن ابی بکرۃ الخ. (المعجم الاوسط للطبرانی ج5 ص132 من اسمہ محمد رقم الحدیث 6820)

جواب نمبر 2:

اس روایت کے راویوں کی علامہ ہیثمی نے توثیق کی ہے اور خود غیر مقلدین کے مشہور عالم ناصر الدین البانی نے اس کی تحسین کی ہے۔

قال الھیثمی رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجالہ ثقات. (مجمع الزوائد ج2 ص173 باب فیمن جاء الی المسجد فوجد الناس قد صلوّا)

قال الالبانی قلت وھو حسن. (تمام المنۃ فی التعلیق علی فقہ السنہ ص155)

دلیل نمبر 3:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ فاحسن وضوءہ ثم راح فوجد الناس قد صلوا اعطاہ اللہ عزوجل مثل اجر من صلاھا وحضرھا لا ینقص ذالک من اجرھا شیئا. (سنن ابی داؤد: ج1 ص90)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس آدمی نے اچھی طرح سے وضو کیا پھر مسجد کی طرف آیا دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تو اللہ عزوجل اس کو بھی اتنا اجر عطاء فرمائیں گے جتنا نماز با جماعت پڑھنے کا ثواب ملتا ہے اور س نماز پڑھنے والے کے اجر میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔

دلیل نمبر 4:

عن ابراھیم النخعی قال قال عمر لا یصلی بعد صلوۃ مثلھا؟ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج4 ص293 باب من کرہ ان یصلی بعد الصلاۃ مثلھا رقم الحدیث 6050)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک نماز کے بعد اس جیسی نماز نہ پڑھی جائے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تشریح حدیث: فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

لایصلیٰ بعدصلوۃ مثلھا۔

ایک نماز کے بعد اس جیسی دوسری نماز نہ پڑھی جائے۔

اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں ورنہ اس سے لازم آئے گا کہ فجر کی دو سنتیں پڑھنے کے بعد دو فرض نہ پڑھیں جائیں کیونکہ بعد والی دو رکعتیں پہلی دو رکعتوں جیسی ہیں، اسی طرح ظہر کی چار رکعتیں پڑھ کر چار فرض نہ پڑھے جائیں کیونکہ وہ بھی سنتوں جیسی ہیں اسی طرح عصر کی چار سنتیں پڑھ کر عصر کے چار فرض نہ پڑھے جائیں وہ بھی تو پہلی چار رکعتوں کی طرح ہیں، اس لئے اس حدیث کے یہ معنی لینا زیادہ بہتر ہے کہ جب ایک مرتبہ جماعت ہو جائے تو دوسری جماعت نہ کروائی جائے۔

تصریحات فقہاء کرام:

نمبر 1: علامہ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی (م786ھ) تحریر فرماتے ہیں:

من مشائخنامن قال المرادبه الزجرعن تکرار الجماعات فی المساجدوھوحسن. (العنایہ شرح الہدایہ: ج1ص400)

ترجمہ: ہمارے بعض مشائخ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد مساجد میں تکرار جماعت سے روکنا ہے اور یہی معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔

نمبر2: علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ (م855ھ) فرماتے ہیں:

قیل المرادبه الزجرعن تکرار الجماعة فی المساجدوقال الشیخ وھوتاویل حسن. (رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق ج1ص47)

ترجمہ: اس سے مراد مساجد میں تکرار جماعت سے روکنا ہے شیخ فرماتے ہیں: یہ اس کی ایک بہترین تاویل ہے۔

نمبر3: علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الھمام (م861ھ) فرماتے ہیں:

ھومحمول علی تکرار الجماعة فی المسجدعلی ھیئة الاولیٰ او علی النھی عن قضاءالفرائض مخافةالخلل فی المودٰی فانه مکروہ. (شرح فتح القدیر: ج1ص476 فصل فی القراءۃ بعد از باب النوافل)

ترجمہ: یہ حدیث محمول ہے مسجد میں پہلی ہیئت کے مطابق دوبارہ جماعت کروانے پر یا فرض نماز کو کسی خلل پڑ جانے کے اندیشے کی وجہ سے لوٹانے سے روکنے پر کیونکہ یہ دونوں مکروہ ہیں۔

نمبر4: حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی (م1362ھ) فرماتے ہیں:

قلت واقرب تفاسیرہ حمله علی تکرار الجماعة فی المسجد. (جامع الآثار ص37)

ترجمہ: میں کہتا ہوں اس کی قریب ترین تفسیر یہ ہے کہ اسے مسجد میں تکرار جماعت پر محمول کیا جائے۔

دلیل نمبر5:

عن سلیمان یعنی مولیٰ میمونة قال اتیت ابن عمر علی البلاط وھم یصلون فقلت الاتصلی معھم ؟ قال قد صلیت انی سمعت رسول اللہ علیه وسلم لاتصلوا صلوۃ فی یوم مرتین. (سنن ابی داؤد ج1ص93 باب اذا صلی فی جماعۃ ثم ادرک جماعۃ یعید)

ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام حضرت سلیمان فرماتے ہیں کہ میں (مدینہ طیبہ میں) مقام بلاط میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ آپ ان کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھ رہے ؟ آپ نے فرمایا: میں نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم ایک نماز ایک دن میں دو مرتبہ نہ پڑھو۔

تشریح حدیث: فقہاء کرام نے اس حدیث کو مسجد میں جماعت ثانیہ کی نہی پر محمول کیا ہے وجہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نے جماعت میں شریک نہ ہونے کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ "میں نماز پڑھ چکا ہوں" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

لاتصلوا صلوۃ فی یوم مرتین.

اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

نمبر1: آپ نے پہلی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ہو اور آپ اس شخص کیلئے جس نے ایک مرتبہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ہو دوسری مرتبہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کو مکروہ سمجھتے ہوں اس لیے جماعت میں شریک نہ ہوئے ہوں۔

نمبر2: یہ جماعت ثانیہ ہو اور آپ جماعت ثانیہ میں شریک ہونے کو مکروہ سمجھتے ہوں اس لیے آپ جماعت میں شریک نہیں ہوئے۔ ہمارے فقہاء نے اس دوسری صورت کو ترجیح دی ہے۔

وجہ ترجیح: آپ کے فرمان "میں نماز پڑھ چکا ہوں" سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ آپ نے فرض نماز تنہا پڑھی تھی اور جو شخص تنہا فرض پڑھ لے تو اس کیلئے جائز اور مستحب یہ ہے کہ وہ جماعت کو پائے تو جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے جماعت میں شریک ہو جائے۔ اس لحاظ سے چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جماعت میں شریک ہو جاتے لیکن آپ جماعت میں شریک نہیں ہوئے اسکی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ یہ جماعت ثانیہ ہو رہی تھی جسے آپ صحیح نہیں سمجھتے تھے اس لیے شریک نہ ہوئے۔ نیز اس کی تائید جلیل القدر تابعین بالخصوص آپ کے صاحبزادے حضرت سالم رحمہ اللہ کے فتوے سے بھی ہوتی ہے:

عن عبدالرحمٰن بن المجبر قال ،دخلت مع سالم بن عبداللہ مسجد الجحفة وقد فرغوا من الصلوۃ فقالوا الا تجمع الصلوۃ فقال سالم لا تجمع صلوۃ واحدۃ فی مسجد واحد مرتین. (المدونۃ الکبری ص 181 کتاب الصلوۃ فی المسجد تجمع الصلوۃ فیہ مرتین)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن مجبر فرماتے ہیں کہ میں حضرت سالم بن عبداللہ کے ساتھ مسجد جحفہ گیا، وہاں لوگ نماز سے فارغ ہو چکے تھے، لوگ کہنے لگے: آپ (دوسری) جماعت کیوں نہیں کروا لیتے؟ حضرت سالم نے فرمایا: ایک مسجد میں ایک نماز کی دو مرتبہ نہیں کروائی جا سکتی۔

تحقیق السند: قال العلامہ العثمانی ورجالہ کلھم ثقات (اعلاء السنن ج4 ص280 باب کراھیۃ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلہ)

دلیل نمبر6:

عن ابراھیم ان علقمة والاسود اقبلا مع ابن مسعود الی مسجد فاستقبلھم الناس قد صلوا فرفع بھما الی البیت فجعل احدھما عن یمینه والآخر عن شماله ثم صلی بھما. (مصنف عبدالرزاق ج2 ص272 رقم الحدیث 3895 باب الرجل یؤم الرجلین)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت علقمہ اور حضرت اسود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے تشریف لائے لوگوں نے ان کا اس حال میں استقبال کیا کہ وہ نماز پڑھ چکے تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت علقمہ اور حضرت اسود کو لے کر گھر تشریف لے گئے اور ایک کو دائیں جانب اور ایک کو بائیں جانب کھڑا کیا اور ان دونوں کو نماز پڑھائی۔

غیر مقلدین کے پیشوا ناصر الدین البانی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

فلو کانت الجماعة الثانية فی المسجد جائزۃ مطلقا لما جمع ابن مسعود فی البیت مع ان الفریضة فی المسجد افضل کما ھو معلوم ثم وجدت ما یدل علی ان ھذا الاثر فی حکم المرفوع الخ. (تمام المنۃ فی التعلیق علی فقہ السنۃ ص155)

کہ اگر جماعت ثانیہ مسجد محلہ میں مطلقا جائز ہوتی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گھر میں جماعت نہ کرواتے کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ مسجد میں فرض ادا کرنا افضل ہے اور مجھے ایک حدیث ایسی ملی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ موقوف حدیث حکماً مرفوع ہے۔

قال الالبانی: بسند حسن عن ابراھیم. (تمام المنۃ ص155)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر7:

عن الحسن قال کان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخلوا المسجد وقد صلی فیہ صلوا فرادیٰ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج5ص55باب من قال یصلون فرادیولا یجمعون رقم الحدیث 7188)

ترجمہ: امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جب مسجد میں داخل ہوتے اور اس میں نماز ہو چکی ہوتی تو اکیلے اکیلے نماز پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر8:

عن عبدالرحمٰن المجبر قال دخلت مع سالم بن عبداللہ مسجد الجحفۃ وقد فرغوا من الصلوۃ فقالوا الا تجمع الصلوۃ فقال سالم لا تجمع صلوۃ واحدۃ فی مسجد واحد مرتین وقال ابن وھب واخبرنی رجال من اھل العلم عن ابن شھاب ویحی بن سعید وربیعۃ (ابن ابی عبدالرحمٰن) واللیث مثلہ. (المدونۃ الکبری ص181 کتاب الصلوۃ فی المسجد تجمعالصلوۃ فیہ مرتین)

ترجمہ: حضرت عبد الرحمان مجبر کہتے ہیں میں حضرت سالم بن عبد اللہ کے ساتھ مسجد جحفہ میں داخل ہوا اور لوگ نماز سے فارغ ہو چکے تھے لوگوں نے کہا کیا آپ جماعت نہیں کرا سکتے، تو حضرت سالم نے فرمایا ایک نماز کی ایک ہی مسجد میں دوبارہ جماعت نہیں ہو سکتی، اور ابن وہب کہتے ہیں کہ مجھے اہل علم نے ابن شہاب اور یحیی بن سعید اور ربیعہ بن ابی عبد الرحمان اور لیث سے اسی طرح خبر دی ہے۔

تحقیق السند: قال العلامۃ العثمانی: ورجالہ کلھم ثقات. (اعلاء السنن ج4ص280 باب کراھیۃ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلہ)

دلیل نمبر9:

قال الامام البخاری وکان الاسود اذا فاتتہ الجماعۃ ذھب الی مسجد اٰخر. (صحیح البخاری ج1ص89)

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسود سے جب جماعت فوت ہو جاتی تو دوسری مسجد کی طرف تشریف لے جاتے تھے۔

غیر مقلدین کے مستند علماء کے نزدیک جماعت ثانیہ جائز نہیں

نمبر1:

غیر مقلدین کے مقتدر علامہ ناصر الدین البانی لکھتے ہیں:

وبالجملۃ فالجمھور علی کراھیۃ اعادۃ الجماعۃ فی المسجد بالشرط السابق وھو الحق ولا یعارض ھذا الحدیث المشھور الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ. (تمام المنۃ فی التعلیق علی فقہ السنۃ ص157)

ترجمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمہور (فقہاء کرام اور دیگر ائمہ عظام) شرطِ سابق کے ساتھ (کہ مسجد میں امام اور مؤذن مقرر ہو) مسجدِ محلہ میں دوبارہ جماعت کرانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور یہی بات حق بھی ہے اور اس موقف کے خلاف وہ مشہور حدیث پیش نہ کی جائے جس میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو اس پر صدقہ کرے کہ اس کے ساتھ نماز پڑھ لے۔

نمبر2:

غیر مقلد عالم علامہ احمد شاکر تحریر فرماتے ہیں:

والذی ذھب الیہ الشافعی من المعنی فی ھذا الباب صحیح جلیل ینبئ عن نظر ثاقب ،وفھم دقیق وعقل دراك لروح الاسلام ومقاصدہ. (شرح ترمذی الجامع الصحیح ج1ص431 ابواب الصلوۃ)

ترجمہ: اس مسئلہ میں جو موقف حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنایا ہے وہ نہایت صحیح اور جلیل القدر ہے جو آپ کے دور رس نگاہ، گہرے فہم اور

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اسلام کی روح اور اس کے مقاصد کا مشاہدہ کرنے والی عقل کی دلیل ہے۔

نمبر3:

غیر مقلد عالم مولانا عبدالجبار سلفی نے تعدد جماعت کی مضرتیں کے عنوان سے ایک طویل مضمون لکھا ہے جس میں یہ ثابت کیا کہ جماعت ثانیہ مسجد محلہ میں جائز اور درست نہیں ہے اور یہ مضمون غیر مقلدین کے آرگن ہفت روزہ الاعتصام لاہور جلد 47 شمارہ نمبر 40 میں شائع ہو چکا ہے (20 اکتوبر 1995ء)

جماعت ثانیہ کی کراہت کی عقلی وجوہ:

پہلی وجہ: اگر جماعت ثانیہ کی اجازت دے دی جائے تو اس سے پہلی جماعت کی تقلیل لازم آئے گی اور پہلی جماعت کی تقلیل عندالشرع ایک مکروہ امر ہے اور ضابطہ ہے کہ جو چیز امر مکروہ کا سبب بنتی ہے وہ بھی مکروہ ہوتی ہے۔ لہٰذا جماعت ثانیہ جو جماعت اولیٰ کی تقلیل کا سبب ہے وہ بھی مکروہ ہو گی۔

دوسری وجہ: اگر جماعت ثانیہ کی اجازت دیدی جائے تو جماعت ثالثہ اور جماعت رابعہ کی ممانعت کی بھی کوئی دلیل نہ ہو گی اور یوں سلسلہ غیر متناہی حد تک چل پڑے گا اور جماعت کا صرف نام رہ جائے گا اجتماعیت ختم اور انفرادیت پیدا ہو جائے گی جبکہ شریعت میں اجتماعیت مطلوب ہے۔

تیسری وجہ: اگر جماعت ثانیہ کی اجازت دیدی جائے تو جن نمازوں کے بعد سنن اور نوافل ہیں ان میں مشغول ہونے میں خلل لازم آتا ہے کیونکہ جب جہری نماز میں امام تکبیرات اور قراءت کریگا تو لازمی امر ہے کہ اس سے باقی نماز پڑھنے والے حضرات کی نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے اور کس کی نماز میں شرعاً و عقلاً خلل اندازی اور تشویش پیدا کرنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جماعت ثانیہ کی گنجائش نہیں نکلتی۔

دلائل غیر مقلدین اوران کے جوابات

دلیل نمبر1:

عن ابی سعید قال قد جاء رجل وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایکم یتجر علیٰ ھذا فقام رجل وصلیٰ معہ.

(ترمذی ج1 ص53 فی الجماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص (مسجد میں) اس وقت آیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون شخص اس پر صدقہ کر کے ثواب حاصل کرے گا؟ تو ایک شخص (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کھڑے ہوئے اور اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

جواب نمبر1:

یہ ایک خاص اور جزوی واقعہ ہے اس سے ہر ایک کیلئے جماعت ثانیہ پر استدلال درست نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر یہ واقعہ اذن عام کی حیثیت رکھتا تو یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس کے مطابق ہوتا حالانکہ صحابہ کرام میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں کہ وہ تکرار جماعت پر کاربند رہے ہوں یہی وجہ ہے کہ اس ایک واقعہ کے علاوہ پورے ذخیرہ احادیث میں کوئی ایک ایسی مثال نہیں ملتی کہ مسجد نبوی میں دوسری جماعت کی گئی ہو۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر2:

اس واقعہ کا جماعت ثانیہ سے تعلق ہی نہیں ہے کیونکہ عرف میں جماعت ثانیہ اس جماعت کو کہتے ہیں جس میں امام اور مقتدی دونوں فرض پڑھنے والے ہوں اور مذکورہ واقعہ میں امام مفترض جبکہ مقتدی متنفل ہے۔ چنانچہ اسی بات کی صراحت غیر مقلدین کے پیشوا علامہ ناصر الدین البانی نے بھی کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

ولایعارض ھذا الحدیث المشھور الارجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ وسیاتی فی الکتاب. (ص277)

فان غایۃ مافیہ حض الرسول صلی اللہ علیہ وسلم احد الذین کانو اصلوا معہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الجماعۃ الاولیٰ ان یصلی وراءہ تطوعافھی صلوۃ متنفل وراء مفترض وبحثنا انماھوفی صلوۃ مفترض وراءالمفترض فاتتھم الجماعۃ الاولیٰ ولایجوز قیاس ھذہ علی تلک لانہ قیاس مع الفارق من وجوہ. (تمام المنۃ فی التعلیق علی فقہ السنۃ: ص157)

ترجمہ: اور اس موقف کے خلاف وہ مشہور حدیث پیش نہ کی جائے جس میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو اس پر صدقہ کرے کہ اس کے ساتھ نماز پڑھ لے؟! کیونکہ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں میں سے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلی جمات میں شرکت کی تھی ایک شخص کو اس پر ابھارا ہے کہ وہ اس آنے والے کے پیچھے نفل نماز پڑھ لے۔ پس یہ تو یہ صورت ہوئی کہ ایک نفل نماز پڑھنے والا فرض نماز پڑھنے والے کی اقتداء میں نماز پڑھے جبکہ ہمارے بحث تو اس میں ہے کہ ایک فرض نماز پڑھنے والا دوسرے فرض نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے اور وہ دونوں ایسے ہوں جن سے پہلے جماعت رہ گئی ہو اور اس دوسرے مسئلہ کو پہلے مسئلہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ متعدد وجوہ سے قیاس مع الفارق ہے۔

جواب نمبر3:

اس حدیث کے الفاظ ہی جماعت ثانیہ کی ناپسندیدگی پر دلالت کرتے ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایکم یتحیر. (وفی روایۃ) یتصدق.

یعنی یہ شخص تاخیر کیوجہ سے جماعت کے ثواب کا مستحق تو نہیں تھا لیکن جیسے کسی کو صدقہ دیکر اس پر احسان کیا جاتا ہے ایسے ہی کوئی شخص اس کے ساتھ شریک ہو کر اس پر جماعت کے ثواب کا صدقہ اور احسان کر دے۔

نیز اگر جماعت ثانیہ پسندیدہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک کچھ اس طرح ہوتا جب جماعت سے پیچھے رہ جاؤ تو دوسری جماعت کر لیا کرو یا کوئی اور ایسا کلمہ ہوتا جس سے جماعت ثانیہ کی پسندیدگی ظاہر ہوتی لیکن یہاں تو اس کے ہم معنی کوئی لفظ بھی نہیں فرمایا بلکہ آپ علیہ السلام نے فرمایا ایکم تم میں سے کوئی ایک اس پر صدقہ کرے گویا زیادہ کی شرکت بھی ناپسند تھی اور صحابہ کرام نے بھی اس بات کو سمجھا اور ان میں سے صرف ایک ہی شخص نے شرکت کی ورنہ سب دوڑ پڑتے۔

دلیل نمبر2:

جاء انس بن مالک الیٰ مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ. (بخاری ج1 ص89 باب فضل صلوۃ الجماعۃ)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کی غرض سے ایک مسجد میں تشریف لائے، وہاں نماز ہو چکی تھی، آپ کے اذان و اقامت کہہ کر جماعت سے نماز پڑھی۔

جواب نمبر1:

یہ حدیث متناً مضطرب ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ السنن الکبری للبیہقی کی روایت میں مسجد بنی رفاعۃ کا ذکر ہے اور مسند ابی یعلی موصلی کی روایت میں مسجد بنی ثعلبہ،، کا ذکر ہے نیز مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا امامت کیلئے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مقتدیوں کے درمیان کھڑے ہونے کا ذکر ہے اور بیہقی کی روایت میں کہ انہوں نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی تفصیل ملاحظہ فرمائیں سنن کبری بیہقی کی روایت:

عن الجعد ابی عثمان الیشکری قال صلینا الغداۃ فی مسجد بنی رفاعۃ جلسنا فجاء انس بن مالك فی نحو من عشرین من فتیانه فقال اصلیتم ؟ قلنا نعم فامر بعض فتیانه فاذن واقام ثم تقدم فصلی بهم. (ج3ص70 باب الجماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ)

ترجمہ: حضرت جعد ابو عثمان یشکری فرماتے ہیں: ہم مسجد بنو رفاعہ میں صبح کی نماز پڑھ کر بیٹھے ہی تھے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیس نوجوانوں کے ساتھ حاضر ہوئے، فرمانے لگے: کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے کہا: جی ہاں!! تو آپ نے اپنے ایک ساتھی کو حکم دیا، اس نے اذان و اقامت کہی، پھر آپ آگے بڑھے اور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی۔

مسند ابی یعلی کی روایت:

عن الجعد ابی عثمان قال مرّ بنا انس بن مالك فی مسجد بنی ثعلبه فقال اصلیتم ؟ قال قلنا نعم ،وذاك صلوۃ الصبح ،فامر رجلا فاذن واقام ثم صلی باصحابه. (مسند ابی یعلی ص812 رقم الحدیث 4354 تذکرۃ سعید بن سنان)

ترجمہ: حضرت جعد ابو عثمان فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہمارے پاس مسجد بنی ثعلبہ کے پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے ہاں میں جواب دیا اور یہ صبح کی نماز تھی۔ چنانچہ آپ نے ایک آدمی کو حکم دیا تو اس نے اذان و اقامت کہی، پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت:

عن الیحی قال جاءنا انس بن مالك وقد صلینا الغداۃ فاقام الصلوۃ ثم صلی بهم فقام وسطهم.

(ج5ص54 باب فی القوم یجیئون الی المسجد وقد صلی فیہ)

ترجمہ: حضرت یحیٰی فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس وقت تشریف لائے جب ہم صبح کی نماز پڑھ چکے تھے۔ پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کے درمیان کھڑے ہو کر ان کو نماز پڑھائی۔

جواب نمبر2:

اس حدیث میں جس مسجد کا ذکر ہے اس میں یہ احتمال غالب ہے کہ یہ مسجد طریق تھی، اس احتمال پر کئی قرینہ جات ہیں:

قرینہ نمبر1: مسجد بنی ثعلبہ اور مسجد بنی رفاعہ عہد نبوت میں معروف مساجد میں سے نہیں تھی علامہ عینی اور علامہ سمہودی کی تحقیق کے مطابق عہد نبوت میں چالیس مساجد کا تذکرہ آتا ہے ان چالیس میں نہ مسجد بنی ثعلبہ کا ذکر ہے اور نہ ہی مسجد بنی رفاعہ کا ذکر ہے لہٰذا غالب گمان یہی ہے کہ وہ مسجد طریق تھی اور مسجد طریق میں جماعت ثانیہ پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔

قرینہ نمبر2: بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ بیس افراد کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے۔ فجاء انس بن مالك فی نحو من عشرین من فتیانه. (سنن کبری للبیہقی ج3ص70 باب الجماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ)

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کہیں جا رہے ہوں گے اور مسجد طریق میں آپ نے جماعت کروائی ہو کیونکہ مسجد محلہ میں بیک وقت بیس آدمی جماعت سے رہ جائیں اور زمانہ بھی خیر القرون کا ہو سمجھ میں نہیں آتا اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد طریق تھی۔

قرینہ نمبر3: اس روایت میں صراحت ہے کہ آپ نے باقاعدہ اذان و اقامت کے ساتھ جماعت کروائی تھی اور مسجد محلہ میں اذان و اقامت کے ساتھ جماعت ثانیہ کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے بھی یہی معلوم و ثابت ہوا کہ یہ مسجد محلہ نہ تھی بلکہ مسجد طریق تھی۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر 3:

عن سلمة ابن کھیل ان ابن مسعود دخل المسجد وقد صلوا فجمع بعلقمه ومسروق والاسود.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 5 ص 54 رقم الحدیث 7182)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن کھیل سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں تشریف لائے تو لوگ نماز پڑھ چکے تھے۔ آپ نے حضرت علقمہ، حضرت مسروق اور حضرت اسود کے ساتھ جماعت کروائی۔

جواب نمبر 1:

اس روایت سے بھی جماعت ثانیہ کے جواز پر استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علقمہ، حضرت مسروق اور حضرت اسود بھی مفترض تھے بلکہ الفاظ روایت "ان ابن مسعود دخل" سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ حضرات نماز پڑھ چکے تھے صرف حضرت عبد اللہ بن مسعود کی نماز رہ گئی تھی چنانچہ یہ صورت بھی متنفل کی مفترض کے پیچھے اقتداء والی بنتی ہے جبکہ مسئلہ یہ ہے کہ مفترض کی اقتداء مفترض کے پیچھے ہو اور وہ اس روایت سے ثابت نہیں ہوتی، لہذا اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

جواب نمبر 2:

یہ حدیث موقوف ہے اور غیر مقلدین کا ضابطہ ہے کہ موقوفات صحابہ حجت نہیں ہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

1: افعال الصحابة رضی الله عنهم لا تنتهض للاحتجاج بها. (فتاوی نذیریہ بحوالہ مظالم روپڑی: ص 58)

2: صحابہ کا قول حجت نہیں۔ (عرف الجادی: ص 101)

3: صحابی کا کردار کوئی دلیل نہیں اگرچہ وہ صحیح طور پر ثابت ہوں۔ (بدور الاہلہ: ج 1 ص 28)

4: آثار صحابہ سے حجیت قائم نہیں ہوتی۔ (عرف الجادی: ص 80)

5: خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو صحابہ کرام کے آثار کا غلام نہیں بنایا ہے۔ (عرف الجادی: ص 80)

6: موقوفات صحابہ حجت نہیں۔ (بدور الاہلہ: ص 129)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نماز میں صف بندی کے مسائل

از افادات متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باجماعت نماز میں صفوں کو سیدھا رکھنے پر خصوصی توجہ دلائی ہے اور اسے "حسنِ صلوٰۃ" اور "اتمام صلوٰۃ" قرار دیا ہے۔ چند روایات پیش خدمت ہیں:

1: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَأَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ.

(صحیح البخاری: ج1 ص100 باب اقامۃ الصف من تمام الصلاۃ)

ترجمہ: نماز میں صف کو درست کرو اس لئے کہ صف کو درست کرنا نماز کے محاسن میں سے ہے۔

2: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ.

(صحیح البخاری: ج1 ص100 باب اقامۃ الصف من تمام الصلاۃ)

ترجمہ: تم لوگ اپنی صفیں درست رکھا کرو کیونکہ صف بندی سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے۔

3: سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ إِقَامَةَ الصَّفِّ.

(مسند احمد: 22 ص346 رقم الحدیث 14454)

ترجمہ: بیشک نماز کی تکمیل صفوں کی درستی سے ہوتی ہے۔

نماز کی صف بندی کے متعلق یہ مسائل پیش کیے جائیں گے:

1: قدموں کے درمیان فاصلہ

2: ٹخنے سے ٹخنا، کندھے سے کندھا، پاؤں سے پاؤں ملانے کا مسئلہ / صف سیدھی کرنے کا طریقہ

قدموں کے درمیان فاصلہ

مذہبِ اہل السنت والجماعت:

نمازی اپنے دونوں پاؤں کے درمیان مناسب فاصلہ رکھے، جو کم از کم چار انگشت سے لے کر زیادہ سے زیادہ ایک بالشت کی مقدار ہونا چاہیے۔

فقہ حنفی:

1: وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ بين قَدَمَيْهِ أَرْبَعُ أَصَابِعَ فِي قِيَامِهِ

(فتاویٰ عالمگیری: ج1 ص81 - الفصل الثالث فی سنن الصلاۃ وکیفیتھا)

ترجمہ: نمازی کو چاہیے کہ قیام کے حالت میں اس کے دونوں پاؤں کے درمیان چار انگشت کا فاصلہ ہونا چاہیے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

2: وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُمَا مِقْدَارُ أَرْبَعِ أَصَابِعِ الْيَدِ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الْخُشُوعِ

(رد المحتار: ج2 ص163 باب صفۃ الصلاۃ)

ترجمہ: نمازی کے دونوں پاؤں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کا فاصلہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے۔

فقہ مالکی:

يُنْدَبُ تفريجُ القَدَمين بأن يكون المصلي بحالةٍ متوسطةٍ في القيام بحيث لا يَضُمُّهما ولا يُفرِّجُهما كثيراً

(فقہ العبادات-مالکی: ص161)

ترجمہ: قیام کی حالت میں دونوں پاؤں کے درمیان متوسط حالت کا فاصلہ رکھنا مستحب ہے، وہ اس طرح کہ دونوں پاؤں کو نہ زیادہ ملائے اور نہ زیادہ کشادہ کرے۔

فقہ شافعی:

1: ويُسَنُّ ان يُفَرِّق بين قدميه بِشِبْرٍ

(اعانۃ الطالبین لابی بکر الدمیاطی: ج3 ص247)

ترجمہ: نمازی کے لیے اپنے دونوں پاؤں کے درمیان ایک بالشت کی مقدار فاصلہ رکھنا سنت ہے۔

2: ونَدُبَ التفريقُ بينهما اى باربع اصابعَ او بِشِبْرٍ

(اسنی المطالب فی شرح روض الطالب لزکریا الانصاری الشافعی: ج2 ص345)

ترجمہ: دونوں پاؤں کے درمیان چار انگشت یا ایک بالشت کی مقدار فاصلہ رکھنا مستحب ہے۔

فقہ حنبلی:

وكان ابن عمر لا يفرج بين قدميه ولا يمس إحداهما بالأخرى ولكن بين ذلك لا يقارب ولا يباعد

(المغنی لابن قدامۃ: ج1 ص696- فصل: مایکرہ من حرکۃ البصر فی الصلاۃ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں قدموں کے درمیان نہ زیادہ فاصلہ کرتے اور نہ ایک دوسرے سے ساتھ لگاتے بلکہ (ان دونوں کی درمیانی حالت کو اختیار فرماتے یعنی) دونوں پاؤں کو نہ ایک دوسرے کے زیادہ قریب کرتے اور نہ ایک دوسرے سے زیادہ دور رکھتے۔

مذہبِ غیر مقلدین:

غیر مقلدین کا طرزِ عمل یہ ہے کہ حالتِ قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان کافی زیادہ فاصلہ رکھتے ہیں جن کی وجہ سے پاؤں کے اس فاصلہ کی مقدار دو بالشت سے لے کر اڑھائی بالشت تک ہو جاتی ہے۔ "تسہیل الوصول الی تخریج صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے شروع میں جو نماز پڑھنے کی عملی مشق کی تصاویر دی گئی ہے اس سے یہ بات بخوبی معلوم کی جاتی ہے۔ نیز عبد اللہ روپڑی صاحب (تنظیم اہلحدیث) کے فتویٰ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

"قدموں میں فاصلہ اتنا ہی ہونا چاہیے جتنا کہ کندھوں میں ہے۔ تاکہ دونوں مل جائیں۔" (فتاویٰ علمائے حدیث: جلد3 ص21)

دلائل اہل السنت والجماعت:

1: مصنف عبد الرزاق میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت نافع سے مروی ہے:

أن بن عمر كان لا يفرسخ بينهما ولا يمس إحداهما الأخرى قال بين ذلك

(مصنف عبد الرزاق: ج2 ص172 باب التحریک فی الصلاۃ)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دونوں پاں کو پھیلا کر (اور چیز کر) نہیں کھڑے ہوتے تھے اور نہ ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں سے چھوتے تھے بلکہ ان کی درمیانی حالت پر رکھتے تھے۔

:2 حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی کے بارے میں مروی ہے:

وكان ابن عمر لا يفرج بين قدميه ولا يمس إحداهما بالأخرى ولكن بين ذلك لا يقارب ولا يباعد

(المغنی لابن قدامۃ: ج1 ص696- فصل: مایکرہ من حرکۃ البصر فی الصلاۃ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں قدموں کے درمیان نہ زیادہ فاصلہ کرتے اور نہ ایک دوسرے سے ساتھ لگاتے بلکہ (ان دونوں کی درمیانی حالت کو اختیار فرماتے یعنی) دونوں پاؤں کو نہ ایک دوسرے کے زیادہ قریب کرتے اور نہ ایک دوسرے سے زیادہ دور رکھتے۔

:3 علامہ بدر الدین العینی لکھتے ہیں:

يستحب للمصلي أن يكون بين قدميه في القيام [قدر] أربع أصابع يديه، لأن هذا أقرب للخشوع.

(شرح ابی داود للعینی: ج3 ص354 باب وضع الیمنی علی الیسریٰ فی الصلاۃ)

ترجمہ: نمازی کے مستحب ہے کہ اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کا فاصلہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے۔

:4 خالد بن ابراہیم السقبعی الحنبلی لکھتے ہیں:

رابعاً: تَفْرِقَتُه بين قدميه, والقاعدة هنا {أن الهيئات في الصلاة تكون على مقتضى الطبيعة, ولا تخالف الطبيعة إلا ما دل النص عليه}, والوقوف الطبيعي أن يفرج بين قدميه فكذلك في الصلاة, فما كان على غير وفق الطبيعة يحتاج إلى دليل.

(القول الراجح مع الدلیل: ج2 ص85)

ترجمہ: چوتھی سنت قدموں کے درمیان فاصلہ کرنا ہے۔ فاصلہ کرنے کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ نماز والی کیفیات انسانی طبیعت کے تقاضا کے مطابق ہوتی ہیں اور طبیعت کے تقاضے کے خلاف وہی کیفیت ہو گی جو مستقل نص سے ثابت ہو۔ چنانچہ قیام کی حالت میں طبعی تقاضا یہ ہے کہ دونوں قدموں کے درمیان کشادگی ہو، لہذا نماز میں قیام کی حالت میں طبعی تقاضے کے مطابق قدموں کے درمیان فاصلہ ہونا چاہیے۔ پس نماز کی جو کیفیت بھی غیر طبعی ہے وہ محتاجِ دلیل ہے۔

5: قال الأثرم [احمد بن محمد هانی البغدادی]: (رأيت أبا عبد الله وهو يصلي وقد فرَّج بين قدميه)--- هذا هو الأولى، لأن قبل هذا الفعل يجعل القدمين على طبيعتها، وحيث لم يرد نص في قدميه حال القيام فإنه يبقيهما على الطبيعة

(شرح زاد المستقنع للشیخ حمد بن عبد اللہ: ج5 ص150)

ترجمہ: امام اثرم کہتے ہیں: میں نے امام ابو عبد اللہ (احمد بن حنبل) کو نماز پڑھتے دیکھا کہ آپ نے اپنے قدموں کے درمیان فاصلہ کیا ہوا ہے۔ یہی بہتر ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے اپنے قدموں کو اپنی طبعی حالت پر رکھے، چونکہ قیام کی حالت میں قدموں کے درمیان فاصلہ کے بارے میں کوئی نص موجود نہیں ہے اس لیے ان کو اپنی طبعی حالت پر باقی رکھے۔

6: پاؤں پھیلا کر کھڑا ہونا تکبر کی علامت ہے۔ یہ بات واضح ہے۔

تنبیہ:

غیر مقلدین کے پاس اپنے موقف کے بارے میں نہ صریح حدیث مرفوع ہے نہ موقوف، یہ لوگ اس بات کو بنیاد قرار دینے پر مصر ہیں کہ نماز میں ٹخنے سے ٹخنہ ملانا چاہیے اس لیے قدموں کے درمیان فاصلہ خود بخود ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کا یہ موقف درست نہیں اس لیے کہ ٹخنے سے ٹخنہ ملانے کا مطلب قریب قریب کھڑا ہونا ہے۔ لہذا ان لوگوں کا استدلال باطل ہے۔ (اس کی مزید تفصیل آئندہ عنوان آ رہی ہے)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ٹخنے سے ٹخنا، کندھے سے کندھا، پاؤں سے پاؤں ملانے کا مسئلہ / صف سیدھی کرنے کا طریقہ

مذہب اہل السنت والجماعت:

اہل السنت والجماعت کے ہاں صف بنانے میں اس طرح مل کر اور قریب قریب کھڑا ہونا چاہیے کہ درمیان میں جگہ خالی نہ چھوڑی جائے۔ نیز قریب قریب کھڑے ہونے سے بھی مراد مبالغہ ومجاز ہے نہ یہ کہ حقیقتاً کندھے سے کندھا، پاؤں سے پاؤں اور ٹخنے سے ٹخنے ملا ہوا ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ "الزاق" (چپکانا، ملانا) کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المراد بذلك المبالغة في تعديل الصف وسد خلله. (فتح الباری: ج2 ص273)

ترجمہ: "الزاق" سے مراد صف سیدھی رکھنے اور خالی جگہوں کو پُر کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔

علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال الحافظ المراد بذلك المبالغة في تعديل الصف وسد خلله. قلتُ: وهو المراد عند الفقهاء الاربعة اى ان لا يترك في البين فرجة تسع فيها ثالث. (فیض الباری: ج2 ص236)

ترجمہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "الزاق سے مراد صف سیدھی رکھنے اور خالی جگہوں کو پُر کرنے میں مبالغہ کرنا ہے"، میں کہتا ہوں کہ فقہاء اربعہ کے نزدیک بھی یہی مراد ہے یعنی درمیان میں اتنی جگہ نہ چھوڑی جائے جس میں تیسرا آدمی آسکتا ہو۔

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وما روى أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة أي قام كل واحد بجانب الآخر

(رد المحتار: ج2 ص163 بحث القیام)

ترجمہ: یہ جو روایت کیا گیا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ٹخنوں کو ٹخنوں سے ملاتے تھے اس سے مقصود جماعت (کی کیفیت بتانا) ہے کہ ہر نمازی دوسرے کے قریب کھڑا ہو۔

مذہب غیر مقلدین:

غیر مقلدین کے ہاں صف بندی کے دوران ایک نماز دوسرے نمازی کے کندھے سے کندھا، پاؤں سے پاؤں اور ٹخنے سے ٹخنے حقیقتاً ملانا اور چپکانا ضروری ہے۔ تصریحات ملاحظہ ہوں:

1: جناب صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں:

"پیر، ٹخنے، ایڑیاں، پنڈلیاں اور مونڈھے خوب جوڑ کر کھڑے ہوا کرو۔" (صلوۃ الرسول: ص267)

2: محمد علی جانباز لکھتے ہیں:

بعض نادان اور کم علم صفوں میں کھڑے ہونے سے اس قدر نفرت کرتے ہیں کہ اگر کوئی محب سنت ساتھ ملنے اور پیر ملانے کی کوشش کرے تو بدکے ہوئے گدھے کی طرح دور بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں، یا غصے میں آکر پاؤں کے اوپر زور سے پاؤں مار دیتے ہیں۔

(صلاۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: ص282)

موصوف حدیث انس رضی اللہ عنہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صف ایسی ہونی چاہیے جیسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے، درمیان میں کوئی شگاف نہیں رہنا چاہیے۔ (ص283)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

3: ابو حمزہ عبد الخالق صدیقی لکھتے ہیں:

مساجد میں مسلمانوں کا عجب حال ہے۔ نمازی ایک ایک فٹ دور کھڑے ہوتے ہیں، اور باہمی قدم مل جانے کو بڑا خطرناک تصور کیا جاتا ہے۔ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز: ص177)

مزید لکھتے ہیں:

صفیں اس صورت میں ہی مضبوط ہو سکتی ہیں جب نمازی اپنے ساتھ والے نمازی کے کندھے کے ساتھ کندھا اور قدم کے ساتھ قدم اور ٹخنے سے ٹخنہ ملا کر کھڑا ہو۔ (ایضاً: ص176)

دلائل اہل السنت والجماعت:

دلائل اہل السنت والجماعت میں ہم دو قسم کی احادیث پیش کریں گے۔

[1]: وہ احادیث جن میں اہتمام صف بندی کے لیے صف سیدھی ہونے، کندھا برابر کرنے، گردنیں ایک سیدھ میں رکھنے، خلاء پر کرنے، مل مل کر اور قریب قریب کھڑا ہونے کا تذکرہ تو ہو گا لیکن کندھے سے کندھا، پاؤں سے پاؤں اور ٹخنے سے ٹخنے حقیقتاً ملانے کا ذکر نہیں ہو گا۔

[2]: وہ احادیث جن سے بظاہر ایسا سمجھا جا رہا ہو گا لیکن ان کی مراد یہ لغوی معنی نہ ہو گی بلکہ اس سے "قرب" والا معنی مراد ہو گا۔

احادیث قسم اول:

1: عن نعمان بن بشیر یقول: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یسوی صفوفنا حتی کانما یسوی بھا القداح حتی رأی اناقد عقلنا عنہ، ثم خرج یوماً فقام حتی کاد ان یکبر فرأی رجلا بادیا صدرہ من الصف، فقال عباد اللہ الا تسوون صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم (صحیح مسلم: 1/182)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا کرتے تھے گویا ان کے ذریعہ آپ تیروں کو سیدھا کریں گے' یہاں تک کہ آپ کو خیال ہو گیا کہ اب ہم لوگ سمجھ گئے ہیں کہ ہمیں کس طرح سیدھا اور کھڑا ہونا چاہئے۔ اس کے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لئے اپنی جگہ پر کھڑے بھی ہو گئے، قریب تھا کہ آپ تکبیر کہہ کر نماز شروع فرما دیں کہ آپ کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بندو! اپنی صفیں ضرور سیدھی اور درست رکھا کرو' ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رخ ایک دوسرے کے مخالف کر دے گا۔

2: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال: اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بأیدی اخوانکم ولا تذروا فرجات للشیطان ومن وصل صفّا وصلہ اللہ ومن قطع صفّا قطعہ اللہ

(سنن ابی داود: ج1 ص104 باب تسویۃ الصفوف)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صفیں قائم کرو' کندھے ایک دوسرے کی سیدھ میں کرو' خلاء کو پُر کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھ میں نرم ہو جاؤ' شیطان کے لئے صفوں میں خالی جگہ نہ چھوڑو' جس نے صف کو ملایا' اللہ اسے ملائیں گے اور جس نے صف کو کاٹا اللہ اسے کاٹ دیں گے۔

3: عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یتخلل الصف من ناحیۃ یمسح صدورنا ومناکبنا ویقول لا تختلفوا فتختلف قلوبکم. (سنن ابی داود: ج1 ص104 باب تسویۃ الصفوف)

ترجمہ: "حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صف میں ایک جانب سے دوسری جانب تشریف لے جاتے تھے اور صف کو برابر کرنے کے لئے ہمارے سینوں اور کندھوں پر ہاتھ مبارک پھیرتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ تم آگے پیچھے نہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ہو نا ورنہ تمہارے دل باہم مختلف ہو جائیں گے۔

4: عن انس بن مالك انه قدم المدينة، فقيل له ما انكرت منا منذ يوم عهدت رسول الله صلى الله عليه و سلم قال ما انكرت شيئا الا انكم لايقيمون الصفوف. (صحیح بخاری: ج1 ص100 باب اثم من لم یتم الصفوف)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بصرہ سے مدینہ تشریف لائے' تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لحاظ سے اس زمانہ میں کونسی بات ناپسندیدہ پائی ہے؟ انہوں نے فرمایا: اور تو کوئی خاص بات نہیں، البتہ یہ کہ تم لوگ صفوں کو سیدھا نہیں کرتے ہو۔

5: عن بلال رضی الله عنه قال: كان النبي صلى الله عليه و سلم يسوي منا كبنا في الصلاة. (المعجم الصغیر للطبرانی: ج2 ص81)

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں کو بالکل برابر کرتے تھے۔

6: وروى عن عمر انه كان يؤكل رجلا باقامة الصف ولا يكبر حتى يخبر ان الصفوف قد استوت، وروى عن عليؓ وعثمانؓ انهما كانا يتعاهدان ذلك ويقولان استووا و كان عليؓ يقول تقدم يا فلان، تاخر يافلان. (جامع الترمذی: ج1 ص53 باب ماجاء فی اقامۃ الصفوف)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے صفوں کی درستگی کے لئے ایک شخص مقرر فرما رکھا تھا اور جب تک وہ شخص آپ کو صفیں درست ہو جانے کی اطلاع نہیں دیتا تھا آپ تکبیر نہیں کہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ بھی اس کا بہت خیال رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ سیدھے اور برابر ہو جاؤ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: فلاں! آگے ہو' اے فلاں پیچھے ہو۔

7: عن مالك بن ابي عامر الانصاري ان عثمان بن عفان كان يقول في خطبته اذا قامت الصلاة فاعدلوا الصفوف وحاذوا بالمناكب. (موطا امام محمد: ص88 باب تسویۃ الصفوف)

ترجمہ: حضرت مالک بن ابی عامر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے تھے کہ جب جماعت قائم ہو تو صفوں کو درست کرنا اور کندھوں کو ایک سیدھ میں برابر کر لینا۔

خلاصہ دلائل:

ان احادیث و آثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کی درستی کے لئے کندھے برابر کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے اور جب صفیں درست کراتے تو نمازیوں کے سینے اور کندھے برابر کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ یہی طرز عمل خلفاء راشدین نے اختیار فرمایا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صفوں کو درست کرنے اور کندھوں کو برابر کرنے کا حکم دیتے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ صفوں کی درستگی کے وقت نمازیوں کو آگے پیچھے ہونے کو فرماتے تھے لیکن یہ بات واضح ہے کہ صفوں کی درستی کے وقت نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کندھے سے کندھا ملانے کا حکم فرمایا، نہ ٹخنے سے ٹخنا ملانے کی تاکید فرمائی اور نہ ہی پاؤں سے پاؤں چپکانے کو ضروری قرار دیا اور نہ ہی حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے یہ امور بیان کیے۔

احادیث قسم دوم:

1: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: رُصُّوا صُفُوفَكُمْ وَقَارِبُوا بَيْنَهَا وَحَاذُوا بِالأَعْنَاقِ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لأَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهَا الْحَذَفُ. (سنن ابی داود: ج1 ص104 باب تسویۃ الصفوف)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی صفیں ملاؤ اور انہیں نزدیک رکھو اور گردنوں کو برابر ایک سیدھ میں رکھو' قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کی خالی جگہ میں گھس آتا ہے' گویا کہ بھیڑ کا بچہ ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

2: عن ابن عباس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه و سلم تراصوا الصفوف، فانی رایت الشیاطین تخللکم کانها اولاد الحذف. (مجمع الزوائد: ج2 ص251 باب صلۃ الصفوف وسد الفرج)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صفوں کو ملاؤ (کوئی جگہ خالی نہ رہے) میں دیکھتا ہوں کہ شیاطین خالی جگہ گھس رہے ہیں، گویا وہ بھیڑ کے بچے ہیں۔

3: عَنِ النُّعْمَانَ بْنِ بَشِيرٍ يَقُولُ أَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ فَقَالَ « أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ». ثَلاَثًا « وَاللَّهِ لَتُقِيمُنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ ». قَالَ فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَةِ صَاحِبِهِ وَكَعْبَهُ بِكَعْبِهِ. (سنن ابی داؤد: ج1 ص104 باب تسویۃ الصفوف)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور تین بار ارشاد فرمایا: "اپنی صفوں کو درست رکھو، اللہ کی قسم یا تو تم ضرور بالضرور اپنی صفوں کو سیدھا کرو گے یا اللہ تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی مخالفت ڈال دے گا۔" حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (اس کے بعد) میں نے دیکھا کہ ایک شخص دوسرے کے کندھے سے کندھا ملاتا ہے، گھٹنے سے گھٹنہ اور ٹخنے سے ٹخنہ۔

فائدہ:

ان احادیث میں یہ لفظ استعمال ہوئے ہیں:

(1): رُصُّوا، تَرَاصُّوا

(2): يُلْزِقُ

لغت میں ان کا معنی یوں ہے:

رَصَّ (ن) رَصًّا: ایک کو دوسرے سے ملانا، چمٹانا

تَرَاصَّ الْقَوْمُ: ایک دوسرے سے جڑنا، ملنا (المنجد: ص387)

اَلْزَقَهٗ بِهٖ۔ چپکانا (المنجد: ص919)

اہل السنت والجماعت کے نزدیک ان احادیث میں "چمٹانے، جڑنے، اور چپکانے" والا حقیقی معنی ہرگز مراد نہیں بلکہ قرب اور محاذات (برابری) والا مجازی معنی مراد ہے۔

غیر مقلدین کے ہاں ان کا حقیقی معنی مراد ہے۔

اہل السنت والجماعت کے موقف کی توضیح وتوجیہہ:

اہل السنت والجماعت کے ہاں قرب اور محاذات (برابری) والا مجازی معنی اس لیے مراد ہے کہ اگر اس کا لغوی اور حقیقی معنی لیا جائے کہ "کندھے سے کندھا، پاؤں سے پاؤں اور ٹخنے سے ٹخنے حقیقتاً چمٹاؤ اور چپکاؤ" تو نماز میں عجیب کھینچا تانی کی کیفیت شروع ہو جائے گی۔ یہ بات عملاً بھی مشکل ہے کہ بعض دراز قد ہوتے ہیں اور بعض کوتاہ قد اور سکون صلاۃ بھی ختم ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں پوری نماز میں حقیقتاً ملائے اور چمٹائے رکھنا ممکن بھی نہیں ہے۔

مجازی معنی مراد لینے پر یہ امور موجود ہیں:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

الامر الاول:

"رص" اور "الزاق" سے قرب والا معنی مراد لینا

مذکورہ الفاظ سے "قرب" والا معنی مراد لیا جاسکتا ہے اور حضرات محدثین و محققین نے یہی معنی مراد لیا ہے۔ توضیح پیش خدمت ہے:

"رُصُّوْا، تَرَاصُّوْا" کا لفظ دراصل "الرصاص" سے ہے بمعنی "سیسہ" اس سے مراد ایسی چیز ہوتی ہے جس میں شگاف اور فاصلہ نہ ہو لیکن بعض مرتبہ اس سے قرب والی چیز بھی مراد لی جاتی ہے اگرچہ اس میں فاصلہ اور شگاف موجود ہو۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ﴾. (سورۃ الصف: 4)

ترجمہ: اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح صف بنا کر لڑتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ ﴿بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ﴾ جیسا ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مجاہدین کی صفیں ایک دوسرے کے ساتھ باہم گتھم گتھا ہوں ورنہ تو وہ حرکت بھی نہ کرسکیں گے چہ جائیکہ دشمن کا مقابلہ کریں۔ تو یہاں قرب اور برابری والا معنی مراد ہے۔ چنانچہ علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال لکھتے ہیں:

رص البنيان والقوم في الحرب رصًا، إذا قرب بعضها إلى بعض، ومنه قوله تعالى: (كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ)

(شرح صحیح البخاری لابن بطال: ج9ص334)

ترجمہ: "رص البنیان" (عمارت کا مضبوط ہونا) اور "رص القوم في الحرب رصا" (لوگوں کا میدان جنگ سیدھا پلائی دیوار بننا) یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب ایک شخص دوسرے کے قریب کھڑا ہو جائے۔ اسی سے اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ﴾

علامہ ابو سلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم خطابی لکھتے ہیں:

قال الله تعالى: (كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ) ومنه التراص في الصفوف وهو التقارب. (غریب الحدیث للخطابی: ص634)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں"، اسی سے لفظ ہے: "التراص فی الصفوف" کہ صفوں میں قریب قریب کھڑے ہونا۔

محدثین و محققین حضرات نے ان الفاظ سے قریب والا معنی مراد لیا ہے کہ صف میں قریب قریب کھڑا ہونا چاہیے کہ درمیان میں کوئی جگہ خالی نہ رہے۔

[۱]: شیخ علامہ محمد بن صالح ابن عثیمین لکھتے ہیں:

المراصة نوعان الأولى يكون بها سد الخلل بأن لا يبقى بين الرجل وصاحبة فرجة هذه مشروعة ومراصة شديدة تتعب المصلين فهذه مؤذية وليست هي التي أمر بها النبي - صلى الله عليه وسلم - لان إيذاء الناس وخاصة في الصلاة أمر غير مرغوب فيه بل منهي عنه فهذه مراصة أما قوله قاربوا بينها فالمعنى أن يقرب الصف الثاني من الصف الأول والثالث من الثاني

(الشرح المختصر علی بلوغ المرام: ج3ص245)

ترجمہ: صف میں ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اس طرح ملنا کہ اس کے ساتھ دو نمازیوں کے درمیان خالی جگہ پُر ہو جائے۔ یعنی آدمی اور اس کے ساتھی کے درمیان خالی جگہ باقی نہ رہے یہ قسم مشروع ہے دوسری قسم یہ ہے کہ اس طرح ملنا جو نمازیوں کو تھکا دے اور مشقت میں ڈال دے اس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا کیونکہ لوگوں کو تکلیف دینا خصوصاً نماز میں کوئی پسندیدہ کام نہیں بلکہ ممنوع ہے یہ تو صفوں کے اندر نمازیوں کے ملنے کی وضاحت ہے رہا یہ حکم کہ صفوں کو قریب کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری صف، صف اول، کے اور تیسری صف، صف ثانی کے قریب ہو۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

شیخ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

لیس المراد بالمراصة المراصة التی تشوش علی الآخرین وإنما المراد منها ألا یکون بینك وبینه فرجة.

(شرح ریاض الصالحین: ج1ص1448)

ترجمہ: ملنے سے ایسا مراد نہیں جو دوسروں کو پریشان کر دے صرف اس قدر ملنا مراد ہے کہ دو نمازیوں کے درمیان دوسرے نمازی کی جگہ خالی نہ رہے۔

[۲]: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ "الزاق" (چپکانا، ملانا) کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المراد بذلك المبالغة فی تعدیل الصف وسد خلله. (فتح الباری: ج2ص211)

[۳]: علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے بھی بعینہ یہی عبارت نقل فرمائی ہے:

المراد بذلك المبالغة فی تعدیل الصف وسد خلله. (ارشاد الساری ج2ص368)

[۴]: علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واشار بهذا الی المبالغة فی تعدیل الصفوف وسد الخلل. (عمدۃ القاری: ج4ص360)

ترجمہ: "الزاق" سے مراد صف سیدھی رکھنے اور خالی جگہوں کو پُر کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔

[۵]: علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال الحافظ: المراد بذلك المبالغة فی تعدیل الصف وسد خلله. قلتُ: و هو مراده عند الفقهاء الاربعة ای ان لا یترك فی البین فرجة تسع فیها ثالثا. (فیض الباری: ج2ص236)

ترجمہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "الزاق سے مراد صف سیدھی رکھنے اور خالی جگہوں کو پُر کرنے میں مبالغہ کرنا ہے"، میں کہتا ہوں کہ فقہاء اربعہ کے نزدیک بھی یہی مراد ہے یعنی درمیان میں اتنی جگہ نہ چھوڑی جائے جس میں تیسرا آدمی آسکتا ہو۔

[۶]: علامہ عبد المحسن عباد لکھتے ہیں:

أن كل واحد يقرب من صاحبه حتى يلتصق به، وحتى يكون متصلاً به، فلا يكون بين شخص وآخر فجوة، وإنما تكون الصفوف متراصة، ومتقاربة، ويتصل بعضها ببعض. (شرح سنن ابی داؤد عبد المحسن عباد: ج4ص22)

ترجمہ: اپنے ٹخنے کو اپنے ساتھی کے ٹخنے ملانے سے مراد یہ ہے یعنی ہر ایک اپنے ساتھ کے قریب ہو کر کھڑا ہو تاکہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہوں، پس دونوں کے درمیان خالی جگہ نہ اور صفیں بھی متصل اور قریب ہوں۔

[۷]: علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

وما روی أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة أي قام كل واحد بجانب الآخر. (رد المحتار: ج2ص163 بحث القیام)

ترجمہ: یہ جو روایت کیا گیا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ٹخنوں کو ٹخنوں سے ملاتے تھے اس مقصود جماعت (کی کیفیت بتانا) ہے کہ ہر نمازی دوسرے کے قریب کھڑا ہو۔

[۸]: علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والحاصل ان المراد هو التسوية و الاعتدال لكيلا يتاخر او يتقدم، فالمحاذاة بين المناكب و الزاق الكعاب كناية عن التسوية. (معارف السنن: ج2ص298)

ترجمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس سے مراد صفیں سیدھی کرنا اور اعتدال سے کھڑا ہونا ہے تاکہ نمازی آگے پیچھے نہ رہیں۔ کندھوں کو سیدھا رکھنا اور ٹخنوں کو ٹخنوں سے ملانا صف برابر کرنے سے کنایہ ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

الامر الثانی:

ظاہری معنی مراد لینے میں تکلف ومشقت ہے:

اگر ان الفاظ اور تعبیرات کا ظاہری معنی مراد لیا جائے تو اس میں تکلف، تصنع، کلفت اور مشقت پائی جاتی ہے، حالانکہ اللہ جل شانہ نے دین میں آسانی اور سہولت رکھی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾. (سورۃ الحج:78)

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾. (سورۃ البقرۃ:286)

1: مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فان الزاق الركبة بالركبة والكعب بالكعب فی الصلاۃ مشكل. (بذل المجهود: ج4 ص330)

ترجمہ: نماز میں گھٹنے سے گھٹنا اور ٹخنے سے ٹخنا ملانا مشکل ہے۔

2: شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولا يخفى ان فی الزاق الاقدام بالاقدام مع الزاق المناكب بالمناكب و الركب بالركب مشقة عظيمة لاسيما مع ابقائها كذلك آخر الصلاة كما هو مشاهد والحرج مدفوع بالنص. (اعلاء السنن: ج4 ص360)

ترجمہ: یہ بات ظاہر اور مشاہدہ کی ہے کہ گھٹنے سے گھٹنا ملانے کے ساتھ قدم سے قدم ملانے میں بہت زیادہ مشقت ہے، جبکہ اس کو اسی طرح نماز کے آخر تک باقی رکھنا ہو اور حرج نص سے مدفوع ہے (یعنی زائل کیا گیا ہے)

3: محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فزعمه بعض الناس انه على الحقيقة وليس الامر كذلك، بل المراد بذلك مبالغة الراوی فی تعديل الصف وسد الخلل كما فی الفتح والعمدة وهذا يرد على الذين يدعون العمل بالسنة ويزعمون التمسك بالاحاديث فی بلادنا حيث يجتهدون فی الزاق كعابهم بكعاب القائمين فی الصف ويفرجون جد التفريج بين قدميهم ما يؤدی الى تكلف وتصنع ويبدلون الاوضاع الطبيعية ويشوهون الهيئة الملائمة للخشوع، وارادوا ان يسدوا الخلل والفرج بين المقتدين فابقوا خللاً وفرجة واسعة بين قدميهم ولم يدروا ان هذا اقبح من ذلك. (معارف السنن: ج2 ص297، 298)

ترجمہ: بعض لوگ یہ سمجھے ہیں کہ یہ روایت اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد راوی کا صف درست کرنے اور خلاء پُر کرنے میں مبالغہ ہے، جیسا کہ فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے۔ اور یہ بات ان لوگوں کی تردید کرتی ہے جو ہمارے شہروں میں سنت پر عمل کے دعویدار ہیں اور تمسک بالاحادیث کا دم بھرتے ہیں۔ وہ اپنے ٹخنے صف میں کھڑے نمازی کے ٹخنوں کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے دونوں قدموں کے درمیان کشادگی کی وجہ سے بہت چوڑے ہو کر اس طرح کھڑے ہوتے ہیں جو تکلف وتصنع تک پہنچ جاتا ہے اور وہ لوگ طبعی وضع کو بدلتے ہیں اور مناسب خشوع وہیئت کو بگاڑ دیتے ہیں، بظاہر وہ مقتدیوں کے درمیان خلا پُر کرنا چاہتے ہیں، لیکن اپنے دونوں قدموں کے درمیان اس سے بھی زیادہ خلاء اور فاصلہ اختیار کر لیتے ہیں اور انہیں یہ خیال نہیں آتا یہ تو اس سے بھی زیادہ قبیح عمل ہے۔

الامر الثالث:

جوابات الزامی

جواب نمبر1:

کندھے سے کندھا، گھٹنے سے گھٹنا اور ٹخنے سے ٹخنہ ملانے کا قول نعمان بن بشیر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ چنانچہ امام بخاری

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

فرماتے ہیں:

وقال النعمان بن بشیر رأیت الرجل منا یلزق کعبہ بکعب صاحبہ.

(صحیح البخاری: ج1 ص100 باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص دوسرے کے ٹخنے سے ٹخنہ ملا رہا تھا۔

اور حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث انس کے ان الفاظ "وکان أحدنا یلزق" پر لکھتے ہیں:

قوله عن أنس رواه سعید بن منصور عن هشیم فصرح فیه بتحدیث أنس لحمید وفیه الزیادة التی فی آخره وهی قوله وکان أحدنا الخ وصرح بأنها من قول أنس وأخرجه الإسماعیلی من روایة معمر عن حمید بلفظ قال أنس فلقد رأیت أحدنا الخ

(فتح الباری: ج2 ص274)

ترجمہ: اس حدیث (حدیث انس رضی اللہ عنہ) کو امام سعید بن منصور نے امام ہشیم سے روایت کیا ہے اور اس میں حمید کے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح ہے۔ اس روایت کے آخر میں ایک زیادت بھی ہے اور وہ یہ ہے: "وکان أحدنا الخ" انہوں نے تصریح کی ہے کہ یہ حضرت انس کا قول ہے اور امام اسماعیلی معمر عن حمید کی روایت نقل کرتے ہیں جس میں حضرت انس کے یہ الفاظ ہیں: "فلقد رأیت أحدنا الخ"

جبکہ غیر مقلدین کے نزدیک صحابی کا قول و عمل حجت نہیں ہے:

1: افعال الصحابة رضی الله عنهم لا تنتهض للاحتجاج بها۔ (فتاویٰ نذیریہ بحوالہ مظالم روپڑی: ص58)

2: صحابہ کا قول حجت نہیں۔ (عرف الجادی: ص101)

3: صحابی کا کردار کوئی دلیل نہیں اگرچہ وہ صحیح طور پر ثابت ہوں۔ (بدور الاہلہ: ج1 ص28)

4: آثار صحابہ سے حجیت قائم نہیں ہوتی۔ (عرف الجادی: ص80)

5: خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو صحابہ کرام کے آثار کا غلام نہیں بنایا ہے۔ (عرف الجادی: ص80)

6: موقوفات صحابہ حجت نہیں۔ (بدور الاہلہ: ص129)

جواب نمبر2:

اگر روایت کو ظاہری معنی ہی پر محمول کرنا ہے تو حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں ہے، فرماتے ہیں:

قَالَ فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَةِ صَاحِبِهِ وَكَعْبَهُ بِكَعْبِهِ.

(سنن ابی داؤد: ج1 ص104 باب تسویۃ الصفوف)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ایک شخص دوسرے کے کندھے سے کندھا ملاتا ہے، گھٹنے سے گھٹنہ اور ٹخنے سے ٹخنہ۔

مسند احمد میں یہ الفاظ ہیں:

قال فرأیت الرجل یلزق کعبہ بکعب صاحبہ ورکبتہ برکبتہ ومنکبہ بمنکبہ. (مسند امام احمد: ج4 ص276)

ترجمہ: میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے اپنے ساتھی کے ٹخنے سے اپنا ٹخنا اور گھٹنے سے گھٹنا اور کندھے سے اپنا کندھا ملایا ہوا تھا۔

تو غیر مقلدین کو چاہیے کہ ظاہری معنی پر عمل کرتے ہوئے اب "گھٹنے سے گھٹنا" بھی ملائیں۔

جواب نمبر3:

یہ بات غور طلب ہے کہ غیر مقلدین نماز میں ٹخنے سے ٹخنا اور قدم سے قدم ملانے کے باعث اپنے دونوں قدموں کے درمیان جتنا وسیع

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اور کشادہ فاصلہ اختیار کرتے ہیں' کیا اس کا ثبوت کسی حدیث سے اور فرمانِ نبوی سے پیش کرسکتے ہیں؟ دو نمازیوں کے درمیان تو شیطان کے لئے خالی جگہ نہیں چھوڑتے لیکن اپنی ٹانگوں کے درمیان اسے محفوظ پناہ گاہ فراہم کرتے ہیں۔ یاللعجب

جواب نمبر4:

جناب عبد اللہ روپڑی (تنظیم اہلحدیث) حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ''کعب'' سے قدم مراد لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

رہی یہ بات کہ ٹخنے سے مراد ٹخنہ ہی ہے یا قدم ہے تو صحیح یہی کہ قدم مراد ہے کیوں کہ جب تک پائوں ٹیڑھا نہ کیا جائے۔ ٹخنہ سے ٹخنہ نہیں مل سکتا۔ تو گویا دونوں پائوں ٹیڑھے کر کے کھڑا ہونا پڑے گا۔ جس میں کئی خرابیاں ہیں۔ ایک تو زیادہ دیر تک اس طرح کھڑے رہنا مشکل ہے دوم انگلیاں قبلہ رُخ نہ ہیں رہتیں۔ سوم اس لیے بار بار حرکت کرنی پڑتی ہے جو نماز میں خضوع کے منافی ہے۔ چہارم اس قسم کے کئی نقصان ہیں۔ اس لیے ٹخنہ سے ٹخنہ مراد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ قدم مراد ہے۔

(فتاویٰ علمائے حدیث: ج3 ص21)

جب حقیقی اور ظاہری معنی پر خود غیر مقلد بھی عمل کرنے سے قاصر ہیں تو دوسروں کو ملامت کیوں؟! نیز خود غیر مقلدین پاؤں پھیلا کر انگلی سے انگلی کو ملاتے ہیں اور پاؤں پھیلانے کی وجہ سے کندھوں کے درمیان فاصلہ بھی بڑھ جاتا ہے، نہ پاؤں مل سکے نہ کندھے چپک سکے۔ بقول شاعر:

خدا ہی ملا نہ وصال صنم   نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے

خلاصہ کلام:

صفوں کو سیدھا رکھنے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشادات پر عمل پیرا ہونے کی کیفیت کو بطور مبالغہ بیان کرنے کے لیے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے یہ کہا کہ ہم لوگ اپنی صفوں کو اس طرح سیدھی رکھتی تھے کہ ہمارا کاندھا سے کاندھا ملا ہوا کرتا تھا، کسی نے یہ کہا کہ ہم کھڑے ہوتے تو ہمارا ٹخنہ سے ٹخنہ ملا ہوتا اور کسی نے یہ کہا کہ ہم قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہوتے اور مقصود سب کا یہی تھا کہ نماز میں ہماری صفیں سیدھی ہوا کرتی تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دو ہاتھ سے مصافحہ

از افادات متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

اہل السنت والجماعت کا موقف:

السنة فی المصافحة بکلتا یدیه.

(الدر المختار: ج9 ص629 باب الاستبراء وغیرہ)

ترجمہ: دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے۔

غیر مقلدین کا موقف:

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے اور دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے والے ناواقف لوگ ہیں۔

(ایک ہاتھ سے مصافحہ از عبد الرحمن مبارکپوری: ص6 ملخصاً،
التحفۃ الحسنیٰ از حکیم محمد اسرائیل سلفی)

دلائل اہل السنت والجماعت:

دلیل نمبر 1:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الصحیح" میں ایک باب قائم فرمایا ہے:

"باب المصافحة" [مصافحہ کرنے کا باب] اور اس کے تحت حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے:

عَلَّمَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ. (صحیح البخاری: ج2 ص926)

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے التحیات اس حالت میں سکھائی کہ میرا ہاتھ نبی علیہ السلام کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں ثابت کیا کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تعلق مصافحہ کے ساتھ ہے، اس کے متصل بعد ایک اور باب قائم فرمایا: "باب الأخذ بالیدین" [(مصافحہ کرتے وقت) دو ہاتھوں سے پکڑنے کا باب] اور اسی حدیث کو دوبارہ اس باب میں ذکر فرمایا ہے، جس سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا ثابت ہے۔ نیز مصافحہ دونوں ہاتھوں سے اس طرح کیا جائے کہ ہاتھوں کو پکڑا جائے نہ یہ کہ آدمی اپنے ہاتھ دوسرے کے ہاتھ پر رکھ دے۔ لفظ "اخذ" کا یہی مفہوم ہے۔

اعتراض نمبر 1:

حکیم محمد اسرائیل لکھتے ہیں:

اس حدیث کا مصافحہ سے ذرا بھی تعلق نہیں۔ (التحفۃ الحسنیٰ: ص39)

مزید لکھتے ہیں:

سخت تعجب ہے ان مقلدین احناف پر کہ جو احادیث صحیحہ سے مصافحہ ثابت ہوتا ہے اس کے انکاری ہیں اور جو حدیث سے ثابت نہیں ہوتا اسے ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں اور بخاری شریف کی دہائی دے کر جاہل عوام کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر ان کو معلوم رہے کہ یہ حدیث دانی اور حدیث فہمی نہیں بلکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مذاق ہے۔ (التحفۃ الحسنیٰ: ص38)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب:

غیر مقلدین بظاہر تو احناف سے عناد، بغض اور مخالفت ظاہر کرتے ہیں لیکن دراصل یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کھری کھری سنانے کے مترادف ہے۔ "باب المصافحۃ" قائم کرنے اور اس کے تحت حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ لانے کے سرخیل تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں تو ثابت یہی ہوا کہ غیر مقلدین کا روئے سخن احناف کی طرف نہیں بلکہ بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف ہے۔ معلوم ہوا ان غیر مقلدین کا امام بخاری سے تعلق ہے نہ صحیح بخاری سے۔

لہذا ہم غیر مقلدین سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ:

امام بخاری رحمہ اللہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مصافحہ ثابت کرتے ہیں اور آپ اس کے منکر ہیں، آپ بتائیں کہ دونوں میں سے حق پر کون ہے اور باطل کون؟!

اعتراض نمبر 2:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقط ایک ہتھیلی آن حضرت کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔ تو ظاہر ہے کہ اس دلیل سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے والوں کا دعویٰ کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔ (ایک ہاتھ سے مصافحہ: ص44)

جواب:

اولاً۔۔۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تو دو ہاتھ تھے، لہذا ہمیں سنت نبویہ اختیار کرنی چاہیے۔

ثانیاً۔۔۔ جب دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے تو درمیان میں ایک ہاتھ آتا ہے، دوسرا باہر کی جانب رہتا ہے، اس لیے دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ میرا ہاتھ اس کے دو ہاتھوں کے درمیان تھا، یہی کچھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ لہذا اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا مگر یہ ہرگز ثابت نہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا صرف ایک ہاتھ تھا۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ہاتھ ہوں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک ہاتھ ہو؟ کیونکہ بڑے چھوٹے کے حوالے سے بھی اس صورت کو دیکھا جائے تو بڑی بے ادبی اور گستاخی ہے کہ بڑا آدمی دو ہاتھ سے مصافحہ کرے اور چھوٹا ایک ہاتھ سے اور یہاں تو امتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہے!

ثالثاً۔۔۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ کا ذکر کیوں فرما رہے ہیں تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا تھا بلکہ اس وجہ سے کہ دو ہاتھ سے مصافحہ کرتے وقت آپ کا جو ہاتھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ہاتھوں کے درمیان آیا تھا آپ بطورِ اظہارِ مسرت کے اپنے اس ہاتھ کی خصوصیت بتا رہے ہیں کہ میرا یہ ہاتھ اتنا خوش نصیب ہے جو سردار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ہاتھوں کے درمیان آیا ہے۔

اعتراض نمبر 3:

عبد الرحمن مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں:

امام بخاری کی مجرد تبویب سے دونوں ہاتھوں کے مصافحہ کا ثابت نہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ مصنفین کی تبویب ان کا دعویٰ ہوتا ہے، جو بلا دلیل کسی طرح قابلِ قبول نہیں۔ (ایک ہاتھ سے مصافحہ: ص52)

جواب:

محترم! یہ مجرد دعویٰ نہیں بلکہ ترجمۃ الباب ہی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اور امام حماد بن زید اور امام عبد اللہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بن مبارک تبع تابعین حضرات کا عمل مبارک بھی نقل فرمایا ہے اور سے ترجمۃ الباب کا حصہ بنایا ہے۔ یاد رہے کہ تبع تابعی بھی اس دور کا ہے جس کے خیر القرون ہونے کی گواہی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اگرچہ تابعی کا عمل فنِ حدیث کی روشنی میں بھی خود حدیث ہے، کیونکہ حدیث کی تعریف ہے:

الحدیث هو قول النبی صلی الله علیه وسلم والصحابي والتابعي و فعلهم و تقريرهم.

(خیر الاصول فی حدیث الرسول للشیخ خیر محمد الجالندھری: ص7. مترجم عربی)

ترجمہ: حضرت رسول اللہ خدا صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین کے قول وفعل وتقریر کو حدیث کہتے ہیں۔

مزید اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل لائے تو اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟!

دلیل نمبر 2:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی "باب الأخذ باليدين" میں دو مشہور محدثین کا عمل ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَصَافَحَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ابْنَ الْمُبَارَكِ بِيَدَيْهِ

(صحیح البخاری ج2 ص926)

ترجمہ: امام حماد بن زید نے حضرت عبد اللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

استدلال:

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

قوله صَافَحَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ابْنَ الْمُبَارَكِ بِيَدَيْهِ: اشارة الى ان ذلك هو المعروف بين الصحابة و التابعين.

(ج37 ص364 تحت العنوان: مصافحہ)

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ "حماد بن زید نے ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دوہاتھ سے مصافحہ کرنا صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ میں معروف ومشہور عمل تھا۔

فائدہ: امام حماد بن زید اور امام عبد اللہ بن مبارک تبع تابعین ہیں، معلوم ہوا کہ دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے دوہاتھ سے مصافحہ دورِ تابعین تک متوارث چلا آرہا ہے اور یہ متوارث عمل دلیل ہے کہ مصافحہ دوہاتھ سے کرنا سنت ہے۔

تعریف سنت:

1: امام ابو بکر محمد بن احمد السرخسی الحنفی فرماتے ہیں:

واما السنة فهي الطريقة المسلوكة في الدين.

(اصول سرخسی ج1 ص113)

ترجمہ: سنت دین میں جاری طریقہ کو کہتے ہیں۔

2: شیخ عبد الحق الحقانی فرماتے ہیں:

السنة الطريقة المسلوكة في الدين سواء سلكه النبي صلى الله عليه وسلم او الصحابة.

(النامی بشرح الحسامی)

ترجمہ: سنت دین میں جاری طریقہ کو کہتے ہیں چاہے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری فرمایا ہو یا آپ کے صحابہ نے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اعتراض:

حکیم محمد اسرائیل سلفی لکھتے ہیں:

جب صحابی کا قول ہی حجت نہیں ہو تا تو تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کیونکر حجت ہو سکتے ہیں؟ (التحفۃ الحسنیٰ)

جواب:

1: قول صحابی حجت نہ ہو تو حدیث کا وجود ختم ہو جائے گا۔

2: قول صحابی حجت نہ ہو تو دین پر اعتبار ختم ہو جائے گا۔

3: یہ اعتراض امام بخاری رحمہ اللہ پر ہے کہ وہ غیر حجت کے فعل و عمل کو صحیح بخاری میں کیوں لائے۔

4: یہ محض عملِ تابعی نہیں بلکہ عملِ رسول کے توارث کی ایک شکل ہے۔

5: امام حماد بن زید اور امام عبد اللہ بن مبارک دونوں بزرگ دو ہاتھوں سے مصافحہ کر رہے ہیں، کیا یہ حضرات آپ کے موقف کے مطابق ناواقف ہیں؟؟ نیز بتائیں کہ یہ حضرات دو ہاتھ سے مصافحہ کر کے سنی رہے یا بدعتی ٹھہرے؟!

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کے والد سے بھی دو ہاتھ سے مصافحہ نقل کرنا ثابت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں اپنے والد محترم کے حالات میں لکھتے ہیں:

رای حماد بن زید، صافح ابن المبارك بكلتا يديه.

(التاریخ الکبیر للبخاری: ج1 ص323 تحت ترجمۃ اسماعیل بن ابراہیم)

ترجمہ: حضرت اسماعیل (والد امام بخاری) نے حضرت حماد بن زید کو دیکھا کہ انہوں نے عبد اللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

تبع تابعین کے اس فعل کو پیش کر کے مشرک ہوئے یا سنی رہے؟؟

دلیل نمبر 3:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے وقت بھی مصافحہ فرمایا ہے جیسا کہ روایت میں تصریح ہے:

اخرج ابو نعيم في كتاب المعرفة من حديث لهية بنت عبد الله البكرية قالت: وفدتُّ مع ابي علَى النبي صلى الله عليه و سلم فبايع الرجال و صافحهم و بايع النساء و لم يصافحهن (التعلیق الممجد لعبد الحی اللکھنوی: ص394 باب مایکرہ من مصافحۃ النساء)

ترجمہ: ابو نعیم نے کتاب المعرفۃ میں لھیعہ بنت عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں سے بیعت لی اور ان سے مصافحہ کیا اور عورتوں سے بیعت لی لیکن ان سے مصافحہ نہیں کیا۔

اور یہ مصافحہ دو ہاتھ سے ہو تا تھا۔ چنانچہ حضرت عبد الرحمن بن رزین فرماتے ہیں:

مررنا بالربذة فقيل لنا ها هنا سلمة بن الأكوع فأتيته فسلمنا عليه فأخرج يديه فقال بايعت بهاتين نبى الله صلى الله عليه وسلم.

(الادب المفرد للبخاری: ص289 رقم الحدیث 973 باب تقبیل الید)

ترجمہ: ہم مقامِ ربذہ کے قریب سے گزر رہے تھے کہ ہمیں بتایا گیا کہ یہاں حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ رہتے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم سب نے ان کو سلام کیا۔ (دورانِ گفتگو) انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ نکالے (یعنی ہمیں دکھائے) اور فرمایا: ان دونوں ہاتھوں سے میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت آتی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْتَحِنُ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ بِهَذِهِ الْآيَةِ بِقَوْلِ اللَّهِ {يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ إِلَى قَوْلِهِ غَفُورٌ رَحِيمٌ} قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ أَقَرَّ بِهَذَا الشَّرْطِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ قَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ بَايَعْتُكِ كَلَامًا وَلَا وَاللَّهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ مَا يُبَايِعُهُنَّ إِلَّا بِقَوْلِهِ قَدْ بَايَعْتُكِ عَلَى ذَلِكِ

(صحیح البخاری: ج2 ص726 باب إذا جاءکم المؤمنات مهاجرات)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو عورتیں آتیں آپ ان کا امتحان اس آیت کے مطابق لیتے ﴿يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْـًٔا﴾ [ترجمہ: اے پیغمبر! جب تمہارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ خدا کے ساتھ نہ تو شرک کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی اور نہ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے خدا سے بخشش مانگو۔ بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے] حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جو عورتیں یہ شرائط قبول کر لیتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے کہ میں نے تم سے زبانی بیعت کر لی۔ بخدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بیعت لیتے وقت کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں بیعت کے وقت صرف زبان سے بیعت فرماتے تھے۔

اور بیعت کا مصافحہ دونوں ہاتھوں سے فرماتے تھے۔ چنانچہ اس روایت کے لفظ "قَدْ بَايَعْتُكِ كَلَامًا" کے تحت علامہ عینی فرماتے ہیں:

(قد بايعتك كلاما)... كان يبايع بالكلام ولا يبايع باليد كالمبايعة مع الرجال بالمصافحة باليدين.

(عمدۃ القاری شرح البخاری: ج13 ص396 کتاب التفسیر، تحت سورۃ الممتحنة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو زبانی بیعت کرتے تھے، ہاتھ کے ساتھ بیعت نہیں کرتے تھے جیسے مردوں کو دو ہاتھ کے مصافحہ کے ساتھ بیعت کرتے تھے۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

(قد بايعتك كلاما) اى بالكلام لا باليد كما كان يبايع الرجال بالمصافحة باليدين.

(ارشاد الساری: ج7 ص380 کتاب التفسیر، تحت سورۃ الممتحنة)

ترجمہ: یعنی زبانی بیعت مراد ہے نہ کہ ہاتھ کے ساتھ جیسے مردوں کو دو ہاتھ کے مصافحہ کے ساتھ بیعت کرتے تھے۔

اور بوقتِ بیعت دونوں ہاتھوں کا تذکرہ دلیل نمبر 3 کے تحت آ چکا ہے۔ لہذا مبارکپوری صاحب کی یہ کہنا کہ "ان دونوں صاحبوں کا یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے، انہوں نے اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں لکھی ہے" بالکل باطل ہے۔ (ایک ہاتھ سے مصافحہ: ص59) وللہ الحمد

دلیل نمبر 4: تصریحات فقہاء کرام:

1: درمختار میں علامہ علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

السنة فى المصافحة بكلتا يديه. (الدر المختار: ج9 ص629 باب الاستبراء وغیرہ)

ترجمہ: دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے۔

2: مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں علامہ عبد الرحمن بن محمد بن سلیمان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والسنة فى المصافحة بكلتا يديه. (مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر: ج4 ص204 کتاب الاضحیۃ)

ترجمہ: دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

3: الفقہ الاسلامی وادلۃ میں علامہ الشیخ الدکتور وہبۃ الزہیلی فرماتے ہیں:

والسنۃ فی المصافحۃ بکلتا یدیہ. (الفقہ الاسلامی وادلۃ: ج4ص2660 تحت لفظۃ: اللمس)

ترجمہ: دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے۔

اعتراض:

در مختار میں یہ مسئلہ کتاب "قنیہ" سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مصنف مختار بن محمود الزاہدی اعتقاداً معتزلی تھا۔ قنیہ غیر معتبر اور غیر مستند ہے۔

(ایک ہاتھ سے مصافحہ: ص12)

جواب:

قنیہ اتنی بھی غیر معتبر نہیں جتنا غیر مقلدین نے سمجھ رکھا ہے بلکہ قنیہ کا صرف وہ حوالہ غیر معتبر ہو گا جس کی تائید دیگر کتب سے نہ ہوتی ہو۔ چنانچہ علامہ عبد الحئی لکھنوی لکھتے ہیں:

وتصانیفہ غیر معتبرۃ مالم یوجد مطابقتہا لغیرہا

(الفوائد البہیۃ لعبد الحئی اللکھنوی: ص213)

اسی طرح وہ حوالہ بھی غیر معتبر ہو گا جو دیگر کتب سے ٹکرائے۔ چنانچہ علامہ عبد الحئی لکھنوی ہی ایک مقام پر لکھتے ہیں:

لا عبرۃ لما یقولہ الزاہدی اذا خالف غیرہ. (النافع الکبیر لعبد الحئی اللکھنوی: ص31)

مسئلہ مذکورہ کی تائید مذکورہ احادیث و آثار اور فقہ کی دیگر کتب سے ہوتی ہے۔ پس موصوف کا شبہ باطل ہے۔ وللہ الحمد

غیر مقلدین کے دلائل

دلیل نمبر 1:

احادیث میں مصافحہ کی روایات میں ہاتھوں یا ہتھیلیوں کے لیے مفرد کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً

1: حضرت عبد اللہ بن بسر کہتے ہیں: ترون یدی ہذہ؟ صافحت بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. (مسند احمد: رقم الحدیث17686)

ترجمہ: تم لوگ میرے اس ہاتھ کو دیکھتے ہو؟ میں نے اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا ہے۔

2: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: صافحت بکفی ہذہ بکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما مسست خزا و لا حریرا الین من کفہ. (کتاب العجالۃ فی الاحادیث المسلسلۃ لابی الفیض الفادانی: ص12)

ترجمہ: میں نے اپنی اسی ہتھیلی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نہ کسی خز (ریشم اور اون سے بنا ہوا کپڑا) کو اور نہ کسی ریشمی کپڑے کو پایا۔

(ایک ہاتھ سے مصافحہ از عبد الرحمن مبارکپوری: ص15)

جواب:

اولاً۔۔ مفرد کا صیغہ دو طریقوں سے استعمال ہوتا ہے:

1: بطورِ معنی مفرد یعنی اکیلے معنیٰ کے لیے

2: بطورِ معنی جنس یعنی کئی افراد کے معنیٰ کے لیے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

معنی مفرد کی مثال:

حدیث مبارک میں ہے:

عن جابر بن عبد اللہ قال: أتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بسارق فقطع یدہ.

(سنن الدار قطنی: ص562 رقم الحدیث 3356 کتاب الحدود والدیات وغیرہ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور کو لایا گیا تو آپ نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا۔

اس حدیث میں "یدہ" سے مراد ایک ہاتھ ہے۔

جنس کی مثال:

1: حدیث مبارک میں ہے:

اللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَاجْعَلْ فِي لِسَانِي نُورًا وَاجْعَلْ فِي سَمْعِي نُورًا وَاجْعَلْ فِي بَصَرِي نُورًا

(سنن ابی داود: ج1 ص192 باب فی صلاۃ اللیل)

ترجمہ: اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما، میری زبان میں نور پیدا فرما، میری آنکھوں میں نور پیدا فرما، میرے کانوں میں نور پیدا فرما، میری آنکھوں میں نور پیدا فرما۔

2: حدیث مبارک میں ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ. (صحیح البخاری: ج1 ص6 باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ)

ترجمہ: کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

3: حدیث مبارک میں ہے:

مَنْ رَأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ

(صحیح مسلم: ج1 ص51 باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان الخ)

ترجمہ: جو تم میں سے برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے، یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔

4: اردو زبان میں بھی بعض مرتبہ صیغہ مفرد سے معنی جنس مراد ہوتا ہے۔ جیسے "میں نے اسے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے" اور "میں نے اپنے کان سے تمہاری بات سنی ہے" وغیرہ۔

ان احادیث میں اعضاء جسم میں سے بصر (یعنی آنکھ)، سمع (یعنی کان) اور ید (یعنی ہاتھ) اگر مفرد استعمال ہوئے ہیں لیکن ان سے مراد دونوں آنکھیں، دونوں کان اور دونوں ہاتھ ہیں۔

اس تمہید کے بعد جواب یہ ہے کہ مذکورہ احادیث جو غیر مقلدین پیش کرتے ہیں، ان میں "ید" یا "کف" سے مراد معنی مفرد نہیں بلکہ معنی جنس ہے، یعنی اس سے مراد دونوں ہاتھ ہیں۔ اس پر کئی قرائن ہیں:

قرینہ 1:

امت کا متوارث عمل دونوں ہاتھ سے مصافحہ کا ہے جیسا کہ دلائل اہلسنت والجماعت (دلیل نمبر 1) میں گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حماد بن زید، حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہم اللہ کا عمل مبارک دو ہاتھ سے مصافحہ تھا۔

قرینہ 2:

فقہاء ومحدثین کی تصریحات (دلائل اہلسنت والجماعت کی دلیل نمبر 4)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

قرینہ 3:

حدیث میں ہے:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ إِلاَّ غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ أَنْ يَفْتَرِقَا

(جامع الترمذی: ج2 ص102 باب ما جاء فی المصافحۃ)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بھی دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے الگ ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

تو کیا صرف ایک ہاتھ سے گناہ جھاڑنے کی ضرورت ہے اور دوسرے ہاتھ سے گناہ جھاڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ؟!

دلیل نمبر 2:

کئی احادیث میں ہے کہ صحابی کہتے ہیں کہ ہم نے ایک ہاتھ سے بیعت کی اور خود تصریح کرتے ہیں کہ یہ داہنا ہاتھ تھا۔ مثلاً:

1: حضرت عمرو بن العاص سے روایت میں ہے:

فلما جعل الله الإسلام فی قلبی أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله أبسط يدك لأبايعك فبسط يمينه فقبضت يدى فقال (ما لك يا عمرو) فقلت أردت أن أشترط فقال (تشترط ماذا) قلت يغفر لی قال (أما علمت يا عمرو أن الإسلام يهدم ما كان قبله وأن الهجرة تهدم ما كان قبلها (صحیح ابی عوانۃ: رقم الحدیث 200)

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی حقانیت کو ڈالا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کی: یارسول اللہ! اپنے ہاتھ کو بڑھائیے، میں آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ کو بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا۔ آپ نے فرمایا: اے عمرو! تجھے کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا: میری ایک شرط ہے۔ آپ نے فرمایا: کس بات کی؟ میں نے عرض کی کہ اس بات کی کہ میری مغفرت کی جائے۔ آپ نے فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام سے پہلے جتنے گناہ ہوتے ہیں اسلام لانے سے وہ سارے ختم ہو جاتے ہیں اور ہجرت پہلے گناہوں کا ختم کر دیتی ہے۔

2: ربيعة بن كلثوم حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ سَمِعْتُ أَبَا غَادِيَةَ يَقُولُ بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ فَقُلْتُ لَهُ بِيَمِينِكَ قَالَ نَعَمْ (مسند احمد: رقم 20666)

ترجمہ: ربیعہ بن کلثوم کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی کہ میں نے ابو غادیہ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے۔ میں نے ابو غادیہ سے کہا: کیا آپ نے اپنے داہنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں۔

معلوم ہوا مصافحہ ایک ہاتھ سے ہے۔

جواب:

اولاً۔۔ بیعت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول دو ہاتھ سے مصافحہ کا تھا:

1: عبد الرحمن بن رزين قال: مررنا بالربذة فقيل لنا ها هنا سلمة بن الأكوع فأتيته فسلمنا عليه فأخرج يديه فقال بايعت بهاتين نبی الله صلى الله عليه وسلم

(الادب المفرد للبخاری: ص289 باب تقبیل الید، رقم الحدیث 973)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن رزین فرماتے ہیں کہ ہم مقامِ ربذہ کے قریب سے گزر رہے تھے کہ ہمیں بتایا گیا کہ یہاں حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ رہتے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم سب نے ان کو سلام کیا۔ (دورانِ گفتگو) انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ نکالے (یعنی ہمیں دکھائے) اور فرمایا: ان دونوں ہاتھوں سے میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے۔

2: علامہ بدر الدین عینی (م855ھ) فرماتے ہیں:

(قد بايعتك كلاما)... كان يبايع بالكلام ولا يبايع باليد كالمبايعة مع الرجال بالمصافحة باليدين

(عمدۃ القاری شرح البخاری: ج13 ص396 کتاب التفسیر، تحت سورۃ الممتحنۃ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو زبانی بیعت کرتے تھے، ہاتھ کے ساتھ بیعت نہیں کرتے تھے جیسے مردوں کو دو ہاتھ کے مصافحہ کے ساتھ بیعت کرتے تھے۔

3: علامہ احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی (م923ھ):

(قد بايعتك كلاما) اى بالكلام لا باليد كما كان يبايع الرجال بالمصافحة باليدين

(ارشاد الساری: ج7 ص380 کتاب التفسیر، تحت سورۃ الممتحنۃ)

ترجمہ: یعنی زبانی بیعت مراد ہے نہ کہ ہاتھ کے ساتھ جیسے مردوں کو دو ہاتھ کے مصافحہ کے ساتھ بیعت کرتے تھے۔

باقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "یمین" (دائیں ہاتھ) کا ذکر کرنا اس وجہ سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے "یمین" (دائیں ہاتھ) کو صحابی کے دونوں ہاتھوں نے پکڑا تھا۔

لہذا مندرجہ بالا روایات میں بھی مصافحہ بیعت سے مراد دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا ہے، دایاں ہاتھ بطورِ تبرک ذکر کیا۔

دلیل نمبر 3:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکہ چلے جانے کے بعد بیعۃ الرضوان ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ میرا داہنا ہاتھ عثمان کا ہاتھ ہے، پھر آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کے لیے ہے۔

اس حدیث سے بھی ایک ہاتھ کا مصافحہ کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ آپ کا ایک داہنا ہاتھ تو بجائے ایک ہاتھ عثمان کے تھا اور دوسرا خود آپ کا۔ فتفکر۔ (ایک ہاتھ سے مصافحہ از عبد الرحمٰن مبارک پوری: ص24)

جواب:

بیعت کے لیے کیا جانے والا مصافحہ دو ہاتھ سے ہوتا ہے، دلائل گزر چکے ہیں۔ رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہاتھ سے بیعت کا اظہار کرنا تو وہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہاتھ سے مصافحہ بیان کرنا چاہتے تھے بلکہ وجہ یہ تھی کہ ہاتھ بھی دو اور آدمی بھی دو، اب ایک ہاتھ ایک ہی آدمی کی طرف سے ہونا تھا۔

آپ ایک ہاتھ سے بیعت کر کے انتقامِ قتل پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نمائندگی کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔

کیا غیر مقلدین کے نزدیک ایک فوت شدہ آدمی کی طرف سے بیعت کی جاسکتی ہے؟ کیونکہ اس وقت خبر یہی مشہور تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے ہیں۔

فائدہ: ہمارے بعض مشائخ کی کتب میں روحانی فیض، فوت شدہ پیر سے بیعت وغیرہ کا ذکر ملتا ہے تو غیر مقلد تڑپ اٹھتے ہیں، لیکن یہاں ایک فوت شدہ آدمی سے ایک شرعی مسئلہ کے ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ فوا اسفا

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر 4:

لغت میں مصافحہ کا معنی ہے:

1: المصافحۃُ ھی الافضاء بصفحۃ الید الی صفحۃ الید (المرقاۃ: ج8 ص458 باب المصافحۃ والمعانقۃ)

ترجمہ: مصافحہ کا معنی ہے: ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی سے ملانا۔

2: ھی مفاعلۃ من الصفحۃ، والمراد بہا الافضاء بصفحۃ الید الی صفحۃ الید (فتح الباری: ج11 ص66 باب المصافحۃ)

ترجمہ: مصافحہ کا لفظ "صفح" سے ہے، اس سے مراد ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی سے ملانا۔

لہذا یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان ایک ہاتھ سے مصافحہ کرے۔

جواب:

1: مصافحہ کا لغوی معنی کچھ بھی ہو ہم شرعی احکام میں معنی شرعی کے پابند ہیں نہ کہ معنی لغوی کے اور شرعی معنی دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا ہے۔ لہذا لغوی معنی کا سہارا لے کر شرعی معنی کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

2: اگر محض ہتھیلی سے ہتھیلی کا رکھنا مراد ہو تو پھر پکڑنا نہیں چاہیے بلکہ ہتھیلی کو ہتھیلی سے ملانا ہی کافی ہونا چاہیے۔

3: محض ہاتھ کا تذکرہ ہے تو اس میں "دایاں" کا معنی زیادہ کرنا کون سا لغوی معنی پر عمل کرنا ہے۔

4: لغوی معنی مراد لینا ہے تو حدیث میں مصافحہ کے لیے ایک لفظ "ید" ملتا ہے اور لغت میں "ید" انگلیوں سے لے کر کندھے تک کو کہتے ہیں۔ چنانچہ المعجم الوسیط میں ہے:

الید: من اعضاء الجسد وھی من المنکب الی اطراف الاصابع

(المعجم الوسیط: ص1122)

کہ "الید" (ہاتھ) جسم کا ایک عضو ہے اور یہ کندھے سے لے کر انگلیوں کے کناروں تک ہوتا ہے۔

اور القاموس الوحید (اردو) میں ہے:

الید: ہاتھ، اس کا اطلاق مونڈھے سے انگلیوں کے کنارے تک ہوتا ہے، مونث ہے۔

(القاموس الوحید: ص924)

پھر غیر مقلدین کو چاہیے کہ صرف ہاتھ نہ ملائیں بلکہ پورا بازو ملائیں تاکہ پتا چلے کہ عمل بالحدیث ہو رہا ہے۔

5: دو ہاتھ ملانے میں بھی تو ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے ہاتھ سے مل جاتی ہے تو دو ہاتھ سے مصافحہ میں بھی تو یہی لغوی معنی پایا جا رہا ہے تو غیر مقلدین کو ایک ہاتھ پر ہی اصرار کیوں؟!

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ طلاق ثلاثہ

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت والجماعت:

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں یا ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاقیں تین شمار ہوتی ہیں، بیوی خاوند پر حرام ہو جاتی ہے اور بغیر حلالہ شرعی کے شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہوتی۔ (الہدایہ ج2 ص355 باب طلاق السنۃ، فتاویٰ عالمگیریہ ج1 ص349 کتاب الطلاق الباب الاول)

مذہب غیر مقلدین:

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق یا ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاق ایک شمار ہوتی ہے۔

1: غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان تین طلاقوں کے متعلق چار اقوال نقل کرتے ہوئے آخری قول یوں لکھتے ہیں:

الرابع انہ یقع واحدۃ رجعیۃ من غیر فرق بین المدخول بہا وغیرھا...وھذا اصح الاقوال. (الروضۃ الندیہ: ج2 ص50)

ترجمہ: چوتھا قول یہ ہے کہ (تین طلاق دینے سے) ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے مدخول بھا اور غیر مدخول بھا کے فرق کئے بغیر اور یہی قول تمام اقوال سے صحیح ہے۔

2: غیر مقلدین کے "شیخ الاسلام" ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

"ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاق ایک طلاق رجعی کا حکم رکھتی ہے۔" (فتاویٰ ثنائیہ: ج2 ص215)

فائدہ:

شیعوں اور مرزائیوں کا مذہب بھی یہی ہے کہ تین طلاق ایک شمار ہوتی ہیں۔ حوالہ جات پیش خدمت ہیں:

مذہب شیعہ:

1: مشہور شیعی عالم ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی لکھتے ہیں:

والطلاق الثلاث بلفظ واحد او فی طہر واحد متفرقاً لا یقع عندنا الا واحدۃ. (المبسوط فی فقہ الامامیہ: ج5 ص4)

ترجمہ: تین طلاقیں ایک لفظ سے دی گئی ہوں یا ایک طہر میں علیحدہ علیحدہ دی گئی ہوں ہمارے نزدیک صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔

2:۔ محمد بن علی بن ابراہیم المعروف ابن ابی جمہور لکھتے ہیں:

وروی جمیل بن دراج فی صحیحہ عن احدھما علیہما السلام قال: سألتہ عن الذی یطلق فی حال طہر فی مجلس واحد ثلاثاً؟ قال: ھی واحدۃ. (عوالی اللآلی العزیزیہ: ج3 ص378)

ترجمہ: جمیل بن دراج نے اپنی کتاب "صحیح" میں امام باقر یا امام صادق سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنی بیوی کو حالت طہر میں ایک مجلس میں تین طلاقیں دیتا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک طلاق واقع ہو گی۔

مذہب مرزائیت:

(1) مرزائیوں نے اپنی نام نہاد فقہ "فقہ احمدیہ" کے نام سے شائع کی ہے جسے نو (9) اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی نے مرتب کیا ہے اس میں دفعہ 35 کی تشریح میں لکھا ہے:

"لہٰذا فقہ احمدیہ کے نزدیک اگر تین طلاقیں ایک دفعہ ہی دے دی جائیں تو ایک رجعی طلاق متصور ہو گی۔" (فقہ احمدیہ: ص80)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

(2) مرزائیوں کے لاہوری گروپ کے سربراہ محمد علی نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں یوں لکھا ہے:

”طلاق ایک ہی ہے خواہ سو دفعہ کہے یا تین دفعہ اور خواہ اسے ہر روز کہتا جائے یا ہر ماہ میں ایک دفعہ کہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

(بیان القرآن از محمد علی: ج1 ص136)

دلائل اہل السنت والجماعت

﴿قرآن مجید﴾

دلیل نمبر1:

﴿أَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَانٍ﴾ (سورۃ البقرہ:229)

استدلال:

[1]: امام محمد بن اسماعیل البخاری (م256ھ) تین طلاق کے وقوع پر مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے باب قائم فرماتے ہیں:

”باب من اجاز طلاق الثلاث“[وفی نسخة :باب من جوز طلاق الثلاث] لقوله تعالیٰ: أَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَانٍ.“ (صحیح البخاری: ج2 ص791)

[2]: امام ابو بکر احمد الرازی الجصاص (م307ھ) فرماتے ہیں:

قوله تعالیٰ: ﴿أَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَانٍ﴾ يدل علیٰ وقوع الثلاث معاً مع كونه منهيا عنها۔

(احکام القرآن للجصاص: ج1 ص527 ذکر الحجاج لایقاع الثلاث معاً)

[3]: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (م671ھ) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال علماؤنا واتفق ائمة الفتویٰ علیٰ لزوم ايقاع الطلاق الثلاث فی كلمة واحدة۔ (الجامع لاحکام القرآن: ج1 ص492)

اعتراض:

آیت میں لفظ ”مرتٰن“ بمعنی ”مرة بعد مرة“ ہے، اس کا معنی اب یوں بنے گا کہ ایک طلاق دی پھر کچھ عرصہ بعد دوسری طلاق بھی دے دی۔ تو یہ آیت متفرق مجالس میں دی گئی طلاق کے متعلق ہے۔ اس سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کرنا درست نہیں۔

جواب:

یہاں ”مرتٰن“ بمعنی ”اثنتان“ ہے یعنی طلاق دو بار دینی ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی (م1270ھ) فرماتے ہیں:

وهذا يدل علی أن معنی مرتان إثنتان (روح المعانی ج2 ص135)

نیز قرآن وحدیث میں کئی ایسی مثالیں ہیں مثلاً....

1: عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ زَيۡدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيۡنِ مَرَّتَيۡنِ. (صحیح البخاری ج1 ص27 بَاب الۡوُضُوءِ مَرَّتَيۡنِ مَرَّتَيۡنِ)

کیا اس کا یہ معنی کیا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عضو ایک مجلس میں دھویا اور دوسرا عضو دوسری مجلس میں؟! نہیں، بلکہ ایک ہی مجلس میں دھونا مراد ہے۔

2: عَنِ ابۡنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ الۡعَبۡدُ إِذَا نَصَحَ سَيِّدَهُ وَأَحۡسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ كَانَ لَهُ أَجۡرُهُ مَرَّتَيۡنِ. (صحیح البخاری ج1 ص346 بَاب الۡعَبۡدِ إِذَا أَحۡسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَنَصَحَ سَيِّدَهُ)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نیز یہ اصول بھی قابل غور ہے کہ اگر "مرتان" سے افعال کا بیان ہو گا تو اس وقت تعداد زمانی یعنی یکے بعد دیگرے کے معنیٰ میں ہو گا۔ کیونکہ دو کلاموں کا ایک وقت میں اجتماع ممکن نہیں ہے۔ مثلاً جب کوئی یہ کہے کہ "اَکَلْتُ مَرَّتَیْنِ" تو اس کا لازمی طور پر معنیٰ یہ ہو گا کہ میں نے دوبار کھایا۔ اس لئے کہ دو اکل یعنی کھانے کے دو عمل ایک وقت میں نہیں ہو سکتے اور جب "مرتان" سے اعیان یعنی ذات کا بیان ہو گا تو اس وقت یہ "عددین" دوچند اور ڈبل کے معنیٰ میں ہو گا۔ کیونکہ دو ذاتوں کا ایک وقت میں اکٹھا ہونا ممکن ہے۔

دلیل نمبر 2:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ .(سورۃ البقرۃ:230)

استدلال:

[1]: مشہور صحابی اور مفسر قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ. (السنن الکبری للبیہقی: ج7 ص376 باب نکاح المطلقۃ ثلاثا)

[2]: مشہور فقیہ امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَالْقُرْآنُ يَدُلُّ ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ۔ عَلٰى اَنَّ مَنْ طَلَّقَ زَوْجَةً لَّهُ دَخَلَ بِهَا اَوْلَمْ يَدْخُلْ بِهَا ثَلَاثًا لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهٗ"

(کتاب الام للامام محمد بن ادریس الشافعی: ج2 ص1939)

فائدہ:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ نے الفاظ "ثلاثاً" بیان فرمائے ہیں کہ اگر خاوند نے تین طلاقیں دی ہوں تو تینوں واقع ہوں گی، یادرہے یہ لفظ "ثلاثا" ہے نہ کہ "ثالثة"

[3]: علامہ ابن حزم اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قول الله تعالى: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ فَهٰذَا يَقَعُ عَلَى الثَّلَاثِ مَجْمُوعَةً وَمُفَرَّقَةً، وَلا يَجُوزُ أَنْ يُخَصَّ بِهٰذِهِ الْآيَةِ بَعْضُ ذٰلِكَ دُونَ بَعْضٍ بِغَيْرِ نَصٍّ.. (المحلیٰ لابن حزم: ج9 ص394 کتاب الطلاق مسألۃ 1945)

کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ ان تین طلاقوں پر بھی صادق آتا ہے جو اکٹھی ہوں اور ان پر بھی سچا آتا ہے جو متفرق طور پر ہوں، اور بغیر کسی نص کے اس آیت کو تین اکٹھی طلاقوں کو چھوڑ کر صرف متفرق کے ساتھ مخصوص کر دینا صحیح نہیں ہے۔

اعتراض:

"فان طلقها" کے عموم سے اکٹھی تین طلاقیں خارج ہیں کیونکہ شریعت میں اس طرح مجموعی طلاق دینا منع ہے۔ تو جو طلاق ممنوع ہے وہ واقع کیسے ہو گی؟ اس سے شریعت کی ممانعت کا کوئی معنیٰ نہ رہے گا۔

جواب: یہاں دو چیزیں ہیں۔ 1: جواز 2: نفاذ

تین طلاقیں اکٹھی دینا جائز تو نہیں لیکن نافذ ہو جاتی ہیں، جواز اور ہے اور نفاذ اور۔ مثلاً حیض کی حالت میں طلاق دینا ممنوع اور ناجائز ہے لیکن اگر کسی نے دے دی تو نافذ ہو جاتی ہے۔ (دیکھیے صحیح البخاری: ج2 ص790)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر 3:

یَا أَیُّھَا النَّبِیُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمْ لَا تُخْرِجُوھُنَّ مِنْ بُیُوتِھِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ یَأْتِینَ بِفَاحِشَةٍ مُبَیِّنَةٍ وَتِلْکَ حُدُودُ اللّٰہِ وَمَنْ یَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہُ لَا تَدْرِی لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ أَمْرًا.

(سورۃ الطلاق:1)

استدلال:

[1]: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت سے تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کرتے ہیں:

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا. قَالَ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ رَادُّهَا إِلَيْهِ. ثُمَّ قَالَ يَنْطَلِقُ أَحَدُكُمْ فَيَرْكَبُ الْحُمُوقَةَ ثُمَّ يَقُولُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ وَإِنَّ اللّٰهَ قَالَ (وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا) وَإِنَّكَ لَمْ تَتَّقِ اللّٰهَ فَلَمْ أَجِدْ لَكَ مَخْرَجًا عَصَيْتَ رَبَّكَ وَبَانَتْ مِنْكَ امْرَأَتُكَ وَإِنَّ اللّٰهَ قَالَ (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ) فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ. (سنن ابی داؤد: ج1 ص315 باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث، السنن الکبریٰ للبیہقی: ج7 ص331 باب الاِخْتِيَارُ لِلزَّوْجِ أَنْ لاَ يُطَلِّقَ إِلاَّ وَاحِدَةً)

قال الحافظ ابن حجر: اسنادہ صحیح. (تعلیق المغنی: ص430 بحوالہ عمدۃ الاثاث:72)

قال الالبانی: صحیح. (سنن ابی داؤد باحکام الالبانی: تحت ح2199)

[2]: امام نووی (م676ھ) اس آیت سے جمہور کے استدلال کو یوں نقل کرتے ہیں:

واحتج الجمھور بقولہ تعالیٰ ﴿وَمَنْ یَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہُ لَا تَدْرِی لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ أَمْرًا﴾ قالوا معناہ أن المطلق قد یحدث لہ ندم فلا یمکنہ تدارکہ لوقوع البینونۃ فلو کانت الثلاث لا تقع لم یقع طلاقہ ھذا الا رجعیا فلا یندم.

(شرح النووی علی صحیح مسلم: ج1 ص478)

احادیث مبارکہ

احادیث مرفوعہ:

دلیل نمبر 1:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنَّ رَجُلاً طَلَّقَ امْرَأَتَہُ ثَلٰثاً فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ فَسُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اَتَحِلُّ لِلْاَوَّلِ؟ قَالَ: لَاحَتّٰی یَذُوْقَ عُسَیْلَتَھَا کَمَا ذَاقَ الْاَوَّلُ.

(صحیح البخاری ج2 ص791 باب من اجاز طلاق الثلاث، صحیح مسلم ج1 ص463 باب لا تحل المطلقۃ ثلاثا لمطلقھا، السنن الکبری للبیہقی ج7 ص334 باب ماجاء فی امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات)

استدلال:

1: امام بخاری، امام مسلم (کی "الصحیح" پر امام نووی) اور امام بیہقی رحمہم اللہ کا باب باندھنا

2: حافظ ابن حجر عسقلانی (م852ھ) اور علامہ بدر الدین عینی (م855ھ) لکھتے ہیں:

فالتمسك بظاھر قولہ طلقھا ثلاثاً فانہ ظاھر فی کونھا مجموعة. (فتح الباری لابن حجر: ج9 ص455، عمدۃ القاری: ج14 ص241)

کہ امام بخاری کا استدلال (کہ تین طلاقیں تین شمار ہوتی ہیں) اس روایت کے الفاظ "طلقھا ثلاثاً" سے ہے کیوں کہ یہ الفاظ اس بارے میں بالکل ظاہر ہیں کہ اس شخص نے تین طلاقیں اکٹھی دی تھیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر2:

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ اَخْبَرَهُ.....قَالَ عُوَيْمِرٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَارَسُوْلَ اللهِ ! اِنْ اَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلاَ ثًا قَبْلَ اَنْ يَّاْمُرَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ (وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاؤُدَ)قَالَ:فَطَلَّقَهَا ثَلاَثَ تَطْلِيْقَاتٍ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْفَذَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(صحیح البخاری ج2ص791 باب من اجاز طلاق الثلاث، سنن ابی داؤد ج 1ص324 باب فی اللعان، صحیح مسلم ج1ص488،489: کتاب اللعان، سنن النسائی:ج2ص107 کتاب الطلاق باب بدء اللعان جامع الترمذی:ج1ص226،227ابواب الطلاق واللعان، باب ماجاء فی اللعان)

فائدہ: سنن ابی داؤد والی روایت کو غیر مقلد عالم ناصر الدین البانی صاحب نے ”صحیح“ کہا ہے۔(تحت حدیث 2250)

استدلال:

1: امام بخاری رحمہ اللہ کا باب باندھنا

2: امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی یہ روایت ”فَاَنْفَذَهُ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

دلیل نمبر3:

عَنْ مَحْمُوْدَ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ أُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ جَمِيْعًا فَقَامَ غَضْبَانًا ثُمَّ قَالَ أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ حَتَّى قَامَ رَجُلٌ وَقَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ أَلَا أَقْتُلُهُ.

(سنن النسائی:ج2ص99باب الثلاث المجموعۃ ومافیہ من التغلیظ)

تحقیق السند:

1: قال ابن القيم : اسناده على شرط مسلم ۔(زاد المعاد ج5ص24 فصل فی حکمہ ﷺ فیمن طلق ثلاثا)

2: قال العلامة الماردينى: وقد ورد فى هذا الباب حديث صحيح صريح فاخرج النسائى فى باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ بسند صحيح عن محمود بن لبيد.(الجوہر النقی علی البیہقی ج7ص333 باب الاختیار للزوج ان لایطلق الا واحدۃ)

3: قال ابن حجر :رواته مؤثقون۔(بلوغ المرام ص442)

4: قال ابن كثير : اسناده جيد.(بحوالہ نیل الاوطار ج6ص240، باب ماجاء فی طلاق البتۃ وجمع الثلاث واختیار تفریقھا)

استدلال:

1: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکٹھی تین طلاق دینے کی خبر سن کر سخت غصہ کا اظہار فرمانا تین طلاق کے واقع ہونے کی مستقل دلیل ہے کیونکہ اگر تین طلاقیں ایک ہوتیں اور خاوند کو رجوع کا حق باقی رہتا تو شدید غصہ کی کوئی وجہ نہیں تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمادیتے کہ ایک طلاق ہوئی ہے، تم رجوع کرلو۔

2: اگر تین طلاق واقع نہ ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ان کو رد فرمادیتے اور صراحت فرمادیتے کہ تین طلاقیں واقع نہیں ہوئی ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رد فرمانا کہیں منقول نہیں جس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کو نافذ کر دیا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن العربی فرماتے ہیں:

إن فيه التصريح بأن الرجل طلق ثلاثا مجموعة ولم يرده النبى صلى الله عليه وسلم بل امضاه.

(فتح الباری:ج9ص451باب من جوز طلاق الثلاث)

3: امام نسائی رحمہ اللہ کا ”الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ“ کے عنوان سے باب باندھنا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر 4:

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ نَاعَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَةً وَهِيَ حَائِضٌ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُتْبِعَهَا بِتَطْلِيقَتَيْنِ أُخْرَاوَيْنِ عِنْدَ الْقَرْئَيْنِ الْبَاقِيَيْنِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ : يَا ابْنَ عُمَرَ مَا هٰكَذَا أَمَرَ اللّٰهُ إِنَّكَ قَدْ أَخْطَأْتَ السُّنَّةَ وَالسُّنَّةُ أَنْ تَسْتَقْبِلَ الطُّهْرَ فَتُطَلِّقَ لِكُلِّ قَرْءٍ . قَالَ : فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَرَاجَعْتُهَا ثُمَّ قَالَ: « إِذَا هِيَ طَهَرَتْ فَطَلِّقْ عِنْدَ ذٰلِكَ أَوْ أَمْسِكْ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! رَأَيْتَ لَوْ اَنِّيْ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا كَانَ يَحِلُّ لِيْ أَنْ اُرَاجِعَهَا ؟ قَالَ لَا كَانَتْ تَبِيْنُ مِنْكَ وَتَكُوْنُ مَعْصِيَةً. (سنن الدار قطنی: ص652 حدیث نمبر 3929)

تحقیق السند:

1: علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

وهذا إسناد قوی. (تنقیح کتاب التحقیق فی احادیث التعلیق للذہبی: ج2 ص205)

2: یہ حدیث امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کی ہے، جس کے متعلق علامہ نور الدین الہیثمی لکھتے ہیں:

رواه الطبرانی وفیه علی بن سعید الرازی قال الدارقطنی: لیس بذاك وعظمه غیره وبقیة رجاله ثقات.

(مجمع الزوائد ج4 ص618 باب طلاق السنۃ وکیف الطلاق)

علامہ ہیثمی نے اس روایت کے راویوں کو ثقہ کہا ہے البتہ ”علی بن سعید الرازی“ کے متعلق امام دار قطنی کا جو قول نقل کیا ہے اس کی فنی حیثیت جاننے کے لیے علامہ شمس الدین ذہبی کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

حافظ رحال جوال. قال الدارقطنی: لیس بذاك. تفرد بأشیاء. قلت: سمع جبارة بن المغلس، وعبد الاعلی بن حماد. روی عنه الطبرانی، والحسن بن رشیق، والناس. قال ابن یونس: کان یفهم ویحفظ. (میزان الاعتدال: ج3 ص143 رقم الترجمۃ 5553)

حافظ ابن حجر عسقلانی اسی راوی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقال مسلمة بن قاسم.. وکان ثقة عالما بالحدیث. (لسان المیزان ج4 ص231 رقم الترجمہ 615)

اس سے معلوم ہوا کہ امام دار قطنی کے علاوہ کسی اور نے ان علی بن سعید الرازی کے بارے میں کلام نہیں کیا اور دار قطنی کا یہ کلام بھی نرم الفاظ میں ہے بڑے درجہ کا کلام نہیں ہے جسے علامہ ذہبی نے تفرد اور انفرادی رائے قرار دیا ہے اور اس راوی کو ”حافظ“ فرما کر اس کی توثیق کی۔ مزید یہ کہ اسرائیل بن یونس نے بھی ان کو ”ثقہ“ قرار دیا ہے اور مسلمہ بن قاسم نے بھی ان کو ”ثقہ“ قرار دیا ہے۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اس روایت کی یہ سند بھی صحیح ہے۔ اس روایت کی صحت کی مزید تائید حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ:

فکان ابن عمر إذا سئل عن الرجل یطلق امرأته وهی حائض یقول ......أما أنت طلقتها ثلاثا فقد عصیت ربك فیما أمرك به من طلاق امرأتك وبانت منك. (صحیح مسلم ج1 ص476 باب تحریم طلاق الحائض)

اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ بات حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سنی تھی کیونکہ یہ ویسے الفاظ ہیں جیسے دار قطنی اور طبرانی کی مرفوع روایت میں ہیں۔

دلیل نمبر 5:

عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفْلَةَ قَالَ كَانَتْ عَائِشَةُ الْخَثْعَمِيَّةُ عِنْدَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمَّا أُصِيبَ عَلِيٌّ وَبُوِيعَ الْحَسَنُ بِالْخِلَافَةِ قَالَتْ : لِتَهْنِئْكَ الْخِلَافَةُ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَقَالَ : يُقْتَلُ عَلِيٌّ وَ تُظْهِرِينَ الشَّمَاتَةَ اذْهَبِي فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا قَالَ:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

فَتَلَفَّعَتْ نِسَاجَهَا وَقَعَدَتْ حَتّٰى انْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَبَعَثَ إِلَيْهَا بِعَشَرَةِ آلَافٍ مُتْعَةً وَبَقِيَّةٍ بَقِيَ لَهَا مِنْ صَدَاقِهَا فَقَالَتْ: مَتَاعٌ قَلِيلٌ مِنْ حَبِيبٍ مُفَارِقٍ فَلَمَّا بَلَغَهُ قَوْلُهَا بَكَى وَقَالَ لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ جَدِّيْ أَوْحَدَّثَنِيْ أَبِيْ أَنَّهُ سَمِعَ جَدِّيْ يَقُوْلُ أَيُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ ثَلَاثًا مُبْهَمَةً أَوْ ثَلَاثًا عِنْدَ الْإِقْرَاءِ لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ لَرَاجَعْتُهَا.

(سنن الدار قطنی ج651 حدیث نمبر 3927 کتاب الطلاق والخلع والطلاق)

فائدہ:

بعض الناس نے اس روایت کے تین راویوں پر جرح کرتے ہوئے اس روایت کو ضعیف ٹھہرانے کی کوشش کی ہے۔ ان تین راویوں کے بارے میں تحقیقی بات عرض ہے کہ ان پر بعض محدثین کی صرف جرح نہیں ہے بلکہ کئی جید ائمہ محدثین نے ان کی تعدیل وتوثیق بھی فرمائی ہے۔ ذیل میں ہم ان کے بارے میں ائمہ کی تعدیل وتوثیق پیش کرتے ہیں۔

(1) محمد بن حمید الرازی

آپ ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ج5ص547)

اگرچہ بعض محدثین سے جرح منقول ہے لیکن بہت سے جلیل القدر ائمہ محدثین نے آپ کی تعدیل وتوثیق اور مدح بھی فرمائی ہے مثلاً:

1: امام فضل بن دکین (م218ھ): عَدَّلَهٗ. (تاریخ بغداد: ج2ص74)

2: امام یحییٰ بن معین (م233ھ): ثقة ،لیس به باس، رازی کیس. (تاریخ بغداد: ج2ص74، تہذیب الکمال للمزی: ج8ص652)

3: امام احمد بن حنبل (م241ھ): وثقه (طبقات الحفاظ للسیوطی ج1ص40)

وقال ایضاً: لایزال بالری علم مادام محمد بن حمید حیاً. (تہذیب الکمال للمزی: ج8ص652)

4: امام محمد بن یحییٰ الذہلی (م258ھ): عَدَّلَهٗ. (تاریخ بغداد: ج2ص73)

5: امام ابوزرعہ الرازی (م263ھ): عَدَّلَهٗ. (تاریخ بغداد: ج2ص73)

6: امام محمد بن اسحاق الصاغانی (م271ھ): عَدَّلَهٗ. (سیر اعلام النبلاء: ج8ص293)

7: امام جعفر بن ابی عثمان الطیالسی (م282ھ): ثقة. (تہذیب الکمال: ج8ص653)

8: امام ابونعیم عبد الملک بن محمد بن عدی الجرجانی (م323ھ): لان ابن حمیدٍ من حفاظِ اهلِ الحدیثِ. (تاریخ بغداد: ج2ص73)

9: امام الدار قطنی (م385ھ): اسناده حسن. [وفیہ محمد بن حمید الرازی]. (سنن الدار قطنی: ص27 رقم الحدیث 27)

10: امام خلیل بن عبد اللہ بن احمد الخلیلی (م446ھ): کان حافظاً عالماً بهذا الشان، رضیه احمد و یحییٰ. (تہذیب التہذیب: ج5ص550)

11: علامہ شمس الدین ذہبی (م748ھ): العلّامة، الحافِظ الكبِير. (سیر اعلام النبلاء: ج8ص292)

وقال ایضاً: الحافظ وکان من اوعیة العلم. (العبر فی خبر من غبر: ج1ص223)

12: علامہ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی (807): " وفی اسناد بزار محمد بن حمید الرازی وهو ثقة. (مجمع الزوائد: ج9ص475)

13: حافظ ابن حجر (م852ھ): حافظ ضعیف وکان ابن مَعین حسنَ الرای فیه. (تقریب التہذیب: ص505)

14: علامہ جلال الدین سیوطی (م911ھ): وثقه احمد و یحییٰ و غیر واحد. (طبقات الحفاظ للسیوطی: ص216 رقم 479)

15: امام احمد بن عبد اللہ الخزرجی (م923ھ): الحافظ، وکان ابن مَعین حسنَ الرای فیه. (خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال للخزرجی: ص333)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

(2) سلمہ بن الفضل

1: امام یحیی بن معین: ثقہ

وقال ایضاً: لا باس بہ ("لا باس بہ" کلمہ توثیق ہے)

2: علامہ ابن سعد: ثقة، صدوق

3: امام ابن عدی: عندہ غرائب وافراد ولم أجد فی حدیثہ حدیثا قد جاوز الحد فی الانکار وأحادیثہ متقاربة محتملة [ان کی حدیث میں غرائب اور افراد تو ہیں لیکن میں نے ان کی کوئی حدیث ایسی نہیں دیکھی جو انکار کی حد تک پہنچی ہو، ان کی حدیثیں متقارب اور قابل برداشت (یعنی قابل قبول) ہیں۔]

4: امام ابن حبان: ذکرہ فی الثقات

5: امام ابوداؤد: ثقة

6: امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: لا أعلم إلا خیرا. (یہ تمام اقوال تہذیب التہذیب ج2 ص752 رقم 2938 سے لیے گئے ہیں)

(3) عمرو بن ابی قیس

1-5: امام بخاری نے تعلیق میں ان سے روایت کیا ہے اور امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے ان سے روایت لی ہے۔
(تہذیب التہذیب: ج5 ص83 رقم 6007)

6: امام ابن حبان: ذکرہ فی الثقات (کتاب الثقات: رقم الترجمة 9766)

7: امام عبد الصمد بن عبد العزیز المقری: (قال) دخل الرازیون علی الثوری فسألوہ الحدیث فقال: ألیس عندکم الازرق؟ یعنی عمرو بن أبی قیس. (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم الرازی: ج6 ص333 رقم 1409)

8: امام ابوداؤد: فی حدیثہ خطأ (وقال فی موضع آخر) لا بأس بہ. (تہذیب التہذیب: ج5 ص84 رقم 6007)

9: امام عثمان بن ابی شیبہ: لا بأس بہ (تہذیب التہذیب: ایضاً)

10: امام ابو بکر البزار: مستقیم الحدیث (تہذیب التہذیب: ایضاً)

اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس راوی کی ثقاہت وضعف میں اختلاف ہو تو اس کی روایت حسن درجہ کی ہوتی ہے، قواعد فی علوم الحدیث میں ہے:

اذا کان رواة اسناد الحدیث ثقات وفیهم من اختلف فیہ: اسنادہ حسن، او مستقیم او لا باس بہ.

(قواعد فی علوم الحدیث: ص75 نقلاً عن مقدمة الترغیب والترہیب ونصب الرایة والتعقبات للسیوطی وتہذیب التہذیب تحت ترجمہ عبد اللہ بن صالح)

لہٰذا اصولی طور پر یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔ علامہ ہیثمی نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا:

وفی رجالہ ضعف وقد وثقوا. (مجمع الزوائد ج4 ص625 باب متعة الطلاق)

گویا علامہ ہیثمی بھی اسی اصول کے تحت اس روایت کو حسن درجہ کا فرما رہے ہیں۔

ایک ضروری وضاحت:

ائمہ محدثین کی آراء اور اصولیین کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ یہ روایت حسن درجہ سے کم نہیں۔ بالفرض اس روایت میں کچھ ضعف بھی ہو تو جمہور ائمہ کے تعامل اور اجماع سے یہ حدیث صحیح ثابت ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

وإذا ورد حدیث مرسل أو فی أحد ناقلیہ ضعیف فوجدنا ذلك الحدیث مجمعا علی أخذہ والقول بہ علمنا یقینا أنہ حدیث صحیح لا شك فیہ. (توجیہ النظر الی اصول الاثر: ج1 ص141)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

کہ جب کوئی مرسل روایت ہو یا کوئی ایسی روایت ہو جس کے راویوں میں سے کسی میں کوئی ضعف ہو لیکن اس حدیث کو لینے اور اس پر عمل کرنے کے سلسلہ میں اجماع واقع ہو چکا ہو تو ہم یقیناً یہ جان لیں گے کہ یہ حدیث "صحیح" ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

چونکہ تین طلاقوں کے تین ہونے پر اجماع ہے (جیسا کہ اس پر عنقریب حوالہ جات پیش کیے جائیں گے) اس لیے اگر اس حدیث کے کسی راوی میں ضعف بھی ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، ایسی حدیث صحیح شمار ہو گی۔ اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے علامہ زاہد بن الحسن الکوثری نے حافظ ابن رجب الحنبلی سے اس روایت کے متعلق تصحیح نقل کی ہے کہ حافظ ابن رجب فرماتے ہیں:

اسنادہ صحیح۔ (الاشفاق للکوثری ص38)

لہٰذا البانی صاحب وغیرہ کا اس تصحیح کو نہ ماننا اور علامہ کوثری پر بلاوجہ طعن کرنا یقیناً غلط اور محدثین کے مذکورہ اصولوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

احادیث موقوفہ

دلیل نمبر 1:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِذَا أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِيْ مَجْلِسٍ أَوْجَعَهُ ضَرْبًا وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج9 ص519 باب من کرہ ان یطلق الرجل امرأتہ ثلاثا۔ رقم الحدیث 18089)

اسنادہ صحیح ورواتہ ثقات.

دلیل نمبر 2:

عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ: أَنَّ بَطَّالًا كَانَ بِالْمَدِينَةِ فَطَلَّقَ امْرَأَتَهُ أَلْفًا فَرُفِعَ ذَلِكَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ: إِنَّمَا كُنْتُ أَلْعَبُ فَعَلَاهُ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِالدِّرَّةِ وَقَالَ: إِنْ كَانَ لَيَكْفِيكَ ثَلَاثٌ. (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج7 ص334 باب ماجاء فی امضاء الطلاق الثلاث)

اسنادہ صحیح ورواتہ ثقات.

دلیل نمبر 3:

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي يَحْيَى قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُثْمَانَ فَقَالَ: إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِي مِائَةً، قَالَ: ثَلَاثٌ يُحَرِّمْنَهَا عَلَيْكَ، وَسَبْعَةٌ وَتِسْعُونَ عُدْوَانٌ. (مصنف ابن ابی شیبہ: ج9 ص522 باب ماجاء یطلق امرأتہ مائۃ او الف فی قول واحد۔ رقم 18104)

اسنادہ صحیح ورجالہ ثقات.

تنبیہ: بعض نسخوں میں معاویہ بن ابی تحییٰ کے والد کا نام "ابی تحییٰ" کے بجائے "ابی یحیی" (یا کے ساتھ) لکھا گیا ہے لیکن امیر الحافظ نے "ابی تحیی" (تا کے ساتھ) ضبط کیا ہے۔ (الاکمال لابن ماکولا: ج1 ص507) اور شیخ عوامہ کے طرز بیان سے بھی اسی کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ (حاشیۃ مصنف ابن ابی شیبۃ: ج9 ص522)

دلیل نمبر 4:

عن علقمة قال جاء رجل إلى بن مسعود فقال إني طلقت امرأتي تسعة وتسعين وإني سألت فقيل لي قد بانت مني فقال بن مسعود لقد أحبوا أن يفرقوا بينك وبينها قال فما تقول رحمك الله - فظن أنه سيرخص له - فقال ثلاث تبينها منك وسائرها عدوان.

(مصنف عبدالرزاق: ج6 ص307 رقم 11387 باب المطلق ثلاثا، سنن سعید بن منصور: ج1 ص261 کتاب الطلاق باب التعدی فی الطلاق رقم 1963)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر 5:

عن سالم عن بن عمر قال من طلق امرأته ثلاثا طلقت وعصى ربه.

(مصنف عبد الرزاق: ج6 ص307 رقم 11388 باب المطلق ثلاثًا)

اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین.

(فی روایۃ) عَنْ نَافِعٍ قَالَ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ: مَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا، فَقَدْ عَصَى رَبَّهُ، وَبَانَتْ مِنْهُ امْرَأَتُهُ.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج9 ص520 باب من کرہ ان یطلق الرجل امراتہ ثلاثًا فی مقعد واحد. رقم 18091)

دلیل نمبر 6:

عن انس بن مالك فيمن طلق امراته ثلاثاً قبل ان يدخل بها قال لا تحل له حتیٰ تنكح غيره هو فی رواية هی ثلاث.

(سنن سعید بن منصور: ج1 ص264 رقم الحدیث 1974، 1973، مصنف عبد الرزاق: ج6 ص261، 269 باب طلاق البکر)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

دلیل نمبر 7:

عَنْ وَاقِعِ بْنِ سَحْبَانَ قَالَ: سُئِلَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ؟ قَالَ: أَثِمَ بِرَبِّهِ، وَحُرِّمَتْ عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج9 ص519 من کرہ ان یطلق الرجل امراتہ ثلاثا فی مقعد واحد واجاز ذلک علیہ. رقم 18087)

اسنادہ صحیح و رواتہ ثقات.

دلیل نمبر 8:

عن نعمان بن أبی عياش قال سأل رجل عطاء بن يسار عن الرجل يطلق البكر ثلاثا فقال إنما طلاق البكر واحدة فقال له عبد الله بن عمرو بن العاص أنت قاص الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجا غيره

(مصنف عبد الرزاق: ج6 ص262 رقم الحدیث 11118 باب الطلاق البکر، موطا امام مالک: ص521 باب الطلاق البکر، سنن سعید بن منصور: ج1 ص264 رقم الحدیث 1975 باب التعدی فی الطلاق)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم۔

دلیل نمبر 9:

مالك عن يحيى بن سعيد عن بكير بن عبد الله بن الاشجع انه اخبره عن معاوية بن ابی عياش الانصاری انه كان جالسا مع عبد الله بن الزبير و عاصم بن عمر قال فجاءهما محمد بن اياس بن البكير فقال ان رجلا من اهل البادية طلق امراته ثلاثا قبل ان يدخل بها فما ذا تريان فقال عبد الله بن الزبير ان هذا الامر ما بلغ لنا فيه قول فاذهب الى ابن عباس و ابی هريرة فانی تركتهما عند عائشة فسلهما ثم ائتنا فذهب فسئلهما فقال ابن عباس لابی هريرة افته يا اباهريرة فقد جآء تك معضلة فقال ابو هريرة الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره وقال ابن عباس مثل ذلك

(موطا امام مالک: ص521 باب طلاق البکر، وموطا امام محمد: ص263 باب الرجل یطلق امراتہ ثلاثاً قبل ان یدخل بھا، مصنف عبد الرزاق: ج6 ص262 رقم الحدیث 11115 باب طلاق البکر)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر 10:

عن الحکم أن علیا وبن مسعود وزید بن ثابت قالوا إذا طلق البکر ثلاثا فجمعها لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره فإن فرقها بانت بالأولی ولم تکن الأخریین شیئا.

(مصنف عبد الرزاق: ج6 ص264 رقم الحدیث 11127 باب طلاق البکر، سنن سعید بن منصور: ج1 ص266 باب التعدی فی الطلاق رقم الحدیث 1080، المحلی بالآثار لابن حزم: ج9 ص498، 497 کتاب الطلاق)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

دلیل نمبر 11:

حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ. (ح) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِيَاسِ بْنِ بُكَيْرٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَائِشَةَ، فِي الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، قَالُوا: لاَ تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج9 ص536 باب فی الرجل یتزوج المرأة ثم یطلقها ثلاثا قبل ان یدخل بھا. رقم 18159)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم.

احادیث مقطوعہ

دلیل نمبر 1:

عن ابراهيم فی الرجل یقول لامرأته انت طالق ثلاث قبل ان یدخل بھا قال ان اخرجهن جمیعاً لم تحل له فاذا اخرجهن تتری بانت باولیٰ والثنتان لیستا بشئی". (سنن سعید بن منصور: ج1 ص266، رقم 1980 باب التعدی فی الطلاق، مصنف عبد الرزاق: ج6 ص261)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم.

دلیل نمبر 2:

عن ابن المسیب اذا طلق الرجل البکر ثلاثاً فلا تحل له حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ.

(مصنف عبد الرزاق: ج6: ص261 رقم الحدیث 11110 باب طلاق البکر)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم.

دلیل نمبر 3:

عَنِ الزُّهْرِيِّ، فِي رَجُلٍ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا جَمِيعًا، قَالَ: إِنَّ فَعَلَ فَقَدْ عَصَى رَبَّهُ، وَبَانَتْ مِنْهُ امْرَأَتُهُ.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج9 ص520 باب من کرہ ان یطلق الرجل امرأته ثلاث. رقم 18092)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم.

دلیل نمبر 4:

عن الحسن انه قال فی من طلق امرأته ثلاثاً قبل ان یدخل بها قال رغم انفه بلغ حده حتیٰ تنکح زوجاً غیره

(سنن سعید بن منصور: ج1 ص267 رقم الحدیث 1088 باب التعدی فی الطلاق)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم.

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دلیل نمبر 5:

عن الشعبی قال فی الرجل یطلق البکر ثلاثاً جمیعاً فلم یدخل بہا قال لا تحل لہ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ فان (قال) انت طالق، انت طالق، فقد بانت بالاولیٰ لیخطبہا.

(مصنف عبد الرزاق: ج6 ص264 باب طلاق البکر)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم.

اجماع امت

[۱]: امام ابو بکر احمد الرازی الجصاص (م307ھ):

فالکتاب والسنۃ وإجماع السلف توجب إیقاع الثلاث معا.

(احکام القرآن للجصاص: ج1 ص527 ذکر الحجاج لایقاع الثلاث معاً)

[۲]: امام ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر (م319ھ):

وَأَجْمَعُوْا عَلٰی أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا طَلَّقَ اِمْرَأَتَہُ ثَلَاثًا أَنَّہَا لَا تَحِلُّ لَہُ إِلَّا بَعْدَ زَوْجٍ عَلٰی مَا جَاءَ بِہٖ حَدِیْثُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ.

(کتاب الاجماع لابن المنذر ص92)

[۳]: امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی (م321ھ):

مَنْ طَلَّقَ اِمْرَأَتَہُ ثَلَاثًا فَأَوْقَعَ کُلًّا فِیْ وَقْتِ الطَّلَاقِ لَزِمَہُ مِنْ ذٰلِكَ.... فَخَاطَبَ عُمَرُ بِذٰلِكَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَفِیْہِمْ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَرَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمُ الَّذِیْنَ قَدْ عَلِمُوْا مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذٰلِكَ فِیْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَلَمْ یُنْکِرْہُ عَلَیْہِ مِنْہُمْ مُنْکِرٌ وَلَمْ یَدْفَعْہُ دَافِعٌ. (سنن الطحاوی ج2 ص34 باب الرجل یطلق امرأتہ ثلاثاً معا، ونحوہ فی مسلم ج1 ص477)

[۴]: امام ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک المعروف بابن بطال (م449ھ):

اتفق أئمۃ الفتوی علی لزوم إیقاع طلاق الثلاث فی کلمۃ واحدۃ... والخلاف فی ذلك شذوذ وإنما تعلق بہ أھل البدع ومن لا یُلتفتُ إلیہ لشذوذہ عن الجماعۃ. (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری: ج9 ص390 باب من اجاز طلاق الثلاث)

[۵]: حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م852ھ):

فالراجح فی الموضعین تحریم المتعۃ وایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقد فی عہد عمر علی ذلك ولا یحفظ أن أحدا فی عہد عمر خالفہ فی واحدۃ منہما... فالمخالف بعد ھذا الإجماع منابذ لہ والجمہور علی عدم اعتبار من أحدث الاختلاف بعد الاتفاق. (فتح الباری: ج9 ص453 باب من جوز طلاق الثلاث)

[۶]: قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م1225ھ):

اَجْمَعُوْا عَلٰی اَنَّہُ مَنْ قَالَ لِاِمْرَأَتِہٖ أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا یَقَعُ ثَلَاثٌ بِالْاِجْمَاعِ. (التفسیر المظہری ج1 ص300)

اعتراض:

محمد رئیس ندوی لکھتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تمام مجتہدین کسی مسئلہ پر متفق ہوں لیکن ایک مجتہد کی رائے کچھ اور ہو تو اجماع منعقد ہی نہیں ہوتا اور نہ یہ حجت شرعیہ ہے، یہ جمہور کا مذہب ہے اور مسئلہ طلاق میں تو حضرت ابن عباس، طاؤس اور ابن تیمیہ، ابن قیم، داؤد ظاہری وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ تین طلاق ایک واقع ہوتی ہے۔ تو پھر یہ اجماع کیسے ہوا اور کیونکر حجت ہوا؟

(تنویر الآفاق ص297 تا215 ملخصاً)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب:

اولاً.... تین طلاق کے تین ہونے پر اجماع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا،اس وقت حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص بھی اس کا مخالف نہیں تھا۔لہذا یہ حجت ہوا۔

ثانیاً......:اجماع کی تعریف یہ ہے:

(1) اتفاق المجتهدين من امة محمدية عليه السلام فی عصر علیٰ حکم شرعی۔(توضیح تلویح:ج2ص522)

(2) اتفاق المجتهدين من امة محمد صلى الله عليه وسلم فی عصر علی امر دینی۔(مجموعۃ قواعد الفقہ ص160 لمحمد عمیم الاحسان)

تقریباً یہی تعریف ہر کتاب میں ملتی ہے۔ اجماع کی اس تعریف میں حضرات صحابہ کرام کے اجماع سے لے کر ساتویں صدی تک کے اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع شامل ہے۔علامہ ابن تیمیہ،ابن القیم جیسے افراد کی رائے شاذ ہے،اجماع میں مخل نہیں۔

ثالثاً........:جن شخصیات کا نام اعتراض میں درج ہے ان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا فتویٰ ہے کہ تین طلاقیں تین ہیں۔

(مصنف عبد الرزاق:ج6ص308رقم11392)

اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے:

عمل الراوی بخلاف روايته بعد الرواية مما هو خلاف بيقين يسقط العمل به عندنا.(المنار مع شرحہ ص190)

کہ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس روایت سے عمل کو ساقط کر دیتا ہے۔لہذا یہ روایت منسوخ ہے۔

حضرت طاؤس کا قول حسین ابن علی الکرابیسی نے ”ادب القضاۃ“ میں نقل کیا ہے کہ وہ بھی تین طلاق کے تین ہونے کے قائل ہیں۔رہے ابن تیمیہ،ابن قیم،داؤد ظاہری تو اولاً وہ مجتہد نہیں تھے،پھر یہ ان کا تفرد تھا جس کا اس وقت کے علماء نے رد کر دیا ہے۔لہذا ان کے اختلاف سے اجماع پر زد نہیں پڑتی۔

رابعاً..........:امت کے اکثر مجتہدین کسی بات پر متفق ہو جائیں تو اس پر بھی اجماع کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

قال العلامه بدر الدين العيني: فمن هذا قال صاحب (الهداية) من أصحابنا وعلى ترك القراءة خلف الإمام إجماع الصحابة فسماه إجماعا باعتبار اتفاق الأكثر ومثل هذا يسمى إجماعا عندنا. (عمدۃ القاری ج4ص449باب وجوب القراءۃ)

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ

امت مسلمہ کے جید فقہاء کرام خصوصاً حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں :

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت (م150ھ)

قال محمد بن الحسن الشيباني: بهذا ناخذ وهو قول ابی حنيفة والعامة من فقهائنا لانه طلقها ثلاثاً جميعاً فوقعن عليها جميعاً معاً.(مؤطاامام محمد:ص263،سنن الطحاوی:ج2ص34،35،شرح مسلم:ج1ص478)

امام مالک بن انس المدنی (م 189ھ)

قال مالك بن انس: فان طلقها فی كل طهر تطليقة او طلقها ثلاثاً مجتمعات فی طهر لم يمس فيه فقد لزمه.

(التمہید لابن عبد البر:ج6ص58،المدونۃ الکبریٰ:ج2ص3، شرح مسلم للنووی:ج1ص478)

امام محمد بن ادریس الشافعی (م 204ھ)

قال الشافعي: وَالْقُرْآنُ يَدُلُّ ـ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ـ عَلٰى اَنَّ مَنْ طَلَّقَ زَوْجَةً لَّهُ دَخَلَ بِهَا اَوْلَمْ يَدْخُلْ بِهَا ثَلَاثًا لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ.(کتاب الام للامام محمد بن ادریس الشافعی:ج2ص1939)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

امام احمد بن حنبل (م241ھ)

قال احمد بن حنبل: ومن طلق ثلاثا في لفظ واحد فقد جهل و حرمت عليه زوجته ولا تحل له ابدا حتى تنكح زوجا غيره.
(کتاب الصلوۃ: ص47 طبع قاہرہ بحوالہ عمدۃ الاثاث: ص30)

جمہور علماء تابعین وغیرہ

قال العلامة بدر الدين العيني: ومذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم الأوزاعي والنخعي والثوري وأبو حنيفة وأصحابه ومالك وأصحابه والشافعي وأصحابه وأحمد وأصحابه وإسحاق وأبو ثور وأبو عبيد وآخرون كثيرون على أن من طلق امرأته ثلاثا وقعن. (عمدۃ القاری: ج14 ص236 باب من اجاز طلاق الثلاث)

غیر مقلدین کے دلائل کا جواب

دلیل نمبر1:

عن ابن طاوس عن أبيه عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب إن الناس قد استعجلوا في أمر قد كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم. (صحیح مسلم ج1 ص477، ص478، مصنف عبد الرزاق ج6 ص305)

ومن طريق آخر ففيه ابن جريج.

جواب نمبر1:

امام نووی نے فرمایا ہے:

فالأصح أن معناه أنه كان في أول الأمر اذا قال لها أنت طالق أنت طالق أنت طالق ولم ينو تأكيدا ولا استئنافا يحكم بوقوع طلقة لقلة ارادتهم الاستئناف بذلك فحمل على الغالب الذي هو ارادة التأكيد فلما كان في زمن عمر رضي الله عنه و كثر استعمال الناس بهذه الصيغة وغلب منهم ارادة الاستئناف بها حملت عند الاطلاق على الثلاث عملا بالغالب السابق إلى الفهم منها في ذلك العصر. (شرح مسلم للنووی: ج1 ص478)

کہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحیح مراد یہ ہے کہ شروع زمانہ میں جب کوئی شخص اپنی بیوی کو "انت طالق، انت طالق، انت طالق" کہہ کر طلاق دیتا اور دوسری اور تیسری طلاق سے اس کی نیت تاکید کی ہوتی نہ استیناف کی، تو چونکہ لوگ استیناف کا ارادہ کم کرتے تھے اس لیے غالب عادت کا اعتبار کرتے ہوئے محض تاکید مراد لی جاتی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگوں نے اس جملہ کا استعمال بکثرت شروع کیا اور عموماً ان کی نیت طلاق کے دوسرے اور تیسرے لفظ سے استیناف ہی کی ہوتی تھی، اس لئے اس جملہ کا جب کوئی استعمال کرتا تو اس دور کے عرف کی بناء پر تین طلاقوں کا حکم لگایا جاتا تھا۔

تنبیہ: یہ اس صورت میں ہے کہ جب "انت طالق" کو تین بار کہے۔ اگر "انت طالق ثلاثاً" کہے تو پھر تین ہی واقع ہو جائیں گی۔

جواب نمبر2:

اس حدیث میں طلاق کی تاریخ بیان کی جارہی ہے کہ عہد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے لے کر ابتدائے عہد فاروقی تک لوگ یکجا تین طلاقیں دینے کے بجائے ایک طلاق دیا کرتے تھے، خلافت فاروقی کے تیسرے سال سے لوگوں نے جلد بازی شروع کر دی کہ ایک طلاق دینے کے بجائے تین طلاقیں اکٹھی دینے لگے تو وہ تینوں طلاقیں نافذ کر دی گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ اس پر واضح قرینہ ہیں، آپ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

فرماتے ہیں:

إن الناس قد استعجلوا فی أمر قد كانت لهم فيه أناة

کہ لوگوں کو جس کام میں سہولت تھی انہوں نے اس میں جلد بازی شروع کر دی ہے۔

اگر ابتداء سے تین طلاق کا رواج ہوتا تو پھر استعجال اور اناۃ کا کوئی معنی نہیں بنتا۔ لہذا اس حدیث میں "...طلاق الثلاث واحدۃ" کا مطلب "تین طلاقوں کے بجائے ایک طلاق دینا" ہے۔ یہ مطلب ہر گز نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں آ کر مسئلہ بدل گیا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ طلاق دینے کے معاملے میں لوگوں کی عادت بدل گئی تھی۔ اگر یہ مراد لیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے فیصلے کو منسوخ فرما کر تین طلاقوں کو تین شمار کیا ہے تو یہ مطلب انتہائی غلط ہے، کیونکہ اگر یہی معاملہ ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر اجماع نہ فرماتے بلکہ اس فیصلہ کا انکار کرتے حالانکہ کسی سے بھی انکار منقول نہیں۔ یہی مطلب محدثین نے بیان کیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

المراد أن المعتاد فی الزمن الأُوَّل كان طلقة واحدة وصار الناس فی زمن عمر يوقعون الثلاث دفعة فنفذه عمر فعلى هذا يكون اخبارا عن اختلاف عادة الناس لا عن تغير حكم فی مسألة واحدة قال المازری وقد زعم من لا خبرة له بالحقائق أن ذلك كان ثم نسخ قال وهذا غلط فاحش لأن عمر رضی الله عنه لا ينسخ ولو نسخ وحاشاه لبادرت الصحابة إلى انكاره

(شرح مسلم للنووی: ج2ص478)

ترجمہ: مراد یہ ہے کہ پہلے ایک طلاق کا دستور تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ تینوں طلاقیں بیک وقت دینے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں نافذ فرما دیا۔ اس طرح یہ حدیث لوگوں کی عادت کے بدل جانے کی خبر ہے نہ کہ مسئلہ کے حکم کے بدلنے کی اطلاع ہے۔ امام مازری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حقائق سے بے خبر لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ "تین طلاقیں پہلے ایک تھیں، پھر منسوخ ہو گئیں" یہ کہنا بڑی فحش غلطی ہے، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے فیصلہ کو منسوخ نہیں کیا، -حاشا- اگر آپ منسوخ کرتے تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے انکار کے درپے ضرور ہو جاتے۔

علامہ محمد انور شاہ کشمیری اس حدیث کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں:

ای كان الناس يطلقون واحدة بدل الثلاث و يكتفون بواحدة للتطليق، وكانوا لا يطلقون ثلاثاً خلاف السنة، وهم كانوا على ذلك الى خلافة عمر حتىٰ صاروا فی عهده يطلقون ثلاثاً دفعة خلاف السنة. فامضاه عمر عليهم و هذا احد معنى الحديث ذكره النووی فی شرح مسلم. (معارف السنن: ج5ص471)

کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگ تین طلاقیں دینے کے بجائے ایک طلاق دینے پر اکتفاء کرتے تھے، تین طلاقیں جو کہ خلاف سنت ہیں نہیں دیتے تھے۔ یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک چلتا رہا یہاں تک کہ لوگ خلافِ سنت تین طلاقیں اکٹھی دینے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔ حدیث کا ایک یہی مطلب امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

فائدہ:

حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا یہ مطلب لینے پر (کہ لوگ تین طلاقوں کی بجائے ایک طلاق دیتے تھے) قرآن و حدیث سے دو نظیریں بھی پیش کی ہیں:

نظیر نمبر 1: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا﴾ (سورۃ ص: 5)

ترجمہ: (کافر یہ کہتے ہیں:) کیا اس (پیغمبر) نے سارے معبودوں کو ایک معبود میں تبدیل کر دیا ہے؟

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

علامہ کشمیری فرماتے ہیں:

فهم لم يريدوا بقولهم هذا انه صلى الله عليه و سلم آمن بآلهة ثم جعلهم واحدا، و انما يريدون انه جعل الهاً واحدا بدل آلهة. (معارف السنن: ج5ص472)

ترجمہ: کفار کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تمام آلہہ پر ایمان لائے پھر ان کو ایک کر دیا، بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے تمام آلہہ کو چھوڑ کر ایک کو اپنالیا ہے۔

نظیر نمبر2: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

من جعل الهموم هما واحدا هم آخرته كفاه الله هم دنياه الخ (سنن ابن ماجۃ: باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ۔ عن عبد اللہ بن مسعود)

ترجمہ: جو شخص اپنی تمام فکروں کو ایک فکر یعنی آخرت کی فکر بنالے اللہ تعالیٰ دنیوی پریشانیوں اور فکروں سے اس کی کفایت فرماتے ہیں الخ

علامہ کشمیری فرماتے ہیں:

فليس المراد اختيار الهموم ثم جعلها واحدة، وانما المراد انه اختار هماً واحداً بدل هموم كثيرة.

(معارف السنن: ج5ص472)

کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان پہلے تمام غموں کا روگ لگالے پھر ان سب کو ایک غم میں تبدیل کر دے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسان غموں کے انبار کو چھوڑ کر ایک آخرت کی فکر کو اپنالے۔

جواب نمبر3:

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: الحديث اذا لم تجمع طرقه لم تفهمه والحديث يفسر بعضها بعضا.

(الجامع لاخلاق الراوی للخطیب: ص370 رقم1651)

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سنن ابی داود میں ہے، جس میں راوی سے سوال کرنے والا شخص ایک ہی ہے یعنی ابو الصَّہباء، اور دونوں روایتوں کے الفاظ بھی تقریباً ملتے جلتے ہیں۔ روایت یہ ہے:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَلَى كَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا جَعَلُوهَا وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- وَأَبِى بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ. (سنن ابی داود: ج1ص317 باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث)

اس روایت کی اسناد صحیح ہے۔ (زاد المعاد لابن القیم: ج4ص1019- فصل: فی حکمہ صلی اللہ علیہ وسلم فیمن طلق ثلاثا بکلمۃ واحدۃ، عمدۃ الاثاث: ص94)

اسی طرح صحیح مسلم کے راوی طاؤس یمانی کی خود اپنی روایت میں بھی غیر مدخول بہا کی قید موجود ہے۔ علامہ علاء الدین المار دینی (م745ھ) لکھتے ہیں:

ذكر ابن أبي شيبة بسند رجاله ثقات عن طاوس وعطاء وجابر بن زيد انهم قالوا إذا طلقها ثلاثا قبل ان يدخل بها فهي واحدة. (الجوہر النقی: ج7ص331)

ان دونوں روایات میں "قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا" (غیر مدخول بہا) کی تصریح ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث صحیح مسلم مطلق نہیں بلکہ "غیر مدخول بہا" کی قید کے ساتھ مقید ہے۔ ایسی عورت کو خاوند الگ الگ الفاظ (أنت طالق أنت طالق أنت طالق) سے طلاق دے تو پہلی طلاق سے ہی وہ بائنہ ہو جائے گی اور دوسری تیسری طلاق لغو ہو جائے گی، اس لیے کہ وہ طلاق کا محل ہی نہیں رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں غیر مدخول بہا کو طلاق دینے کا یہی طریقہ رائج تھا اس لیے ان حضرات کے دور میں غیر مدخول بہا کو دی گئی ان تین طلاقوں کو ایک سمجھا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں لوگ ایک ہی جملہ میں اکٹھی تین طلاقیں

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

دینے لگے (یعنی انت طالق ثلاثا) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب تین ہی شمار ہوں گی، کیونکہ غیر مدخول بہا کو ایک ہی لفظ سے اکٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

جواب نمبر 4:

اگر وہی مطلب لیا جائے جو غیر مقلدین لیتے ہیں کہ تین طلاق ایک ہوتی ہے تو یہ مطلب لینا اس روایت ہی کو شاذ بنا دیتا ہے، اس لیے کہ یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جملہ شاگرد آپ سے تین طلاق کا تین ہونا ہی روایت کرتے ہیں، صرف طاؤس ایسے ہیں جو مذکورہ روایت نقل کرتے ہیں۔ تصریحات محققین ملاحظہ ہوں:

(1): قال الامام احمد بن حنبل: كل أصحاب ابن عباس رووا عنه خلاف ما قال طاوس.

(نیل الاوطار للشوکانی ج6 ص245 باب ماجاء فی طلاق البتۃ)

(2): قال الامام محمد ابن رشد المالكي: بأن حديث ابن عباس الواقع في الصحيحين إنما رواه عنه من أصحابه طاوس، وأن جلة أصحابه رووا عنه لزوم الثلاث منهم سعيد بن جبير ومجاهد وعطاء وعمرو بن دينار وجماعة غيرهم.

(بدایۃ المجتہد ج2 ص61 کتاب الطلاق، الباب الاول)

تنبیہ: حدیث ابن عباس صحیحین میں نہیں، صرف صحیح مسلم میں ہے۔

(3): قال البيهقي: فَهٰذِهٖ رِوَايَةُ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَعَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ وَمُجَاهِدٍ وَعِكْرِمَةَ وَعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ وَمَالِكِ بْنِ الْحَارِثِ وَمُحَمَّدِ بْنِ إِيَاسِ بْنِ الْبُكَيْرِ وَرُوِّينَاهُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ الْأَنْصَارِيِّ كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ أَجَازَ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ وَأَمْضَاهُنَّ

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج7 ص338 باب مَنْ جَعَلَ الثَّلَاثَ وَاحِدَةً)

چونکہ طاوس کی یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تمام شاگردوں کی روایت کے خلاف ہے اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت کو اپنی صحیح میں نہیں لائے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَتَرَكَهُ الْبُخَارِيُّ وَأَظُنُّهُ إِنَّمَا تَرَكَهُ لِمُخَالَفَتِهٖ سَائِرَ الرِّوَايَاتِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج7 ص338 باب مَنْ جَعَلَ الثَّلَاثَ وَاحِدَةً)

الحاصل یہ روایت طاوس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تمام شاگردوں کے خلاف روایت کی ہے اور تمام شاگرد تین کا تین ہونا ہی نقل کرتے ہیں، اس لیے طاوس کی یہ روایت ان سب کے مقابلے میں شاذ، وہم، غلط اور ناقابلِ حجت ہے۔

جواب نمبر 5:

خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنا فتوی اس روایت کے خلاف ہے۔ کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تین طلاق کو تین ہی فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ طَلَّقْتُ اِمْرَأَتِيْ ثَلَاثًا فَقَالَ عَصَيْتَ رَبَّكَ وَحَرُمَتْ عَلَيْكَ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَكَ.

(جامع المسانید ج2 ص148، السنن الکبری للبیہقی: ج7 ص337 واسنادہ صحیح)

اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے:

عمل الراوي بخلاف روايته بعد الرواية مما هو خلاف بيقين يسقط العمل به عندنا۔

(المنار مع شرحہ ص194، قواعد فی علوم الحدیث للعثمانی ص202)

کہ راوی کا روایت کرنے کے بعد اس کے خلاف عمل کرنا اس روایت پر عمل کو ساقط کر دیتا ہے۔

لہذا اس اصول کی رو سے بھی مذکورہ روایت قابلِ عمل نہیں ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر6:

اس روایت کی ایک سند میں ایک راوی "طاؤس یمانی" ہے۔ امام سفیان ثوری، امام ابن قتیبہ، اور امام ذہبی نے اسے شیعہ قرار دیا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج5 ص27،26، المعارف لابن قتیبہ ص267،268)

دوسرا راوی "ابن جریج" ہے۔ یہ شیعہ ہے اور اس پر متعہ باز ہونے کی جرح بھی ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج1 ص128، سیر اعلام النبلاء ج5 ص497، میزان الاعتدال للذہبی ج2 ص509)

مذکورہ دونوں راویوں کو کتب شیعہ میں بھی شیعہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ "طاؤس" کو رجال کشی لابی جعفر طوسی ص55، ص101، رجال طوسی لابی جعفر طوسی ص94 میں اور "ابن جریج" کو رجال کشی ص280، رجال طوسی ص233 اور اصحاب صادق رقم 162 میں شیعہ کہا گیا ہے۔ اصول حدیث کا قاعدہ ہے جسے حافظ ابن حجر عسقلانی یوں بیان کرتے ہیں:

الا ان روی ما یقوی بدعته فیرد علی المختار.

(شرح نخبۃ الفکر مع شرح ملا علی القاری ص159، مقدمہ فی اصول الحدیث لعبد الحق الدہلوی ص67)

کہ بدعتی راوی کی روایت اگر اس کی بدعت کی تائید کرتی ہو تو نا قابل قبول ہوتی ہے۔

جواب نمبر7:

خود غیر مقلدین کے فتاوی میں ہے: "یہ کہ مسلم کی یہ حدیث امام حازمی و تفسیر ابن جریر و ابن کثیر وغیرہ کی تحقیق سے ثابت ہے کہ یہ حدیث بظاہرہ کتاب و سنت صحیحہ و اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ ائمہ محدثین کے خلاف ہے لہذا حجت نہیں" (فتاوی ثنائیہ ج2 ص219)

جواب نمبر8:

صحیح مسلم میں روایت موجود ہے:

قال عطاء قدم جابر بن عبد الله معتمرا فجئناه فی منزله فسأله القوم عن أشياء ثم ذكروا المتعة فقال نعم استمتعنا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبی بكر وعمر. وفی رواية اخرى: حتى نهى عنه عمر.

(صحیح مسلم ج1 ص451 باب نكاح المتعة وبيان أنه أبيح ثم نسخ ثم أبيح ثم نسخ واستقر تحريمه إلى يوم القيامة)

پس جو جواب اس جابر رضی اللہ عنہ کی متعۃ النساء کے جواز وعدم کا جواب ہے وہی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اگر اس کو بھی جائز مانتے ہو تو کیا متعۃ النساء کو بھی جائز مانو گے؟!

جواب نمبر9:

غیر مقلدین کا موقف ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک کہنے کا ہے لیکن صحیح مسلم کی اس روایت میں کہیں بھی "ایک مجلس" کا ذکر نہیں ہے۔ لہذا یہ غیر مقلدین کی دلیل بن ہی نہیں سکتی۔

دلیل نمبر2:

أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي بَعْضُ بَنِي أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- عَنْ عِكْرِمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَلَّقَ عَبْدُ يَزِيدَ -أَبُو رُكَانَةَ وَإِخْوَتِهِ- أُمَّ رُكَانَةَ وَنَكَحَ امْرَأَةً مِنْ مُزَيْنَةَ فَجَاءَتِ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- فَقَالَتْ مَا يُغْنِي عَنِّي إِلاَّ كَمَا تُغْنِي هَذِهِ الشَّعْرَةُ. لِشَعْرَةٍ أَخَذَتْهَا مِنْ رَأْسِهَا فَفَرِّقْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فَأَخَذَتِ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- حَمِيَّةٌ فَدَعَا بِرُكَانَةَ وَإِخْوَتِهِ ثُمَّ قَالَ لِجُلَسَائِهِ «أَتَرَوْنَ فُلاَنًا يُشْبِهُ مِنْهُ كَذَا وَكَذَا مِنْ عَبْدِ يَزِيدَ وَفُلاَنًا يُشْبِهُ مِنْهُ - كَذَا وَكَذَا». قَالُوا نَعَمْ. قَالَ النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- لِعَبْدِ يَزِيدَ «طَلِّقْهَا». فَفَعَلَ ثُمَّ قَالَ «رَاجِعِ امْرَأَتَكَ أُمَّ رُكَانَةَ وَإِخْوَتِهِ». فَقَالَ إِنِّي طَلَّقْتُهَا ثَلاَثًا يَا رَسُولَ اللَّهِ.

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

قَالَ «قَدْ عَلِمْتُ رَاجِعْهَا». وَتَلاَ (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ).

(سنن ابی داؤد ج1 ص316، 317 باب نَسْخِ الْمُرَاجَعَةِ بَعْدَ التَّطْلِيقَاتِ الثَّلاَثِ)

جواب:

اولاً...... اس کی سند میں "بَعْضُ بَنِي أَبِي رَافِعٍ" ہے جو کہ مجہول ہے، لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

(1) قال النووی: وأما الرواية التي رواها المخالفون أن ركانه طلق ثلاثا فجعلها واحدة فرواية ضعيفة عن قوم مجهولين.

(شرح صحیح مسلم: ج1 ص478)

(2) قال ابن حزم: ما نعلم لهم شيئا احتجوا به غير هذا و هذا لا يصح لانه عن غير مسمى من بنى ابى رافع و لا حجة فى مجهول.

(المحلی لابن حزم ج9 ص391)

ثانیاً...... حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں بجائے "تین طلاق" کے "طلاق بتہ" (تعلق ختم کرنے والی) کا لفظ ہے، یعنی انہوں نے طلاق بتہ دی تھی۔ چنانچہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ حضرت رکانہ کی اس روایت کو جس میں "بتہ" کا لفظ ہے، نقل کرکے فرماتے ہیں:

وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا لأَنَّهُمْ أَهْلُ بَيْتِهِ وَهُمْ أَعْلَمُ بِهِ.

(سنن ابی داؤد ج1 ص317)

کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت (جس میں "بتہ" کا لفظ ہے) ابن جریج کی روایت سے زیادہ صحیح ہے جس میں آتا ہے کہ انہوں نے تین طلاقیں دی تھیں، کیونکہ "بتہ" والی حدیث ان کے گھر والے بیان کرتے ہیں اور وہ اس کو زیادہ جانتے ہیں۔

قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

أثبت ما روى فى قصة ركانة أنه طلقها البتة لا ثلاثا.

(نیل الاوطار: ج6 ص245 باب ماجاء فی طلاق البتۃ وجمع الثلاث واختیار تفریقہا)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو "طلاق بتہ" دی تھی نہ کہ "تین طلاق" اور طلاق بتہ سے بھی صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ چونکہ طلاق بتہ میں ایک طلاق کی نیت کرنے کی بھی گنجائش ہوتی ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی اس نیت کی تصدیق فرمائی اور انہیں دوبارہ اس خاتون سے رجوع کی اجازت دے دی۔

الغرض فریق مخالف کی پیش کردہ روایت سخت ضعیف اور حد درجہ کمزور ہے۔ مزید یہ کہ اس سے تو تین طلاقوں کا ثبوت بھی نہیں ہوتا چہ جائیکہ تین کو ایک قرار دے کر پھر خاوند کو رجوع کا حق دیا جائے۔ لہذا صحیح، صریح روایات اور اجماعِ امت کے مقابلہ میں ایسی روایت پیش کرنا غلط، باطل اور انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

دلیل نمبر 3:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَلَّقَ رُكَانَةُ بْنُ عَبْدِ يَزِيدَ أَخُو الْمُطَّلِبِ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ فَحَزِنَ عَلَيْهَا حُزْنًا شَدِيدًا قَالَ فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا قَالَ طَلَّقْتُهَا ثَلاَثًا قَالَ فَقَالَ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ قَالَ فَرَجَعَهَا فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَرَى أَنَّمَا الطَّلاَقُ عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ. (مسند احمد ج1 ص347 رقم 2391)

جواب:

یہ روایت بھی قابل احتجاج نہیں۔

اولاً...... اس کی سند میں ایک راوی "محمد بن اسحاق" ہے جس پر ائمہ محدثین وغیرہ نے سخت جرح کر رکھی ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

(1) امام نسائی: ليس بالقوى. (الضعفاء والمتروکین للنسائی: ص201 رقم الترجمۃ 513)

(2) امام دار قطنی: لا يحتج به.

(3) امام سلیمان التیمی: كذاب.

(4) امام ہشام بن عروۃ: كذاب.

(5) امام یحیٰی القطان: أشهد أن محمد بن إسحاق كذاب.

(6) امام مالک: دجال من الدجاجلة. (میزان الاعتدال: ج4 ص47، 48)

وقال ایضاً: محمد بن إسحاق كذاب. (تاریخ بغداد: ج1 ص174)

(7) خطیب ابو بکر بغدادی: أما كلام مالك في بن إسحاق فمشهور غير خاف على أحد من أهل العلم بالحديث.

(تاریخ بغداد: ج1 ص174)

(8) علامہ شمس الدین ذہبی: أنه ليس بحجة في الحلال والحرام. (تذکرۃ الحفاظ: ج1 ص130)

(9) حافظ ابن حجر عسقلانی: وابن إسحاق لا يحتج بما ينفرد به من الأحكام فضلا عما إذا خالفه من هو أثبت منه.

(الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ لابن حجر العسقلانی: ج1 ص265 باب الاحرام)

☆نواب صدیق حسن خان غیر مقلد ایک سند کے بارے میں کہ جس میں محمد بن اسحاق واقع ہے، لکھتے ہیں:

در سندش ہمان محمد بن اسحاق است، و محمد بن اسحاق حجت نیست۔ (دلیل الطالب: ص239)

محمد بن اسحاق کا ضعیف، متکلم فیہ اور کذاب ہونا تو اپنی جگہ، مزید براں کہ اسے خطیب بغدادی، امام ذہبی اور امام ابن حجر رحمہم اللہ نے شیعہ بھی قرار دیا ہے۔ (تاریخ بغداد ج1 ص174، سیر اعلام النبلاء: ج7 ص23، تقریب: ص498 رقم 5725)

کتب شیعہ میں بھی اس کو شیعہ کہا گیا ہے۔ (رجال کشی: ص280، رجال طوسی ص281)

اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے: ان روى ما يقوى بدعته فيرد على المختار. (شرح نخبۃ الفکر مع شرح ملا علی القاری ص159)

کہ بدعتی راوی کی روایت اگر اس کی بدعت کی تائید کرتی ہو تو نا قابل قبول ہوتی ہے۔

چونکہ شیعہ حضرات کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاق ایک شمار ہوتی ہے (جیسا کہ باحوالہ گزرا) اور یہ روایت ان کے اس عمل کی تائید کرتی ہے۔ لہذا اصول مذکور کے تحت یہ روایت نا قابلِ قبول ہو گی۔

ثانیاً...... اس کی سند میں ایک دوسرا راوی "داؤد بن حصین" ہے۔ یہ بھی سخت مجروح اور متکلم فیہ راوی ہے۔

(1) امام ابو زرعہ: لين.

(2) امام سفیان ابن عیینہ: كنا نتقي حديثه.

(3) محدث عباس الدوری: كان داود بن الحصين عندي ضعيفا. (میزان الاعتدال: ج2 ص7)

(4) امام ابو حاتم الرازی: ليس بالقوى.

(5) امام ساجی: منكر الحديث.

(6) امام جوزجانی: لا يحمد الناس حديثه. (تہذیب التہذیب: ج2 ص349، 350)

(7، 8) امام ابو داؤد و امام علی بن المدینی: أحاديثه عن عكرمة مناكير. (میزان الاعتدال: ج2 ص7)

اور زیر بحث روایت بھی عکرمہ ہی سے مروی ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اس روایت میں تنہا محمد بن اسحاق ہوتا تو اس کے ضعیف اور نا قابلِ احتجاج ہونے کے لیے کافی تھا لیکن داؤد بن حصین نے اس کے ضعف کو مزید بڑھا کر اسے نا قابلِ حجت بنا دیا ہے۔

ثالثاً...... اصل بات یہ ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو "طلاق بتہ" دی تھی نہ کہ تین طلاق اور نیت بھی صرف ایک طلاق کی تھی، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ علامہ ابن رشد فرماتے ہیں:

وأن حديث ابن إسحاق وهم وإنما روى الثقات أنه طلق ركانة زوجه البتة لا ثلاثا. (بدایۃ المجتہد: ج2 ص61)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أن أبا داود رجح أن ركانة إنما طلق امرأته البتة كما أخرجه هو من طريق آل بيت ركانة وهو تعليل قوي

(فتح الباری: ج9 ص450 باب من جوز الطلاق الثلاث)

الحاصل فریق مخالف کی یہ روایت ضعیف و کذاب راویوں سے مروی ہے جو کہ صحیح، صریح روایات اور اجماعِ امت کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے۔

غیر مقلدین کے ایک شبہہ کا جائزہ

شبہہ:

بعض غیر مقلد یہ کہا کرتے ہیں (ملاحظہ وہ فتاویٰ ثنائیہ ج2 ص54 وغیرہ) کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اس فیصلے پر نادم تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ حکم شرعی بھی نہ تھا اور صحیح بھی نہ تھا ورنہ ندامت کا کیا مطلب؟! یہ حضرات ایک روایت بھی بیان کرتے ہیں:

قال الحافظ أبو بكر الاسماعيلي في مسند عمر : أخبرنا أبو يعلى : حدثنا صالح بن مالك : حدثنا خالد بن يزيد بن أبي مالك عن أبيه قال : قال عمر بن الخطاب رضي الله عنه : ما ندمت على شيء ندامتي على ثلاث : أن لا أكون حرمت الطلاق

(اغاثۃ اللہفان)

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے کسی چیز پر ایسی ندامت نہیں ہوئی جتنی تین چیزوں پر ہوئی ہے (ان میں سے ایک یہ ہے کہ) میں طلاق کو حرام قرار نہ دیتا الخ

جواب:

اولاً...... اس روایت میں دو راوی سخت مجروح ہیں:

1: خالد بن یزید بن ابی مالک

جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح راوی ہے۔

(1، 2) امام احمد بن حنبل و امام یحییٰ: لیس بشيء. [محض ہیچ ہے]

(3) امام نسائی: لیس بثقة. [وہ ثقہ نہیں ہے]

(4) امام دارقطنی: ضعیف. [وہ ضعیف ہے]

(5) امام ابن حبان: كان يخطئ كثيرا وفي حديثه مناكير لا يعجبني الاحتجاج به إذا انفرد عن أبيه. [کثرت سے خطا کر جاتا تھا اور اس کی حدیث میں ثقہ راویوں کی مخالفت ہوتی تھی۔ مجھے پسند نہیں کہ جب وہ اکیلا اپنے باپ سے روایت کرے تو میں اس کی روایت کو دلیل بناؤں]

(6) امام جرح و تعدیل امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

لم یرض أن یکذب علی أبیه حتی کذب علی أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم. [یہ صرف اسی بات پر راضی نہ ہوا کہ اپنے باپ ہی پر جھوٹ بولے حتیٰ کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی کذب بیانی شروع کر دی]

(7) امام ابو داؤد: ضعیف، متروك الحدیث [یہ ضعیف اور متروک الحدیث تھا]

(8- 10) امام ابن الجارود، امام ساجی، امام عقیلی: ان تینوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(تہذیب التہذیب لابن حجر ج2 ص301، 302، میزان الاعتدال للذہبی: ج1 ص594، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج1 ص251 رقم 1096)

2: یزید بن ابی مالک:

یہ لین الحدیث اور مدلس تھا، وہم کا شکار بھی تھا اور ان لوگوں سے روایت کرتا تھا جن سے ملاقات بھی ثابت نہیں۔

(کتاب المعرفۃ للفسوی ج1 ص354، میزان الاعتدال للذہبی ج4 ص401، المغنی فی الضعفاء ج2 ص543، التقریب لابن حجر: ص639 رقم 7748)

زیر نظر روایت میں یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہا ہے۔ اس کی پیدائش 60ھ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ 24ھ میں شہید ہوئے۔ گویا اس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی ثابت نہیں۔

ثانیاً...... زیر نظر منقطع روایت لین الحدیث، مجروح، ضعیف اور متروک الحدیث راویوں سے مروی ہونے کے ساتھ ساتھ مجمل بھی ہے، طلاق کی کسی قسم (ایک یا تین) کی تفصیل نہیں۔ لہٰذا اس سے استدلال باطل ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کے جوابات

افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

اعتراض نمبر 1: کنیت بیٹی کی وجہ سے ہے

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بیٹی تھی "حنیفہ"۔ اسی کی طرف نسبت کر کے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت "ابو حنیفہ" ہے۔

جواب:

امام صاحب کی کنیت نسبی نہیں بلکہ وصفی ہے جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کنیت "ابو تراب" اور حضرت عبد الرحمٰن بن صخر رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابو ھریرہ" نسبی نہیں بلکہ وصفی ہیں۔

محققین حضرات نے تصریح کی ہے کہ آپ کا صرف ایک بیٹا تھا حضرت حماد بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، اس کے علاوہ آپ کی کوئی اولاد نہیں۔ چنانچہ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس اعتراض کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قیل کانت لہ بنت یسمیٰ بذلك ورد بانہ لایعلم لہ ولد ذکر ولا انثیٰ غیر حماد.

(الخیرات الحسان لابن حجر المکی: ص 71 مترجم)

ترجمہ: یہ کہا گیا ہے کہ امام صاحب کی ایک بیٹی جس کی وجہ سے آپ کی کنیت "ابو حنیفہ" ہوئی۔ تو اس بات کا رد کیا گیا ہے کیونکہ آپ کی اولاد میں سوائے حماد کے اور کوئی بیٹا یا بیٹی تھی۔

علامہ ابن ندیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الفہرست" میں لکھتے ہیں:

وکان لہ من الولد حماد ویکنی ابا اسماعیل ومات بالکوفۃ.

(الفہرست لابن ندیم: ص255)

ترجمہ: آپ کی اولاد میں صرف حضرت حماد تھے جن کی کنیت ابو اسماعیل تھی، ان کا انتقال کوفہ میں ہوا۔

شیخ محمد قاسم بن عبدہ الحارثی فرماتے ہیں:

لانہ لایعلم لابی حنیفۃ ولد غیر ابنہ حماد.

(مکانۃ الامام ابی حنیفۃ بین المحدثین للحارثی: ص39)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سوائے حماد کے کوئی بیٹا نہیں۔

کنیت "ابو حنیفہ" کی وجہ:

1: قرآن پاک میں دین اسلام کا نام "دین حنیف" بتایا گیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔

فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا الآیۃ. (آل عمران:95)

ترجمہ: ابراہیم حنیف کی ملت کا اتباع کرو۔

عربی زبان میں "اب" کا معنی کبھی "باپ" ہوتا ہے اور کبھی اس کا معنی "والا" ہوتا ہے۔ تو کبھی "اب" کا معنی باپ ہوتا ہے... ابو القاسم یعنی قاسم کا باپ، ابو الزبیر یعنی زبیر کا باپ، اور کبھی "اب" کا معنی "والا" ہوتا ہے جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام عبد اللہ ہے اور ان کی کنیت "ابو بکر" ہے۔ اب ابو بکر کا معنی یہ نہیں کہ بکر کا باپ بلکہ اس کا معنی ہے "بکر والا"۔ عربی زبان میں بکرٌ کا معنی ہے "پہل کرنا"

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

چونکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ہر موقع پر پہل کی ہے تو کنیت "ابو بکر" پڑی ہے کہ پہل کرنے والا۔ چونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اس دین حنیف کی تدوین فرمائی ہے اس لیے اہل اسلام میں آپ کی کنیت "ابو حنیفہ" (ابو الملة الحنيفة) قرار پائی اور "حنیفہ" سے "حنفی" ایسا ہی ہے جیسے "مدینہ" سے "مدنی"۔

(شقائق النعمان للزمخشری بحوالہ سیرۃ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ص88)

2: قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا:

ما كان ابراهيم يهوديا ولا نصرانيا ولكن كان حنيفا مسلما ۔ (آل عمران:67)

ترجمہ: ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ نصرانی، بلکہ وہ حنیف (یکسو) مسلمان تھے۔

"حنیف" اسے کہتے ہیں جو ہر طرف سے کٹ کر اللہ کا ہو رہے۔ امام صاحب بھی ہر طرف سے کٹ کر اللہ کے ہو رہے تھے اس لیے آپ کو "ابو حنیفہ" کہا جاتا ہے۔ شیخ محمد قاسم الحارثی لکھتے ہیں:

واما عن كنيته [ابي حنيفة] فقد قالوا: ان حنيفة مونث حنيف وهو الناسك المسلم الذى مال عن الدنيا الى الحق، لان الحنيف فى الاصل الميل۔

(مکانۃ الامام ابی حنیفہ بین المحدثین للحارثی ص39)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت کے بارے میں یہ کہا کہ "حنیفہ" لفظ "حنیف" کا مونث ہے اور حنیف عبادت گزار مسلمان کو کہتے ہیں جو دنیا چھوڑ کر حق کی طرف مائل ہوا ہو کیونکہ "حنف" کا اصل میں معنیٰ "میلان کرنا" ہے۔

3: حنیفہ عربی زبان میں دوات کو بھی کہتے ہیں۔ امام صاحب کی مجلس میں اس قدر دواتیں اور قلمیں ہوتی تھیں کہ امام صاحب بولتے رہتے اور شاگرد لکھتے رہتے۔ اس کثرت دوات کی وجہ سے کہا گیا "ابو حنیفہ" یعنی دوات والا۔

(الخیرات الحسان لابن حجر المکی)

اعتراض نمبر 2: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی نہیں ہیں

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی نہیں ہیں۔ بقولِ امام کردری رحمہ اللہ "جماعة من المحدثين انكروا ملاقاته مع الصحابة رضى الله عنهم اجمعين" (تنسیق النظام: ص10)

کہ محدثین کی ایک جماعت نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ملاقات کا انکار کیا ہے۔

جواب:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تابعی ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔ قبل اس سے کہ آپ کا تابعی ہونا مستند و معتبر ذرائع سے ثابت کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کی آراء کو ذکر کیا جائے جن سے واضح ہوتا ہے کہ تابعی بننے کے لیے صحابی کی محض زیارت و ملاقات کافی ہے، طویل زمانہ صحبت شرط نہیں۔

1: امام ابو الفضل زین الدین العراقی (ت806ھ) لکھتے ہیں:

الراجح الذى عليه العمل قول الحاكم وغيره فى الإكتفاء بمجرد الرؤية دون اشتراط الصحبة وعليه يدل عمل أئمة الحديث مسلم بن الحجاج وأبى حاتم بن حبان وأبى عبد الله الحاكم وعبد الغنى بن سعيد وغيرهم ۔ (التقیید والایضاح: ص300)

ترجمہ: تابعی کی راجح تعریف وہ ہے جو امام حاکم نے کی ہے کہ تابعی بننے کے لیے صحابی کی زیارت کافی ہے، اس کی صحبت شرط نہیں۔ یہی موقف ائمہ حدیث مثلاً امام مسلم، امام ابو حاتم بن حبان، امام ابو عبد اللہ الحاکم، امام عبد الغنی المقدسی وغیرہ کا ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

2:حافظ ابن حجر عسقلانی (ت852ھ) فرماتے ہیں:

التابعي وهو: مَن لِقِيَ الصحابي...... وهذا هو المختارُ خلافاً لمن اشترط فى التابعي طول الملازمة أو صحة السماع. (شرح نخبۃ الفکر:ص134)

ترجمہ: تابعی وہ ہے جو صحابی سے ملاقات کرے۔ یہی موقف ان لوگوں کے موقف سے مختار (راجح) ہے جو تابعی کے لیے شرط لگاتے ہیں کہ اسے صحابی سے لمبا عرصہ کی صحبت اور حدیث کا صحیح سماع حاصل ہو۔

3:علامہ عبد الحئی لکھنوی (ت1304ھ) جمہور حضرات کے ہاں تابعی کی تعریف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم اعلم ان جمهور علماء اصول الحديث على ان الرجل بمجرد اللقى و الرؤية للصحابي يصير تابعياً. (اقامۃ الحجۃ:ص29)

ترجمہ: جمہور علماء اصول حدیث کا موقف یہ ہے کہ آدمی صحابی سے صرف ملاقات اور اس کی زیارت سے تابعی بن جاتا ہے۔

ائمہ فن کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ صحابی سے محض ملاقات یا اسے دیکھ لینے سے انسان تابعی بن جاتا ہے۔ تابعیت کے لیے صحبت و روایت شرط نہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں واضح روایات ملتی ہیں کہ آپ رحمہ اللہ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے۔ ان روایات میں رایتُ [میں نے دیکھا] سمعتُ [میں نے سنا] وغیرہ کے الفاظ آپ کی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات ثابت کرتے ہیں۔ ذیل میں چند روایات نقل کی جاتی ہیں:

[1]: امام موفق المکی نے امام محمد بن عمر الجعابی (م355ھ) کی سند سے روایت کیا ہے:

عن ابی حنيفة قال رايت انس بن مالك فى المسجد قائما يصلى.

(مناقب موفق المکی: ج1 ص24، 25، مسند ابی حنیفہ لابی نعیم: ص24)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا۔

[2]: امام ابو نعیم اصبہانی (م430ھ) اپنی سند سے روایت کرتے ہیں:

عن ابی حنيفة سمعت انس بن مالك يقول: سمعت رسول صلى الله عليه وسلم الحديث

(مسند ابی حنیفۃ لابی نعیم: ص24)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا۔

اس کے علاوہ ائمہ محدثین نے بھی آپ کا تابعی ہونا واضح طور پر بیان کیا ہے۔

[1]: محمد بن اسحاق المعروف بابن ندیم (م380ھ):

و كان من التابعين لقى عدة من الصحابة. (الفہرست لابن ندیم: ص342)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ تابعین میں سے تھے، آپ نے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے۔

[2]: امام ابن عبد البر المالکی (م463ھ):

قال أبو عمر: ذكر محمد بن سعد كاتب الواقدي أن أبا حنيفة رأى أنس بن مالك، وعبد الله بن الحارث بن جزء.

(جامع بیان العلم وفضلہ: ص54)

ترجمہ: ابو عمر ابن عبد البر کہتے ہیں: محمد بن سعد جو امام واقدی کے کاتب ہیں، فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس اور حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جزء رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

[3]: علامہ شمس الدین ذہبی (م748ھ):

رأى أنس بن مالك غير مرة لما قدم عليهم الكوفة.

(تذکرۃ الحفاظ: ج1 ص126، الکاشف: ج3 ص191)

ترجمہ: آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کئی مرتبہ زیارت کی جب وہ کوفہ تشریف لاتے۔

[4]: حافظ ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر شافعی (م774ھ):

لانه أدرك عصر الصحابة، ورأى أنس بن مالك.

(البدایۃ والنہایۃ: ج5 ص527)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا ہے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے۔

[5]: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی (م852ھ):

رأى انسا. (تہذیب التہذیب: ج6 ص55)

ترجمہ: امام صاحب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔

[6]: علامہ بدر الدین عینی حنفی (م855ھ):

ابن أبي أوفى اسمه عبد الله... وهو أحد من رآه أبو حنيفة من الصحابة.

(عمدۃ القاری: ج2 ص505)

ترجمہ: حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کا نام "عبد اللہ" ہے، یہ ان صحابہ میں سے ہیں جن کو امام ابو حنیفہ نے دیکھا ہے۔

[7]: امام ابن العماد حنبلی رحمہ اللہ (م1089ھ):

رأى أنساً وغيره. (شذرات الذہب: ج1 ص372)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے۔

اعتراض نمبر 3: روایت عن الصحابۃ ثابت نہیں

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی روایت بھی ثابت نہیں۔ " لم تصح له رواية عن احد من الصحابة رضی الله عنهم "[از شیخ ولی الدین العراقی] اور "لا رواية له عن احد من الصحابة "[از علامہ السخاوی] وغیرہ تصریحات محدثین اس پر شاہد ہیں۔

جواب:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی روایات حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہیں اور اسانید صحیحہ سے ثابت ہیں جن کے راوی ثقات و معتمد ہیں، لہٰذا عدمِ روایت کا قول درست نہیں۔ چند روایات پیش خدمت ہیں:

1: حافظ ابو نعیم الاصبہانی، امام ابو عبد اللہ صیمری، امام موفق بن احمد مکی اور امام محمد بن محمود خوارزمی رحمہم اللہ نے اپنی اسناد سے امام ابو یوسف القاضی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال سمعت انس بن مالك رضی الله عنه يقول سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم... وفي رواية : قال ابو حنيفة سالت انس بن مالك رضی الله عنه الحديث

(مسند ابی حنیفۃ لابی نعیم ص24، اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ للصمیری ص4 ص5، مناقب الموفق المکی ج1 ص26، مقدمہ جامع المسانید للخوارزمی ص23)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا.... ایک روایت میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔

2: فقیہ و قاضی ابو عبد اللہ حسین بن علی الصیمری (م436ھ) اپنی سند سے بیان کرتے ہیں:

عن ابی حنیفة انه قال حججت مع أبی سنة ست وتسعین ولی ست عشرة سنة فإذا انا بشیخ قد اجتمع الناس علیه فقلت لأبی من هذا الرجل؟ فقال هذا رجل قد صحب محمداً صلی الله علیه وسلم یقال له عبد الله بن الحارث بن جزء، قلت لأبی: أی شیء عنده؟ قال: أحادیث سمعها من النبی صلی الله علیه وسلم فقلت: قدمنی إلیه حتی اسمع منه فتقدم بین یدی فجعل یفرج عنی الناس حتی دنوت منه فسمعته یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: من تفقه فی دین الله کفاه الله همه ورزقه من حیث لا یحتسب.

(اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ للصیمری: ص18)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ 96ھ میں میں نے اپنے والد صاحب کے ساتھ حج کیا، اس وقت میری عمر سولہ سال تھی۔ میری نظر ایک شیخ پر پڑی جس کے گرد لوگوں کا ہجوم تھا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ جواب دیا: یہ وہ شخص ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہے، ان کا نام "عبد اللہ بن حارث بن جزء" ہے۔ میں نے کہا: ان کے پاس کیا ہے؟ جواب دیا کہ ان کے پاس احادیث ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں ۔ میں نے کہا: مجھے آگے لے چلیے تاکہ میں ان سے احادیث سنوں۔ میرے والد نے لوگوں کو ہٹا کر مجھے قریب کیا تو میں نے سنا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو اللہ کے دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتا ہے اللہ اس کی ضروریات کے خود کفیل بن جاتے ہیں اور اسے وہاں سے رزق دیتے ہیں جہاں سے اس گمان بھی نہیں ہوتا۔

3 : امام محمد بن الحسن الشیبانی (م189ھ) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں:

اخبرنا ابو حنیفة قال حدثنا عبد الله بن ابی حبیبة قال سمعت ابا الدرداء یقول کنت ردیف رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: یا ابا الدرداء! من شهد ان لا اله الا الله مخلصاً وجبت له الجنة.

(کتاب الآثار بروایۃ محمد: ص77 رقم الحدیث 373، مسند ابی حنیفۃ لابی نعیم: ص175)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عبد اللہ بن ابی حبیبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابو الدرداء سے سنا، فرمارہے تھے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا تھا۔ آپ نے فرمایا: اے ابو الدرداء! جس شخص نے اخلاص کے ساتھ "لا الہ الا اللہ" کی گواہی دی تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔

حضرت عبد اللہ بن ابی حبیبہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

عبد الله بن أبی حبیبة واسمه الأدرع بن الأزعر... قال بن أبی داؤد شهد الحدیبیة وذکره البخاری وابن حبان وغیرهما فی الصحابة وقال البغوی کان یسکن قباء. (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ج2 ص1029 رقم الترجمۃ 4622)

ترجمہ: عبد اللہ بن ابی حبیبہ کا نام الادرع بن الازعر ہے۔ ابن ابی داؤد فرماتے ہیں کہ یہ صلح حدیبیہ میں موجود تھے۔ امام بخاری، علامہ ابن حبان وغیرہ نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں کہ یہ مقام قباء میں رہتے تھے۔

دیگر حضرات نے بھی انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے۔

(دیکھیے طبقات ابن سعد ج8 ص334، معجم الصحابۃ لابن قانع: ج2 ص92، تاریخ الصحابۃ لابن حبان: ص157، اسد الغابہ لابن اثیر ج3 ص115)

تنبیہ: مسند ابی حنیفۃ لابی نعیم میں ان صحابی کا نام "عبد الله بن ابی حنیفة" غلط چھپ گیا ہے، صحیح "عبد الله بن ابی حبیبة" ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

4 : امام الجرح والتعدیل ابوزکریا یحیٰ بن معین رحمہ اللہ م 233ھ سے بسند روایت ہے:

ان ابا حنیفة صاحب الرای سمع عائشة بنت عجرد رضی الله عنها تقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم: اکثر جندالله فی الارض الجراد لا آکله ولا احرمه.

(مناقب موفق المکی ج1 ص31، لسان المیزان لابن حجر ج3 ص227، تاریخ ابن معین روایۃ الدوری ج3 ص480)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ صاحب الرائے نے حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ لشکر زمین میں ٹڈی ہے، نہ میں اسے کھاتا ہوں نہ حرام بتاتا ہوں۔

ان واضح اور صحیح روایات میں صیغ تحدیث اور سماع وغیرہ سے امام صاحب کی روایت عن الصحابۃ رضی اللہ عنھم ثابت ہے، نیز محققین حضرات بھی آپ رحمہ اللہ کی سماع کی تصریح کرتے ہیں، مثلا:

[1]: ابو القاسم علی بن کاس النخعی (م324ھ):

ومن فضائله-ای ابی حنیفة-انه روی عن اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم، فان العلماء اتفقوا علی ذلك.

(رسالۃ فی مناقب الائمۃ الاربعۃ بحوالہ مقدمۃ مسند ابی حنیفۃ لابی نعیم: ص132)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنھم سے روایت کی ہے، اس پر علماء کا اتفاق ہے۔

[2]: امام ابو معشر عبد الکریم الطبری المقری الشافعی (م478ھ):

قد الف الامام ابو معشر عبد الکریم بن عبد الصمد الطبری المقری الشافعی جزءا فیما رواه الامام ابو حنیفة عن الصحابة، ذکر فیه: قال ابو حنیفة لقیت من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم سبعة الخ

(تبییض الصحیفۃ للسیوطی: ص61)

ترجمہ: امام ابو معشر عبد الکریم بن عبد الصمد الطبری المقری الشافعی نے ایک جزء جمع کیا ہے جس میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی وہ روایات لائے ہیں جو امام صاحب نے صحابہ رضی اللہ عنھم سے روایت کی ہیں، اس جزء میں یہ مذکور ہے: امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے سات حضرات سے ملا ہوں الخ۔ (پھر ان سات کے نام بھی ذکر کیے ہیں)

اور بتصریح علامہ حسن سنبھلی اس جزء میں انہوں نے روایات پر کسی قسم کی جرح وقدح نہیں کی۔ (تنسیق النظام: ص11)

[3]: سلطان المحدثین ملا علی قاری رحمہ اللہ م1014ھ نے مناقب الامام میں لکھا ہے:

واختلف فی روایته عنهم والمعتمد ثبوتها کما بینته فی مسند الامام حال اسناده الخ

(ذیل الجواہر المضیۃ: ج2 ص452)

ترجمہ: امام صاحب رحمہ اللہ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے روایت میں (اگرچہ) اختلاف کیا گیا ہے لیکن پختہ و معتمد بات یہ ہے کہ روایت ثابت ہے جیسا کہ میں نے مسند الامام میں ان روایات کی اسناد کا حال بیان کر دیا ہے۔

[4]: علامہ حسن سنبھلی (م1305ھ):

والثانی: مقام روایته-ای ابی حنیفة-عن بعض الصحابة وهو ایضاً ثابت عند ارباب الانصاف بوجوه.

(تنسیق النظام: ص11)

ترجمہ: دوسری بات امام صاحب کی بعض صحابہ رضی اللہ عنھم سے حدیث روایت کرنے کا مقام ہے اور ارباب انصاف کے ہاں یہ بات کئی وجوہ سے ثابت ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

پھر متعدد وجوہ سے اس دعوی روایت کو ثابت بھی کیا ہے جو قابلِ دید ہے۔

[5]: علامہ قرشی رحمہ اللہ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء بھی ذکر کیے ہیں جن سے امام اعظم رحمہ اللہ نے روایت لی ہے جیسا کہ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے۔(التعلیق علی القواعد ص307)

اعتراض نمبر4: حدیث میں یتیم تھے

امام عبد اللہ بن مبارک کا قول ہے کہ انہوں نے فرمایا: کان ابو حنیفۃ یتیماً فی الحدیث.

(تاریخ بغداد: ج11 ص292)

کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں "یتیم" تھے۔ محمد یوسف جے پوری نے یہی اعتراض "قیام اللیل" کے حوالے سے نقل کیاہے۔(حقیقۃ الفقہ: ص118)

جواب:

"یتیما فی الحدیث" کا کلمہ تنقیص اور جرح کے لیے نہیں بلکہ کلمہ مدح ہے کیونکہ محاورہ میں "یتیم" کے معنی یکتا، منفرد اور بے مثل کے بھی آتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں!!!

"کل شئ مفرد یعنی نظیرہ فھو یتیم یقال درۃ یتیمۃ"

(الصحاح للجوہری: ج5 ص342، مختار الصحاح للرازی: ج1 ص745)

ترجمہ: ہر وہ اکیلی چیز جس کی مثال کمیاب ہو "یتیم" ہے جیسے کہا جاتا ہے درۃ یتیمۃ (نایاب موتی)

باقی امام عبد اللہ بن مبارک تو امام ابو حنیفہ کے ایسے مداح ہیں کہ ان کی زبان مبارک سے امام صاحب کے بارے میں ہمیشہ مدح اور منقبت ہی صادر ہوئی ہے۔ مثلاً وہ خود فرماتے ہیں کہ

"افقہ الناس ابو حنیفۃ ما رایت فی الفقہ مثلہ"

(تہذیب التہذیب لابن حجر: ج6 ص559، ص560)

ترجمہ: لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ ابو حنیفہ ہیں، میں نے فقہ میں ان کی مثل کسی کو نہیں دیکھا۔

یہی امام عبد اللہ بن مبارک یہ بھی فرماتے ہیں کہ

"لولا ان اللہ تعالیٰ اغاثنی بابی حنیفۃ وسفیان کنت کسائر الناس۔"

(تہذیب التہذیب لابن حجر: ج6 ص559، ص560)

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ اور امام سفیان کے ذریعہ میری مدد نہ کرتا تو میں عام لوگوں کی طرح ہوتا۔

امام ابو حنیفہ کی مزید مدح کرتے ہوئے امام عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

"ان کان الاثر قد عرف واحتیج الی الرائ ، فرای مالك وسفیان وابی حنیفۃ وابوحنیفہ احسنھم وادقھم فطنۃ واغوصھم علی الفقہ وھوافقہ الثلاثۃ۔"

(تاریخ بغداد: ج11 ص244)

ترجمہ: اگر اثر (حدیث) میں فقہ کی ضرورت پیش آئے تو اس میں امام مالک امام سفیان اور امام ابو حنیفہ کی رائے معتبر ہوگی۔ امام ابو حنیفہ ان سب میں عمدہ اور دقیق سمجھ کے مالک ہیں فقہ کی باریکیوں میں گہری نظر رکھنے والے اور تینوں میں بڑے فقیہ ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بلکہ امام ابو حنیفہ پر ناز کرتے ہوئے عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ

"ھاتوا فی العلماء مثل ابی حنیفۃ والا فدعونا ولا تعذبونا "

(مناقب الموفق المکی: ج2ص52)

ترجمہ: علماء میں امام ابو حنیفہ کی مثل لائو ورنہ ہمیں معاف رکھو اور کوفت نہ دو۔

ان کے علاوہ کئی اقوال امام صاحب کی منقبت وشان میں امام عبد اللہ بن مبارک میں مختلف کتب میں پائے جاتے ہیں۔ لہذا "یتیما فی الحدیث" سے جرح سمجھنا امام ابو بکر خطیب بغدادی کی غلطی ہے جسے مؤلف "حقیقۃ الفقہ" نے محض عناد کی وجہ پیش کیا ہے۔

اس کے علاوہ حافظ ابو الحسن احمد بن ایبک ابن الدمیاطی م749ھ کو قول نقل کر دیا جائے جو اس امر میں کافی ہے، فرماتے ہیں:

"ھذا بالمدح اشبہ منہ بالذم فان الناس قد قالوا درۃ یتیمۃ اذا کانت معدودۃ المثل وھذا اللفظ متداول للمدح لا نعلم احدا قال بخلاف۔ وقیل؛ یتیم دھرہ وفرید عصرہ وانما فھم الخطیب قصر عن ادراک مالا یجھلہ عوام الناس۔"

(المستفاد من ذیل تاریخ بغداد: ج2ص93)

ترجمہ: "یتیما فی الحدیث" کا لفظ مدح کے زیادہ مشابہ ہے نہ کہ ذم کے کیونکہ عام طور پر جب کسی چیز کی مثالیں کم ملتی ہو تو لوگ "درۃ یتیمۃ" کا لفظ بولتے رہتے ہیں اور یہ لفظ عام طور پر رائج ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ کسی نے اس میں اختلاف کیا ہو جیسا کہ یتیم دھر اور فرید عصر وغیرہ الفاظ بولے جاتے ہیں خطیب بغدادی کی فہم اس بات کو سمجھنے سے قاصر رہی جس سے عوام بھی بے خبر نہیں۔

اعتراض نمبر5: عربیت میں کمزور تھے

محمد یوسف جے پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"تاریخ ابن خلکان مطبوعہ ایران جلد 2 ص296 میں ہے کہ: وقد ذکر الخطیب فی تاریخہ منھا شیئا کثیرا ثم اعقب ذلک بذکر ماکان الالیق ترکہ والاضراب عنہ فمثل ھذا الامام لایشان فی دینہ ولا فی ورعہ وتحفظہ ولم یکن یعاب بشیئ سوی قلۃ العربیۃ۔ ترجمہ: خطیب نے اپنی تاریخ میں مناقب میں سے بہت بیان کر کے معائب بیان کئے ہیں جن کا ذکر نہ کرنا مناسب تھا کیونکہ ایسا بڑا امام جس کی دیانت اور ورع میں کوئی طعنہ نہیں، ان کی ذات میں سوائے عربیت کی کمی کے کوئی عیب نہ تھا۔"

اس کے بعد محمد یوسف جے پوری اپنا تبصرہ یوں بیان کرتے ہیں:

"چونکہ اس زمانہ میں احادیث کے تراجم تو ہوئے ہی نہ تھے، اس لئے امام صاحب کی قلت عربیت حصولِ احادیث سے سد راہ ہوئی۔"

(حقیقۃ الفقہ از محمد یوسف غیر مقلد ص124 ص125)

جواب:

دراصل خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر قلتِ عربیت کا بے جا اعتراض کیا تھا تو امام ابن خلکان رحمہ اللہ نے اپنی "تاریخ" میں ان کے اس غلط طرز عمل پر تنقید کی ہے۔ تاریخ ابن خلکان کی مندرجہ بالا عبارت امام صاحب کے دفاع کے لیے پیش کی گئی تھی نہ کہ اعتراض کے طور پر لیکن مولف حقیقۃ الفقہ نے نہ پوری عبارت نقل کی اور نہ ہی صحیح ترجمہ کیا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ ابن خلکان بھی اس اعتراض میں خطیب کے ساتھ شریک ہیں۔ ہم ابن خلکان کی مکمل عبارت نقل کر دیتے ہیں تاکہ معاملہ خوب صاف ہو جائے۔ ابن خلکان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ومناقبہ وفضائلہ کثیرۃ وقد ذکر الخطیب فی تاریخہ منھا شیئاً کثیراً ثم أعقب ذلک بذکر ما کان الألیق فی ترکہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

والإضراب عنه، فمثل هذا الإمام لا يشك في دينه، ولا في روعه وتحفظه ، ولم يكن يعاب بشيء سوى قلة العربية، فمن ذلك ما روى أن أبا عمرو بن العلاء المقرىء النحوي - المقدم ذكره - سأله عن القتل بالمثل: هل يوجب القود أم لا فقال: لا، كما هو قاعدة مذهبه خلافاً للإمام الشافعي رضي الله عنه، فقال له أبو عمرو: ولو قتله بحجر المنجنيق، فقال: ولو قتله بأبا قبيس، يعني الجبل المطل على مكة حرسها الله تعالى. وقد اعتذروا عن أبي حنيفة بأنه قال ذلك على لغة من يقول: إن الكلمات الست المعربة بالحروف - وهي أبوه وأخوه وحموه وهنوه وفوه وذو مال - أن إعرابها يكون في الأحوال الثلاث بالألف، وأنشدوا في ذلك:

إن أباها وأبا وأباها ... قد بلغنا في المجد غايتاها

وهي لغة الكوفيين، وأبو حنيفة من أهل الكوفة، فهي لغته، والله أعلم.

(تاریخ ابن خلکان ج 5 ص 413)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فضائل و مناقب کثیر ہیں۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے امام صاحب کے بہت سارے مناقب اپنی تاریخ میں ذکر کیے، پھر ایسی باتیں بھی لائے جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض کرنا ہی مناسب تھا کیونکہ امام صاحب جیسی شخصیت کے متعلق نہ تو دیانت میں شبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے ورع و حفظ میں۔ آپ پر کوئی نکتہ چینی سوائے قلتِ عربیت کے نہیں کی گئی۔ قلت عربیت کے بارے میں مروی ہے کہ ابو عمرو بن علاء مقری، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، نے امام صاحب سے قتل بالمثقل (بھاری چیز سے قتل کرنا) کے بارے میں سوال کیا کہ آیا اس ست قصاص واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: نہیں، جیسا کہ آپ کے مذہب کا اصول ہے بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے۔ اس پر ابو عمرو نے کہا: اگرچہ منجنیق کے پتھر سے بھی قتل کیا ہو؟ (تو کیا پھر بھی قصاص نہ آئے گا؟) تو آپ نے فرمایا: "ولو قتله بابا قبيس" یعنی اگرچہ ابو قبیس پہاڑ سے ہی کیوں نہ قتل کیا ہو۔ جبل ابو قبیس سے مکہ مکرمہ کا بلند پہاڑ مراد ہے۔ (امام صاحب نے یہاں "ولو قتله بابا قبيس" فرمایا۔ اسی پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ لغت کے اعتبار سے "ولو قتله بابي قبيس" ہونا چاہیے تھا) علماء کرام رحمہم اللہ نے حضرت امام رحمہ اللہ کی جانب سے اس کا یہ جواب دیا کہ امام صاحب نے یہ بات ان لوگوں کی لغت کے مطابق کہی جو اس بات کے قائل ہیں کہ کلمات ستہ معربہ بالحروف یعنی ابوه، اخوه، حموه، هنوه، فوه اور ذومال، ان کا اعراب تینوں حالتوں میں الف کے ساتھ ہوتا ہے، بطور دلیل وہ یہ شعر پیش کرتے ہیں:

"بے شک اس کا باپ اور دادا دونوں بزرگی میں اعلیٰ مقام کو پہنچ گئے" یہ کوفہ والوں کی لغت ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اہل کوفہ میں سے تھے پس یہ آپ کی لغت ہے۔

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ مورخ ابن خلکان رحمہ اللہ نے جہاں امام صاحب کے مناقب و فضائل بیان کیے وہاں قلتِ عربیت کا اعتراض بھی رفع کیا لیکن چونکہ مولف حقیقۃ الفقہ کے تعصبی مزاج کو یہ بات گراں تھی اس لیے تعریف والی عبارت چھوڑ دی، مزید یہ کہ باقی عبارت میں بھی قطع و برید سے کام لے کر ناقص عبارت نقل کر دی۔

واضح رہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جس ماحول میں نشو و نما پائی وہ علمی ماحول تھا۔ شہر کوفہ جہاں سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم رہ چکے تھے، ائمہ لغت و نحو سے بھرا پڑا تھا، بیشتر نحوی آپ کے تلامذہ تھے، لغت عربیہ اور نحو میں اعلیٰ مقام اور وسعت اطلاع کے پیش نظر ائمہ نحاۃ نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ علامہ زاہد بن الحسن الکوثری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حتی ان امثال ابی سعید السیرافی و ابی علی الفارسی و ابن جنی من ارکان العربیة الفوا کتبا فی شرح الفاظه فی باب الایمان تعجبا من اتساع دائرة اطلاعه فی اللغة العربیة.

(تانیب الخطیب للکوثری ص 26)

ترجمہ: حتی کہ ابو سعید السیرافی، ابو علی فارسی، ابن جنی جیسے ماہرین عربیت نے باب الایمان میں امام صاحب رحمہ اللہ کے الفاظِ عربیت کی شرح کے لیے کتابیں تالیف کیں، انھوں نے آپ کی لغت عربیہ میں وسعت اطلاع پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جس سند سے خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے یہ واقعہ ابراہیم حربی سے نقل کیا ہے وہ سند خود قابل اعتماد نہیں۔ (تانیب الخطیب ص26)

بالفرض اگر یہ صحیح بھی ہو تب بھی امام صاحب پر کوئی الزام نہیں کیونکہ عرب کے بہت سے قبائل مثلاً زبید، خثعم، ہمدان، کنانہ، بلعنبر، بطون من ربیعہ وغیرہ کے ہاں "اب" اور اسی طرح دیگر اسماء مکبرہ اگر مضاف ہوں تو تینوں حالتوں رفع، نصب اور جر میں ان کا اعراب ایک ہی رہتا ہے۔ (تانیب الخطیب ص22)

اسی قبیل کا ایک مشہور شعر ہے جو علامہ ابن خلکان نے بھی ذکر کیا ہے جو کہ مشہور شاعر روبۃ بن العجاج کا ہے:

ان اباھا وابا اباھا.... قد بلغا فی المجد غایتا ھا

(النحو المصفی لمحمد عید، شرح ابن عقیل ج1 ص51، شرح الاسمونی علی الالفیہ ج1 ص32)

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے "انت ابا جھل" (صحیح بخاری ج2 ص573 باب شھود الملائکۃ بدرا) کا فرمان ہے۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ بر تقدیر صحت امام صاحب کا یہ کلام "ولو رماہ باباقبیس" عرب لغات خصوصاً ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی لغت کی معرفت پر دلیل ہے جو کہ قابل ستائش ہے نہ کہ قابلِ اعتراض۔

اعتراض 6: قلیل الحدیث تھے

آپ [امام صاحب] کا اور آپ کے متعلقین کا پایہ حدیث میں کسی قدر گرا ہوا ضرور معلوم ہوتا ہے جس سے مذہب اثر لیے بغیر نہیں رہ سکتا... تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ "فابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ یقال بلغت روایتہ الی سبعۃ عشر حدیثا" امام ابو حنیفہ کی نسبت کہا گیا ہے کہ ان کو سترہ حدیثیں پہونچی ہیں۔

(حقیقۃ الفقہ ص118 از محمد یوسف غیر مقلد و دیگر کتب غیر مقلدین)

جواب:

علامہ عبد الرحمٰن بن محمد ابن خلدون رحمہ اللہ م808ھ نے کسی مجہول شخص کا قول نقل کیا ہے، خود لفظ "یقال" سے تعبیر کرنے میں اس کے غلط و باطل ہونے کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔ مزید یہ کہ صراحت سے اس طرح کے اقوال کا رد بھی فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

وقد تقول بعض المبغضين المتعسفين إلى أن منهم من كان قليل البضاعة فى الحديث فلهذا قلت روايته ولا سبيل إلى هذا المعتقد فى كبار الائمة لان الشريعة إنما تؤخذ من الكتاب والسنة.

(تاریخ ابن خلدون ج1 ص444)

ترجمہ: بعض مبغض و متعصب لوگوں نے بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان کے پاس حدیث کا سرمایہ بہت کم تھا، اسی وجہ سے ان کی روایتیں بہت کم ہیں۔ کبار ائمہ کی شان میں اس قسم کی بدگمانی رکھنے کی کوئی (معقول) وجہ نہیں کیونکہ شریعت قرآن و حدیث سے لی جاتی ہے۔

اس صراحت سے معلوم ہوا کہ سترہ حدیثیں روایت کرنے کا الزام وغیرہ محض متعصبین کا ہے، ائمہ حضرات کے دامن اس جیسے الزام سے بری ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اپنے وقت کے فقیہ ہیں بلکہ جید فقہاء و محدثین آپ کے شاگرد ہیں۔ فقیہ احادیث کے معانی و مفاہیم محدث سے زیادہ جانتا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں:

كذلك قال الفقهاء وهم اعلم بمعانی الاحاديث. (جامع الترمذی ج1 ص193 باب غسل المیت)

ترجمہ: حضرات فقہاء کرام رحمھم اللہ عنھم نے بھی اسی طرح فرمایا ہے اور وہ احادیث کے معانی زیادہ جانتے ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جس شخصیت کا فقیہ بلکہ افقہ الناس ہونا مسلم ہو اس کے بارے میں کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ حدیث سے تہی دامن تھا اور محض سترہ حدیثوں کا عارف تھا (یعنی حدیث کے معانی و مفاہیم تو محدثین سے بھی زیادہ جانتا ہو لیکن حدیث نہ جانتا ہو) فوا اسفا

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صحیح روایات و اسانید سے مروی اخبار و آثار بیان کر دیئے جائیں جن سے امام صاحب کی حدیث میں وسعت اطلاع، وفور علم اور جلالت شان معلوم ہو۔

1: امام ابو عبد اللہ الصیمری رحمہ اللہ اور امام موفق بن احمد المکی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے امام حسن بن صالح سے روایت کیا ہے:

كان ابو حنيفة شديد الفحص عن الناسخ من الحديث المنسوخ و يعمل بالحديث اذا ثبتت عنده عن النبي صلى الله عليه وسلم و عن الصحابة و كان عارفا بحديث اهل الكوفة... كان حافظا لفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم الاخير.

(اخبار ابی حنیفۃ للصیمری ص 11، مناقب موفق المکی: ج 1 ص 89 ص 90)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ناسخ منسوخ احادیث کے پہچان میں بہت مہارت رکھتے تھے، حدیث جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے اصحاب سے ثابت ہو تو اس پر عمل کرتے تھے اور اہل کوفہ (جو اس وقت حدیث کا مرکز تھا) کی احادیث کے عارف تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کے حافظ تھے۔

2: امام موفق بن احمد المکی رحمہ اللہ سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فربما وجدت الحديثين او الثلاثة فأتيه بها فمنها ما يقبله و منها ما يرده فيقول: هذا ليس بصحيح او ليس بمعروف. فاقول له: وما علمك بذلك؟ فيقول ان اعلم بعلم اهل الكوفة.

(مناقب الموفق ج 2 ص 151 ص 152، مناقب کردری ج 2 ص 103)

ترجمہ: (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی تقویت میں) کبھی مجھے دو احادیث ملتی اور کبھی تین۔ میں انہیں امام صاحب کے پاس لاتا تو آپ بعض کو قبول کرتے بعض کو نہیں، اور فرماتے کہ یہ حدیث صحیح نہیں یا معروف نہیں، تو میں عرض کرتا حضرت آپ کو کیسے پتہ چلا؟ تو فرماتے کہ میں اہل کوفہ کے علم کو جانتا ہوں۔

3: امام یحیی بن نصر بن حاجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

دخلت على ابي حنيفة في بيت مملو كتبا فقلت ما هذه؟ قال هذه احاديث كلها وما حدثت به الا اليسير الذي ينتفع به. واللفظ لابي نعيم.

(مناقب ابی حنیفہ للنیسابوری بحوالہ مناقب کردری ج 1 ص 151، مسند ابی حنیفہ للابی نعیم بحوالہ الجوہر المنیفہ للزبیدی ص 31، مناقب موفق المکی ج 1 ص 95 ص 96)

ترجمہ: میں امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کا گھر کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا: یہ کیا ہیں؟ فرمایا: یہ ساری احادیث (کی کتابیں) ہیں، میں ان سے وہ بیان کرتا ہوں جن سے (عوام) کو نفع ہو۔

4: امام حافظ اسماعیل العجلونی الشافعی رحمہ اللہ م 1162ھ فرماتے ہیں:

(ابو حنيفة رحمه الله) فهو رضي الله عنه حافظ حجة فقيه.

(عقد الجوہر الثمین للعجلونی ص 4، 5)

یاد رہے کہ اس قول میں امام صاحب کو "حافظ" اور "حجہ" کہا گیا ہے۔ حافظ ایک لاکھ احادیث کو سند و متن و احوال رواۃ کے جاننے والے کو کہتے ہیں اور حجۃ تین لاکھ حدیثوں کے حافظ کو کہتے ہیں۔

(قواعد فی علوم الحدیث للعثمانی ص 29)

5: امام محمد بن سماع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام تصانیف میں ستر ہزار سے کچھ اوپر احادیث ذکر کی ہیں

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اور اپنی کتاب الآثار چالیس ہزار احادیث سے انتخاب کر کے لکھی ہے۔

(مناقب کردری ج1 ص151، ذیل الجواہر المضئیہ لعلی القاری ج2 ص474)

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رحمہ اللہ پر قلت حدیث کا الزام غلط محض ہے۔ آپ کثیر الحدیث تھے اور اصطلاح محدثین میں حافظ اور حجت تھے۔

اعتراض نمبر7: ضعیف اور سیئ الحفظ تھے، مجروح تھے

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں ضعیف تھے۔ حقیقۃ الفقہ میں ہے:

"میزان الاعتدال مطبوعہ مصر ج3 ص237 میں ہے کہ "النعمان بن ثابت بن زوطی ابو حنیفة الکوفی امام اهل الرآء ضعفه النسائی من جهة حفظه و ابن عدی و آخرون" نعمان بن ثابت بن زوطی ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کوئی قیاس والوں کے امام ہیں ان کو نسائی اور ابن عدی اور دیگر علماء نے حافظہ کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ کتاب الضعفاء والمتروکین امام نسائی مطبوعہ انوار احمدی ص35 میں ہے کہ "ابو حنیفة لیس بالقوی فی الحدیث وهو کثیر الغلط و الخطاء علی قلة روایة " امام ابو حنیفہ حدیث میں قوی نہیں ہیں، بہت غلطی اور خطاء کرنے والے کمی روایت (حدیث) کی وجہ سے۔"

(حقیقۃ الفقہ از مولوی محمد یوسف جے پوری غیر مقلد ص129 ص130)

جواب:

بطور تمہید چند قواعد واصول جاننا ضروری ہے۔

1 : جرح مفسر ہی مقبول ہے:

لا یقبل الجرح الا مفسرا و لیس قول اصحاب الحدیث "فلان ضعیف" و "فلان لیس بشئ" مما یوجب جرحه و رد خبره و انما کان کذلك لان الناس اختلفوا فیما یفسق به فلا به من ذکر سببه لینظر هل هو فسق ام لا؟

(الکفایۃ فی علم الروایہ ص108)

ترجمہ: جرح مفسر ہی مقبول ہے۔ اصحاب حدیث کا یہ قول کہ " فلان ضعیف " ہے " فلان کی کچھ حیثیت نہیں " ایسے اقوال ہیں جو جرح کو واجب نہیں کرتے اور نہ اس راوی کی خبر کو رد کرتے ہیں۔ یہ اس لئے کیونکہ لوگ فسق کے سبب میں مختلف ہیں تو ضروری ہے کہ سبب بیان کیا جائے تاکہ پتا چلے کہ وہ سببِ فسق ہے یا نہیں؟

2 : تعصب وعداوت پر مبنی جرح مردود ہے:

الجرح اذا صدر من تعصب او عداوة او منافرة او نحو ذالك، فهو جرح مردود ولا یومن به الا المطرود.

(الرفع والتکمیل للکھنوی ص409)

ترجمہ: راوی پر جرح اگر تعصب، دشمنی، منافرت یا اس قسم کے اسباب کی بناپر ہو تو وہ مردود ہوتی ہے۔ اس کو صرف گرا پڑا آدمی ہی قبول کر سکتا ہے۔

3: تعدیل بلا سبب بھی مقبول ہے:

یقنل التعدیل من غیر ذکر سببه علی الصحیح المشهور.

(تدریب الراوی للسیوطی: ج1 ص258)

ترجمہ: کسی کی تعدیل بیان کرنا بغیر سبب کے صحیح ومشہور قول کے مطابق مقبول ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

:4 جس امام کی امامت وعدالت متواتر ہو اس پر جرح مردود ہے۔

ومن ثبت عدالته لم يقبل فيه الجرح وما تسقط العدالة بالظن.

(ھدی الساری للابن حجر ص599 ص600)

و الصحيح فی هذا الباب ان من صحت عدالته و ثبتت فی العلم امانته و بانت ثقته و عنايته بالعلم لم يلتفت فيه الى قول احد.

(جامع بیان العلم لابن عبد البر ج2 ص186)

دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ جس شخصیت کی عدالت، امامت، علمی جلالت شان اور ثقاہت ثابت ہو اس پر کوئی جرح قابل قبول نہیں۔

ان اصول و قواعد کی روشنی میں فقہاء و محدثین کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں جنہوں نے امام صاحب کو عادل قرار دیا اور آپ کی عدالت، حفظ، فقاہت، اور ثقاہت بیان فرمائی، لہذا آپ پر کی گئی ہر جرح ساقط، نا قابل اعتبار اور مردود ہے۔

:1 امام ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

اما بعد فان طائفة ممن عنى بطلب العلم و حمله وعلم بما علمه الله عظيم بركته و فضله سألونی مجتمعين و مفترقين ان اذكر لهم من اخبار الائمة الثلاثة الذين طار ذكرهم فی آفاق الاسلام لما انتشر عنهم من علم الحلال و الحرام و هم ابو عبد الله مالك ابن انس الاصبحی المدنی و ابو عبد الله محمد بن ادريس الشافعی المطلبی المكی و ابو حنيفة النعمان بن ثابت الكوفی عيونا و فقرا يستدلون بها على موضعهم من الامامة فی الديانة و يكون ذلك كافيا مختصرا ليسهل حفظه و معرفته و الوقوف عليه و المذاكرة به من ثناء العلماء بعدهم عليهم و تفضيلهم لهم و اقرارهم بامامتهم.

(الانتقاء لابن عبد البر: ص8 ص9)

ترجمہ: طالبین وعاملین علم کی ایک جماعت نے جنہیں اللہ تعالی نے عظیم و افضل علم عطا فرمایا ہے، مجھے کہا ہے کہ میں ان کے لئے تین ائمہ کا تذکرہ کروں جن کا ذکر آفاق اسلام میں مشہور ہو چکا ہے اور ان کے ذریعے حلال و حرام کا علم پوری دنیا میں پھیل چکا ہے؛ وہ تین حضرات امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں جو علم کے چشمے اور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں تا کہ یہ جماعت طالبین علم اپنے اپنے مقام پر دین میں ان کی امامت پر استدلال کر سکے۔ ان کا ذکر جو میں کروں گا کافی مختصر ہو گا تا کہ اس کا یاد کرنا اور مذاکرہ کرنا آسان ہو۔ ان ائمہ کے جن علماء نے ان کی تعریف کی، ان کی فضیلت کو سراہا اور ان کی امامت کا اقرار کیا میں ان کے اقوال ذکر کروں گا۔

:2 امام محدث محمد بن ابراہیم ابو زیر الشافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الامام ابو حنيفة) انه ثبت بالتواتر فضله و عدالته و تقواه و امانته.

(الروض الباسم ج1 ص158، مقام ابی حنیفہ لامام اہل السنۃ ص274)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فضیلت، عدالت، تقویٰ اور امانت تواتر سے ثابت ہے۔

:3 امام ابو عبد اللہ الحاکم النیسابوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا النوع من هذه العلوم معرفة الائمة الثقات المشهورين من التابعين و اتباعهم ممن يجمع حديثهم للحفظ و المذاكرة و التبرك بهم و بذكرهم من الشرق الى الغرب... و من اهل الكوفة... ابو حنيفة النعمان بن ثابت التيمی.

(معرفت علوم الحدیث للحاکم ص240 ص143 ص245)

ترجمہ: ان علوم (حدیث) کی اس نوع میں ان ثقہ و مشہور ائمہ تابعین و تبع تابعین کا تعارف بیان کیا جائے گا جن سے مروی احادیث حفظ و مذاکرہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

کے لئے جمع کی جاتی ہیں اور ان کے وجود و ذکر سے مشرق تا مغرب برکت حاصل کی جاتی ہے۔ ان ثقہ و مشہور ائمہ میں اہل کوفہ کے امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت تیمی رحمہ اللہ ہیں۔

4: حضرت امام ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

الذین رووا عن ابی حنیفۃ ووثقوہ واثنوا علیہ اکثر من الذین تکلموا فیہ.

(جامع بیان العلم لابن عبد البر ج2 ص183)

ترجمہ: وہ لوگ جنہوں نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی، ان کی توثیق بیان کی اور آپ کی تعریف کی؛ ان لوگوں سے زیادہ ہیں جنہوں نے آپ کے بارے میں کلام کیا۔

5: مختلف ائمہ محدثین نے آپ کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی :

الامام الاعظم ،فقیہ العرق و کان ثقۃ صدوقا لاباس بہ و کان ثقۃ فی الحدیث و کان حافظا حجۃ فقیھا.

(تذکرۃ الحفاظ للذھبی ج1 ص126 ص127، سیر العلام المتبلاء للذھبی ج6 ص529 تا ص531، تہذیب الکمال للمزی ج10 ص309، تہذیب التہذیب لابن حجر ج5 ص629، تقریب التہذیب لابن حجر ج2 ص624)

ترجمہ: آپ امام اعظم، فقیہ العراق تھے، ثقہ صدوق تھے، لاباس بہ تھے (یہ کلمہ ثقاہت پر دال ہے) حدیث میں ثقہ تھے، مشہور فقیہ تھے، حافظ اور حجہ تھے۔

ان کے علاوہ کئی اقوالِ فقہاء و محدثین ہیں جو امام اعظم ابو حنیفہ کی ثقاہت و عدالت اور حفظ و اتقان پر صریح دلیل ہیں۔ لہٰذا آپ کے بارے میں کوئی کلمہ جرح قابل قبول نہیں۔ اعتراض میں میزان الاعتدال کی عبارت نقل کی گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عبارت خود مصنف رحمہ اللہ نے نہیں لکھی بلکہ کسی متعصب کی کارستانی ہے۔ اس پر کئی شواہد ہیں۔

1: خود علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے مقدمہ میں تصریح کی ہے:

و کذا لا اذکر فی کتا بی من الائمۃ المتبوعین فی الفروع احدا لجلالتھم فی الاسلام و عظمتھم فی النفوس مثل ابی حنیفۃ و الشافعی و البخاری.

(مقدمہ میزان الاعتدال ج1 ص26)

ترجمہ: میں اپنی اس کتاب میں ان بڑے بڑے ائمہ کا تذکرہ نہیں کروں گا جن کی فروع میں اتباع کی جاتی ہے کیونکہ اسلام میں ان کا بڑا رتبہ ہے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی بڑی عظمت ہے۔ جیسے امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام بخاری رحمہم اللہ۔

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انہوں نے امام صاحب کا ذکر کیا ہو اور ان الفاظ سے کیا ہو۔

2: امام ذہبی نے ایک مستقل کتاب "تذکرۃ الحفاظ" لکھی ہے جس میں امام صاحب کا تذکرہ بڑی مدح و توصیف کے ساتھ کیا ہے۔

3: دور قریب کے مشہور محقق، مدقق عالم شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے الرفع والتکمیل کے حاشیہ میں کیا خوب بات کی ہے، فرماتے ہیں:

"میں نے میزان الاعتدل کی تیسری جلد کا نسخہ مکتبہ ظاہریہ دمشق میں حدیث کے عنوان میں 368 نمبر کے تحت دیکھا۔ یہ نسخہ نہایت بہترین تھا۔ حرف میم سے شروع ہو کر آخر کتاب تک تھا۔ سارے کا سارا امام ذہبی کے شاگرد حافظ شرف الدین عبد اللہ بن محمد الوانی الدمشقی رحمہ اللہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ انہوں نے یہ نسخہ تین بار مؤلف کے سامنے پڑھا اور مؤلف کی اصل کتاب سے اس کا مقابلہ کیا۔ میں نے اس نسخہ میں امام ابو حنیفہ کے حالات نہ حرفِ نون کے تحت پائے اور نہ ہی کنیت کے تحت۔ "

معلوم ہوا کہ امام ذہبی کا دامن اس جرح سے پاک ہے۔ یہ کسی متعصب کا "کارنامہ" ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اعتراض میں امام نسائی رحمہ اللہ کی جرح کا بھی ذکر تھا۔ اگرچہ مذکورہ دلائل اور امام صاحب کی عدالت و ثقاہت کا تواتر ہونا اس کو ناقابل اعتبار اور مردود کرنے کے لئے کافی ہے لیکن علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کا قول فیصل بیان کرنا نہایت مناسب ہے۔ آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

افرط اصحاب الحدیث فی ذم ابی حنیفة و تجاوزوا الحد فی ذالك.

(جامع بیان العلم لابن عبد البر ج2 ص181)

ترجمہ: اصحاب الحدیث نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مذمت کرنے میں نہایت افراط سے کام کیا ہے اور اس میں تمام حدود کو تجاوز کر گئے۔

و اما سائر اهل الحدیث فهم کالاعداء لابی حنیفة و اصحابه.

(الانتقاء لابن عبد البر رحمہ اللہ ص331)

ترجمہ: تمام اہل حدیث (محدثین) امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے لئے دشمن کی طرح ہیں (کہ بے جا جرح کرتے رہتے ہیں)

اعتراض نمبر8: گمراہ فرقہ "مرجئہ" میں سے تھے

محمد یوسف جے پوری نے فرقہ ہائے ضالہ میں "حنفیہ" کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی مقتداہیں فرقہ حنفیہ کے، اکثر اہل علم نے ان کو مرجئہ فرقے میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ ایمان کی تعریف اور اس کی کمی وزیادتی کے بارے میں جو عقیدہ مرجئہ کا ہے انہوں نے بھی بعینہ وہی عقیدہ اپنی تصنیف فقہ اکبر میں درج فرمایا ہے۔ علامہ شہرستانی نے کتاب الملل والنحل میں بھی رجال المرجئہ میں حسام بن ابی سلیمان اور ابو حنیفہ اور ابو یوسف اور محمد بن حسن وغیرہم کو درج کیا ہے۔ اسی طرح غسان بھی جو فرقہ غسانیہ کا پیشوا ہے ابو حنیفہ کو فرقہ مرجئہ میں شمار کرتا ہے اور........ حضرت پیران پیر رحمہ اللہ نے امام صاحب کو مرجئہ لکھ دیا۔"

(حقیقۃ الفقہ از محمد یوسف جے پوری غیر مقلد ص39)

جواب:

اس اعتراض کی تین شقیں ہیں۔

1: ایمان کی تعریف اور اس کی کمی زیادتی کے بارے میں جو عقیدہ مرجئہ کا ہے بعینہ وہی عقیدہ امام صاحب نے اپنی فقہ اکبر میں درج فرمایا۔

2: علامہ شہرستانی نے آپ کو رجال المرجئہ میں شمار کیا ہے اور غسان بھی جو فرقہ غسانیہ کا پیشوا ہے ابو حنیفہ کو فرقہ مرجئہ میں شمار کرتا ہے۔

3: حضرت شیخ عبد القادر جیلانی نے بھی امام صاحب کو مرجئہ لکھ دیا۔

ہر شق کا جواب پیش خدمت ہے:

شق اول کا جواب:

"مرجئہ" کا لفظ "ارجاء" سے ہے جس کے لغوی معنیٰ "موخر کرنا" ہیں۔ اصطلاحی معنیٰ کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ م852ھ لکھتے ہیں:

ومنهم من أراد تأخير القول فی الحکم علی من أتی الکبائر وترك الفرائض بالنار لأن الإيمان عندهم الإقرار والاعتقاد ولا يضر العمل مع ذلك.

(مقدمہ فتح الباری ص646)

ترجمہ: بعض کے ہاں ارجاء سے مراد گناہ کبیرہ کے مرتکب اور فرائض کے تارک پر دخول فی النار کے حکم کو موخر کرنا ہے کیونکہ ان (مرجئہ) کے ہاں ایمان محض اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ ارتکابِ کبیرہ اور ترک فرائض ایمان کے ہوتے ہوئے نقصان دہ نہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

سلطان المحدثین ملا علی قاری رحمہ اللہ م 1014ھ فرماتے ہیں:

ثم المرجئة... هم طائفة قالوا لایضر مع الایمان ذنب کمالا ینفع مع الکفر طاعة فزعموا ان احدا من المسلمین لایعاقب علیٰ شئی من الکبائر.

(شرح فقہ اکبر ص75)

ترجمہ: مرجئہ ایسا فرقہ ہے جس کا اعتقاد یہ ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کچھ نقصان دہ نہیں جیسے کفر کی موجودگی میں طاعت کچھ فائدہ مند نہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ کوئی مسلمان کبیرہ گناہ کی وجہ سے سزا پا ہی نہیں سکتا۔

شیخ الاسلام شیخ محمد زاہد الکوثری رحمہ اللہ م 1371ھ فرماتے ہیں:

واما الارجاء الذی یعد بدعة فهو قول من یقول لا تضر مع الایمان معصیة.

(تانیب الخطیب ص45)

ترجمہ: وہ ارجاء جو بدعت شمار ہوتا ہے وہ اس بات کا اعتقاد کرنا ہے کہ ایمان کے ساتھ گناہ کچھ نقصان دہ نہیں۔

محققین کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ فرقہ مرجئہ ضالہ کا عقیدہ ایمان کے بارے میں یہ ہے کہ ایمان محض اقرار لسانی اور اعتقاد [معرفت] کا نام ہے۔ اقرار واعتقاد کے ہوتے ہوئے اگر گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا جائے یا فرائض کو چھوڑا جائے تو کچھ پرواہ نہیں ان گناہ و معاصی پر سزا ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ عقیدہ اہل السنت والجماعت کے مسلمہ عقائد کے خلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس کا رد اپنی کتاب فقہ اکبر میں صراحت سے کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ولا نقول ان حسناتنا مقبولة وسیئاتنا مغفورة کقول المرجئة ولکن نقول المسئلة مبینة مفصلة من عمل حسنة بشرائطها خالیة عن العیوب المفسدة والمعانی المبطلة ولم یبطلها حتی خرج من الدنیا فان الله تعالیٰ لایضیعها بل یقبلها منه ویثیبه علیها.

(فقہ اکبر مع الشرح ص77،78)

ترجمہ: ہمارا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ ہماری نیکیاں مقبول اور گناہ بخشے ہوئے ہیں جیسا کہ مرجئہ کا اعتقاد ہے [کہ ایمان کے ساتھ کسی قسم کی برائی نقصان دہ نہیں اور نافرمان کی نافرمانی پر سزا نہیں] بلکہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جو شخص کوئی نیک کام اس کی شرطوں کے ساتھ کرے اور وہ کام تمام مفاسد سے خالی ہو اور اس کو باطل نہ کیا ہو اور دنیا میں ایمان کی حالت میں رخصت ہو تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ اس کو قبول کر کے اس پر ثواب عطا فرمائے گا۔

فقہ اکبر کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ ایمان کے متعلق مرجئہ کا جو عقیدہ ہے امام صاحب نہ صرف اس سے بری ہیں بلکہ اس کا پرزور رد بھی فرماتے ہیں۔ رہا ایمان کی تعریف اور اس میں کمی وزیادتی کا مسئلہ تو اس بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اعتقاد یہ ہے کہ ایمان معرفت، تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کا نام ہے۔ اعمال ظاہریہ ایمان مطلق کے اجزاء اصلیہ میں داخل نہیں بلکہ مکمِّلِ ایمان ہیں یعنی ان کی کمی وزیادتی کی وجہ سے نفسِ ایمان کم زیادہ نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ کمال ایمان کم وزیادہ ہوتا رہتا ہے یعنی اس میں شدت وضعف آتا رہتا ہے۔ چنانچہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

والایمان هو الاقرار والتصدیق وایمان اهل السماء والارض لایزید ولا ینقص.

(فقہ اکبر مع الشرح ص87،88)

ترجمہ: ایمان اقرار لسانی اور تصدیق کا نام ہے۔ آسمان وزمین والوں کا ایمان نہ کم ہوتا ہے نہ زیادہ۔

اور کتاب الوصیۃ (ص27) میں فرماتے ہیں:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

الایمان... اقرار باللسان وتصدیق بالجنان ومعرفۃ بالقلب۔

ترجمہ: ایمان اقرار لسانی اور تصدیق قلبی اور معرفت کا نام ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن وسنت میں ایمان کا تعلق قلب سے بیان کیا گیا ہے:

1: وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ. (النحل:106)

ترجمہ: اس کا دل ایمان پر مطمئن رہے۔

2: وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ. (الحجرات:14)

ترجمہ: ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

3: أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ. (المجادلۃ:22)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمایا۔

4: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک جنگ کے موقع پر ایک آدمی کو قتل کر دیا جس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ اس نے تلوار کے ڈر سے پڑھا تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم اقالھا ام لا؟

(صحیح مسلم ج1 ص67، 68 باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الہ الا اللہ)

ترجمہ: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ اس نے تلوار کے ڈر سے پڑھا ہے یا نہیں؟

اسی طرح اعمال کی کمی وزیادتی کی وجہ سے کمال ایمان بڑھتا اور کم ہوتا ہے یعنی آدمی نیک یا فاسق شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں:

المضیع للعمل لم یکن مضیعا للایمان... او لست تقول مومن ظالم ومومن مذنب ومومن مخطئی ومومن عاص ومومن جائر... ومن اصاب الایمان وضیع شیئا من الفرائض کان مومنا مذنباً

(الرسالہ الی عثمان البتی للامام ابی حنیفہ ص38 بحوالہ التعلیق علی الرفع والتکمیل ص365)

ترجمہ: اعمال کو ضائع کرنے والا ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہوتا۔ کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ مومن ظالم، مومن گنہگار، مومن خطاکار، مومن عاصی، مومن ستم کرنے والا۔ اس لیے جو شخص ایمان لایا اور فرائض میں سے کچھ ضائع کر دے تو یہ مومن گنہگار ہوگا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ م1014ھ شرح فقہ اکبر (ص88) میں ایمان کی کمی وزیادتی کے بارے میں امام صاحب کا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فمعناہ انہ یزید باعتبار اعمالہ الحسنۃ حتیٰ یدخل صاحبہ الجنۃ دخولا اولیا، وینقص بارتکاب اعمالہ السئیۃ حتیٰ یدخل صاحبہ النار اولا ثم یدخل الجنۃ بایمانہ آخرا کما ھو مقتضی اھل السنۃ والجماعۃ۔

ترجمہ: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ایمان؛ اعمال حسنہ کے اعتبار سے بڑھتا ہے یہاں تک کہ اعمال صالحہ کرنے والا دخول اولی کے اعتبار سے جنت میں داخل ہوگا اور ایمان؛ اعمال سئیہ کرنے سے کم ہوتا ہے یہاں تک کہ مرتکب گناہ دخول اول کے اعتبار سے آگ میں داخل ہوگا پھر آخرکار اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں جائے گا جیسا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔

لیکن فرقہ مرجئہ ضالہ کا ایمان کی تعریف اور کمی وزیادتی کے بارے میں جو موقف ہے وہ امام صاحب کے موقف سے بالکل جدا ہے۔ علامہ عبد الحئی لکھنوی رحمہ اللہ م1304ھ فرماتے ہیں:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ان المرجئة یکتفون فی الایمان بمعرفة اللہ ونحوہ ویجعلون ما سوی الایمان من الطاعات وما سوی الکفر من المعاصی غیر مضرۃ ولا نافعة.

(الرفع والتکمیل للکھنوی: ص360)

ترجمہ: مرجئہ ایمان کے بارے میں اللہ کی معرفت وغیرہ پر اکتفاء کرتے ہیں اور ایمان کے علاوہ جتنی بھی طاعات ہیں اور کفر کے علاوہ جتنے معاصی ہیں سب کو نہ نقصان دہ سمجھتے ہیں نہ نفع مند۔

امام عبد القاہر البغدادی م429ھ فرقہ مرجئہ کے پیرو غسان مرجئی کے بارے میں لکھتے ہیں:

قال انہ یزید ولا ینقص... وزعم غسان ھذا فی کتابہ ان قولہ فی ھذا الکتاب کقول أبی حنیفة فیہ وھذا غلط منہ علیہ لأن أبا حنیفة قال إن الایمان ھو المعرفة والاقرار باللہ تعالی وبرسلہ وبما جاء من اللہ تعالی ورسلہ فی الجملة دون التفصیل وانہ لا یزید ولا ینقص... وغسان قد قال بأنہ یزید ولا ینقص.

(الفرق بین الفرق-عبد القاھر البغدادي ص188)

ترجمہ: غسان مرجئی کہتا ہے کہ ایمان بڑھتا تو ہے کم نہیں ہوتا۔ اس غسان نے اپنی کتاب میں یہ کہا ہے کہ اس کا یہ قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی طرح ہے لیکن امام صاحب کے بارے میں اس کی یہ بات غلط ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تو یہ کہتے ہیں کہ ایمان معرفت، اللہ اور رسول کے اقرار اور ان چیزوں کے اجمالی اقرار کا نام ہے جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آئی ہیں بغیر تفصیل کے اور یہ نفس ایمان نہ کم ہوتا ہے نہ زیادہ لیکن غسان مرجئی کہتا تھا کہ ایمان زیادہ ہوتا ہے کم نہیں ہوتا۔

امام عبد القاہر بغدادی رحمہ اللہ کی اس وضاحت اور امام صاحب کے مذکورہ موقف و دلائل سے معلوم ہوا کہ ایمان کی تعریف و کمی زیادتی کے بارے میں آپ کا نظریہ مرجئہ ضالہ کے نظریہ کے خلاف ہے۔ موقف حقیقۃ الفقہ کا ان دونوں کو بعینہ کے لفظ سے ایک شمار کرنا محض اتہام والزام ہے۔

شق ثانی کا جواب:

جیسا کہ واضح ہو چکا ہے کہ امام صاحب کا موقف ایمان کے بارے میں یہ ہے کہ ایمان معرفت، تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کا نام ہے۔ اعمال ظاہر نفس ایمان کے اجزاء نہیں البتہ مکمل ایمان ضرور ہیں۔

محدثین حضرات کا اس بارے میں موقف یہ ہے کہ اعمال ایمان کی جزء ہیں لیکن اگر کوئی شخص ترک اعمال کا مرتکب ہوتا ہے تو محدثین کے نزدیک یہ شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ چنانچہ محدث عصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فاکثر المحدثین الی ان الایمان مرکب من الاعمال... وان جعلوا الاعمال اجزاء لکن لا بحیث ینعدم الکل بالعدامھا بل یبقی الایمان مع انتفائھا.

(فیض الباری ج1 ص54)

ترجمہ: اکثر محدثین اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان اعمال سے مرکب ہے۔ ان حضرات نے اعمال کو اگرچہ ایمان جزء قرار دیا ہے لیکن اس حیثیت سے نہیں کہ اگر اعمال نہ ہوں تو ایمان ختم ہو جائے بکہ ایمان، اعمال کے نہ ہونے کے باوجود باقی رہتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایمان کی تعریف میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور محدثین حضرات کے درمیان اختلاف محض لفظی ہے کیونکہ دونوں کا موقف کا حاصل یہ ہے کہ اعمال کے ترک کرنے کی وجہ سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا البتہ فاسق وفاجر ضرور ہوتا ہے محققین حضرات نے اس اختلاف کے محض لفظی ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

1: ملا علی قاری رحمہ اللہ م1014ھ (شرح فقہ اکبر ص87)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

2: مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ م 1352ھ (فیض الباری ج1 ص54)

3: شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ م 1417ھ (التعلیق علی قواعد فی علوم الحدیث ص239)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور اس موقف کے دیگر فقہاء و محدثین چونکہ اعمال کو ایمان سے الگ چیز مانتے ہیں اس لیے بعض محدثین کی طرف سے انہیں لغۃً مرجئہ [موخر کرنے والے] کہا گیا ہے۔ لیکن اس معنیٰ میں ہر گز نہیں جس معنیٰ میں فرقہ ضالہ مرجئہ ہیں۔ چنانچہ امام جمال الدین بن یوسف المزی رحمہ اللہ م 742ھ امام ابراہیم بن طہمان الخراسانی المکی کے حالات میں لکھتے ہیں:

وقال أبو الصلت عبد السلام بن صالح الهروي سمعت سفيان بن عيينة يقول ما قدم علينا خراساني أفضل من أبي رجاء عبد الله بن واقد الهروي قلت له فإبراهيم بن طهمان قال كان ذاك مرجئا قال أبو الصلت لم يكن إرجاؤهم هذا المذهب الخبيث أن الإيمان قول بلا عمل وأن ترك العمل لا يضر بالإيمان بل كان إرجاؤهم أنهم يرجون لأهل الكبائر الغفران ردا على الخوارج وغيرهم الذين يكفرون الناس بالذنوب.

(تہذیب الکمال للمزی ج1 ص253)

ترجمہ: ابو الصلت عبد السلام بن صالح الہروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے پاس ابو رجاء عبد اللہ بن واقد الہروی رحمہ اللہ سے بہتر کوئی خراسانی نہیں آیا تو میں نے عرض کیا کہ ابراہیم بن طہمان کے بارے میں کیا رائے ہے؟ فرمایا وہ مرجئہ تھے۔ ابو الصلت فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا مرجئہ ہونا اس خبیث مذہب کی بنیاد پر نہ تھا کہ ایمان صرف قول کا نام ہے عمل کے بغیر اور ترک عمل ایمان کے لیے مضر نہیں۔ بلکہ ان کا مرجئہ ہونا اس معنیٰ میں تھا کہ یہ حضرات اہل کبائر کے لیے مغفرت کی امید رکھتے تھے، خوارج پر رد کرتے ہوئے جو یہ کہتے تھے کہ لوگ گناہ کی وجہ سے کافر ہو جاتے ہیں اور [یہ حضرات اہل کبیرہ کے لیے] مغفرت کی امید رکھتے اور گناہ کی وجہ سے انہیں کافر قرار نہ دیتے تھے۔

اور ایسا ارجاء بدعت نہیں بلکہ عین اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے موافق ہے۔ علامہ زاہد بن الحسن الکوثری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فإرجاء العمل من أن يكون من أركان الإيمان الأصلية هو السنة، وأما الإرجاء الذي يعد بدعة، فهو قول من يقول: لا تضر مع الإيمان معصية.

(تانیب الخطیب ص45)

ترجمہ: ارجاء عمل یعنی عمل کو ایمان کے ارکان اصلیہ سے موخر شمار کرنا سنت ہے اور وہ ارجاء جو بدعت شمار ہوتا ہے وہ قائل کا یہ قول ہے کہ ایمان کے ساتھ گناہ کرنا کچھ نقصان دہ نہیں۔

علامہ شہرستانی رحمہ اللہ کے آپ رحمہ اللہ کو رجال المرجئہ میں شمار کرنے کی حقیقت بالکل واضح ہے کہ آپ رحمہ اللہ کا شمار مرجئہ اہل السنۃ میں کرتے ہیں جو عین سنت ہے نہ کہ مرجئہ ضالہ میں جو ایک بدعتی فرقہ ہے۔ چنانچہ رجال المرجئہ کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وهؤلاء كلهم أئمة الحديث لم يكفروا أصحاب الكبائر بالكبيرة ولم يحكموا بتخليدهم في النار خلافا للخوارج والقدرية.

(الملل والنحل ص169)

ترجمہ: یہ تمام کے تمام (بشمول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے) ائمہ حدیث تھے، گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار نہ دیتے تھے اور خلود فی النار کا حکم بھی نہ لگاتے تھے بخلاف خلاف کے (وہ ایسا کرتے تھے)

اگر یہ حضرات مرجئہ ضالہ میں سے ہوتے تو ان کا بھی وہی عقیدہ بیان فرماتے جو مرجئہ ضالہ کا ہے اور انہیں ائمۃ الحدیث کا لقب ہر گز نہ دیتے۔ نیز علامہ شہرستانی رحمہ اللہ نے بھی انہی رجال مرجئہ میں چند اور نام بھی گنوائے ہیں جو بخاری و مسلم کے رواۃ ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

1: سعید بن جبیر رحمہ اللہ..... صحاح ستہ

2: طلق بن حبیب..... ادب المفرد للبخاری، مسلم اور سنن اربعہ

3: عمرو بن مرہ..... صحاح ستہ

4: محارب بن دثار..... صحاح ستہ

5: ذر بن عبد اللہ..... صحاح ستہ

معترض نے امام صاحب کا نام تو لیا لیکن ان حضرات کا تذکرہ تک نہ کیا کیونکہ ان کا تذکرہ کرتے تو اعتراض خود بخود ڈھو جاتا اور یہ حقیقت کھل جاتی کہ یہ مرجئہ ضالہ میں سے نہیں بلکہ مرجئہ سنیہ میں سے ہیں۔

معترض کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ غسان مرجئی امام صاحب کو مرجئہ شمار کرتا تھا۔ اس کے لیے علامہ شہرستانی رحمہ اللہ کی عبارت نقل کر دینا کافی وافی ہے۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ومن العجيب أن غسان كان يحكى عن أبي حنيفة رحمه الله مثل مذهبه ويعده من المرجئة ولعله كذب كذلك عليه لعمري كان يقال لأبي حنيفة وأصحابه مرجئة السنة.

(الملل والنحل ص164)

ترجمہ: اور عجیب بات یہ ہے کہ غسان مرجئی امام صاحب کی طرف منسوب کر کے اپنا باطل مذہب بیان کرتا تھا اور امام صاحب کو مرجئہ شمار کرتا تھا اور یہ امام صاحب پر اس کا جھوٹ ہے میری زندگی کی قسم، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب کو مرجئۃ السنۃ کہا جاتا ہے۔

یہی بات علامہ عبد القاہر بغدادی رحمہ اللہ نے بھی فرمائی ہے۔ (الفرق بین الفرق ص188)

شق ثالث کا جواب:

اکابر علماء کرام نے اس کی تحقیق کرتے ہوئے یہ بات فرمائی ہے کہ حنفیہ کا ذکر فرق ضالہ میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے نہیں کیا بلکہ کسی متعصب نے محض بغض وعناد کی وجہ سے بعد میں یہاں لکھ دیا ہے۔ چنانچہ شیخ عبد الغنی النابلسی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الرد المتین علی منتقض العارف محیی الدین" میں فرماتے ہیں:

تلك العبارة مدسوسة مكذوبة على الشيخ.

(بحوالہ الرفع والتکمیل للکھنوی: ص381)

ترجمہ: یہ عبارت حضرت شیخ رحمہ اللہ ک کلام میں داخل کی گئی ہے حضرت شیخ رحمہ اللہ پر محض جھوٹ بولا گیا ہے۔ (فی الواقع حضرت کے کلام میں نہیں ہے)

علامہ الہند عبد الحکیم بن شمس الدین الفاضل سیالکوٹی رحمہ اللہ غنیۃ الطالبین کے فارسی ترجمہ میں رقمطراز ہیں:

بداں کہ ذکر حنفیہ در فرق مرجئہ و گفتن کہ ایمان نزد ایشاں معرفت است واقرار خلاف مذہب ایں طائفہ است کہ در کتب مقرر است وشاید ایں را بعض مبتدعان بہ بغض ایں فرقہ داخل کردہ اند ایں را در کلام شیخ.

(غنیۃ الطالبین مترجم فارسی ص230)

ترجمہ: جان لیجیے کہ مرجئہ کے فرقوں میں حنفیہ کا ذکر کرنا اور یہ کہنا کہ ایمان ان کے ہاں محض معرفت اور اقرار کا نام ہے، یہ اس گروہ (حنفیہ) کے اعتقاد کے خلاف ہے جیسا کہ ان کی کتب میں درج ہے۔ لگتا یہی ہے کہ یہ عبارت کسی بدعتی نے جو اس گرہ حنفیہ سے بعض رکھتا ہے شیخ کے کلام میں داخل کر دی ہے۔

بالفرض اگر یہ عبارت الحاقی نہ بھی ہو تب بھی مولف حقیقۃ الفقہ کا یہ جملہ کہ "حضرت پیران پیر رحمہ اللہ نے بھی امام صاحب کو مرجئہ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

لکھ دیا" حضرت شیخ پر نرا بہتان ہے اصل بات یہ ہے کہ حضرت شیخ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو فرقہ مرجئہ ضالہ میں داخل نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کو مرجئہ کہا جو فروعات میں اپنی نسبت امام صاحب کی طرف کر کے خود کو حنفی کہلاتے اور عقائد میں امام صاحب کے مخالف تھے۔ جیسا کہ غسان مرجئی وغیرہ۔ لہذا حضرت شیخ کے کلام واما الحنفية فهم بعض اصحاب ابی حنيفة (غنیۃ الطالبین ص230) میں ان بعض اصحاب ابی حنیفۃ سے یہی لوگ مراد ہیں۔ عمدۃ المتاخرین حضرت مولانا عبد الحئی لکھنوی رحمہ اللہ م ۱۳۰۴ھ فرماتے ہیں:

مفاد عبارة الغنية ان الحنفية الذين هم فرع من فروع المرجئة الضالة اصحاب ابی حنيفة الذين يقولون ان الايمان هو المعرفة والاقرار بالله ورسوله وهذا لا ينطبق الا على الغسانية فيكون هو المراد من الحنفية لما عرفت سابقا ان غسان الكوفی كان يحكی مذهبه الخبيث عن ابی حنيفة ويعده كنفسه من المرجئة.

(الرفع والتکمیل - أبو الحسنات اللکنوي ص387)

ترجمہ: غنیۃ الطالبین کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ حنفیہ جو مرجئہ ضالہ کی ایک قسم ہے، اس سے مراد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے وہ پیروکار ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان فقط معرفت اور اقرار باللہ ورسولہ کا نام ہے اور یہ صرف فرقہ غسانیہ پر صادق آتا ہے اور یہاں حنفیہ سے مراد یہی فرقہ غسانیہ ہے (نہ کہ امام صاحب اور ان کے دیگر پیروکار) کیونکہ آپ پہلے جان چکے ہیں کہ غسان کوفی اپنا خبیث عقیدہ امام صاحب کی طرف منسوب کر کے بیان کرتا تھا اور امام صاحب کو بھی اپنی طرح مرجئہ شمار کرتا تھا۔

اعتراض نمبر 9: کوئی کتاب نہیں لکھی

امام ابو حنیفہ نے کسی فن میں کوئی کتاب نہیں لکھی نہ فن حدیث میں اور نہ دیگر فنون میں (اتنے بڑے امام کے لئے صاحب تصنیف نہ ہونا امر قادح ہے)

جواب:

یہ اعتراض سب سے پہلے معتزلہ نے کیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ آپ رحمہ اللہ نے معتزلہ کے رد میں کئی کتابیں تصنیف فرمائیں تو انہوں نے ان کتابوں کی نسبت امام صاحب سے الگ کرنے کی بھرپور کوشش کی تاکہ اپنے مذہب پر زد نہ آنے دیں۔ اسی بات کو آج کل کے متعصبین لے کر امام صاحب کا رتبہ کم کرنے کے درپے ہیں۔ امام کردری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فان قلت: ليس لابی حنيفة كتاب مصنف، قلت: هذا كلام المعتزلة ودعواهم انه ليس له فی علم الكلام تصنيف وغرضهم بذلك نفی ان يكون الفقه الاكبر وكتاب العالم والمتعلم له لانه صرح فيه باكثر قواعد اهل السنه والجماعة.

(مناقب ابی حنیفۃ للکردری ج1 ص107 ص108)

ترجمہ: اگر آپ کہیں کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے تو میں کہوں گا کہ یہ معتزلہ کا قول ہے۔ ان لوگوں کا دعوی یہ ہے کہ امام صاحب کی علم الکلام میں کوئی تصنیف نہیں ہے۔ ان کی غرض اس سے ہے کہ وہ فقہ اکبر، کتاب العالم والمتعلم وغیرہ جو امام صاحب کی کتب ہیں، ان کی نفی کر دیں کیونکہ اس میں آپ رحمہ اللہ نے اہل السنۃ والجماعۃ کے اکثر قواعد ذکر کئے ہیں۔

علم حدیث میں ابواب کے اعتبار سے سب سے پہلی کتاب لکھنے کا اعزاز آپ ہی کو حاصل ہے۔ امام خوارزمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

من مناقبه وفضائله التی لم يشاركه فيها من بعده انه اول من دون علم الشريعة ورتبه ابوابا ثم تبعه مالك بن انس فی ترتيب الموطا لم يسبق ابا حنيفة احد.

(مقدمہ جامع المسانید للخوارزمی ص34 س35 تبیض الصحیفۃ للسیوطی ص36، الخیرات الحسسان لابن حجر مکی ص28)

ترجمہ: آپ کے وہ خصوصی مناقب وفضائل جن میں کوئی بھی آپ کا شریک نہیں یہ ہے وہ یہ ہے کہ آپ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے علم شریعت

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

کو مدون کیا اور ابواب کی ترتیب لگائی، آپ کی اتباع میں امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں بھی یہی ترتیب رکھی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پہلے یہ ترتیب کسی نے بھی نہیں رکھی تھی۔

آپ کی اس تصنیف کا نام "کتاب الآثار" ہے جو آپ کے شاگردوں نے آپ سے روایت کی ہے۔ تفصیل یہ ہے:

1: کتاب الآثار بروایت امام زفر بن الھذیل العنبری البصری رحمہ اللہ. (المعجم الصغیر للطبرانی ص63، طبقات المحدثین لابی الشیخ: ج4ص427)

2: کتاب الاثار بروایت امام ابی یوسف القاضی رحمہ اللہ. (مقدمہ جامع المسانید للخوارزمی ص75، الجوہر المضیئۃ للقرشی ج2ص235)

3: کتاب الآثار بروایت ابی عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ. (مقدمہ جامع المسانید ص75، مقدمہ تعجیل المنفعۃ ص19)

4: کتاب الآثار بروایت حسن بن زیاد رحمہ اللہ. (لسان المیزان لابن حجر ج5ص31)

آپ رحمہ اللہ کی دیگر کتب کی تفصیل یہ ہے:

1: الفقہ الاکبر	(کتاب الفہرست لابن ندیم ص256، مناقب موفق مکی ج1ص208)
2: الرد علی القدریہ	(کتاب الفہرست لابن ندیم ص256، مناقب موفق مکی ج1ص208)
3 : الرسالۃ الی البیتی	(کتاب الفہرست لابن ندیم ص256، مناقب موفق مکی ج1ص208)
4: کتاب العالم والمتعلم	• کتاب الفہرست لابن ندیم ص256، مناقب موفق مکی ج1ص100)
5: الجرد فی الفقہ والرای	(الفہرست لابن ندیم ص258، تاریخ الاسلام للذھبی ج9ص12)
6: کتاب الرھن	(اخبار ابی حنیفۃ الصیمری ص65، مناقب موفق المکی ج2ص29)
7 : کتاب الفرائض	(مناقب موفق المکی ج2ص66، مقدمہ جامع المسانید ص35)
8: کتاب الشروط	(مناقب موفق المکی ج2ص66)
9: کتاب الصلوۃ	(مناقب موفق المکی ج1ص67ص68)
10: المقصود فی الصرف	مطبوعہ حلب المصطفی البابی الحلبی 1359ھ
11: اختلاف الصحابہ	
12: کتاب السیر	
13: الجامع	
14: کتاب الابسط	
15: کتاب الوصیہ	(مطبوعہ دار ابن حزم 1418ھ)

اعتراض نمبر 10: مناسکِ حج سے بے بہرہ تھے

محمد یوسف جے پوری لکھتے ہیں :

"تاریخ صغیر مطبوعہ انوار احمدی ص158 میں امام ابو حنیفہ کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قال الحمیدی فرجل لیس عندہ سنن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و لا اصحابہ فی المناسك و غیرھا کیف یقلد احکام اللہ فی المواریث و الفرائض و الزکوۃ و الصلوۃ و امور الاسلام." حمیدی کہتے ہیں کہ جس آدمی کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اور صحابہ کے آثار مناسک و غیرہ ہی نہ ہوں ایسے کی بات احکام میں مثل میراث اور زکوۃ اور نماز وغیرہ امور اسلام میں کیونکر قبول کی جائے۔ (حقیقۃ الفقہ ص130ص131)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب:

ہم یہاں امام اعمش کی شہادت نقل کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کو مسائل حج میں کیسا ملکہ اور ید طولی حاصل تھا۔ چنانچہ ابن حجر مکی امام صاحب کی ان صفات کا تذکرہ کرتے ہیں جو آپ کو دیگر لوگوں سے ممتاز کرتی ہیں:

و منها انه اجتهد و افتی فی زمن التابعین بل لما حج الاعمش ارسل الیه لیکتب له المناسك و كان يقول اكتبوا المناسك عنه فانی لا اعلم احدا اعلم بفرضها و نفلها منه فانظر هذه الشهادة له من مثل الاعمش.

(الخیرات الحسان ص99)

ترجمہ: ان خصوصیات میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے تابعین کے عہد میں اجتہاد کیا اور فتوی دیا۔ بلکہ امام اعمش نے جب حج کا ارادہ کیا تو آپ فرماتے تھے کہ مناسک ابو حنیفہ سے لکھواو کیونکہ مناسک کے فرائض و نوافل ابو حنیفہ سے زیادہ جاننے والا کسی کو نہیں سمجھتا۔

آپ ملاحظہ کریں کہ اعمش جیسے شخص کی آپ کے بارے میں کیسی شہادت ہے۔ اس عظیم وزنی شہادت کے بعد یہ اعتراض بے وزنی معلوم ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ افہم الناس اعلم الناس فی زمانہ (جیسا کہ پہلے بالتحقیق ثابت ہو چکا ہے) ہیں تو ان سے متعلق ایسا گمان یقینا غلط و بے جا ہے۔ لہذا تاریخ صغیر کی یہ عبارت امام صاحب کے علم و جلالت شان پر چنداں اثر انداز نہیں ہوتی۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات

ازافادات متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

اعتراض نمبر 1:

فقہ حنفی میں خون اور پیشاب کے ساتھ سورۃ فاتحہ لکھنا جائز ہے۔

ردالمختار میں ہے:

لَوْ رَعَفَ فَكَتَبَ الْفَاتِحَةَ بِالدَّمِ عَلَى جَبْهَتِهِ وَأَنْفِهِ جَازَ لِلِاسْتِشْفَاءِ, وَبِالْبَوْلِ أَيْضًا

(ردالمختار لابن عابدین: ج1 ص406 مطلب فی التداوی بالمحرم)

ترجمہ: اگر کسی کی نکسیر جاری ہوئی اور اس نے اس خون سے اپنی پیشانی اور ناک پر فاتحہ لکھ لی تو شفاء کے حصول کے لیے یہ جائز ہے، اسی طرح پیشاب کے ساتھ بھی ایسا کرنا جائز ہے۔

جواب:

مذہب حنفیہ میں بغیر طہارت قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں۔

لا يجوز لِمُحْدِثٍ اداءُ الصلاةِ لفقدِ شرطِ جوازِها وهو الوضوء... ولا مسُّ مُصْحَفٍ من غيرِ غلافٍ عندنا.

(بدائع الصنائع: ج1 ص140 مطلب فی مس المصحف، الدر المختار: ج1 ص197 کتاب الطہارۃ)

ترجمہ: بغیر وضوء آدمی کے لیے نماز ادا کرنا جائز نہیں کیونکہ وضوء کی شرط نہیں پائی گئی اور بغیر غلاف کے قرآن کو چھونا جائز نہیں۔

جب حنفیہ اتنی احتیاط کرتے ہیں تو ان کے ہاں خون یا پیشاب سے -معاذ اللہ- قرآن لکھنا کیسے جائز ہو گا؟؟

ضابطہ:

امور محرمہ از قسم اقوال و افعال بحالت اکراہ واجبار اور بوقت مخمصہ واضطرار قابل مواخذہ نہیں رہتے، حقِ عمل میں حرمت مبدّل بحلت ہو جاتی ہے جب کہ حق اعتقاد میں حرمت بدستور برقرار رہتی ہے۔

اقوال کی مثال:

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (سورۃ النحل:106)

ترجمہ: جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرے-وہ نہیں جسے زبردستی (کلمہ کفر کہنے پر) مجبور کر دیا گیا ہو جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، بلکہ وہ شخص جس نے اپنا سینہ کفر کے لیے کھول دیا ہو- تو ایسے لوگوں پر اللہ کی جانب سے غضب نازل ہو گا اور ان کے لیے زبردست عذاب تیار ہے۔

افعال کی مثال:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (سورۃ البقرۃ: 173)

ترجمہ: اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو(اور ان چیزوں میں سے کچھ کھالے) جبکہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اس آیت میں "اکل حرام" عملاً حلال ہے، دلیل اس کی ﴿فَلا إِثْمَ﴾ ہے ، اور اعتقاداً حرام ہے، دلیل اس کی ﴿غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ہے کیونکہ مغفرت گناہ کے بعد ہی ہوتی ہے۔

اصل عبارت:

علامہ ابن عابدین شامی نے الدر المختار لعلاء الدین الحصکفی کی جس عبارت کی شرح کی ہے، وہ اصل عبارت یہ ہے:

أُخْتُلِفَ فِي التَّدَاوِي بِالْمُحَرَّمِ وَظَاهِرُ الْمَذْهَبِ الْمَنْعُ

(الدر المختار: ج1 ص405 ص406 کتاب الطہارۃ)

ترجمہ: حرام چیزوں سے علاج کرنے میں اختلاف ہے، حنفیہ کا ظاہر مذہب (یعنی امام صاحب کا قول) یہ ہے کہ حرام اشیاء سے علاج کرنا منع ہے۔

اس کی شرح میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے "النہایۃ شرح الہدایۃ لحسام الدین السغناقی" کے حوالے سے لکھا ہے:

فَفِي النِّهَايَةِ عَنْ الذَّخِيرَةِ يَجُوزُ إنْ عَلِمَ فِيهِ شِفَاءً وَلَمْ يَعْلَمْ دَوَاءً آخَرَ.

(رد المحتار: ج1 ص405 مطلب فی التداوی بالمحرم)

ترجمہ: "نہایہ" میں "ذخیرہ" کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ (تداوی بالمحرم کی گنجائش اس وقت ہے کہ) اگر حرام میں شفاء کا علم (یعنی یقین) ہو اور اس کے علاوہ اسے کوئی دوا معلوم نہ ہو۔

اعتراض:

دونوں اقوال میں تعارض ہے کہ پہلے قول سے منع ثابت ہو رہا ہے اور دوسرے سے جواز۔

جواب:

قولِ اول (عدمِ جواز) حالتِ اختیار کا ہے جب کہ قولِ ثانی (جواز) حالت اضطرار کا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی خود اس عبارت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں:

(قَوْلُهُ وَظَاهِرُ الْمَذْهَبِ الْمَنْعُ) مَحْمُولٌ عَلَى الْمَظْنُونِ كَمَا عَلِمْتَهُ.

(رد المحتار: ج1 ص406 مطلب فی التداوی بالمحرم)

کہ تداوی بالمحرم اس صورت میں منع ہے جب اس میں شفاء مظنون و موہوم ہو (یقینی نہ ہو)

اعتراض:

قول اول یعنی قول امام اعظم رحمہ اللہ اگرچہ قول ثانی کا مخالف نہیں لیکن حدیث کے تو خلاف ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج10 ص5 باب النہی عن التداوی بالمسکر)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں شفاء نہیں رکھی جن کو تم پر حرام قرار دیا ہے۔

جواب:

تعارض کے لیے وحدات ثمانیہ کا پایا جانا ضروری ہے۔

در تناقض ہشت وحدت شرط داں	وحدتِ موضوع و محمول و مکاں
وحدتِ شرط و اضافت، جزء و کل	قوت و فعل است در آخر زماں

ان میں ایک "وحدت زمان" بھی ہے جو یہاں نہیں ہے، کیونکہ حدیث حالتِ اختیار کے لیے ہے اور قولِ امام حالت اضطرار میں ہے۔

مثال: کوئی کہے کہ علاج نہیں کرانا چاہیے اور مراد ہو زمانہ صحت، دوسرا کہے علاج کرانا چاہیے اور مراد ہو زمانہ مرض، تو اس میں کیا تعارض ہے!

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اعتراض:

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام دوا میں مطلقاً شفاء نہیں جب کہ مذہبِ امام میں حرام کا بحالت اختیار استعمال کرنا ناجائز مگر بحالت اضطرار استعمال کرنا جائز ہے، تو ایک صورت تو پھر بھی مخالف حدیث ہو گئی۔

جواب:

بحالتِ اضطرار وہ چیز حرام رہتی ہی نہیں بلکہ حلال ہو جاتی ہے۔ اس موقف کے مطابق حکم خداوندی ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ پر بھی عمل ہو گیا اور "إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ" حدیث پر بھی۔

یہ ہے فقاہتِ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، اور یہی مصداق ہے اس حدیث کا: "مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ"

(صحیح البخاری: ج1 ص16 باب من یرد اللہ بہ خیرا)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔

اصل مسئلہ:

وَكَذَا اخْتَارَهُ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ فِي التَّجْنِيسِ فَقَالَ: لَوْ رَعَفَ فَكَتَبَ الْفَاتِحَةَ بِالدَّمِ عَلَى جَبْهَتِهِ وَأَنْفِهِ جَازَ لِلِاسْتِشْفَاءِ، وَبِالْبَوْلِ أَيْضًا إِنْ عَلِمَ فِيهِ شِفَاءً لَا بَأْسَ بِهِ، لَكِنْ لَمْ يُنْقَلْ

اصل میں "إِنْ عَلِمَ فِيهِ شِفَاءً" شرط اور "لَا بَأْسَ بِهِ" جزا ہے اور شرطِ علم جب منتفی ہے تو جزاء "لَا بَأْسَ بِهِ" خود بخود منتفی ہو گئی کیونکہ ضابطہ ہے کہ مقدم اور تالی (یعنی شرط و جزا) میں نسبت تساوی کی ہو تو سلبِ مقدم سلبِ تالی کو مستلزم ہوتا ہے، جیسے "اِنْ کانت الشمسُ طالعةً فالنهارُ موجود لكنَّ الشمسُ ليستْ بطالعةٍ" لہٰذا نتیجہ یہ ہو گا: "فالنهارُ ليس بموجودٍ"

اعتراض:

شرط "إِنْ عَلِمَ فِيهِ شِفَاءً" ہے اور نفی اس کی نہیں، بلکہ نفی "يُنْقَلْ" کی ہے اور وہ شرط نہیں۔

جواب:

کتابت بالدم کا "موجبِ شفاء ہونا یا نہ ہونا" نہ عقلاً معلوم ہو سکتا ہے نہ طباً کیونکہ فنِ طب میں ادویات کی تاثیر سے بحث ہوتی ہے نہ کہ عملیات کی تاثیر سے۔ اگر اس کا "موجبِ شفاء ہونا یا نہ ہونا" شرعاً ہو گا تو وہ منقول نہیں۔ جب منقول نہیں تو معلوم بھی نہیں۔ اور یہاں علم سے مراد علمِ شرعی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ فقہاء اس کا جائز ہونا نہیں بلکہ حرام ہونا ثابت کر رہے ہیں، اب بھی اگر کوئی ان پر اعتراض کرتا ہے تو یہ ایسا ہے جیسے کوئی "لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ" تو پڑھے مگر "وَأَنْتُمْ سُكَارَى" کو چھوڑ دے، یا "لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ" تو پڑھے مگر "إِنْ كَانَ" کو چھوڑ دے۔

فائدہ:

غیر مقلدین کو یہ اعتراض ویسے بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان کے مذہب میں تو منی، خون، شرمگاہ کی رطوبت اور شراب پاک ہے۔

علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:

و المنی طاهر و غسله و فرك اليابس منه ازكیٰ و اولیٰ و كذلك الدمُ غيرُ دم الحيض و رطوبةُ الفرج و الخمرُو بولُ الحيوانات غيرَ الخنزير. (کنز الحقائق من فقہ خیر الخلائق: ص16)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: منی پاک ہے، اسے دھونا اور خشک کو کھرچنا بہتر ہے۔ اسی طرح حیض کے خون کے علاوہ دیگر خون، عورت کی شرمگاہ کی رطوبت، شراب اور خنزیر کے علاوہ دیگر جانوروں کا پیشاب بھی پاک ہے۔

حتیٰ کہ کتے کا پیشاب اور پاخانہ بھی نجس نہیں:

وکذالک فی بول الکلب وخزاءہ والحق انہ لا دلیل علی النجاسۃ (نزل الابرار: ص50)

ترجمہ: اور بے وضو قرآن چھونا بھی جائز ہے۔

محدث را مس مصحف جائز باشد۔ (عرف الجادی از نواب میر نور الحسن خان: ص15)

ترجمہ: بے وضو آدمی کے لیے قرآن مجید کو چھونا جائز ہے۔

اعتراض نمبر 2:

اگر کوئی مسلمانوں کی رعیت میں رہتا ہو اور کسی مسلمان عورت سے زنا کرے یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو اس کو قتل نہیں کرنا چاہیے:

أو زَنیٰ بِمُسْلِمَةٍ أو سَبَّ النبی صلی اللّٰہُ علیہ وسلم لم یُنْقَضْ عَهْدُهُ

(فتاویٰ عالمگیری: ج1 ص276 کتاب السیر - الباب الثامن فی الجزیۃ)

جواب:

غیر مقلدین اس مسئلہ کو خلط کر دیتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ذمی کا معاہدہ اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک وہ خلاف عہد کوئی کام نہ کرے، البتہ اگر منکرات شرعیہ میں سے کسی کا ارتکاب کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی اگرچہ عہد برقرار رہے گا۔

اس طرح یہ دو مسئلے ہیں۔

پہلا مسئلہ: منکرات شرعیہ کے ارتکاب سے حد کا جاری ہونا

رد المحتار میں ہے:

(قَوْلُهُ وَلَا بِالزِّنَا بِمُسْلِمَةٍ) بَلْ يُقَامُ عَلَيْهِ مُوجِبُهُ، وَهُوَ الْحَدُّ (ج6 ص331 - مطلب فی حکم سب الذمی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

الدر المختار میں ہے:

(وَيُؤَدَّبُ الذِّمِّيُّ وَيُعَاقَبُ عَلَى سَبِّهِ دِينَ الْإِسْلَامِ أَوْ الْقُرْآنَ أَوْ النَّبِيَّ) صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاوِيٌّ وَغَيْرُهُ قَالَ الْعَيْنِيُّ: وَاخْتِيَارِي فِي السَّبِّ أَنْ يُقْتَلَ الخ وَتَبِعَهُ ابْنُ الْهُمَامِ. قُلْت: وَبِهِ أَفْتَى شَيْخُنَا الْخَيْرُ الرَّمْلِيُّ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ

(الدر المختار لعلاء الدین الحصکفی: ج6 ص332 الی 333)

ترجمہ: ذمی کو دین اسلام یا قرآن یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا کلمات کہنے کی وجہ سے تادیباً سزا دی جائے گی اور خوب پکڑ ہو گی۔ حاوی وغیرہ میں اسی طرح ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذمی کے گالی دینے کی صورت میں میری رائے یہی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ ابن الہمام کی رائے بھی اسی طرح ہے۔ میں (علامہ الحصکفی) کہتا ہوں کہ یہی فتویٰ ہمارے شیخ خیر الرملی نے دیا ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے ہے۔

اور یہ بھی تب جب صرف اپنے حلقہ میں خفیہ طور پر سبّ کرے لیکن اگر علانیہ کرے تو سزا صرف اور صرف قتل ہے۔ چنانچہ رد المحتار میں ہے:

أَيْ إذَا لَمْ يُعْلِنْ، فَلَوْ أَعْلَنَ بِشَتْمِهِ أَوْ اعْتَادَهُ قُتِلَ، وَلَوْ امْرَأَةً وَبِهِ يُفْتَى الْيَوْمَ (رد المحتار لابن عابدین: ج6 ص331)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: (تادیب و سزا اس وقت ہے) جب وہ علانیہ گالی نہ دے۔ اگر علانیہ گالی دے یا ایسا کرنا اس کی عادت ہو تو اسے قتل ہی کیا جائے گا چاہے وہ عورت ہی کیوں نہ ہو اور آج کے دور میں فتویٰ اسی پر ہے۔

دوسرا مسئلہ: عہد کا نہ ٹوٹنا

کہ ان امور کی وجہ سے عہد نہ ٹوٹے گا۔ ہاں اگر معاہدہ میں یہ شرط لگائی گئی ہو کہ ذمی یہ کام نہ کرے گا اس کے باوجود یہ کام کر ڈالے تو پھر معاہدہ بھی ٹوٹ جائے گا۔

هَذَا إِنْ لَمْ يُشْتَرَطْ انْتِقَاضُهُ بِهِ أَمَّا إِذَا شُرِطَ انْتَقَضَ بِهِ كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ. (الدر المختار لعلاء الدین الحصکفی: ج6 ص331)

ترجمہ: یہ اس وقت ہے جب عقد میں ان چیزوں کی شرط نہ لگائی ہو اور اگر معاہدہ میں یہ شرط لگائی گئی ہو کہ ذمی یہ کام نہ کرے گا اس کے باوجود یہ کام کر ڈالے تو پھر معاہدہ بھی ٹوٹ جائے گا۔ جیسا کہ یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

اعتراض نمبر 3:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں مدت رضاعت اڑھائی سال ہے۔ ہدایہ میں ہے:

ثم مدة الرضاع ثلثون شهراً عند ابي حنيفة رحمه الله. (الہدایہ: ج2 ص369 کتاب الرضاع)

اور یہ قرآن کی اس آیت: ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ (البقرۃ:233) کے خلاف ہے۔

جواب نمبر 1:

صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی (م 593ھ) نے دو قسم کی عورتوں کا ذکر کیا ہے:

1: خاوند والی 2: مطلقہ

آیت ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ (البقرۃ:233) میں اس مطلقہ کا حکم ہے جو خاوند کی خواہش اور بچہ کی ضرورت کے تحت اجرت پر دودھ پلاتی ہو، اس میں خاوند، بیوی، بچہ تینوں کے حقوق کے خیال کیا گیا ہے اور مدت رضاعت دو سال مقرر کر دی گئی ہے، ایک تو اسی آیت "حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ" کی وجہ سے اور دوسرے حدیث: "لا رضاع بعد الحولين" (سنن سعید بن منصور: ص139 رقم الحدیث 987 عن ابن مسعود موقوفاً) کی وجہ۔

تینوں کی رعایت اس طرح ہے کہ بچہ دو سال تک ماں کے دودھ سے ہی صحیح پرورش پاتا ہے اور ماں چونکہ طلاق کی وجہ سے بچے کو دودھ پلانے کی شرعاً مکلف نہیں رہی اور باپ کے ذمہ اس کا نان ونفقہ بھی نہیں رہا۔ ماں کی اجرت مقرر کر کے اس کی معیشت اور بچہ کی پرورش کا انتظام ہو گیا اور اگر بچہ دو سال سے قبل بھی ماں کے دودھ کے بغیر پرورش پا سکتا ہو تو دو سال سے قبل دودھ چھڑانے کا باہمی مشاورت و رضامندی سے اختیار بھی دے دیا گیا اور بچہ کی جسمانی کمزوری یا کسی مرض کی وجہ سے ضرورت ہو تو دو سال کے بعد بھی دودھ پلانے کا اختیار دے دیا گیا۔ جیسا کہ آیت "فَإِنْ أَرَادَا فِصَالاً" کے لفظ "فا" اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ تفسیر: " إن أرادا أن يفطماه قبل الحولين وبعده." (تفسیر الطبری: ج2 ص604 تحت هذه الآية) سے ظاہر ہے۔

آیت ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ (الاحقاف:15) میں خاوند والی عورت کا ذکر ہے کہ وہ اڑھائی سال تک دودھ پلا سکتی ہے۔

جواب نمبر 2:

مدت رضاعت تو دو سال ہے، البتہ مسئلہ نکاح میں احتیاط کی بنا پر اڑھائی سال کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ مدت رضاعت دو سال میں نص صریح نہیں بلکہ اسی آیت میں ہی دو سال سے زائد مدت کے اشارے ملتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ آیت "وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ الآية" میں لفظ "فَإِنْ أَرَادَا فِصَالاً" بتا رہا ہے کہ مدت رضاعت دو سال کے بعد بھی ہو سکتی ہے کیونکہ اگر دو سال کے بعد رضاعت کی اجازت نہ ہوتی تو دودھ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

چھڑانا ضروری ہوتا، باہمی مشاورت اور رضا کی شرط ہی نہ ہوتی۔

اسی طرح آیت "وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْراً" میں لفظ "حَمْلُهُ" میں دو احتمال ہیں:

نمبر1: ماں کے پیٹ والا حمل

نمبر2: گود والا حمل

اگر ماں کے پیٹ والا حمل مراد ہو تو معنی ہوگا کہ کل مدتِ حمل اور رضاعت مل کر اڑھائی سال ہے، البتہ مدتِ حمل اور رضاعت کی تقسیم کا ذکر نہیں کہ حمل 9 ماہ ہو تو مدتِ رضاعت 21 ماہ، حمل 12 ماہ ہو تو مدتِ رضاعت 18 ماہ وغیرہ۔ اسی لیے اکثر حضرات کی رائے یہ ہے اقل مدت حمل 6 ماہ اور اکثر مدت رضاعت 24 ماہ ہے۔

اور اگر حمل سے مراد گود والا لیں تو مطلب ہوگا کہ ماں کے گود میں رکھنے اور دودھ چھڑانے کی مدت اڑھائی سال ہے، تو معنی یہ ہوگا کہ حمل اور رضاعت ہر دو کی مدت اڑھائی سال ہے اور حمل سے مراد گود میں رکھنا قرآن کریم میں دوسرے مقام پر بھی استعمال ہوا ہے، جیسے "فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ" (مریم:27) اب یہ آیت بھی مدت رضاعت کے دو سال ہونے میں نص صریح نہیں ہوگی۔

یہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور بظاہر یہ زیادہ قوی ہے کیونکہ اس آیت میں ماں کی تین مشکلات کا ذکر ہے۔ [۱] پیٹ والا حمل [۲] جننا [۳] گود میں اٹھانا۔ کما فی قولہ تعالیٰ: ﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾

اگر ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ﴾ میں بھی گود والا حمل لینے کی بجائے پیٹ والا حمل مراد لیا جائے تو بظاہر یہ تکرار ہوگا اور مشکلات دو بنیں گی نہ کہ تین۔ لہذا امام صاحب کا مسلک یہ ہے مدت رضاعت دو سال ہے حرمت نکاح بالرضاعۃ میں احتیاطاً اڑھائی سال کی مدت کا خیال رکھا جائے۔

جواب نمبر3:

امام صاحب کے دونوں قول ہیں دو سال اور اڑھائی سال، مگر فتویٰ دو سال پر ہے۔

[۱]: امام علاء الدین الحصکفی [م 1083ھ] میں ہے:

(حَوْلَانِ وَنِصْفٌ عِنْدَهُ وَحَوْلَانِ) فَقَطْ (عِنْدَهُمَا وَهُوَ الْأَصَحُّ) فَتْحٌ وَبِهِ يُفْتَى كَمَا فِي تَصْحِيحِ الْقُدُورِيِّ

(الدر المختار مع رد المختار: ج4 ص387 باب الرضاع)

ترجمہ: مدت رضاعت امام صاحب کے نزدیک اڑھائی سال اور صاحبین کے نزدیک صرف دو سال ہے اور یہی دو سال والا قول زیادہ صحیح ہے، یہ بات فتح القدیر میں ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ علامہ قاسم بن قطلوبغا کی کتاب "تصحیح القدوری" میں ہے۔

[۲]: الشیخ عبد الغنی الغُنَیمی المِیدانی الحنفی [م 1298ھ] لکھتے ہیں:

(و قالا سنتان) لان ادنی مدة الحمل ستة اشهر فبقی للفصال حولان قال فی الفتح: وهو الاصح. و فی التصحیح عن العیون و بقولهما نأخذ للفتویٰ (اللباب فی شرح الکتاب: ج3 ص31 کتاب الرضاع)

ترجم: صاحبین فرماتے ہیں کہ مدت رضاعت صرف دو سال ہے کیونکہ حمل کی کم سے کم مدت دو سال ہے اور مدت رضاعت کے لیے باقی دو سال بچتے ہیں۔ فتح القدیر میں ہے کہ یہی دو سال والا قول زیادہ صحیح ہے۔ "تصحیح القدوری للعلامہ قطلوبغا" میں " عیون المسائل لابی اللیث السمرقندی" کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے۔

[۳]: مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں:

مدت رضاعت کی دو سال ہے علی الاصح المفتی بہ یعنی اسی پر فتویٰ ہے۔ (تذکرۃ الرشید: ج1 ص185)

تو غیر مفتیٰ بہ قول پر فتوی دینا جائز نہیں تو اس کو بنیاد بنا کر تنقید کرنا کیسے جائز ہوگا؟!

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر 4:

غیر مقلدین کو یہ اعتراض زیب نہیں دیتا کیونکہ ان کے اکابر کے ہاں تو 60 سال کے باباجی بھی عورت کا دودھ پی سکتے ہیں۔

"ویجوز ارضاع الکبیر ولو کان ذالحیۃ لتجویز النظر"

(کنز الحقائق از علامہ وحید الزمان: ص67، نزل الابرار از علامہ وحید الزمان: ص77)

ترجمہ: نظر کے جائز کے ہونے کے لیے بڑے آدمی کو دودھ پلانا جائز ہے۔

ارضاع کبیر بناء بر تجویز نظر جائز است (عرف الجادی از نواب میر نور الحسن خان: ص130)

ترجمہ: نظر کے جائز کے ہونے کے لیے بڑے آدمی کو دودھ پلانا جائز ہے۔

اعتراض نمبر 4:

امام صاحب زانیہ اور زانی کے لیے حد کے قائل نہیں اور زنا کا دروازہ کھول رہے ہیں۔ کیونکہ فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

ولو استاجر امراۃ لیزنی بھا فزنی بھا لا یحد فی قول ابی حنیفۃ

(فتاویٰ قاضی خان: ج4 ص407 کتاب الحدود)

ترجمہ: اور اگر کسی عورت کو زنا کرنے کے لیے اجرت پر رکھا، پھر اس سے زنا بھی کیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اس پر حد نہیں۔

در مختار میں ہے:

(وَلَا) حَدَّ (بِالزِّنَا بِالْمُسْتَأْجَرَةِ لَهُ) أَيْ لِلزِّنَا. وَالْحَقُّ وُجُوبُ الْحَدِّ كَالْمُسْتَأْجَرَةِ لِلْخِدْمَةِ

(الدر المختار للحصکفی: ج6 ص46 کتاب الحدود- باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ)

ترجمہ: جس عورت کو اجرت پر رکھا اس کے ساتھ زنا کرنے پر حد نہیں ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس پر حد واجب ہے جیسا کہ خدمت کے لیے اجرت پر رکھی گئی عورت کے ساتھ زنا کرنے پر حد ہے۔

جواب:

قرآن کریم میں ہے: ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ (النساء:24)

ترجمہ: جن عورتوں سے (نکاح کرکے) تم نے لطف اٹھایا ہو ان کو ان کا وہ مہر ادا کرو جو مقرر کیا گیا ہو۔

اس میں چونکہ اجرت ہے اور اجرت سے حق مہر کا شبہ ہو گیا اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ مشہور ضابطہ ہے:

اَلْحُدُودُ تَنْدَرِءُ بِالشُّبُهَاتِ. (الجوہرۃ النیرۃ: ج2 ص313 کتاب الدعویٰ، اللباب فی شرح الکتاب للمیدانی: ج1 ص365 کتاب الدعویٰ)

ترجمہ: شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔

اعتراض: اجرت سے حقِ مہر کا شبہ ہو گیا مگر نکاح کیسے ثابت ہو گا؟

جواب: امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں نکاح کے لیے گواہ شرط نہیں۔ علامہ محمد بن عبد الرحمن العثمانی الشافعی لکھتے ہیں:

ولا یصح النکاح الا بشھادۃ عند الثلاثۃ، وقال مالك یصح من غیر شھادۃ

(رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ: ص205 کتاب النکاح)

ترجمہ: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک گواہوں کے بغیر نکاح صحیح نہیں اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گواہوں کے بغیر نکاح صحیح ہے۔

شبہ سے حد کا ساقط ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ مشکوۃ شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح بلا ولی کو تین بار باطل قرار دیا۔ الفاظ حدیث یہ ہیں:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

وعن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها . (مشکوۃ المصابیح: ج2ص292 کتاب النکاح باب الولی فی النکاح واستیذان المراۃ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت نے بھی اپنے ولی کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔ اگر خاوند نے ہمبستری کر لی تو اس عورت کو مہر ملے گا کیونکہ اس شوہر نے اس عورت سے نفع اٹھایا ہے۔

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مہر بھی مقرر فرمایا اور حد بھی جاری نہیں کی۔

اسی طرح موطا امام مالک میں ہے:

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ خَوْلَةَ بِنْتَ حَكِيمٍ دَخَلَتْ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَتْ إِنَّ رَبِيعَةَ بْنَ أُمَيَّةَ اسْتَمْتَعَ بِامْرَأَةٍ فَحَمَلَتْ مِنْهُ فَخَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَزِعًا يَجُرُّ رِدَاءَهُ فَقَالَ هَذِهِ الْمُتْعَةُ وَلَوْ كُنْتُ تَقَدَّمْتُ فِيهَا لَرَجَمْتُ. (موطا مالک: ص507 باب نکاح المتعۃ)

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ حضرت خولہ بنت حکیم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے عرض کیا کہ ربیعہ بن امیہ نے ایک عورت سے متعہ کیا ہے جس سے وہ حاملہ ہو گئی ہے۔ حضرت عمر اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے ربیعہ کے پاس گئے اور اسے فرمایا کہ اگر میں یہ متعہ کے حرام ہونے کا مسئلہ پہلے بیان کر چکا ہوتا تو تجھے سنگسار کر دیتا۔

اس واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ کرنے والے شخص پر حد جاری نہیں کی کہ اس کو علم نہیں تھا حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک متعہ حرام اور قابل سنگسار ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام شافعی رحمہ اللہ ہر وہ توجیہ جو کسی سنی مستند عالم نے کی ہو اور اس توجیہ کی وجہ سے وطی کو حلال کہا ہو تو اس وطی پر حد کے قائل نہیں اگرچہ وطی کرنے والا اس کو حرام جانتا ہو مثلاً ولی کے بغیر نکاح جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں جائز ہے اور گوہوں کے بغیر نکاح جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کی نسبت معروف ہے۔ (المسویٰ شرح الموطا: ج2ص144)

لہٰذا اس مسئلہ میں حد کا ساقط ہونا احناف کا محض دعویٰ نہیں بلکہ یہ موقف قرآن، سنت اور آثار صحابہ کے مذکورہ دلائل سے ثابت ہے۔

لہٰذا فقہ حنفی پر اعتراضات دراصل قرآن وسنت کے ان واضح دلائل سے بے خبری کی دلیل ہے۔

جواب نمبر 2:

حد زنا کے نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس پر تعزیر بھی نہیں ہے۔ مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

من أتى بهيمة فلا حد عليه. (جامع الترمذی: باب فیمن یقع علی بہیمۃ)

ترجمہ: جو آدمی کسی جانور سے بد فعلی کرے اس پر حد نہیں۔

کیا غیر مقلدین اس سے یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ ایسے آدمی پر کوئی سزا نہیں؟! حالانکہ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس پر کوئی سزا نہیں بلکہ اس شخص پر تعزیر ہے اور تعزیر کبھی حد سے بھی سخت ہوتی ہے۔

جواب نمبر 3:

احناف کا راجح موقف اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ اس شخص کو حد زنا لگے گی۔ در مختار میں ہے:

وَالْحَقُّ وُجُوبُ الْحَدِّ كَالْمُسْتَأْجَرَةِ لِلْخِدْمَةِ. (الدر المختار للحصکفی: ج6ص46 کتاب الحدود- باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ)

ترجمہ: صحیح بات یہ ہے کہ اس آدمی پر حق واجب ہے جیسا کہ خدمت کے لیے اجرت پر رکھی گئی عورت کے ساتھ زنا کرنے پر حد ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اعتراض نمبر 5:

امام صاحب کے ہاں زانیہ کی اجرت حلال ہے۔ رد المحتار میں ہے:

مَا أَخَذَتْهُ الزَّانِيَةُ إِنْ كَانَ بِعَقْدِ الْإِجَارَةِ فَحَلَالٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. (رد المحتار لابن عابدین: ج9 ص76 باب الاجازۃ الفاسدۃ)

جواب:

اجارہ کی تین قسمیں ہیں: 1: اجارہ صحیحہ 2: اجارہ فاسدۃ 3: اجارہ باطلۃ

اجارہ صحیحہ: اصل کام جس کے عوض اجرت ہے جائز ہو اور کوئی وجہ ناجائز مثل شرط وغیرہ بھی ساتھ نہ لگی ہو۔

اجارہ فاسدہ: اصل کام جائز ہو مگر کسی شرط کی وجہ سے معاملہ ناجائز ہو، وہ شرط فی نفسہ امر مباح ہو یا حرام۔ مثلاً مکان کی حفاظت پر نوکر رکھا ساتھ شرط لگا دی کہ کبھی کبھی کھانا بھی پکائے گا یا ہمارے تاش بھی کھیلے گا۔ اس اجارہ حکم یہ ہے کہ یہ معاملہ ختم کر دیں اور اگر کسی نے ختم نہ کیا تو یہاں اجر معین نہیں بلکہ اجرِ مثل ملے گی۔

اجارہ باطلہ: اصل کام ہی ناجائز ہو۔ حکم یہ ہے کہ اس کی اجرت دینا جائز نہ لینا جائز۔

اصل مسئلہ: کسی شخص نے اجرت پر عورت کو کام کاج کے لیے رکھا اور معاملہ مکمل ہو جانے کے بعد زنا کی شرط بھی رکھ دی۔ اب تین باتیں قابل غور ہیں:

1: اصل معاملہ صحیحہ ہے، فاسدہ ہے یا باطلہ؟

2: اگر شرط پر عمل نہ کیا تو اجرت دوسرے کام کی دی جائے گی یا نہیں؟

3: اگر شرط پر عمل کر لیا تو اصل کام کی اجرت دیں گے یا نہ؟

ان تینوں کا حکم:

1: یہ معاملہ اجارہ فاسدہ ہے جو کہ ختم کرا دینا چاہیے۔

2: اجارہ چونکہ فاسدہ ہے، لہٰذا عورت کو اجرت معین نہیں بلکہ اجر المثل دی جائے گی۔

3: اصل کام کی اجرت اجر المثل دینی چاہیے اور زنا کی وجہ سے حد زنا جاری ہونی چاہیے۔

تو اس میں دو مسئلے ہیں: 1: اجرت 2: حد

اجرت کا مسئلہ "باب الاجارۃ" اور حد کا مسئلہ "باب حد الزنا" میں ہے، غیر مقلدین خلط ملط کرتے ہیں۔ امام صاحب کی کمال تفقہ ہے کہ دودھ اور پانی جدا کر دیا۔

مثال: کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے جائے اور واپسی پر چوری بھی کر لے، تو نماز کا ثواب ملے گا اور چوری پر حد السرقہ لگے گی۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے "غرر الافکار للشیخ محمد البخاری" کے واسطہ سے نقل کیا ہے:

وَفِي غُرَرِ الْأَفْكَارِ عَنْ الْمُحِيطِ: مَا أَخَذَتْهُ الزَّانِيَةُ إِنْ كَانَ بِعَقْدِ الْإِجَارَةِ فَحَلَالٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، لِأَنَّ أَجْرَ الْمِثْلِ فِي الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ طَيِّبٌ وَإِنْ كَانَ الْكَسْبُ حَرَامًا وَحَرَامٌ عِنْدَهُمَا. (رد المحتار لابن عابدین: ج9 ص76 باب الاجازۃ الفاسدۃ)

غیر مقلدین کی عبارت سمجھنے میں غلطیاں:

1: "إِنْ كَانَ" میں موجود ضمیر "هُوَ" کو "مَا" کی طرف راجع کر دیا۔

2: "بعقد الاجارۃ" کی "با" کو سببیہ سمجھا۔

3: "الاجارۃ" کو اجارہ زنا سمجھا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حالانکہ یہ تینوں باتیں غلط ہیں، صحیح یہ ہے کہ:

1: "إِنْ كَانَ" میں موجود ضمیر "هُوَ" راجع ہے "الزنا" کی طرف جو لفظِ "الزانية" سے مفہوم ہو رہا ہے جیسے ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ میں ہے۔

2: "بعقد الاجارة" کی "با" بمعنی سبب نہیں بلکہ بمعنی تلبس ہے؛ "ای متلبسا بعقد الاجارة" اور اس میں "متلبسا" موصوف اور "شرطا" صفت ہے۔

3: "الاجارة" سے مراد اجارہ زنا نہیں بلکہ اجارہ صحیحہ مراد ہے۔

اب عبارت یوں ہو گی:

ان ما اخذته ای اجرَ المثل الذی اخذتْه الزانيةُ ان کان ای الزنا شرطاً متلبسًا بعقد الاجارة ای الصحيحة فهو ای ما اخذته حلال عند ابی حنيفة لان اجر المثل فی الاجارة الفاسدة طيب وان کان السبب حراما، و حرام عندهما

اور اگر عقد اجارہ کے بغیر زنا کی اجرت ہو تو بالاتفاق حرام ہے، چنانچہ اسی عبارت کے آگے درج ہے:

وَإِنْ كَانَ بِغَيْرِ عَقْدٍ فَحَرَامٌ اتِّفَاقًا؛ لِأَنَّهَا أَخَذَتْهُ بِغَيْرِ حَقٍّ اهـ

(رد المحتار لابن عابدین: ج9 ص76 باب الاجارۃ الفاسدۃ)

ترجمہ: اگر عقد اجارہ کے بغیر زنا کیا تو اجرت بالکل حرام ہے کیونکہ اس نے یہ اجرت بغیر حق کے وصول کی ہے۔

فائدہ: صاحبین اجرت کو حرام کہتے ہیں کیونکہ وہ زنا کو داخلِ معاملہ خیال کرتے ہیں، حالانکہ صورت مذکورہ میں زنا داخلِ معاملہ نہیں بلکہ شرط زائد خارجِ عقد ہے۔ تو گویا یہ نزاع بھی لفظی ہوا کیونکہ اگر داخلِ عقد مانیں تو امام صاحب کے ہاں بھی اجرت حرام اور اجارہ باطلہ ہے اور خارجِ عقد مانیں تو صاحبین کے ہاں بھی اجارہ فاسد اور اجر المثل حلال ہے۔

ملحوظہ: فقہاء احناف کے ہاں جب گانے، نوحہ، لہو ولعب کی اجرت جائز نہیں تو زنا کی اجرت کیسے جائز ہو سکتی ہے؟! ہدایہ میں ہے:

ولا يجوز الاستئجار على الغناء والنوح و كذا سائر الملاهی لأنه استئجار على المعصية والمعصية لا تستحق بالعقد

(الہدایۃ: ج3 ص306 باب الاجارۃ الفاسدۃ)

ترجمہ: گانا گانے، نوحہ کرنے اور اسی طرح دیگر گانے کے آلات کو اجارہ پر لینا جائز نہیں کیونکہ یہ گناہوں کے کاموں پر اجارہ ہے جو کہ عقد کا مستحق نہیں ہے۔

اعتراض نمبر 6:

حنفیوں کے ہاں امامت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ امام اس کو بنایا جائے جس کی بیوی خوبصورت ہو۔ الدر المختار میں ہے:

قَوْلُهُ ثُمَّ الْأَحْسَنُ زَوْجَةً

(الدر المختار: ج2 ص352 باب الامامۃ)

تو کیا امام کی بیوی کو دیکھیں گے؟

جواب:

1: امام کا پاکدامن اور عفیف ہونا ہر کسی کے ہاں پسندیدہ امر ہے اور نکاح کا مقصد بھی پاکدامنی اور عفت ہے۔ حدیث میں ہے:

فَأَنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ. (صحیح مسلم: کتاب النکاح باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ الیہ)

ترجمہ: کیونکہ نکاح آنکھ کی بد نظری سے حفاظت اور بدکاری سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اور بیوی کا خوبصورت ہونا بیوی کی طرف میلان کا سبب ہے اور بیوی کی طرف یہی میلان پاکدامنی کا سبب ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں:

لِأَنَّهُ غَالِبًا يَكُونُ أَحَبَّ لَهَا وَأَعَفَّ لِعَدَمِ تَعَلُّقِهِ بِغَيْرِهَا.

(رد المحتار)

ترجمہ: کیونکہ بیوی کے خوبصورت ہونے کی صورت میں شوہر اس سے زیادہ محبت کرے گا اور اس کے علاوہ عورتوں سے عدمِ تعلق کی وجہ سے زیادہ عفیف اور پاکیزہ ہو گا۔

2: امام کے لیے حدیث میں ہے:

إِنْ سَرَّكُمْ أَنْ تُقْبَلَ صَلَاتُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ خِيَارُكُمْ ، فَإِنَّهُمْ وُفُودُكُمْ فِيمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ

(الآحاد والمثانی لاحمد بن عمرو الشیبانی: ج1 ص250 من ذکر مرثد بن ابی مرثد)

ترجمہ: اگر یہ چاہو کہ تمہاری نمازیں قبول ہوں تو تم میں سے بہترین لوگ نماز پڑھائیں، کیونکہ یہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان نمائندے ہیں۔

"خیار الناس" کے بارے میں دوسری حدیث میں ہے:

خيار كم خيار كم لنسائهم

(جامع الترمذی: ج1 ص219 ابواب الرضاع، باب حق المراۃ علی زوجہا، المعجم الکبیر للطبرانی: ج9 ص327 رقم الحدیث 18297، مشکوٰۃ المصابیح: باب عشرۃ النساء)

ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔

اور یہ بات مجرب ہے کہ جس کی بیوی خوبصورت ہو وہ بیوی کے حق میں خیار یعنی بہترین ثابت ہوتا ہے کیونکہ حدیث مبارک میں ہے:

ما استفاد المؤمن بعد تقوى الله خيرا له من زوجة صالحة إن أمرها أطاعته وإن نظر إليها سرته وإن أقسم عليها أبرَّته وإن غاب عنها نصحته في نفسها وماله

(مشکوٰۃ المصابیح: ص268 کتاب النکاح - الفصل الثالث)

ترجمہ: مومن اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد جو سب سے بہتر چیز اپنے لیے منتخب کرتا ہے وہ نیک بخت خوبصورت بیوی ہے، ایسی بیوی کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر شوہر اس کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ اس کی تعمیل کرتی ہے، جب وہ اس کی طرف دیکھتا ہے تو اپنے حسن اور پاکیزگی اور اپنی خوش سلیقگی و پاک سیرتی سے اس کا دل خوش کرتی ہے، جب وہ اس کو قسم دیتا ہے تو اس قسم کو پورا کرتی ہے، اور جب اس کا خاوند موجود نہیں ہوتا تو وہ اپنے نفس کے بارے میں یہ خیر خواہی کرتی ہے کہ اس کو ضائع و خراب ہونے سے بچاتی ہے اور اس میں کوئی خیانت نہیں کرتی۔

اس حدیث میں لفظ "وإن نظر إليها سرته" کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

وإن نظر إليها سرته أي جعلته مسرورا بحسن صورتها وسيرتها ولطف معاشرته ومباشرته

(ج6 ص249 کتاب النکاح - الفصل الثالث رقم الحدیث 3095)

ترجمہ: حدیث کے الفاظ "اگر خاوند بیوی کے طرف دیکھے تو بیوی اس کو خوش کر دے" کا مطلب یہ ہے کہ بیوی خاوند کو اپنی حسنِ صورت، حسنِ سیرت، اچھے برتاؤ اور اچھے تعلقات سے خوش کر دے۔

معلوم ہوا کہ بیوی کا حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسنِ صورت والی ہونا خاوند کے زیادہ میلان کا سبب ہے اور اس سے خاوند کا "خیار الناس" ہونا ثابت ہوتا ہے اور حدیث میں امام کے لیے "خیار" کا لفظ آیا ہے۔

3: یہ شرط نفسِ امامت کے لیے نہیں ہے بلکہ احقیت امامت کے لیے ہے اور احقیت امامت کے لیے حدیث میں بعض اوصاف کا ذکر موجود

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ہے۔ مثلاً حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ

(صحیح البخاری: باب من قال لیؤذن فی السفر مؤذن واحد)

ترجمہ: جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور تم میں سے بڑا آدمی امامت کرائے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیؤمکم اقراکم لکتاب اللہ فان کانت القراءۃ واحدۃ فلیؤمکم اعلمکم بالسنۃ فان کانت السنۃ واحدۃ فلیؤمکم اقدمکم سنا

(معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم: ج2149)

ترجمہ: تمھیں نماز وہ آدمی پڑھائے جو قرآن مجید کا قاری ہو، اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو وہ پڑھائے جو سنت کا زیادہ عالم ہو، اگر اس میں بھی برابر ہوں تو وہ پڑھائے جو عمر میں بڑا ہو۔

بقیہ اوصاف ان پر قیاس سے ثابت ہیں اور قیاس مستقل دلیل شرعی ہے۔

رہا یہ اشکال کہ اس کا کیسے پتہ چلے گا؟ تو اس بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَهَذَا مِمَّا يُعْلَمُ بَيْنَ الْأَصْحَابِ أَوْ الْأَرْحَامِ أَوْ الْجِيرَانِ ، إذْ لَيْسَ الْمُرَادُ أَنْ يَذْكُرَ كُلٌّ مِنْهُمْ أَوْصَافَ زَوْجَتِهِ حَتَّى يُعْلَمَ مَنْ هُوَ أَحْسَنُ زَوْجَةً

(رد المحتار)

ترجمہ: یہ ایسی بات ہے جو دوستوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے معلوم ہو جاتی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان لوگوں میں سے ہر آدمی اپنی بیوی کے اوصاف ذکر کرتا پھرے تاکہ پتہ چلے کہ کس کی بیوی خوبصورت ہے؟!

یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ بضرورت نکاح بذریعہ خواتین پتہ چلایا جاتا ہے کہ خاتون جس سے نکاح مقصود ہے، وہ کیسی ہے؟

اعتراض نمبر 7:

امام اسے بنایا جائے جس کا سر بڑا اور آلہ تناسل چھوٹا ہو۔ درمختار میں ہے:

(ثُمَّ الْأَكْبَرُ) رَأْسًا وَالْأَصْغَرُ عُضْوًا۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ج2 ص352 باب الامامۃ)

اور عضو سے مراد "آلہ تناسل" ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ "عضو" واحد ہے اور تمام جسم میں واحد عضو صرف آلہ تناسل ہی ہے۔

(المبنی للفاعل از عبد العزیز نورستانی: ص19)

جواب نمبر 1:

مراد اس سے یہ ہے کہ امام معتدل مزاج اور معتدل جسم والا ہو، جس کی صورت یہ ہے کہ سر دوسرے اعضاء سے نسبتاً بڑا ہو کیونکہ سر کا چھوٹا ہونا بنسبت دوسرے اعضاء کے، کم عقل ہونے کی علامت ہوتی ہے اور عضو سے مراد آلہ تناسل لینا شامی پر جھوٹ ہے، کیونکہ علامہ شامی خود فرماتے ہیں:

وَفِي حَاشِيَةِ أَبِي السُّعُودِ: وَقَدْ نُقِلَ عَنْ بَعْضِهِمْ فِي هَذَا الْمَقَامِ مَا لَا يَلِيقُ أَنْ يُذْكَرَ فَضْلًا عَنْ أَنْ يُكْتَبَ اهـ وَكَأَنَّهُ يُشِيرُ إلَى مَا قِيلَ إنَّ الْمُرَادَ بِالْعُضْوِ الذَّكَرُ

(رد المختار: ج2 ص352 باب الامامۃ)

ترجمہ: ابو السعود کے "حاشیہ علی الاشباہ والنظائر لابن نجیم" میں ہے: اس مقام پر بعض لوگوں سے ایسی بات نقل کی گئی ہے جس کا تذکرہ کرنا بھی

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مناسب نہیں چہ جائیکہ اس کو یہاں لکھا جائے۔ ابن عابدین فرماتے ہیں: گویا ابو السعود اس قول کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو کسی کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اس عضو سے مراد ذکر ہے۔

منحۃ الخالق علی حاشیۃ "کنز الد قائق للنسفی" لابن عابدین میں بھی اس جیسے الفاظ کے ساتھ اس کی تردید موجود ہے۔ فرماتے ہیں:

وقد قیل فی تفسیرہ بما لا ینبغی ان یذکر

(ج1ص610 کتاب الصلاۃ باب الامامۃ)

ترجمہ: اس کی تفسیر میں وہ کچھ کہا گیا ہے جس کا ذکر بھی مناسب نہیں۔

عبد العزیز نورستانی نے جو دلیل دی ہے کہ چونکہ "عضوا" واحد ہے اور جسم میں واحد عضو ذکر ہی ہوتا ہے اس لیے یہاں وہی مراد ہے بالکل جھوٹ ہے، کیونکہ ناک بھی تو جسم میں واحد عضو ہے، زبان بھی واحد عضو ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ باقی اعضاء تو جسم میں دو دو ہیں تو پھر واحد کا لفظ کیوں لائے؟ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ بسا اوقات بطورِ جنس کے ایک سے زائد اعضاء پر بھی لفظ واحد بولا جاتا ہے، جیسے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ [صحیح البخاری: رقم الحدیث 9]

ترجمہ: کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ [صحیح مسلم: رقم الحدیث 49]

ترجمہ: تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روک دے۔

جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ [المعجم الکبیر للطبرانی: رقم الحدیث 1012]

ترجمہ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

جواب نمبر 2:

اگر "عضواً" سے مراد آلہ تناسل ہو تو بھی مجازی اور محاوراتی معنی مراد ہو گا یعنی "پاک دامن ہو، عورتوں کے پیچھے پھرنے والا نہ ہو بلکہ خود پر کنٹرول کرنے والا ہو" جیسا کہ سخی کو "اطول یدا" کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا:

اَسْرَعُکُنَّ بِیْ لِحَاقاً اَطْوَلُکُنَّ یَدًا.

(صحیح مسلم: ج2ص291 باب فضائل زینب ام المومنین رضی اللہ عنہا)

ترجمہ: میری وفات کے بعد تم میں سے سب سے پہلے اس بیوی کی وفات ہو گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔

اس سے مراد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں کیونکہ وہ سخاوت میں ممتاز تھیں۔

اعتراض نمبر 8:

حنفیہ کے ہاں استمناء بالید جائز ہے بلکہ زنا کا خوف ہو تو واجب ہے۔

إِنْ أَرَادَ تَسْکِینَ الشَّهْوَةِ يُرْجَى أَنْ لَا يَكُونَ علیہ وَبَالٌ. (البحر الرائق لابن نجیم: ج2ص475 باب مایفسد الصوم ومالا یفسد)

ترجمہ: اگر شہوت کو ختم کرنے کا ارادہ ہو تو امید ہے کہ اس پر کوئی وبال (گناہ) نہ ہو۔

وَلَوْ خَافَ الزِّنٰی يُرْجَى أَنْ لَا وَبَالَ عَلَيْهِ. (الدر المختار مع رد المحتار: ج3ص426 باب مایفسد الصوم ومالا یفسد)

ترجمہ: اگر زنا کا خوف ہو تو امید ہے کہ اس پر کوئی وبال (گناہ) نہ ہو۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر1:

حنفیہ کا مذہب ہے: اَلِاسْتِمْنَاءُ حَرَامٌ ،وَفِيهِ التَّعْزِيرُ. (الدر المختار: ج6 ص44 کتاب الحدود، فرع: الاستمناء)

ترجمہ: مشت زنی حرام ہے اور اس میں تعزیر ہے۔

دلیل یہ ہے: ناکح الید ملعون

(کشف الخفاء للعجلونی: ج2 ص325)

ترجمہ: ہاتھ سے نکاح کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے۔

ہاں البتہ اگر غلبہ شہوت ہو اور زنا کا خطرہ ہو تو بھی واجب یا مستحب نہیں بلکہ صرف امید معافی کی بات ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

إِنْ أَرَادَ بِذَلِكَ تَسْكِينَ الشَّهْوَةِ الْمُفْرِطَةِ الشَّاغِلَةِ لِلْقَلْبِ وَكَانَ عَزَبًا لَا زَوْجَةَ لَهُ وَلَا أَمَةَ أَوْ كَانَ إلَّا أَنَّهُ لَا يَقْدِرُ عَلَى الْوُصُولِ إلَيْهَا لِعُذْرٍ قَالَ أَبُو اللَّيْثِ أَرْجُو أَنْ لَا وَبَالَ عَلَيْهِ

(رد المحتار: ج3 ص426 باب مایفسد الصوم ومالا یفسد)

ترجمہ: اگر شہوت کو ختم کرنے کا ارادہ ہو جو حد سے زیادہ ہو اور دل کو گناہ کی طرف میلان کرنے والی ہو اور وہ آدمی غیر شادی شدہ ہو کہ نہ اس کی بیوی ہو نہ کوئی باندی یا ہو تو شادی شدہ لیکن ان تک پہنچنے میں کوئی عذر ہو۔ فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ اس پر کوئی وبال (گناہ) نہ ہو گا۔

اور اگر محض لذت کے لیے ہو تو سراسر حرام لکھا ہے:

وَأَمَّا إذَا فَعَلَهُ لِاسْتِجْلَابِ الشَّهْوَةِ فَهُوَ آثِمٌ

(رد المحتار: ج3 ص426 باب مایفسد الصوم ومالا یفسد)

ترجمہ: اگر شہوت لانے کے لیے مشت زنی کرتا ہے تو یہ گناہ گار ہو گا۔

بلکہ علامہ علاء الدین الحصکفی نے تو بیوی اور باندی سے بھی استمناء کو مکروہ لکھا ہے:

اَلِاسْتِمْنَاءُ حَرَامٌ ،وَفِيهِ التَّعْزِيرُ وَلَوْ مَكَّنَ امْرَأَتَهُ أَوْ أَمَتَهُ مِنْ الْعَبَثِ بِذَكَرِهِ فَأَنْزَلَ كُرِهَ.

(الدر المختار: ج6 ص44 کتاب الحدود، فرع: الاستمناء)

ترجمہ: مشت زنی حرام ہے اور اس میں تعزیر ہے، اور اگر بیوی یا باندی کو ذکر سے کھیلنے دیا اور انزال ہو گیا تو یہ مکروہ ہے۔

جواب نمبر2:

خود غیر مقلدین کو یہ اعتراض کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ:

وبالجملہ استنزال منی بکف یا بچیزے از جمادات نزد دعائے حاجت مباح است ولا سیما چوں فاعل خاشے از وقوع در فتنہ یا معصیت کہ اقل احوالش کہ نظر بازیست باشد کہ دریں حین مندوب است بلکہ گاہے واجب گردد۔

(عرف الجادی از نواب میر نور الحسن خان: ص207)

ترجمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہتھیلی یا جمادات میں سے کسی چیز کے ساتھ منی نکالنا ضرورت کے وقت مباح ہے خاص کر جب اس کام کرنے والے کو فتنہ یا معصیت میں واقع ہونے کا خوف ہو جس کی اول حالت یہ ہے کہ بد نظری کرنے لگے تو اس وقت استمناء مستحب اور بلکہ کبھی تو یہ فعل واجب بھی ہو جاتا ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عقیدہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت والجماعت:

حضور علیہ السلام وفات کے بعد اپنی قبر اطہر میں بتعلق روح زندہ ہیں، روضہ اقدس پر پڑھا جانے والا صلوۃ وسلام خود سنتے ہیں، جواب دیتے ہیں اور دور سے پڑھا جانے والا صلوۃ وسلام آپ کی خدمت اقدس میں بذریعہ ملائکہ پہنچایا جاتا ہے۔

مذہب اہل بدعت:

1: مولوی شہاب الدین خالدی اھل السنت والجماعت اور اشاعت کے عقیدہ حیات انبیاء علیہم السلام میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا قرآن کریم اور احادیث صریحہ کی رو سے یہ موقف ہے کہ اس مٹی والے جسم سے روح نکلنے کے بعد نہ تو وہ روح اس قبر میں مدفون جسم میں واپس آتی ہے اور نہ ہی اس مدفون جسم سے روح کا کوئی تعلق قائم ہوتا ہے جسکی بناء پر یہ جسم دیکھتا ہو اور سنتا ہو اور سن کر جواب دیتا ہو۔(عقائد علمائے اسلام ص91)

2: سجاد بخاری صاحب لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا جسد عنصری کے ساتھ نہیں تھا بلکہ جسد مثالی کے ساتھ تھا۔(اقامۃ البرھان ص168)

3: عطاء اللہ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

علماء میں سے دوسرا طبقہ ایسے "شرفاء" پر مشتمل ہے جو حق کو پہچانتے ہیں اور شرک وبدعات کی حقیقت سے پوری طرح باخبر ہیں لیکن اپنے ذاتی مفاد، چندوں کے لالچ، جھوٹے وقار اور خانقاہی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے زبانوں پر چپ کی مہریں لگائے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے خطبوں اور بیانات میں کبھی توحید کی حقیقت اور شرک کی وضاحت نہیں فرمائی بلکہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سماع موتیٰ اور بزرگوں کے وسیلے جیسے موضوعات پر دلائل (بزعم خود) دے کر الٹا شرک کے دہقان بنے ہوئے ہیں۔(شرک کیا ہے ص4)

اسی رسالہ میں بندیالوی صاحب نے حضور علیہ السلام کی حیات فی القبر کے عقیدہ کو شرک فی الحیاۃ قرار دیا ہے۔(شرک کیا ہے ص44)

خلاصہ کلام: منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام کے نزدیک...

1: حضور علیہ السلام سمیت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے مبارک اجسام وفات کے بعد محفوظ تو ہیں مگر زندہ نہیں

2: ان حضرات کو ایک اور جسم دیا جاتا ہے جس کے ساتھ وہ عبادت وغیرہ کرتے ہیں حیات بھی اسی کو ملتی ہے

3: جسم عنصری کو زندہ ماننا سبب شرک بلکہ شرک فی الحیات ہے

دلائل اہل السنت والجماعت

قرآن مجید مع التفسیر

آیت نمبر 1:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ. (البقرۃ آیت 154)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تفسیر نمبر1:

قاضی ثناءاللہ پانی پتی (م1225ھ) فرماتے ہیں:

فذهب جماعة من العلماء إلى ان هذه الحيوة مختص بالشهداء والحق عندي عدم اختصاصها بهم بل حيوة الأنبياء أقوى منهم وأشد ظهورا اثارها في الخارج حتى لا يجوز النكاح بأزواج النبي صلى الله عليه وسلم بعد وفاته بخلاف الشهيد.

(تفسیر مظہری ج:1ص:152)

یعنی بعض علماء کے نزدیک اس آیت میں جس حیات کا ذکر ہے وہ صرف شہداء کو ملتی ہے۔ لیکن صحیح قول کے مطابق انبیاء کو حیات شہداء سے بھی بڑھکر ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ شہید کی بیوی سے نکاح جائز ہے مگر نبی کی بیوی سے جائز نہیں۔

تفسیر نمبر2:

شیخ عبدالحق حقانی دہلوی رحمہ اللہ (م1336ھ) فرماتے ہیں:

کبھی پاک روحوں کا اثر جسم خاکی تک بھی پہنچتا ہے اور یہ جسم سڑتا، گلتا نہیں جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اور شہدائے عظام کے اجساد سے ظاہر ہوا ہے... لیکن اس حیات میں انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام بھی شریک ہیں اور اس کے درجات متفاوت ہیں۔

(تفسیر حقانی: ج1ص594)

تفسیر نمبر3:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (م1362ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے مثل زواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں۔ (بیان القرآن: ج1ص97)

تفسیر نمبر4:

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع (م1396ھ) فرماتے ہیں:

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اسلامی روایات کی رو سے ہر مرنے والے کو برزخ میں ایک خاص قسم کی حیات ملتی ہے جس سے وہ قبر کے عذاب یا ثواب کو محسوس کرتا ہے اس میں مؤمن و کافر یا صالح و فاسق میں کوئی تفریق نہیں لیکن اس حیات برزخی کے مختلف درجات ہیں ایک درجہ تو سب کو عام اور شامل ہے کچھ مخصوص درجے انبیاء علیہم السلام و صالحین کے لئے مخصوص ہیں اور ان میں بھی باہمی تفاضل ہے.... اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے حکیم الامت کی بیان القرآن والی تفسیر نقل فرمائی ہے کہ یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں۔ (معارف القرآن: ج1ص397)

آیت نمبر2:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ. (آل عمران آیت 169)

تفسیر نمبر1:

امام تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی (م756ھ) فرماتے ہیں:

والكتاب العزيز يدل على ذالك ايضاً قال الله تعالى: " وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

يُرْزَقُونَ "(آل عمران 169)واذاثبت ذلك فى الشهيد،ثبت فى حق النبى صلى الله عليه وسلم بوجوه :احدها : ان هذه رتبة شريفة اعطيت للشهيد كرامةله ، ولا رتبة اعلى من رتبة الانبياء ، ولاشك ان حال الانبياء اعلىٰ واكمل من حال جميع الشهداء ، فيستحيل ان يحصل كمال للشهداء ، ولا يحصل للانبياء ، لا سيما هذا الكمال الذى يوجب زيادة القرب و الزلفىٰ والنعيم ، والانس بالعلى الاعلىٰ.

الثانى ان هذه الرتبة حصلت للشهداء اجرا على جهادهم ، وبذلهم انفسهم لله تعالىٰ ، والنبى صلى الله عليه وسلم هو الذى سن لنا ذلك ودعانا اليه وهدانا له باذن الله تعالىٰ و توفيقه ، وقد قال صلى الله عليه وسلم من سن سنة حسنة ، فله اجرها واجر من عمل بها الى يوم القيامة ، ومن سن سنة سيئة ، فعليه وزرها ووزر من عمل بها الى يوم القيامة ......الثالث : ان انبى صلى الله عليه وسلم شهيد ، فانه صلى الله عليه وسلم لما سم بخيبر واكل من الشاة المسمومة ، وكان ذلك سما قاتلا من ساعته ، مات منه بشر ابن البراء رضى الله عنه ، وبقى النبى صلى الله عليه وسلم و ذلك معجزة فى حقه ؛ صار الم السم يتعاهده الى ان مات به صلى الله عليه وسلم فى مرضه الذى مات فيه " ماز الت اكلة خيبر تعاودنى ، حتىٰ كان الان اوان قطعت ابهرى.

(شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم ص:403 تا406)

تفسیر نمبر2:

امام حافظ محمد بن عبد الرحمن سخاوی شافعی (م902ھ) فرماتے ہیں:

ومن ادلة ذلك ايضاًقوله تعالىٰ " وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ "فان الشهادة حاصلة له صلى الله عليه وسلم على اتم الوجوه لانه شهيد الشهداء ، وقد صرح ابن عباس وابن مسعود و غيرهما رضى الله عنهم بانه صلى الله عليه وسلم مات شهيداً. (القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع ص:173)

تفسیر نمبر3:

علامہ جلال الدین سیوطی (م 911ھ) فرماتے ہیں:

وقد قال تعالىٰ فى الشهداء " وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ "والانبياء اولى بذلك فهم اجل و اعظم ، وما من نبى الا وقد جمع مع النبوة وصف الشهادة ، فيدخلون فى عموم لفظ الاية. (الحاوی للفتاویٰ:ص556)

تفسیر نمبر4:

مشہور غیر مقلد عالم قاضی محمد بن علی شوکانی(م1250ھ) لکھتے ہیں :

وورد النص فى كتاب الله فى حق الشهداء أنهم أحياء يرزقون وأن الحياة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالأنبياء والمرسلين وقد ثبت فى الحديث أن الأنبياء أحياء فى قبورهم رواه المنذرى وصححه البيهقى وفى صحيح مسلم عن النبى صلى الله عليه وآله وسلم قال مررت بموسى ليلة أسرى بى عند الكثيب الأحمر وهو قائم يصلى فى قبره. (نیل الاوطار ج:3ص:263)

تفسیر نمبر5:

شیخ الدکتور احمد بن عطیہ الغامدی(م1434ھ)امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”حیاۃ الانبیاء“ کے مقدمۃ التحقیق میں لکھتے ہیں:

ماثبت فى القرآن الكريم من نص على حياة الشهداء فى قوله تعالىٰ " وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ "والرسل اكمل من الشهداء بدون شك ولذلك كانوا احق بالحياة منهم .

(مقدمۃ التحقیق علی حیاۃ الانبیاء:ص:35)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

آیت نمبر 3:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا. (النساء 64)

تفسیر:

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (م 774ھ) اور دیگر مفسرین لکھتے ہیں:

وقوله وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا يرشد تعالى العصاة والمذنبين إذا وقع منهم الخطأ والعصيان أن يأتوا إلى الرسول صلى الله عليه وسلم فيستغفروا الله عنده ويسألوه أن يستغفر لهم فإنهم إذا فعلوا ذلك تاب الله عليهم ورحمهم وغفر لهم ولهذا قال لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا

وقد ذكر جماعة منهم الشيخ أبو نصر بن الصباغ في كتابه "الشامل" الحكاية المشهورة عن العُتْبى قال كنت جالسا عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم فجاء أعرابي فقال السلام عليك يا رسول الله سمعت الله يقول وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا وقد جئتك مستغفرا الذنبي مستشفعا بك إلى ربي ثم أنشأ يقول:

يا خيرَ من دُفنَت بالقاع أعظُمُه فطاب منْ طيبهنّ القاعُ والأكَمُ

نَفْسى الفداءُ لقبرٍ أنت ساكنُه فيه العفافُ وفيه الجودُ والكرمُ

ثم انصرف الأعرابي فغلبتني عيني فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم في النوم فقال يا عُتْبى الحقْ الأعرابيّ فبشره أن الله قد غفر له.

(تفسیر ابن کثیر ج2 ص348 الدر المنثور ج2 ص474 القول البدیع ص168،167، کتاب الایضاح فی مناسک الحج والعمرۃ نووی ص:455،454، حاشیہ علی شرح الایضاح ابن حجر المکی ص:489، کتاب المناسک ملا علی قاری ص:512)

واقعہ کی تحسین کرنے والے حضرات:

1: قال الامام المحدث ابو زكريا النووى (م 676ھ): ومن احسن ما يقول ما حكاه اصحابنا عن العتبى مستحسنين له.

(کتاب الایضاح فی مناسک الحج والعمرۃ للنووی: ص454)

2: قال الامام تقى الدين على بن عبد الكافى السبكى (م756ھ): وحكاية العتبى فى ذالك مشهورة وقد حكاها المصنفون فى المناسك من جميع المذاهب والمورخون وكلهم استحسنوها ورأوها من آداب الزائر وما ينبغى له. (شفاء السقام ص236،235)

3: قال الامام على بن احمد السمهودى (م 911ھ): ومن أحسن ما يقول ما حكاه أصحابنا عن العتبيّ مستحسنين له.

(خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ج1 ص56)

فائدہ نمبر 1:

حکیم الامت حضرت تھانوی (م 1362ھ) فرماتے ہیں:

مواہب میں بسند امام ابو المنصور صباغ، ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمھم اللہ تعالیٰ محمد بن حرب ہلال سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل اللہ تعالیٰ نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور آپ کے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں پھر دو شعر پڑھے الخ اور ان محمد بن حرب کی وفات 228 ہجری میں ہوئی ہے غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں پس حجت ہو گیا۔(نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ص 243،242)

فائدہ نمبر 2:

یہ حکم آج بھی باقی ہے

1: وبالكتاب لقوله تعالى ولو إنهم إذ ظلموا أنفسهم جاءوك الآية لحثه على المجيء إليه والاستغفار عنده واستغفاره للجائين وهذه رتبة لا تنقطع بموته... وقد فهم العلماء من الآية العموم واستحبوا لمن أتى القبر أن يتلوها ويستغفر الله تعالى وأوردوا حكاية العتبي الآتية في كتبهم مستحسنين لها. (خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ج1 ص45)

2: والآية وان وردت في اقوام معينين في حالة الحياة فتعم بعموم العلة كل من وجد فيه ذالك الوصف في الحياة وبعد الموت ولذالك فهم العلماء من الآية العموم في الحالتين واستحبوا لمن أتى الى قبره صلى الله عليه وسلم أن يتلوا هذه الآية ويستغفر الله تعالى. (شفاء السقام ص235)

3: قرآن مجید کی سورۃ نساء آیت 64(وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ) کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہوں۔(آب حیات ص52)

4: علامہ ظفر احمد عثمانی (م 1394ھ) فرماتے ہیں:

فثبت أن حكم الآية باق بعد وفاته صلى الله عليه وسلم فينبغي لمن ظلم نفسه أن يزور قبره ويستغفر الله عنده فيستغفر له الرسول. (اعلاء السنن ج10 ص498)

5: مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع (م1396ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے دعا مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیوی حیات کے زمانے میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم سے ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آکر گر گیا اور زار زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور رسول اس کے لئے دعائے مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں اس وقت جو لوگ حاضر تھے ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضہ اقدس کے اندر سے یہ آواز آئی " قد غفر لك " یعنی مغفرت کر دی گئی۔(معارف القرآن: ج2 ص456-460)

فائدہ نمبر 3:

آیت سے حیات پر استدلال کرنے والے چند حضرات:

1: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (م 1297ھ) فرماتے ہیں:

سو ایک تو ان میں سے یہ آیت ہے:﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہوں۔ (آب حیات ص52)

2: شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی (م 1394ھ) فرماتے ہیں:

احتج القائلون بانہا مندوبة بقوله تعالیٰ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ ووجه الاستدلال بها انه صلی الله علیه وسلم حی فی قبره بعد موته کما فی حدیث. (اعلاء السنن ج10 ص498)

3: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (م 1402ھ) فرماتے ہیں:

واستدلوا علیٰ انہا مندوبة بقوله تعالیٰ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ والنبی حی فی قبره بعد موته... واذا ثبت انه حی بعد وفاته فالمجئی الیه بعد وفاته کالمجئی الیه قبله.

(اوجز المسالک ج2 ص339،338)

آیت نمبر4:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ. (الانفال 33)

اس آیت کی تفسیر میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع (م1396ھ) فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں ہونا قیامت تک باقی رہے گا کیونکہ آپ کی رسالت قیامت تک کے لیے ہے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی زندہ ہیں گو اس زندگی کی صورت سابق زندگی سے مختلف ہے اور یہ بحث لغو اور فضول ہے کہ ان دونوں زندگیوں میں فرق کیا ہے... خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے روضہ میں زندہ ہونا اور آپ کی رسالت کا قیامت تک رہنا اس کی دلیل ہے کہ آپ قیامت تک دنیا میں ہیں اس لیے یہ امت قیامت تک عذاب سے مامون رہے گی۔ (معارف القرآن ج4 ص225)

آیت نمبر5:

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا. (سورۃ الاحزاب آیت 53)

تفسیر نمبر1:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م1225ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

وجاز ان یکون ذلك لاجل ان النبی صلی الله علیه وسلم حیّ فی قبره ولذلك لم یورث ولم یتئم أزواجه عن أبی هريرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صلی علیّ عند قبری سمعته ومن صلّی علیّ نائیا أبلغته رواه البیهقی فی شعب الایمان.

(تفسیر مظہری ج7 ص373)

تفسیر نمبر2:

حکیم الامت حضرت تھانوی (م1362ھ) فرماتے ہیں:

(نبی علیہ السلام کی حیات) حیات ناسوتی کے قریب قریب ہے چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں دیکھئے زندہ کی بیوی سے نکاح جائز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں۔ (خطبات حکیم الاسلام: ج5 ص33)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

آیت نمبر6:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ. (سورۃ الحجرات آیت 2)

اس آیت کی تفسیر میں مولانا محمد مالک کاندھلوی (م1409ھ) فرماتے ہیں:

احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد میں دو شخصوں کی آواز سنی تو ان کو تنبیہ فرمائی اور پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے ہو معلوم ہوا کہ یہ اہل طائف ہیں تو فرمایا اگر یہاں مدینے کے باشندے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا (افسوس کی بات ہے) تم اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس حدیث سے علماء امت نے یہ حکم اخذ فرمایا ہے کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام آپ کی حیات مبارکہ میں تھا اسی طرح کا احترام و توقیر اب بھی لازم ہے کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں حی (زندہ) ہیں۔

(معارف القرآن تکملہ ج:7ص:487)

عقیدہ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام اور احادیث مبارکہ

حدیث نمبر1:

روی الامام الحافظ ابو یعلیٰ الموصلی حدثنا أبو الجهم الأزرق بن علی حدثنا يحيى بن أبي بكير حدثنا المستلم بن سعيد عن الحجاج عن ثابت البناني : عن أنس بن مالك : قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : (الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون)

(مسند ابی یعلیٰ ج:6ص:147، رقم الحدیث 3425، تاریخ اصبہان ج:2ص:44، مجمع الزوائد ج:8ص:386، فیض القدیر ج:3ص:239، حاشیہ ابن حجر مکی ص:481 حیاۃ الانبیاء بیہقی ص؛70-72-74، شفاء السقام ص:391)

مصححین و مستدلین:

1: امام ابو بکر البیہقی (م458ھ) نے یہ روایت کئی طرق سے سے نقل کر کے استدلال کیا ہے۔ (حیاۃ الانبیاء)

2: امام تقی الدین علی بن عبد الکافی بن علی السبکی الشافعی (م756ھ) نے مختلف اسانید و طرق کے ساتھ یہ روایت نقل کر کے اس سے عقیدہ حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر استدلال کیا اور آخر میں رواۃ کی توثیق بھی بیان کی ہے۔ (شفاء السقام ص:392،391)

3: امام ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان المعروف نور الدین ہیثمی (م807ھ) فرماتے ہیں:

رواه أبو يعلى والبزار ورجال أبو يعلى ثقات. (مجمع الزوائد ج:8 ص:**386**)

4: امام احمد بن ابی بکر بن اسماعیل البوصیری (م840ھ) اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے باب باندھتے ہیں:

باب الأنبياء أحياء في قبورهم. (إتحاف الخيرة المهرة ج7 ص145 کتاب علامات النبوۃ رقم الباب 68)

5: مشہور محدث و ناقد امام ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی شافعی (م852ھ) فرماتے ہیں:

وقد جمع البيهقي كتابا لطيفا في حياة الأنبياء في قبورهم أورد فيه حديث أنس الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون أخرجه من طريق يحيى بن أبي كثير وهو من رجال الصحيح عن المستلم بن سعيد وقد وثقه أحمد وبن حبان عن الحجاج الأسود وهو بن أبي زياد البصري وقد وثقه أحمد وبن معين عن ثابت عنه وأخرجه أيضا أبو يعلى في مسنده من هذا الوجه.

(فتح الباری ج:6ص:594-595)

6: مدینہ منورہ کے مؤرخ و مفتی امام ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن احمد الحسنی الشافعی المعروف امام سمہودی (م911ھ) فرماتے ہیں:

ولأبن عدي في كامله وأبي يعلى برجال ثقات عن أنس رضي الله عنه مرفوعا الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون وصححه

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

البیہقی. (خلاصۃ الوفاءج1ص43)

7: امام جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی (م911ھ) نے اس حدیث کو مختلف کتب سے نقل کر کے حضرات محدثین کی توثیق بیان کر کے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (جامع الاحادیث ج11ص43رقم الحدیث 10213)

8: سلطان المحدثین ملا علی القاری الحنفی (م1014ھ) فرماتے ہیں:

وصح خبر الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون. (مرقات ج:3ص:415)

9: علامہ محمد عبد الرؤوف المناوی (م1031ھ) فرماتے ہیں:

عن أنس بن مالك،وهو حديث صحيح. (فیض القدیر ج:3ص:239)

10: علامہ علی بن احمد بن نور الدین عزیزی (م1070ھ) لکھتے ہیں:

وهو حديث صحيح. (السراج المنیر ج2ص134بحوالہ تسکین الصدور ص213)

11: امام محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی (م1122ھ) فرماتے ہیں:

وجمع البيهقي كتابا لطيفا في حياة الأنبياء وروى فيه بإسناد صحيح عن أنس مرفوعا الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون. (شرح زرقانی ج4ص357)

12: مشہور غیر مقلد عالم محمد بن علی المعروف قاضی شوکانی (م1250ھ) لکھتے ہیں:

وقد ثبت في الحديث: (أن الأنبياء أحياء في قبورهم) رواه المنذري وصححه البيهقي. (نیل الاوطار ج:3ص:263)

وقال ايضاً: لأنه صلى الله عليه وسلم حي في قبره وروحه لا تفارقه لما صح أن الأنبياء أحياء في قبورهم.

(تحفۃ الذاکرین للشوکانی: ج1ص42)

13: خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری (م1352ھ) فرماتے ہیں:

وفي البيهقي عن انس وصححه ووافقه الحافظ في المجلد السادس ان الانبياء احياء في قبورهم يصلون.

(فیض الباری ج:2ص:64)

اس کے بعد حضرت نے اس حدیث سے عقیدہ حیات پر استدلال کیا ہے

14: عظیم مفسر و محدث علامہ شبیر احمد عثمانی (م1369ھ) فرماتے ہیں:

وقد جمع البيهقي كتابا لطيفا في حياة الأنبياء في قبورهم أورد فيه حديث أنس الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون أخرجه من طريق يحيى بن أبي كثير وهو من رجال الصحيح (الخ)

(فتح الملہم ج:2ص:388 مکتبہ دار العلوم کراچی، ج1ص329 مکتبہ رشیدیہ کراچی باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اس کے بعد حضرت نے تمام رواۃ کی توثیق نقل کر کے اس سے عقیدہ حیات انبیاء علیہم السلام پر استدلال کیا ہے۔

15: استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری (م1390ھ) اور دیگر مفتیان خیر المدارس ملتان کے فتاویٰ پر مشتمل خیر الفتاویٰ کے نام سے کتاب شائع ہوئی اس میں دار العلوم دیوبند کے حوالہ سے عقیدہ حیات انبیاء علیہم السلام پر تفصیلی فتویٰ موجود ہے جس میں دیگر دلائل کے ساتھ ساتھ اس حدیث مبارک سے بھی اس عقیدہ پر استدلال کیا گیا ہے اور مختلف اہل علم سے اس حدیث کی صحت نقل کر کے آخر میں لکھا کہ: امام ابو یعلیٰ کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح کرتے ہیں کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں اور جمہور محدثین اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔ (خیر الفتاوی ج1ص98)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

16: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے حکم سے لکھی جانے والی کتاب اعلاء السنن میں علامہ ظفر احمد عثمانی (م1394ھ) اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: رواہ ابو یعلیٰ برجال ثقات. (اعلاء السنن ج10 ص505)

17: شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی (م1402ھ) فرماتے ہیں:

اور یہ حدیث کہ انبیاء علیھم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں صحیح ہے۔ (فضائل درود شریف 67)

18: امام اہل سنت شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر (م 1430ھ) نے مختلف اہل علم سے اس حدیث کی صحت نقل کر کے استدلال کیا ہے۔ (تسکین الصدور ص212)

19: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدیر جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کی زیر نگرانی شائع ہونے والے فتاویٰ حقانیہ میں اس حدیث سے عقیدہ حیات پر استدلال کیا گیا ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ ج1 ص158)

20: ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے بھی اس کو "صحیح" کہا ہے۔ (حاشیہ مسند ابی یعلیٰ ج:3 ص:379)

اعتراض نمبر1:

حجاج بن الأسود عن ثابت البناني نكرة ما روى عنه فيما أعلم سوى مستلم بن سعيد فأتى بخبر منكر عنه عن أنس في أن الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون رواه البيهقي. (میزان الاعتدال ج2 ص199،200)

اس اعتراض کی تین شقیں ہیں:

1: حجاج مجہول ہے۔ 2: مستلم بن سعید کے علاوہ کسی اور نے روایت بیان نہیں کی۔ 3: ان دونوں کا نتیجہ کہ روایت منکر ہے۔

جواب:

نمبر1: حافظ ابن حجر عسقلانی (م852ھ) نے علامہ شمس الدین ذہبی (م748ھ) کی اس جرح کا جواب دیا ہے کہ حجاج کی توثیق ائمہ سے منقول ہے اور ان کے شاگرد بھی کئی ہیں فرماتے ہیں:

روى عن ثابت وجابر بن زيد وأبي نضرة وجماعة وعنه جرير بن حازم وحماد بن سلمة وروح بن عبادة وآخرون قال أحمد ثقة ورجل صالح وقال ابن معين ثقة وقال أبو حاتم صالح الحديث وذكره ابن حبان في الثقات فقال حجاج بن أبي زياد الأسود من أهل البصرة كان ينزل القسامل روى عن أبي نضرة وجابر بن زيد روى عنه عيسى بن يونس وجرير بن حازم.

(لسان المیزان ج2 ص175)

جب توثیق اور شاگرد مل گئے تو تیسری شق روایت منکر ہے والی خود بخود ختم ہو گئی۔

نمبر2: نیز امام ذہبی سے بھی حجاج کی توثیق منقول ہے: قال الذهبي حجاج ثقة. (تلخیص علی المستدرک ج4 ص472)

نمبر3: امام ذہبی کا عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کے بارے میں کیا ہے؟ ملاحظہ کیجیے۔ آپ رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

والنبي صلى الله عليه وسلم فمفارق لسائر أمته في ذلك، فلا يبلى، ولا تأكل الارض جسده، ولا يتغير ريحه، بل هو الآن، وما زال أطيب ريحا من المسك، وهو حي في لحده حياة مثله في البرزخ، التي هي أكمل من حياة سائر النبيين، وحياتهم بلا ريب أتم وأشرف من حياة الشهداء الذين هم بنص الكتاب (أحياء عند ربهم يرزقون) [آل عمران: 169]

(سیر اعلام النبلاء: تحت ترجمۃ الامام وکیع بن الجراح)

اعتراض نمبر2:

الأزرق بن علي الحنفي أبو الجهم صدوق يغرب. (تقریب التہذیب: رقم الترجمہ 301)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب:

ان الغرابۃ لا تنافی الصحۃ ویجوز ان یکون الحدیث صحیحا غریبا۔(مقدمۃ المشکوٰۃ للشیخ عبد الحق: ص6)

نیز ابو الجہم کا متابع عبد اللہ بن محمد بن یحییٰ بن ابی بکیر موجود ہے۔(تاریخ اصبہان ج2 ص44)

اعتراض نمبر3:

یہ حدیث قرآن کی آیت "واعبد ربك حتیٰ یأتیك الیقین" کے خلاف ہے، لہٰذا حجت نہیں۔

جواب:

عبادت کی دو قسمیں ہیں:

1: عبادت تکلیفی جو دنیا میں ہوتی ہے

2: عبادت تلذذی جو صرف دنیا تک محدود نہیں بلکہ یہ قبر اور آخرت میں بھی ہو گی

قرآن میں تکلیفی کا حکم ہے اور حدیث میں تلذذی کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ علامہ بدر الدین عینی حنفی (م855ھ) فرماتے ہیں:

فإن قلت ما الداعی إلی عبادتهم بعد الموت وموضع العبادة دار الدنیا. قلت حببت إلیهم العبادة فهم متعبدون بما یجدونه من دواعی أنفسهم لا بما یلزمون به.

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: باب التلبیۃ اذا انحدر فی الوادی)

اعتراض نمبر4:

مسند ابی یعلی طبقہ ثالثہ کی کتاب ہے جس کے بارے میں مولانا سرفراز خان صفدر کا فیصلہ ہے کہ اس طبقہ کی کتب کی احادیث عقیدہ اور عمل میں حجت نہیں۔

جواب:

امام اہل السنت رحمہ اللہ کی مکمل عبارت کو اگر دیکھا جائے تو یہ اشکال جڑ سے ہی ختم ہو جاتا ہے حضرت کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

1: ایک جگہ اہل بدعت کی تردید میں فرماتے ہیں: یہ روایتیں کتب حدیث کے اس طبقہ کی ہیں جن میں بجز باسند اور صحیح احادیث کے جن پر امت کا تعامل ہے اکثر احادیث کو محدثین ہرگز قبول نہیں کرتے نہ عقیدہ میں اور نہ عمل میں۔ (راہ سنت ص173)

2: دوسری جگہ اس طبقہ کی کتب کی تردید کر کے فرماتے ہیں "ہاں اگر اصول حدیث کے رو سے اس طبقہ کی کوئی حدیث سندا صحیح ثابت ہو تو اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ (گلدستہ توحید ص144)

3: تیسری جگہ بھی تردید کر کے فرماتے ہیں: "نوٹ: اگر ان مذکورہ کتب میں کوئی ایسی روایت ہو جو سندا صحیح ہو اور قران کریم اور صحیح احادیث سے متعارض نہ ہو اور علی الخصوص جب کہ اکثر امت اور جمہور اہل اسلام کا اس پر تعامل بھی ہو تو اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے اور نہ یہ بات محل نزاع ہے اس لیے خلط مبحث کا شکار نہ ہوں اور نہ جاہل متعصب معترضین کی طرف توجہ کریں۔ (دل کا سرور ص175)

حدیث نمبر2:

حدثنا هداب بن خالد وشیبان بن فروخ قالا حدثنا حماد بن سلمة عن ثابت البنانی وسلیمان التیمی عن أنس بن مالك أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال أتیت وفی روایة هداب مررت علی موسی لیلة أسری بی عند الکثیب الأحمر وهو قائم یصلی فی قبره. (صحیح مسلم ج:2 ص:268، باب من فضائل موسیٰ)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حدیث نمبر 3:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ حَدَّثَنَا الْمُقْرِءُ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ عَنْ أَبِي صَخْرٍ حُمَيْدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُسَيْطٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلاَّ رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلاَمَ.

(سنن ابی داؤد ج:1 ص:286، السنن الکبری باب زِيَارَةِ قَبْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، مسند احمد رقم 10815، مسند اسحاق بن راہویہ رقم 526،

مصححین و مستدلین:

:1 امام نووی (م676ھ) فرماتے ہیں:

وروينا فيه أيضا بإسناد صحيح عن أبي هريرة أيضا ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " ما من أحد يسلم على إلا رد الله على روحى حتى أرد عليه السلام. (کتاب الاذکار ص:152)

:2 حافظ ابن تیمیہ (م728ھ) نے مختلف مقامات پر اس حدیث کو نقل کر کے اس کی صحت بیان کی اور بعض مقامات پر استدلال بھی کیا ہے مثلاً:

والأحاديث عنه بأن صلاتنا وسلامنا تعرض عليه كثيرة مثل ما روى أبو داود في سننه من حديث أبي صخر حميد بن زياد عن يزيد بن عبد الله بن قسيط عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال ما من أحد يسلم على إلا رد الله على روحى حتى أرد عليه السلام صلى الله عليه و سلم وهذا الحديث على شرط مسلم .

(اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم: ص324)

ایک جگہ یہی حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں: وَهُوَ حَدِيثٌ جَيِّدٌ. (الفتاوی الکبری ج2 ص427)

وَقَدْ احْتَجَّ أَحْمَدُ وَغَيْرُهُ بِالْحَدِيثِ الَّذِي رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُد بِإِسْنَادِ جَيِّدٍ مِنْ حَدِيثِ حيوة بْنِ شريح الْمِصْرِيِّ حَدَّثَنَا أَبُو صَخْرٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ قسيط عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: (مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ. (مجموع الفتاوی ج1 ص233)

:3 تقی الدین علی بن عبد الکافی ابن علی السبکی (م756ھ) . (شفاء السقام ص:161)

:4 امام ابن کثیر (م774ھ): وصححه النووی فی الأذكار. (تفسیر ابن کثیر تحت الآیہ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ الآیۃ)

:5 حافظ ابن حجر عسقلانی (م852ھ) فرماتے ہیں:

ما من أحد يسلم على إلا رد الله على روحى حتى أرد عليه السلام ورواته ثقات. (فتح الباری ج:6 ص:596)

:6 علامہ محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی رحمہ اللہ (م902ھ). (القول البدیع ص:161)

:7 امام علی بن احمد السمہودی (م911ھ): ولأبي داود بسند صحيح عن أبي هريرة رضى الله عنه مرفوعا ما من أحد يسلم عليّ إلا ردّ الله عليّ روحى حتى أرد عليه السلام. (خلاصۃ الوفاء: ج1 ص42)

:8 علامہ علی بن احمد بن نور عزیزی (م1070ھ) : اسنادہ حسن. (السراج المنیر ج3 ص297 بحوالہ تسکین الصدور ص295)

:9 علامہ عبد الرؤف مناوی (م1031ھ): (ما من أحد يسلم على إلا رد الله على) ----(روحى) يعنى رد على نطقى لأنه حى على الدوام وروحه لا تفارقه أبدا لما صح أن الأنبياء أحياء فى قبورهم (حتى أرد) غاية لرد فى معنى التعليل أى من أجل أن أرد (عليه السلام) هذا ظاهر فى استمرار حياته لاستحالة أن يخلو الوجود كله من أحد يسلم عليه عادة. (فیض القدیر ج5 ص596)

وقال ایضاً: واسنادہ صحیح. (التیسیر بشرح الجامع الصغیر ج2 ص690)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

10: علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی (م1122ھ): ما من أحد یسلم علی إلا رد اللہ علی روحی حتی أرد علیہ السلام أخرجه أبو داود ورجالہ ثقات. (شرح زرقانی ج4 ص357)

11: شمس الحق عظیم آبادی (م1329ھ): ما من أحد یسلم علی إلا أرد علیہ السلام لأنی حی أقدر علی رد السلام.
(عون المعبود: ج6 ص19)

12: ناصر الدین البانی صاحب غیر مقلد (م1420ھ): حسن. (سنن ابی داود: باب زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ)

ردروح کا مطلب:

1: قال الامام البیہقی (م458ھ): قَالَ: " مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ "، وَمَعْنَاهُ وَاللهُ أَعْلَمُ، " إِلَّا وَقَدْ رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي فَأَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ. (شعب الایمان رقم 4161)

2: قال الحافظ ابن حجر عسقلانی (م748ھ): ووجه الإشكال فیه أن ظاهرہ أن عود الروح إلی الجسد یقتضی انفصالها عنه وهو الموت وقد أجاب العلماء عن ذلك بأجوبة...الرابع المراد بالروح النطق فتجوز فیه من جهة خطابنا بما نفهمه الخامس أنه یستغرق فی أمور الملأ الأعلی فإذا سلم علیه رجع إلیه فهمه لیجیب من سلم علیه. (فتح الباری ج6 ص488)

3: قال الامام زین الدین عبد الرؤوف المناوی (م1031ھ): ما من أحد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی) أی رد علی نطقی لانه حی دائما وروحه لا تفارقه لان الانبیاء أحیاء فی قبورهم (حتی أرد) غایة لرد فی معنی التعلیل أی من أجل أن أرد (علیه السلام) ومن خص الرد بوقت الزیارۃ فعلیه البیان.

(التیسیر بشرح الجامع الصغیر ج2 ص690)

4: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (م1362ھ) فرماتے ہیں:

اس حیات میں شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوت وجبروت میں مستغرق تھی جس طرح کہ دنیا میں نزول وحی کے وقت کیفیت ہوتی تھی اس سے افاقہ ہو کر سلام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں اس کو ردروح سے تعبیر فرمادیا۔ (نشر الطیب: ص200)

اور ان مشاغل کے ایک وقت میں اجتماع سے تزاحم کا وسوسہ نہ کیا جاوے کیونکہ برزخ میں روح کو پھر خصوصاً روح مبارک بہت وسعت ہوتی ہے۔ (نشر الطیب: ص200)

5: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی (م1377ھ) فرماتے ہیں:

(الف): ابوداؤد کی روایت میں "رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ" فرمایا گیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ إِلاَّ رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی أُسَلِّمَ عَلَیْہِ او کما قال" اگر لفظ "اِلَیَّ رُوْحِیْ" فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا تھا، "اِلٰی" اور "عَلٰی" کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا، "عَلٰی" استعلاء کے لئے ہے اور "اِلٰی" نہایتِ طرف کے لئے ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا، نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہوگئی تھی اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹا گیا ہے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدارج قرب ومعرفت میں ہر وقت ترقی پزیر ہیں اس لئے توجہ الی اللہ کا انہماک اور استغراق دوسری جانب کی توجہ کو کمزور کر دیتا ہے، چونکہ اہل استغراق کی حالتیں روزانہ مشاہدہ ہوتی ہیں مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعلمین بنایا گیا ہے اس لئے بارگاہِ الوہیت سے درود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل فرمانے کے لئے متعدد مزایا میں ایک مزیت یہ بھی عطاء فرمائی گئی ہے کہ خود سرور کائنات علیہ السلام کو اس استغراق سے منقطع کر کے درود بھیجنے والے کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے متوجہ ہو کر دعا فرماتے ہیں۔

(ب): اگر بالفرض وہی معنی لیے جائیں جو آپ سمجھے ہیں اور "عَلٰی" اور "اِلٰی" میں کوئی فرق نہ کیا جائے تب بھی یہ روایت دوامِ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حیات پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اندورونِ نماز اور بیرونِ نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو، اس لئے دوامِ حیات لازم آئے گا۔

(مکتوبات شیخ الاسلام حصہ اول ص248 تا252)

حدیث نمبر4:

أخبرنا عبد الوهاب بن عبد الحكم الوراق قال حدثنا معاذ بن معاذ عن سفيان بن سعيد ح وأخبرنا محمود بن غيلان قال حدثنا وكيع وعبد الرزاق عن سفيان عن عبد الله بن السائب عن زاذان عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: إن لله ملائكة سياحين في الأرض يبلغوني من أمتي السلام.

(سنن نسائی باب السلام علی النبي صلی اللہ علیہ وسلم، صحیح ابن حبان رقم914 ذکر البیان بأن سلام المسلم علی المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم یبلغ إیاہ ذلک في قبرہ، مسند احمد رقم 10529، سنن دارمی 2774 باب في فضل الصلاۃ علی النبي صلی اللہ علیہ وسلم، مسند ابی یعلی رقم 5213)

مصححین:

1: امام ابو عبد اللہ الحاکم (م405ھ) (المستدرک ج:3 ص:197)

2: علامہ محمد بن احمد بن عبد الہادی الحنبلی (م744ھ) (الصارم المنکی ص:192)

3: امام شمس الدین الذہبی (م748ھ) (تلخیص علی المستدرک ج:3 ص:197)

4: امام نور الدین الہیثمی (م 807ھ). (مجمع الزوائد ج:8 ص:595)

5: امام محمد بن عبد الرحمن سخاوی شافعی (م902ھ). (القول البدیع ص:159)

6: امام علی بن احمد السمہودی (م911ھ): وللبزاز برجال الصحيح عن ابن مسعود رضى الله عنه مرفوعا أن لله تعالى ملائكة سياحين يبلغوني عن أمتي. (خلاصة الوفاء ج1 ص43)

7: ناصر الدين الالبانی (م1420ھ): صحيح. (سنن النسائی: باب السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

8: قال شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم. (صحیح ابن حبان رقم914 ذکر البیان بأن سلام المسلم علی المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم یبلغ الخ)

9: قال حسين سليم أسد: إسناده صحيح. (سنن دارمی 2774 باب فی فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حدیث نمبر5:

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ عَنْ أَبِي الأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيِّ عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- « إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ قُبِضَ وَفِيهِ النَّفْخَةُ وَفِيهِ الصَّعْقَةُ فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلاَةِ فِيهِ فَإِنَّ صَلاَتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ ». قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلاَتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ يَقُولُونَ بَلِيتَ. فَقَالَ « إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الأَرْضِ أَجْسَادَ الأَنْبِيَاءِ ».

(سنن ابی داؤد ج:1 ص:157، باب تَفْرِيعُ أَبْوَابِ الْجُمُعَةِ)

مصححین و مستدلین:

1: امام ابو عبد اللہ الحاکم (م405ھ). (المستدرک ج:1 ص:569، رقم الحدیث 1068)

2: حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن عربی (543): حديث حسن. (التذکرۃ: ج1 ص204)

3: حافظ عبد الغنی بن عبد الواحد المقدسی (م600ھ) (القول البدیع ص:167)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

4: حافظ ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی منذری (م656ھ) (القول البدیع ص:163)

5:امام نووی (م676ھ). (کتاب الاذکار ص:150، رقم الحدیث 345)

6:امام شمس الدین الذہبی(م748ھ) (تلخیص علی المستدرک ج:1ص:568)

7:حافظ ابن القیم(م751ھ):ومن تأمل هذا الإسناد لم يشك في صحته لثقة رواته وشهرتهم وقبول الأئمة أحاديثهم.

(جلاء الافہام ج1ص80)

8:حافظ ابن کثیر دمشقی(م774ھ): وقد صحح هذا الحديث ابن خزيمة وابن حبان والدارقطني، والنووي في الأذكار.

(تفسیر ابن کثیر تحت الآیہ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ الخ)

9:حافظ ابن حجر عسقلانی(م852ھ): وصححه ابن خزيمه وغيره. (فتح الباری ج:6ص:595)

8:علامہ بدر الدین العینی(م855ھ): الموت ليس بعدم إنما هو انتقال من دار إلى دار فإذا كان هذا للشهداء كان الأنبياء بذلك أحق وأولى مع أنه صح عنه أن الأرض لا تأكل أجساد الأنبياء عليهم الصلاة والسلام.

(عمدۃ القاری: باب مایذکر فی الاشخاص والخصومۃ بین المسلم والیہودی)

10:ملا علی القاری(م1014ھ): فالأنبياء في قبورهم أحياء. (مرقات ج5ص32)

حدیث نمبر6:

حدثنا عمرو بن سواد المصري حدثنا عبد الله بن وهب عن عمرو بن الحارث عن سعيد بن أبي هلال عن زيد بن أيمن عن عبادة بن نسي عن أبي الدرداء قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم أكثروا الصلاة على يوم الجمعة. فإنه مشهود تشهده الملائكة. وإن أحدا لن يصلي على إلا عرضت على صلاته حتى يفرغ منها قال قلت وبعد الموت؟ قال: وبعد الموت. إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء. فنبي الله حي يرزق. (سنن ابن ماجہ ص:118 باب ذکر وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم، تحریرات حدیث ص331)

مصححین:

1:قال الحافظ عبد العظيم المنذري(م656ھ): اسناده جيد. (ترجمان السنۃ: ج3ص297)

2:قال ابو البقاء محمد بن موسىٰ بن عيسىٰ الدميري (م808ھ): رجاله ثقات. (فیض القدیر: ج2ص111)

3:حافظ ابن حجر عسقلانی(م852ھ): رجاله ثقات. (تہذیب التہذیب ج:2ص:537، تحت الترجمہ زید بن ایمن)

4: امام علی بن احمد السمہودی (م911ھ): ولابن ماجة بإسناد جيد عن أبي الدرداء رضي الله عنه مرفوعا أكثروا الصلاة عليّ يوم الجمعة. (خلاصۃ الوفاء ج1ص43)

5:ملا علی قاری (م1014ھ). (مرقاۃ ج:3ص:415)

6: قاضی محمد بن علی شوکانی(م1250ھ): وقد أخرج ابن ماجه بإسناد جيد. (نیل الاوطار ج:3ص:263)

7: شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد(م1329ھ): وقد أخرج ابن ماجه بإسناد جيد أنه صلى الله عليه وسلم قال لأبي الدرداء إن الله عز وجل حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء. (عون المعبود ج3ص**261**)

حدیث نمبر7:

وقال أبو الشيخ في كتاب الصلاة على النبي حدثنا عبد الرحمن بن أحمد الأعرج حدثنا الحسن بن الصباح حدثنا أبو

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

معاویة حدثنا الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعید أعلمته.

(جلاء الافہام ص 54 مشکوۃ باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلھا، تحریرات حدیث ص 330)

مصححین ومستدلین :

1: قال الحافظ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ): وأخرجه أبو الشيخ فی كتاب الثواب بسند جيد بلفظ من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائيا بلغته. (فتح الباری ج 6 ص 488)

2: قال الامام محمد بن عبد الرحمن السخاوی (م 902ھ): قال ابن القيم انه غريب قلت وسنده جيد.

(القول البدیع ص 160)

3: قال الامام ابو الحسن علی بن محمد العراقی (م 963ھ): وسنده جيد كما نقله السخاوی عن شيخه الحافظ ابن حجر.

(تنزیہ الشریعۃ: ج 1 ص 381)

4: قال الملا علی القاری (م 1014ھ): ورواه أبو الشيخ وابن حبان فی كتاب ثواب الأعمال بسند جيد.

(مرقاۃ شرح مشکوۃ ج 4 ص 21)

وعن أبي هريرة قال قال رسول الله من صلی علی عند قبری سمعته أی سمعا حقيقيا بلا واسطة. (المرقاۃ: ج 4 ص 21)

5: قال الامام عبد الرؤف المناوی (م 1031ھ): من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائيا) أی بعيدا عنی (أبلغته) أی أخبرت به من أحد من الملائكة وذلك لأن روحه تعلقا بمقر بدنه الشريف وحرام علی الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء.

(فیض القدیر ج 6 ص 220)

6: قال القاضی ثناء الله (م 1225ھ): قلت وجاز ان يكون ذلك لاجل ان النبی صلی الله عليه وسلم حیّ فی قبره ولذلك لم يورث ولم يتئم أزواجه عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من صلی علیّ عند قبری سمعته ومن صلّی علیّ نائيا أبلغته رواه البيهقی فی شعب الايمان. (التفسیر المظہری: ج 7 ص 373)

7: قال العلامه شبیر احمد العثمانی (م 1369ھ): واخرجه ابو الشيخ فی كتاب الثواب بسند جيد. (فتح الملہم ج 1 ص 330)

حدیث نمبر 8:

حدثنا أحمد بن عيسى حدثنا ابن وهب عن أبي صخر أن سعيدا المقبری أخبره أنه سمع أبا هريرة يقول: سمعت رسول الله صلی الله عليه و سلم يقول: والذی نفس أبي القاسم بيده لينزلن عيسی بن مريم إماما مقسطا وحكما عدلا فليكسرن الصليب وليقتلن الخنزير وليصلحن ذات البين وليذهبن الشحناء وليعرضن عليه المال فلا يقبله ثم لئن قام علی قبری فقال: يا محمد لأجيبنه.

(مسند ابی یعلیٰ ص: 1149 رقم الحدیث 6577، المطالب العالیہ باب علامات الساعۃ)

وليأتين قبری حتی يسلم علی ولأردن عليه.

(المستدرک ج 3 ص 490 رقم 4218)

مصححین:

1: امام ابو عبد اللہ الحاکم (م 405ھ): هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه. (المستدرک رقم 4218)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

2: علامہ نور الدین ہیثمی (م 807ھ): رواه أبو يعلى ورجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد: ج8 ص387 رقم الحدیث 13813)

3: حسین سلیم اسد: إسناده صحيح. (مسند ابی یعلیٰ: ص1149 رقم الحدیث 6577)

احادیث حیاۃ الانبیاء متواتر ہیں:

1: امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:

فاقول حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومة عندنا علماً قطعیاً لما قام عندنا من الادلة فی ذلك وتواترت به الاخبار. ((الحاوی للفتاویٰ ص:554))

2: وَسُئِلَ رضی اللہ عنه عن حدیث أَحْمَدَ وَأَبِي دَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيِّ ما من أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إلَّا رَدَّ اللَّهُ إلَيَّ وفي رِوَايَةٍ عَلَيَّ رُوحِي حتى أَرُدَّ عليه السَّلَامَ ما الْجَوَابُ عنه مع الْإِجْمَاعِ على حَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ كما تَوَاتَرَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ. (الفتاوی الکبریٰ: ج2 ص135)

3: "نظم المتناثر فی الحدیث المتواتر" میں بھی حیاۃ الانبیاء علیہم السلام کی احادیث کو متواتر کہا گیا ہے۔

اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جب کسی مسئلے کی احادیث کو تواتر کا درجہ حاصل ہو جائے تو اس کی سند پر بحث کرنا جائز نہیں۔

♣ والمتواتر لا يُبْحثُ عن رجاله أي عن صفاتهم بل يجب العمل به من غير بحث. (شرح نخبۃ الفکر لعلی القاری ج1 ص186)

♣ ولذلك يجب العمل به من غير بحث عن رجاله. (تدریب الراوی ج2 ص176)

♣ المتواتر فإنه صحيح قطعا ولا يشترط فيه مجموع هذه الشروط (تدریب الراوی ج1 ص68)

♣ ومن شأنه أن لا يشترط عدالة رجاله بخلاف غيره. (قفو الاثر لابن الحنبلی ج1 ص46)

♣ لأن المتواتر لا يُسأل عن أحوال رجاله. (شرح نخبۃ الفکر لعلی القاری ج1 ص161)

♣ ومن شانه ان لا يشترط عدالة رجاله بخلاف غيره. (قواعد فی علوم الحدیث ص:32)

آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

اثر نمبر 1: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُذِيقُكَ اللَّهُ الْمَوْتَتَيْنِ أَبَدًا. (صحیح بخاری ج1 ص517)

مستدلین:

♣ قوله لا يذيقك الله الموتتين بضم الياء من الإذاقة وأراد بالموتتين الموت فى الدنيا والموت فى القبر وهما الموتتان المعروفتان المشهورتان فلذلك ذكرهما بالتعريف وهما الموتتان الواقعتان لكل أحد غير الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فإنهم لا يموتون فى قبورهم بل هم أحياء وأما سائر الخلق فإنهم يموتون فى القبور ثم يحيون يوم القيامة ومذهب أهل السنة والجماعة أن فى القبر حياة وموتا فلا بد من ذوق الموتتين لكل أحد غير الأنبياء وقد تمسك بقوله لا يذيقك الله الموتتين من أنكر الحياة فى القبر وهم المعتزلة ومن نحا نحوهم.

(عمدۃ القاری ج:11 ص:403 کتاب فضائل الصحابہ)

♣ واحسن من هذا الجواب ان يقال ان حياته صلى الله عليه و سلم فى القبر لايعقبها موت بل يستمر حيا والأنبياء احياء فى قبورهم ولعل هذا هو الحكمة فى تعريف الموتتين حيث قال لايذيقك الله الموتتين المعروفتين المشهورتين الواقعتين لكل أحد غير الأنبياء. (فتح الباری ج7 ص29)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

♣ والا حسن ان یقال ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یتعقبھا موت بل یستمر حیاً والانبیاء احیاء فی قبورھم.

(حاشیہ بخاری ج:1ص:517)

♣ قال الکرمانی : ویحتمل ان یراد ان حیاتك فی القبر لایعقبھا موت فلاتذوق مشقة الموت مرتین بخلاف سائر الضلق فانھم یموتون فی القبر ثم یحیون یوم القیامة.

•االکنز المتواری ج14ص162)

اثر نمبر2: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهَذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا قَالَ مَنْ أَنْتُمَا أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا قَالَا مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(صحیح بخاری ج1ص67باب رَفْعِ الصَّوْتِ فِي الْمَسَاجِدِ)

♣ أنه علیه السلام فی قبرہ حی وقال تعالی لا ترفعوا أصواتکم فوق صوت النبی الحجرات

(مرقاۃ المفاتیح باب المساجد ومواضع الصلاۃ)

اثر نمبر3،4: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِي الَّذِي دُفِنَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي فَأَضَعُ ثَوْبِي فَأَقُولُ إِنَّمَا هُوَ زَوْجِي وَأَبِي فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللَّهِ مَا دَخَلْتُ إِلَّا وَأَنَا مَشْدُودَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِي حَيَاءً مِنْ عُمَرَ. (مسند احمد رقم25660)

وقد کانت عائشة رضی اللہ عنہ تسمع الوتد أو المسمار یضرب فی بعض الدور المطیفة بالمسجد فترسل إلیھم لا تؤذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. (خلاصۃ الوفاء:ج1ص166)

اثر نمبر5: حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ

عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ مَالِكِ الدَّارِ ,قَالَ : وَكَانَ خَازِنَ عُمَرَ عَلَى الطَّعَامِ ,قَالَ : أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ ,فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم ,فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ ,اسْتَسْقِ لأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا ,فَأُتِيَ الرَّجُلُ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ : ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلاَمَ ,وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مستسقون قُلْ لَهُ : عَلَيْك الْكَيْسُ ,عَلَيْك الْكَيْسُ ,فَأَتَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ ,ثُمَّ قَالَ : يَا رَبِّ لاَ آلُو إلاَّ مَا عَجَزْت عَنْهُ. (مصنف ابن ابی شیبۃ: باب ماذکر فِي فضلِ عمر بنِ الخطابِ رضي اللہ عنہ)

اجماع امت اور عقیدہ حیات انبیاء علیہم السلام

1 : قال أبو بکر محمد بن الحسین بن عبد اللہ الآجُرّیُّ البغدادی (م360ھ):

وقد روی عن أبی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ أنه لما حضرته الوفاة، قال لھم : إذا مت وفرغتم من جھازی فاحملونی حتی تقفوا بباب البیت الذی فیه قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، فقفوا بالباب وقولوا : السلام علیك یا رسول اللہ، ھذا أبو بکر یستأذن فإن أذن لکم وفتح الباب، وکان الباب مغلقا، فأدخلونی فادفنونی، وإن لم یؤذن لکم فأخرجونی إلی البقیع وادفنونی. ففعلوا فلما وقفوا بالباب وقالوا ھذا : سقط القفل وانفتح الباب، وسمع ھاتف من داخل البیت : أدخلوا الحبیب إلی الحبیب فإن الحبیب إلی الحبیب مشتاق. (الشریعہ للآجری ج5ص70، تفسیر کبیر ج:21 ص:87 ، سورۃ کہف آیت : أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ، تفسیر السراج المنیر ج2ص288، تفسیر نیسابوری ج5ص167، غرائب القرآن ج4ص416، سیرت حلبیہ ج3ص393)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

2 : امام محمد بن عبد الرحمن سخاوی (م902ھ) فرماتے ہیں:

ونحن نؤمن و نصدق بأنه صلی اللہ علیہ وسلم حیی یرزق فی قبرہ... والاجماع علی ھذا. (القول البدیع ص:172)

3 : محمد بن علان الصدیق الشافعی (1057ھ) فرماتے ہیں:

والاجماع علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم حیی فی قبرہ علی الدوام. (دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین ج:7ص:195-196)

4: شیخ داؤد سلیمان البغدادی (م1299ھ) فرماتے ہیں:

وروی البیہقی وغیرہ بأسانید صحیحة عند صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون وورد ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء وقد اطبق العلماء علی ذالك. (المنحۃ الوھبیۃ فی رد الوھابیۃ ص:6)

5: شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی (م1052ھ) فرماتے ہیں:

ببايد حيات انبياء متفق عليه است هيچ كس رادروئے خلاف نيست حيات جسمانی دنياوی حقيقی نه حيات معنوی روحانی. (اشعۃ اللمعات ج:1ص:574)

9: قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (م 1322ھ) فرماتے ہیں:

انبیاء کو اسی وجہ سے مستثنی کیا گیا ہے کہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص:173)

10 : حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (م1362ھ) فرماتے ہیں:

بہر حال یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں۔ (اشرف الجواب ص:321 وفی نسخہ ص:225)

11 : مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م 1394ھ) فرماتے ہیں:

تمام اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

(سیرت المصطفیٰ ج:3ص:249)

12 : مولانا خیر محمد جالندھری فرماتے ہیں:

عالم برزخ میں جملہ انبیاء علیہم السلام کی حیات حقیقیہ دنیویہ بجسد ھم العنصری کا مسئلہ اہل سنت والجماعت میں متفق علیہ مسئلہ ہے۔

(القول النقی فی حیات النبی ص30)

13: مفکر اسلام مفتی محمود (م1400ھ) فرماتے ہیں:

یہ امر بھی علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلم اور مجمع علیہ ہے کہ بحالت موجودیعنی عالم برزخ میں آپ جسمانی حیات سے زندہ ہیں۔ (القول النقی فی حیات النبی 32)

فائدہ : اگر کسی عقیدہ یا مسئلہ پر اجماع ہو جائے تو اجماع کا درجہ سند سے بھی زیادہ قوی ہوتا ہے یعنی اس مسئلہ کی احادیث پر سندی بحث کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

♣ **قال الامام ابن عبد البر المالکی (م463ھ):**

وقد روی عن جابر بن عبد اللہ بإسناد لا یصح أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "الدینار أربعة وعشرون قیراطا" وھذا الحدیث وإن لم یصح إسنادہ ففی قول جماعة العلماء بہ وإجماع الناس علی معناہ ما یغنی عن الإسناد فیہ.

(التمہید لابن عبد البر ج20 ص145)

♣ سلطان المحدثین ملا علی القاری (م1014ھ) فرماتے ہیں:

وقد قال عطاء الإجماع أقوی من الإسناد. (المرقاۃ شرح المشکاۃ لملا علی القاری ج1 ص117)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

♣ غیر مقلدین کے پیشوا علامہ محمد بن علی شوکانی (م1250ھ) لکھتے ہیں:

وقد اتفق أهل الحديث على ضعف هذه الزيادة لكنه قد وقع الإجماع على مضمونها.

(الدراری المضیۃ شرح الدرر البہیۃ للشوکانی: ج1 ص19)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وفي إسناده إبراهيم بن محمد شيخ الشافعي وهو ضعيف وقد وقع الإجماع على ما أفادته الأحاديث

(الدراری المضیۃ شرح الدرر البہیۃ للشوکانی: ج1 ص19)

فائدہ فی اھمیۃ الاجماع:

♣ علامہ ابن تیمیہ (م728ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْمَعُوا عَلَى تَحْرِيمِ هَذِهِ الْحِيَلِ وَإِبْطَالِهَا، وَإِجْمَاعُهُمْ حُجَّةٌ قَاطِعَةٌ يَجِبُ اتِّبَاعُهَا بَلْ هِيَ أَوْكَدُ الْحُجَجِ وَهِيَ مُقَدَّمَةٌ عَلَى غَيْرِهَا، وَلَيْسَ هَذَا مَوْضِعُ تَقْرِيرِ ذَلِكَ، فَإِنَّ هَذَا الْأَصْلَ مُقَرَّرٌ فِي مَوْضِعِهِ، وَلَيْسَ فِيهِ بَيْنَ الْفُقَهَاءِ بَلْ وَلَا بَيْنَ سَائِرِ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ خِلَافٌ،

(الفتاوی الکبریٰ لابن تیمیہ: ج6 ص162)

♣ امام محمد بن محمد الغزالی (م505ھ) فرماتے ہیں:

يجب على المجتهد في كل مسألة أن يرد نظره إلى النفي الأصلي قبل ورود الشرع ثم يبحث عن الأدلة السمعية المغيرة فينظر أول شيء في الإجماع فإن وجد في المسألة إجماعا ترك النظر في الكتاب والسنة فإنهما يقبلان النسخ والإجماع لا يقبله فالإجماع على خلاف ما في الكتاب والسنة دليل قاطع على النسخ إذ لا تجتمع الأمة على الخطأ. (المستصفی للغزالی ج1 ص374)

♣ امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی (م604ھ) فرماتے ہیں:

احتج نفاة القياس بهذه الآية فقالوا: المكلف إذا نزلت به واقعة فإن كان عالماً بحكمها لم يجز له القياس، وإن لم يكن عالماً بحكمها وجب عليه سؤال من كان عالماً بها لظاهر هذه الآية، ولو كان القياس حجة لما وجب عليه سؤال العالم لأجل أنه يمكنه استنباط ذلك الحكم بواسطة القياس، فثبت أن تجويز العمل بالقياس يوجب ترك العمل بظاهر هذه الآية فوجب أن لا يجوز. والله أعلم.

وجوابه: أنه ثبت جواز العمل بالقياس بإجماع الصحابة، والإجماع أقوى من هذا الدليل. (تفسیر کبیر للرازی: ج20 ص37)

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور مذاہب اربعہ

ائمہ احناف:

علامہ بدر الدین العینی (م855ھ)

فإنهم لا يموتون في قبورهم بل هم أحياء... ومذهب أهل السنة والجماعة أن في القبر حياة وموتا فلا بد من ذوق الموتتين لكل أحد غير الأنبياء. (عمدة القاری ج:11 ص:403 کتاب فضائل الصحابه)

ملا علی قاری (م1014ھ)

أن الأنبياء أحياء في قبورهم فيمكن لهم سماع صلاة من صلى عليهم. (مرقات ج5 ص32)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی (م1069ھ)

ومما هو مقرر عند المحققين أنه صلى الله عليه و سلم حي يرزق ممتع بجميع الأعمال والعبادات غير أنه حجب عن أبصار القاصرين عن شريف المقامات... ينبغي لمن قصد زيارة النبي صلى الله عليه و سلم أن يكثر من الصلاة عليه فإنه يسمعها أو تبلغ إليه.

(مراقی الفلاح ص430 فصل: في زيارة النبي صلى الله عليه وسلم على سبيل الاختصار تبعالما قال في الاختيار)

علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی (م1252ھ)

ولا يخفى ما في كلامه من إيهام انقطاع حقيقتها بعده فقد أفاد في الدر المنتقى أنه خلاف الإجماع

قلت وأما ما نسب إلى الإمام الأشعري إمام أهل السنة والجماعة من إنكار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح به في كتبه و كتب أصحابه خلاف ما نسب إليه بعض أعدائه لأن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام أحياء في قبورهم وقد أقام النكير على افتراء ذلك الإمام العارف أبو القاسم القشيري في كتابه شكاية السنة و كذا غيره كما بسط ذلك الإمام ابن السبكي في طبقاته الكبرى في ترجمة الإمام الأشعري. (حاشیۃ ابن عابدین ج4 ص151)

ائمہ مالکیہ:

امام علی بن احمد السمہودی (م911ھ):

ولا شك في حياته صلى الله عليه وسلم بعد الموت و كذا سائر الأنبياء عليهم السلام حياة أكمل من حياة الشهداء التي أخبر الله بها في كتابه العزيز وهو صلى الله عليه وسلم سيد الشهداء وأعمال الشهداء في ميزانه.

(خلاصۃ الوفاء: ج1 ص43)

ائمہ شوافع:

امام تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب بن علی سبکی (م771ھ):

ومن عقائدنا أن الأنبياء عليهم السلام أحياء في قبورهم فأين الموت... وصنف البيهقي رحمه الله جزءا سمعناه في حياة الأنبياء عليهم السلام في قبورهم واشتد نكير الأشاعرة على من نسب هذا القول إلى الشيخ.

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ج3 ص384، 385)

حافظ ابن حجر عسقلانی (م852ھ):

واحسن من هذا الجواب ان يقال ان حياته صلى الله عليه و سلم في القبر لايعقبها موت بل يستمر حيا والأنبياء احياء في قبورهم ولعل هذا هو الحكمة في تعريف الموتتين حيث قال لايذيقك الله الموتتين المعروفتين المشهورتين الواقعتين لكل أحد غير الأنبياء. (فتح الباری ج7 ص29)

وإذا ثبت أنهم أحياء من حيث النقل فإنه يقويه من حيث النظر كون الشهداء أحياء بنص القرآن والأنبياء أفضل من الشهداء. (فتح الباری ج6 ص595)

فائدہ:

ائمہ شوافع میں سے امام جلال الدین سیوطی اور امام ابو بکر البیہقی نے اس موضوع پر مستقل کتاب تحریر فرمائی ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ائمہ حنابلہ:

امام ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامۃ المقدسی (م 620ھ)

ویستحب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ و سلم لما روی الدارقطنی بإسنادہ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم من حج فزار قبری بعد وفاتی فکانما زارنی فی حیاتی... عن أبی ہریرۃ أن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال: ما من أحد یسلم علی عند قبری إلا رد اللہ علی روحی حتی أرد علیہ السلام... ویروی عن العتبی قال: کنت جالسا عند قبر النبی صلی اللہ علیہ و سلم فجاء إعرابی فقال: السلام علیک یا رسول اللہ سمعت اللہ یقول: (ولو أنہم إذ ظلموا أنفسہم جاؤوک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما وقد جئتک مستغفرا الذنبی مستشفعا بک إلی ربی ثم أنشأ یقول:

(یا خیر من دفنت بالقاع أعظمہ... فطاب من طیبہن القاع والأکم)

(نفسی الفداء لقبر أنت ساکنہ... فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم)

ثم انصرف الإعرابی فحملتنی عین فنمت فرأیت النبی صلی اللہ علیہ و سلم فی النوم فقال: عتبی الحق الإعرابی فبشرہ أن اللہ قد غفر لہ... ثم تأتی القبر فتولی ظہرہ القبلۃ وتستقبل وتقول: السلام علیک أیہا النبی صلی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ... اللہم إنک قلت وقولک الحق: (ولو أنہم إذ ظلموا أنفسہم جاؤوک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما) وقد أتیتک مستغفرا من ذنوبی مستشفعا بک إلی ربی فأسألک یا رب أن توجب لی المغفرۃ کما أوجبتہا لمن أتاہ فی حیاتہ.

(المغنی لابن قدامہ ج3 ص599، 600)

حافظ ابن تیمیہ الحنبلی (م 728ھ)

وَهُوَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ یَسۡمَعُ السَّلَامَ مِنَ الۡقَرِیبِ وَتُبَلِّغُهُ الۡمَلَائِکَةُ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ عَلَیۡہِ مِنَ الۡبَعِیدِ.

(مجموع الفتاوی ج27 ص384)

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور اکابرین دیوبند

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم ناتوتوی:

♣ رسول اللہ ﷺ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام بالیقین قبر میں زندہ ہیں آپ اب تک بقید حیات ہیں پر شیعہ نہ سمجھیں تو کیا کیجیے؟

(ھدیۃ الشیعۃ ص359)

♣ انبیاء کرام علیہم السلام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ (لطائف قاسمیہ ص3)

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی:

آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں و نبی اللہ حی یرزق، اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالی نے اپنے رسالہ آب حیات میں بمالا مزید علیہ ثابت کیا ہے۔ (ھدایۃ الشیعہ ص49)

حضرت مولانا احمد علی السہارنپوری:

والاحسن ان یقال ان حیاتہ صلی اللہ علیہ و سلم لا یتعقبہا موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورھم.

(بخاری شریف ج1 ص517 حاشیہ)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی:

♣ "المہند علی المفند" پر تصدیقی دستخط کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وھو معتقدنا ومعتقد مشائخنا جمیعا لاریب فیہ. (المہند علی المفند ص74)

♣ تقدیر الکلام مامن احد یسلم علی الا ارد علیہ السلام لانی حی اقدر علی رد السلام ۔ (حاشیہ سنن ابی داؤد: ج1 ص286)

♣ قولہ ان اللہ حرم علی الارض ای منعھا وفیہ مبالغۃ لطیفۃ اجساد الانبیاء ای من ان تاکلھا فالانبیاء فی قبورھم احیاء.

(حاشیہ سنن ابی داؤد: ج1 ص157)

فخر المحدثین مولانا خلیل احمد سہارنپوری:

♣ ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیھم السلام احیاء فی قبورھم.

(بذل المجہود شرح ابی دائود' ج2 ج ص117 باب مایقول فی التشھد)

♣ زائرین جو بے باکانہ اونچی آواز سے صلاۃ سلام پڑھتے اس سے آپ کو بہت تکلیف ہوتی اور فرمایا کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں اور ایسی آواز سے سلام عرض کرنا بے ادبی اور آپ کی ایذاء کا سبب ہے لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔ (تذکرۃ الخلیل ص:370)

رئیس المفسرین مولانا حسین علی الوانی واں بھچروی:

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوۃ علی یوم الجمعۃ فانہ مشھود تشھدہ الملائکۃ ان واحد الن یصلی علی الاعرضت علی صلا تہ حین یفرغ منھا قال قلت وبعد الموت قال: وبعد الموت: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق وقد صنف السیوطی رسالۃ انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء.

(تحریرات حدیث علی اصول التحقیق ص331' رسالہ درود شریف' حدیث نمبر8 ط: اشاعت اکیڈمی پشاور)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی:

♣ حضرت ابو درداؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرامؑ کے جسموں کو کھاسکے پس خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے روایت کیا اسکو ابن ماجہ نے۔

فائدہ: پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا۔ (نشر الطیب ص199)

♣ بہر حال یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاءؑ علیھم لسلام قبر میں زندہ رہتے ہیں۔ (اشرف الجواب ص321)

♣ حضور ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد اطہر اسکے اندر موجود ہے۔ بلکہ خود حضور ﷺ یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ قبر میں زندہ ہیں۔ قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں۔ صحابہؓ کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ حدیث بھی نص ہے کہ ان نبی اللہ حی فی قبرہ یرزق۔ (اشرف الجواب ص319،318)

♣ حضور ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں۔ (اشرف الجواب ص222)

♣ آپ ﷺ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں۔ (التکشف ص675)

خاتم المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری:

وفی البیھقی عن انس رضی اللہ عنہ وصححہ ووافقہ الحافظ (ابن حجر رحمہ اللہ) فی المجلد السادس ان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون.

(فیض الباری علی صحیح البخاری ج2' کتاب الصلوۃ باب رفع الصوت ص64)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی:

یہ اکابر علماء دیوبند وفات ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور وشور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہیں۔ متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما چکے ہیں۔ رسالہ آب حیات نہایت ہی مسبوط رسالہ خاص اس مسئلہ کے لئے لکھا گیا ہے (معلوم ہوا کہ آب حیات لکھنے کی غرض صرف رد روافض ہی نہیں بلکہ اثبات عقیدہ حیات النبیؐ بھی تھا) نیز ھدیۃ الشیعہ، اجوبہ اربعین حصہ دوئم اور دیگر رسائل مطبوعہ مصنفہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ العزیز اس مضمون سے بھرے ہوئے ہیں۔

(نقش حیات ص160)

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی:

اس خیال اور اعتقاد سے ندا کرنا کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک مجلس مولود میں آتی ہے اسکا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں اور کئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے اول یہ کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے تو پھر آپ ﷺ کی روح مبارک کا مجالس میلاد میں آنا بدن سے مفارقت کرکے ہوتا ہے؟ یا کسی اور طریقے سے؟ اگر مفارقت کرکے مانا جائے تو آپ ﷺ کا قبر مطہر میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے یا کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے تو یہ صورت علاوہ اس کے کہ بے ثبوت ہے باعث توہین ہے نہ موجب تعظیم۔ (کفایت المفتی، ج1 ص169، 177 ط: دارالاشاعت کراچی)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی:

♣ قرآن کریم کی آیت "وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا" (سورۃ احزاب 53) کے تحت لکھتے ہیں:

"اس مسئلہ کی نہایت محققانہ بحث حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی آب حیات میں ہے۔" (تفسیر عثمانی ص567)

♣ آیت "وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ" (سورۃ نحل آیت 89) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"حدیث میں آیا ہے کہ امت کے اعمال ہر روز حضور ﷺ کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں آپ اعمال خیر کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور بداعمالیوں پر مطلع ہو کر نالائقوں کے لئے استغفار فرماتے ہیں۔" (تفسیر عثمانی ص366)

♣ ودلت النصوص الصحيحة على حياة الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام.

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج1 ص325 کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللہ ﷺ الی السموات وفرض الصلوات)

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی:

سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کو اپنی قبور میں زندگی حاصل ہے۔ (معارف الحدیث ج5 ص280)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی:

♣ انبیاءؑ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ (خصائل نبوی ﷺ شرح شمائل ترمذی ص252 باب ماجاء فی میراث رسول اللہ)

♣ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں علامہ سخاوی نے قول بدیع میں لکھا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور ﷺ اقدس زندہ ہیں اپنی قبر شریف میں۔ اور آپ کے بدن اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اس پر (امت مسلمہ کا) اجماع ہے۔ امام بیہقیؒ نے انبیاء کی حیات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے اور حضرت انسؓ کی حدیث ہے الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون کہ انبیاءؑ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ علامہ سخاویؒ نے اس کی مختلف طرق سے تخریج کی ہے۔ (فضائل درود شریف ص25)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن:

انبیاء علیہم السلام کی حیات قوی تر ہے اور نصوص صرف انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی حیات میں وارد ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حیی یرزق الحدیث۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند مکمل و مدلل، ج5 ص319)

فخر الاسلام حضرت مولانا فخر الدین احمد:

باب رفع الصَّوْتِ فِي المسجد حدثنا عليّ بن عبداللّٰهِ بن جعفر بن نجيح المديني قال نا يحيى بن سعيدنِ القطان قال نا الجعيد بن عبد الرّحمٰن قال حدَّثني يزيد بن خصيفة عن السّائب بن يزيد قال كنت قائما في المسجد فحصبني رجل فنظرت اليه فاذا عمر بن الخطّاب فقال اذهب فأتني بهٰذين فجئته بهما فقال ممّن انتما او من اين انتما قالا من اهل الطّائف قال لو كنتما من اهل البلد لاوجعتكما ترفعانِ اصواتكما في مسجد رسول اللّٰهِ صلّى اللّٰهُ عليه وسلّم.

مزار اقدس کے احترام میں صحابہؓ کا عمل:۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ترفعان اصواتکما الخ احترام مسجد کے ساتھ قرآن کریم کی آیت لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض (الحجرات 2) سے بھی ماخوذ ہے کہ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیغمبر علیہ السلام کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ان کے سامنے اس طرح زور سے بولو جیسے آپس میں بولتے ہو، پیغمبر علیہ السلام کی زندگی میں بھی یہی حکم تھا اور وفات کے بعد بھی یہی حکم ہے کیونکہ آپ قبر شریف میں بھی حیات سے متصف ہیں، حضرت عمرؓ کی رائے تو روایاتِ باب سے معلوم ہوگئی کہ وہ وفات کے بعد بھی قبر شریف کے قریب بلند آواز سے بولنے پر تنبیہ فرما رہے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں بھی یہی منقول ہے کہ وہ مسجد نبوی ﷺ میں بلند آواز سے بولنے پر نکیر فرماتے اور کہتے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو قبر شریف میں اذیت پہنچائی، حضرت علی نے ایک مرتبہ اپنے دروازے کے لئے کواڑ بنوائے تو حکم دیا کہ انہیں اتنی دور بیٹھ کر بنایا جائے کہ انکی آواز مسجد نبوی میں نہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر مبارک میں تکلیف نہ ہو، حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ اگر حجرہ اطہر کے قریب کسی دیوار میں کیل ٹھوکنے کی آواز آتی تو فوراً کسی قاصد کو بھیج کر منع کرا دیتی تھیں لا تؤذوا رسول اللہ (ﷺ) کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف مت پہنچاؤ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ تمام اقوال وافعال تقی الدین سبکی کی شفاء السقام میں موجود ہیں۔ حیات انبیاء کے مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کسی اور موقع پر کی جائے گی۔ انشاء اللہ

(ایضاح البخاری، شرح بخاری شریف، جلد3، ص269)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی:

- ♣ برزخ میں انبیاءؑ کی حیات کا مسئلہ معروف و مشہور اور جمہور علماء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ علماء دیوبند حسب عقیدہ اہلسنت والجماعت برزخ میں انبیاء کرامؑ کی حیات کے اس تفصیل سے قائل ہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرامؑ وفات کے بعد اپنی اپنی پاک قبروں میں زندہ ہیں۔ اور ان کے اجسام کے ساتھ انکی ارواح مبارکہ کا ویسا ہی تعلق قائم ہے جیسا کہ دینوی زندگی میں قائم تھا۔ وہ عبادت میں مشغول ہیں نمازیں پڑھتے ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ قبور مبارکہ پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ علماء دیوبند نے یہ عقیدہ قرآن وسنت سے پایا ہے۔ اور اس بارے میں ان کے سوچنے کا طرز بھی متوارث رہا ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج7 ص181)
- ♣ وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بتعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کیوجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والے کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ (خطبات حکیم الاسلام ج7 ص187، ماہنامہ تعلیم القرآن اگست 1962 ص27-28)
- ♣ احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو المہند میں بالتفصیل مرقوم ہے۔ یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاءؑ بجسد عنصری زندہ ہیں۔ جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبند سے ہٹے ہوئے ہیں۔ (رحمت کائنات ص32)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

♣ تسکین الصدور پر تصدیقی دستخط کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

”رسالہ نافعہ تسکین الصدور سے استفادہ نصیب ہوا۔ اس کی وقعت وعظمت کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ مولانا سرفراز خانؒ صاحب کی تالیف ہے جو اپنی محققانہ ومعتدلانہ طرز تالیف میں معروف ہیں۔ تسکین الصدور' حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع کے مسائل میں تسکین الصدور ہی ہے جس سے روحی اور قلبی تسکین ہو جاتی ہے۔ جس جس مسائل پر کلام کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ نہ صرف یہ کہ اھل السنت والجماعت کے مسلک اور مذہب منصور کے مطابق ہی نہیں بلکہ فی نفسہٖ اپنے تحقیقی رنگ کیوجہ سے پوری جامعیت کے ساتھ منضبط ہو گئے ہیں اوران سے دلوں میں سرور اورآنکھوں میں نور پیدا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ مؤلف ممدوح کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطاء فرمائے اوران کے علم وعرفان اور عمل وایمان میں روز افزوں ترقیات عطاء فرمائے آمین۔“ (تسکین الصدور ص20)

فخر المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی:

لاشك فی حیوته بعدوفاته وكذا سائر الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورهم حیاتهم اكمل من حیاة الشهداء.

(اعلاء السنن ج10 ص505)

رئیس المفسرین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی:

♣ تمام اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

(سیرت المصطفیٰ ج3 ص162)

♣ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ودیگر انبیاء کرام قبروں میں زندہ ہیں۔ (سیرت المصطفیٰ ج3 ص168)

♣ احادیث متواترہ سے انبیاءؑ کرام کی جو حیات ثابت ہے وہ حیات فی القبور ہے نہ کہ حیات فی السمٰوات۔ (سیرت المصطفیٰ ج3 ص169)

مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہان پوری:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اپنی قبر مبارک میں اپنے جسد مبارک کے ساتھ زندہ ہیں۔ مزار مبارک کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی تعلق بجسدہ وروحہ ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے بدعتی ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ جنکا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے جو انکار کرتا ہے وہ خارج از اہلسنت والجماعت ہے۔ (خیر الفتاویٰ ج1 ص124 'تسکین الصدور ص50/49)

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی:

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) قبر اطہر میں زندہ ہونے کی بحث مستقل ہے۔ علماء حق کی تحقیق یہ ہے کہ زندہ تشریف فرما ہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ باب ما یتعلق بحیات الانبیاءؑ ج1 ص532-533)

امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری:

کئی برس ہوئے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ صاحب سے مولانا غلام اللہ خان صاحب نے اپنے ہاں تقریر کی غرض سے تاریخ لی۔ جب تاریخ نزدیک آگئی تو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ان کو فرمایا۔ کہ تم مسئلہ حیات میں اکابر دیوبند اور سلف کا مسلک کا ترک کر چکے ہو۔ اسی لئے اگر میں آئونگا تو مسئلہ حیات بیان کرونگا اور فرمایا کہ یہ مسئلہ وہ سمجھ سکتا ہے جس کو عقیدت ہو یا بصیرت حاصل ہو' بصیرت تم کو حاصل نہیں اور عقیدت تم کو رہی نہیں۔ چنانچہ حضرت لاہوریؒ پھر راولپنڈی تشریف نہ لے گئے۔

(حیات انبیاء کرامؑ از مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی ص:20 ط: المکتبۃ الاشرفیہ لاہور)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی:

♣ آیت مبارکہ ”وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا“ (سورۃ احزاب 53) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

رسول اللہ ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ آپ ﷺ کی وفات کا درجہ ایسا ہے جیسے کوئی زندہ شوہر گھر سے غائب ہو۔ اس بناء پر آپ ﷺ کی ازواج کا وہ حال نہیں جو عام شوہروں کی وفات پر ان کی ازواج کا ہوتا ہے۔ (معارف القرآن ج7ص203)

♣ آیت مبارکہ "یَاۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا " (سورۃ احزاب 45) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

تمام انبیاء کرامؑ خصوصاً رسول کریم ﷺ اس دنیا سے گذرنے کے بعد بھی اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہے۔ (معارف القرآن ج7ص177)

مرشد العلماء والصلحاء مولانا عبد اللہ بہلوی:

ہمارے اکابرواسلاف دیوبند رحمہم اللہ تعالی عنہم ہمارے مرشدین نقشبندیہ ' قادریہ' چشتیہ' سہروردیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی اعتقاد ہے کہ حضور ﷺ دنیاوی وفات کے بعد قبر مبارک میں جسمانی روحانی حیات سے زندہ ہیں۔ (القول النقی ص29)

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود:

نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلامؑ اپنی قبور مطہرہ میں حیات ہیں۔ (فتاویٰ مفتی محمود ج1ص350)

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی:

انبیاء اکرامؑ کے بارہ میں انحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ قبروں میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں، قریب سے درود وسلام سنتے اور اسکا جواب بھی دیا کرتے ہیں اس کتاب میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی جارہی ہے۔ یہاں سے ان حضرات کی کم علمی واضح ہو جاتی ہے۔ جو مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلمؐ کو شرک قرار دیتے ہیں شرک تو تب ہوتا کہ کسی کو ایسا زندہ مان لیا جاتا جس کی حیات خدا تعالیٰ کی عطا نہ ہو اسکے گھر کی ہو پھر اس پر کبھی موت طاری نہ ہو مگر یہ تو کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں ہے کیا جو پیغمبر دنیا میں زندہ تھے وہ شرک تھا؟ کیا قیامت میں ہم سب زندہ ہوں گے اور زندہ بھی ایسے کہ پھر کبھی نہ مریں گے کیا وہ شرک ہو جائے گا؟ پھر اگر اللہ تعالیٰ کسی کو درمیان میں، قبر میں بھی پوری یا ادھوری زندگی عطا فرما دیں وہ کیسے شرک ہو گیا؟ جبکہ علماء دیوبند نہ تو آنحضرت ﷺ کی وفات ہو جانے کا انکار کرتے ہیں نہ پیغمبروں کی حیات کو اللہ تعالی کی عطاء کردہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ صرف آپؐ کے ارشاد کے مطابق قبروں میں انبیاء کرامؑ کی حیات اور نماز پڑھنے اور سلام و درود سننے کا اقرار کرتے ہیں تو کیا آنحضرت ﷺ کے ارشاد کو ماننا شرک ہے؟ اللہ تعالیٰ ایسی جہالت اور ضد سے بچائے (آمین)

(تسکین الصدور ص206،207)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری:

حضرات انبیاء کرامؑ کی حیات بعد الممات کا مسئلہ صاف ومتفقہ مسئلہ تھا۔ شہداء کی حیات بنص قرآن ثابت تھی۔ اور دلالۃ النص سے انبیاء کرامؑ کی حیات قرآن سے ثابت تھی اور احادیث نبویہ سے عبارت النص کے ذریعہ ثابت تھی۔ لیکن برا ہو اختلافات اور فتنوں کا کہ ایک مسلمہ حقیقت زیر بحث آکر مشتبہ ہو گئی کتنے تاریخی بدیہات کو کج بحثیوں نے نظری بنا دیا اور کتنے حقائق شرعیہ کو کج فہمی نے مسخ کر کے رکھ دیا یہ دنیا ہے اور دنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ ہر دور میں کج فہم اور کج رو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے۔ ملاحدہ وزنادقہ کی زبان کب بند ہو سکی۔ (تسکین الصدور ص22-23)

مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی:

آٹھ' دس سال سے حضرات انبیاء کرامؑ کی حیات کا انکار بعض ایسے عالموں کی طرف سے شائع ہونے لگا جو کہ ہمارے اپنے شمار ہوتے تھے۔ بہت ہی جی چاہتا تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ اس مسئلہ کی پوری پوری تحقیق لکھ دے...... خود تو کم صحت کم فرصت کم استعداد اس سے قاصر تھا۔ بس دل میں یہ تمنا موجزن تھی حضرت مولانا سرفراز خانؒ صاحب نے بڑی محنت اور جانفشانی اور عرق ریزی سے یہ تحقیق مکمل کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نے میری وہ دلی تمنا مولانا کے ہاتھوں پوری فرمادی اس لئے حرف حرف مزے لے لے کر پڑھتا چلا گیا ہر بحث پر دل باغ باغ ہوتا گیا اور دعاؤں میں سرشار ہوتا رہا..... الحمدللہ جیسا دل چاہتا تھا یہ کام انجام پا گیا۔ احادیث کے اسناد کی صحت اور مفہومات کی تحقیقات 'شبہات کے جوابات ماشاء اللہ نور علی نور ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مصنف کو بہترین جزاوں سے دونوں جہانوں میں سرفراز فرمائیں اور مشتبہ آنکھوں کے لئے کتاب کو سرمۂ بصیرت بنائیں۔ (تسکین الصدور ص27-26)

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی:

ھو حی فی قبرہ کحیاۃ الانبیاء ..وحرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء

حیاتھم اعلی واکمل من الشھداء ..وشانھم ارفع فی الارض والسماء

(انوار القرآن حافظ الحدیث نمبر اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر ۲۰۰۲ ص ۱۲۲)

تسکین الصدور کی تقریظ میں لکھتے ہیں: اپنے موضوع میں مسلک اھل السنت والجماعت کے بیان میں کافی وشافی ہے۔ (تسکین الصدور ص27)

خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ:

حضرت خواجہ صاحب اپنے ایک مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں:

قرونِ اولیٰ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک جمیع علماء کرام کا اجماعی طور پر حیات النبی ﷺ کے متعلق جو عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاءؑ وفات کے بعد اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینھا محفوظ ہیں اور جسد عنصری کیساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں روضۂ اقدس ﷺ پر جو درود شریف پڑھے وہ بلاواسطہ سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ حضرات دیوبند کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف کرے اتنی بات یقینی ہے کہ اسکا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جو شخص اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف رات دن تقریر بھی کرے اور اپنے آپ کو دیوبندی بھی کہے یہ بات کم از کم ہمیں تو سمجھ نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم اور اکابر دیوبند کے مسلک کے صحیح پابند بنا کر استقامت نصیب فرماوے۔ (مجلہ ''صفدر'' گجرات شیخ المشائخ نمبر 'ص686-687)

حضرت مولانا مفتی احمد سعید صاحب:

(مفتی جامعہ عربیہ سراج العلوم سرگودھا)

''مسئلہ حیاۃ انبیاءؑ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس مسئلہ پر تمام علماء محدثین وفقہاء ومفسرین اور چاروں اماموں کے مقلدین بلکہ اہل ظواہر غیر مقلدین بھی متفق ہوں تو اس مسئلہ میں ایک جدید طریق اختیار کرنا تحقیق نہیں بلکہ علماء امت کی تضحیک ہے۔ خدمت اسلام نہیں تذلیل اہل ایمان ہے۔ اگر جمہور سلف صالحین پر اعتماد نہیں تو دین تمہارا خانہ زاد نہیں۔'' (حیات النبی ﷺ اور مذاہب اربع ص'4)

استاد العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری:

عالم برزخ میں جملہ انبیاء علیہم السلام کی حیات حقیقیہ دنیویہ بجسدھم العنصری کا مسئلہ اہل سنت والجماعت میں متفق علیہ مسئلہ ہے۔

(القول النقی فی حیات النبی ص30)

وکیل اھلسنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین:

اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم مبارک کو حیات عطا کرتے ہیں اسی جسم میں حیات ہوتی ہے جو جسم اس دنیا میں تھا۔ (یادگار خطبات ص101)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

پاسبان مسلک دیوبند حضرت مولانا محمد علی جالندھری:

آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ روح مبارک کے تعلق سے اسی دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو روضۂ انور میں محفوظ وموجود ہیں۔اسی تعلق کی وجہ سے روضۂ انور پر پڑھے گئے درود وسلام کو بغیر کسی واسطے کے علی الدوام خود سماعت فرماتے ہیں۔اسی عقیدہ کو ہمارے اکابر نے المہند میں حیات دنیویہ برزخیہ سے تعبیر کیا ہے۔

(سوانح وافکار مولانا محمد علی جالندھریؒ ص324)

فقیہ العصر مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی:

احتج القائلون بانہا مندوبۃ بقولہ تعالیٰ ولو انہم اذظلموا انفسہم جاؤك فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول الایۃ وجہ الاستدلال بہا انہ حی ﷺ فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورہم۔

(احسن الفتاویٰ ج4 ص561 ط: مکتبۃ الرشید کراچی)

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید:

♣ میرا اور میرے اکابر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ روضۂ اطہر میں حیات جسمانی کے ساتھ حیات ہیں اور یہ حیات برزخی ہے، آنحضرت ﷺ درود وسلام پیش کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور وہ تمام امور جن کی تفصیل اللہ ہی کو معلوم ہے، بجالاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کو حیات برزخیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حیات برزخ میں حاصل ہے اور اس حیات کا تعلق روح اور جسد دونوں کے ساتھ ہے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل ج1 ص299)

♣ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص سید الانبیاء سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اپنی قبر شریفہ میں حیات ہونا اور حیات کے تمام لوازم کے ساتھ متصف ہونا برحق اور قطعی ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ج1 ص261 'جدید تخریج شدہ ایڈیشن)

استاد الحدیث حضرت مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنی:

غرض آپ ﷺ کی اور جملہ انبیاء علیہم اسلامؑ کی قبر میں حیات کا دلائل کے ساتھ ہم کو قطعی علم ہے اور اس بارے میں تواتر کے درجے کو حدیثیں پہنچ چکی ہیں۔ (ترجمان السنۃ ج3 ص302 حدیث نمبر 1073 ط: ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم لاجپوری:

انبیاء کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اورانکو رزق دیا جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ کتاب العقائد ج8 ص32 ط مکتبہ رحمانیہ لاہور)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ:

”اگر روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو آپ ﷺ خود سنتے ہیں‘ بلکہ جمیع اہل السنۃ والجماعۃ اس کے قائل ہیں اور سب اکابر دیوبند کا یہی عقیدہ ہے جو شخص اس عقیدے کو عقائد شرکیہ یا بدعیہ میں شمار کرتا ہے وہ بالکل جاہل اور پرلے درجے کا احمق اور ملحد ہے۔وہ حقیقت شرک سے قطعاً نا آشنا ہے۔ مسلمانوں کو ایسے شخص سے دور رہنا چاہیے“۔ (خیر الفتاویٰ ج نمبر 1 باب ما یتعلق بالایمان والعقائد ص128-129)

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی:

حضرات انبیاء کرامؑ کی انکی قبروں میں زندگی متفق علیہ عقیدہ کی حیثیت سے ایک طے شدہ حقیقت ہے۔اکابر اہلسنت میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ملتا جسے انبیاء کرامؑ خصوصاً حضرت محمد ﷺ کی حیات فی القبر کا انکار کیا ہو۔ اور قبر مبارک میں آپ ﷺ کی روح مبارک کے

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جسد اطہر سے اتصال و تعلق کی نفی کی ہو۔ بلکہ اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ قبر میں روح مبارک کا جسد اطہر سے ایسا تعلق اور اتصال ثابت ہے جس سے جسم مبارک میں حیات اور سماع کی قوت حاصل ہے۔ اور قبر مبارک کے قریب سے سلام کہنے والوں کا سلام آپ ﷺ بنفس نفیس خود سماعت فرمالیتے ہیں۔ (حیات انبیاء کرام ﷺ ص 113 ط: مکتبہ اشرفیہ لاہور)

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید صاحب سواتیؒ:

ان النبی حی فی قبرہ کہ اللہ کا نبی ﷺ قبر میں زندہ ہیں۔ یہ زندگی محض روحانی زندگی نہیں کیونکہ روح تو ابو جہل کی بھی زندہ ہے بلکہ نبی کی زندگی کمال درجے کی زندگی ہے اس برزخی زندگی کے متعلق سلف کے دو مسلک ہیں۔

اگر آپ ﷺ کی روح مبارک علیین میں ہے تو اسکا تعلق قبر کے ساتھ بھی ہے اسی لئے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی[علی] نائیا ابلغتہ یعنی جو شخص میری قبر پر آکر درود پڑھے گا تو میں اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے گا وہ مجھ تک پہنچایا جائے گا معراج کے واقعہ والی روایت بھی حیات النبی ﷺ کی تصدیق کرتی ہے۔

(معالم العرفان فی دروس القرآن ج 15 ص 341-342' ط: مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ)

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ:

انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ یہ عقیدہ نہ صرف علماء دیوبند کا ہے بلکہ تمام امت کا ہے۔

(کشف الباری شرح صحیح بخاری کتاب المغازی ص 125 ط: مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا تعلق جسم اطہر کے ساتھ شہید سے بھی زیادہ ہے، اتنا زیادہ ہے کہ کسی اور کی روح کو اپنے جسم سے اتنا تعلق نہیں ہوتا چنانچہ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ کی قبر شریف پر حاضر ہو کر جو آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے آپ اسے خود سنتے ہیں اور جواب عنایت فرماتے ہیں۔ (فتاوی دارالعلوم کراچی ج 1 ص 100)

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ:

ان الاصل فی ھذہ المسئلہ قول اللہ تبارك وتعالیٰ: ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون ولما ثبت الحیاۃ للشھداء ثبت للانبیاء علیہم السلام بدلالۃ النص لان مرتبۃ الانبیاء اعلیٰ من مرتبۃ الشھداء بلا ریب...وقد ورد فی ھذا الباب حدیث صریح...عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ... وبالجملۃ فان ھذہ الاحادیث مع حدیث الباب (مررت علی موسیٰ علیہ السلام الخ ...) تدل علی کون الانبیاء احیاء بعد وفاتھم وھو من عقائد جمھور اھل السنۃ والجماعۃ...وانما المقصود حیاتھم بمعنی ان لارواحھم تعلقا قویا باجسادھم الشریفۃ المدفونۃ فی القبور ولھذا التعلق القوی حدثت لاجسادھم خصائص کثیرۃ من خصائص الاجساد مثل سماع السلام وردہ...

(تکملہ فتح الملہم ج 5 ص 30-28 ط: دارالعلوم کراچی)

منکرین حیات کا حکم

♣ الغرض میرا اور میرے اکابر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ مطہرہ میں حیات جسمانی کے ساتھ حیات ہیں یہ حیات برزخی ہے مگر حیاۃ دنیاوی سے قوی تر ہے جو لوگ اس مسئلہ کا انکار کرتے ہیں ان کا اکابر علماء دیوبند اور اساطین امت کی تصریحات کے مطابق علماء دیوبند سے تعلق نہیں ہے اور میں ان کو اہل حق میں سے نہیں سمجھتا اور وہ میرے اکابر کے نزدیک گمراہ ہیں ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نہیں اور اس کے ساتھ کسی قسم کا تعلق روا نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل تخریج شدہ ج:1 ص:295)

♣ ہمارے نزدیک اہل السنت والجماعت کے اس عقیدہ حیات کا منکر کافر نہیں گمراہ ہے۔ (سوانح وافکار حضرت جالندھری ص:326)

♣ مفکر اسلام مفتی محمود فرماتے ہیں:

یہ عقیدہ کہ آپ کا جسد اطہر ساکن وصامت قبر مبارک میں صحیح وسلامت موجود ہے اور اس سے افعال وحرکات کا صدور نہیں ہوتا عقیدہ فاسدہ ہے اور تمام علماء اہل السنت والجماعت کے عقیدہ اور علماء دیوبند کے مسلک کے خلاف ہے۔(القول النقی ص32)

ایک شخص نے مفتی محمود رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ ،،جو آدمی قبر میں حضور کی حیات کا منکر ہو،روضۂ اقدس پر الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہنے کا قائل نہ ہو اور حضور کی ذات کو نور کہتا ہو اس کے بارے میں کیا حکم ہے[مفہوما]

حضرت مفتی صاحب تینوں مسائل میں مسلک اہل السنت والجماعت کی وضاحت کے بعد فرماتے ہیں: ”بلا تاویل اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔“ (فتاوی مفتی محمود ج1 ص354،353)

♣ مولانا نصیر الدین غور غشتوی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

پنج پیریان قرآن کریم میں تحریف کرتے ہیں اور آیات واردہ فی حق المشرکین مومنوں پر صادق کرتے ہیں۔ان سے قرآن کریم کا ترجمہ نہ کرنا اور ان جیسے فاسد عقائد والوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنا کسی دیندار متقی کے پیچھے پڑھو۔(سوانح مولانا غور غشتوی ص170)

♣ حضرت خواجہ خان محمد صاحب اپنے ایک مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں:

قرونِ اولیٰ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک جمیع علماء کرام کا اجماعی طور پر حیات النبی ﷺ کے متعلق جو عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاءؑ وفات کے بعد اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہا محفوظ ہیں اور جسد عنصری کیساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں روضۂ اقدس ﷺ پر جو درود شریف پڑھے وہ بلاواسطہ سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ حضرات دیوبند کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف کرے اتنی بات یقینی ہے کہ اسکا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔جو شخص اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف رات دن تقریر بھی کرے اور اپنے آپ کو دیوبندی بھی کہے یہ بات کم از کم ہمیں تو سمجھ نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم اور اکابر دیوبند کے مسلک کے صحیح پابند بنا کر استقامت نصیب فرماوے۔ (مجلہ ”صفدر“ گجرات شیخ المشائخ نمبر ،ص686-687)

♣ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتھم فرماتے ہیں:

حضرات صحابہ کرام سے لیکر آج تک تمام ہی علماء کا مسلک حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رہا ہے ،علماء دیوبند بھی اسی کے قائل ہیں، جو شخص حیات کی بجائے ممات کا عقیدہ رکھتا ہے اس کا علماء دیوبند سے کوئی تعلق نہیں۔(خوشبو والا عقیدہ حیات النبی ص21)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ توسل

از افادات متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

تمہید:

مسئلہ کی تفصیل سے قبل چند باتیں عرض کی جاتی ہیں:

توسل کا لغوی و شرعی معنیٰ:

لغوی معنیٰ:

1: الوَسِيلَة هي في الأَصْل ما يُتَوَصَّلُ به إلى الشَّيْء ويُتَقَرَّبُ به

(النہایۃ فی غریب الاثر لابن الاثیر الجزری: ج5ص402)

کہ "وسیلہ" دراصل اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی (مطلوبہ) چیز کی طرف پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے

2: مصباح اللغات میں ہے:

الوسیلہ: تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ

(مصباح اللغات: ص946)

3: حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "توسل" لغت میں تقرب اور نزدیکی کو کہتے ہیں قرآن شریف میں ہے: ﴿وابتغوا الیہ الوسیلۃ﴾ یعنی اللہ کا قرب حاصل کرو

(ملفوظات حکیم الامت ج25ص123)

شرعی معنیٰ:

شرعاً توسل کا اطلاق ان اقسام پر ہوتا ہے:

توسل بالدعاء:

التوسل --- بدعاء الرجل الصالح الحي الموجود فتقول يا شيخ ادع الله لي ونحو ذلك، كما استسقى الصحابة برسول الله صلى الله عليه وسلم.

(التوسل المشروع والممنوع: ص17)

ترجمہ: توسل بالدعاء سے مراد یہ ہے کہ زندہ نیک آدمی کو دعا کی درخواست کرنا کہ حضرت! میرے لیے اللہ سے دعا فرمائیں، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کی۔

توسل بالاعمال:

هو التقرب إلى الله تعالى بطاعته وعبادته واتباع أنبيائه ورسله وبكل عمل يحبه الله ويرضاه.

(التوصل الی حقیقۃ التوسل لمحمد نسیب الرفاعي: ص13)

ترجمہ: وسیلہ بالاعمال سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت، عبادت، اس کے انبیاء ورسل کی اتباع اور ہر اس عمل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور اللہ اس سے راضی ہو۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

توسل بالذات:

و ان یتوسل بالنبی صلی اللہ علیہ و سلم و بأحد من الاولیاء العظام جائز بأن یکون السوال من اللہ تعالیٰ و یتوسل بولیہ و نبیہ صلی اللہ علیہ و سلم۔

(امداد الفتاویٰ: ج6 ص327)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی ولی کی ذات سے وسیلہ کیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ مانگا تو اللہ تعالیٰ سے جائے لیکن واسطہ ولی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔

مندرجہ بالا تین اقسام کے پیشِ نظر توسل کی شرعی تعریف کچھ یوں ہے:

و التوسل شرعاً هو التقرب إلى الله تعالى بدعاء النبيين و الصالحين و الاولياء و شفاعتهم او بكل عمل يحبه الله ويرضاه من عبادته كالصلاة و الزكوٰة و الصيام و غير ذلك و اتباع أنبيائه ورسله او بجاه النبيين و الصالحين و بحرمتهم و ببركتهم و بحقهم على الله سبحانه و تعالىٰ سواء كان في حياتهم او بعد وفاتهم

ترجمہ: شریعت میں توسل سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے چاہے وہ انبیاء، صالحین اور اولیاء سے دعا کروا کر اور ان کی شفاعت سے حاصل کیا جائے یا ہر اس عمل سے کیا جائے جسے اللہ پسند فرماتا ہے جیسے اس کی عبادت کرنا مثلاً نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا وغیرہ اور انبیاء، رسل کی اطاعت کرنا یا انبیاء و صالحین کی جاہ، حرمت، برکت اور ان کے (اللہ پر ہونے والے) حق (یا اس قسم کے دیگر الفاظ مثلاً بطفیل فلاں، بوسیلہ فلاں وغیرہ) سے حاصل کیا جائے چاہے اس دنیوی زندگی میں ہو یا وفات کے بعد والی زندگی میں۔

فائدہ:

توسل کی ان تین اقسام میں سے توسل بالدعاء اور توسل بالاعمال اہل السنۃ والجماعۃ اور فریق مخالف [مماتی اور غیر مقلدین] کے ہاں متفق علیہ ہے لیکن توسل بالذات کے اہل السنۃ والجماعۃ تو قائل ہیں البتہ فریق مخالف اس کا منکر ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ اور فریق مخالف کا موقف پیشِ خدمت ہے:

مذہب اہل السنت والجماعت:

1: علامہ تقی الدین علی بن عبد الکافی ابن علی السبکی الشافعی [م756ھ] لکھتے ہیں:

ان التوسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز فی کل حال قبل خلقه وبعد خلقه فی مدة حياته فی الدنيا وبعد موته فی مدة البرزخ

(شفاء السقام للسبکی: ص358)

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل لینا ہر حال میں جائز ہے چاہے آپ کی تخلیق سے پہلے ہو، آپ کی پیدائش کے بعد آپ کی دنیوی زندگی میں ہو یا آپ کی وفات کے بعد آپ کی برزخی زندگی میں ہو۔

2: علامہ احمد بن محمد القسطلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ [م923ھ] لکھتے ہیں:

و ینبغی للزائر ان یُکثِرَ من الدعاء و التضرع و الاستغاثة و التشفع و التوسل به صلی اللہ علیہ و سلم

(المواہب اللدنیۃ: ج3 ص417 الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف الخ)

ترجمہ: زائر کو چاہیے کہ بہت کثرت سے دُعا مانگے، گڑگڑائے، مدد چاہے، شفاعت کی دعا کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑے۔

3: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (م1176ھ) فرماتے ہیں:

ومن ادب الدعاء تقديم الثناء على الله و التوسل بنبی الله ليستجاب. (حجۃ اللہ البالغۃ ج2 ص6)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: اور دُعا کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کو مقدّم کیا جائے تاکہ دُعا کو قبولیت کا شرف ہو۔

4: علماء دیوبند کی اجماعی و متفقہ دستاویز "المہند علی المفند" میں تیسرا اور چوتھا سوال توسل کے متعلق تھا، حضرات علماء دیوبند کا متفقہ مسلک اس سوال وجواب میں ملاحظہ فرمائیں:

السوال الثالث والرابع: هل للرجل ان يتوسل فى دعواته بالنبى صلى الله عليه وسلم بعد الوفاة ام لا؟ ايجوز التوسل عندكم بالسلف الصالحين من الانبياء والصديقين والشهداء واولياء رب العالمين ام لا؟

الجواب: عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل فى الدعوات بالانبياء والصالحين من الاولياء والشهداء والصديقين فى حياتهم وبعد وفاتهم بأن يقول فى دعائه اللهم انى اتوسل اليك بفلان ان تجيب دعوتى وتقضى حاجتى الى غير ذلك

(المہند علی المفند: ص36، 37)

ترجمہ: تیسرا اور چوتھا سوال: کیا وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل لینا دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟ تمہارے نزدیک سلف صالحین یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء اللہ کا توسل بھی جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعا میں انبیاء، اولیاء، شہداء اور صدیقین کا توسل جائز ہے، ان کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی، آدمی یوں دعا کرے: اے اللہ! فلاں بزرگ کے وسیلہ سے میری دعا قبول فرما اور میری اس ضرورت کو پورا فرما۔

5: حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ [م1362ھ] لکھتے ہیں:

و الثالث دعاء الله ببركة هذا المخلوق المقبول و هذا قد جوزه الجمهور الخ

(بوادر النوادر: ص708)

ترجمہ: اور توسل کی تیسری صورت یہ ہے کی کسی مقبول مخلوق کی برکت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگے اور اسے جمہور نے جائز قرار دیا ہے۔

لہذا اہل السنت والجماعت کے نزدیک دعا میں کسی نبی یا ولی کا وسیلہ دینا مستحب، اقرب الی الاجابت اور آداب میں سے ہے۔

مذہب اہل بدعت:

موجودہ دور کے غیر مقلدین اور مماتی حضرات توسل کے منکر ہیں اور اسے ہنود و نصاریٰ کا طریقہ کہا، شرک کے اسباب قرار دیا اور مشرکین کا عقیدہ بتلایا۔ اس کا موقف ان کی چند عبارات میں ملاحظہ ہو:

غیر مقلدین حضرات کی عبارات:

1: سید طالب الرحمن صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

کسی فوت شدہ نبی یا ولی کا وسیلہ دینا جائز نہیں کیونکہ یہ عملِ صالح نہیں۔ (آیئے عقیدہ سیکھیے: ص159)

2: محمود احمد میرپوری صاحب غیر مقلد وسیلہ بالذات کو غیر مشروع قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وسیلے کا یہی وہ غیر مشروع طریقہ ہے جو انسان کو شرک میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (فتاویٰ صراط مستقیم: ص70)

3: محمد رئیس ندوی صاحب نے توسل بالذات کے بارے میں جس قسم کی زبان استعمال کی اور قائلین توسل پر جو گالیوں کی بوچھاڑ کی وہ صرف انہی کا حصہ ہے۔ گالیاں دیتے دیتے موصوف نے توسل کی اس قسم کو مشرکانہ توسل، دعویٰ مکذوبہ و قبیحہ، حرام وغیرہ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ (مجموعہ مقالات پر سلفی تحقیقی جائزہ از رئیس ندوی: ص856 تا 872)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

مماتی حضرات کی عبارات:

1: محمد حسین نیلوی صاحب اپنی کتاب "ندائے حق" میں لکھتے ہیں:

دراصل یہ مسئلہ (توسل) ہنود و نصاریٰ سے چلا آرہا ہے۔ (ج2ص349 عنوان: مسئلہ وسیلہ بالذوات والاموات کا اصل ماخذ)

2: محمد طاہر صاحب پنجپیری کی کتاب "البصائر مصنفہ مولوی حمد اللہ الداجوی" کے حاشیہ میں ہے:

قائلین توسل اور پہلے دور کے مشرکین کا عقیدہ ایک جیسا ہے۔ (حاشیہ البصائر: ص237)

3: عطاء اللہ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

اسلام میں وسیلہ کا کوئی ثبوت نہیں، جواز وسیلہ پر کوئی ایک آیت، حدیث یا صحابی کا عمل موجود نہیں۔ لہذا وسیلہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔
(وسیلہ کیا ہے؟ :41، 42، 46، 64)

ایک مقام پر متوسل کے بارے میں لکھتے ہیں:

اور وہ پاگل اپنے درخواست پیش کرنے کے لیے مخلوق میں سے وسیلوں اور واسطوں کو ڈھونڈ تا پھرے۔ (شرک کیا ہے: ص19)

4: میاں محمد الیاس صاحب محمد طاہر پنج پیری صاحب کی ایک تصنیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ مولانا کی پہلی مطبوعہ تصنیف ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس کا موضوع "توسل و وسیلہ" ہے جو کہ پورے ہندوستان میں عام ہے اور شرک کے بنیادی اسباب میں سے ہے۔ (مولانا طاہر کی خدمات: ص194)

توسل بالذات کا ثبوت:

حضرات انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی ذاتوں سے توسل کرنے کا جواز کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع امت اور سلف صالحین کے اقوال سے ثابت ہے۔ خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرنے کا جواز عقلاً و نقلاً ثابت ہے۔

عقلاً ثبوت:

1: اعمال کا وسیلہ تو مسلّم ہے حتی کہ فریقِ مخالف بھی اس کا قائل ہے۔ اعمال فرع ہیں اور ذات اصل ہے۔ بالفاظ دیگر نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ اعمال فرع ہیں اور ذات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اصل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے نکلنے والے اعمال کا نام "دین" ہے۔ جب اعمال اور فرع کا وسیلہ جائز ہے تو ذات پیغمبر اور اصل کا وسیلہ بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ نیز اعمال خود نہیں آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو اعمال ہمیں نہ ملتے۔ تو وہ اعمال جن کے وسیلے کے تم قائل ہو ان کا وسیلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

2: اعمال صالحہ خداوند تعالیٰ کی جانب سے نعمت ہیں، ان کا وسیلہ جائز ہے۔ حضرت انبیاء علیہم السلام و صالحین حضرات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمام نعمتوں کا سرچشمہ بلکہ نعمتِ کبریٰ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ (آل عمران:64)

ترجمہ: بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا۔

تو جب چھوٹی نعمتوں (اعمال صالحہ وغیرہ) سے توسل کرنا جائز ہے تو بڑی نعمتوں (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم) سے توسل کرنا بدرجہ اولیٰ جائز اور درست ہوگا۔

3: اعمالِ صالحہ چونکہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں، اس لیے ان سے توسل جائز ہے تو انبیاء علیہم السلام ان سے بڑھ کر تقرب کا ذریعہ ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ایمان نہ ہو تو اعمال صالحہ سے قربِ خداوندی نہیں ملتا اور اگر ایمان ہو اور اعمالِ صالحہ بھی ہوں تو اعمالِ صالحہ سے اتنا قربِ خداوندی

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

نہیں ملتا جتنا پیغمبر کی ذات سے ملتا ہے۔

اول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [سورۃ الزمر:65]

کہ اگر تم نے شرک کا ارتکاب کیا تو تمہارے سارے اعمال غارت جائیں گے اور تم یقینی طور پر سخت نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

ثانی کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تسبوا أحدا من أصحابي فإن أحدكم لو أنفق مثل أحد ذهبا ما أدرك مد أحدهم ولا نصيفه

(صحیح مسلم: ج2 ص310 باب تحریم سب الصحابہ)

کہ میرے صحابہ کی شان میں نازیبا کلمہ نہ کہنا اس لیے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے اور یہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) ایک جو مٹھی بھر جَو خرچ کریں تو تمہارا احد پہاڑ کے برابر سونا اِن کی مٹھی بھر جو کے برابر نہیں۔

مٹھی بھر جَو خرچ کرنا چھوٹا عمل ہے، احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنا بڑا عمل ہے۔ اب یہاں احد پہاڑ کی مثل سونا مٹھی بھر جَو کے برابر اس لیے نہیں کہ مٹھی بھر جَو کو ذاتِ پیغمبر کی صحبت ملی ہے اور ہمارے احد پہاڑ کی مثل سونے کو ذاتِ پیغمبر کی صحبت نہیں ملی۔ ثابت ہوا کہ اعمال صالحہ سے اتنا قربِ خداوندی نہیں ملتا جتنا پیغمبر کی ذات سے ملتا ہے۔

کتاب اللہ سے توسل کا ثبوت:

پہلی آیت:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہود کے بارے میں فرمایا:

﴿وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ (سورۃ البقرۃ:89)

ترجمہ: اور اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1239ھ) لکھتے ہیں:

ابو نعیم اور بیہقی اور حاکم نے ساتھ اسناد صحیحہ اور طرق متعددہ کے روایت کی ہے کہ یہودی مدینہ کے اور یہودی خیبر کے جس وقت ساتھ بت پرستوں عرب کے یعنی فرقہ بنی اسد اور بنی غطفان اور جہینہ اور غدرہ کے جنگ کرتے تھے، مغلوب ہو جاتے اور شکست کھاتے، لاچار ہو کر طرف دانشمندوں اور کتاب اپنے کے رجوع کیا انہوں نے بعد تامل بسیار کے، یہ دعا اپنے سپاہیوں کو تعلیم کی کہ لڑائی کے وقت میں پڑھا کریں، پھر مغلوب نہ ہوئے اور فتح پاتے تھے، دعا یہ ہے:

اللهم ربنا انا نسالك بحق احمدَ النَّبِيِّ الامی الذی وعدتَّنا ان تخرجه لنا فی آخر الزمان وبكتابك الذی تنزل علیه آخر ما ینزل ان تنصرنا علی اعدائنا۔

(تفسیر عزیزی: ج2 ص581)

ترجمہ: اے اللہ! ہم تجھ سے حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق اور وسیلے سے جو نبی امی ہیں، جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو تو آخری زمانہ میں بھیجے گا، اور اس کتاب کے وسیلہ سے جس کا تو نے آخری زمانہ میں نازل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، سوال کرتے ہیں کہ آج کے دن تو ہمیں ہمارے دشمن پر غلبہ عطا فرما۔

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ [م 1270ھ] لکھتے ہیں:

وہ لوگ یہ دعا کرتے تھے:

اللهم إنا نسألك بحق نبيك الذي وعدتنا أن تبعثه في آخر الزمان أن تنصرنا اليوم على عدونا. (روح المعانی: ج1 ص320)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے اس رسول کے حق اور وسیلے سے جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو تو آخری زمانہ میں بھیجے گا، سوال کرتے ہیں کہ آج کے دن تو ہمیں ہمارے دشمن پر غلبہ عطا فرما۔

شیخ ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی رحمہ اللہ (م1336ھ) لکھتے ہیں:

مدینہ کے یہود بنی اسد اور بنی غطفان وغیرہ قبائل عرب سے جب شکست کھا کر عاجز ہوئے تو اپنے علماء کی تعلیم سے دعا کیا کرتے تھے: اللھم ربنا انا نسالك بحق احمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا فی آخر الزمان وبکتابك الذی تنزل علیه آخر ماینزل ان تنصرنا علی اعدائنا کہ الٰہی ہم کو ببرکت نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ببرکت قرآن مجید کے ہمارے دشمنوں پر فتح یاب کر۔

(تفسیر حقانی: ج1ص510)

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (م1394ھ) اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

حالانکہ نزولِ قرآن اور آپ کی بعثت سے پہلے ہی لوگ کافر اور بت پرستوں کے مقابلہ میں آپ کے نام کی برکت سے فتح ونصرت اللہ سے مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ یہود مدینہ اور یہود خیبر کی جب عرب کے بت پرستوں سے لڑائی ہوتی تو یہ دعا مانگتے:

اللھم ربنا انا نسالك بحق احمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا فی آخر الزمان وبکتابك الذی تنزل علیه آخر ماتنزل ان تنصرنا علی اعدائنا۔

(تفسیر معارف القرآن کاندھلوی: ج1ص233)

ترجمہ: اے اللہ! ہم تجھ سے حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق اور وسیلے سے جو نبی امی ہیں، جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو تو آخری زمانہ میں بھیجے گا، اور اس کتاب کے وسیلہ سے جس کا تو نے آخری زمانہ میں نازل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، سوال کرتے ہیں کہ آج کے دن تو ہمیں ہمارے دشمن پر غلبہ عطا فرما۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ یہود مدینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل آپ کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے۔

اعتراض:

اس آیت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ توسل بالذات یہود کا طریقہ تھا اور یہی کچھ مماتی حضرات کہتے ہیں۔

جواب:

اولاً۔۔۔ اصول الفقہ کی مشہور کتاب "نور الانوار" میں ملاجیون (م1130ھ) فرماتے ہیں:

شرائع من قبلنا شریعتنا مالم تنسخ

(نور الانوار: ص227 بحث الفرق بین الہام النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ)

ترجمہ: ہم سے پہلی شریعتیں جب تک منسوخ نہ ہو جائیں تو انہیں بھی ہماری شریعت سمجھا جائے گا۔

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ (م1270ھ) فرماتے ہیں:

مذہبنا فی شرع من قبلنا وإن کان إنه یلزمنا علی أنه شریعتنا لکن لا مطلقا بل إن قصه الله تعالی علینا بلا إنکار

(روح المعانی: ج8ص239 تحت سورۃ کہف آیت 21)

ترجمہ: پہلی شریعتوں کے بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بغیر انکار کے ہمیں بیان فرما دیں تو ہمارے لیے بھی ان کا حکم ثابت ہو گا۔

شریعت محمدیہ علی صاحبہا السلام میں توسل بالذات سے منع نہیں آیا بلکہ اس کا اثبات منقول ہے جیسا کہ آگے دلائل میں آ رہا ہے۔ لہذا اس آیت سے توسل کا جواز ثابت ہوا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ثانیاً۔۔ اگر اسی شبہ پر توسل بالذات کا انکار کر دیا جائے کہ یہ پہلی شریعتوں کا مسئلہ ہے تو ہم ان منکرین سے پوچھتے ہیں کہ توسل بالاعمال کے آپ بھی تو قائل ہیں اور اس پر جو اصحاب الغار والا واقعہ پیش کرتے ہیں تو وہ بھی اس امت کے اولیاء نہیں تھے بلکہ بنی اسرائیل کے اولیاء تھے، تو پھر اس کا انکار کر دیا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے توسل کا تذکرہ کیا اور تردید نہیں فرمائی تو وہ اب ہماری شریعت ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب الغار والی حدیث بیان فرمائی اور تردید نہیں فرمائی تو وہ بھی ہماری شریعت ہے۔

دوسری آیت:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا(سورۃ النساء:64)

ترجمہ: اور جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر یہ اس وقت تمہارے پاس آ کر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان پاتے۔

اس آیت میں دو چیزیں ہیں:

1: ان لوگوں کا اپنا استغفار　　　　2: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار

اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے استغفار پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کا بھی ذکر کیا۔ تو جس طرح ان کے اپنے استغفار کا ذکر کیا درمیان میں پیغمبر کی ذات کو بھی ذکر کیا۔ پیغمبر کو شامل کرنے پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿جَاءُوكَ﴾ ہے کہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ اگر صرف استغفار ہی کافی تھا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ معلوم ہوا کہ عام استغفار کے قبول ہونے میں ان لوگوں کی ذات کو دخل ہے لیکن وہ استغفار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے قریب آ کر کیا جائے اس کی قبولیت میں ذاتِ نبوت کو دخل ہے ورنہ ﴿جَاءُوكَ﴾ ذکر نہ فرماتے۔

امام مالک بن انس المدنی (م179ھ) اسی آیت سے جوازِ وسیلہ پر استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ منصور مدینہ منورہ آیا اور اس نے امام مالک سے دریافت کیا:

استقبل القبلة و ادعو ام استقبل رسول الله صلی الله علیه و سلم؟ فقال: و لم تصرف وجهك عنه و هو وسیلتك و وسیلة ابیك آدم علیه السلام الی الله یوم القیامة؟ بل استقبله وا ستشفع به فیشفعه الله۔ قال الله تعالیٰ: و لو انهم اذ ظلموا انفسهم الایة. (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ج2ص26 الباب الثالث فی تعظیم امره و وجوب توقیره)

ترجمہ: میں قبر نبوی کی زیارت کرتے وقت دعا کرتے ہوئے قبلہ رخ ہوں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کروں؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: اے امیر! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے منہ کیوں موڑتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے روزِ قیامت وسیلہ ہیں، بلکہ اے امیر! آپ کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ رہیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طلب گار رہیے، اللہ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر یہ اس وقت تمہارے پاس آ کر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان پاتے۔

علامہ تقی الدین السبکی الشافعی (م756ھ) اس آیت کو توسل بالذوات کی دلیل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

والاحادیث و الآثار فی ذلك اکثر من ان تحصر، و لو تتبعتها لوجدت منها الوفاً، و نص قوله تعالیٰ: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ﴾ الآیة صریح فی ذلك. (شفاء السقام: ص376 الباب الثامن فی التوسل وا لاستغاثه و التشفع بالنبی صلی الله علیه و سلم)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: توسل بالذوات کے بارے میں احادیث و آثار شمار سے باہر ہیں، اگر آپ ان کو جمع کریں تو ان کی تعداد ہزاروں میں پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ﴾ توسل بالذوات کے جواز میں نصِ صریح ہے۔

تیسری آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ الاية

(سورۃ المائدۃ:35)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

امام ابو عبد اللہ الحاکم رحمۃ اللہ علیہ (م405ھ) نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو) کے بارے میں یہ بات بیان کی ہے:

لقد علم المحفوظون من أصحاب محمد صلى الله عليه و سلم أن ابن أم عبد الله من أقربهم إلى الله وسيلة

(المستدرک علی الصحیحین: ج3 ص37 کتاب التفسیر تحت سورۃ المائدۃ)

ترجمہ: بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے محفوظ حضرات نے جان لیا کہ ابن ام عبد اللہ (حضرت عبد اللہ بن مسعود) وسیلہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب ان حضرات میں سے اقرب اشخاص میں ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ زاہد بن الحسن الکوثری رحمہ اللہ (م1371ھ) لکھتے ہیں:

والوسيلة بعمومها تَشْمَل التوسل بالاشخاص، و التوسل بالاعمال... اما شمول الوسيلة فى الآية المذكورة للتوسل بالاشخاص فليس براى مجرد ولا هو بماخوذ من العموم اللغوى فحسب بل هو الماثور عن عمر الفاروق رضى الله عنه الخ

(مقالات الکوثری: ص286)

ترجمہ: اس آیت میں لفظ "الوسیلة" عموم کے پیشِ نظر ذاتوں کے وسیلہ کو بھی شامل ہے اور اعمال کے وسیلہ کو بھی۔۔۔ آیت مذکورہ میں وسیلہ کا توسل بالاشخاص کو شامل ہونا محض رائے سے نہیں اور نہ ہی لفظ کے عمومِ لغوی کا نتیجہ ہے بلکہ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے الخ۔

آگے علامہ کوثری رحمہ اللہ نے کئی ایک آثار ذکر فرمائے ہیں جن سے توسل بالاشخاص ثابت ہوتا ہے۔

وسیلہ ذوات واعمال دونوں کو اس لئے شامل ہے کہ وسیلہ سے مراد "قربت" ہے، جیسا کہ عامہ مفسرین نے فرمایا ہے۔

(دیکھیے تفسیر الدر المنثور، تفسیر ابن کثیر، تفسیر جلالین وغیرہ)

چوتھی آیت:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ

(سورۃ الانفال:33)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) اللہ ایسا نہیں ہے کہ اِن کو اِس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں ہے جب کہ وہ بخشش مانگتے ہوں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (م279ھ) نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری اُمت کے لئے دو امانتیں نازل فرمائیں:

{وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ} {وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ} إذا مضيت تركت فيهم الاستغفار إلى يوم القيامة. (جامع الترمذی: ج2 ص139 ابواب التفسیر، تحت تفسیر سورۃ الانفال)

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: ایک امانت یہ آیت: "اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ انہیں تیرے ہوتے ہوئے عذاب دے" اور دوسری یہ آیت: "اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں ہے جب کہ وہ بخشش مانگتے ہوں"۔ پس جب میں (دنیا) سے چلا جاؤں گا تو ان میں استغفار کو قیامت تک کے لئے چھوڑ جاؤں گا۔

عذاب سے بچنے کے دو سبب اس آیت میں ذکر کیے گئے ہیں۔ ایک سبب پہلے حصہ میں وارد الفاظ: ﴿وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف فرما ہوں اس وقت تک عذاب نہ آئے گا اور دوسرا سبب ان الفاظ: ﴿وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ سے معلوم ہو رہا ہے۔ تو یہاں پہلا جملہ ﴿وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ ذوات کے بیان کے لئے ہے اور دوسرا جملہ ﴿وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ اعمال کے بیان کے لئے ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ذوات کا وسیلہ بھی جائز ہے اور اعمال کا بھی جائز ہے۔

احادیث مبارکہ سے توسل کا ثبوت:

حدیث نمبر 1:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ

(صحیح البخاری: ج1 ص137 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

ترجمہ: جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو عمر بن خطاب، عباس بن عبد المطلب کے وسیلہ سے دعا کرتے اور فرماتے کہ اے اللہ! ہم تیرے پاس تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ لے کر آیا کرتے تھے تو تو ہمیں سیر اب کر تا تھا، اب ہم لوگ اپنے نبی کے چچا (عباس رضی اللہ عنہ) کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ہمیں سیر اب کر۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگ سیر اب کئے جاتے (یعنی بارش ہو جاتی)۔

اعتراض:

اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وسیلہ بالاحیاء تو جائز ہے، وسیلہ بالاموات جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ دیا ہے۔ اگر اموات کا وسیلہ جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ ذات کا وسیلہ نہ دیا جاتا۔

جواب:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات سے توسل کرنے کی یہ وجوہات ہیں:

1: حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسلیہ سے یہ بتانا چاہتے تھے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کا توسل جائز ہے اسی طرح غیر الانبیاء کا توسل بھی جائز ہے۔

2: یہ بتانا مقصود تھا کہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صورتیں ہیں، ایک بذات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری توسل باھل قرابت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

3: یہ بتانا مقصود تھا کہ غیر انبیاء علیہم السلام کا توسل بھی رحمت وبرکت کا باعث ہے۔

4: انسانی طبیعت کا تقاضا یہ ہے کہ محسوس، موجود اور مبصر پر زیادہ مطمئن ہوتی ہے۔ جیسے اگر کوئی آدمی روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جا رہا ہو تو اس کو سلام پہنچانے کا واسطہ بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ سلام تو فرشتے بھی پہنچاتے جن کی رفتار بھی تیز ہے اور سلام پہنچانا بھی یقینی ہے۔ اسی لیے بتقاضائے انسانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کا توسل لیا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

رہا معترض کا یہ کہنا کہ ”وسیلہ بالاحیاء تو جائز ہے، وسیلہ بالاموات جائز نہیں“ بلا دلیل وحجت ہے۔ اس لیے کہ:

1: یہ دعویٰ نہ دلالت النص سے ثابت ہے، نہ عبارت النص سے، نہ اشارۃ النص ہے نہ اقتضاء النص سے۔

2: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات سے توسل لینے میں تو توسل بالاموات کا اثبات ہوتا ہے کہ نہ انکار۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ”اللھم انا نتوسل الیك بنبیا فتسقینا “ اور یہ ضابطہ ہے کہ صحابی کے اس قول ”کنا نفعل کذا“ (ہم ایسا کیا کرتے تھے) کا مطلب یہ کہ ہم جو بات کہہ رہے ہیں اس قول کے وقت تک ہمارا یہی عمل ہے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم اس وقت تک (یعنی قحط والے سال تک) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا وسیلہ دیتے آئے ہیں۔ اب اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی آپ کی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد والی زندگی دونوں کا زمانہ شامل ہے۔ لہذا اس سے تو توسل بالاحیاء بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا۔

3: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل بھی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل تھا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ تھے ”وانا نتوسل الیك بعم نبینا“ یہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی جو نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے یعنی ”عم“ (چچا) والی نسبت کو ذکر کیا ہے پھر وسیلہ مانگا ہے۔ معلوم ہوا کہ صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ نہیں بلکہ اس عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ مانگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات درمیان میں آتی ہے۔

فائدہ:

یہ جوابات اور مؤقف حضرات اکابر کی عبارات اور تصریحات سے واضح ہوتا ہے جنہوں نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے، ذیل میں ان مستدلین حضرات پیش خدمت ہیں:

مستدلین:

1: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م 852ھ) نے فتح الباری میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی سند کے ساتھ اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

إن رسول الله صلی الله علیه و سلم کان یری للعباس ما یری الولد للوالد فاقتدوا أیها الناس برسول الله صلی الله علیه و سلم فی عمه العباس واتخذوه وسیلة إلی الله وفیه فما برحوا حتی سقاهم الله

(فتح الباری: ج2 ص641 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مرتبہ ایسا تھا جیسا اولاد کی نظر میں والد ہوتا ہے، اس لیے اے لوگو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرو اور ان کو اللہ تعالیٰ کی جانب وسیلہ بناؤ۔“ ابھی دعا مانگ رہے ہوتے کہ دعا کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

2: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1362ھ) اس حدیث مبارک کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

”ف: مثل حدیث بالا اس سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو جواز توسل ظاہر تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس قول سے یہ بتلانا تھا کہ غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے، تو اس سے بعض کا سمجھنا کہ احیاء واموات کا حکم متفاوت ہے بلا دلیل ہے۔ اول تو آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں، دوسرے جو علت جواز کی ہے جب وہ مشترک ہے تو حکم کیوں مشترک نہ ہو گا؟

(التکشف: ص675 بعنوان: غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے)

3: شیخ الاسلام شیخ زاہد بن حسن الکوثری رحمہ اللہ (م 1371ھ) اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ان قول الصحابی: ((کنا نفعل کذا)) ینصبُّ علی ما قبل زمن القول فیکون المعنی ان الصحابۃ رضی اللہ عنھم کانوا یتوسلون بہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حیاتہ و بعد لحوقہ بالرفیق الاعلیٰ الی عام الرمادو قصر ذلک علی ما قبل وفاتہ علیہ السلام تقصیر عن ھوی و تحریف للنص و تاویل بدون دلیل

(مقالات الکوثری: ص287)

ترجمہ: صحابی کے اس قول کا کہ ((کنا نفعل کذا))[ہم ایسا کیا کرتے تھے] مطلب یہ ہے کہ یہ فعل اس قول کے وقت سے پہلے والے زمانے میں ہوتا رہاہے۔ لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول (إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ) کا مطلب یہ ہو گا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل آپ علیہ السلام کی حیات میں اور آپ علیہ السلام کے خدا تعالیٰ کے پاس جانے کے بعد سے لے کر قحط والے سال تک کرتے رہے ہیں۔ اس توسل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل والے زمانے (یعنی صرف حیاتِ دنیوی جو وفات سے پہلے وہ زمانہ ہے) کے ساتھ خاص کرنا خواہشات کی پیروی، نصوص میں تحریف اور بلا دلیل تاویل کرنے کے مترادف ہے۔

4: شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (م1394ھ) ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرات صحابہ کا بعد وصال نبوی علیہ الصلوۃ والسلام الی یوم القیامہ کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے استسقاء میں توسل کرنا ہر گز اس امر پر دال نہیں کہ بعد وصال کے حضور سے توسل فی الدعاء ممنوع ہو گیا تھا۔ اگر کسی کو دعویٰ ہے تو دلالت النص وعبارت النص یا اشارۃ النص واقتضاء النص کے طریق سے کسی طریقہ سے ثابت کرے کہ یہ حدیث اس امر پر کیونکر دال ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو خود اس واقعہ میں بھی توسل بسید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم تھا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: ((اَللّٰھُمَّ إِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ وَصِنْوِ اَبِيْهِ)) یہاں بھی در حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے توسل تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقویت کے لئے آگے کیا تھا۔

(امداد الاحکام: ج1 ص133)

5: فقیہ العصر مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (م1422ھ) اس حدیث مبارک کو نقل کرکے فرماتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے بعض حضرات نے جواز توسل کی تخصیص بالاحیاء کا دعوی کیا ہے جو صحیح نہیں، جب توسل ثابت ہو گیا تو احیاء واموات میں مابہ الفرق کیا ہے؟ اگر کچھ فرق تسلیم کر لیا جائے تو مسئلہ برعکس ہونا چاہیئے کیونکہ زندہ انسان تغیرِ احوال سے مامون نہیں، اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ کسی کی اقتداء کرنا چاہو تو میت کی اقتداء کرو:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فإن الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ الحدیث رواہ رزین (مشکوٰ: ص32)

پس جب باجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم توسل بالحی کا استحباب ثابت ہوا تو توسل بالمیت بطریق اولی مستحب ہو گا۔ علاوہ ازیں دلیل اول، ثالث اور رابع توسل بالمیت کے باب میں صریح ہیں۔

باقی رہا یہ اشکال کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیوں توسل کیا؟ سو اس کی چند توجیہات ہو سکتی ہیں:

۱: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کے ساتھ آپ کی دعا بھی مقصود تھی۔

۲: اس پر تنبیہ مقصود تھی کہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صورتیں ہیں؛ ایک توسل بذاتہ دوسری توسل باہل قرابتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳: یہ بتانا مقصود تھا کہ توسل بغیر الانبیاء علیہم السلام من الاولیاء والصلحاء بھی باعث برکت وجالب رحمت ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

۴:طبع انسانی اپنے اندر موجود محسوس مبصر شخص پر زیادہ مطمئن ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام بھیجنے اور دعا کی درخواست پہنچانے میں انسانی وسائط کا اہتمام کیا جاتا ہے، حالانکہ ملائکہ کا واسطہ انتہائی سریع ہونے کے ساتھ انتہائی قوی بھی ہے، نہ ادائے امانت میں غفلت کا خطرہ، نہ نسیان کا اندیشہ۔

(احسن الفتاویٰ: ج1 ص334، 335)

حدیث نمبر 2:

عن عثمان بن حُنَيْف : أن رجلا ضرير البصر أتى النبي صلى الله عليه و سلم فقال ادع الله لي أن يعافيني . فقال (إن شئت أخرت لك وهو خير . وإن شئت دعوت) فقال ادعه . فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه . ويصلي ركعتين . ويدعو بهذا الدعاء (اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بمحمد نبي الرحمة . يا محمد إني قد توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى . اللهم فشَفِّعْه فِيَّ)

(سنن ابن ماجۃ: ص99 باب صلوٰۃ الحاجۃ، مسند احمد بن حنبل: ج13 ص315 رقم الحدیث 17175، المعجم الصغیر للطبرانی: ص183 من اسمہ طاہر، التاریخ الکبیر للبخاری: ج6 ص56 رقم الترجمۃ 2191)

ترجمہ: حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نابینا آدمی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اللہ سے میرے لئے عافیت اور تندرستی کی دعا مانگیے۔ آپ نے فرمایا: اگر چاہو تو آخرت کے لئے دعا مانگوں، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور چاہو تو (ابھی) دعا کر دوں؟ اس نے عرض کیا: دعا فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کہا کہ اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعتیں پڑھ کر یہ دعا مانگو:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى اللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ

[اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں رحمت والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے، اے محمد! میں نے آپ کے وسیلہ سے اپنے پروردگار کی طرف توجہ کی اپنی اس حاجت کے سلسلہ میں تاکہ یہ حاجت پوری ہو جائے، اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش میرے بارے میں قبول فرمالیجئے۔]

تصحیح حدیث:

(1) امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ (م 273ھ) نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا:

قال أبو إسحاق هذا حديث صحيح

(سنن ابن ماجۃ: ص99 باب صلوٰۃ الحاجۃ)

ترجمہ: ابو اسحاق نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

(2) امام ابو عیسیٰ ترمذی (م 279ھ) فرماتے ہیں:

هذا حديث حسن صحيح

(جامع الترمذی: ج2 ص198، ابواب الدعوات)

ترجمہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(3) امام ابو عبد اللہ الحاکم (م 405ھ) اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه

(المستدرک للحاکم: ج1 ص621 دعاء رد البصر رقم الحدیث 1221)

ترجمہ: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو تخریج نہیں کیا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

(4) ناصر الدین البانی غیر مقلد (م 1420ھ) اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

صحیح. (جامع الترمذی باحکام الالبانی: رقم الحدیث 3578)

کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(5) مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

اسنادہ صحیح. (صحیح ابن خزیمۃ: ج2 ص225 باب صلاۃ الترغیب الترھیب)

ترجمہ: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

مستدلین:

1: قاضی محمد بن علی شوکانی (م 1250ھ) لکھتے ہیں:

وفی الحدیث دلیل علی جواز التوسل برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إلی اللہ عز وجل مع اعتقاد أن الفاعل ھو اللہ سبحانہ وتعالی

(تحفۃ الذاکرین: ص208)

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا توسل پکڑنا جائز ہے، لیکن اعتقاد یہ ہو کہ فاعل (ومختار) ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

2: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1362ھ) یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اس سے توسل صراحتاً ثابت ہوا اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لئے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعا کا جائز ہے اسی طرح توسل دعا میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔" (نشر الطیب: ص240 اڑتیسویں فصل)

3: مفتی اعظم ہند مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ (م 1372ھ) توسل کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

اکثر جواز کے قائل ہیں۔۔۔ اللھم انی اتوجہ الیک بنبیک نبی الرحمۃ [الخ] حدیث میں موجود، مذکور ہے جو جواز کے لئے دلیل ہے۔

(کفایت المفتی: ج2 ص85)

اعتراض:

اس روایت کی سند میں راوی "ابو جعفر" سے مراد "ابو جعفر عبد اللہ بن مسور المدائنی" ہے جو ضعیف بلکہ وضاع ہے۔

جواب نمبر 1:

یہاں ابو جعفر سے مراد "ابو جعفر عمیر بن یزید الانصاری الخَطْمِی المدنی" ہے۔

1: امام ابو بکر احمد بن محمد المعروف بابن السنی (م 364ھ) نے یہی حدیث نقل کی جس میں "الخطمی" کی صراحت ہے: عن أبی جعفر المدنی وھو الخطمی

عمل الیوم واللیلۃ: رقم الحدیث 627

2: مسند احمد کے بھی ایک طریق میں الخطمی کی صراحت ہے:

حَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الْخَطْمِيُّ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ ذَهَبَ بَصَرُهُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ

مسند احمد: رقم الحدیث 17242

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

3: أخبرنا حمزة بن العباس العقبي ببغداد ثنا العباس بن محمد الدوري ثنا عون بن عمارة البصري ثنا روح بن القاسم عن أبي جعفر الخَطْمِي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف رضي الله عنه أن رجلا ضرير البصر [الحديث]

المستدرک للحاکم: ج2ص213رقم1972

4: أخبرنا أبو محمد عبد العزيز بن عبد الرحمن بن سهل الدباس بمكة من أصل كتابه ثنا أبو عبد الله محمد بن علي بن زيد الصائغ ثنا أحمد بن شبيب بن سعيد الحبطي حدثني أبي عن روح بن القاسم عن أبي جعفر المدني وهو الخَطْمِي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وجاءه رجل ضرير فشكا إليه ذهاب بصره [الحديث]

المستدرک للحاکم: ج2ص213رقم1973

5: عن روح بن القاسم عن أبي جعفر الخَطْمِي المدني [الحديث]

المعجم الصغیر للطبرانی: رقم الحدیث 508

6: امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ترمذی مطبوعہ مصر میں "وهو الخَطْمِي" کے الفاظ ہیں اور ہندی نسخہ میں غالباً کتابت کی غلطی کیوجہ سے لفظ "غیر" زائد ہو گیا۔

تسکین الصدور: ص432

چنانچہ المکتبۃ الشاملۃ میں موجود ترمذی کے نسخہ میں "وهو الخَطْمِي" کی صراحت ہے۔

جامع الترمذی: رقم3578 المکتبۃ الشاملۃ

7: وقال الترمذي هذا حديث حسن صحيح غريب لا نعرفه إلا من هذا الوجه من حديث أبي جعفر وهو غير الخَطْمِي هكذا وقع في الترمذي وسائر العلماء قالوا هو أبو جعفر الخطمي وهو الصواب.

القاعدۃ الجلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ لابن تیمیۃ: ج2ص202

جواب نمبر2:

اس روایت کی اسناد درج ذیل ہیں:

سند نمبر1:

حدثنا محمود بن غيلان حدثنا عثمان بن عمر حدثنا شعبة عن أبي جعفر عن عمارة بن خزيمة بن ثابت عن عثمان بن حنيف

جامع الترمذی: رقم3578

سند نمبر2:

حدثنا محمد بن بشار و أبو موسى قالا حدثنا عثمان بن عمر نا شعبة عن أبي جعفر المدني قال سمعت عمارة بن خزيمة يحدث عن عثمان بن حنيف. صحیح ابن خزیمۃ: رقم 1219

سند نمبر3:

حَدَّثَنَا رَوْحٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْمَدِينِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عُمَارَةَ بْنَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ يُحَدِّثُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ

مسند احمد: رقم الحدیث 17242

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

سند نمبر 4:

أخبرنا أبو محمد عبد العزيز بن عبد الرحمن بن سهل الدباس بمكة من أصل كتابه ثنا أبو عبد الله محمد بن علي بن زيد الصائغ ثنا أحمد بن شبيب بن سعيد الحبطي حدثني أبي عن روح بن القاسم عن أبي جعفر المدني وهو الخَطْمِي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف

المستدرک للحاکم: ج2ص213رقم1973

سند نمبر 5:

أخبرني زكريا بن يحيى قال حدثنا محمد بن المثنى قال حدثنا معاذ بن هشام قال حدثني أبي عن أبي جعفر عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه

السنن الکبری للنسائی: ج6ص169رقم10420

سند نمبر 6:

أخبرنا محمد بن معمر قال حدثنا حبان قال حدثنا حماد قال أخبرنا جعفر [والصوب ابو جعفر] عن عمارة بن خزيمة عن عثمان بن حنيف

السنن الکبری للنسائی: ج6ص168رقم10419

الحاصل ان روایات میں امام ابو جعفر الخطمی کے اساتذہ یہ ہیں:

1: عمارہ بن خزیمہ 2: ابو امامہ

اور شاگرد یہ ہیں:

1: شعبہ 2: روح بن قاسم 3: ھشام 4: حماد بن سلمۃ

کتب اسماء الرجال میں ان حضرات کا شمار امام ابو جعفر المدنی الخطمی کے اساتذہ اور شاگردوں میں کیا گیا ہے نہ کہ ابو جعفر عبد اللہ بن مسور المدائنی کے اساتذہ وشاگردوں میں۔

عن ابی جعفر المدینی سمع عمارة بن خزیمة بن ثابت عن عثمان بن حنیف

التاریخ الکبیر لامام البخاری ج6ص210

عن ابی جعفر یزید بن عمیر أو عمیر بن یزید عن ابی امامة بن سهل رضی الله عنه عن عمه

التاریخ الکبیر لامام البخاری ج6ص210

عن روح بن القاسم: عن ابی جعفر المدینی عن ابی امامة بن سهل بن حنیف: عن عمه عثمان ابن حنیف رضی الله عنه

التاریخ الکبیر لامام البخاری ج6ص210

أبو جعفر الخَطْمِي اسمه عمير بن يزيد... يروى عن أبيه وسعيد بن المسيب روى عنه شعبة وحماد بن سلمة

کتاب الثقات لابن حبان رقم الترجمہ10028

عمير بن يزيد بن عمير بن حبيب بن خماشة أبو جعفر الخَطْمِي بصري ولجده صحبة روى عن ابيه عن جده وعن ابن المسيب ومحمد بن كعب وروى هو عن جده ايضاً روى عنه حماد بن سلمة سمعت ابى يقول ذلك قال أبو محمد وروى عنه شعبة بن الحجاج وهشام الدستوائي وروح بن القاسم

الجرح والتعدیل للرازی ج6ص379رقم الترجمہ2099

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

أبو جعفر الخَطْمِي واسمه عمير بن يزيد ....وروى عنه شعبة وحماد ابن سلمة ويحيى بن سعيد القطان

الطبقات الكبرى لابن سعد ج1 ص347 رقم الترجمہ 257

عمير بن يزيد أبو جعفر الخَطْمِي عن بن المسيب وأبي أمامة بن سهل وعنه شعبة والقطان وعدة ثقة

الکاشف لامام ذھبی ج2 ص98 رقم الترجمہ 4290

عمير بن يزيد بن عمير بن حبيب بن خماشة ويقال ابن حباشة الانصاري أبو جعفر الخَطْمِي المدني ...روى عن أبيه وخاله عبدالرحمن بن عقبة وأبي أمامة بن سهل بن حنيف وسعيد ابن المسيب ومحمد بن كعب القرظي وعمارة بن خزيمة بن ثابت والحارث بن فضيل الخَطْمِي وعمارة بن عثمان بن حبيب.وعنه هشام الدستوائي وعدي بن الفضل وشعبة وروح ابن القاسم وحماد بن سلمة ويوسف السمتي ويحيى القطان. تهذيب التهذيب ج5ص139رقم الترجمه 2168

جواب نمبر3:

علامہ شمس الدین الذہبی (م748ھ) میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

ورمزت على اسم الرجل من أخرج له في كتابه من الائمة الستة: البخاري،[خ] ومسلم[م]، وأبي داود،[د] والنسائي، [س]والترمذي،[ت]وابن ماجه[ق]برموزهم السائرة.

(میزان الاعتدال للذہبی: ج1 ص46 مقدمۃ المصنف)

ترجمہ: ہر راوی کے نام کے ساتھ میں نے وہ علامت لگائی ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ صحاحِ ستہ میں سے کس کس محدث نے ان سے روایت لی ہے یعنی امام بخاری (کے لیے علامت "خ")، امام مسلم (کے لیے علامت "م")، امام ابو داؤد (کے لیے علامت "د")، امام ترمذی (کے لیے علامت "ت")، امام ابن ماجہ (کے لیے علامت "ق")۔

اس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ ہماری پیش کردہ روایت ترمذی اور ابن ماجہ کی ہے جن کی علامت بالترتیب "ت" اور "ق" ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں "ابو جعفر المدائنی" کے حالات ذکر کئے ہیں (تحت الرقم: 461) اور اس پر جرح بھی نقل کی ہے لیکن اس کے ساتھ علامت "ت" اور "ق" نہیں لگائی جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہماری روایت کا راوی ابو جعفر المدائنی نہیں جو کہ ضعیف و مجروح ہے بلکہ یہ ابو جعفر عمیر بن یزید الخَطْمِی ہے جو کہ ثقہ ہے۔ اس کی ثقاہت درج ذیل ہے:

قال ابن معين والنسائي: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات وقال عبدالرحمن بن مهدي: كان أبو جعفر وأبوه وجده قوما يتوارثون الصدق بعضهم عن بعض.

قلت [ابن حجر]: وقال أبو الحسن ابن المديني: هو مدني قدم البصرة وليس لاهل المدينة عنه اثر ولا يعرفونه ووثقه ابن نمير والعجلي فيما نقله ابن خلفون وقال الطبراني في الاوسط: ثقة.

تہذیب التہذیب: ج5 ص139 رقم الترجمہ 2168

عمير بن يزيد بن عمير بن حبيب الأنصاري أبو جعفر الخَطْمِي بفتح المعجمة وسكون الطاء المدني نزيل البصرة صدوق من السادسة 4. تقريب التهذيب: ج1ص432رقم الترجمة 5190

حدیث نمبر3:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کی وفات ہوئی، ان کی قبر کھودی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے، اپنے ہاتھ سے قبر کی مٹی نکالی۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے دعا کی:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

اللہ الذی یحیی ویمیت وھو حی لا یموت اغْفِر لِأُمِّي فاطمةَ بنتِ أسد ولَقِّنْها حُجَّتَها ووسِّعْ عليها مُدْخَلَها بحق نبيك والأنبياء الذين من قبلي فإنك أرحم الراحمين

(المعجم الکبیر للطبرانی: ج10، ص337رقم الحدیث 20324)

ترجمہ: اللہ کی ذات وہ ہے جو زندہ بھی کرتی ہے اور مارتی بھی ہے، وہ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی، اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما، اس کو اس کی حجت (دلیل) سکھا دے (تاکہ وہ فرشتوں کو جواب دے سکے) اور اس پر اس کی قبر کو کشادہ کر دے اس حق کے وسیلے سے جو تیرے نبی کا (یعنی میرا) تجھ پر ہے اور جو ان انبیاء علیہم السلام کا ہے جو مجھ سے پہلے ہیں۔

تصحیح الحدیث:

امام ابن حبان اور امام حاکم رحمہا اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں روح بن صلاح ہے۔ امام ابن حبان اور امام حاکم رحمہا اللہ نے اس کی توثیق کی ہے۔

(مقالاتِ کوثری: ص380)

استدلال:

علامہ کوثری رحمہ اللہ (م 1371ھ) اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفیہ التوسل بذوات الانبیاء الذین انتقلوا الی الدار الآخرۃ

(مقالاتِ کوثری: ص380)

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو انبیاء علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کا توسل جائز ہے۔

وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس میں "والأنبیاء الذین من قبلی "وہ انبیاء جو مجھ سے پہلے ہیں] کے الفاظ ہیں جو مذکورہ توسل پر واضح دلیل ہیں۔

حدیث نمبر 4:

امام ابوعبداللہ الحاکم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لما اقترف آدم الخطيئة قال يا رب أسألك بحق محمد لما غفرت لي فقال الله : يا آدم و كيف عرفت محمدا و لم أخلقه ؟ قال : يا رب لأنك لما خلقتني بيدك و نفخت في من روحك و رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبا لا إله إلا الله محمد رسول الله فعلمت أنك لم تضف إلى اسمك إلاَّ أحب الخلق فقال الله : صدقت يا آدم إنه لأحب الخلق إليَّ أُدْعُني بحقه فقد غفرت لك ولولا محمد ما خلقتك

(المستدرک للحاکم: ج3ص517 باب استغفار آدم علیہ السلام بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم، المعجم الصغیر للطبرانی: ص82، ص83)

ترجمہ: جب حضرت آدم علیہم السلام سے خطاء صادر ہو گئی (یعنی وہ امر صادر ہو گیا جسے اس حدیث میں خطاء سے تعبیر کیا گیا ہے) تو آپ نے عرض کی: اے رب! میں تجھ سے حق محمدی کے وسیلہ سے اپنی بخشش مانگتا ہوں۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسے پہچانا؟ جب کہ میں نے انہیں ابھی پیدا ہی نہیں کیا۔ عرض کیا: اے رب! یہ اس لئے کہ جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی جانب سے روح مبارک کو مجھ میں ڈالا، میں نے اپنے سر کو اٹھایا تو میں نے عرش کے ستونوں پر ((لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ)) لکھا ہوا دیکھا، تب میں نے جان لیا کہ تو اپنے پاک نام کے ساتھ کسی کے نام کا اضافہ نہیں فرماتا مگر اس ذاتِ گرامی کے نام نامی کا اضافہ فرماتا ہے جو مخلوقات میں سے تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے سچ کہا، بے شک وہ مخلوقات میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اسی کے وسیلہ سے مجھ سے دعا کیجیے۔ میں نے تجھے بخش دیا ہے اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

تصحیح حدیث:

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا حديث صحيح الإسناد

(المستدرک للحاکم: ج3 ص517 باب استغفار آدم علیہ السلام بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اس سے توسل بالذات کا ثبوت ہوا۔ وللہ الحمد

حدیث نمبر 5:

امام ابو عبد اللہ محمد ابن سعد البصری (م230ھ) نے روایت نقل کی ہے:

عن سليم بن عامر الخبائري أن السماء قحطت فخرج معاوية بن أبي سفيان وأهل دمشق يستسقون فلما قعد معاوية على المنبر قال أين يزيد بن الأسود الجرشي قال فناداه الناس فأقبل يتخطى فأمره معاوية فصعد المنبر فقعد عند رجليه فقال معاوية اللهم إنا نستشفع إليك اليوم بخيرنا وأفضلنا اللهم إنا نستشفع إليك بيزيد بن الأسود الجرشي يا يزيد ارفع يديك إلى الله فرفع يزيد يديه ورفع الناس أيديهم فما كان أوشك أن ثارت سحابة في المغرب وهبت لها ريح فسقينا حتى كاد الناس لا يصلون إلى منازلهم

(طبقات ابن سعد: ج7 ص444 تحت: مائۃ رجل وسبعۃ نفر)

ترجمہ: سلیم بن عامر الخبائری سے روایت ہے کہ آسمان سے پانی برسنا بند ہو گیا، تو حضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما اور اہل دمشق بارش کی دعا کرنے نکلے۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے تو فرمایا: یزید بن اسود رضی اللہ عنہ جرشی کہاں ہیں؟ راوی کہتے ہیں: لوگوں نے انہیں پکارا، تو وہ آگے بڑھتے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم فرمایا تو وہ منبر پر چڑھے اور نیچے کی طرف بیٹھے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! آج ہم لوگ تیری جانب اپنے بہترین اور افضل آدمی کی شفاعت طلب کرتے ہیں، اے اللہ! ہم آپ کی بارگاہ میں یزید بن اسود الجرشی کی ذات کو پیش کرتے ہیں، اے یزید! آپ اپنے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب اٹھائیں، حضرت یزید بن اسود نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی اپنے ہاتھوں کو اٹھایا۔ جلد ہی مغرب کی جانب ایک بادل اٹھا اور اسے ہوا لے (کر ہماری جانب) اڑی، تب (بارش ہوئی اور) ہم لوگ ایسے سیراب ہوئے کہ لوگوں کا اپنے مکانوں تک پہنچنا تقریباً دشوار ہو گیا۔

مستدلین:

(1) امام ابو اسحٰق ابراہیم بن علی (م476ھ) نے اس روایت کو "المہذب" کے "باب الاستسقاء" میں روایت کر کے استدلال کیا ہے۔

(المہذب مع شرحہ المجموع: ج6 ص100)

(2) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (م676ھ) نے اس واقعہ کو ثابت اور مشہور مانتے ہوئے امام ابو اسحاق ابراہیم بن علی کی تائید کی ہے۔

(المجموع شرح المہذب: ج6 ص101)

مذکورہ احادیث وآثار سے واضح ہوا کہ ذوات سے توسل کرنا جائز ہے۔

حدیث نمبر 6:

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ (م360ھ) نے ایک روایت نقل کی ہے:

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف : أن رجلا كان يختلف إلى عثمان بن عفان رضي الله عنه في

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حاجة له فكان عثمان لا يلتفت إليه ولا ينظر فی حاجته فلقی عثمان بن حنيف فشكا ذلك إليه فقال له عثمان بن حنيف ائت الميضأة فتوضأ ثم ائت المسجد فصلی فيه ركعتين ثم قل اللهم إنی أسألك وأتوجه إليك بنبينا محمد صلى الله عليه وسلم نبی الرحمة

(المعجم الصغیر للطبرانی: ص183 من اسمہ طاہر)

ترجمہ: ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کام کے سلسلے میں آیا جایا کرتا تھا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (غالباً کسی مصروفیت کی وجہ سے) نہ تو اس کی طرف توجہ فرماتے اور نہ ہی اس کی حاجت براری کرتے۔ وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور اس بات کی شکایت کی تو انھوں نے فرمایا کہ وضو کی جگہ جا اور وضو کر، پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ، پھر کہہ: اللهم إنی أسألك وأتوجه إليك بنبينا محمد صلى الله عليه وسلم نبی الرحمة [اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور بوسیلہ محمد صلی اللہ علیہ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں جو نبی الرحمۃ ہیں]

اس روایت کے آخر میں تصریح ہے کہ اس نے ایسا ہی کیا اور دعا کی برکت سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس کی تعظیم و تکریم بھی کی اور اس کا کام بھی پورا کر دیا۔

تصحیح حدیث:

1: امام طبرانی (م360ھ) فرماتے ہیں:

والحديث صحيح

(المعجم الصغیر للطبرانی ج1 ص184)

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے۔

2: علامہ منذری رحمہ اللہ (م656ھ) بھی ان کی تائید کرتے ہیں۔

(الترغیب والترہیب: ج1 ص272 الترغیب فی صلاۃ الحاجۃ ودعاءھا)

3: علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ (م974ھ) فرماتے ہیں:

رواه الطبرانی بسند جيد

(حاشیہ ابن حجر المکی علی الایضاح فی المناسک للنووی: ص500)

ترجمہ: اس حدیث کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

فائدہ:

یہ واقعہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا ہے۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ اس دور میں یہ دعا سکھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا توسل سکھا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ توسل بعد الوفات بھی جائز ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ ان دلائل سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی ذوات سے توسل کرنا ثابت ہو گیا۔ وللہ الحمد

توسل کا ثبوت اجماع سے:

اس پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور صالحین سے توسل جائز ہے۔

دلیل نمبر 1:

جیسا کہ ماقبل میں گزرا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ

(صحیح البخاری: ج1 ص137 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

ترجمہ: جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو عمر بن خطاب، عباس بن عبد المطلب کے وسیلہ سے دعا کرتے اور فرماتے کہ اے اللہ! ہم تیرے پاس تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ لے کر آیا کرتے تھے تو تو ہمیں سیر اب کر تا تھا، اب ہم لوگ اپنے نبی کے چچا (عباس رضی اللہ عنہ) کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ہمیں سیر اب کر۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگ سیر اب کئے جاتے (یعنی بارش ہو جاتی)۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا ذکر کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

واتخذوه وسيلة إلى الله

(فتح الباری: ج2 ص641 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب وسیلہ بناؤ۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس قول و فعل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر انکار نہیں کیا۔ گویا اس پر اجماع و اتفاق کر لیا۔

دلیل نمبر 2:

اسی طرح جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی موجودگی میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے توسل کرتے ہوئے بارش کی دعا کی:

اللهم إنا نستشفع إليك اليوم بخيرنا وأفضلنا اللهم إنا نستشفع إليك بيزيد بن الأسود الجرشي

(طبقات ابن سعد: ج7 ص444 تحت: مائۃ رجل وسبعۃ نفر)

ترجمہ: اے اللہ! آج ہم لوگ تیری جانب اپنے بہترین اور افضل آدمی کی شفاعت طلب کرتے ہیں، اے اللہ! ہم آپ کی بارگاہ میں یزید بن اسود الجرشی کی ذات کو پیش کرتے ہیں۔

حاضرین میں سے کسی ایک نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل مبارک پر انکار نہیں کیا۔ گویا ذوات سے توسل کرنے کے جائز ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کا اجماع ہو گیا۔

دلیل نمبر 3:

علامہ محمد بن علی شوکانی (م1250ھ) نے اپنے رسالہ "الدر النضید فی کلمۃ اخلاص التوحید" میں تصریح کی ہے:

وثبت التوسل بغيره بعد موته بإجماع الصحابة اجماعاً سكوتياً .(ص20)

کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے غیر کا توسّل کرنا اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

اقوالِ سلف اور مسئلہ توسل:

حضرات سلف صالحین مسئلہ توسل میں جواز کے قائل چلے آرہے ہیں، ذیل میں ہم بعض حضرات کا کلام نقل کریں گے تاکہ معاندین و منکرین پر حجت پوری ہو جائے۔

خلیفۂ رابع حضرت علی کرم اللہ وجہہ (م40ھ)

عن أنس قال: "جاء أعرابي إلى النبي صلى الله عليه وسلم وشكا إليه قلة المطر وجُدُوبَةَ السنة فقال: يا رسول الله لقد

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

أتيناك وما لنا بعير يَئِطّ ولا صبي يَصْطَبِحُ." فمد رسول الله صلى الله عليه وسلم يده يدعو فما رد يده إلى نحره حتى استوت السماء بأرواقها وجاء أهل البُطَاح يَضِجُّونَ يا رسول الله الطرق، فقال: حوالينا ولا علينا، فانجلى السحاب حتى أحدق بالمدينة كالإكليل فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى بدت نواجذه وقال: "لله در أبي طالب لو كان حيا لقرت عيناه، من ينشدنا قوله." فقام علي بن أبي طالب فقال: يا رسول الله لعلك أردت قوله:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ****ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

(کنز العمال: ج8 ص204 باب صلاۃ الاستسقاء رقم الحدیث 23544)

کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور بارش کی قلت اور خشک سالی کی شکایت کی اور عرض کی یارسول اللہ! ہم آپ کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوئے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی جانور نہیں رہا اور نہ کوئی آواز نکالنے والا بچہ رہا تو آپ نے دونوں ہاتھ بلند فرمائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ نیچے نہیں فرمائے تھے کہ بادل برسا اور کھل کر برسا۔ تو جن لوگوں کے گھر پانی میں ڈوب رہے تھے وہ آئے اور چیخ و پکار کرنے لگے اور عرض کی: یارسول اللہ! آمد و رفت کے راستے ختم ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ہم پر بارش نہ برسا قریب والوں پر برسا تو بادل کھلا اور مدینہ کو اس طرح گھیر لیا جس طرح بہت کھانے والا (کھانے کو گھیر لیتا ہے)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے اور آپ نے فرمایا: ابوطالب کے کیا کہنے! اگر وہ آج زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی ہوتیں، ہمیں ابوطالب کا شعر کون پڑھ کر سنائے گا؟ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا آپ کی مراد ان کا یہ شعر ہے:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ****ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

ترجمہ: آپ سفید (گندم گوں) ہیں، آپ کے چہرہ کے وسیلہ سے بارش مانگی جاتی ہے، آپ یتیموں کے فریادرس ہیں، آپ بیواؤں کے نگہبان ہیں۔ اسے سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میری مراد یہی تھی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (م 58ھ)

عن ابی الجوزاء اوس بن عبد الله قال قحط اهل المدينة قحطا شديدا فشكوا الى عائشة فقالت: انظروا الى قبر النبى صلى الله عليه وسلم فاجعلوا منه كوًّا الى السماء حتى لا يكون بينه وبين السماء سقف قال: ففعلوا فمطرنا مطراً حتى نبعت العُشْب وسمنت الابل حتى تفتقت من الشحم فسمى عام الفتق۔

(سنن الدارمی: ج1 ص56 باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ بعد موتہ، رقم الحدیث 92)

ترجمہ: حضرت ابوالجوزاء اوس بن عبد اللہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے لوگ شدید قحط سالی میں مبتلا ہوئے۔ ان لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں درخواست پیش کی تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف دیکھو (یعنی آپ کی قبر پر جاؤ)، پھر آسمان کی طرف ایک روشندان بناؤ کہ آپ کے اور آسمان کے درمیان چھت نہ رہے۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، تب بارش سے سیراب ہوئے حتیٰ کہ سبز گھاس اگی، اونٹ اتنے موٹے ہوئے کہ گویا چربی سے پھٹے جا رہے ہوں۔ تو اس سال کو تنگی والا سال قرار دیا گیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (م 179ھ)

ایک مرتبہ خلیفہ منصور مدینہ منورہ آیا اور اس نے امام مالک سے دریافت کیا:

استقبل القبلة و ادعو ام استقبل رسول الله صلى الله عليه و سلم؟ فقال: و لم تصرف وجهك عنه و هو وسيلتك و

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

وسیلة ابیك آدم علیه السلام الی الله یوم القیامة؟ بل استقبله واستشفع به فیشفعه الله۔ قال الله تعالیٰ: ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الایة

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ج2ص26 الباب الثالث فی تعظیم امرہ ووجوب توقیرہ)

ترجمہ: میں قبر نبوی کی زیارت کرتے وقت دعا کرتے ہوئے قبلہ رخ ہوں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کروں؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: اے امیر! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے منہ کیوں موڑتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے روزِ قیامت وسیلہ ہیں، بلکہ اے امیر! آپ کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ رہیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طلب گار رہیے، اللہ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ [م204ھ]

امام ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی علی بن میمون سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے سنا کہ:

انی لأتبرك بأبي حنيفة وأجيء إلى قبره في كل يوم يعني زائرا فإذا عرضت لي حاجة صليت ركعتين وجئت إلى قبره وسألت الله تعالى الحاجة عنده فما تبعد عني حتى تقضى (تاریخ بغداد للخطیب: ج1ص101 باب ما ذکر فی مقابر بغداد الخ)

ترجمہ: میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وسیلے سے برکت حاصل کرتا ہوں ہر روز ان کی قبر پر زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہوں اور اس کے قریب اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کی دُعا کرتا ہوں۔ اس کے بعد بہت جلد میری دعا پوری ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ "الخیرات الحسان" میں تحریر فرماتے ہیں: واضح رہے کہ علماء اور اہل حاجات ہمیشہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کرتے اور اپنی حاجات براری میں ان کا وسیلہ پکڑتے رہے ہیں۔ ان علماء میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔

(الخیرات الحسان: ص129)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات اہل بیت نبوی سے توسّل کرتے ہوئے یہ شعر فرمایا ہے، جسے علامہ ابن حجر الہیثمی نے نقل کیا ہے: شعر

اٰل النبی ذریتی وهم الیه وسیلتی *** ارجو بهم اعطی غدا بید الیمین صحیفتی

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اللہ تعالیٰ کی جانب میرا ذریعہ اور وسیلہ ہیں، اور میں امید کرتا ہوں کہ ان ہستیوں کے وسیلہ سے کل (قیامت) کے دن اللہ تعالیٰ میرا صحیفہ مجھے داہنے ہاتھ میں دے گا۔ (الصواعق المحرقہ: ج2ص524)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (م241ھ)

علامہ یوسف بن اسماعیل امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں ایک روایت نقل کرتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ کو وسیلہ بنایا تو ان کے بیٹے عبد اللہ کو تعجب ہوا، اس پر امام احمد بن حنبل نے فرمایا: امام شافعی رحمہ اللہ لوگوں کے لیے آفتاب اور بدن کے لیے صحت کی مانند ہیں۔

(شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق: ص166)

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (م279ھ)

آپ رحمہ اللہ نے ذواتِ مسلمین سے توسّل کو جائز رکھا ہے۔ چنانچہ جامع الترمذی کے ابواب الجهاد میں سے ایک باب کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے:

باب ما جاء فی الاستفتاح بصعالیك المسلمین. (جامع الترمذی: ج1ص299 کتاب الجهاد)

کہ یہ فقراء مسلمین کے وسیلہ سے مدد طلب کرنے کے بارے میں آئی ہوئی روایات کا باب ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

پھر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے:

سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول آبغونی ضعفاء کم فإنما ترزقون وتنصرون بضعفائکم

ترجمہ: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ آپ فرمارہے تھے: مجھے اپنے ضعفاء میں ڈھونڈو کہ تم لوگوں کو اپنے ضعفاء ہی کی بدولت رزق دیا جاتا ہے اور مدد کی جاتی ہے۔

امام محمد بن محمد الغزالی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ [م505ھ]

آپ نے احیاء علوم الدین کے "مدینہ منوّرہ کی زیارت اور اس کے آداب" کے باب میں فرمایا کہ زائر جب روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آئے تو دیگر دعاؤں کے ساتھ یہ کلمات بھی کہے:

اللھم إنا قد سمعنا قولك وأطعنا أمرك وقصدنا نبيك متشفعين به إليك فی ذنوبنا

(احیاء علوم الدین: ج1 ص308)

ترجمہ۔ اے اللہ! ہم نے آپ کا فرمان سنا اور آپ کے حکم کو مانا اور اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت طلب کرتے ہوئے آپ کا قصد کیا۔

امام نووی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (م676ھ)

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ويستحب إذا كان فيهم رجل مشهور بالصلاح أن يستسقوا به فيقولوا : " اللهم إنا نستسقی ونتشفع إليك بعبدك فلان ". روينا فی " صحيح البخاری " أن عمر بن الخطاب رضی الله عنه، كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب.... وجاء الاستسقاء بأهل الصلاح عن معاوية وغيره.

(کتاب الاذکار للنووی: ص218 باب الاذکار فی الاستسقاء)

ترجمہ: یہ مستحب ہے کہ جب لوگوں میں کوئی آدمی پاکیزگی اور تقویٰ کے لحاظ سے مشہور ہو تو اس کے وسیلہ سے استسقاء کریں اور یوں کہیں:

اللھم إنا نستسقی ونتشفع إليك بعبدك فلان

کہ اے اللہ! ہم تیری جانب تیرے بندہ فلاں کے وسیلہ سے استسقاء کرتے ہیں اور ان کی شفاعت کی درخواست کرتے ہیں۔

جیسا کہ صحیح البخاری میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے استسقاء فرمایا اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اہل خیر و پاکیزہ لوگوں کے وسیلہ سے استسقاء کرنا بھی آیا ہے۔

امام کمال الدین بن الہمام الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (م861ھ)

آپ رحمہ اللہ "باب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں فرماتے ہیں:

ثم يسأل النبی صلى الله عليه وسلم الشفاعة فيقول يا رسول الله أسألك الشفاعة يا رسول الله أسألك الشفاعة وأتوسل بك إلى الله فی أن أموت مسلما عن ملتك وسنتك...... ثم ينصرف متباكيا متحسرا على فراق الحضرة الشريفة النبوية والقرب منها

(فتح القدیر: ج3 ص169 و ص174 کتاب الحج، المقصد الثالث فی زیارۃ قبر النبی)

ترجمہ: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرے اور یہ کہے: یارسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں، یارسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی کے ہاں بطور وسیلہ پیش کرتا

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

ہوں کہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں مروں اور آپ کی سنتوں پر عامل ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوں۔۔۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قربِ اقدس سے روتا ہوا اور جدائی کا غم ساتھ لئے ہوئے واپس ہو۔

علامہ احمد بن محمد القسطلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ [م 923ھ]

علامہ قسطلانی شافعی رحمہ اللہ نے "المواہب اللدنیۃ" میں لکھا ہے کہ:

وینبغی للزائر ان یکثر من الدعاء و التضرع و الاشتغاثة و التشفع و التوسل به صلی الله علیه و سلم

(المواہب اللدنیۃ: ج3 ص417 الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف الخ)

ترجمہ: زائر کو چاہیے کہ بہت کثرت سے دُعا مانگے، گڑگڑائے، مدد چاہے، شفاعت کی دعا کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑے۔

مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1176ھ)

اپنی مشہور زمانہ کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں:

ومن ادب الدعاء تقدیم الثناء علی الله و التوسل نبیی الله لیستجاب

(حجۃ اللہ البالغۃ ج2 ص6)

ترجمہ: اور دُعا کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کو مقدّم کیا جائے تا کہ دُعا کو قبولیت کا شرف ہو۔

المہند علی المفند کا حوالہ:

علماء دیوبند کی اجماعی و متفقہ دستاویز "المہند علی المفند" میں تیسرا اور چوتھا سوال توسل کے متعلق تھا، حضرات علماء دیوبند کا متفقہ مسلک اس سوال و جواب میں ملاحظہ فرمائیں:

السوال الثالث والرابع: هل للرجل ان یتوسل فی دعواته بالنبی صلی الله علیه وسلم بعد الوفاة ام لا؟ ایجوز التوسل عندکم بالسلف الصالحین من الانبیاء والصدیقین والشهداء واولیاء رب العالمین ام لا؟

الجواب: عندنا وعند مشائخنا یجوز التوسل فی الدعوات بالانبیاء والصالحین من الاولیاء والشهداء والصدیقین فی حیاتهم وبعد وفاتهم بأن یقول فی دعائه اللهم انی اتوسل الیك بفلان ان تجیب دعوتی وتقضی حاجتی الی غیر ذلك

(المہند علی المفند: ص36، 37)

ترجمہ:

تیسرا اور چوتھا سوال:

کیا وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل لینا دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟ تمہارے نزدیک سلف صالحین یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء اللہ کا توسل بھی جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:

ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعا میں انبیاء، اولیاء، شہداء اور صدیقین کا توسل جائز ہے، ان کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی، آدمی یوں دعا کرے: اے اللہ! فلاں بزرگ کے وسیلہ سے میری دعا قبول فرما اور میری اس ضرورت کو پورا فرما۔

تنبیہ:

"المہند علی المفند" کی اس دور کے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ و دیگر عرب ممالک کے علماء کے ساتھ ساتھ اکابرین دیوبند مثلاً حضرت شیخ الہند مولانا محمود

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

حسن ،مولانا مفتی عزیزالرحمٰن ،حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری ،مولانا محمد احمد قاسمی بن حضرت نانوتوی، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی اور مولانا محمد یحیٰ سہارنپوری وغیرہ نے تائید وتصدیق فرمائی تھی۔ گویا جوازِ توسل پر ان تمام حضرات اکابر ومشائخ کا اجماع واتفاق ہے۔ وللہ الحمد

مسئلہ توسل اور غیر مقلدین:

غیر مقلدین حضرات میں سے بعض حضرات نے مسئلہ توسل کا انکار کیا ہے اور بعض اس کو ثابت مانتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کے کچھ علماء کا ذکر کرتے ہیں جو توسل کو جائز قرار دیتے ہیں۔

قاضی محمد بن علی شوکانی(م1250ھ)

غیر مقلدین کے پیشوا قاضی محمد بن علی شوکانی نے اپنی کتاب "تحفۃ الذاکرین" میں لکھتے ہیں:

ويتوسل إلى الله سبحانه بأنبيائه والصالحين أقول ومن التوسل بالأنبياء ما أخرجه الترمذي ... من حديث عثمان بن حنيف رضي الله عنه... وأما التوسل بالصالحين فمنه ما ثبت في الصحيح أن الصحابة استسقوا بالعباس رضي الله عنه عم رسول الله صلى الله عليه وسلم

(تحفۃ الذاکرین:ص56)

ترجمہ: اللہ کی جانب اس کے انبیاء اور صالحین سے توسل کیا جائے گا، انبیاء علیہم السلام سے توسل کرنے کے باب سے وہ حدیث ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ وغیرہ نے حضرت عثمان بن حنیف سے روایت کیا ہے۔۔۔ صالحین سے توسل کرنے کے باب سے صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے استسقاء کیا۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ والی حدیث کہ "ایک آدمی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس بار بار جاتا تھا الخ" کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفي الحديث دليل على جواز التوسل برسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الله عز وجل

(تحفۃ الذاکرین:ص208)

ترجمہ: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ عزوجل کی جانب توسل کرنے کے جواز پر دلیل ہے۔

علامہ شوکانی نے اپنے رسالہ "الدرالنضید" میں یہ بھی کہا ہے:

ان التوسل به صلى الله عليه وسلم يكون في حياته، وبعد موته، وفي حضرته، ومغيبه

(الدرالنضید:ص19،ص20)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل آپ کی حیات میں بھی ہوتا ہے، موت کے بعد بھی، آپ کے سامنے بھی، آپ کے پیچھے بھی۔

اس عبارت کو عبد الرحمٰن مبارکپوری غیر مقلد نے "تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی" (ج4ص282) میں بھی نقل کیا ہے۔

علامہ وحید الزمان غیر مقلد[م1338ھ]

علامہ وحید الزمان اپنی کتاب "ہدیۃ المہدی" میں لکھتے ہیں:

وقال الشوكاني من اصحابنا: لا وجه لتخصيص جواز التوسل بالنبي كمازعمه الشيخ عزالدين بن عبدالسلام والتوسل الى الله تعالىٰ بأهل الفضل والعلم هو في الحقيقة توسل بأعمالهم الصالحة ومزاياهم الفاضلة، وقال في مقام اُخر: لابأس بالتوسل بنبي من الانبياء او ولي من الاولياء او عالم من العلماء والذي جاء الى القبر زائرلهاودعاالله وحده وتوسل

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

بذلك الميت كان يقول: اللهم انى اسألك ان تشفينى من كذا واتوسل اليك بهذا العبد الصالح، فهذا لاترددفى جوازه انتهى مختصراً

(ہدیۃ المہدی:ص48،49)

ترجمہ: ہمارے اصحاب میں سے قاضی شوکانی نے کہاہے کہ "توسل کے جواز کو نبی (علیہ السلام) کے ساتھ خاص قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے جیسا کہ عزالدین بن عبد السلام نے گمان کیاہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب اہل فضل اور اہل علم کے ذریعے توسل کرنا درحقیقت ان کے اعمال صالحہ اور ان کے اوصاف فاضلہ سے توسل کرناہے۔" قاضی شوکانی ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ "انبیاء میں سے کسی نبی سے، اولیاء میں سے کسی ولی سے یاعلماء میں سے کسی عالم سے توسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جو بندہ قبر کے پاس آیا، اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس قبر والے سے اس طرح توسل کیا کہ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتاہوں کہ فلاں مرض سے مجھے شفاء بخش اور اہل صالح بندہ سے تیری جانب توسل کرتاہوں، تواس کے جائز ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے" انتہیٰ مختصراً۔

منکرین توسل کے شبہات جائزہ

شبہ نمبر1:

قرآن کریم میں ہے کہ مشرکین خدا کو چھوڑ کر دیگر چیزوں کی عبادت کرنے کی وجہ یہ بتاتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى

(سورۃ الزمر:3)

ترجمہ: ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں۔

کافروں کا بھی یہی وطیرہ تھا اور متوسلین بالذات بھی بزرگوں کا توسل اسی لیے لیتے ہیں کہ اس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کریں، تو پھر اِن میں اور اُن میں کیا فرق رہا؟

جواب:

اس آیت کریمہ میں "نَعْبُدُهُمْ" کی تصریح ہے اور غیر اللہ کی عبادت اور ان کو مصائب وحاجات میں براہ راست بلانے کا تذکرہ ہے جو شرکیہ عقائد کو متضمن ہے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ چھوٹے چھوٹے کام جو ان کے اختیار میں ہیں وہ خود کریں گے اور بڑے کام جو ان کے اختیار میں نہیں تو اس کے لیے ہمارے سفارشی بنیں گے اور وسیلے میں یہ باتیں نہیں ہوتیں بلکہ وسیلہ میں مشکل کشا، عالم الغیب، متصرف الامور اللہ تعالیٰ ہی کو ماناجاتاہے اور انبیاء اور اولیاء کو قبولیتِ دعامیں محض واسطہ سمجھاجاتاہے۔ وسیلہ کی حقیقت کو سمجھنے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ہمارے وسیلہ اور مشرکین کے طرزِ عمل میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ارشاد: توسل کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ! فلاں شخص میرے نزدیک آپ کا مقبول ہے اور مقبولین سے محبت رکھنے پر آپ کا وعدہ رحمت ہے المرء مع من احب میں، پس میں آپ سے اس رحمت کو مانگتاہوں۔ پس توسل میں یہ شخص اپنی محبت کو اولیاء اللہ کے ساتھ ظاہر کرکے اس محبت پر رحمت وثواب مانگتاہے اور اولیاء اللہ کا موجب رحمت وثواب ہونا نصوص سے ثابت ہے۔ چنانچہ متحابین فی اللہ کے فضائل سے احادیث بھری ہوئی ہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت:ج21ص48)

لہٰذا اس میں اور مشرکین کے طرزِ عمل میں بہت بڑا فرق ہے۔ دونوں کو ایک سمجھنا کم علمی ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

شبہ نمبر2:

اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں اور اس کے ذمہ کسی کا حق نہیں جیسا کہ مرقاۃ میں ہے" ولا یجب علی اللہ شیء خلافا للمعتزلۃ"

(مرقاۃ ج1 ص237 کتاب الایمان)

لہذا "بحق فلاں" کہنا کیسے درست ہو گا؟!

اور صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

ویکرہ ان یقول فی دعائہ بحق فلان او بحق انبیائك او رسلك لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق

(ہدایۃ: ج4 ص211)

جب کہ متوسلین "بحق فلاں" کے ذریعے توسل کے قائل ہیں

جواب:

جس طرح لفظِ "حق" وجوبی معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح "تفضلی واستحسانی" طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، مثلاً:

1: قرآن مجید میں ہے:" ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ " (سورۃ یونس:103)

ترجمہ: پھر ہم (اس عذاب سے) اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچالیتے تھے (جس طرح ان مؤمنین کو ہم نے نجات دی تھی) ہم اسی طرح سب ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں یہ (حسب وعدہ) ہمارے ذمہ ہے۔

2: ایک دوسرے مقام پر ہے:" وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ " (سورۃ الروم:47)

ترجمہ: اور ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ تھا۔

3: حدیث مبارک میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم من قال حین یمسی رضیت باللہ ربا وبالإسلام دینا وبمحمد نبیا کان حقا علی اللہ أن یرضیہ

(جامع الترمذی: ابواب الدعوات- باب الدعا اذا اصبح واذا امسیٰ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص شام کے وقت یہ دعا پڑھے:" رضیت باللہ ربا وبالإسلام دینا وبمحمد نبیا" تو اللہ کے ذمہ ہے کہ اسے (قیامت کے دن) راضی کرے۔

ہمارا اہل السنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ کوئی چیز اللہ پر واجب نہیں۔ اس لیے ہم وسیلہ میں "حق" کو تفضلی معنیٰ استعمال کرتے ہیں نہ کہ وجوب کے معنیٰ میں۔ فقہاء کرام نے بھی جہاں اس دعاءِ وسیلہ کو مکروہ لکھا ہے جس میں "حق" بمعنیٰ وجوبی ہے جس کی طرف "لاحق للمخلوق علی الخالق" سے اشارہ ملتا ہے۔

لہذا اللہ پر حق وجوبی کا عقیدہ رکھتے ہوئے دعا میں بحق فلاں کا لفظ استعمال کرنا مکروہ ہے اور حق سے مراد غیر وجوبی یعنی تفضلی واستحسانی کے ساتھ دعا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

شبہ نمبر3:

اللہ کا دربار ہر وقت کھلا ہے۔ اللہ خود فرماتے ہیں ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي﴾ [سورۃ البقرۃ:186] لیکن قائلین توسل براہِ راست خدا سے عرض و معروض کرنے کی بجائے ان بزرگوں کے واسطوں اور وسیلوں کے قائل بنتے ہیں۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1

جواب نمبر1:

یہ سوال اس وقت ہو سکتا ہے جب غیر اللہ سے مانگا جائے اور وسیلہ میں غیر اللہ سے نہیں مانگا جاتا بلکہ انبیاء اور اولیا کے وسیلہ سے خدا مانگا جاتا ہے کیونکہ اس طرح دعا کی قبولیت میں اثر ہوتا ہے کہ وہ دعا جو وسیلہ سے مانگی جائے جلد قبول ہوتی ہے۔

جواب نمبر2:

ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ توسل بالذات کے بغیر دعا قبول ہی نہیں ہوتی بلکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ توسل کو دعا کے قبول ہونے میں دخل ہے، جیسے زمان، مکان اور افراد کے بدلنے سے قبولیت دعا کی سرعت میں فرق آنا ظاہر ہے۔ مثلاً

☆ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَکْتُوْبَاتِ۔

(جامع الترمذی ج2 ص187 باب بلا ترجمۃ ابواب الدعوات، السنن الکبریٰ للنسائی ج6 ص32 مایستحب من الدعاء دبر الصلوات المکتوبات)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کے آخر میں اور فرض نمازوں کے بعد۔

☆ بیت اللہ میں دعا کرنا اجابت کے زیادہ قریب ہے بنسبت عام مسجد اور اپنے گھر میں دعا کرنے سے۔

☆ نبی اور ولی دعا کرے تو اس کی قبولیت بنسبت عام آدمی کے زیادہ ہے۔

جواب نمبر3:

اگر توسل بالذات شرک ہے، جائز نہیں کیونکہ اللہ کا دربار ہر وقت کھلا رہتا ہے کسی کے واسطے کی ضرورت نہیں تو پھر ہم قائلین توسل بالدعاء والاعمال سے پوچھتے ہیں کہ اس دلیل کی بناء پر توسل بالاعمال بھی ٹھیک نہ ہونا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ کے دربار میں واسطہ جائز نہیں تو پھر اعمال پیش کرنے کی ضرورت کیا ہے؟! لہذا جس توسل بالاعمال جائز ہے اسی طرح توسل بالذات بھی جائز ہے۔

{TELEGRAM} https://t.me/pasbanehaq1